جدید فقہی مباحث

بعنوان

حج و عمرہ

ترتیب

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی مدظلہ

جلد ۱۳

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

گلشن اقبال کراچی فون 34965677

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُؤُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ، تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ، ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (سورہ البقرۃ/۱۹۶)

(اور حج وعمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو، پس اگر تم گھر جاؤ تو جو ہدی میسر ہو وہ پیش کر دو، اور اپنے سر نہ مونڈو جب تک ہدی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔ جو تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس کے لئے روزے یا صدقہ یا قربانی کی شکل میں فدیہ ہے۔ جب اطمینان کی حالت ہو تو جو کوئی حج تک عمرہ سے فائدہ اٹھائے تو وہ قربانی پیش کرے جو میسر آئے، جس کو میسر نہ آئے تو وہ تین دن کے روزے دوران حج میں رکھے اور سات دن کے روزے واپسی کے بعد۔ یہ کل دس دن ہوئے، یہ ان کے لئے ہے جن کا گھر در جوار حرم میں نہ ہو)۔

فہرست مضامین

ابتدائیہ

﴿لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ. لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ. اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ. لَاشَرِیْکَ لَکَ﴾

حاضر ہوں اے اللہ! حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ حاضر ہوں۔ بیشک سبھی تعریفیں اور نعمتیں تیری ہی ہیں۔ اور بادشاہت بھی۔ تیرا کوئی ساجھی نہیں۔

یہ ہے توحید کا وہ نغمہ جو دل مومن سے نکلتا ہے تو اللہ کی رحمت کو کھینچ لاتا ہے۔ ایک ذلیل بھاگا ہوا غلام، کائنات کے کسی گوشے میں راہ فرار نہیں پاتا اور اپنی عاجزی کے گہرے احساس کے ساتھ مالک الملک کی عنایتوں اور کرم فرمائیوں کے اعتراف کے ساتھ ہر دروازے سے مایوس ہو کر، ہر مادی قوت سے رشتہ توڑ کر، اپنا ہوش کھو کر، بے خودی اور عشق، کیف اور مستی کے والہانہ جذبات کے ساتھ اپنے رب کے حضور اس شان کے ساتھ آتا ہے کہ اسے نہ اپنے کپڑوں کا ہوش ہے اور نہ اپنے بالوں کا، گرد وغبار سے اٹا ہوا یہ چہرہ جو اپنی ساری حیثیتوں کو فراموش کر کے محبوب کے دروازے پر پہونچ کر، اپنی حاضری کا اعلان کرتا ہے۔ اپنے مالک کے گھر کے گرد چکر لگاتا ہے۔ روتا ہے رلاتا ہے۔ کبھی عرفات میں حمد وثنا کرتا ہوا اپنی کوتاہی کی معافی چاہتا ہے۔ مزدلفہ میں قرب الٰہی کا خواہاں ہے۔ جمرات کو نہیں نفس کے شیطان کو کنکریاں مارتا ہے۔ جانور نہیں، حقیقتاً اپنے نفس کی قربانی دیتا ہے۔ صفا ومروہ کے درمیان دوڑ کر سنت عاشقان کو تازہ کرتا ہے۔ اور اس یقین کے ساتھ آتا ہے کہ اس در کے علاوہ کوئی در نہیں۔ اور یہ رحمان کا دروازہ ہے، ہم ہزار برے ہوں لیکن ہمارے گناہوں سے زیادہ وسیع اس کی رحمت کی چادر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ اگر عدل پر اتر آئے تو ہماری نجات ممکن نہیں ہے۔ اس لئے گھبرا کر کہتا ہے مالک! ہمیں آپ کا عدل نہیں، آپ کا فضل چاہئے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ہماری کوتاہیوں کا ذخیرہ اتنا بڑا ہے کہ حساب شروع ہوا تو بہرحال پکڑے جائیں گے، اس لئے پکار کر کہتا ہے، مالک حساب نہ لیجئے ہم حساب دینے کی ہمت کہاں سے لائیں۔ ہم کو تو اپنے فضل وکرم سے حساب وکتاب کے بغیر معاف کر کے جنت دے دیجئے۔ بندہ جانتا ہے اللہ نے صحت دی۔ راستہ کو مامون بنایا۔ آنے جانے کے لائق دولت دی، مال بھی دیا اور جسم کی طاقت بھی۔ شکر مال کا بھی ضروری اور شکر جسم وجان کا بھی ضروری۔ اس لئے حج کو آیا ہے۔ اللہ کی عبادت میں اپنی جان بھی کھپاتا ہے اور اپنا مال بھی خرچ کرتا ہے۔ افسر ہو، تاجر ہو، حکمراں ہو، عالم وفاضل ہو، فقیر بے نوا ہو، سب اپنی امتیازی حیثیت کو مٹا کر، اپنی انانیت اور خودی کو قربان کر کے ذلیل غلام کی طرح مالک کے دروازے پر بھکاری بن کر آتے ہیں۔ اور اس یقین کے ساتھ آتے ہیں کہ یہاں سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا ہے، ہم بھی

بخشش کا پروانہ لے کر جائیں گے، فضل الٰہی اور رحمت باری کی بارش ہم پر بھی ضرور ہوگی۔ اپنی عاجزی کا احساس، اپنی کوتاہیوں کا اعتراف، اللہ کی رحمت پر اعتماد، اور اس سے کچھ نہ کچھ لے کر ہی جائیں گے اس کا یقین۔ پھر کیف و مستی، خود فراموشی اور عشق و محبت کے جذبات سے سرشار ہونا۔ یہی وہ جذبات ہیں اور یہ وہ ادائیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے خزانے کھول دیتا ہے، بڑے بڑے گنہگاروں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور حاجی دربار سے اس طرح لوٹتا ہے جیسے آج ماں کے پیٹ سے بے گناہ پیدا ہوا ہو۔ معصوم، صاف ستھرا، دھلا دھلایا، بڑی دولت لے کر لوٹتا ہے۔

نیت:

سب سے اہم بات یہ ہے کہ حج کیوں کریں۔ شہرت اور ناموری کے لئے؟ دولت اور مال کے لئے؟ سیر اور تفریح کے لئے؟ یا سیاسی مقاصد کے لئے؟ اگر یہ مقاصد ہیں تو ابھی راستے سے واپس چلے جائیں۔ نہ پیسہ برباد کیجئے نہ وقت اور نہ اپنی جسمانی قوت۔ سفر حج تو محض اللہ کی رضا کے لئے کرنا چاہیے۔ اپنی مغفرت کے لئے۔ اپنے مالک کو راضی کرنے کے لئے۔ اس راہ کے مسافر کے لئے تو رضائے ربانی ہی اول و آخر منزل ہے۔ اس کو ان مادی مفادات کا کہاں ہوش۔ وادی عشق و محبت کے مسافر کے لئے تو پہلی شرط ہے ان سبھی مادی اغراض سے بالاتر ہونا۔

شرط اول قدم آن است کہ مجنوں باشی

علامت آپ کے اخلاص کی یہ ہے کہ آپ کی کیفیت یہ ہے کہ اگر آپ کو اس سفر سے دولت نہیں ملے، شہرت نہیں ملے، کوئی دوسرا سیاسی فائدہ حاصل نہ ہو تو بھی آپ اس سفر سے باز نہیں آئیں گے۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو کہ یہ مادی فائدے حاصل ہوں تو آپ جائیں گے، نہیں تو نہیں جائیں گے، پھر آپ مخلص نہیں۔ فقیہ آپ کے حج کو ضابطے کے کانٹوں پر تول کر صحیح کہہ دے تو کہہ دے، لیکن مقبولیت کے ترازو پر اس حج کا کوئی وزن نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قیمت اعمال کی بندہ کی نیت پر متعین ہوتی ہے۔ بس اپنے دل کو جھانک کر دیکھ لیجئے۔ کہیں کوئی کھوٹ ہے تو اسے دور کر لیجئے اور اس سفر کا ارادہ محض اللہ کی رضا کے حصول کے لئے کیجئے (فمن اتی بعبادة لغرض دنیوی بحیث لو فقد لترکھا فلیست بعبادة وانما ھی معصیة۔ ملا علی قاری صفحہ ۳)

حج فرض ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع إلیہ سبیلا. ومن کفر فإن اللہ غنی عن العلمین (القرآن)

لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ وہ اللہ کے گھر کا حج کریں، جس کو اس سفر کی استطاعت ہو اور جو (حج سے) انکار کرے (تو کیا کرے) اللہ سارے جہانوں سے بے پرواہ ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ حج کی فرضیت کا اعلان کر دیں، لوگ پیدل اور طرح طرح کی سواریوں پر دور دور سے آئیں گے۔

اذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا و علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق (القرآن)

اے ابراہیم! لوگوں میں حج کا اعلان کر دیں۔ لوگ پاؤں پیدل اور ہر قسم کی سواریوں پر ہر دور دراز علاقہ سے آئیں۔

اور حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اللہ کے تنہا معبود ہونے کی شہادت، نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کا روزہ اور بیت اللہ کا حج جس میں استطاعت ہو (متفق علیہ)

اور فرمایا:

اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز پڑھو، رمضان کا روزہ رکھو، اپنے رب کے گھر کا حج کرو اور اپنے مال کی زکوٰۃ خوشی خوشی ادا کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے (مشکوٰۃ)۔

نیز ارشاد رسول ہے:

جو شخص حج فرض ادا کئے بغیر مر گیا، بغیر اس کے کہ اسے کوئی ظالم بادشاہ یا سخت مرض یا غالب دشمن سفر سے روکے۔ پس وہ مرے یہودی ہو کر، یا نصرانی ہو کر، یا مجوسی ہو کر (اس حدیث کو ابن جوزی نے موضوع کہا ہے لیکن ابن الجوزجی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے حاشیہ ابن حجی علی مناسک نووی)۔

پوری امت کا حج کے فرض ہونے پر اجماع ہے۔ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ضروری ہے، اس لئے حج کا ضروری ہونا عین عقل و قیاس کے مطابق ہے۔

حج کس پر فرض ہے؟

حج فرض عین ہے، عمر میں ایک بار ہر مسلمان عاقل و بالغ آزاد مرد و عورت پر، جس کے پاس اپنی ضروریات اصلیہ کے علاوہ اتنی دولت ہو کہ وہ آنے جانے کے اخراجات اور دوران سفر اپنے اہل و عیال کے اخراجات پورے کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ تندرست ہو کر سفر کر سکے اور راستہ مامون ہو۔ عورت ہو تو اس کے لئے شوہر یا کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔

حج کی فرضیت کیسی ہے؟

یہ ایک اہم سوال ہے کہ حج کی فرضیت علی الفور ہے یا علی التراخی۔ علی الفور فرض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس سال موسم حج میں اس پر حج فرض ہو گیا، اسی سال اس کو حج کے لئے نکل جانا ضروری ہوگا، اگر وہ اس سال حج کے لئے نہیں نکلا تو وہ گنہگار ہوگا۔ یہ مسلک امام ابو یوسف کا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ سے بھی یہی قول زیادہ صحیح طور پر منقول ہے۔ امام مالک کا مشہور قول، امام احمد بن حنبل سے معروف، اور شوافع میں مازنی کی یہی رائے ہے۔

اور وجوب علی التراخی کا مطلب یہ ہے کہ واجب تو ہو گیا۔ لیکن اسی سال ادا کرنا ضروری نہیں۔

بلکہ عمر میں کبھی بھی ادا کرے۔ مثلاً ظہر کا وقت دو گھنٹے ہے۔ وقت شروع ہوتے ہی نماز فرض ہو جاتی ہے لیکن آخر وقت تک نماز موخر کر سکتا ہے۔ اسی طرح حج دیر سویر عمر میں کبھی بھی ادا کر لے، گنہگار نہیں ہوگا۔ امام محمد، امام شافعی اور ایک قول امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا بھی ہے۔ دونوں ہی رائے کے پیچھے دلائل ہیں لیکن اتنی بات طے ہے کہ اگر کسی شخص پر حج فرض ہو گیا اور اس نے اس سال حج نہیں کیا، پھر آئندہ وہ مالی یا جسمانی معذوری کے باعث حج کرنے کے لائق نہیں رہا تو وہ گنہگار مرے گا۔ (اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے) (تفصیل کے لئے دیکھئے: المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط لملا علی قاری ص ۳۲، بدائع الصنائع للکاسانی ۲/۱۲۰ وقال الکرمانی علی هذا القول فلو لم یحج حتی مات فهل یاثم بذلک، فیه ثلاثة اوجه: احدها انه لا یاثم بذلک لانا انما جوزنا التاخیر فلم یکن مرتکبا محظورا بعد ذلک، والثانی انه یاثم لانا انما جوزنا التاخیر بشرط السلامة والأداء. وهذا اصح الأقوال الخ. ملتقی الابحر شرح مجمع الانهر ۱/۲۶۰)

واضح رہے کہ جن علماء نے موخر کرنے کو جائز بھی کہا ہے تو اسی شرط کے ساتھ کہ آئندہ اس کا پختہ ارادہ حج ادا کرنے کا ہو، وہ لوگ جن پر حج فرض ہے، ڈھیر ساری دولت رکھتے ہیں، ملک ملک کا سفر کرتے ہیں، لیکن حج نہیں کرتے ان کیلئے یہ اجازت نہیں ہے۔ وہ بہرحال گنہگار ہوں گے۔

استطاعت کا مطلب:

رہائشی مکان، فرنیچر، گھریلو سامان، پہننے کے کپڑے، سواری، آلات اور مشینری جس سے وہ روزی کماتا ہے، اور اسی طرح کی دوسری ضروری چیزیں ہر انسان کی بنیادی ضرورتیں ہیں۔ اسی طرح اہل وعیال کا خرچ اور امام ابو یوسف کی روایت کے مطابق سفر حج سے واپسی کے بعد ایک سال تک کے اس کے اور اس کے اہل وعیال کے ضروری اخراجات کے لائق روپے اس کی بنیادی ضرورتوں میں شمار کئے جائیں گے۔ اسی طرح اس کے ذمہ واجب الاداء دین، یہاں تک کہ بیوی کا دین مہر بھی (معجل یا موجل) ایک قول کے مطابق منہا کرنے کے بعد اس کے پاس اتنی رقم ہو کہ اوسط معیار کے مطابق اس کے آنے جانے اور دوران سفر کے اخراجات پورے ہو جائیں تو اس پر حج فرض ہو گا (مناسک ملا علی قاری مع حاشیہ ارشاد الساری ص ۲۹)۔

اگر کسی شخص کے پاس اپنے اور اپنے متعلقین کی ضرورت کے لائق رہائشی مکان کے علاوہ اور مکانات بھی ہیں جنہیں وہ کرایہ پر لگاتا ہے یا اراضی ہیں جنہیں افتادہ چھوڑ رکھا ہے یا ان کی سالانہ پیداوار اس کی سالانہ ضروریات سے زائد ہوتی ہے۔ یا باغات ہیں جن کے پھل اس کی ضرورت سے زائد ہیں۔ یا دکانیں یا دوسرے ذرائع آمدنی ہیں، جو اس کی بنیادی ضرورت سے زائد ہیں تو ایسی صورت میں اس پر حج فرض ہوگا، اگر ان چیزوں کی فروخت سے حاصل ہونے والی قیمت حج کے اخراجات پورا کرنے کے لائق ہو۔ اور اگر اس کے پاس نقد روپے نہ ہوں تو ان چیزوں کو فروخت کرکے اس پر حج کے لئے جانا واجب ہوگا۔ (مناسک ملا علی قاری ص ۳۰)۔

اگر کسی کے پاس ایک ہی مکان ہے لیکن بہت وسیع یا بہت قیمتی کہ اسے فروخت کر کے ضرورت کے لائق

مکان بھی خرید سکتا ہے اور حج بھی کر سکتا ہے تو اس پر حج کیلئے یہ اعلیٰ وسیع اور معیاری مکان اور سامان کو فروخت کرنا واجب نہیں ہوگا (مناسک ملا علی قاری ص ۳۰)۔

سال بھر کے اخراجات کے لائق غلہ اور اناج ہے تو اسے حج کے لئے فروخت کرنا واجب نہیں ہے، ہاں سال بھر کے اخراجات سے زائد غلہ ہو اور اس زائد مقدار کو فروخت کر کے وہ اتنے روپے حاصل کر سکتا ہے جس سے حج کر سکے، تو اسے اس زائد غلہ کو فروخت کرنا ہوگا (مناسک ملا علی قاری ص ۳۰)۔

سواری اور دوران سفر اخراجات کے معیار کے سلسلہ میں ہر شخص کے معیار زندگی اور اس کی عادت و رہائش کا اعتبار ہوگا کہ لوگوں کے حالات قوت برداشت کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ کچھ چیزیں ایک شخص کے لئے تعیش ہوتی ہیں تو دوسروں کے لئے وہی چیزیں ضروریات میں داخل ہوتی ہیں (ملا علی قاری بحوالہ ابن ہمام ص ۳۱)۔

صحت و تندرستی:

وہ شخص جو تندرست تھا اور مالی استطاعت بھی رکھتا تھا، لیکن اس نے غفلت برتی اور وقت پر فریضہ حج ادا نہ کیا اور معذور ہو گیا۔ آنکھیں چلی گئیں، مفلوج ہو گیا۔ ہاتھ یا پاؤں کٹ گئے۔ تو ایسے شخص کو بالاتفاق اپنی طرف سے مال خرچ کر کے دوسرے شخص کو اپنی طرف سے حج کرنے کے لئے بھیجنا ہوگا، اور اگر اتنا بھی موقع نہ ملا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ وصیت کر جائے کہ اس کے مال سے حج کرا دیا جائے (مناسک ملا علی قاری ص ۳۵)۔

اور اگر جس وقت مالی استطاعت حاصل ہوئی اس وقت وہ اندھا ہے، مفلوج ہے۔ بہت بوڑھا اور مریض ہے کہ سفر نہیں کر سکتا۔ تو راجح قول کے مطابق اس شخص کو اگر ایسا رفیق سفر مل جائے جو اس کے سفر میں اس کا معاون و مددگار ہو سکے، تو اس پر خود حج کو جانا، ورنہ کسی کو اپنے بدلہ حج میں بھیجنا یا آخر میں اپنے مال سے حج کرا دینے کی وصیت کرنا واجب ہوگا۔ (مناسک ملا علی قاری ص ۳۵)

محرم کی شرط:

حضور اقدس ﷺ نے عورت کو بغیر محرم سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے کسی عورت کے لئے وہ جوان ہو یا بوڑھی، شوہر یا محرم کے بغیر حج کے لئے جانا جائز نہیں، اگر چلی گئی تو گنہگار اور نافرمان قرار پائے گی اگرچہ حج ہو جائے گا (مناسک ملا علی قاری ص ۳۷)۔

محرم مرد قابل اعتماد، عاقل و بالغ ہو جس سے اس عورت کا نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو۔ خاندانی رشتہ کی وجہ سے، دودھ کے رشتہ کی وجہ سے یا سسرالی رشتہ کی وجہ سے، جیسے باپ، بھائی حقیقی یا سوتیلا، چچا، ماموں، بھتیجے، دودھ بھائی، سسر، داماد (مناسک ملا علی قاری ص ۳۷)۔

ایسے فاسق شخص کے ساتھ سفر نہ کرے جو حرام و حلال کی تمیز نہیں کرتا۔ اور عزت آبرو کے معاملہ میں بے پرواہ ہے۔ چاہے وہ رشتہ میں محرم ہی کیوں نہ ہو (مناسک ملا علی قاری ص ۳۷)۔

چند نیک خواتین کا ساتھ ہو تو بھی عورت کو حج میں نہیں جانا چاہئے، اگرچہ کہ امام مالک اور امام شافعی کہتے

ہیں کہ قابل بھروسہ خواتین کا ساتھ مل جائے تو عورت بغیر محرم کے جا سکتی ہے (مناسک ملا علی قاری ص ۳۸)۔

سفر حج کی نزاکتوں اور آج کے روز بروز بگڑتے ہوئے اخلاقی حالات کے پیش نظر امام ابو حنیفہؒ کے قول پر ہی عمل کیا جانا چاہیے۔ اور بغیر محرم عورت کو ہرگز حج کو نہیں جانا چاہیے۔ اگر شوہر یا محرم اپنے خرچ پر عورت کے ساتھ حج پر جانے کو آمادہ نہیں ہو اور عورت کے پاس مالی صلاحیت ہو تو اس پر شوہر یا محرم کا خرچ بھی دینا واجب ہوگا (مناسک ملا علی قاری ص ۳۸)۔

سفر حج:

حج کا ارادہ ہو تو چاہیے کہ تاریخ کے تعین اور دوسرے متعلق امور کے بارے میں استخارہ کرے۔ اور استخارہ کا طریقہ معروف ہے۔

ماں، باپ، بیوی اور دوسرے وہ رشتہ دار جن کے ساتھ حسن سلوک اس پر ضروری ہے انہیں راضی کر کے سفر کرے۔ عورت اپنے شوہر کو راضی کرے۔ شوہر کے لئے مستحب ہے کہ بیوی کے ساتھ حج کرے۔ حج اگر فرض ہو تو ماں باپ منع کریں جب بھی حج کرے (مناسک نووی ص ۲۵۔۲۶)۔

اپنے اہل و عیال کے لئے واپسی تک کے اخراجات کا انتظام کر جائے (مناسک ملا علی قاری ص ۳)۔

حج کے لئے خالص حلال آمدنی خرچ کرے، مال مشتبہ اور مال حرام ہرگز خرچ نہیں کرے۔ اگر مال حرام سے حج کرے گا تو یہ حج مقبول و مبرور نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ تو فرماتے ہیں کہ حج ہوگا ہی نہیں (مناسک نووی ص ۲۷)۔

سفر حج میں ممکن حد تک زیادہ روپے ساتھ رکھے تاکہ کشادہ دلی کے ساتھ دوسرے ضرورت مندوں کی مدد کر سکے (مناسک نووی ص ۳۱)۔

سامان سفر حج کی خریداری میں بھاؤ تاؤ نہ کرے اور نہ بخل سے کام لے خوش دلی کے ساتھ خرچ کرے کہ یہ عبادت ہے (مناسک نووی ص ۳۱)۔

سفر حج میں اپنا اپنا خرچ علیحدہ رکھنا بہتر ہے۔ رفقاء حج ایک ساتھ کھا پی سکتے ہیں مگر یہ دیکھ لے کہ سبھی وسیع القلب اور فراخ حوصلہ لوگ ہوں کہ کسی کے زیادہ کھا لینے پر دوسرے کے دل میں کدورت پیدا ہو (نووی ص ۳۲)۔

اگر کوئی سواری کرایہ پر لیں تو چھوٹا بڑا جو بھی سامان ہو دکھا دیں۔ دھوکہ دے کر زیادہ سامان نہ لادیں۔ ریل کے سفر میں قانوناً جتنا سامان لے جانا درست ہے اتنا ہی لے جائیں زیادہ سامان ہو تو وزن کرا کر زائد محصول ادا کر دیں (مناسک نووی ص ۳۵)۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ:

جو حج کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ وہ حج کا طریقہ اچھی طرح سیکھ لے۔ اور یہ فرض عین ہے اس لئے کہ عبادت اس کی صحیح نہیں ہوگی جو عبادت کا طریقہ نہیں جانتا ہو۔ اور مستحب ہے کہ کوئی ایسی واضح کتاب اپنے پاس رکھے

جو مسائل واحکام ومقاصد حج کے لئے جامع ہو اسے ہمیشہ پڑھتا رہے اور پورے سفر میں بار بار پڑھتا رہے تاکہ پوری طرح مسائل پر اس کی تحقیقی نگاہ ہو جائے، جو ایسا نہیں کرے گا ہمیں ڈر ہے کہ وہ بغیر حج کے لوٹے گا کہ کہیں کسی شرط میں اور کبھی کسی رکن میں خلل پیدا کر دے گا۔ اور بسا اوقات لوگ مکہ والوں کی تقلید کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ مسائل حج جانتے ہیں، اور اس طرح وہ دھوکہ کھا جاتے ہیں، یہ سخت غلطی ہے (مناسک نووی رص ۳۷)۔

سفر حج میں ایسا ساتھی تلاش کریں جس کے ساتھ مزاج ہم آہنگ ہو، خیر کا طالب ہو، برائی سے دور رہنے والا ہو، آپ کچھ بھول جائیں تو وہ یاد دلائے، غلطی کریں تو اس پر ٹوکے، کسی عالم کا ساتھ ہو تو سب سے بہتر کہ وہ آپ کو اپنے علم وعمل سے فائدہ پہنچاتا رہے (مناسک نووی رص ۳۸)۔

دوران سفر ہمیشہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عزت واکرام اور ایثار کا برتاؤ کریں، ہر آرام وراحت کے موقع پر دوسروں کو آگے اور اپنے کو پیچھے رکھیں۔ کوئی ناگوار بات کسی ساتھی سے ہو جائے تو اسے برداشت کریں۔ اگر بات ناقابل برداشت ہو اور اصلاح کی کوئی صورت نہ ہو تو خوبصورتی کے ساتھ علیحدہ ہو جائیں۔ (مناسک نووی رص ۳۸، ۳۹) خبردار خبردار بغض وعناد اور لڑائی فساد سے آپس میں بچتے رہیں کہ اس سے آپ کی عبادت خراب ہو جائے گی۔

روانگی:

اپنے سارے گناہوں سے توبہ کریں پورے خلوص کے ساتھ، جن گناہوں میں مبتلا ہوں انہیں فوراً چھوڑ دیں۔ جو گذر گیا اس پر شرمندہ ہوں۔ آئندہ کے لئے پھر نہ دہرانے کا عزم ہو۔ نماز چھوٹتی رہی ہے تو اس کی قضا شروع کر دیں۔ اگر کسی کو دکھ پہنچایا ہے تو اس سے معافی مانگ لیں اور اسے منالیں۔ کسی کا کچھ باقی ہو تو اسے ادا کر دیں یا اس سے خوشی خوشی معاف کرالیں۔ جس کا حق تھا وہ مرگیا یا لاپتہ ہے تو اس کی طرف سے فقیروں کو صدقہ کر دیں اور نیت پختہ کرلیں کہ اگر کبھی اس کا وارث مل گیا یا غائب ہونے کی صورت میں وہ خود مل گیا تو اسے اس کا دین ادا کر دیں گے۔

سامان سفر میں ضرورت کے لائق کپڑے، بستر، لوٹا، گلاس، جانماز، ٹارچ، چاقو، سوئی، دھاگہ، قینچی، استرہ، آئینہ، کنگھی، سرمہ دانی، حج کی کتاب، کھانے کے لئے ضروری برتن ساتھ رکھ لیں۔

مستحب ہے کہ روانگی کے وقت اپنے گھر میں دو رکعت نماز پڑھیں، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایھا الکافرون، اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھیں۔ سلام کے بعد آیۃ الکرسی اور لایلف پڑھ لیں۔ پھر اللہ سے خوب جی لگا کر دعا مانگیں:

اے اللہ تو ہی میرے سفر کا ساتھی اور میرے غائبانہ میں میرے اہل وعیال اور میرے مال ودولت کا نگہبان ہے۔ اے اللہ اس سفر میں نیکی، پرہیزگاری اور اپنے پسند کے کاموں کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ ہمارے لئے سفر کو آسان اور مختصر کر دیجئے اور اس سفر میں ہمیں سلامتی عقل کی، دین کی، بدن کی، مال واولاد کی عطا فرمائیے۔ اپنے گھر کا حج اور اپنے نبی کی زیارت کا موقع عطا فرمائیے۔ اے اللہ اس سفر میں اکڑ اور تکبر کے ساتھ نہیں نکلا ہوں۔ نہ

دکھانے اور شہرت کے لئے۔ میں تو آپ کی ناراضی سے بچنے کے لئے، آپ کو راضی کرنے کیلئے، فرض ادا کرنے کے لئے، آپ کے نبی کی سنت کی پیروی میں اور آپ سے ملاقات کے شوق میں نکلا ہوں۔ پس اے اللہ مجھ سے اس سفر کو قبول فرمالیجئے اور اشرف العباد سیدنا محمد ﷺ اور ان کی اولاد اور ان کے صحابہ پر رحمت نازل فرمایئے۔

عربی کے الفاظ یوں ہیں۔

اللهم أنت الصاحب في السفر والخليفة في الأهل والمال، اللهم إنا نسئلك في مسيرنا هذا البر والتقوى ومن العمل ما تحب وترضى، اللهم إنا نسئلك أن تطوى لنا الأرض وتهون علينا السفر وارزقنا في سفرنا هذا السلامة في العقل والدين والبدن والمال والولد و تبلغنا حج بيتك الحرام و زيارة نبيك عليه أفضل الصلاة والسلام. اللهم إني لم أخرج أشراً ولا بطراً ولا رياءً ولا سمعة بل خرجت اتقاء سخطك وابتغاء مرضاتك وقضاء لفرضك واتباعا لسنة نبيك محمد ﷺ وشوقا إلى لقائك، اللهم فتقبل ذلك مني وصل على أشرف عبادك سيدنا محمد وعلى آله وصحبه الطيبين الطاهرين أجمعين.

حج کے موضوع پر اردو میں بہت ساری اہم کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ مفتی سعید احمد صاحب کی معلم الحجاج، حضرت گنگوہیؒ کی زبدۃ المناسک اور مولانا شیر محمد جالندھری کی شرح زبدہ، مولانا منظور نعمانی کی آپ حج کیسے کریں؟ مستند اور معتبر ہیں لیکن وقت کے گذرنے کے ساتھ حج کے باب میں کئی نئے مسائل پیدا ہوئے۔

دور حاضر میں حجاز مقدس کی تجارتی اہمیت، حجاج کی بے پناہ کثرت، ویزا اور ٹکٹ وغیرہ کی قانونی پابندیوں نے حج اور عمرہ کے مختلف مسائل کو علماء اور فقہاء کے لئے غور طلب بنا دیا ہے، کیونکہ ان مسائل کے تعلق سے حج اور عمرہ کرنے والے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدہ وغیرہ میں تجارت یا ملازمت کی غرض سے رہنے والے دشواریوں میں مبتلا ہوتے ہیں، بعض مسائل میں بعض فقہی مسالک پر عمل موجودہ حالات میں انتہائی دشوار ہے، جبکہ دوسرے فقہی مسالک میں یسر و سہولت کا پہلو پایا جاتا ہے، اس طرح کے چند مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ حج یا عمرہ کی نیت سے حرم مکی میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہو، لیکن جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم مکی کی حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں کیا ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں؟ اس سلسلے میں فقہاء مجتہدین کے مسالک اور دلائل کی تفصیل اور ترجیح کیا ہے۔

۲۔ آج کل تیز رفتار تجارتی سرگرمیوں اور وسائل آمد و رفت کی کثرت و سہولت کی وجہ سے اہل مکہ کا حدود حرم سے باہر جا کر پھر مکہ مکرمہ واپس آنا اور حجاز مقدس کے دوسرے شہروں (مدینہ منورہ وغیرہ) کے باشندوں کا مختلف اغراض سے بار بار مکہ آنا ہوتا ہے، مثلاً ٹیکسی ڈرائیور بار بار مکہ، جدہ، مدینہ کے درمیان آمد و رفت کرتے ہیں، اسی طرح

تجارتی سامان لانے، لے جانے والے ملازمین اور تجارتی کمپنیوں کے ایجنٹوں کو بار بار حدود حرم کے اندر باہر آمد و رفت کرنی ہوتی ہے، ایسے لوگوں کے لئے ہر بار میقات میں داخل ہوتے وقت احرام باندھنا اور ارکان عمرہ کی ادائیگی وقت طلب اور دقت طلب ہے، جن فقہاء کے نزدیک حرم مکی میں داخل ہونے والے ہر شخص کے لئے (خواہ وہ حج یا عمرہ کی نیت نہ رکھتا ہو) احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہونے کی پابندی ہے کیا ان کے نزدیک ایسے لوگوں کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے؟ جنہیں تقریباً روزانہ اور کبھی کبھی ایک سے زائد مرتبہ تجارت، ملازمت یا دوسرے مقاصد سے حرم مکی کے اندر آمد و رفت کرنی ہوتی ہے۔

۳۔ مکہ مکرمہ میں مقیم شخص اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اشہر حج (حج کے مہینے) شروع ہونے کے بعد اس کے لئے عمرہ کرنا درست ہے یا نہیں، یعنی مکی کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش ہے یا نہیں؟

۴۔ جو حضرات ائمہ مکی کے لئے تمتع و قران کو جائز نہیں کہتے اور اسی کے ساتھ ساتھ میقات کے باہر سے مکہ مکرمہ جانے والے ہر شخص کے لئے (خواہ اس کی نیت حج یا عمرہ کی نہ ہو) میقات سے احرام باندھ کر داخل ہونا لازم قرار دیتے ہیں ان کے مسلک کے اعتبار سے ایک دشواری یہ پیش آتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں مقیم جو حضرات حج کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر وہ اپنی کسی ضرورت سے اشہر حرم میں میقات کے باہر گئے، پھر مکہ مکرمہ واپس ہونے لگے، اگر وہ احرام باندھے بغیر میقات کے اندر داخل ہوئے تو انہیں بلا احرام میقات سے تجاوز کرنے کی وجہ سے دم دینا پڑے گا، اور اگر احرام کے ساتھ میقات میں داخل ہوئے تو احرام سے حلال ہونے کے لئے انہیں ارکان عمرہ ادا کرنے ہوں گے، اور اسی سال حج کرنے کی صورت میں تمتع کرنے کی وجہ سے دم جنایت لازم ہوگا اور ایک ممنوع صورت کا ارتکاب ہوگا، اس صورت حال سے بچنے کے لئے حج کا ارادہ رکھنے والے اہل مکہ کو پابند کرنا کہ اشہر حج شروع ہونے کے بعد میقات کے باہر نہ جائیں، تنگی اور دشواری کی بات ہے، کیونکہ اشہر حج کا عرصہ خاصا طویل ہے، اور اہل مکہ اپنی مختلف ضرورتوں کی بنا پر میقات کے باہر جانے پر مجبور ہوتے ہیں، اہل مکہ کی اس مشکل کا شرعی حل کیا ہے؟

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کر سکتا ہے یا نہیں؟

۶۔ حجاج کی غیر معمولی کثرت اور رمی جمرات کی جگہ انتہائی محدود ہونے کی وجہ سے رمی جمرات کا عمل خصوصاً بوڑھوں اور معذوروں کے لئے خاصا دشوار ہو گیا ہے، اس کی وجہ سے رمی جمرات میں نیابت کا رواج ہوتا جا رہا ہے، بعض لوگ مریض و معذور نہ ہونے کے باوجود محض کسل اور آرام پسندی کی وجہ سے کسی دوسرے کو رمی کے لئے بھیج دیتے ہیں، اس سلسلے میں درج ذیل امور دریافت طلب ہیں:

(الف) عمل رمی میں کوئی شخص دوسرے کی نیابت کر سکتا ہے یا نہیں؟

(ب) رمی میں اگر نیابت ہو سکتی ہے تو صرف مریض یا معذور کے لئے، یا ہر شخص کے لئے، اس معذوری کی کیا حد ہے جس کی وجہ سے نیابت جائز ہے، کیا محض ازدحام کے خوف سے نائب

رہنا درست ہے؟

۷۔ سعودی عربیہ میں رہنے والے غیر ملکیوں کے لئے بھی حج کرنے کے لئے حکومت سے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے، بعض لوگ حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دئے جاتے ہیں، کیا ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہیں، ان کا احرام کس طرح ختم ہوگا اور انہیں کیا کرنا ہوگا؟

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے یا مسنون؟ اس سلسلے میں ائمہ کے مسالک کی کیا تفصیل ہے۔

احناف کے مفتی بہ قول میں ترتیب کو واجب کہا گیا ہے اور ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہونے پر دم لازم قرار دیا گیا ہے۔ دور حاضر میں اس ترتیب کی رعایت میں دشواری یہ ہے کہ حجاج کے بے پناہ ازدحام، موسم کی شدت، قیام گاہ اور مذبح میں کافی دوری ہونے اور سواری نہ ملنے کی وجہ سے حجاج کے لئے (خصوصاً ضعیف و معذور حجاج کے لئے) خود مذبح جاکر قربانی کرنا انتہائی مشکل ہوگیا ہے، اس لئے حجاج عام طور پر قربانی کی رقم ان اداروں کے حوالہ کر کے فارغ ہوجاتے ہیں جو حجاج کی طرف سے نیابۃً قربانی کا نظم کرتے ہیں اور حکومت کی طرف سے اس کے مجاز ہیں، قربانی کا نظم کرنے والے ان اداروں کے ذمہ داروں کے مسلک میں ترتیب واجب نہیں، اس لئے یہ لوگ بسا اوقات ترتیب کا خیال نہیں کرتے۔ ان حالات میں اگر رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب قائم نہ رہ سکے تو دم لازم ہوگا یا نہیں؟ مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر کیا اس مسئلہ میں فقہ حنفی کے قول مرجوح کو اور دوسرے ائمہ کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟

۹۔ آج عام طور پر معروف حج تمتع ہے، افراد یا قران شاذ و نادر ہے، کیا اس صورت میں حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنا عرفاً حج تمتع تصور کیا جائے گا؟

حج بدل کرنے والے کے بارے میں درج ذیل باتیں دریافت طلب ہیں:

(الف) کیا حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کرسکتا ہے؟

(ب) حج بدل کرنے والا آمر کی صریح اجازت کے بغیر حج تمتع کرسکتا ہے یا نہیں؟

(ج) آمر سے تمتع کی صریح اجازت نہیں لی لیکن حج بدل کرنے والے کا ظن غالب ہے کہ آمر اس کی اجازت دے دیتا ہے تو تمتع کرسکتا ہے؟

(د) باذن الآمر یا بدون اذن الآمر تمتع کرنے کی صورت میں دم تمتع آمر کے مال میں لازم ہوگا یا حج بدل کرنے والے کے مال میں؟

(ھ) اگر حج بدل کرنے والے کے لئے آمر کی اجازت سے بھی تمتع کی گنجائش نہ ہو تو وہ حج بدل کرنے والا کیا کرے جسے حکومت کے نظم و قانون کے تحت ایام حج سے بہت پہلے حج کا سفر کرنا پڑے، اس کے لئے طویل عرصہ تک احرام کی پابندیوں کو جھیلنا انتہائی دشوار ہوتا ہے، کیا اس کی دشواری کا کوئی شرعی حل ہے؟

(د) حج من الميت کی صورت میں تمتع کی گنجائش ہے یا نہیں؟

۱۰۔ کوئی حج کرنے والی عورت حیض یا نفاس کی وجہ سے طواف زیارت نہ کر سکی، اس کے لئے پاکی کا انتظار ناقابل عمل ہے، کیونکہ اس کا ویزا نہیں بڑھ پا رہا ہے یا جہاز کی تاریخ میں تبدیلی نہیں ہو پا رہی ہے یا نفقہ ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا مکہ مکرمہ میں ٹھہر کر انتظار کرنا مشکل ہے، ایسی عورت اگر طواف زیارت کے بغیر واپس چلی جاتی ہے تو اس کا حج ترک رکن کی وجہ سے نامکمل رہتا ہے، دوبارہ اس کا وطن سے واپس آکر طواف زیارت کرنا ناقابل عمل ہے، مثلاً اس میں دوبارہ آنے کی استطاعت نہیں ہے یا قانونی رکاوٹیں اس کے واپس آنے میں حائل ہیں، ایسی عورت کیا کرے؟

(الف) کیا اس کے لئے اجازت ہے کہ ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرے؟

(ب) اس نے اگر ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کیا تو رکن ادا ہو گیا یا نہیں؟ دم لازم ہوگا یا نہیں؟

(ج) اگر دم لازم ہوگا تو بدنہ ذبح کرنا ہوگا یا بکرا کافی ہوگا؟

(د) اور دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ میں ہی ضروری ہے یا یہ کہ حرم مکہ سے باہر اور اپنے مقام پر بھی ادا کیا جا سکتا ہے؟

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو وہ ایام عدت میں عمرہ و حج ادا کر سکتی ہے یا نہیں؟

۱۲۔ حج کا سفر کرنے والا ایام حج، یعنی ۸؍ ذی الحجہ سے اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہونچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ۱۵ ایام قیام سے پہلے ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں اور وہ منیٰ چلا جاتا ہے، تو وہ مقیم ہوگا یا نہیں؟ جبکہ پہلے دونوں آبادیاں الگ الگ تھیں مگر اب مکہ مکرمہ شہر پھیلتے ہوئے منیٰ کی آبادی کے متصل ہو گیا ہے۔

۱۳۔ رمضان میں جو لوگ عمرہ کے لئے جاتے ہیں، نیز سعودیہ وغیرہ میں مقیم احناف کے لئے ایک مسئلہ وتر میں اقتداء کا ہے کہ بلاد عرب میں عموماً وتر کی تینوں رکعات فصل کے ساتھ یعنی دو رکعات پر سلام کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں، تو اب دو ہی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اپنے مذہب کی رعایت میں مسجد حرمین کی جماعت کو چھوڑ کر اپنا آدمی وتر کی نماز تنہا ادا کرے، یہ صورت مناسب معلوم نہیں ہوتی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ امام کی اقتداء میں وتر کو ادا کرے تو مذکورہ خرابی لازم آتی ہے کہ امام فصل کے ساتھ وتر ادا کرتا ہے، تو کیا اس کی گنجائش ہے کہ جماعت و مجمع کی رعایت میں وہ امام مسجد کی اقتدا کرے؟

یہ اور اس طرح کے بہت سے سوالات ہیں جن کا حل پیش کرنا علماء و فقہاء کی ذمہ داری تھی اور ہے، اس لئے یہ سارے سوالات دسویں فقہی سیمینار منعقدہ بمبئی میں پیش کئے گئے۔ اس سلسلہ میں علماء نے تحقیق کے بعد جو بحوث لکھیں، مباحثے اور میٹنگ کے بعد جو فیصلے ہوئے وہ ہم اس جلد میں شائع کر رہے ہیں۔ میں اپنے رفقاء اکیڈمی کی غیر معمولی جدوجہد کے لئے شکر گذار بھی ہوں اور دعا گو بھی۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

سکریٹری جنرل

۲۳؍ مارچ ۱۹۹۹ء مطابق ۵؍ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ

تلخیص

مقالات

تلخیص مقالات بابت حج وعمرہ

سوال نمبرا:۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ حج یا عمرہ کی نیت سے حرم مکی میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہو لیکن جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات، یا اس طرح کے دیگر اغراض ومقاصد سے حرم مکی میں داخل ہونے والے اشخاص کے لئے بھی کیا احرام ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں؟

اس سلسلے میں مقالہ نگاروں کی دو رائیں ہیں، بیشتر حضرات نے ضرورت، حاجت شدیدہ اور مشقت کی وجہ سے جمہور ائمہ کے مسلک کو راجح قرار دیتے ہوئے بغیر احرام میقات کے اندر داخل ہونے کی اجازت دی ہے، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا جمیل احمد نذیری، اسعد اللہ قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا محمد ابرار الحق قاسمی، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا صدر عالم قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا مصلح الدین بڑودوی، مولانا عزیز اختر قاسمی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابرار خان ندوی، مولانا محمد نور قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عبد الفتاح عادل، مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا محمد عمر فلاحی۔

ان حضرات نے عام طور پر حرج ومشقت سے متعلق آیات اور قواعد شرع اور فقہاء کی ملی جلی عبارتیں پیش کی ہیں، مثلاً:

(۱) لاینکر تغیر الأحکام بتغیر الزمان (خالد سیف اللہ رحمانی)

(۲) ماجعل علیکم فی الدین من حرج (الآیۃ)

(۳) إن الدین یسر

(۴) إن اللہ یرید بکم الیسر ولا یرید بکم العسر

(۵) رخص رسول اللہ ﷺ للضعفۃ من أھلہ فی ترک الوقوف بمزدلفۃ (اعلاء السنن ۱۰/۱۳۲)

(۶) من کان داخل المیقات، لہ أن یدخل مکۃ بغیر إحرام لحاجتہ لأنہ یکثر دخولہ مکۃ وفی إیجاب الإحرام فی کل مرۃ حرج بین (فتح القدیر ۳/۲/۳۵)

(۷) لو أوجبنا الإحرام علی من یتکرر دخولہ أفضی إلی أن یکون جمیع زمانہ محرما فسقط

للمحرج (المغنی ۳/۲۶۸)

اور مولانا شمس پیرزادہ، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا محمد یونس ندوی، مولانا شکیل احمد، مولانا قمر الحسن ندوی، مولانا راشد حسین ندوی وغیرہم نے بلا احرام دخول کی اجازت کے لئے مندرجہ ذیل روایات سے استدلال کیا ہے:

(۱) عن جابر ان النبی ﷺ دخل یوم فتح مكة وعليه عمامة سوداء بغير إحرام (مسلم نسائی ۱/۳۳۹)

(۲) عن انس ان النبی ﷺ دخل مكة عام الفتح وعلى رأسه المغفر، قال مالك ولم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم. يومئذ محرما (احمد، بخاری)

(۳) يجوز دخول مكة بغير إحرام لمن لم يرد حجا ولا عمرة سواء أكان دخوله لحاجة تتكرر كالحطاب والحشاش والسقاء والصياد وغيرهم أم لم يتكرر كالتاجر والزائر وغيرهما سواء أكان آمنا أم خائفا (فقه السنة ۵/۱۳۰)، سواء كان دخوله لحاجة تتكرر أم لم يتكرر (مسلم مع النووی ۱/۴۳۷)

اور مولانا ظفر الاسلام، مولانا ارشاد القاسمی، مولانا فضل الرحمن قاسمی اور مفتی عبد الرحیم صاحبان نے جواز کے لئے حیلے کی تجویز پیش کی ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اس صورت میں بھی احرام کی پابندی ضروری ہے، اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مولانا ضیاء اللہ اسعدی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، محفوظ الرحمن شاہین جمالی، خورشید انور اعظمی، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا سعید الرحمن قاسمی اور مولانا ابو سفیان مفتاحی نے تاجر اور مواقع ضرورت کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔

دلائل:

(۱) قاعدہ ہے: قول و فعل میں تعارض کے وقت قول کو اور اباحت و حرمت میں حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۲) عن خصيف بن سعيد بن جبير ان النبی ﷺ قال: لا يجاوز أحد الوقت إلا المحرم (مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۵۲)

(۳) عن ابن عباسؓ قال: إذا جاوز الوقت فلم يحرم حتى دخل مكة رجع إلى الوقت فأحرم وإن خشي إن رجع إلى الوقت فإنه يحرم ويهريق لذلك دما (مسند اسحاق بن راہویہ)

(۴) عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال: هذه مكة حرمها الله عز وجل يوم خلق السموات والأرض لم تحل لأحد قبلي ولا لأحد بعدي وإنما أحلت لي ساعة من نهار (نسائی

(۵/۲۱)

(۵)قال اللہ: لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام إن شاء اللہ آمنین محلقین رؤوسکم ومقصرین (الآیۃ)

سوال نمبر۲:

تاجروں، کمپنیوں کے ایجنٹوں، گاڑیوں کے ڈرائیوروں اور وہ حضرات جن کو روزمرہ حدود حرم عبور کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے ہر بار احرام باندھنا اور ارکان عمرہ ادا کرنا وقت طلب اور وقت طلب ہے، جن فقہاء کے نزدیک حج وعمرہ کی نیت نہ رکھنے والے کے لئے بھی احرام باندھ کر حرم میں داخل ہونے کی پابندی ہے ان کے نزدیک ایسے لوگوں کو احرام کی پابندی سے مستثنی کیا جاسکتا ہے؟

اس بارے میں اکثر مقالہ نگار حضرات نے ایسے لوگوں کے لئے احرام کو واجب قرار نہیں دیا ہے، ان کے نزدیک عدم وجوب کی اصل بنیاد حرج وتنگی ہے کہ ان لوگوں کو اگر ہر وقت احرام کا پابند قرار دیا جائے تو بہت بڑی تنگی اور مشقت وحرج کو دعوت دینا ہوگا جب کہ شریعت نے "الحرج مرفوع" اور "إذا ضاق الأمر اتسع" کہا ہے، مزید دلائل جواب نمبر۱ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

البتہ مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عبد اللطیف مظاہری، مولانا ابراہیم فلاحی اور سعید الرحمن قاسمی صاحبان کی رائے عدم جواز کی ہے، جن میں مولانا عبد اللطیف مظاہری نے صرف اہل مکہ کو تجارتی یا دیگر کسی مقاصد سے بغیر احرام آنے جانے کی ضرورۃ اجازت دی ہے اور اس پر حکم اباحت کو محدود کیا ہے۔

مولانا برہان الدین اور ابراہیم فلاحی صاحبان کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ محض قیاسی ہوتا تو اس کی گنجائش تھی اور واقعہ یہ نہیں ہے بلکہ بلا احرام دخول حرم کی ممانعت منصوص ہے، نیز شعائر اللہ اور اس سرزمین کے تقدس وعظمت اور لوگوں میں عبادتوں کے رجحان کی کمی کا تقاضا یہ ہے کہ مزید اس کی تاکید کی جائے۔

المشقة والحرج انما يعتبران عند عدم النص.

المشاق على قسمين مشقة لا تنفك عنها العبادة غالباً .... فلا أثر لها في إسقاط العبادات.

سوال نمبر۳:

مکی کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ پر مقالہ نگار حضرات کے قدر مشترک چار نقاط نظر ہیں:

پہلا نقطۂ نظر:

اکثر کی رائے عدم جواز کی ہے کہ مکی اگر حج تمتع یا قران کرنا چاہے تو شرعاً اس کی گنجائش نہیں ہوگی، ان حضرات نے زیادہ تر درج ذیل آیت، احادیث اور عبارات فقہاء سے اپنی رائے مدلل کی ہے، جن میں مولانا زبیر احمد قاسمی،

مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا عبد اللطیف مظاہری، مولانا ثناء الہدی قاسمی، مولانا شکیل احمد، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا شمیم احمد قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا نور الحق رحمانی صاحبان کے نام شامل ہیں۔

دلائل:

(۱) فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام في الحج وسبعة إذا رجعتم تلك عشرة كاملة ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام (بقرۃ/۱۹۶)

(۲) قال قتادة ذكر لنا ان ابن عباس كان يقول يا أهل مكة لا متعة لكم أحلت لأهل الآفاق وحرمت عليكم إنما يقطع أحدكم واديا أو قال يجعل بينه وبين الحرام واديا يهل بعمرة (ابن کثیر ۱/۱۳۳۵-۱۳۳۶)

ابرار الحق قاسمی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا صدر عالم قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا فضل الرحمن قاسمی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا محمد عمر فلاحی، مولانا محمد ابرار خان ندوی، محمد جنید احمد فلاحی۔

مولانا خورشید احمد اعظمی نے مکی کے لئے ایسا نہ کرنے کو بہتر سمجھا ہے اور مولانا ظفر الاسلام نے حیلہ اپنانے کا مشورہ دیا ہے۔

تیسری رائے:

(مولانا مصلح الدین برودوی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا منظور احمد قاسمی) کی ہے، مولانا مصلح الدین اور مفتی جمیل احمد نذیری صاحب کے نزدیک مکی کے لئے تمتع اور قران نہیں ہے، اور مولانا منظور احمد، مولانا برہان الدین سنبھلی صاحبان نے بغیر احرام دخول حرم کو ممنوع قرار دیا ہے۔

دلائل:

☆ فليس للمكي أن يدخل مكة من غير إحرام لأنه صار آفاقيا (بحر الرائق ۲/۳۱۹)

☆ وقد روى عن ابن عمر أنه قال إنما التمتع رخصة لمن لم يكن له أهله حاضري المسجد الحرام ...... والمراد المتعة ولو كان المراد الهدى لقال وذلك على من لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام أيضا فإن التمتع لأهل سائر الآفاق إنما هو تخفيف من الله وإزالة المشقة عنهم في إنشاء سفر لكل واحد منهما وأباح لهم الاقتصار على سفر واحد في جمعهما جميعا إذ لو منعوا عن ذلك لأدى ذلك إلى مشقة وضرر وهلما لا مشقة عليهم ولا ضرر في فعل العمرة في غير أشهر الحج (احکام القرآن للجصاص ۱/۲۸۸)

سوال نمبر ۵:

تمتع کرنے والے آفاقی، ظاہر ہے پہلے عمرہ ادا کرتے ہیں اور اس کے بعد حج کا احرام، تو درمیان میں جو وقت بچتا ہے اس میں مزید عمرے کر سکتے ہیں یا نہیں؟

اس کا جواب بیشتر مقالہ نگار حضرات نے اثبات میں دیا ہے کہ شرعاً اس کی اجازت ہے، اس دوران مزید عمرے کر سکتے ہیں اور بہت سے مؤیدات و دلائل اس کے جواز پر پیش کئے ہیں، بطور نمونہ چند ذکر کئے جا رہے ہیں:

دلائل:

☆ألمو الحج والعمرة مطلقا عن الوقت (بدائع ۲/۲۲۷)

☆عن ابن عباسؓ قال سمعت عمرہ یقول: لو اعتمرت ثم اعتمرت حججت لتمتعت (احکام القرآن للرازی ۱/۲۸۵)

☆وتصح في كل السنة ولكن يكره تحريما إنشائها بالإحرام في خمسة أيام بعد يوم عرفة ويوم النحر وأيام التشريق للمنهي عنها فيها۔

☆أفادانه يفعل مايفعل الحلال فيطوف بالبيت مابداله ويعتمر قبل الحج (ردالمحتار ۲/۳۶۸)

☆عن عليؓ قال: في كل شهر عمرة (رواہ الشافعی)

☆قال النبيﷺ: تابعوا بين الحج والعمرة

☆ ويستحب الإكثار من الاعتمار (الایضاح ص ۳۶۳)

البتہ مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا عبیداللہ اسعدی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عزیز اختر قاسمی اور مفتی عبدالرحیم صاحبان کی رائے یہ ہے کہ مزید عمرہ نہ کرے تو بہتر اور احوط ہے اور مولانا منظور احمد قاسمی کی رائے میں عمرہ سے اولیٰ کثرت طواف ہے۔

وصرح في اللباب بأنه لايعتمر اى بناء انه صار في حكم المكي ان المكي ممنوع من العمرة في أشهر الحج وإن لم يحج وهو الذي حط عليه كلام الفتح وخالفه في البحر وغيره بأنه ممنوع من العمرة إن حج من عامه (ردالمحتار ۲/۲۱۲)

سوال نمبر ۶ (الف-ب):

رمی جمرات ارکان حج میں سے ایک رکن ہے؟ تو کیا اس کے لئے دوسرے شخص کو نائب بنانا درست ہے؟ نیز عذر کی کیا حد ہے؟ اس بابت تمام ہی مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے کہ مجبوری اور معذوری کے وقت رمی جمرات کے لئے دوسرے اشخاص کو نائب بنانا درست ہے، اور عذر کی حد بندی کرتے ہوئے بیشتر حضرات نے صراحت کی ہے کہ عذر کی حد یہ ہے کہ معذور شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو اور مقام رمی تک از خود جانے کی صلاحیت و طاقت نہ رکھتا ہو تو ایسا شخص شریعت کی نگاہ میں معذور تصور کیا جائے گا، اسی طرح تمام ہی حضرات اس بات پر بھی متفق ہیں کہ

محض ازدحام جوازِ نیابت کے لئے عذر قرار نہیں پائے گا، نیز اس حکم میں مرد وخواتین سب برابر ہیں۔

جبکہ مولانا شمس پیرزادہ، مولانا نور الحق رحمانی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا محمد ایوب ندوی اور مولانا مصلح الدین کی رائے میں خواتین کے لئے اور مولانا اشتیاق احمد اعظمی، حکیم ظل الرحمن صاحبان کے نزدیک سن رسیدہ اور کمزور ہونا تو اس اشخاص جنہیں بھیڑ میں دب کر جان کی ہلاکت کا خدشہ ہو کے لئے ازدحام بھی عذر قرار پائے گا اور ان کے لئے کسی کو نائب بنانا درست ہوگا۔

دلائل:

☆عن جابرؓ أنه قال حججنا مع رسول الله ﷺ ومعنا النساء والصبيان فلبينا عن الصبيان ورمينا عنهم (رواہ احمد وابن ماجہ بحوالہ الفتح الربانی ۱/۲۳۳)

☆والرجل والمرأة في الرمي سواء إن رميها في الليل أفضل فلاتجوز النيابة عن المرأة بغير عذر (غنیۃ المناسک، ص ۱۰۰)

☆فـذلـين مما قدمنا أنهم جعلوا خوف الزحام عذر المرأة وظن به علة أوضعف في تقديم الرمي قبل طلوع الشمس أوتاخيره إلى الليل لافي جواز النيابة فيهم لعدم الضرورة فلولم يرموا بأنفسهم خوف الزحام تلزمهم الفدية (حوالہ سابق)

☆وكذلك من عجز عن الرمي بنفسه لمرض أونحوه فإنه يستحب من يرمي عنه ولاشئي عليه (فتاوی ابن تیمیہ ۲۶/۲۴۷)

سوال نمبر ۷:

حج کو جانے والے حضرات جو قانوناً گرفتار ہو جائیں وہ محصر کے حکم میں ہوں گے یا نہیں؟

اس بابت تمام حضرات ہم خیال ہیں کہ ایسے لوگ بھی حکماً محصر ہوں گے اور ان پر محصر ہی کے احکام جاری ہوں گے، اس کے ثبوت پر مقالہ نگار حضرات نے جو مواد ودلائل جمع کئے ہیں ان میں سے چند بطور نظیر پیش ہیں:

دلائل:

☆فقال قوم يكون الحصر بكل حابس من مرض أوعدو وكسر وذهاب نفقة ونحوها مما يحصره ويمنعه عن المضي إلى البيت وهو قول أبي حنيفة وأصحابه وروى ذلك عن ابن عباس وابن مسعود وزيد بن ثابت وقال آخرون وهم الليث بن سعد ومالك وأحمد وإسحاق لايكون الإحصار إلا بالعدو فقط ولايكون بالمرض (محشی حاشیہ ابوداؤد ۱/۲۵۷)

☆السلطان إذا منعه من مقصده فهو محصر (فتح القدیر ۲/۱۲۵)

☆عن ابن عباسؓ إنما البدل على من نقض حجه بالتلذذ فأما من حبسه عذر أوغير ذلك فإنه يحل ولايرجع وإن كان معه هدى وهو محصر نحره إن كان لايستطيع أن يبعث وإن استطاع

أن يبعث به لم يحل حتى يبلغ الهدي محله (صحیح بخاری ۱/۲۴۳)

البتہ مولانا شمس پیرزادہ صاحب کی رائے میں ایسے لوگ محصر کے حکم میں نہیں آئیں گے، اور مفتی محبوب علی وجیہی نے ایسے محصروں پر حلال ہونے کے لئے ہدی کو لازم قرار نہیں دیا ہے اور مفتی عبدالرحیم نے ہدی کے حل میں بھی ذبح کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

سوال نمبر ۸:

رمی، ذبح، حلق میں احناف کے یہاں ترتیب رکھنا ضروری ہے، آج کے مشکل ترین حالات میں ترتیب برقرار رکھنا انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے مشکل ہوگیا ہے، تو کیا اس کے حل کے لئے عدم وجوب کے قائلین اور احناف میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟

اس مسئلہ میں مقالہ نویسوں کی جملہ دو رائیں ہیں:

پہلی رائے: ان میں زیادہ تر حضرات نے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے مسلک پر حالات وزمان کے پیش نظر فتوی دینے کا عندیہ دیا ہے اور کچھ نے ترتیب کو واجب ہی نہیں قرار دیا ہے، جن میں چند اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا ارشاد الحق قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبداللطیف مظاہری، مولانا مصلح الدین بڑودوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا جمیل احمد نذیری، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا نور الحق رحمانی۔

دلائل:

☆عن عبدالله بن عمرو بن العاص أن رسول الله ﷺ وقف في حجة الوداع منى للناس يسئلونه فجاءه رجل فقال لم أشعر فحلقت قبل أن أذبح فقال: اذبح ولا حرج فجاءه آخر فقال لم أشعر فنحرت قبل أن أرمي فقال: ارم ولا حرج، فما سئل النبي ﷺ عن شيء قدم ولا أخر إلا قال: افعل ولا حرج (متفق علیہ)

☆عن ابن عباس أن النبي ﷺ قيل له في الذبح والحلق والرمي والتقديم والتاخير فقال لا حرج (بخاری مع الفتح ۳/۴۴۵)

☆قال محمد: وبالحديث الذي روي عن النبي ﷺ فاخذ أنه قال لا حرج في شيء من ذلك وقال أبو حنيفة لا حرج في شيء من ذلك ولم ير في شيء من ذلك كفارة إلا في خصلة واحدة: المتمتع والقارن إذا حلق قبل أن يذبح قال عليه دم وأما نحن فلا نرى عليه شيئا (درس ترمذی ۳/۱۵۴)

دوسری رائے: مولانا عبیداللہ اسعدی، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا ظفر الاسلام، مفتی حبیب اللہ

قاسمی، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا منظور احمد قاسمی صاحبان کی ہے، ان میں مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی اور مولانا ابراہیم فلاحی نے ترتیب کو واجب قرار دیا ہے، اور مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی محبوب علی وجیہی اور بقیہ ان حضرات نے انتظامی امور کی [illegible] پر زور دینے کی رائے دی ہے۔

دلائل:

قال السرخسي: إذا واتى منى يرمى جمرة العقبة ثم يذبح إن كان قارنا أو متمتعا ثم يحلق لحديث عائشة أن النبي ﷺ قال إن أول نسكنا في هذا اليوم ان نرمي ثم نذبح ثم نحلق ولأن الذبح والحلق من أسباب التحلل الا ترى إن تحلل المحصر بالذبح فيقدم الرمي عليهما ثم الذبح في معنى التحلل دون الحلق فإن الحلق محظور الإحرام والذبح لا فكان الذبح قبل ما على الحلق (مبسوط ۴/۶۳)

اعلم أن في يوم النحر أربعة نسك، رمي ونحر وحلق وطواف على ترتيب ما ذكر والترتيب في الثلاثة الأول واجب (العرف الشذی لانور شاہ الکشمیری ۱/۱۸۲)

سوال نمبر۹:

الف۔ کیا حج بدل کرنے والا تمتع کر سکتا ہے؟

تمام مقالہ نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آمر کی اجازت سے حج بدل کرنے والا حج تمتع کر سکتا ہے۔

ب۔ آمر کی صریح اجازت کے بغیر مامور حج تمتع کر سکتا ہے یا نہیں؟

اس بارے میں مقالہ نگار حضرات میں دو طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں، جن حضرات نے صراحۃً اجازت آمر کی ضروری قرار نہیں دیا ہے بلکہ دلالۃً اور عرف ورواج کی وجہ سے مامور کے لئے حج تمتع کی گنجائش نقل کی ہے ان کے اسماء درج ذیل ہیں:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا نذیر احمد قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا شبیر احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا مصلح الدین ندوی، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا شکیل احمد قاسمی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا رئیس ندوی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عبداللطیف [illegible]پوری، مولانا محمد عمر فلاحی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا عبدالفتاح عادل، مولانا سعد اللہ قاسمی، حکیم ظل الرحمن، [illegible] عبدالرحیم قاسمی۔

جن حضرات نے تمتع کے لئے آمر کی طرف سے صریح اجازت کو ضروری قرار دیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا ارشاد الحق قاسمی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا سعید الرحمن قاسمی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا محمد ایوب ندوی، مفتی انور علی اعظمی، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی،

مولانا محمد ابرار الحق قاسمی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا فضل الرحمن افضل قاسمی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا ظفر الاسلام اعظمی۔

☆ مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور قمر الزماں ندوی صاحبان کی رائے میں اجازت کے باوجود تمتع نہ کرنا احوط اور بہتر ہے۔

ج۔ مامور کو اگر ظن غالب ہو کہ آمر سے وہ اجازت لیتا یا لے تو اسے تمتع کی اجازت مل جاتی یا دیدے گا تو اسے تمتع کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

اس بابت بیشتر حضرات نے چونکہ شریعت نے بہت مسائل میں ظن غالب کا اعتبار کیا ہے اس لئے مامور کے لئے تمتع کی گنجائش ہوگی، البتہ مندرجہ ذیل علماء کی رائے یہ ہے کہ مامور سے حج جیسی اہم عبادت کی ادائیگی کا معاملہ متعلق ہے اس لئے صراحتاً اجازت ضروری ہوگی، محض ظن غالب کا اعتبار نہیں ہوگا:

مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا سعید الرحمن قاسمی، مولانا محمد جنید احمد فلاحی۔

د۔ دم تمتع حج بدل کرنے والے مامور کے ذمہ ہوگا یا آمر کے؟

اس بارے میں بھی فاضل مقالہ نگاروں کی اکثریت مامور (حج بدل کرنے والے) کے ذمہ دم کے وجوب کی قائل ہے، دوسری رائے رکھنے والے علماء نے اس میں تفصیل کی ہے کہ اگر آمر کی اجازت سے تمتع کر رہا ہے تو دم اسی کے ذمہ لازم ہوگا اور بغیر اجازت یا کسی مجبوری کی وجہ سے ہے تو مامور اپنے مال سے دم ادا کرے گا، جن کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

مولانا ارشاد الحق قاسمی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا محمد رئیس ندوی اور سید قدرت اللہ باقوی صاحبان نے دم آمر کے ذمہ لازم قرار دیا ہے۔

(ہ) آمر کی طرف سے تمتع کی اجازت بھی ہو اور قانونی دشواری کی وجہ سے وہاں پہلے جانا پڑتا ہے اور حج کی تاریخ آنے تک احرام میں رہنا بھی ایک مشکل مسئلہ ہے، اس پریشانی کا کیا حل ہوگا؟

اس کے جواب میں مقالہ نگاروں نے عام طور پر اس کے لئے تمتع کی گنجائش نقل کی ہے، جن میں ذیل کے اسماء شامل ہیں:

مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ارشاد الحق قاسمی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا نذیر احمد قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا نور الحق رحمانی، مفتی عزیز اختر قاسمی، مولانا محمد ابراہیم فلاحی۔

اور مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا نور الحق رحمانی کی رائے یہ ہے کہ عمرہ کے بعد طوالت وا کتاہٹ سے بچنے کے لئے مدینہ چلا جائے اور حج کے قریب احرام باندھ کر حج کرے، مولانا اشتیاق احمد اعظمی کی رائے میں تمتع نہ

کرنا اولی ہے اور مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب کی رائے میں تمتع کی گنجائش ہوگی۔

و۔ میت کی طرف سے حج بدل میں تمتع کی گنجائش ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں مقالہ نگار کے دو نقطۂ نظر ہیں:

پہلا نقطۂ نظر:

اگر میت نے زندگی میں اجازت دی ہو یا ورثاء، جو ان کی طرف سے حج کرا رہے ہوں ان کی طرف سے اجازت ہو تو تمتع کی گنجائش ہے ورنہ نہیں، اس نقطۂ نظر کو اپنانے والوں میں:

مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا ارشاد الحق قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عزیز اختر قاسمی، مولانا نور الحق رحمانی، مولانا ابوبکر قاسمی، عبد القیوم پالنپوری، مولانا تنویر عالم قاسمی وغیرہ حضرات کے نام شامل ہیں۔

دوسرا نقطۂ نظر:

میت کی طرف سے حج بدل کی بھی گنجائش اور تمتع کی بھی گنجائش ہے اور عرف و رواج اور مشقت کے پیش نظر اس کی اجازت ہوگی، اس نقطۂ نظر کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا شمس پیرزادہ، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا مصلح الدین بزدودی، مولانا شاہ الہدیٰ قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا شکیل احمد قاسمی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا عبد اللطیف مظاہری، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی اور مولانا محمد رئیس ندوی۔

فریق اول کے دلائل:

إن الميت لو أمره بالتمتع المأمور صح ولا يكون مخالفا: بلا خلاف بين الأئمة الأسلاف (ارشاد الساری رص ۳۰۲)۔

وبقي صورتان يكون بالقران فيها مخالفا أحدهما مالم يأذناله بالقران فقرن عنهما ضمن نفقتهما (بحر الرائق ۳ر۷۰)۔

ولكن مازاده في اللباب يوافقه مافي البحر وغيره من جواز التمتع عن الآمر إذا كان بأمره كما سيأتي عن قريب قيل: وعليه فله أن يأذن للمأمور بالإفراد العمرة أولا ثم يأتيان الحج عنه (غنیۃ المناسک ص ر ۱۸۵)

فریق ثانی کے دلائل:

وإلا فجعل ثوابه له بعد الأداء إذ بدون الأداء به يقع الحج عن القائل بالاتفاق فهو ليس حاجا عنه بل هو فاعل ثواب حجه له والثواب إنما يحصل بعد الأداء فبطلت نيته له في الإحرام

فلا يحصل له ثواب إلا إذا جعل له بعد الأداء كما قالوا في مسائل الحج عن إيضاح بل لا بد من جعل ثوابه له بعد الأداء لما في العبادة البدنية (غنیہ ص ۳۶۲)

المعروف عرفاً كالمشروط شرطاً

ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفاً فيضمن (الدر المختار ۲/۶۴۲)

سوال نمبر ۱۰:

الف۔ حائضہ عورت ناپاکی کی حالت میں طواف کر سکتی ہے یا نہیں؟

ب۔ اگر کر لیا تو رکن ادا ہوگا یا نہیں؟

ج۔ دم میں کیا واجب ہوگا؟

د۔ دم کی ادائیگی حدود حرم میں ضروری ہے یا باہر بھی اس کی گنجائش ہے؟

اس سوال کی تینوں شقوں ب، ج، د میں تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ اگر ناپاکی کی حالت میں بہ مجبوری حائضہ عورت طواف کرے تو رکن تو ادا ہو جائے گی اور حج صحیح ہوگا اور اس جنایت کی وجہ سے دم دینا ضروری ہوگا اور دم میں چھوٹے جانور کافی نہیں ہوں گے بلکہ بڑے جانور اونٹ، گائے، بھینس کا بدنہ دینا ہوگا، اور قربانی کا حدود حرم میں ہونا شرط ہے۔

جبکہ ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی کی رائے میں اس حالت میں طواف کرنے سے رکن ادا نہیں ہوگا، مجوزین نے قاعدہ شرعیہ "الضرورات تبیح المحظورات" سے بھی اس کے جواز پر استدلال کیا ہے (مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا سعید الرحمن قاسمی)۔

تاہم سوال کی پہلی شق (الف) میں مقالہ نگار حضرات کی دو رائیں ہیں، مجوزین اور مانعین۔

مجوزین: کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ اضطرار اور ضرورت کے درجہ کی چیز ہے اس لئے خواتین کو مجبوراً شرعاً اجازت ہوگی کہ وہ اسی حالت میں طواف کر کے دم دیدے، اس رائے کے حامیین میں مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ابو سفیان مفتاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا جمیل احمد نذیری، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا جنید احمد قاسمی، مولانا شکیل احمد، مولانا شمس ندوی اور مولانا شبیر احمد قاسمی۔

دلائل:

الضرورات تبيح المحظورات (الاشباہ والنظائر)

ومن المعلوم أن الصلوات هي آكد الواجبات على الإطلاق وتجب في اليوم والليلة خمس مرات وأجمع العلماء على اشتراط الطهارة لها وتباح بل تجب للحاجة لعدم الطهورين

فيصلي بغير وضوء ولا تيمم ويصلي غير القبلة للضرورة ويصلي العريان عند عدم ما يستر به عورته ونحو ذلك مما أجمع العلماء على جواز فعل للضرورة وطواف الحائض أولى من هذا كله (القول بجواز طواف الحائض لابن تيمیہ ۳۵)

مانعین: کا خیال ہے کہ ناپاکی کی حالت میں طواف معصیت ہے اگر عورت کرے گی تو ادا تو ہو جائے گا لیکن گنہگار بھی ہوگی، اس لئے عورتوں کو اس کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ اپنے ایام ممنوعہ میں طواف بیت اللہ کریں، اس نقطہ نظر کے حاملین میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں:

مفتی انور علی اعظمی، مولانا عبداللطیف مظاہری، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا مصلح الدین بجوروی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری۔

دلائل:

افعل ما یفعل الحاج غیر أن لا تطو بالبیت حتی تطھری (رواہ مسلم)

عن ابن عباسؓ أن النبی ﷺ قال: الحائض والنفساء إذا أتتا علی الوقت تغتسلان وتحرمان وتقضیان المناسک کلھا غیر الطواف بالبیت قال أبو معمر فی حدیثہ حتی تطھر (ابوداؤد و ترمذی)۔

سوال نمبر ۱۱:

ایام عدت میں خواتین حج یا عمرہ کر سکتی ہیں یا نہیں؟

اس سلسلہ میں مقالہ نگار میں دو طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں:

رجحان اول: یہ ہے کہ کسی معتدہ عورت کو اپنی عفت وعصمت کے لئے کوئی خطرہ نہ ہو، دوبارہ حج کے لئے سفر کے اخراجات مہیا ہونے کی مستقبل میں امید نہ ہو، آفاق سے نکل کر حرم کے قریبی علاقہ میں داخل ہو چکی ہو جہاں سے مکہ کی مسافت سفر یا اس سے کم ہو اور وہاں سے گھر واپسی بھی وقت آمیز ہو، وہاں کسی خاص مقام پر عدت کے ایام گزارنا بھی آسان نہ ہو، غرض مختلف طرح کی مجبوریاں دامن گیر ہوں، تو خاتون تمام احتیاطی تدابیر کے ساتھ اپنے فریضہ حج وعمرہ ادا کر سکتی ہے۔ ... یہ مندرجہ ذیل حضرات کا ہے:

مولانا عبیداللہ اسعدی، مولانا برہان الدین، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا سعیدالرحمن قاسمی، مولانا سید اسرارالحق سبیلی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی محمد انور علی اعظمی، مولانا نورالحق رحمانی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا ارشادالحق قاسمی، حکیم ظل الرحمن، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا محمد ایوب ندوی، مولانا شاہ الہدیٰ قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولانا شمس پیرزادہ اور مولانا محمد رئیس ندوی۔

دلائل:

واتموا الحج والعمرة لله (الآیۃ)

وان حجت وهي في العدة جاز حجها وكانت بينها وبين مكة مسيرة سفر وبلدها اقل منه او اكثر لكن يمكنها المقام في موضعها او قريب منه والا فلا احصار (غنیۃ الناسک ص ۱۹۱)

وقال ابو يوسف ومحمد اذا كان معها ذو محرم فلا بأس ان تخرج في عدتها (مختصر الطحاوی ص ۲۱۹)

فاذا مات محرمها او زوجها في الطريق فقال احمد اذا تباعدت مضت فقضت الحج، قيل له قدمت من خراسان فمات وليها ببغداد فقال تمضي الى الحج واذا كان الفرض خاصة فهو آكد..... وهذا لانها لابد لها من السفر بغير محرم لمضيها الى قضاء حجها اولى (المغنی ۳/۲۳۷-۲۳۸)

رجحان ثانی: یہ ہے کہ وہ محصر کے حکم میں ہوگی اور اس پر محصر کے احکام جاری ہوں گے حج و عمرہ نہیں کرے گی بلکہ عدت کے ایام پورے کرے گی، اس کے اپنانے والوں میں یہ حضرات ہیں:

مولانا ظفر الاسلام، مولانا عزیز اختر قاسمی، مولانا عبد اللطیف مظاہری، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا محمد زبیر قاسمی، مولانا خلیل الرحمن قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی اور مولانا صدر عالم قاسمی۔

دلائل:

قال ابن الهمام يتحقق الاحصار عندنا بالعدو وغيره كالمرض وهلاك النفقة وموت محرم المرأة او زوجها (المرقاۃ ۵/۲)

فان كانت في مصر فوت فيه الى ان تنقضي عدتها ولا تخرج وان وجدت محرما خلافا لهما وان كانت في قرية او مفازة لا تأمن على نفسها فلها ان تمضي الى موضع امن ولا تخرج منه حتى تمضي عدتها الخ (ردالمحتار ۲/۲۰۶)

سوال نمبر ۱۲:

۸ ذی الحجہ سے پہلے مکہ پہنچنے والے حجاج کو پندرہ دن یا کم از کم مقیم ہونے کے لئے ضروری ہے، پورے ہونے سے قبل ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں اور وہ منیٰ کا سفر کر لیتے ہیں، منیٰ اور مکہ کی آبادی بھی ایک دوسرے سے مل گئی ہے تو کیا ایسے حجاج پندرہ دن مکمل پورے ہونے پر مقیم ہوں گے یا مسافر رہیں گے؟

اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ چونکہ شہروں کا اتصال اور عدم اتصال بلدیہ، عرف اور کارپوریشن کی حد بندی پر ہے اور وہاں کی بلدیہ نے ابھی تک دونوں کو متصل اور ایک شہر قرار نہیں دیا ہے اس لئے دونوں مقامات پر قصر ہوگا اگرچہ مکہ میں پندرہ دن کا عرصہ گزر رہے لیکن منیٰ جانے پر قصر لازم ہوگا، نیز مکہ میں مدت اقامت مکمل ہونے پر اتمام ہوگا لیکن منیٰ میں چونکہ پندرہ دن رہنا نہیں ہوتا اس لئے وہاں قصر ضروری ہوگا، البتہ کچھ حضرات دونوں کو متصل

مانتے ہوئے پندرہ یوم پورے ہونے پر دونوں شہروں میں اتمام صلوۃ یعنی مقیم ہونے کے قائل ہیں، جن کے اسمائے گرامی ہیں:

مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا صدر عالم قاسمی، مولانا نور الحق رحمانی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی اور ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی۔

جبکہ مولانا عتیق احمد قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا محمد عمر فلاحی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی صاحبان کے نزدیک اگر ایسا ہو گیا ہے اور دونوں شہر مل گئے ہیں، حکومت نے بھی دونوں کو ملا دیا ہے تو ایسے لوگ مقیم ہوں گے ورنہ مسافر ہی رہیں گے، اور مولانا خورشید احمد اعظمی کی رائے میں اگر مسافت پوری ہوگی تو مقیم ورنہ مسافر۔

سوال نمبر ۱۳:

نماز وتر رمضان المبارک میں باجماعت مشروع ہے اور ادائیگی میں ائمہ مجتہدین ومتبوعین کے نزدیک بظاہر نوعیت میں خاصا فرق واقع ہوا ہے تو کیا ایک امام کے متبوعین کی دوسرے امام کی اقتداء وتر میں جائز ہے؟

اول: بیشتر یا اکثریت کی رائے یہ ہے کہ اپنی جماعت میسر نہ ہونے، تنہا ادا کرنے میں ثواب کم ہونے اور انتشار سے بچتے ہوئے مجمع اور جماعت کی رعایت کے پیش نظر وتر میں امام حرم کی اقتداء جائز ہوگی اور دو دو رکعت پر سلام نہ پھیر کر اپنی ایک رکعت پوری کرے گا تو کوئی مضائقہ نہیں۔

دلائل:

☆ وإن اقتداء الحنفي بمن يسلم على رأس الركعتين في الوتر يجوز ويصلي معه بقيته لأن إمامه لم يخرجه بسلام عنده لأنه مجتهد فيه (فتح القدير ار۳۷۶)۔

وقال العلامه أنورشاه الكشميري: وبالجملة فمذهب الحنيفة أنه لاوتر عندهم إلا بثلاث ركعات بتشهدين وتسليم نعم لواقتدى حنفي بشافعي في الوتر وسلم ذلك الشافعي الإمام على الشفع الأول على وفق مذهبه ثم الوتره صح وتر الحنفي عندابي بكر الرازي وابن وهبان (معارف السنن ۴ر۱۷۰)

وعلى قول الهندواني يصح الاقتداء وإن لم يحتط وظاهره الجواز وإن ترك بعض الشروط عندنا (شامی ۲ر۸)

البتہ مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عبداللطیف مظاہری، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا تنویر عالم قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا ابراہیم فلاحی اور مولانا عبدالرشید قاسمی صاحبان کی رائے اقتداء میں عدم جواز کی ہے ان حضرات کے نزدیک حنفی اپنی وتر علاحدہ ادا کرے اور مولانا اسعد اللہ

تاکی کی رائے میں صرف حرم میں اس کی اجازت ہے نہ کہ دوسری مسجدوں میں بھی۔

دلائل:

هذا الاقتداء إذا كان يحتاط في مواضع الاختلاف كأن يجدد الوضوء بخروج نحو دم إلى قوله وأن لا يقطع وتره بسلام على الصحيح (طحاوی ص ۲۱۲)

واستشكله في الفتح بأنه اقتداء المفترض بالمتنفل وإن لم يخطر عند النية صفة النية أوغيرها بل مجرد الوتر كما هو ظاهر إطلاق التعيين لقوله النقلية في اعتقاده ورده في البحر بما صرح به في التعيين للجصاص أن الامام إن نوى الوتر وهو يراه سنة جاز الاقتداء، كمن صلى الظهر خلف من يرى أن الركوع سنة وإن نوى بنية التطوع لا يصح الاقتداء، لأنه يصير اقتداء المفترض بالمتنفل (شامی ا/۴۹۳)۔

☆☆☆☆☆

عرض مسئلہ بابت حج وعمرہ

☆ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، حیدرآباد
☆ مفتی انور علی اعظمی، مئو
☆ مولانا زبیر احمد قاسمی، سیتامڑھی
☆ مفتی جمیل احمد نذیری، مبارکپوری

عرض مسئلہ بابت حج وعمرہ

(سوال نمبر ۱، ۲، ۸)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، حیدرآباد

حج وعمرہ سے متعلق جو مسائل زیر بحث ہیں، ان میں سوال نمبر ۱، ۲ اور ۸ کی بابت عرض مسئلہ کی ذمہ داری اس حقیر کو سونپی گئی ہے، ان مسائل سے متعلق اکیڈمی کو کل ۴۵ جوابات موصول ہوئے ہیں، جن میں انتالیس جوابات حضرات علماء وارباب افتاء کے ہیں اور چھ دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد کے طلبہ تخصص فی الفقہ کے، افسوس کہ بعض مقالہ نگاروں کی رائے واضح نہیں ہے، چونکہ ان تمام حضرات کا فرداً فرداً تذکرہ موجب طوالت ہوگا، نیز چونکہ عام طور پر آراء میں ہم آہنگی اور موافقت پائی جاتی ہے، اس لئے ہر رائے کے ساتھ اس رائے کے قائلین کا ذکر بھی درازنفسی سے خالی نہیں، اس لئے صرف ان حضرات کے ذکر پر اکتفا کیا جائے گا جن کا نقطۂ نظر عمومی رائے سے مختلف ہو۔

سوال نمبر ۱ اور ۲ کا ماحصل قریب قریب ایک ہی ہے کہ اگر آفاقی یا خود مکی کو بار بار حدود میقات سے تجاوز کر کے حرم کی طرف آنا پڑتا ہو، تو کیا ایسے شخص کے لئے ہر بار نیا احرام باندھ کر میقات کے اندر آنا اور عمرہ کرنا ضروری ہوگا؟

اس سلسلہ میں عام رائے جو ہے اور از راہ حاجت ائمہ ثلاثہ کے قول پر فتویٰ دینے کی ہے، مولانا عبد اللطیف مظاہری، مولانا عبد الرحیم بھوپالی، مولانا ابراہیم فلاحی (گجرات) اور مولانا برہان الدین سنبھلی نے آفاقی اور مکی دونوں ہی کے حق میں احرام کو ضروری قرار دیا ہے، البتہ بوقت حاجت اس حیلہ کے اختیار کرنے کی اجازت دی ہے جو فقہ حنفی کی اکثر کتابوں میں موجود ہے، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی نے آفاقی اور مکی میں فرق کیا ہے کہ آفاقی کے لئے تو احرام باندھ کر ہی آنا ضروری ہوگا، مکہ کے ٹیکسی ڈرائیور وغیرہ پر احرام باندھنا واجب نہ ہوگا۔

اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو شخص حج وعمرہ کے مقصد سے مکہ مکرمہ آئے، اس کے لئے احرام باندھ کر آنا ضروری ہے، اس پر بھی قریب قریب اتفاق ہے کہ ان لوگوں کے لئے جو ایندھن لاتے اور فروخت کرتے ہوں بلا احرام حرم میں واپس آنا جائز ہے، امام بخاریؒ نے اس سلسلہ میں تعلیقاً روایت نقل کی ہے (بخاری: ار باب دخول الحرم ومکۃ بغیر احرام) اور علامہ عینیؒ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خود امام ابو حنیفہؒ کا یہی قول ہے (عمدۃ القاری)، ان دونوں صورتوں کے علاوہ دوسرے لوگ جو میقات سے گذر کر حرم میں آئیں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان کے لئے احرام باندھ کر آنا ضروری ہے، اگر بلا احرام میقات سے آگے بڑھ گیا تو واجب ہے کہ میقات تک واپس جائے اور احرام باندھ کر آئے یا دم جنایت ادا کرے۔ دوسرے فقہاء کی آراء نقل کرنے میں اہل علم کے یہاں خاصا

اضطراب پایا جاتا ہے اور یہ باعث تعجب نہیں، کیونکہ ائمہ ثلاثہ اور بالخصوص امام شافعی اور امام احمدؒ کے یہاں کثرت اقوال ایک معروف بات ہے، اس لئے ضروری ہے کہ خود ان فقہاء کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے، اور دیکھا جائے کہ ان حضرات کے یہاں معتبر اور صحیح تر قول کیا ہے، فقہ مالکی کا مستند ترین مآخذ مدونہ ہے، اور "مدونہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور مقصد سے مکہ آئے، اس کے لئے احرام باندھ کر مکہ آنا مستحب ہے، قال مالک لا أحب لأحد من الناس أن يقدم من بلده إلى مكة فيدخلها بغير إحرام (المدونۃ الکبری ۳۰۳/۱)، فقہاء شوافع میں نووی کی کتاب "الایضاح" خاص مناسک ہی سے متعلق ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں تین اقوال نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ صحیح تر قول ایسے شخص کے لئے احرام کا مستحب ہونا ہے، فيه خلاف منتشر يجمعها ثلاثة أقوال: أصحها أنه مستحب (کتاب الایضاح ۱۹۷/۱) البتہ فقہاء شوافع کے یہاں اپنے عمل کو فقہاء کے اختلاف سے بچاتے ہوئے بلا احرام آنے کی صورت میں دم ادا کر دینا مسنون ہے، ويسن بعد كه دم (الافصاح علی مسائل الایضاح ۱۳۱/۱)۔

حنبلی دبستان فقہ کے مستند ترین ترجمان ابن قدامہ نے امام احمدؒ کا دو قول نقل کیا ہے: ایک یہ کہ جو شخص حاجت متکررہ کے لئے داخل نہ ہو، اس کے لئے احرام باندھنا ضروری ہوگا: المكلف الذي يدخل لغير قتال ولا حاجة متكررة فلا يجوز له تجاوز الميقات غير محرم به (المغنی ۱۱۶/۳)۔ گویا حاجت متکررہ کی بناء جسے مکہ آمد ورفت کرنا پڑے اس کے لئے بلا احرام دخول مکہ کی اجازت ہے، دوسرا قول امام احمدؒ کا حج وعمرہ کے علاوہ صورت میں مطلق بلا احرام جواز کا ہے (حوالہ سابق)۔

ان حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جن شارحین حدیث اور مسالک فقہیہ کے ناقلین نے بلا احرام حرم میں داخلہ کے عدم جواز والے قول کو جمہور کا قول قرار دیا ہے، انہوں نے مختلف مکاتب فقہ کے ان اقوال کی بنا پر کہا ہے جو خود اصحاب مذہب کے نزدیک قول مرجوح ہے، جمہور کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ جو لوگ حج وعمرہ کے ارادہ سے حرم نہ آئے ہوں ان کے لئے احرام باندھ کر آنا مستحب اور مسنون ہے، نہ کہ واجب اور موجب دم۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ہی نقاط نظر پر وقیع منصوص اور معقول دلائل موجود ہیں، اور ائمہ مجتہدین کا کسی رائے کو قبول کرنا دراصل بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ رائے دلائل سے عاری اور علمی وزن سے خالی نہیں ہے، لیکن فریقین کے دلائل کی طرف محض اس لئے اشارہ کیا جاتا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ مسئلہ استدلالی اعتبار سے بھی مجتہد فیہ ہے، نہ کہ قطعی۔

جو حضرات میقات کے باہر سے حرم آنے والوں کے لئے احرام کو ضروری قرار دیتے ہیں ان کی دلیلیں حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت سعید بن جبیر نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: لا يجاوز أحد الوقت إلا المحرم (مصنف ابن ابی شیبہ ۵۲/۳) گو یہ روایت سعید بن جبیرؒ نے مرسلاً ذکر کی ہے، لیکن حافظ زیلعی نے مصنف ابن ابی شیبہ

ہی کے حوالے سے عن سعید بن جبیر عن ابن عباس نقل کیا ہے، لیکن مصنف کے موجودہ نسخوں میں موجود نہیں، اس لئے ممکن ہے کہ مصنف کے بعض نسخوں میں یہ روایت مسنداً بھی نقل کی گئی ہو، کیونکہ بظاہر حافظ زیلعی جیسے متثبت اور متقن محدث پر اعتماد نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

(۲) خود امام شافعی نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل کیا ہے کہ وہ بلا احرام میقات سے آگے بڑھنے والوں کو واپس لوٹا دیا کرتے تھے (مسند امام شافعی ۱۲۶)۔

(۳) حنفیہ کا خیال ہے کہ احرام کا مقصد حرم کی مبارک و میمون سرزمین کا احترام بھی ہے نہ کہ صرف حج و عمرہ اور ظاہر ہے کہ یہ احترام ہر وارد حرم پر واجب ہے۔

جو حضرات احرام کو ضروری قرار نہیں دیتے ان کے پیش نظر یہ ہے کہ:

(۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ آپؐ نے میقات سے گذرنے والے لوگوں پر اس وقت احرام لازم قرار دیا جبکہ وہ حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں۔

إن النبی ﷺ وقت لأهل المدینة ذا الحلیفة و لأهل نجد قرن المنازل و لأهل الیمن یلملم هن لهن و لكل آت أتى علیهن من غیرهن من أراد الحج والعمرة (عمدۃ القاری ۱۰/۲۰۵)۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب عمرہ کر کے مدینہ تشریف لائے اور قدید ہی میں معلوم ہوا کہ مدینہ پر فوج کشی ہو چکی ہے تو مکہ واپس گئے اور بلا احرام داخل ہوئے، اس روایت کو امام مالک اور امام محمد نے مسند متصل اور امام بخاری نے تعلیقاً نقل کیا ہے۔

(۳) حضرت ابوقتادہؓ کا واقعہ صحاح ستہ میں تفصیل موجود ہے، جو مکہ حج سے متعلق دوسری ضروریات کے لئے بھیجے گئے تھے، انہوں نے میقات سے احرام نہیں باندھا تھا اور اسی لئے شکار بھی فرمایا تھا (نیل الاوطار ۲/۳۰۰)۔

(۴) غزوہ خیبر کے بعد آپؐ نے حجاج بن علاط کو مکہ بھیجا ہے اور وہ بھی بلا احرام مکہ میں داخل ہوئے (نیل الاوطار ۲/۳۰۱)۔

(۵) احرام کا تعلق اصل میں حج و عمرہ کی عبادت سے ہے نہ کہ حرم شریف کے احترام سے، یہی وجہ ہے کہ احرام حج و عمرہ کی تکمیل ہی پر کھولا جاتا ہے، اگر احترام حرم کی بنا پر احرام ہوتا تو حل میں رہنے والوں کے لئے احرام ضروری ہوتا، ان دونوں نقاط نظر کے سلسلہ میں اہم منصوص اور معقول دلائل ہیں، اور گو فریقین نے ایک دوسرے کے دلائل کے جوابات بھی دیئے ہیں، لیکن یہاں تقابل اور ترجیح مقصود نہیں، بلکہ اس قدر عرض کرنا ہے کہ یہ دونوں ہی رائیں مناسب دلائل و براہین رکھتی ہیں، اور نفس مسئلہ پر نہیں بلکہ موجودہ حالات کی روشنی میں ہمیں اس پر غور کرنا ہے۔

غور طلب نکات دو ہیں: اول یہ کہ جو حضرات احرام کو ضروری قرار دیتے ہیں، لیکن حل میں رہنے والوں اور ایندھن فروشوں (حطابین) کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، تو ان کا یہ استثناء کسی نص پر مبنی ہے اور وہ نص تعبدی ہے یا یہ استثناء معلول بالعلۃ ہے اور علت دفع حرج ہے؟ دوسرے کیا موجودہ حالات میں ڈرائیوروں اور تاجروں کو احرام

باندھ کر جانے کا پابند کرنے میں حرج محسوس کیا جاتا ہے، کیا وہ واقعی معتبر حرج ہے؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ حل میں رہنے والوں اور ایندھن فروشوں کے لئے استثناء کوئی تعبدی حکم نہیں، بلکہ علت حرج ہی سے متعلق ہے، غور فرمایئے کہ حرم شریف کا احترام تو ان لوگوں کے لئے بھی ہے، جو حدود حرم کے اندر رہتے ہوں، بلکہ اگر میقات کے مفہوم کو آپ عام قرار دیں تو اہل حل کے لئے وہ حصہ گویا میقات ہی ہے جہاں حرم کی ابتداء ہوتی ہے، جیسا کہ فقہاء لکھتے ہیں کہ جو شخص حل کے اندر ہو فوقته للحج والعمرة الحل (اللباب فی شرح الکتاب ۱؍۱۸۱)۔

بعض حدیثوں میں لا تجاوز الوقت إلا بإحرام (نصب الرایہ ۳؍۱۵۱) کا لفظ آیا ہے، وہ گویا آفاقی اور حلی دونوں ہی کو شامل ہے، اس سے بھی زیادہ صریح روایت بیہقی کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہے: لا يدخل أحد مكة إلا محرما، حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے (نیل الاوطار ۴؍۳۰۰)، اس میں تو ہر اس شخص کے لئے احرام کو ضروری قرار دیا گیا ہے جو مکہ میں داخل ہونا چاہے، وہ حدود میقات کے باہر سے آئے یا اندر سے، اب ظاہر ہے کہ جن فقہاء نے اہل حل کا اور ایندھن فروشوں کا اس سے استثناء کیا ہے وہ دفع حرج ہی کے تحت ہے، اسی لئے ابن ہمام کہتے ہیں:

من كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته لأنه يكثر دخول مكة وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بين (فتح القدیر ۲؍۳۳۵)۔

لہذا اتنی بات تو واضح ہوگئی کہ یہ استثناء و تخصیص معقول بالمعنی ہے، اور اہل حل اور ایندھن فروشوں کو مستثنیٰ کرنا دفع حرج کی علت پر مبنی ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ آج کل ڈرائیوروں اور تجار کی بار بار حرم میں آمد و رفت ایسا حرج ہے یا نہیں جو معتبر ہو؟ اس سلسلہ میں علامہ عینی کی یہ عبارت چشم کشا ہے:

وقال أبو عمر لا أعلم خلافا بين الفقهاء الأمصار في الحطابين ومن يدمن الاختلاف إلى مكة ويكثره في اليوم والليلة أنهم لا يأمرون بذلك لما عليهم فيه من المشقة (عمدۃ القاری ۱۰؍۲۰۵)۔

نیز مولانا عبدالحی لکھنوی رقمطراز ہیں:

ورخصوا للحطابين ومن يكثر دخولهم ولمن خرج منها يريد بلده ثم بدا له أن يرجع كما صنع ابن عمر (التعلیق الممجد ص ۲۱۷)۔

اس لئے جن لوگوں کو روزانہ ایک یا اس سے زیادہ دفعہ میقات سے گزر کر مکہ میں داخل ہونا پڑتا ہے، اس کے لئے واقعۃً یہ حرج ہے اور اس حرج کا معتبر ہونا خود فقہاء حنفیہ کی عبارت سے واضح ہے، اس لئے اس کا اعتبار کیا جانا چاہئے۔

ایک فقہی مذہب سے دوسرے فقہی مذہب کی طرف جزوی عدول کے لئے علماء اصول نے جن شرطوں کو ملحوظ رکھا ہے، ان میں دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں، اول یہ کہ وہ دوسری رائے بھی قوی دلیل پر مبنی ہو بقول علامہ علائی: إذا رأى القول المخالف لمذهب إمامه دليلا قويا راجحا (تیسیر التحریر ۴/۲۵۵)، اور دوسرے یہ کہ کوئی ضرورت اس عدول کی متقاضی ہو، علامہ شامی کا بیان ہے:

والحاصل أنه إذا اتفق أبو حنيفة وصاحباه على جواب لم يجز العدول عنه إلا لضرورة (رسم المفتی ۲۰)۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ فقہاء جہاں مسائل فقہیہ میں ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف عدول کی بات کرتے ہیں وہاں ضرورت سے اضطرار یا اصطلاحی ضرورت مراد نہیں ہوتی، علامہ حصکفی نے سفر میں جمع بین الصلاتین کی اجازت بربنائے ضرورت دی ہے، اور شامی نے اس ضرورت کی تشریح ایک گونہ مشقت سے کی ہے، وما فیہ نوع مشقۃ (رد المحتار ۲/۳۵۶)۔

پس نصوص شارع میں تخصیص کے لئے جس درجہ کا حرج مطلوب ہوتا ہے، فقہاء کے اجتہادات میں ایک رائے سے دوسری رائے کی طرف عدول کے لئے اس درجہ کی ضرورت مطلوب نہیں، اور زیر بحث مسئلہ میں حرج کی جو کیفیت پائی جاتی ہے وہ اس عدول کے جائز ہونے کے لئے کافی ہے، اور جہاں تک حیلہ کی بات ہے تو اس حیلہ میں جو تکلف ہے وہ تو ظاہری ہے، علاوہ اس کے خیال ہوتا ہے کہ فقہاء نے جہاں کہیں حیلوں کی رہنمائی کی ہے، وہاں کسی سخت ضرورت کی وجہ سے عارضی طور پر اس عمل کی گنجائش فراہم کرنا مقصود ہے، اب روز روز آنے والے تاجروں کو مشورہ دینا کہ وہ ہمیشہ اسی حیلہ سے کام لیا کریں اور حیلہ کو ایک مستقل عمل بنالیں درست نظر نہیں آتا، اس طرح دین کے بازیچۂ اطفال بن جانے اور شریعت کے اوامر و نواہی کی بابت بے حسی و بے احترامی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

لہذا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) حرم میں عبادت کے علاوہ کسی اور مقصد سے داخلہ کے لئے احرام کا واجب ہونا یا نہ ہونا ایک اجتہادی مسئلہ ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک احرام واجب نہیں، اور وہ بھی اپنی اس رائے کے لئے قوی دلائل رکھتے ہیں۔

(۲) حل میں رہنے والوں اور ایندھن فروشوں کے لئے بلا احرام داخل ہونے کی اجازت علت حرج پر مبنی ہے۔

(۳) ایسے لوگ جن کو روز میقات سے گذر کر حرم میں داخل ہونا پڑتا ہو، ان کا حرج اس درجہ کا ہے جو ایک فقہی مسلک سے دوسرے فقہی مسلک کی طرف جزوی انتقال کے لئے کافی ہے اور عدول اختلاف برہان پر مبنی نہیں، بلکہ اختلاف زمان پر مبنی ہے۔

لہذا فی زماننا ان لوگوں کے لئے جن کو بار بار اور روزانہ حرم میں داخل ہونا پڑتا ہے بلا احرام داخل ہونا جائز ہونا چاہئے، ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

سوال نمبر ۸ دس ذی الحجہ کے افعال میں ترتیب سے متعلق ہے، اس سوال سے متعلق بھی انتیس پینتالیس حضرات کے جواب آئے ہیں، ان میں مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ظفر الاسلام اعظمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبد اللطیف مظاہری، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی اور مولانا ابراہیم فلاحی کی رائے ہے کہ امام ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق ان افعال میں ترتیب واجب ہے، دوسرے مقالہ نگاروں کے نزدیک موجودہ حالات میں مذبح کی دوری، ازدحام کی کثرت اور لوگوں کی جہالت و ناواقفیت کے باعث دیگر فقہاء اور صاحبین کے مسلک پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، جس کے مطابق افعال میں ترتیب واجب نہیں۔

اس سلسلہ میں فقہاء کے مذاہب کی تفصیل یہ ہے کہ طواف زیارت اور باقی تین افعال رمی، قربانی اور حلق کے درمیان بالاتفاق ترتیب واجب نہیں، اس پر بھی اتفاق ہے کہ حج افراد ادا کرنے والے کے لئے چونکہ قربانی واجب نہیں ہے اس لئے اس کے حق میں قربانی میں بھی ترتیب ضروری نہیں، تمتع اور قران کرنے والے کے لئے ان تینوں افعال میں ترتیب کی رعایت مسنون ہے نہ کہ واجب، اور اسی بنا پر اگر ترتیب کی رعایت نہ کی گئی ہو تو دم واجب نہیں (المدونہ ۱ر۳۲۳، تحفۃ المحتاج ۴ر۱۲۲، الاقناع ۱ر۱۹۱) البتہ امام مالک نے رمی سے پہلے بال منڈانے والے پر فدیہ واجب قرار دیا ہے۔

فما یقول مالک فیمن حلق قبل أن یرمی الجمرة؟ قال مالک علیه الفدية (المدونۃ الکبری ۱ر۲۳)۔

اور حنابلہ نے جانتے بوجھتے ترتیب کی خلاف ورزی کو باعث کراہت کہا ہے (الاقناع ۱ر۳۹) فقہاء احناف میں بھی صاحبین کے نزدیک ترتیب سنت ہے واجب نہیں، اس لئے اگر ان افعال میں تقدیم و تاخیر ہو جائے تو کچھ واجب نہیں ہوتا۔

أما عندهما فعدم التاخير سنة حتى لو ذبح بعد التحلل بالحلق لا شئ عليه (رد المحتار ۲ر۲۵۰)۔

ان حضرات کا استدلال ان مشہور روایات سے ہے جو صحاح میں منقول ہیں، اور جن میں حلق قبل الذبح اور ذبح قبل الرمی کے بارے میں آپ نے "لا حرج" فرمایا، حرج سے یہ حضرات حرج دنیوی اور حرج اخروی دونوں ہی مراد لیتے ہیں، یعنی نہ ایسے شخص پر دم جنایت واجب ہوگی اور نہ وہ آخرت میں گنہگار ہوگا۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے اور اس ترتیب کی خلاف ورزی کی صورت میں دم جنایت بھی واجب ہوگا (دیکھئے بدائع الصنائع ۲ر۳۳۲، المحیط ۲ر۴۵۱)۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ہے:

من قدم شيئا من حجه أو أخره فليهرق لذلک دما.

علامہ ترکمانی نے اس کو امام مسلم کی سند پر صحیح قرار دیا ہے (الجوہر النقی ۱ر۲۰۴)۔

اس کے علاوہ جیسے نماز کے افعال جس ترتیب سے آپ سے ثابت ہیں یہی ترتیب ان کی ادائیگی میں ملحوظ ہے، اسی طرح ضروری ہے کہ حج کے افعال آپ ﷺ سے جس ترتیب سے ثابت ہوں اسی ترتیب سے ان کی انجام دہی ضروری ہو۔

لیکن امام ابوحنیفہ کے نقطۂ نظر کی بابت دو باتیں ضرور ملحوظ رہنی چاہئیں، اول یہ کہ اگر کوئی شخص ترتیب کے مسئلہ سے واقف نہ ہو، اور عدم واقفیت کی بنا پر ترتیب کی خلاف ورزی کردے تو خود امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی اس پر کچھ واجب نہیں، لہٰذا متداول کتابوں میں اس بابت موجود نہیں لیکن خود امام محمد نے "کتاب الحجۃ علی أہل المدینۃ" میں پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

اخبرنا محمد عن أبي حنيفة في الرجل يجهل وهو حاج فيحلق رأسه قبل أن يرمي الجمرة أنه لا شيء عليه وقال أهل المدينة إذا جهل الرجل فحلق رأسه قبل أن يرمي الجمرة افتدى (کتاب الحجۃ علی أہل المدینۃ ۲ر۳۲۷،۳۲۷)۔

گویا امام ابوحنیفہ نے اس مسئلہ میں عالم اور جاہل کے درمیان فرق کیا ہے، امام محمد کا استدلال اس پر بڑا لطیف اور نفیس ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت میں ہے:

جاء رجل فقال يا رسول الله لم أشعر فحلقت قبل أن أذبح قال اذبح ولا حرج، فقال آخر يا رسول الله لم أشعر فنحرت قبل أن أرمي قال ارم ولا حرج.

تو یہاں استفسار کرنے والے شخص نے عدم شعور یعنی عدم علم کی بنا پر ترتیب کی خلاف ورزی کی تھی، لہٰذا "لا حرج" کا حکم بھی ایسے ہی شخص کے ساتھ مخصوص ہوگا جو عدم علم کی بنا پر اس کا مرتکب ہوگا، گویا لم أشعر، لم أكن عالماً بحکم الترتیب کے معنی میں ہے، امام بخاری کا ایک ترجمۃ الباب بھی امام محمد کے اس استدلال کو تقویت پہونچاتا ہے، بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس والی روایت پر یوں عنوان قائم کیا ہے: "باب إذا رمى بعد ما أمسى أو حلق قبل أن يذبح ناسيا أو جاهلا"۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بھی واجبات حج کا ترک اس وقت موجب دم ہوتا ہے جب بلا عذر واجب کو ترک کیا گیا ہو، گو اس سلسلہ میں مشائخ کے یہاں ایک گونہ اختلاف ہے لیکن کاسانی نے اسی کو ترجیح دیا ہے کہ عذر کی بنا پر ترک واجب موجب دم نہیں، کاسانی نے سعی بین الصفا والمروۃ کو واجب بتاتے ہوئے لکھا ہے:

إذا كان واجبا فإن تركه لعذر فلا شيء عليه وإن تركه لغير عذر لزمه دم لأن هذا حكم ترك الواجب في هذا الباب (بدائع الصنائع ۲ر۱۳۳)۔

علامہ شامی نے بھی جنایات کے باب میں شروع ہی میں اصولی طور پر اس کا ذکر فرمایا ہے (رد المحتار ۲ر۲۰۰) جس سے خیال ہوتا ہے کہ شامی کا رجحان بھی اسی طرف ہے، اس طرح اگر کوئی شخص ناواقفیت یا عذر کی وجہ سے ان افعال میں ترتیب قائم نہیں رکھ سکے تو امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق بھی اس پر دم واجب نہیں ہوگا، نیز یہ بات بھی

قابل لحاظ ہے کہ چونکہ خاص کر قربانی میں مطلقاً نیابت جائز ہے اس لئے ذبح کی دوری چنداں معتبر نہیں۔

پس جمہور اور صاحبین کی رائے بھی قوی دکھائی پڑتی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جن مسائل میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہو ان میں صاحبین کی رائے کو ترجیح دینا اصحاب افتاء کے یہاں کوئی نادر اور قلیل الوقوع امر نہیں، نیز مشائخ نے اس بات کو بھی تسلیم کیا ہے کہ صاحبین کا قول بھی دراصل امام ابوحنیفہ ہی کے ایک قول کی حیثیت رکھتا ہے لیکن ان سب کے باوجود بظاہر اس مسئلہ میں صاحبین کی رائے کی طرف عدول کی حاجت محسوس نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) اس مسئلہ میں بھی فریقین کے پاس قوی دلائل موجود ہیں۔

(۲) اگر جہالت یا ناواقفیت کی وجہ سے ترتیب کی خلاف ورزی ہو تو امام ابوحنیفہ کے یہاں بھی یہ موجب دم نہیں۔

(۳) عذر کی بنا پر ترتیب کی خلاف ورزی کرنی پڑے تب بھی اس سے دم واجب نہیں ہوگا۔

(۴) جو لوگ ترتیب کے مسئلہ سے واقف بھی ہوں اور کوئی عذر ان کے لئے اس ترتیب پر عمل کرنے سے مانع نہ ہو ان کے لئے ترتیب واجب ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے۔

☆☆☆☆☆

عرض مسئلہ بابت حج وعمرہ

(سوال نمبر ۳، ۴، ۵، ۹)

مفتی انور علی اعظمی، مئو

سوال نمبر ۳:

مکہ مکرمہ میں مقیم اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہو تو اشہر حج کے شروع ہونے کے بعد اس کے لئے عمرہ کرنا درست ہے یا نہیں یعنی مکی کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں کل چنتالیس رائیں مرسلہ مقالات سے حاصل ہوئیں، ان میں سات حضرات مکہ میں مقیم شخص کے لئے تمتع اور قران کی گنجائش سمجھتے ہیں، اور بقیہ سینتیس مقالہ نگار اس حق میں ہیں کہ ایسے شخص کے لئے تمتع اور قران کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرات مجوزین کے اسماء یہ ہیں:

مولانا اخلاق الرحمن، مولانا ایوب ندوی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا عبد اللطیف کاکوی، مولانا شفیق احمد بستوی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا ارشاد احمد۔

حضرات مانعین کے اسماء یہ ہیں:

مولانا خورشید انور بنارس، مولانا خورشید احمد مئو، مولانا اشتیاق احمد مئو، مولانا انور علی مئو، مولانا ابوسفیان مئو، مولانا برہان الدین سنبھلی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی محبوب علی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی مصلح الدین بڑودہ، مولانا شاہین جمالی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا سراج الدین، مولانا تنویر عالم قاسمی، حکیم ظل الرحمن بھوپال، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا قمر الزماں ندوی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا شکیل احمد بستوی، مولانا عبد السلام ابوہریرہ سلفی، مولانا رئیس احمد ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا محمد جنید احمد قاسمی، مولانا ابرار الحق، مولانا عبد الفتاح عادل، مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا فضل الرحمن افضل قاسمی، مولانا محمد عمر فلاحی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عبد الرشید گورینی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی مئو۔

جن حضرات نے اس مسئلہ میں جواز کا قول نقل کیا ہے، ان میں سے متعدد حضرات کا استدلال یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں مقیم شخص کے اہل وعیال بھی مکہ ہی میں رہتے ہیں وہ تمتع کے ارادہ سے عمرہ کرنے کے بعد اپنے اہل ہی میں یعنی اپنے گھر میں رہے گا، لہذا اس کی جانب سے تمتع متحقق ہی نہیں ہوگا بلکہ المام صحیح ہوجانے کی بنا پر اس کا حج مفرد ہی

ہوگا،ان لوگوں نے شامی کی ایک عبارت سے استدلال کیا ہے:

أما التمتع فإنه لا يتصور للإلمام الذي يوجد منه بينهما (شامی ۲/۱۹۸)۔

اس مسئلہ میں علامہ شامی نے ایک طویل بحث کے بعد اسی رائے کو ترجیح دی ہے کہ مکی سے قران کا تصور تو ہوسکتا ہے، تمتع کا تصور نہیں ہوسکتا۔

صحیح بخاری میں "باب قول الله عز و جل ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" کے تحت ایک طویل حدیث میں یہ الفاظ منقول ہیں: "فإن الله أنزله في كتابه وسنة نبيه ﷺ وأباحه للناس غير أهل مكة قال الله تعالىٰ ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" (صحیح بخاری مع الفتح ۳/۴۳۹)۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں مجاہد، عروہ، طاؤس، میمون اور امام زہری جیسے بڑے بڑے تابعین کے آثار منقول ہیں جو اہل مکہ کے لئے حج تمتع کے عدم جواز پر دال ہیں، ہدایہ اور فقہ حنفی کی دیگر کتب میں منقول ہے:

"ليس لأهل مكة تمتع ولا قران وإنما لهم الإفراد خاصة" (ہدایہ مع الفتح ۳/۱۰)۔

مذکورہ جملہ عبارات اس بات پر صراحت کررہی ہیں کہ مکی کے لئے تمتع اور قران درست نہیں ہیں، نیز یہ کہ مکی کے لئے حد حضور ہے، المام صحیح کو بنیاد بنا کر مکی سے تمتع کی نفی کرنا درست نہیں ہے، مزید وضاحت کی خاطر ملا علی القاری کی عبارت لباب سے نقل کی جاتی ہے، ملا علی القاری نے پہلے فقہاء احناف کے دونوں قسم کے اقوال نقل کئے ہیں یعنی تحقق حد کا قول اور بطلان حد کا قول، اس کے بعد تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "وفيه أن الجمع بين كلام أئمة المذاهب وقول المشائخ هو الأولىٰ بالاعتبار بأن نقول قولهم تمتعهم مرادهم بطل تمتعهم المسنون لا تمتعهم اللغوي بلا مرية عندهم وكذا تصريحهم في الشرط بأن الشرط إنما هو في التمتع المسنون لا لمطلق التمتع وإلا فلا معنى لوجوب الدم والله سبحانه وتعالىٰ أعلم"،

پھر ملا علی القاریؒ نے المام صحیح کا بھی جواب دیا ہے:

وأما الجواب عن الإلمام فهو أن إلمام أهل مكة ليس يضرهم لما وقع اتفاق علماء الأعلام من أن الآفاقي إذا كان معه أهل صح له التمتع وإنما يضره الإلمام إذا كان بعد فراغه من عمرته سافر إلى بلده أو قريته من نحو كوفة أو بصرة ونزل بأهله كما هو مقرر في محله وهذا غاية التحقيق والله ولي التوفيق (شرح لباب لعلی القاری/۱۵۳)۔

ان دلائل کی بنا پر راقم السطور کی رائے یہی ہے کہ اہل مکہ کے لئے قران اور حد مکہ میں رہتے ہوئے درست نہیں ہے۔

سوال نمبر ۴:

جو حضرات ائمہ مکی کے لئے تمتع اور قران کو جائز نہیں کہتے اور اسی کے ساتھ ساتھ میقات کے باہر سے مکہ

مکہ مکرمہ جانے والے ہر شخص کے لئے (خواہ اس کی نیت حج یا عمرہ کی نہ ہو) میقات سے احرام باندھ کر داخل ہونا لازم قرار دیتے ہیں، ان کے مسلک کے اعتبار سے ایک دشواری یہ پیش آتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں مقیم جو حضرات حج کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر وہ اپنی کسی ضرورت سے اشہر حج میں میقات کے باہر گئے پھر مکہ مکرمہ واپس ہوا اگر بغیر احرام باندھے میقات کے اندر داخل ہوں تو انہیں دم دینا پڑے گا، اور اگر عمرہ کے احرام کے ساتھ میقات میں داخل ہوں پھر عمرہ کے احرام سے حلال ہونے کے بعد اسی سال حج بھی کریں تو ایک ممنوع صورت کا ارتکاب ہوگا اور دم جنایت لازم ہوگا، اس صورت حال سے بچنے کے لئے حج کا ارادہ رکھنے والے اہل مکہ کو پابند کرنا کہ شہر حج شروع ہونے کے بعد میقات کے باہر نہ جائیں، تنگی و دشواری کی بات ہے، کیونکہ اشہر حج کا عرصہ خاصا طویل ہے، اہل مکہ کی اس مشکل کا حل تلاش کرنے کے لئے مقالہ نگاروں کی رائیں مختلف ہیں، اس موضوع پر تقریباً چونتیس جوابات موصول ہوئے۔

حضرات محققین کرام کی آراء کی روشنی میں چار حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے:

۱۔ بعض حضرات نے اس مشکل کا یہ حل پیش کیا ہے کہ ایسا شخص احرام کی پابندی سے مستثنیٰ ہے، احرام کی پابندی اس شخص کے لئے ہے جو حج یا عمرہ کے ارادہ سے میقات تجاوز کرنا چاہتا ہو، اس رائے کے قائلین حسب ذیل حضرات ہیں:

مولانا عبد السلام جبریلو حلقی، مولانا رحمٰن احمد ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی مجیب علی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی۔

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ ایسا شخص عمرہ کے احرام کے ساتھ مکہ میں داخل ہوگا اور عمرہ بھی کرے گا اور اسی سال حج بھی کرے گا اور اس پر دم جنایت بھی لازم نہیں ہوگا، کیونکہ مکی کی جانب سے تمتع متحقق ہی نہیں ہوا، اس کے قائلین حسب ذیل علماء کرام ہیں:

مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور مولانا شفیق احمد بستوی۔

۳۔ تیسری رائے یہ ہے کہ مکی کے لئے تمتع کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اگر اس کے ذمہ حج فرض ہے تو اشہر حج میں میقات سے باہر نہ جائے اور اخروی نفع کے سامنے دنیوی خسارہ کو قبول کرے، اور اگر حج کی فرضیت سے سبکدوش ہو چکا ہے تو اس سال عمرہ پر اکتفا کرے اور حج نفل سے احتراز کرے، اس رائے کے قائل ہیں:

مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا نذیر احمد قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی وغیرہ۔

اسی رائے کے قائلین میں مولانا شاہین جمالی اور قاری ظفر الاسلام کا خیال یہ ہے کہ ایسا شخص حیلہ کے ساتھ حرم میں داخل ہو۔

۴۔ چوتھی رائے یہ ہے کہ ایسا شخص عمرہ کے احرام کے ساتھ حدود حرم میں داخل ہو اور عمرہ بھی کرے پھر حلال ہونے کے بعد اسی سال حج بھی کرے اور خلاف مسنون امر کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے دم جنایت ادا کرے، اس کے قائلین ہیں:

مولانا اشتیاق احمد، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبداللطیف مظاہری، مولانا انور علی اعظمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا خورشید انور اعظمی مظہر العلوم بنارس، مولانا محمد عمر فلاحی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا ابرارالحق صدیقی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ارشاد احمد قاسمی، مولانا محمد نور القاسمی، حکیم فضل الرحمن۔

اس مشکل کے حل کے لئے احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کرنا ابن عباس کے اس اثر کے خلاف ہے جس کو ابو الشعثاء نے روایت کیا ہے: انه رأى ابن عباس رضي الله عنهما يرد من جاوز الميقات غير محرم (مسند شافعی ۱۲۶)۔

نیز علامہ شوکانی نے بیہقی کے حوالہ سے ایک حدیث کا ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو جید کہا ہے، وہ یہ ہے: "لا يدخل أحد مكة إلا محرما" (نیل الاوطار ۵/۲۸)۔

اسی طرح یہ کہنا کہ یہ لوگ عمرہ بھی کریں اور حج بھی کریں ان کی جانب سے تمتع کا وجود متصور ہی نہیں ہے، اگرچہ علامہ شامی نے اس قول کی حمایت کی ہے مگر دوسرے فقہاء نے اس کا رد کیا ہے اور اس کی صراحت کی ہے کہ اہل مکہ کا اپنے اہل وعیال میں جانا المام صحیح نہیں ہوگا، لہذا ان سے بھی تمتع کا تصور ہے بلکہ اشہر حج میں دونوں کو جمع کرنے سے اس کا تحقق بھی ہوگا، لیکن ان کے لئے اس کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ اس کے تفصیلی دلائل سوال نمبر (۳) کے عرض مسئلہ میں ذکر کئے گئے ہیں۔

ان کا اہل وعیال میں جانا المام صحیح نہیں ہوگا، ملا علی قاری اہل مکہ کے المام پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"وأما الجواب عن الإلمام فهو أن إلمام أهل مكة ليس يضرهم لما وقع اتفاق علماء الأعلام من أن الآفاقي إذا كان معه أهل صح له التمتع وإنما يضره الإلمام إذا كان بعد فراغه من عمرته سافر إلى بلده أو قريبه من نحو كوفة أو بصرة ونزل بأهله كما هو مقرر في محله وهذا غاية التحقيق والله ولي التوفيق (شرح اللباب لملا علی القاری ۱۵۳)۔

ان دونوں اقوال کے بعد مذکورہ مشکل کے حل کا ایک راستہ احتیاط کا ہے کہ اہل مکہ یا تو اشہر حج کے شروع ہونے کے بعد سفر سے پرہیز کریں جبکہ انہیں فرض حج ادا کرنا ہو یا اس سال صرف عمرہ پر اکتفا کریں، اگر فرضیت حج سے سبکدوش ہو چکے ہوں اس کے باوجود اگر وہ نفلی حج کرنا ہی چاہتے ہیں اور حج کی فضیلت اور ثواب سے اپنے کو محروم نہیں رکھنا چاہتے تو ان کے لئے ایک راستہ یہ بچ جاتا ہے کہ عمرہ کا احرام باندھ کر جائیں عمرہ کریں پھر عمرہ کے احرام سے حلال ہو کر حج بھی کریں اور دم دیں، اگرچہ ایسا کرنا خلاف سنت ہے لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں، البتہ اگر حج کا زمانہ قریب ہو تو حج کے احرام کے ساتھ داخل ہوں اور صرف حج کر لیں جب بھی ان کے لئے کوئی دشواری نہیں پیش آئے گی۔

سوال نمبر ۵:

تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کرسکتا ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں کل تینتالیس رائیں موصول ہوئیں۔

ان میں چونتیس مقالہ نگاروں کے نزدیک متمتع حج کا احرام باندھنے سے مزید عمرے کرسکتا ہے، پانچ حضرات نے اس کو خلاف اولیٰ کہا ہے، چار مقالہ نگاروں نے ممنوع قرار دیا ہے، مانعین میں جناب شمس پیرزادہ، مولانا عبدالرحیم بھوپالی، مولانا شاء الہدیٰ قاسمی اور مولانا فضل الرحمٰن الفضل قاسمی ہیں۔

خلاف اولیٰ کہنے والوں میں مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابرار الحق دار العلوم سبیل السلام، مولانا عبید اللہ اسعدی اور مولانا عتیق احمد بستوی ہیں۔

اسماء مجوزین:

مولانا خورشید احمد مئو، مولانا اشتیاق احمد دار العلوم مئو، مفتی انور علی دار العلوم مئو، مولانا ابوسفیان مفتاحی مئو، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا نور القاسمی، مولانا عبد الفتاح عادل، مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی بنارس، مفتی محبوب علی رامپوری، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، قاری ظفر الاسلام، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا عبد القیوم پالن پوری، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا شکیل احمد دار العلوم اسلامیہ بستی، مولانا عبد اللطیف مظاہری، حکیم ظل الرحمٰن، مولانا محمد اسعد اللہ قاسمی میرٹھ، مولانا راشد حسین ندوی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد عمر فلاحی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا محمد ابرار خاں، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا جنید احمد فلاحی، مولانا رئیس احمد ندوی اور مولانا عبد السلام ابوہریرہ سلفی۔

مانعین میں شمس پیرزادہ صاحب نے یہ دلیل دی ہے کہ اس کی کوئی مثال دور رسالت میں نہیں ملتی، خلاف اولیٰ کہنے والوں میں اکثر حضرات نے اختلاف سے بچنے کے لئے عمرہ کے ترک کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ طواف اور دوسری عبادات میں اپنے کو مشغول رکھے۔

وہ مجوزین جو مزید عمرے کو اولیٰ بتاتے ہیں، انہوں نے ابن قدامہؒ، امام نوویؒ اور متعدد حنفی فقہاء کی عبارات سے استدلال کیا ہے مثلا لباب کی یہ عبارت اس مسئلہ میں بہت واضح ہے (ولا یکرہ الاکثار منہا) ای من العمرۃ فی جمیع السنۃ خلافاً لمالک (بل یستحب) ای الاکثار منہا علی ما علیہ الجمہور (ص ر ۲۶۵)۔

شرح مہذب میں امام نووی تحریر فرماتے ہیں: "فی مذاہبہم فی تکرار العمرۃ فی السنۃ مذہبنا انہ لا یکرہ ذلک بل یستحب و بہ قال ابو حنیفۃ و احمد و جمہور العلماء من السلف والخلف الخ (کتاب المجموع شرح مہذب ۷؍۱۴۴)۔

اور حافظ ابن حزم نے بھی المحلی میں اکثار عمرہ کو مستحب قرار دیتے ہوئے مانعین پر انتہائی بلیغ رد کیا ہے:

"والحج لا يجوز إلا مرة في السنة وأما العمرة فيجب الإكثار منها لما ذكرنا من فضلها واحتج من كره ذلك بأن رسول الله ﷺ لم يعتمر في عام إلا مرة واحدة قلنا: لا حجة في هذا لأنه إنما يكره ما حض على تركه وهو عليه السلام لم يحج مذ هاجر إلا حجة واحدة ولا اعتمر مذ هاجر إلا ثلاث عمر فيلزمكم أن تكرهوا الحج إلا مرة في العمر وأن تكرهوا العمرة إلا ثلاث مرات في الدهر وهذا خلاف قولكم وقد صح أنه كان عليه السلام يترك العمل ويحب أن يعمل به مخافة أن يشق على أمته أن يفرض عليهم (محلی لابن حزم ۶۸/۷، ۶۹)۔

حاشیہ (البحر الرائق ۳۶۶/۲) پر ہے: هذا المتمتع الآفاقي غير ممنوع من العمرة فجاز له تكرارها لأنها عبادة مستقلة أيضا كالطواف "۔

درمختار کی عبارت کے ذیل میں علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: "أقام بمكة حلالا (أي المتمتع) أفاد أنه يفعل ما يفعله الحلال فيطوف بالبيت ما بداله ويعتمر قبل الحج (۳۶۸/۲)۔

صحابہ کرام اور تابعین عظام کے آثار واقوال تکرار عمرہ کے استحباب پر دال ہیں، مغنی لابن قدامہ میں ہے:

"ولا بأس أن يعتمر في السنة مرارا أي ذلك عن علي وابن عمر وابن عباس وأنس وعائشة وعطاء وطاؤس وعكرمة والشافعي رحمهم الله (مغنی ۲۲۶/۳)۔

ان سارے دلائل اور آثار کی روشنی میں راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ متمتع اگر مزید عمرے کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

سوال نمبر ۹:

(الف) کیا حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً پینتالیس جوابات موصول ہوئے، ان میں بھی پینتالیس مقالہ نگاروں نے اجازت کی صورت میں تمتع کے جواز کا قول نقل کیا ہے۔

ایک مقالہ نگار مولانا اشتیاق احمد اعظمی نے اجازت کے باوجود تمتع نہ کرنے کو احوط کہا ہے، نفس جواز سے ان کو بھی اختلاف نہیں تو گویا آمر کی اجازت کی صورت میں تمتع کا جواز بھی مقالہ نگار حضرات کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

مولانا اشتیاق احمد صاحب نے اس مسئلہ میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی رائے کو ترجیح دی ہے، مولانا خلیل احمد صاحب مولانا ظفر احمد تھانوی کے فتوے کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: بروئے مذہب حج عن الغیر ادا ہونے کے لئے حج میقاتی ہونا شرط ہے تو پھر جواز تمتع کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی عبارت سے تمتع کا عدم جواز مترشح ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں زمانہ حال کی نزاکت اور فقہاء کرام کی صراحتوں کا

تقاضہ یہی ہے کہ حج بدل کرنے والے پر تمتع کی روک نہ لگائی جائے، افراد کی پابندی بعض حالات میں حج بدل کرنے والے کے لئے پریشانی کا باعث ہوتی ہے، اور جب اجازت کی صورت میں اکثر و بیشتر فقہاء اور زمانہ حال کے مفتیان کرام اس کی اجازت دیتے ہیں اور عوام الناس کا تعامل بھی یہی ہے تو اس میں کسی قسم کا تردد بھی نہیں ہونا چاہئے، غنیۃ المناسک میں صراحت ہے: "إن الأمر بالحج تضمن الأمور بالحج بنفسه ومن بلده وبماله وبركوب أكثر الطريق ويجعل السفر له وبإفراد السفر له وبإحرامه من الميقات وكذا لو أمره بالعمرة فلو أحل بواحد فهو مخالف إلا إذا وجد الإذن (غنیۃ المناسک ۱۷۹)"۔

ملا علی القاری نے بھی شرح لباب میں صریح اجازت کی صورت میں تمتع کو درست کہا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"(فلو أمره بالإفراد فقرن أو تمتع) أي بأن نوى العمرة عن الميت ثم حج عنه فإنه يصير مخالفاً" آگے لکھتے ہیں: إلا أنه يشكل إذا أمر بإفراد العمرة ثم إفراد الحج بعده أو صرح بالتمتع في سفره أو بتفويض الأمر إليه (غنیہ ۲۵۳)۔

زمانہ حال کے علماء میں مفتی کفایت اللہ، ابو المآثر مولانا حبیب الرحمن الاعظمی، مفتی عبدالرحیم لاجپوری وغیرہم نے آمر کی اجازت سے تمتع کو درست کہا ہے، حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی اپنی کتاب رہبر حجاج میں تحریر فرماتے ہیں: حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے قران یا تمتع کا احرام بھی باندھ سکتا ہے، اس مسئلہ میں کچھ اختلاف کتابوں میں مذکور ہے، اور چند اکابر نے تمتع کو اجازت کے بعد بھی ناجائز قرار دیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ حج بدل کرنے والے کا تمتع کرنا آمر کی اجازت سے جائز ہے، پھر حضرت مولانا نے غنیہ اور در مختار کی دو عبارتیں نقل کی ہیں (رہبر حجاج ۳۷)۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے عمدۃ المناسک مصنفہ مولانا سیر محمد صاحب سے نقل کیا ہے کہ آمر کو چاہئے کہ وہ اپنے مامور کو عام طرح اجازت دے دے کہ تمہاری مرضی پر ہے چاہے افراد یا حج کرو یا قران یا تمتع، پھر حاشیہ میں اس کی تائید میں چند عبارتیں لکھی ہیں (ملاحظہ ہو: عمدۃ ۲۲۱-۲۲۲) اس لئے آمر کی صریح اجازت کی صورت میں تمتع کے جواز میں کوئی تردد نہیں رہ جاتا۔

(ب) حج بدل کرنے والا آمر کی صریح اجازت کے بغیر تمتع کرسکتا ہے یا نہیں؟

حج بدل کرنے والا آمر کی صریح اجازت کے بغیر جبکہ ظن غالب یہ ہے کہ وہ اجازت نہیں دے گا محض عرف اور تعامل کو بنیاد بنا کر یا دلالۃً اجازت کو کافی سمجھ کر حج تمتع کرسکتا ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں تقریباً چھتیس (۳۶) رائیں دستیاب ہوئیں، ان میں تیئیس (۲۳) مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ نہیں کرسکتا جبکہ تیرہ (۱۳) مقالہ نگار مذکورہ صورت میں تمتع کی گنجائش دیتے ہیں۔

اسماء مجوزین:

مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی جمیل احمد نذیری،

مفتی مصلح الدین بجنوری، مولانا زبیر احمد، مولانا عبدالسلام ابوہریرہ، مولانا رئیس احمد ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا عبید اللہ اسعدی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا عبدالرحیم بھوپالی، مولانا محبوب علی رامپوری۔

اسماء مانعین:

مولانا انور علی دارالعلوم مئو، مولانا اشتیاق احمد مئو، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا فضل الرحمن افضل، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا خورشید احمد مئو، مولانا تنویر عالم، مولانا محمد جنید احمد فلاحی، مولانا شاہین جمالی، مولانا محمد ابراہیم فلاحی، مولانا عبدالرشید، مولانا ابرارالحق صدیقی، مولانا عبداللطیف مظاہری، مولانا محمد عمر فلاحی، قاری ظفر الاسلام مئو، مولانا عبدالقیوم پالن پوری، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا عبدالفتاح عادل، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی اور ابوسفیان مفتاحی اور مولانا محمد ایوب۔

حضرات مجوزین نے اپنی دلیل میں عام طور پر قاعدہ " المعروف کالمشروط " یا اجازت بدلالت حال کو پیش کیا ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے مبسوط سرخسی سے ایک جملہ نقل کیا ہے: " إذ يثبت الإذن دلالة " اور اسے صاحبین کی رائے قرار دیا ہے، لیکن مسئلہ مذکورہ میں جز (الف) میں گذری بحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ بڑی نزاکت ہے، صریح اجازت کے باوجود بھی بعض اکابر نے منع کیا ہے، فقہاء احناف کی کتب معتبرہ میں عام طور پر تمتع کا جواز باذن الآمر ہی مصرح ہے، لہذا اجازت لینا حج بدل کرنے والے کی ذمہ داری تھی، اجازت نہ لینے کی صورت میں وہی طریقہ اپنانا چاہئے جو اختلاف سے دور ہو، اگر آمر نے صرف حج کا حکم دیا ہے تو صرف حج کا احرام باندھے، ملا علی القاری لکھتے ہیں: (فلو أمره بالإفراد) أي للحج أو العمرة (فقرن) أي عن الآمر فهو مخالف ضامن عند أبي حنيفة وعندهما يجوز ذلك عن الآمر استحساناً .... (أو تمتع) أي بأن نوى العمرة عن الميت ثم حج عنه فإنه يصير مخالفاً إجماعاً على ما في البحر الزاخر ولعل وجهه أنه مأمور بتجريد السفر للحج عن الميت فإنه المفروض عليه (۲۵۳)۔

موجودہ زمانہ کے علماء اور اصحاب افتاء میں سے جن حضرات نے تمتع کی اجازت دی ہے مثلاً مفتی کفایت اللہ صاحب، محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن الاعظمی صاحب، مولانا ظفر احمد تھانوی صاحب، مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب، ان سب لوگوں نے اجازت صریحہ کی صورت میں اس کو جائز کہا ہے، اس لئے بندہ کی رائے یہی ہے کہ غلبۂ ظن اور اجازت صریحہ نہ ہونے کی صورت میں حج بدل کرنے والا تمتع نہ کرے اس کی گنجائش نہیں ہے، مفتی کفایت اللہ تحریر فرماتے ہیں: جبکہ آمر نے کوئی صراحت نہیں کی ہے تو اس وقت بظاہر اس کا امر حج آفاقی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ جب آمر خارج میقات کا رہنے والا ہو تو ظاہر یہی ہے کہ اس کا حکم ایسے ہی حج سے متعلق ہوگا جس کا احرام میقات سے باندھا گیا ہو، اور اس ظاہر حال کی دلالت سے مطلق حج من المیقات کے ساتھ فقہاء نے مقید کیا ہے۔

(ج) آمر سے تمتع کی صریح اجازت نہیں لی لیکن حج بدل کرنے والے کا ظن غالب ہے کہ آمر اس کی اجازت دے دیتا تو تمتع کرسکتا ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں چوالیس (۴۴) رائیں موصول ہوئیں، ان میں چھتیس (۳۶) حضرات ظن غالب کی بناپر تمتع کے قائل ہیں اور چھ (۶) حضرات ظن غالب کے باوجود تمتع کی گنجائش کے حق میں نہیں ہیں۔

حضرات مجوزین:

مولانا انور علی مئو، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا زبیر احمد قاسمی کھوان، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا فضل الرحمن افضل حیدرآباد، مولانا خورشید احمد اعظمی مئو، مولانا محمد اسعد اللہ قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا شکیل احمد بستی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا عبیداللہ اسعدی، مولانا مصلح الدین بڑودوی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی، مولانا ابوسفیان مفتاحی مئو، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا عبدالرحیم بھوپالی، حکیم ظل الرحمن دہلی، مولانا عبدالفتاح عادل، مولانا محمد عمر فلاحی، مولانا محمد قمرالزماں ندوی، مولانا اسرارالحق سبیلی، مولانا منظور احمد قاسمی شیخوپور، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا ابرارالحق صدیقی، مولانا عبداللطیف مظاہری، مولانا محبوب علی رامپوری، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا عبدالسلام ابوہریرہ، مولانا ارشادالحق گورینی۔

حضرات مانعین:

مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا محمد جنید احمد سبیل السلام حیدرآباد، مولانا قاری ظفرالاسلام دارالعلوم مئو، مولانا اشتیاق احمد دارالعلوم مئو، مولانا خورشید انور مظہرالعلوم بنارس، مولانا محمد نورالقاسمی بے پور۔

حضرات مانعین نے اپنے جواب میں بطور دلیل کے کوئی صریح جزئیہ خاص اس شق کے لئے ذکر نہیں کیا بلکہ زیادہ تر الف میں بیان کئے ہوئے دلائل کا حوالہ دیا ہے، لیکن اس سے اس جز پر استدلال غیر واضح معلوم ہوتا ہے کیونکہ شریعت مطہرہ نے غلبہ ظن کو بیشتر مسائل میں یقین کا درجہ دیا ہے، مثلاً استقبال قبلہ کے معاملہ میں، اور تیمم کے مسئلہ میں پانی کے پاک اور ناپاک ہونے میں، اور بھی بہت سے مسائل میں، لہٰذا اگر مامور کو گمان غالب ہے کہ آمر تمتع کی اجازت دے دیتا تو بندہ کے نزدیک غلبہ ظن کو جواز تمتع کی بنیاد بنانا درست ہے۔

(د) باذن الآمر یا بدون اذن الآمر تمتع کرنے کی صورت میں دم تمتع آمر کے مال میں لازم ہوگا یا حج بدل کرنے والے کے مال میں؟ تمام شقوں کی تفصیل کی جائے۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں چند شقیں ہیں:

۱۔ آمر اپنی خوشی سے مامور کو دم تمتع کی رقم الگ سے دیدے یا اس کی صریح اجازت دیدے، اس صورت میں دم تمتع بالاتفاق آمر کے مال سے دینا جائز اور درست ہے۔

۲۔ آمر کی طرف سے اس مد میں رقم خرچ کرنے کی صریح اجازت نہ ہو تو اس صورت میں دم تمتع کس پر واجب ہوگا، اس سلسلہ میں کل تقریباً چالیس (۴۰) رائیں موصول ہوئیں، دو حضرات مولانا عبدالسلام ابوہریرہ اور مولانا رئیس احمد ندوی کی رائے ہے کہ دم تمتع ہر حال میں آمر پر ہوگا۔

پانچ اصحاب (مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا محمد عمر فلاحی، مولانا شکیل احمد، مولانا فضل الرحمن افضل قاسمی) کی رائے یہ ہے کہ اگر متمتع آمر کی اجازت سے کیا ہے تو دم تمتع آمر کے مال سے دے گا اور اگر بدون اذن الآمر کیا ہے تو دم تمتع اپنے مال سے دے گا، ان کے علاوہ تینتیس (۳۳) مقالہ نگاروں نے یہ رائے دی ہے کہ دم تمتع دونوں صورتوں میں مامور کے ذمہ ہے، ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی مئو، مولانا خورشید انور بنارس، مولانا ارشاد گورینی، مولانا ابرار الحق صدیقی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا نور الحق قاسمی، مفتی حبیب اللہ، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبد اللطیف مظاہری، مولانا عبد الفتاح عادل، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا اشتیاق احمد، مولانا مصلح الدین بڑودہ، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا عتیق احمد بستوی، مفتی جمیل احمد نذیری، قاری ظفر الاسلام، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا ابراہیم گجرات، مولانا مفتی انور علی، مولانا عبد الرشید گورینی، مولانا خورشید احمد مئو، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد جنید احمد، مولانا محمد اسعد اللہ قاسمی، مولانا سراج الدین قاسمی۔

دم تمتع آمر پر لازم سمجھنے والے مقالہ نگاروں نے عام طور پر عقلی دلیل سے اپنا مدعا ثابت کیا ہے، ایک مقالہ نگار اختر ضیاء قاسمی نے فتاویٰ تاتارخانیہ کی ایک عبارت نقل کی ہے لیکن ان کے حق میں نہیں جاتی بلکہ ان کے خلاف جاری ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

دم القران والتمتع والجنايات على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفاً فيضمن (۲/۵۴۸)۔

اس عبارت سے یہی واضح ہورہا ہے کہ آمر کی اجازت کی صورت میں دم قران اور دم تمتع و جنایات سب حاجی پر ہے نہ کہ آمر پر، اگر آمر نے اجازت تمتع کرنے کی دی ہے، ورنہ حاجی آمر کا مخالف ہوگا اور کل خرچ کا ضامن ہوگا، لہذا مذکورہ عبارت ان لوگوں کی دلیل ہے جو دم تمتع حاجی کے ذمہ مانتے ہیں، اسی مفہوم کی عبارت در مختار علی الشامی ۲/۲۴۸ پر مذکور ہے، اور اکثر کتب فقہ حنفی میں اس کی صراحت موجود ہے۔

عقلاً بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ دم تمتع حاجی پر ہونا چاہئے کیونکہ وجوب دم کی وجہ ایک سفر میں دو عبادتوں کی ادائیگی سے نفع اٹھانا ہے اور یہ نفع مامور اٹھارہا ہے نہ کہ آمر، لہذا دم کی ذمہ داری بھی اسی پر عائد ہوگی۔

(و) حج عن المیت کی صورت میں تمتع کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اس میں کوئی تفصیل ہو تو اسے بھی تحریر فرمائیں۔

اس سوال کے جواب میں کل اکتالیس (۴۱) رائیں دستیاب ہوئیں، ان میں سے ایک صاحب مولانا عبد الفتاح عادل کے نزدیک اس کی گنجائش نہیں ہے، ایک دوسرے مقالہ نگار مولانا اشتیاق احمد دار العلوم مئو کی رائے میں تمتع نہ کرنا احوط ہے، بقیہ انتالیس (۳۹) مقالہ نگار حضرات کے نزدیک حج عن المیت کی صورت میں تمتع کرنے کی گنجائش ہے، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا محبوب علی رامپوری، مولانا خورشید احمد مئو، مولانا انور علی مئو، مولانا عبد الرحیم بھوپالی، مولانا خورشید انور بنارس، مولانا عتیق احمد بستوی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا عبد السلام ابوہریرہ، مولانا عبد اللطیف مظاہری، حکیم ظل الرحمن، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عبد العظیم اصلاحی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا ابرار الحق صدیقی، مولانا ابرار خاں ندوی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا شاہین جمالی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا تنویر عالم، مولانا زبیر احمد، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا مصلح الدین، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد جنید احمد، مولانا خورشید احمد مئو، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا ابوسفیان مفتاحی مئو، مولانا رئیس احمد ندوی۔

جواز کا قول نقل کرنے والے حضرات کے نزدیک تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے:

ا۔ اگر میت نے تمتع کی وصیت کی ہو اور ترکہ کے ثلث سے اس کی گنجائش بھی ہو تو جواز تمتع پر یہ سارے حضرات بلا کسی شرط کے متفق ہیں۔

۲۔ اگر میت نے حج کی وصیت نہ کی ہو اور مال بھی نہ چھوڑا ہو ورثاء اپنی خوشی سے تمتع حج کروا رہے ہوں یا خود کر رہے ہوں تو بھی جواز تمتع میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ اس صورت میں ورثہ آمر میں ان کی اجازت ضروری ہوگی۔

☆☆☆☆☆

عرض مسئلہ بابت حج وعمرہ

(سوال نمبر ۶، ۱۰)

مولانا نذیر احمد قاسمی صاحب، سیتامڑھی

مناسک حج میں سے رمی جمرہ میں نیابت کا مسئلہ اور حیض ونفاس کی حالت میں طواف زیارت کا مسئلہ، انہیں دونوں مسئلہ کے عارض کی حیثیت سے میں آپ کے سامنے آیا ہوں۔

ان مسئلوں کے سوالوں کی ساری جزئیات وتفصیلات آپ حضرات کے علم میں ہیں ہی، اس لئے نفس جواب ہی کے متعلق مختصراً عرض ہے۔

پہلا مسئلہ: رمی جمرہ میں نیابت کے جواز وعدم جواز کا ہے، اس سلسلہ میں تقریباً چھیالیس مقالہ نگاروں کے مقالات ہمیں موصول ہوئے، مطالعہ کے بعد اس مسئلہ سے متعلق ایک نکتہ تو بالکلیہ اتفاقی نظر آیا، ہاں دوسرا نکتہ اختلافی رہا۔

اتفاقی نکتہ: بوجہ عذر رمی جمرہ میں نیابت جائز ہے، بلا عذر جائز نہیں، محض آرام پسندی، کسل مندی کے تحت صرف سہولت وآسانی کی خاطر رمی میں نیابت کی اجازت نہیں ہوگی۔

یہ جز چونکہ اتفاقی ہے اس لئے نہ تو اس کے متعلق دلائل کے نقل ہی کی کوئی ضرورت واہمیت ہماری سمجھ میں آتی ہے اور نہ ان چھیالیس علماء مقالہ نگاروں کے اسماء کی فہرست پیش کرنے میں ہی کوئی فائدہ محسوس ہوتا ہے، اس لئے یہ بساط تو لپیٹ دیا جائے۔

اختلافی نکتہ: عذر کی تحدید وتعیین اور ازدحام کے عذر قرار دیئے جانے اور نہ دیئے جانے میں مقالہ نگاروں کی چند رائیں سامنے آتی ہیں، مختصراً تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مجلس السلام حیدرآباد کا خیال ہے کہ عذر کی حتمی وقطعی تحدید وتعیین مشکل ہے، لوگوں کے حالات وعادات پھر مواقع ومقامات کے مختلف ہونے کے سبب ہر ایک کے حق میں الگ الگ عذر کے درجات ہو سکتے ہیں۔

(۲) مولانا عبدالسلام ابو ہریرہ سلفی بنارس فرماتے ہیں کہ اسے مبتلیٰ بہ کی رائے پر چھوڑ دیا جائے وہ خود فیصلہ کرے گا کہ بنفس خود رمی جمرہ کی استطاعت اس کو ہے یا نہیں اور اسی کے مطابق وہ عمل کرے گا۔

(۳) ان دونوں حضرات کے سوا تقریباً بائیس حضرات مقالہ نگار کا خیال عذر کی تحدید وتعیین کے متعلق یہ ہے کہ جب وہ ایسا مریض وضعیف ہو کہ اس کے لئے قیام کے بدلے بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہو جائے تو ایسے لوگوں کو معذور کہہ کر رمی جمرہ میں بھی نیابت کی اجازت دی جائے گی ورنہ نہیں، اس مسئلہ میں ان حضرات کا استدلال درج ذیل

جیسی عبارتوں سے ہے:

وحد المرض أن يصير بحيث يصلي جالساً لأنه لا يستطيع الرمي راكباً ولا محمولاً ، أما لأنه تعذر عليه الرمي أو يلحقه الضرر (غنیۃ الناسک ار۳۳۶)۔

عن محمد إذا كان يصلي المريض جالساً رمي عنه ولا شيء عليه (ارشاد الساری لملا علی قاری/۱۶۶)

اس نمبر تین میں مذکورہ رائے و خیال والے حضرات درج ذیل ہیں:

۱۔ مولانا برہان الدین سنبھلی، لکھنؤ
۲۔ مولانا حبیب اللہ قاسمی، مہذب پور اعظم گڈھ
۳۔ مولانا ارشاد قاسمی، ریاض العلوم جونپور
۴۔ مولانا خورشید انور اعظمی، مظہر العلوم بنارس
۵۔ مولانا عبد اللطیف کاکوسی گجرات
۶۔ مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، میرٹھ
۷۔ مولانا عبد القیوم پالنپوری، کاکوسی گجرات
۸۔ مولانا خورشید احمد اعظمی، رگھوناتھ پور و مئو
۹۔ مولانا ظفر الاسلام، دار العلوم مئو
۱۰۔ مولانا ابو سفیان مفتاحی، مفتاح العلوم مئو
۱۱۔ مولانا راشد حسین ندوی، رائے بریلی
۱۲۔ مولانا منظور احمد القاسمی، شیخوپورہ اعظم گڈھ
۱۳۔ مولانا انور علی اعظمی، دار العلوم مئو
۱۴۔ مولانا عبید اللہ اسعدی، ہتھورا باندہ
۱۵۔ مولانا قمر الدین ندوی، پرتاب گڈھ
۱۶۔ مولانا عتیق احمد بستوی، ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۷۔ مولانا ابراہیم فلاحی، گجرات
۱۸۔ مولانا سید مصلح الدین، بڑودہ گجرات
۱۹۔ مولانا نور قاسمی، جامعہ چاپہ بے پور
۲۰۔ مولانا اسعد اللہ قاسمی، روضۃ العلوم باندہ
۲۱۔ مولانا محمد ایوب ندوی، بھٹکل
۲۲۔ مفتی عبد الرحیم، جامعہ حسینیہ خیر العلوم بھوپال

ہمارا خیال ہے کہ اگر کوئی مرض وضعف کے اس درجہ میں ہو کہ وہ قیام کی طاقت بھی نہ رکھے اور نماز تک بیٹھ کر ادا کر رہا ہو تو یہ ظاہر ہے کہ رمی پر بھی قادر نہ ہوگا اور اس کے حق میں نیابت فی الرمی یقیناً جائز ہو جائے گی اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف بھی نہیں ہو سکتا، یہ صورت حال تو سب کے نزدیک یقیناً عذر کی مسلمہ ہی ہوگی۔

مگر جب سوال یہ ہوگا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی دوسری صورت حال عذر کی ممکن ومتصور ہے یا نہیں تو اس میں اختلاف ہوگا، مذکورہ بالا سارے حضرات علماء کرام چونکہ نیابت فی الرمی کے حق میں ازدحام کو مطلقاً عذر نہیں مانتے تو اس کا لازمی مطلب یہی نکل سکتا ہے کہ ان حضرات کے یہاں ازدحام سے پیدا شدہ صورت حال بھی ایسا عذر نہیں ہوگا جس سے رمی میں نیابت جائز ہو جائے، اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ عذر جو مبیح نیابت فی الرمی ہے وہ منحصر اور مخصوص ہے بس اسی عدم استطاعت علی الرمی کے ساتھ۔

چنانچہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ رمی جمرہ کی جگہ گو محدود ہے مگر وقت میں وسعت ہے، اس لئے وقت کی وسعت سے فائدہ اٹھا کر ازدحام کی اذیت سے بچا جا سکتا ہے، اگر وقت مستحب وجواز کی رعایت نہ ممکن ہو سکے تو ضعیفوں

اور عورتوں کے لئے طلوع شمس کے قبل یا غروب شمس کے بعد رات میں رمی کرنے کی اجازت ہوگی، گویا ان حضرات کے یہاں ازدحام اس حد تک عذر ہے کہ وقت مکروہ میں رمی بلا کراہت صحیح ہو جائے گی مگر نیابت کی گنجائش بہر حال نہ ہوگی۔

اس مسئلہ میں ان حضرات کا استدلال مندرجہ ذیل عبارت سے ہے:

فقد تبين لما قدمنا أنهم جعلوا خوف الزحام عذراً للمرأة ولمن به عذر أو ضعف في تقديم الرمي قبل طلوع الشمس أو تأخيره إلى الليل لا في جواز النيابة عنهم لعدم الضرورة فلو لم يرموا بأنفسهم لخوف الزحام تلزمهم الفدية (غنیۃ المناسک ر۱۰۰)۔

مسئلہ بالا میں تقریباً اکیس مقالہ نگار حضرات کا خیال ہے کہ وہ عذر جس سے رمی میں نیابت جائز ہو سکتی ہے صرف ایسا مرض وضعف ہی نہیں جس سے نماز پنجگانہ میں قیام کے بدلے بیٹھنے کی اجازت ہو جاتی ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ عذر بھی صحیح نیابت ہو سکتا ہے کہ جب ازدحام سے ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ اس ازدحام کے اندر کسی بھی مرض کے مریض یا بوڑھے کمزور مرد وعورت کے لئے اپنی کمزوری کے سبب قوت مدافعت کی کمی کے بنا پر کچل جانے یا گر کر کسی عضو کے ٹوٹ پھوٹ جانے، یا دب جانے سے ایسی اذیت شدیدہ کا ظن غالب ہو جائے جو عادۃً ناقابل برداشت ہو تو ایسا ازدحام بھی ایک عذر ہوگا اور ان کے لئے رمی میں نائب بنانا جائز ہوگا، ان حضرات علماء کرام کے اسماء درج ذیل ہیں:

۱۔ جناب شمس پیرزادہ صاحب، ممبئی
۲۔ مولانا سراج الدین قاسمی سلیم پور مرادآباد
۳۔ مولانا تنویر عالم قاسمی، کھوا اس سیتامڑھی
۴۔ مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، جامعہ اکل کوا مہاراشٹر
۵۔ مولانا شاہ عابد علی قاسمی، ابابکر پور ویشالی
۶۔ مولانا جمیل احمد نذیری، مبارک پور، اعظم گڈھ
۷۔ جناب حکیم ظل الرحمن، دہلی
۸۔ مولانا عبد الرشید قاسمی، گورینی جونپور
۹۔ مولانا عمر فلاحی، تکمیل السلام حیدرآباد
۱۰۔ مولانا ابرار خاں ندوی، جامعہ ہدایہ جے پور
۱۱۔ مولانا شکیل احمد، دارالعلوم بستی
۱۲۔ مفتی محبوب علی وجیہی رامپور
۱۳۔ مولانا اشتیاق احمد اعظمی، دارالعلوم مئو
۱۴۔ مولانا فضل الرحمن، تکمیل السلام حیدرآباد
۱۵۔ اختر ضیاء قاسمی، تکمیل السلام حیدرآباد
۱۶۔ عبد الفتاح عادل، تکمیل السلام حیدرآباد
۱۷۔ جنید احمد فلاحی، تکمیل السلام حیدرآباد
۱۸۔ ابرار الحق صدیقی، تکمیل السلام حیدرآباد
۱۹۔ اسرار الحق سبیلی، حیدرآباد
۲۰۔ ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
۲۱۔ مولانا زبیر احمد، اشرف العلوم سیتامڑھی (عارض مسئلہ)۔

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی صاحب نے سوال ۶ کا جواب ہی نہیں لکھا ہے اس لئے ان کی رائے واضح نہ ہوگی۔

ان مذکورہ بالا اکیس حضرات کا استدلال غنیۃ المناسک ر۱۳۸ کی اس عبارت سے ہے:

(۱) أما ترک الواجب بعذر فلا شئ علیه ثم مرادهم بالعذر ما یکون من الله تعالیٰ فلو کانت من العباد فلیس بعذر بخلاف ما إذا منعه خوف الزحام فإنه من الله تعالیٰ فلا شئ علیه۔

(۲) قد رخص رسول الله ﷺ للضعفة من أهله فی ترک الوقوف بمزدلفة (اعلاء السنن ۱۰/۱۳۶)۔

(۳) عند الحنفیة یجب بترک الوقوف بها دم لمن لیس له عذر ومن جملة الأعذار عندهم الزحام قاله الحافظ فی "الفتح" أیضاً۔

میں اب آخر میں چند باتیں عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں امید ہے کہ غور و بحث کر کے کسی فیصلہ تک پہونچنے میں ان نکات سے ضرور مدد ملے گی۔

(الف) جن حضرات نے ازدحام کو عذر نہ مانتے ہوئے غنیۃ المناسک کی عبارت سے استدلال کیا ہے، اس میں "خوف زحام" کا لفظ ہے، گویا محض خوف ازدحام عذر نہیں یہ بالکل صحیح کہا جا سکتا ہے۔

(ب) غنیۃ المناسک کی ہی دوسری عبارت جسے دوسرے حضرات نے اپنا مستدل بنایا ہے اس میں "خوف زحام" ہی سے ترک واجب پر لاشئ علیہ کہا گیا ہے۔

(ج) مگر اعلاء السنن میں جو فتح الباری سے حافظ کی عبارت نقل کی گئی ہے جو دوسری رائے والے حضرات کا مستدل ہے اس میں "من جملة" "الأعذار الزحام" کا لفظ ہے، گویا محض خوف زحام نہیں بلکہ وقوع ازدحام۔

(د) جب نماز جیسے فرائض میں قیام کا فریضہ بدل کر قعود ہو سکتا ہے "من تعذر علیه القیام لمرض حقیقی" کی صورت میں، یا مرض حکمی بان خاف زیادته او بطوء برئه بقیامه أو دوران رأسه أو وجد لقیامه ألما شدیدا (درمختار ۱/۵۰۸) کی صورت میں، تو کیا رمی جمرات جیسے واجبات میں غایت ازدحام کے سبب کچل جانے کا ظن غالب، عضو کے ٹوٹ پھوٹ جانے کا خطرہ ہو، دب دبا کر اذیت شدیدہ سے دوچار ہونا متوقع ہو تو بھی بنفس خود رمی کے بدلے نائب بنانا شرعا ممنوع ہی رہے گا۔

میرا خیال تو عورتوں کے حق میں یہاں تک ہے کہ ازدحام میں صرف دبنے دبانے اور مردوں سے دھکا کھائے بغیر اگر وہ رمی نہ کر سکے تو عورت کو اپنا نائب بنانے کی اجازت ہونی چاہئے۔

سوال نمبر ۱۰:

اگر کوئی عورت حالت حیض یا نفاس میں ہے، اور پاکی کا انتظار نا قابل عمل ہے تو کیا ناپاکی ہی کی حالت میں طواف زیارت کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ اگر اجازت ہے تو دم میں کیا واجب ہوگا اور کیا دم کی ادائیگی کے لئے حدود حرم ضروری ہے؟

اس سلسلہ میں موصولہ چھیالیس مقالوں میں سوائے تین مقالہ نگار کے تمام ارباب افتاء اس بات پر متفق ہیں کہ بشکل مجبوری حالت حیض و نفاس میں طواف زیارت کرنے کی اجازت ملے گی اور رکن ادا ہو جائے گا لیکن دم

جنایت کے طور پر اس میں بدنہ لازم ہوگا، اور اس دم کی ادائیگی حدود حرم میں ضروری ہوگی۔

ان حضرات نے مندرجہ ذیل عبارتوں سے استدلال کیا ہے:

۱۔ ولو حاضت قبل طواف الزيارة ولم تطهر وأراد الرفقة العود تهجم وتطوف حائضا و تذبح بدنة (منحۃ الخالق علی ہامش البحر ۳/۵۷)۔

۲۔ أی يجب بدنة لو طاف الركن جنبا كذا روى عن ابن عباسؓ، ولأن الجنابة أغلظ فيجب جبر نقصانها في البدنة إظهاراً للتفاوت بينهما والحيض والنفاس كالجنابة (بحر الرائق ۳/۱۸)۔

۳۔ حدثنا هناد، ثنا ابن أبي عروبة عن أبي معشر عن إبراهيم قال ما كان من دم فبمكة وما كان من صدقة أو صوم حيث شاء، أخرجه الإمام الطبرى فى تفسيره (۳۶/۷) وسنده حسن صحيح، قال الجصاص فى أحكام القرآن له: لا خلاف بين الفقهاء أن الهدى لا يجزئ إلا بمكة و أن بلوغه الكعبة أن يذبحه هناك فى الحرم (اعلاء السنن ۱۰/۳۳۵)۔

اس رائے سے اتفاق رکھنے والے حضرات یہ ہیں:

۱۔ مفتی عبید اللہ اسعدی
۲۔ مولانا عتیق احمد قاسمی
۳۔ مولانا قمر الزماں ندوی
۴۔ مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی
۵۔ مولانا محمد ارشاد قاسمی
۶۔ مولانا عبد الرشید قاسمی
۷۔ مولانا سید اسرار الحق سبیلی
۸۔ مولانا عبد السلام ابو ہریرہ سلفی
۹۔ مولانا برہان الدین سنبھلی
۱۰۔ مولانا اشتیاق احمد اعظمی
۱۲۔ مولانا سراج الدین قاسمی
۱۳۔ مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
۱۴۔ مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی
۱۵۔ مولانا جمیل احمد نذیری
۱۶۔ حکیم ظل الرحمن
۱۷۔ مولانا محبوب علی وجیہی
۱۸۔ مولانا عبد الفتاح عادل
۱۹۔ مولانا نور عالم قاسمی
۲۰۔ مولانا ابرار الحق صدیقی
۲۱۔ مولانا محمد جنید احمد قاسمی
۲۲۔ مولانا اختر ضیا قاسمی
۲۳۔ مولانا فضل الرحمن افضل قاسمی
۲۴۔ مولانا محمد عمر قاسمی
۲۵۔ مولانا ابرار خاں ندوی
۲۶۔ مولانا محمد نور القاسمی
۲۷۔ مولانا سید مصلح الدین قاسمی
۲۸۔ مولانا ظفر الاسلام
۲۹۔ مولانا خورشید احمد اعظمی
۳۰۔ مولانا منظور احمد قاسمی
۳۱۔ مولانا خورشید انور اعظمی

۳۲۔ مولانا محمد اسعد اللہ قاسمی
۳۳۔ مولانا محمد ابراہیم فلاحی
۳۴۔ مولانا عبدالقیوم پالنپوری
۳۵۔ مولانا انور علی اعظمی
۳۶۔ مولانا عبداللطیف مظاہری
۳۷۔ مولانا راشد حسین ندوی
۳۸۔ مولانا حبیب اللہ قاسمی
۳۹۔ مولانا ابوسفیان مفتاحی
۴۰۔ مولانا شکیل احمد سیتاپوری
۴۱۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۴۲۔ ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
۴۳۔ مفتی عبدالرحیم قاسمی

اختلاف رائے رکھنے والے حضرات یہ ہیں:

ا۔ ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی
۲۔ مولانا محمد ایوب صاحب ندوی شافعی۔

(یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ طواف زیارت کے لئے پاکی شرط ہے لہذا حیض ونفاس کی حالت میں طواف کسی طرح درست نہیں)۔

۳۔ جناب شمس پیرزادہ صاحب۔

ان کے نزدیک حائضہ عورت کے لئے مکہ میں رک کر طواف زیارت کر لینا قابل عمل ہے، انہیں قانونی دشواریاں تسلیم نہیں، بصورت دیگر طواف زیارت کے لئے وہ کسی کو نائب بنا سکتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک مناسک میں مجبوری کی صورت میں نیابت کی گنجائش ہے، موصوف نے بدائع جلد ۲ کا مجمل حوالہ تحریر فرمایا ہے، لیکن احقر کو تلاش کے باوجود ایسی کوئی عبارت نہ مل سکی۔

ہمارا خیال ہے اس مسئلہ میں جن تین حضرات نے اختلاف رائے ظاہر کیا ہے، یہ اختلاف دراصل وہی قدیم اختلاف ہے جو مشہور دبستان فقہ میں ائمہ احناف اور حضرات شوافع کے درمیان معروف ومتداول ہے، اور فقہ و اصول فقہ میں "الطواف کالصلوۃ" وغیرہ عنوانوں سے استدلال اور پھر جواب استدلال کے مباحث ملتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆

عرض مسئلہ بابت حج وعمرہ

(سوال نمبر ۷، ۱۱، ۱۲، ۱۳)

مفتی جمیل احمد نذیری، مبارکپور

اس موضوع سے متعلق میرے سامنے ۳۶ مقالے ہیں، سوال نمبر ۷ یہ تھا:

سعودی عربیہ میں رہنے والے غیر ملکیوں کے لئے بھی حج کرنے کے لئے حکومت سے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے، بعض لوگ حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیئے جاتے ہیں، کیا ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہیں، ان کا احرام کس طرح ختم ہوگا اور انہیں کیا کرنا ہوگا؟

ایسے شخص کو تقریبا تمام مقالہ نگاروں نے محصر قرار دیا ہے اور وہی شرطیں ذکر کی ہیں جو محصر کی ہیں، صرف شمس پیرزادہ صاحب اختلاف کرتے ہیں وہ کہتے ہیں "احصار تو اس صورت میں ہے جبکہ اس کا سفر حج یا سفر عمرہ صحیح ہو اور پھر دشمن یا مرض وغیرہ کی طرف سے رکاوٹ کھڑی ہو جائے"۔ ان کے نزدیک حکومت کی اجازت کے بغیر ایسے شخص کا احرام باندھنا صحیح تھا ہی نہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ احرام کے صحیح اور کامل ہونے کے لئے کسی دوسرے شخص کی اجازت شرط نہیں، عورت شوہر کی اجازت کے بغیر، غلام آقا کی اجازت کے بغیر احرام باندھ لے، اس احرام کو بھی احرام کہا جائے گا، اور اس پر احرام کی پابندیاں بھی عائد ہوں گی، اگر شوہر یا آقا روک دے تو احصار ہوگا، اسی طرح حکومت کی پابندی کے باوجود، خواہ مصالح کے تحت ہی یہ پابندی ہو، اگر کوئی بلا اجازت احرام باندھ لے، حج کا ہو یا عمرہ کا، اس کے احرام کو بھی احرام ہی کہا جائے گا، اس پر احرام کے احکام نافذ ہوں گے، روک دیئے جانے پر محصر قرار دیا جائیگا۔

ارکان حج وعمرہ ادا کرنے سے جو رکاوٹ بھی پیدا ہو جائے وہ احصار ہے، خواہ مرض، دشمن، بادشاہ، یا کسی مانع قاہر کی طرف سے پیش آئے، مقالہ نگاروں نے مدلل انداز میں اس کی وضاحت کردی ہے، ساتھ ہی مقالہ نگاروں نے صراحت کردی ہے کہ یہ شخص محصر اس وقت قرار پائے گا جب رکن کی ادائیگی سے قبل گرفتار ہو گیا ہو، یعنی حج کے احرام میں وقوف عرفہ اور طواف زیارت سے قبل اور عمرہ کے احرام میں طواف سے قبل، اگر گرفتاری ان ارکان کی ادائیگی کے بعد ہوئی ہو تو محصر نہ ہوگا وفی الشریعة هو منع الوقوف والطواف (البحر الرائق ۳؍۵۳)۔

اگر احصار زائل نہ ہو تو اس شخص کا احرام کیسے ختم ہوگا؟ اکثر مقالہ نگاروں نے اس کے جواب میں درج ذیل احکام لکھے ہیں:

۱۔ اگر صرف حج یا عمرہ کا احرام باندھا تھا تو ایک قربانی (بکری، خصی، دنبہ وغیرہ) کی قیمت حرم میں بھیج

دے، اگر قارن ہو تو دو قربانیاں یا ان کی قیمت بھیجے اس قیمت سے وہاں قربانی کا جانور خرید لیا جائے اور حدود حرم میں کسی جگہ ذبح کر دیا جائے اگر چہ ایام نحر سے پہلے ہی کیوں نہ ہو ذبح کا وقت اور دن پہلے سے مقرر کر لیا جائے تاکہ اسی دن اسی وقت سے یہ اپنے کو احرام سے باہر سمجھے، حلق یا بال کتروائے یا بال کٹوائے۔

۲۔ جس نے حج کا احرام باندھا تھا وہ ایک حج اور عمرہ کی قضا کرے گا، جس نے قران کا احرام باندھا تھا وہ دو عمرہ اور ایک حج کی قضا کرے گا، جس نے عمرہ کا احرام باندھا وہ صرف ایک عمرہ کی قضا کرے گا۔

حرم میں قربانی کی قیمت بھیجنے کے متعلق مولانا عبید اللہ اسعدی اور مولانا ارشد قاسمی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نہ ملے تو حرم میں قربانی کرانے کے بجائے ضرورۃً جہاں ہے وہیں قربانی کر دے، اس گنجائش کے لئے ان حضرات نے محمودہ بدعو غیرہ کا حوالہ دیا ہے۔

قربانی کرنے کے بجائے امام ابو یوسف کے قول کے مطابق ہدی کی قیمت کا غلہ بھی دے سکتا ہے، ہر مسکین کو نصف صاع دے (عمدۃ الفقہ ۴؍۲۱۲) (مولانا زبیر احمد قاسمی)۔

غلہ بھی دے سکتا ہے یا ہر نصف صاع کے بدلے روزہ رکھے (محمد اسعد اللہ قاسمی)

یہ محصر حکم میں ہے بغیر ہدی کے احرام کھول دے، دم احصار بعد میں بھی دے دے۔ (مولانا سراج الدین ندوی)

ایسے شخص کو مشروط احرام باندھنا چاہئے یعنی احرام کے وقت یہ نیت کرے کہ اگر پکڑ گیا تو حلال ہو جاؤں گا، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ حلال ہونے کے لئے قربانی کی ضرورت نہ ہوگی۔

إن اشترط الإحلال عند الإحرام إذا حصر جاز له التحلل بغير هدي (شامی ۲؍۲۹۵)۔

عن أبي حنيفة أن الاشتراط يفيد سقوط الدم (المغنی لابن قدامہ ۳؍۲۴۳)۔

ایسے افراد کو یہ مشورہ دیا ہے مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی محمد عبید اللہ اور مولانا محمد ابو بکر قاسمی صاحبان نے، احقر بھی اس مشورہ پر صاد کرتا ہے۔

سوال نمبر ۱۱:

سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو وہ ایام عدت میں عمرہ و حج ادا کر سکتی ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں مقالہ نگاروں نے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں:

۱۔ محصر ہے، عدم سے کر حلال ہو جائے، زاد في اللباب مما يكون محصرا أمور أخر منها العدة (رد المحتار ۲؍۲۵۴) مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا نور الحق قاسمی، مولانا صدر عالم قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا اشتیاق الرحمن قاسمی، جمیل احمد نذیری۔

۲۔ محصر ہے لیکن اگر اسی حالت میں حج و عمرہ کرے تو حج و عمرہ ہو جائے گا مگر گنہگار ہوگی، فإن حجت وهي في العدة جازت بالاتفاق وكانت عاصية (مولانا ظفر الاسلام، مولانا عبد اللطیف مظاہری)۔

۳۔ حج و عمرہ کر سکتی ہے، مولانا ابو سفیان مفتاحی ندوی، مولانا محمد ایوب ندوی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا

ابوسفیان مفتاحی، حکیم ظل الرحمٰن، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مفتی محمد عبدالرحیم، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا محمد رئیس ندوی۔

۴۔ قانونی مجبوریوں اور سفر حج وعمرہ کی موجودہ مشکلات کے پیش نظر حج وعمرہ کرسکتی ہے۔

مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا محمد ابراہیم فلاحی، مولانا محمد اسعد اللہ قاسمی، مولانا محمد عمر فلاحی، شمس پیرزادہ، مفتی محبوب علی، مولانا عبیداللہ اسعدی۔

۵۔ موجودہ حالات کے تحت ملک سے نکلنے کے بعد گنجائش ہے (مولانا محمد ارشاد القاسمی)۔

۶۔ مکہ پہونچنے سے قبل محصر کے حکم میں ہے، مکہ پہونچ کر دن میں حج کرسکتی ہے، رات میں اسی مقام پر عدت گذارے، مولانا قمر الزماں ندوی۔

۷۔ اگر گھر کے قریب ہے تو واپس آجائے، مکہ مکرمہ کے قریب ہے تو پہلے حج کرے، پھر عدت گذارے (مفتی شکیل احمد)۔

۸۔ امام شافعی کے قول میں عورت مطلقاً حالت عدت میں حج یا عمرہ کرسکتی ہے (المجموع ۸/۳۳۵) (مولانا فضل الرحمٰن افضل قاسمی)۔

۹۔ شوافع وحنابلہ کے یہاں گنجائش ہے، احناف کے یہاں بھی سفر شرعی نہ ہو تو گنجائش ہے (مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب)۔

۱۰۔ جس جگہ شوہر کا انتقال ہوا ہے، مجبوری کی صورتوں میں جب وہاں سے منتقل ہونے کی شرعاً اجازت ہو تو حج وعمرہ کی گنجائش ہے اگر رفقائے سفر میں کچھ ثقہ خواتین بھی ہوں جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے: یجوز لها الحج إذا خرجت في رفقة ومعها نساء ثقات لحصول الأمن بالمرافقة (فتح القدیر ۲/۴۱۹) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔

۱۱۔ ملک سے نکلنے کے بعد سفر حج وعمرہ کی گنجائش ہے، اگر رفقاء سفر میں کچھ ثقہ خواتین بھی ہوں جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے: یجوز لها الحج إذا خرجت في رفقة ومعها نساء ثقات لحصول الأمن بالمرافقة (فتح القدیر ۲/۴۱۹) (مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)۔

۱۲۔ مکہ کی دوری مسافت شرعی سے کم ہو تو حج وعمرہ کی گنجائش ہے، مفتی انور علی اعظمی، مولانا عبدالفتاح عادل، مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا سید مصلح الدین قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ابرارالحق صدیقی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی۔

۱۳۔ اگر سفر شرعی سے آگے بڑھ چکی ہے تو گنجائش ہے (مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا محمد جنید احمد فلاحی)۔

مذکورہ بالا آراء کی روشنی میں سفر حج کی موجودہ مشکلات کو دیکھتے ہوئے احقر کے نزدیک قابل ترجیح رائے یہی ہے کہ ملک سے نکلنے کے بعد اگر شوہر کی وفات کا واقعہ پیش آتا ہے تو عورت کے لئے حج وعمرہ کی گنجائش ہوگی

چاہئے، اس لئے کہ ملک سے باہر نکل جانے کے بعد کسی بھی شخص کا نہ ہر جگہ قیام ممکن ہے نہ اپنی مرضی سے واپسی ممکن ہے، جب وہاں رہنا ہی ہے تو حج و عمرہ ادا کرنے کی بھی اجازت ہونی چاہئے، پھر یہ کہ حج و عمرہ کی فضا بھی آسان نہیں، کیونکہ اسفار بھی دو ملکوں کے قوانین کے پابند بنا دیئے گئے ہیں، ایک وہ جہاں سے سفر ہوا ہے، دوسرا سعودی عرب، ظاہر ہے کہ حج و عمرہ کے سفر میں بھی کوئی شخص اپنی مرضی کا مالک نہیں رہا، ان دشواریوں کے پیش نظر ملک کی سرحد پار کرنے کے بعد عورت کو حج و عمرہ کی اجازت ہونی چاہئے، جیسا کہ زبدۃ المناسک ص ۱۰۶، المعرف الشذی علی الترمذی ۱۲۷/۱، ردالمحتار ۲/۲۳۸ وغیرہ میں ہے۔

جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے وہ وہی ہے جو مصر کا ہے مگر گنجائش واجازت موجودہ حالات کے مدنظر ضرورت وہ جنت کی بنا پر دی جانی چاہئے۔

سوال نمبر ۱۲:

حج کا سفر کرنے والا ایام حج شروع ہونے سے پہلے یعنی ۸ ذی الحجہ سے اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہونچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ۱۵ یوم قیام سے پہلے ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں، اور وہ منیٰ چلا جاتا ہے، تو وہ مقیم ہوگا یا نہیں؟ جبکہ پہلے دونوں آبادیاں الگ الگ تھیں مگر اب مکہ مکرمہ شہر پھیلتے ہوئے منیٰ کی آبادی کے متصل ہو گیا ہے۔

اس کے جواب میں بھی مختلف رائیں سامنے آئی ہیں، مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی نے مکہ مکرمہ اور منیٰ کی آبادیوں کے اتصال کو تسلیم نہیں کیا، وہ لکھتے ہیں: "آبادیوں کا فصل اب بھی موجود ہے، اگرچہ کم ہو گیا ہے"۔ لہذا مکہ اور منیٰ دونوں جگہ کا قیام مل کر ۱۵ دن کا ہو جائے تو یہ شخص مقیم نہ ہوگا، یہی رائے درج ذیل حضرات کی بھی ہے:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی محمد عبد الرحیم، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا محبوب عالم قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا محمد ایوب ندوی، حکیم ظل الرحمن، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا محمد ابرار خان ندوی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا شاء الہدیٰ قاسمی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا جنید احمد فلاحی، مولانا نور الحق قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اگر مکہ مکرمہ کی بلدیہ (کارپوریشن، میونسپلٹی) نے منیٰ کو مکہ کے ساتھ ملا دیا ہے تو منیٰ مکہ مکرمہ کا ایک محلہ شمار ہوگا اور منیٰ کا قیام مکہ کا قیام سمجھا جائے گا، یہ رائے ہے مولانا شفیق احمد قاسمی، مولانا ارشاد الحق قاسمی، مولانا عبد القیوم پالن پوری اور مولانا محبوب علی کی، مولانا عبید اللہ اسعدی نے لکھا ہے کہ مکہ اور منیٰ انتظامی طور پر ایک ہی کارپوریشن کے تحت ہیں، ان کا رجحان مقیم تسلیم کرلئے جانے کی طرف ہے۔

مولانا سراج الدین قاسمی اور مولانا محمد عمر فلاحی کی رائے ہے کہ اگر مکہ اور منیٰ کے مابین مقدار غلوہ یعنی ۱۲۴ تا ۱۴۹ میٹر سے فاصلہ کم ہو تو مقیم ہوگا ورنہ مسافر۔

کچھ حضرات کے جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے سوال میں درج دونوں آبادیوں کے اتصال کو

تسلیم کرلیا ہے اور اس اتصال سے دونوں آبادیوں کا ایک حکم لگا کر مقیم ہونے کی رائے دی ہے، مثلاً یہ حضرات شمس پیر زادہ، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا عبد الفتاح عادل، مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا فضل الرحمن افضل قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا صدر عالم۔

مولانا رئیس ندوی لکھتے ہیں کہ مقیم نہ ہوگا لیکن حاجی ہونے کی وجہ سے قصر کرے گا۔

احقر کی رائے یہ ہے کہ اولاً حکومت سعودیہ نے منیٰ کو مکہ میں داخل کر کے دونوں آبادیوں کو مکہ کا نام دے کر منیٰ کو مکہ کا محلہ نہیں بنا دیا، دوم دونوں آبادیاں تھا الگ الگ ہیں، لہٰذا اتصال آبادی کے باوجود دونوں آبادیاں الگ مانی جائیں گی اور دونوں جگہ ملا کر مدت اقامت ۱۵ دن ہو جائے تو بھی مقیم نہ ہوگا۔

سوال نمبر ۱۳:

رمضان المبارک میں جو لوگ عمرہ کے لئے جاتے ہیں نیز سعودیہ وغیرہ میں مقیم احناف کے لئے ایک مسئلہ وتر میں اقتداء کا ہے کہ بلادِ عرب میں عموماً وتر کی تینوں رکعات فصل کے ساتھ یعنی دو رکعت پر سلام کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں، تو اب دو ہی صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اپنے مذہب کی رعایت میں مسجد حرمین کی جماعت کو چھوڑ کر اپنا آدمی وتر کی نماز تنہا ادا کرے، یہ صورت مناسب معلوم نہیں ہوتی، دوسری صورت یہ ہے کہ امام کی اقتداء میں وتر کو ادا کرنے تو مذکورہ خرابی لازم آتی ہے کہ امام فصل کے ساتھ وتر ادا کرتا ہے تو کیا اس کی گنجائش ہے کہ جماعت و مجمع کی رعایت میں وہ امام مسجد کی اقتداء کرے؟

اس کے جواب میں اکثر لوگوں نے جماعت اور مجمع کی رعایت میں امام مسجد کی اقتداء کی رائے دی ہے۔

درج ذیل حضرات نے الگ پڑھنے کی رائے دی ہے:

مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا سید مصلح الدین قاسمی، مولانا ارشاد القاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا عبد القیوم پالن پوری، مولانا عبد اللطیف مظاہری، مولانا محبوب علی، مولانا منظور احمد قاسمی۔

اس کے برعکس مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ابو طہ خاں ندوی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا ابو سفیان مفتاحی، مولانا صدر عالم قاسمی اور جمیل احمد نذیری نے امام کی اقتداء میں نماز وتر ادا کرنے کی اجازت اس تدبیر کے ساتھ دی ہے کہ جب دو رکعت پر امام سلام پھیر دے تو یہ نہ پھیرے بلکہ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے، جب امام تیسری رکعت پڑھے تو اس کے ساتھ یہ بھی سلام پھیرے۔

ان حضرات کا استدلال ابو بکر جصاص رازی کی درج ذیل عبارت سے ہے: وجوزہ أبو بکر الرازی و یصلی معہ بقیۃ الوتر لأن إمامہ لم یخرج بسلامہ عندہ وھو مجتھد فیہ (البحر الرائق ۲/۳۹)۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: ومعنی کونہ لم یخرج بسلامہ أن سلامہ لم یفسد وترہ لأن ما بعدہ یحسب من الوتر فکأنہ لم یخرج منہ (رد المحتار ۱/۴۹۲)۔

مولانا محمد ابراہیم فلاحی نے کتاب الفتاوی الدعوہ کے حوالے سے دوسری تدبیر یہ لکھی ہے کہ وہ دو رکعت نفل کی نیت کرے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر ایک رکعت اور ادا کر کے دو رکعت مکمل کرے۔

لیکن خدشہ ہے کہ اس صورت میں وتر اس کے ذمہ باقی رہے گی جو بعد میں پڑھنی ہوگی۔

احقر کا رجحان امام ابوبکر رازی کے قول کی طرف ہے اور پہلی تدبیر زیادہ پسند کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

مقالات

بابت حج و عمرہ

حج اور عمرہ کے حل طلب مسائل

مولانا عتیق احمد بستوی
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱،۲۔ جو آفاقی حج یا عمرہ کے علاوہ کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ جانا چاہتے ہیں ان کے لئے بھی فقہاء احناف کے نزدیک ضروری ہے کہ احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہوں اور حج یا عمرہ کریں، یہ مسلک احناف کے علاوہ بعض دوسرے فقہاء کا بھی ہے، اس سلسلے میں احناف کے یہاں کوئی استثناء نہیں ملتا، لیکن میرے نزدیک ان حضرات کو احرام کی اس پابندی سے مستثنیٰ کیا جانا چاہئے جنہیں تجارت، ملازمت یا کسی اور وجہ سے بار بار مکہ مکرمہ سے خارج میقات آمد و رفت کرنی پڑتی ہے، کیونکہ ایسے لوگوں کے لئے ہر آمد و رفت پر میقات میں داخل ہوتے ہوئے احرام باندھنا اور عمرہ یا حج کرنا انتہائی حرج و مشقت کی بات ہے، ایسی حرج و مشقت کی صورت میں فقہ حنفی سے عدول کر کے دوسرے فقہاء کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے احرام کو لازم نہ قرار دینا خود فقہ حنفی کے اصول و ضوابط کے مطابق ہے۔

۳،۴۔ جمہور فقہاء کے برخلاف احناف کے نزدیک مکی کے لئے تمتع اور قران نہیں ہے۔ سوال نمبر ۴ میں مذکور مشکل کا حل علامہ شامی کی تشریح و تعبیر کے مطابق خود فقہ حنفی میں موجود ہے۔ علامہ شامی کا کہنا یہ ہے کہ فقہاء احناف کی عبارت "لاتمتع لمکی" کا مطلب یہ ہے کہ مکی کی طرف سے تمتع متصور ہی نہیں ہے، کیونکہ تمتع کی حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی سفر میں اشہر حج میں الگ الگ احرام کے ساتھ اس طرح عمرہ اور حج کیا جائے کہ ان دونوں کے درمیان اپنے اہل کے ساتھ "المام صحیح" نہ ہو، اور مکی نے جب عمرہ کرنے کے بعد مکہ میں قیام کیا اس کے بعد احرام باندھ کر حج کیا تو عمرہ اور حج کے درمیان "المام صحیح" پایا گیا اس لئے تمتع نہیں پایا گیا، لہذا نہ دم تمتع لازم ہوگا نہ دم جنایت۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں فقہ حنفی میں دونوں قول ملتے ہیں، اختلاف سے بچنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ مزید عمرے نہ کرے بلکہ جس قدر ہو سکے خانہ کعبہ کا طواف کرے، اذکار، نوافل، تلاوت وغیرہ میں وقت گذارے۔

۶ (الف، ب): رمی میں نیابت صرف مریض یا ضعیف و معذور کے لئے ہو سکتی ہے، محض ازدحام کے خوف سے کوئی عذر شرعی نہ ہونے کے باوجود خود رمی نہ کرنا بلکہ کسی کو نائب بنا کر رمی کرا دینا درست نہیں ہے۔

۷۔ ایسے لوگوں پر محصر کے احکام جاری ہوں گے۔

۸۔ رمی، ذبح، حلق کی ترتیب کے مسئلہ میں سوال میں مذکور دشواریوں کی بنا پر صاحبین اور دوسرے ائمہ کے قول

کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

۹۔ (الف) حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے۔

(ب،ج) بہتر تو یہ ہے کہ حج بدل کرنے والا آمر سے صراحتہً حج بدل کی اجازت لے لے، لیکن اگر ایسا نہیں کر سکا تو دلالتہً اجازت بھی جواز تمتع کے لئے کافی ہے، خصوصاً جبکہ یہ عرف بن چکا ہے کہ آج کل حج پر جانے والے عموماً تمتع ہی کرتے ہیں اور آمر کی طرف سے حج تمتع کی اجازت دینے میں تنگی نہیں کی جاتی ہے۔

(د) دم تمتع مامور (حج بدل کرنے والے) کے ذمہ ہے، ہاں اگر آمر طیب خاطر از خود دم تمتع کی قیمت دے دے تو آمر اسے قبول کر سکتا ہے۔

(ھ) مذکورہ بالا شقوں (الف، ب، ج، د) کے جواب کے بعد اس شق کے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

(د) حج عن المیت کی صورت میں بھی تمتع کی گنجائش ہے، ہاں اگر میت نے صراحتہً حج افرادی کی وصیت کی ہو تو تمتع نہیں کیا جا سکتا۔

۱۰۔ (الف) سوال میں مذکور مجبوریوں اور دشواریوں کی بنا پر حیض یا نفاس والی عورت کے لئے ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرنے کی گنجائش ہے۔

(ب) رکن ادا ہو گیا۔

(ج) بدنہ ذبح کرنا ہوگا اور حرم میں ذبح کرنا ہوگا، کسی اور مقام پر نہیں۔

۱۲۔ مکہ اور منی کی آبادی اگر بالکل متصل ہو چکی ہو اور دونوں کی بلدیہ بھی ایک ہو یعنی انتظامی طور پر حکومت دونوں کو ایک شہر مانتی ہو تو سوال میں مذکور صورت میں انسان مقیم قرار پائے گا اور نمازوں میں قصر کے بجائے اتمام کرے گا، اور اگر مذکورہ بالا صورت حال نہ ہو تو قصر کرے گا۔

۱۳۔ امام ابو بکر جصاص رازی اور بعض دوسرے فقہائے احناف کی صراحت کے مطابق حنفی وتر میں ایسے امام کی اقتداء کر سکتا ہے جو اپنے مسلک کے مطابق دو رکعت پر سلام پھیر کر تین رکعت وتر پوری کرتا ہو۔

☆☆☆☆☆

حج اور عمرہ کے مسائل

مولانا عبید اللہ الاسعدی

جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ

۱۔ حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور غرض سے حرم میں داخل ہونے والے کا حکم:

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حج یا عمرہ کی نیت سے جو شخص حرم کے حدود میں داخل ہوگا بلکہ میقات کے حدود میں، تو اس کو احرام باندھ کر داخل ہونا چاہئے۔

لیکن جو لوگ کسی دوسری نیت سے حرم ومکہ کا قصد کرتے ہیں خواہ تجارت ہو یا زیارت وعیادت یا ملازمت وغیرہ، تو ان کے حق میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے یہاں اس میں وسعت ہے، اگرچہ کچھ تفصیل کے ساتھ ہو جیسا کہ الفقہ الاسلامی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، مگر احناف کے یہاں اس صورت میں بھی احرام کی پابندی ہے، اس کے بغیر حرم میں داخلہ منع ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ روایات وآثار میں اس کا حکم اطلاقاً بغیر کسی قید وتفصیل کے آیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے اس کو مرفوعاً وموقوفاً دونوں طرح روایت کیا گیا ہے، مرفوع روایت مصنف ابن ابی شیبہ وطبرانی کی ہے، اور موقوف بھی مصنف نیز امام شافعی وغیرہ کی ہے۔ مرفوع کے لئے حافظ نے کہا ہے "اسنادہ جید" اور موقوف کے لئے "اسنادہ صحیح"۔ (ملاحظہ ہو: نصب الرایہ ۳/۱۵، اعلاء السنن ۱۰/۱۷-۱۸، فتح القدیر ۲/۳۳۵)

بقیہ سب فعلی روایات ہیں جو ظاہر ہے کہ محتمل ہیں، اسی لئے ابن ہمام نے کہا ہے: هذه المنطوقات أولى من المفهوم المخالف في قوله "ممن أراد الحج والعمرة" إن ثبت أنه من كلامه عليه السلام دون كلام الراوي (فتح القدیر ۲/۳۳۵)

یہ ارشادات ممن أراد الحج والعمرة کے مفہوم مخالف سے اولیٰ ہیں جبکہ اس کا قول رسول ہونا قطعی نہیں بلکہ امکان ہے کہ راوی کا قول ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ دوسرے حضرات کے پاس وسعت کی بابت کوئی صریح دلیل موجود نہیں ہے۔ اور مسئلہ محی اور محرم ومبیح، نیز قول وفعل کے تعارض کا ہے۔ محرم اور قول کو بمقابلہ مبیح وفعل ترجیح دی جاتی ہے۔

۲۔ بار بار اور بکثرت آنے جانے والوں کے لئے رخصت:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اب حرم کی آمد ورفت بہت بڑھ گئی ہے، حرم والے اپنی ضرورتوں سے بار بار باہر جاکر واپس آتے ہیں اور باہر والے بھی آتے ہیں، کوئی ڈرائیور ہے، کوئی ملازم ہے، کوئی تاجر ہے اور روزانہ صبح وشام

ان کی آمد ورفت بلکہ دن میں بار بار ہوتی ہے ایسے لوگوں کے لئے ہر بار احرام اور عمرہ نہایت دقت طلب ہے تو ان کے لئے رخصت و گنجائش کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

اس مسئلہ میں سب سے زیادہ تنگی مذہب حنفی میں ہے، اور فقہ حنفی کی رو سے ایسے لوگوں کے لئے کسی طرح کی گنجائش نہیں، چنانچہ باب اقامت کے عام قواعد یہی ہیں۔

لیکن اس قانونی نظم کے عمل پر دقت و حرج ہونے سے بالخصوص روزانہ آنے جانے والوں، بار بار آنے والوں کے لئے انکار نہیں کیا جاسکتا، غور کرنے سے دو وجہیں رخصت کی سمجھ میں آتی ہیں:

ایک تو یہ کہ حدود میقات رحل کے باشندوں کی آمد و رفت اور سہولت کی جو بنیاد فقہاء احناف نے ذکر کی ہے وہ ان لوگوں کے حق میں پورے طور پر بلکہ اس سے بھی زیادہ متحقق ہے کہ پہلے حدود میقات رحل کے لوگ بھی اس کثرت سے روزانہ نہیں اور دن میں بار بار آتے جاتے ہوں گے، اور آج وسائل کی کثرت اور ترقی نے دور کے لوگوں کی آمد و رفت بڑھادی ہے تو اشتراک علت کی وجہ سے ایسے لوگوں کے لئے بھی رخصت ہونی چاہئے، جیسا ہدایہ میں ہے:

من كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته لأنه يكثر دخوله مكة وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بين فصار كأهل مكة حيث يباح لهم الخروج منها ثم دخولها بغير إحرام لحاجتهم بخلاف ما إذا قصد أداء النسك لأنه يتحقق أحيانا فلا حرج
(ہدایہ مع الفتح ۲/۳۳۶)

جو آدمی میقات کے اندر رہتا ہو اس کو اجازت ہے کہ مکہ میں بغیر احرام داخل ہو اپنی ضرورت کے لئے اس لئے کہ اس کو مکہ میں داخلہ کثرت سے ہوتا ہے تو ہر مرتبہ احرام کو لازم کر دینے میں کھلا ہوا حرج (مشقت) ہے، لہذا اس کا حکم اہل مکہ کی طرح ہوگا کہ ان کے لئے مکہ سے نکلنا اور پھر بغیر احرام واپس ہونا ان کی ضرورتوں کی وجہ سے درست ہے لیکن اگر حج یا عمرہ کا ارادہ ہو تو احرام لازم ہوگا کہ یہ کبھی کبھی ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج و پریشانی نہیں۔

اور اس گنجائش کا ماخذ وہ رخصت ہے جو لکڑیاں جمع کرنے والوں کے حق میں مروی ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں: لا يدخل أحد مكة إلا محرما إلا الحطابين (رواہ ابن ابی شیبہ، نصب الرایہ ۳/۲۵، الدرایہ ۲/۲۱، اعلاء السنن ۱۰/۳۳۵)۔

دوسری جہت یہ کہ اختلاف ائمہ کے پیش نظر اس مسئلہ میں جو وسعت اور اجازت و رخصت ہے ائمہ کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ دوسرے مذاہب فقہیہ پر عمل بافتاء کی بنیاد پر اس کو گوارا کیا جائے، اس لئے کہ عموم بلوی و عام ابتلاء کی وجہ سے ایسی چیزوں کو بنیاد بنا کر رخصت دی جاتی ہے، اور آج اس مسئلہ میں (ابتلاء عام) اور پابندی میں حرج و مشقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

فقہاء اور علماء محققین نے اپنے مسائل اور عبادات کے باب میں بھی اختلاف کا اعتبار کرتے ہوئے آس

ضعیف یا قول غیر پر فتویٰ دیا ہے۔

مثلاً علماء دیو بند میں مولانا ظفر احمد نے حج کے مسائل میں ایک مسئلہ کے اندر حضرات صاحبین کے قول پر فتویٰ کو ذکر کیا ہے اور دوسرے میں شافعیہ کا قول ذکر کیا ہے، اور بنیاد ابتلاء عام کو بتایا ہے، اور یہ فتاویٰ انھوں نے تھانہ بھون میں حضرت تھانوی کی حیات میں لکھے ہیں۔

صاحبین کے قول پر فتویٰ قول مرجوح وضعیف پر عمل کے باب سے اس لئے ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں فتاویٰ امام صاحب کے قول پر ہے، اور وہ مسئلہ ہے آفاقی کا تمتع کے عمرہ سے حلال ہونے کے بعد مدینہ طیبہ وغیرہ چلا جانا جو اس کا وطن نہیں ہے، امام صاحب کے نزدیک اس سفر سے تمتع باطل نہیں ہوتا، اور امام ابو یوسف و امام محمد کے نزدیک باطل ہو جاتا ہے، اور کثرت سے لوگ بعد عمرۂ تمتع مدینہ طیبہ جایا کرتے ہیں، تو امام صاحب کے قول پر واپسی میں عمرۂ قباحت رکھتا ہے اس لئے کہ یہ مکی کے لئے اشہر حج میں حج کے ساتھ عمرہ، اور تمتع کا مسئلہ بنتا ہے، لیکن صاحبین کے قول پر نہیں کہ سفر سے سابق عمرہ کا تعلق حج سے ختم ہو گیا۔ مولانا فرماتے ہیں: جب ابتلاء عام ہے تو اس مسئلہ میں قول صاحبین پر فتویٰ دینا چاہئے (امداد الاحکام ۱۸۲/۲) اور حج بدل میں تمتع کی بابت شافعیہ کے قول پر جواز کو ذکر کیا ہے (امداد الاحکام ۱۸۶/۲)۔

مولانا شیر محمد صاحب نے دم احصار کے سلسلہ میں امام شافعی کے قول کی بنیاد پر توسع کو ذکر کیا ہے (عمدہ و زبدہ) نیز اس مسئلہ کے بیان میں بھی خصوصیت سے ڈرائیوروں کا اور ان کے لئے گنجائش کے طور پر حیلہ کا تذکرہ کیا ہے لیکن ساتھ ہی شوافع کا مذہب بھی ذکر کیا ہے کہ ان کے نزدیک دم لازم نہیں ہوگا، بعض حضرات نے حیلہ کے قبیل کی بعض چیزوں کا تذکرہ کیا ہے، لیکن اس سے کہیں بہتر امام شافعی وغیرہ کے قول کا اپنانا سمجھ میں آتا ہے جیسا کہ انھیں حضرات کے کلام میں اس کا اشارہ موجود ہے (عمدہ و زبدہ ص ۳۲)۔

۳۔ مکی کا قران و تمتع:

مکی جس سے مراد وہ شخص ہے جس کا مکہ وطن ہے یا جو مکہ میں قبل از اشہر حج مقیم ہے خواہ قیام کی جتنی مدت ہو اس کے لئے حنفیہ کے نزدیک قران و تمتع کو منع کیا گیا ہے۔

لیکن اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مسلسل مکہ میں قیام ہے حتی کہ حج کا زمانہ آ گیا تو اب قران نہیں کر سکتا اور اگر اشہر حج سے قبل سفر کر کے کہیں جائے اور واپسی میں ارادہ کر لے اور پھر قران کا احرام باندھے تو قران درست ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر مکی شخص عین ایام حج میں حج کا احرام باندھنے کے موقع پر قران کا ارادہ کرے تو اس کو قران کی اجازت نہیں ہے۔

اور تمتع کا معاملہ یہ ہے کہ عمرہ اور حج دونوں کا احرام الگ الگ باندھا جاتا ہے، اور اگر قربانی کا جانور ساتھ میں موجود نہ ہو تو عمرہ کے بعد آدمی مکمل طور پر حلال ہو جاتا ہے کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں رہ جاتی، البتہ گھر وطن کی واپسی منع ہوتی ہے۔ اگر گھر چلا گیا اور پھر آیا تو سابق عمرہ کا تعلق حج سے منقطع ہو جائے گا اور اب جو حج کریگا وہ تمتع کا

نہیں ہوگا۔ جو شخص مکہ مکرمہ میں ہی مقیم ہے، وہیں اس کے اہل وعیال رہتے ہیں وہ اگر تمتع کے ارادہ سے عمرہ کرے تو حلال ہونے کے بعد وہ اپنے گھر و وطن میں رہے گا، لہذا اس کا حج تمتع کا نہیں ہوگا بلکہ حج افراد ہوگا (شامی ۲/۵۳۹۔۵۴۱) اور ایک قول یہ ہے کہ ہو تو جائے گا لیکن غلط ہے اور مکروہ ہے، اسی لئے جبر اً دم واجب ہوگا۔

اشہر حج میں مکی کا عمرہ:

مکی شخص اگر اشہر حج میں عمرہ کرنا چاہے تو صرف عمرہ بہرحال قول راجح میں مکروہ نہیں ہے (شامی ۲/۴۷۳، رحیمیہ ۵/۲۲۳، زبدہ ص ۲۵۵)

۴۔ اشہر حج میں سفر کرنے والے اہل مکہ کیا کریں؟

حنفیہ جو حرم کے واسطے میں خواہ کسی وجہ و جہت سے ہو احرام کا پابند بناتے ہیں، اور جن کے مذہب پر اشہر حج میں سفر کرنے والے حضرات کے لئے جبکہ وہ حج کا ارادہ رکھتے ہوں زحمت ہے کہ بغیر احرام حرم میں واپس نہیں آسکتے اس خیال سے کہ حج کرنا ہے تو عمرہ نہ کریں کہ تمتع کا ارتکاب لازم آئے گا اور مکی کے لئے تمتع منع ہے، اور احرام کے ساتھ آئیں اور عمرہ کریں تو مکی کے لئے تمتع کا محظور لازم آتا ہے۔

ان کے نزدیک یہ مسئلہ اس لئے اہم نہیں ہے کہ اشہر حج میں عمرہ کر کے حلال ہونے والا اگر عمرہ اور حج کے درمیان اپنے گھر واہل وعیال میں پہنچ جائے تو اس کا تمتع نہیں ہوتا بلکہ حج افراد ہوتا ہے، لہذا مکی بصد شوق اپنی ضرورت سے اشہر حج میں مکہ و میقات سے باہر کا سفر کریں اور واپسی میں عمرہ کا احرام باندھ کر آئیں اور عمرہ کریں، اس کے بعد حج کا ارادہ رکھتے ہوں تو حج کرلیں، کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ عمرہ کے بعد وہ حلال ہوکر اپنے گھر و وطن اور بچوں میں ہوں گے جس کی وجہ سے تمتع (عند الحنفیہ) باطل ہو جاتا ہے اور برقرار نہیں رہ جاتا۔ (جیسا کہ فقہاء حنفیہ نے عموماً صراحت کی ہے) (شامی ۲/۵۳۹، فتح القدیر ۲/۳۲۸، ۳۳۱)۔

۵۔ تمتع کرنے والے آفاقی کے لئے تعدد عمرہ:

تمتع کرنے والا آفاقی شخص تمتع کے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد قبل حج مزید عمرے کرسکتا ہے یا نہیں؟

اس بابت علماء احناف کا اختلاف ہے، قدیم فقہاء کا بھی اور بعد کے حضرات کا بھی۔

صاحب فتح القدیر و ملا سندھی وغیرہ ممانعت کے قائل ہیں، اور صاحب بحر و علامہ شامی اور ملا علی قاری وغیرہ اجازت دیتے ہیں۔

مفتی سعید صاحب نے معلم الحجاج میں ملا علی قاری وغیرہ کے قول کو اختیار کیا ہے، اور حضرت گنگوہی و مولانا شیر محمد صاحب وغیرہ نے صاحب فتح کے قول کی تقویت کی ہے (شامی ۲/۵۳۷، ۵۴۰، مناسک القاری ص ۱۵۶، معلم الحجاج ص ۲۱۴، عمدہ و زبدہ ص ۳۱۳۔۳۱۹)

اس اختلاف کی وجہ سے احتیاط اسی میں ہے کہ عمرہ نہ کرے طواف کی فضیلت حاصل کرے جیسا کہ حضرت گنگوہی وغیرہ نے فرمایا ہے، باقی عمرہ کرے گا تو گنجائش ہے، بالخصوص جو حاجی تمتع کے ارادہ سے عمرہ کرنے کے بعد

مدینہ طیبہ جانے اور پھر وہاں سے لوٹیں تو اس کو عمرہ کا احرام باندھ کر ہی آنا چاہئے۔

اس اختلاف کا مبنیٰ ایک دوسرا اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ مکی کا اشہر حج میں عمرہ کی ممانعت مطلقاً ہے یا یہ کہ جب وہ حج کا ارادہ رکھتا ہو تب ممانعت ہے تاکہ اس کے لئے قران و تمتع کا مسئلہ پیدا ہو۔

صاحب فتح القدیر وغیرہ اس کے بعد مطلقاً عمرہ کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اور آفاقی متمتع مکی کا حکم رکھتا ہے لہٰذا ان کے نزدیک اس کے لئے بھی ممانعت ہے، اور شامی وغیرہ کا رجحان یہ ہے کہ مکی کے لئے عمرہ کی ممانعت مطلقاً نہیں ہے لہٰذا وہ گنجائش دیتے ہیں۔

۲۔ رمی میں نیابت:

(الف) عمل رمی میں نیابت کی اجازت ہے، مگر معاملہ یہ ہے کہ اس کا وقت بہت وسیع رکھا گیا ہے اور معذوروں کے لئے وسعت و رخصت بھی، لہٰذا نیابت کی اجازت توسعاً نہیں بلکہ مجبوراً دی جاتی ہے۔

(ب) اسی لئے یہ اجازت و نیابت صرف مریض و معذور کے حق میں ہے اور اس کے معذور و مریض ہونے کی حد تک، اس لئے کسی تندرست آدمی کی طرف سے یہ نیابت درست نہیں ہے، اور اگر رمی کا جو زمانہ ہے اس میں نیابۃً رمی کے بعد وہ آدمی تندرست و قادر ہو گیا تو خود اس کے لئے دوبارہ رمی کرنا ضروری نہیں ہے، اور بغیر کسی عذر معقول کے نیابۃً رمی کرنے و کرانے کی بنا پر جزا لازم ہوگی، اور ازدحام کو اس کے لئے عذر نہیں سمجھا گیا ہے (زبدہ ص ۱۸۲، معلم الحجاج ص ۱۸۸، احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۴۵)۔

غنیہ میں آیا ہے:

والرجل والمرأة في الرمي سواء إلا أن رميها في الليل أفضل فلا تجوز النيابة عن المرأة بغير عذر (شرح غنیہ ص ۱۰۰) (مرد و عورت دونوں رمی میں برابر ہیں، مگر عورت کے لئے رات کو رمی افضل ہے، اور عورت کی طرف سے بلا عذر نیابت جائز نہیں ہے)۔

فقد تبين مما قدمنا أنهم جعلوا خوف الزحام عذراً للمرأة ولمن به علة أو ضعف في تقديم الرمي قبل طلوع الشمس أو تأخيره إلى الليل لا في جواز النيابة عنهم لعدم الضرورة فلو لم يرموا بأنفسهم لخوف الزحام لزمهم الفدية (غنیہ ص ۱۰۰)

(گزشتہ تفصیل سے ظاہر ہے کہ فقہاء نے بھیڑ کے خوف کو عورتوں اور معذوروں اور کمزوروں کے لئے عذر قرار دیا ہے کہ وہ رمی سورج کے نکلنے سے پہلے کرلیں اور یا رات تک مؤخر کر دیں، لیکن اس کو جواز نیابت کے حق میں عذر نہیں مانا ہے اس لئے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا اگر یہ لوگ خود رمی نہ کریں (بلکہ) ازدحام کے خوف کی وجہ سے تو ان پر فدیہ لازم ہوگا)۔

خلاصہ یہ ہے کہ صرف ازدحام کی وجہ سے نیابت کی اجازت نہیں ہے، اس کا حل تو تاخیر کی رخصت ہے، اور نیابت کے حق میں معذور وہ شخص ہے جو کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو، وہ جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت

تکلیف کا اندیشہ ہو، اگر سوار ہو کر جمرات تک آ سکتا ہے اور مرض کی زیادتی اور تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے تو اس کو خود رمی کرنا ضروری ہے دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں، ہاں اگر سواری یا کوئی شخص اٹھانے والا نہ ہو تو معذور ہے دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے (عمدۃ وزبدۃ ص ۱۸۹، معلم الحجاج ص ۱۸۲،۱۸۱)۔

۷۔ حالت احرام میں سرکاری پابندی کی وجہ سے واپسی:

سعودیہ میں رہنے والے جو حضرات بغیر اجازت عمرہ یا حج کا سفر کرتے ہیں اور حالت احرام میں وہ قانون کی زد میں آ کر واپس کر دیے جاتے ہیں، فقہ حنفی کی رو سے ان کو محصر قرار دیا جا سکتا ہے اور ان کے لئے احصار کے احکام ہوں گے، اس لئے کہ فقہ حنفی میں احصار کے اسباب میں بہت توسع ہے حتی کہ شوہر کی طرف یا آقا کی طرف سے پابندی کا لگنا بھی اس کے تحت آتا ہے، اور قید ہونا نیز بادشاہ کا منع کرنا بھی (شامی ۲/۵۹۱، عالمگیری ۱/۲۵۵، معلم الحجاج ص ۲۳۶، تاتارخانیہ ۲/۵۳۵، ۵۳۶)۔

عمدۃ وزبدۃ نے احصار کے بیان وصورتوں میں جدہ یا کامران سے جہاز کے واپس کر دینے کو بھی ذکر کیا ہے (ص ۲۳۱)۔

لہذا ایسے لوگ احصار کا حکم رکھیں گے، ان کا حکم یہ ہے کہ دم دے کر حلال ہوں اور آئندہ موقع ملنے پر قضا کریں، حج کا احرام ہو تو حج کی اور عمرہ کا ہو تو عمرہ کی۔

فقہ حنفی کی رو سے دم کا جانور حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، مگر مجبوری میں کہ جب فوری طور پر یہ ممکن نہ ہو تو عمدۃ وزبدۃ میں حضرت گنگوہیؒ، مولانا شیر محمد صاحب نے گنجائش ذکر کی ہے کہ اپنے ٹھکانہ پر ہی جانور کو ذبح کرنے کا (اور گوشت کو صدقہ کرنے کا) حکم کرے، بعض فقہاء احناف نے اس کو ذکر کیا ہے، پھر یہ بھی ایک ضرورت ہے، جس کی وجہ سے امام شافعی وغیرہ کے مذہب پر عمل کیا جا سکتا ہے (عمدۃ وزبدۃ ص ۲۳۱)۔

جو لوگ بغیر اجازت سفر پر نکلیں اور اندیشہ رکھتے ہوں ان کے حق میں 'عمدۃ وزبدۃ' کی تصریح کے مطابق ایک حل یہ ہے کہ احرام مشروط باندھیں کہ اگر پکڑا گیا تو حلال ہو جاؤں گا۔ یہ گنجائش بھی فقہ حنفی کے معروف قول اور اصل مذہب کی رو سے نہیں ہے لیکن امام محمدؒ کی ایک روایت ہے، ضرورت پر عمل کی گنجائش ہوگی، عمدۃ وزبدۃ میں اس کو ذکر کیا ہے اور بحوالہ شرح اللباب و شرح کبیر عبارت بھی نقل کی ہے (عمدۃ ص ۲۳۱، ۲۳۲، شرح اللباب ص ۲۷۹، کبیر ص ۲۳۰)۔

ایک بات یہ بھی لائق توجہ ہے کہ احصار کی صورت میں دم کے بعد حلال ہونے کی بات ہر حال میں نہیں ہے جیسا کہ علامہ شامی نے وضاحت فرمائی ہے، بلکہ اگر احصار کا سبب وعذر بندوں کی طرف سے ہو تو آدمی فوراً ہی حلال ہو جائے گا، اگرچہ دم واجب ہے اور اس کو ادا کرنا ہوگا، مگر دم دینے تک تاخیر وانتظار نہیں (شامی ۲/۵۹۱)۔

تو مذکورہ صورت تو اسی طرح کی ہے کہ اس میں رکاوٹ بندوں کی طرف سے ہے۔

۸۔ ترتیب اور ذبح کا مسئلہ:

فقہ حنفی کی رو سے معروف ومفتی بہ قول کے مطابق قارن ومتمتع کے لئے دس ذی الحجہ کے اعمال (رمی وذبح وحلق) کے درمیان ترتیب واجب ہے اور اس کی خلاف ورزی پر دم واجب ہوتا ہے، آج کل حکومت سعودیہ نے سہولت کے نئے ادارے قائم کئے ہیں وہ قربانی کراتے ہیں، اور یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ ان کے یہاں ترتیب واجب نہیں ہے جو فقہ حنفی کے حکم کے خلاف عمل ہوتا ہے اور دم واجب ہوتا ہے لہٰذا کیا کیا جائے؟

اولاً تو یہ کہ ادارہ اور اس کے نمائندے پیسے جمع کرتے وقت دن کی تعیین کرتے اور کراتے ہیں لہٰذا ان کی بات پر اعتماد کیا جانا چاہئے۔

ثانیاً خود قربانی کرنے والے صحتمند حضرات کو معذور حضرات اپنا وکیل بنا دیں۔ خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا تو ضروری ہے نہیں، اس لئے یہ مسئلہ ایسا سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں مذہب غیر وقول مرجوح کو اختیار کیا جائے جب کہ اس کے بغیر کام چل سکتا ہے۔

پھر یہ کہ ترتیب حکماً واجب ہے، اور واجبات حج میں عذر کی وجہ سے بہت توسع ہے، وہ عذر کی وجہ سے معاف بھی ہو جاتے ہیں۔ عورت، عمر رسیدہ شخص، کمزور و بیمار تو عذر والے ہیں، ان کے حق میں اس کی وجہ سے یہ وجوب حکماً ساقط ہو جائے گا، تو فقہ حنفی کی رو سے ہی ان کو گنجائش ہے جیسا کہ مفتی نظام الدین صاحب نے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے، اس لئے بھی مذہب غیر یا قول ضعیف پر عمل وفتویٰ کی ضرورت نہیں رہ جاتی، مفتی نظام الدین صاحب نے تفصیلی جواب دیا ہے، جس میں بنیادی بات اصحاب عذر کے لئے ترتیب کے سقوط اور عدم لزوم کی آئی ہے (نظام الفتاویٰ جدید اول، ص ۱۵۷۔۱۵۸)۔

۹۔ حج بدل اور تمتع وقران اور موجودہ حالات:

جب کوئی آدمی کسی کی طرف سے حج کرنے جاتا ہے تو عنوان چونکہ حج کا ہوتا ہے اس لئے وہ اسی کا مامور ومکلف ہوتا ہے، عمرہ حج سے الگ ایک عمل ہے جس کو حج کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے بعض صورتوں میں، مگر حج بدل کا عنوان اس کو شامل نہیں، اس لئے عام بات یہی لکھی گئی ہے اور ذکر کی جاتی ہے کہ حج بدل کرنے والا صرف حج کرے، جس کا مطلب ہے کہ میقات سے حج کا احرام باندھے، اور ظاہر ہے کہ تمتع وقران میں عمرہ کا احرام ہوتا ہے، اور پھر یہ کہ تمتع وقران کی وجہ سے ایک خرچ بڑھتا ہے جو حج افراد میں نہیں ہوتا یعنی قربانی کا۔

لیکن اس کے ساتھ فقہاء کی تفصیلات وتصریحات سے ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں وسعت بھی ہے، اور حج بدل میں تمتع وقران دونوں کی گنجائش ہے، البتہ قربانی کے زائد خرچ کا ذمہ دار خود حج کرنے والا ہوگا، الا یہ کہ حج بدل کرانے والا اس کو برداشت کرنے کو تیار ہو جائے یعنی بخوشی اس کو منظور کرلے بالخصوص قران میں کہ اس میں میقات سے ہی حج کا احرام باندھا جاتا ہے، البتہ تمتع میں چونکہ حج کا احرام بعد میں مکہ سے باندھا جاتا ہے اور اس طرح حج کرنے والا آفاقی نہیں رہ جاتا بلکہ مکی ہوتا ہے جبکہ حج بدل کرانے والا آفاقی ہے اور یہ بات حج بدل کرانے والے

کے مقصد کے بالکل خلاف ہے، اس لئے بہت سے اکابر بعد اجازت بھی تمتع کی صحت سے انکار کرتے ہیں، اور اس اختلاف کی وجہ سے مولانا ظفر احمد صاحب و مولانا شبیر محمد صاحب نے فرمایا ہے کہ بعد اجازت بھی اس سے بچنا اولیٰ ہے، جیسے کہ اس میں ممانعت وتنگی کا جو قول ہے اس کے پیش نظر ان حضرات نے لکھا ہے کہ بہتر ہے کہ حج بدل کرانے والا ہر طرح کی اجازت دے یعنی عمومی طور پر حج کی بات کرے اور مکمل اختیار دے دے (شامی ۲/۶۱۱، معلم الحجاج رص ۲۷۷، عمدۃ وزبدۃ رص ۳۵۵ ـ ۳۵۷، امداد الاحکام ۲/۱۸۷، احسن الفتاوی ۴/۵۱۳، فتح القدیر ۳/۲۷، ۷۳، نظام الفتاوی جدید جلد اول رص ۱۵۱، جواہر الفقہ اول)۔

یہ تو اصل حکم ہوا، سوال موجودہ صورت حال کا ہے کہ آج حاجی سفر کے نظام میں با اختیار نہیں ہے اور کچھ مزاج بھی بن گیا ہے، جس کی وجہ سے کثرت سے تمتع کی شکل ہی پائی جاتی ہے یا ممکن ہوتی ہے کہ آدمی سفر کرکے اصل ایام حج سے اتنے قبل مکہ پہونچتا ہے کہ اس وقت سے مسلسل احرام میں رہنا خواہ قران کا ہو یا افراد کا، آدمی کے لئے انتہائی زحمت طلب ہے اور دشوار کن بھی، اس لئے حاجی مجبور ہوتا ہے کہ عمرہ کے احرام کے ساتھ مکہ مکرمہ پہونچ کر عمرہ کرکے پھر حلال ہوجائے، پھر خواہ مکہ مکرمہ میں رہے یا مدینہ طیبہ چلا جائے، اس لئے عموماً حجاج تمتع ہی کیا کرتے ہیں۔

ایسی صورت حال میں جبکہ اپنا حج کرنے والے اسی خاص قسم کے حج پر مجبور ہیں یا مجبور سے ہیں، تو جسکو حج بدل کے لئے بھیجا جائے کیا جائے ظاہر ہے کہ اس کے حق میں حج افراد کے لئے بھیجنا نہیں سوچا جائے گا بلکہ عام حال کے مطابق جو حج عموماً ہورہا ہے اس کے لئے بھیجنا متصور ہوگا، اس لئے کہ اجازت کے بعد اس میں وسعت ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا، اور اجازت کا جہاں اعتبار ہوتا ہے عرف ودلالت کی اجازت بھی کافی ومعتبر قرار دی جاتی ہے الا یہ کہ صریح ممانعت پائی جاتی ہو، جیسا کہ کتب فقہ میں معروف ہے، لہذا احسب توفیق وموقع حج بدل کرنے والا حج قران یا حج تمتع جو چاہے کرے، اجازت ہوگی۔

اب درج سوالات وشقوں کا جواب ملاحظہ ہو:

(الف) حج بدل کرنے والا، آمر (حج کرانے والے) کی اجازت سے تمتع کرسکتا ہے، اگرچہ بعض حضرات نے اختلاف کی وجہ سے احتیاط کی بنیاد پر بچنا اولیٰ لکھا ہے (امداد الاحکام ۲/۱۸۷)۔

(ب) آمر کی طرف سے صریح اجازت ضروری نہیں دلالۃً بھی کافی ہے، الا یہ کہ صریح ممانعت پائی جائے یا صریح حکم صرف حج کرنے کا کیا جائے تو تمتع نہیں کرسکتا، پھر حیلہ کرے یا از خود ایسا کرے تو دم دیدے جو کہ جبر کا دم ہوگا۔

(ج) اگر یہ خیال ہے کہ اجازت دیدیں گے، گوارا کرلیں گے اور خوش ہوں گے تو بھی کافی ہے، یہ دلالۃً اجازت کے تحت داخل ہے۔

(د) جہاں تک سوال ہے دم یعنی قربانی کے خرچ کا، تو اسکے لئے لکھا ہے کہ اس کا وجوب بہر صورت حج کرنے والے پر ہوگا خواہ اس کو دم شکر قرار دیں یا دم جبر، اس لئے کہ دم شکر ہے تو دونوں عبادتوں کو فعلاً اس نے جمع کیا ہے، اور اگر دم جبر ہے تو غلطی وکوتاہی اس کی ہے۔

البتہ وہ خوشی سے منظور کرلے تو درست ہے، اور جب آمر (حج کرانے والا) خود ہی یہ حکم کرے یا عرف و معمول کی وجہ سے اس کو متعین سمجھا جائے جیسا کہ آج کل ہے تو یہ خرچ آمر کو ہی برداشت کرنا چاہئے، جب سارا خرچ وہ دے رہا ہے تو یہ ایک خرچ کیوں نہ برداشت کرے۔

(ھ) تفصیل آج کل حج بدل کرنے والے کو تمتع کی گنجائش ہے اس لئے کسی حل کی تلاش کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

اگرچہ معروف قول پر ہمارے علماء نے حیلہ کا بھی تذکرہ کیا ہے مگر خود ہمارے فقہاء بھی اس میں توسع کے قائل ہیں، اور فقہ حنفی میں تنگی کی صورت میں ضرورت و حاجات کو دیکھتے ہوئے دوسرے مذاہب کی وسعت و اجازت سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ مولانا ظفر احمد صاحب اس بابت ایک فتوی میں فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں شافعیہ کے قول پر بھی مامور بالحج کو تمتع کرنا بلا اذن آمر جائز ہے بلکہ ان کے نزدیک اگر تمتع کی اجازت بھی نہ ہو اور تمتع کرلے تب بھی حج ہو جائے گا صرف اجرت میں کسی قدر کمی کردی جائے گی (اس کے بعد الوجیز کی روایت نقل کی ہے) (امداد الاحکام ۲/۱۸۶، ۱۸۷)۔

الفقہ الاسلامی میں حنابلہ کا مذہب بھی بغیر اجازت جواز کا ذکر کیا ہے، البتہ یہ لکھا ہے کہ اگر احرام مکہ مکرمہ سے باندھے تو ایک تو دم واجب ہوگا اور دوسرے میقات سے مکہ تک کے سفر (اور بظاہر ما قبل الاحرام) کے اخراجات واپس کرے گا (الفقہ الاسلامی ۳/۱۰۵، المغنی ۳/۲۳۴، ۲۳۵، شرح المہذب ۷/۱۲۲، ۱۲۳)۔

آمر کی صریح ممانعت اور صریح حکم کہ صرف حج کرنا، ان صورتوں میں یہ حیلہ کیا جاسکتا ہے کہ پہلے جدہ کی اور وہاں قیام کی نیت کی جائے، اس کے بعد حج کا وقت آنے پر حج کا احرام جدہ سے باندھا جائے (امداد الاحکام ۲/۱۸۶)۔

(و) میت (مردہ) کی طرف سے حج: اگر حج کرنے والا خود اپنی طرف سے کررہا ہے تو معاملہ اس کے اختیار میں ہے جیسا حج چاہے کرے اور ثواب پہونچا دے، اور اگر کسی کی طرف سے بھیجا جارہا ہے تو بھیجنے والے کی رعایت کرنی ہوگی، اور وہ ساری تفصیل ہوگی جس کا تذکرہ تمہید اور (دفعہ الف تا ھ) میں آیا ہے، اس بابت احقر کو کوئی چیز نہ مل سکی۔

مفتی رشید احمد صاحب ایک فتوی میں فرماتے ہیں: آمر کی اجازت سے تمتع و قران بھی کرسکتا ہے مگر دم شکر مامور پر ہوگا، اگر آمر خوشی سے دم شکر کی قیمت ادا کردے تو جائز ہے، اس زمانہ میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع و قران و دم شکر کا اذن ثابت ہے اس لئے صراحۃً اذن ضروری نہیں، مگر صراحۃً اذن حاصل کرلینا بہتر ہے (احسن الفتاوی ۴/۵۱۲)۔

دیگر حضرات نے بھی اسی طرح اجازت حاصل کرنے یا دینے کو ذکر کیا ہے، مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی اپنے رسالہ میں جواز تمتع و قران کو ترجیح دی ہے اور اس کی تقویت کی ہے تاہم اکابر کے اختلاف کی وجہ سے احتیاط کی

بات انہوں نے بھی ذکر کیا ہے (جواہر الفقہ اول)۔

خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ صورت حال میں یا اکابر بہر حال جواز کا رجحان رکھتے ہیں، اور امام شافعی وامام احمد کے یہاں اجازت کے بعد قران وتمتع میں کوئی قباحت نہیں ہے اور دم حج کرنے والے پر ہی ہوگا، اور بدون اجازت بھی گنجائش ہے مگر تفصیل ہے، اس لئے اجازت ہی دینا اور لینا بہتر بلکہ ضروری ہے۔

۱۰۔ حیض اور طواف زیارت:

طواف کے لئے پاک ہونا ضروری ہے، اس لئے حیض ونفاس کی حالت میں طواف منع ہے، پھر اس کے لئے مسجد میں بھی داخل ہونا پڑتا ہے، ناپاکی کی حالت میں یہ بھی منع ہے، اور طواف زیارت رکن ہے جس کے بغیر حج نامکمل ہوگا، تو عورت کو پاکی کا انتظار کرکے اس طواف کو ادا کرنا چاہئے، البتہ طواف وداع چونکہ رکن نہیں، اس مجبوری کی وجہ سے اس کو چھوڑ دینے کی اجازت آئی ہے جیسا کہ معروف ہے۔

مگر کبھی عورت مجبور ہوسکتی ہے، اس مجبوری کا تصور قدیم عہد میں بھی تھا کہ قافلہ پہلے سے طے شدہ نظام کے مطابق حج کے معاً بعد روانہ ہوگا، اور عورت اس حال میں نہ ہوگی کہ طواف زیارت پاکی کے ساتھ کرسکے، تو یا تو قافلہ کو چھوڑے جس کے بغیر سفر ہی ناممکن تھا یا اسی حال میں طواف کرے۔

اور اب بھی یہ مجبوری اہم ہے بلکہ مزید اہم کہ حکومت وویزے کی پابندیاں، ایک لمبا انتظام سفر، جو مہینوں سے طے پاتا ہے بروقت اس میں ردوبدل بہت زحمت طلب ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ حج میں عورتوں کی تعداد معمولی نہیں ہوتی جس میں ایسے حال سے دوچار ہونے والی عورتیں بھی غیر معمولی تعداد کی حامل ہوں گی۔

تو ایسی صورت حال میں طواف کے لئے طہارت کی پابندی کے باوجود فقہ حنفی کی رو سے گنجائش ہے، اولاً تو طہارت کی اہمیت کے پیش نظر نظام سفر میں تبدیلی کی سعی کرنی چاہئے اور اتنا موقع نکالنا چاہئے کہ پاک ہوکر طواف کیا جاسکے۔

چونکہ حنفیہ کے یہاں طہارت، صحت طواف کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ صرف واجب ہے، لہذا خواہ حدث اصغر ہو یا اکبر دونوں کے ساتھ طواف شرعاً معتبر وصحیح قرار پاتا ہے اگرچہ واجب کے ترک کی وجہ سے دم بھی واجب ہوگا، حدث اصغر کی حالت میں چھوٹا دم یعنی بکری، اور حدث اکبر یعنی جنابت وحیض کی حالت میں بڑا دم، یعنی گائے واونٹ واجب ہوگا۔ لہذا ایسی عورت اسی حال میں طواف کرلے اور دم ادا کرے یا اس کا نظم کرے اور سفر پر روانہ ہوجائے۔

سنن سعید بن منصور میں بسند صحیح روایت آئی ہے کہ ایک عورت حضرت عائشہؓ کے ساتھ طواف کررہی تھی اسی درمیان اس کو حیض آنے لگا تو حضرت عائشہؓ نے اس کا طواف پورا کرایا (اعلاء السنن ۱۰/۳۳۰ بحوالہ فتح القدیر ونصب الرایہ)۔

رہ گئی بات ناپاکی کی حالت میں مسجد کے اندر داخلہ کی کہ مطاف مسجد حرام کے حدود کے اندر ہے، تو جب ضرورۃً طواف کی اجازت ہوگی تو اس کی بھی لازماً ہوگی کہ طواف بغیر اسکے ممکن نہیں، اور پھر یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کہ کوئی

ناپاکی کی حالت میں مسجد سے گزر کر دوسری طرف جانے پر مجبور ہو، اور ایک بات یہ بھی کہ حج کے واجبات میں عذر کی وجہ سے بڑی وسعت آئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بھی عذر ہے۔

اس مجبوری کی وجہ سے یہ گنجائش ان حضرات نے بھی دی ہے جن کے نزدیک طہارت شرط ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے حنابلہ و مالکیہ کا ایک قول دم کے ذریعہ تلافی کا ذکر کیا ہے (فتح الباری ۳/۵۰۵)۔

میرا خیال ہے کہ اس بابت سب سے زیادہ تفصیل و تطویل شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتاوی میں آئی ہے، چنانچہ فتاوی کی جلد ۲۶ میں صفحہ ۱۷۶ سے ۲۴۸ تک مسلسل یہی بحث و گفتگو ہے اور کئی فتاوی آئے ہیں، شیخؒ نے اس میں اس بابت اختلاف کا تذکرہ کیا ہے اور بار بار امام احمد کی دوسری روایت و قول کو ذکر کیا ہے بلکہ اس کو بہت تفصیل و وضاحت سے مؤکد کیا ہے اور گنجائش و اجازت کو اختیار کیا ہے، اور اس ضمن میں یہ بات بھی آئی ہے کہ حائض و جنبی کے لئے مسجد میں گزرنے یا ٹھہرنے کے حق میں امام شافعی و امام احمد کے یہاں کافی وسعت ہے، وضو کے ساتھ عورت مسجد کے اندر ٹھہر بھی سکتی ہے (فتاوی ۲۶/۱۷۸)

لہذا طواف کرنے کی اجازت ہے جو طہارت کے اہتمام یعنی غسل و وضو کے ساتھ ممکن ہے، ان کے شاگرد رشید علامہ ابن القیم نے بھی "اعلام الموقعین" میں لمبی بحث کی ہے اور یہی موقف اختیار کیا ہے (اعلام الموقعین ۳/۱۰۔۲۲)

خلاصہ یہ کہ یہ حکم جواز و گنجائش کا صرف فقہ حنفی کا ہی نہیں ہے بلکہ دوسرے مذاہب میں بھی وسعت ہے اور دوسرے مذاہب کے اکابر علماء و فقہاء نے اس کو اختیار کیا ہے، جس کی وجہ پابند بنانے کی صورت میں زحمتوں سے دوچار ہونا ہے جس کو شیخؒ نے بھی بار بار اپنے کلام و فتاوی میں ذکر کیا ہے۔

(الف) سفر کی مجبوری کی وجہ سے حیض و نفاس والی عورت کو ناپاکی میں طواف زیارت ادا کرنے کی اجازت ہے۔

(ب) اس ناپاکی کے حال کے طواف سے رکن ادا ہو جائے گا اگرچہ نقص کے ساتھ۔ اسی لئے بطور تلافی دم واجب ہوگا۔

(ج) اور دم بڑا یعنی گائے یا اونٹ کا ذبیحہ، بکری و بھیڑ کافی نہ ہوگی۔

(د) یہ دم جنایت (غلطی) کا ہے، اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کا وجوب فوری نہیں ہوتا، اس میں تاخیر کی گنجائش ہے، بعد میں بھی نظم کیا جا سکتا ہے، اور اگر موت کا مرحلہ آ گیا تو وصیت لازم ہے، مرنے پر ورثہ بدون وصیت ادا کر دیں تو کافی ہے۔

البتہ دم کا جانور حرم میں ہی ذبح کیا جا سکتا ہے، لہذا عورت واپسی سے قبل نظم کرے یا واپس ہو کر کسی آنے جانے والے کے ذریعہ اس کا انتظام کرے و کرائے۔

جنایات کے باب و بیان میں یہ تفصیلات موجود ہیں۔

۱۱۔ سفر حج وعمرہ میں شوہر کا انتقال:

سفر حج وعمرہ میں اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو چونکہ اس کے لئے محرم کی معیت کی شرط ہے پھر عدت کا معاملہ واحکام بھی ہوتے ہیں، اس لئے اصل حکم تو اس کے لئے یہ ہے کہ اب آگے کے اعمال کو وہ روک دے اور بعد میں قضا کرے، اس کو بھی احصار کے اسباب میں شمار کیا ہے جیسا کہ معروف ہے (شامی ۲؍ ۵۹۰، ۵۹۱)۔

مگر عموماً حجاز کا سفر دور ودراز اور مشکلات کا ہوتا ہے اور اب مشکلات میں اضافہ ہی ہوا ہے، اخراجات سفر بھی بہت بڑھ چکے ہیں، اس لئے ضرورت اس میں گنجائش کی، یعنی حج وعمرہ کو مکمل کرنے کی اجازت کی متقاضی ہے، یوں بھی بدون محرم اگر عورت حج کو جائے اور حج کرے تو حج ادا ہو جاتا ہے، بس یہ کہ کراہت تحریمی کے ساتھ (معلم الحجاج ؍ ص ۸۸) تو مشکلات کی وجہ سے یہ وسعت دینی چاہئے۔

پھر مشکلات وضرورت کی وجہ سے دوسرے مذاہب کی وسعت سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، گزر چکا ہے کہ ہمارے علماء نے ان مسائل میں بھی ضرورت، پریشانی وابتلاء کی وجہ سے دوسرے مذاہب پر عمل کو ذکر کیا ہے اور اس کو اختیار کیا ہے۔

اور یہ ساری تفصیل خصوصیت سے اس صورت میں ہے جبکہ وفات کا قصہ مکہ یا جدہ کے علاوہ کہیں دوران سفر یا مدینہ طیبہ میں پیش آئے، اور اگر مکہ مکرمہ میں اور آس پاس پیش آیا ہے جدہ تک مثلاً تو عمرہ کے ادا کرنے میں کوئی اشکال ہی نہیں کہ اعمال عمرہ سب مکہ مکرمہ میں ادا کئے جاتے ہیں، مکہ میں عورت ہے، اور نہیں ہے تو جہاں ہے وہاں سے آ سکتی ہے، اتنی مختصر مسافت کا سفر ممنوع نہیں ہے۔

اور اگر حج کا موقع اور اس کا احرام ہے تو احرام تو عمرہ کر کے کھولا جا سکتا ہے بعد میں قضا کی نوبت آئیگی، جبکہ اس کو کسی بنیاد پر حج کی رخصت وگنجائش نہ دی جائے۔

رخصت وگنجائش کی ایک جہت یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ عدت وفات میں عورت کو معاشی ضرورتوں کے لئے دن کے وقت میں رات تک کے لئے گھر سے باہر نکلنے وجانے کی اجازت ہے، رات اپنے مقام پر گزارنی لازمی ہے، تو یہ بھی سوچا جا سکتا ہے کہ رات کو مکہ مکرمہ کے قیام کا پابند بنا کر اس کو وقوف عرفہ اور رمی وغیرہ کی اجازت دے دی جائے، وہ دن میں جا کر ان اعمال کو انجام دے لے، اور اس طرح حج کو مکمل کر کے آئندہ سال یا بعد میں قضا کی شکل سے بچ جائے۔ واللہ تعالی اعلم۔

اس مشکل کا احساس اہل نظر نے ہر عہد میں کیا ہے اور بالخصوص موجودہ حالات میں، مولانا شیر محمد صاحب نے عمدہ میں تحریر فرمایا ہے: اس صورت میں دوسرے سال تک وہاں رہنا، اور اگر گھر کو واپس آئے تو پھر واپس جا کر حج کرنا، اور وہاں رہنے کی صورت میں سال بھر کا نفقہ موجود ہونا، اور واپسی کے وقت رفاقت کا ہونا وغیرہ بہت ہی مشکلات پیش آئیں گی، تو یہ بھی اسی طرح معذور بھی جائے جیسے بوادی وغیرہ میں جہاں اقامت مشکل ہو تو مکہ مکرمہ کو چلے جانے کا جواز ہے، تو اب اس حالت میں عرفات پر حج کرنے کو جائے تو عذر ہو سکتا ہے ورنہ اس کو نہایت ہی مشکل پیش

آ سکے گی، اگر افعال عمرہ بجالا کر حلال ہو گی تو پھر حج کے لئے قضا کرنی لازم ہو جائے گی پھر اس کے لئے وہاں رہنا یا واپس آنا نہایت دشوار ہو گا۔ واللہ اعلم۔

کسی کتاب معتبر میں اس کے متعلق جواز کی گنجائش نظر سے گزری تھی لیکن اب بہت تلاش کرنے سے نہیں ملی، غالباً کبیر میں ہی کہیں عبارت تھی (عمدۃ و زبدۃ ص ۳۶)

مفتی عبدالرحیم صاحب نے مولانا شیر محمد صاحب کی مذکورہ تصریح کو بنیاد بنا کر گنجائش ذکر کی ہے یعنی حج کو پورا کرنے کی اجازت دی ہے (فتاوی رحیمیہ ۵/۲۳۸، ۲۳۹)۔

دوسرے مذاہب پر وسعت کا معاملہ یہ ہے کہ شوافع و مالکیہ کے یہاں حج فرض میں محرم و شوہر کی رفاقت کی شرط نہیں ہے بلکہ اطمینان بخش معاشرہ و رفقاء صرف عورتوں کا یا مخلوط کافی ہے (الفقہ الاسلامی ۳/۳۶)۔

البتہ عدت کی پابندی اہم ہے لیکن وسعت آئی ہے، المغنی میں آیا ہے:

وإذا مات محرم المرأة في الطريق فقال أحمد: إذا تباعدت مضت فقضت الحج... قيل له: قدمت من خراسان فمات وليها ببغداد؟ فقال: تمضي إلى الحج وإذا كان الفرض خاصة فهو آكد... وهذا لأنها لابد لها من السفر بغير محرم فمضيها إلى قضاء حجها أولى لكن إن كان حجها تطوعا و أمكنها الإقامة في بلد فهو أولى من سفرها بغير محرم.

عورت کا محرم اگر راستہ میں فوت ہو جائے تو امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر دور تک جا چکی ہے تو سفر پورا کرے اور حج کرے، ان سے پوچھا گیا کہ ایک عورت خراسان سے چلی اور بغداد میں محرم مر گیا تو فرمایا کہ حج کو جائے بالخصوص اگر حج فرض ہو... اس لئے کہ سفر تو اس کو بغیر محرم ہی کرنا ہو گا تو حج کو چلا جانا بہتر ہے، ہاں نفل حج ہو اور کسی جگہ قیام ممکن ہو تو یہ قیام سفر سے بہتر ہے۔

إذا خرجت للحج فتوفي زوجها وهي قريبة رجعت لتعتد في منزلها وإن تباعدت مضت في سفرها (المغنی ۳/۲۳۰، ۲۳۱)

عورت حج کو چلی اور اس کا شوہر مر گیا، اگر گھر سے قریب ہے تو واپس ہو کر عدت گزارے، اور اگر دور جا چکی ہے تو سفر کو جاری رکھے۔

واضح رہے کہ حنابلہ کے یہاں بھی ایک روایت و قول مثل شوافع و مالکیہ ہے کہ محرم کی شرط نہیں ہے۔

۱۲۔ مکہ مکرمہ و منیٰ کا تعلق:

منیٰ کی آبادی مکہ مکرمہ سے اتصال کے باوجود اگر انتظاماً الگ ہے تو دونوں دو متصل شہروں کی طرح ہیں، لہٰذا اگر حاجی مکہ مکرمہ میں ۱۵ دن کے قیام سے پہلے منیٰ جاتا ہے تو وہ مکہ مکرمہ میں مقیم نہیں ہو گا۔

اور اگر انتظاماً ایک ہیں کہ ایک ہی کارپوریشن وغیرہ کے تحت ہیں تو دونوں ایک شہر کے دو حصوں کی طرح ہیں، اس لئے مکہ مکرمہ آنے پر اگر شہر مکہ میں ۱۵ دن سے کم رہا تو بھی منیٰ کی مدت قیام ملا کر وہ مقیم سمجھا جائے گا۔

اور خیال یہ ہے کہ دونوں کا بلدیہ و کارپوریشن ایک ہی ہے۔

۱۴۔ وتر میں حنابلہ وغیرہ کی اقتداء:

بلاد عرب وغیرہ میں جہاں غالب اکثریت غیر احناف کی ہے اور وتر کی نماز وہ لوگ دو سلاموں سے ادا کرتے ہیں اور ایک سلام سے ادا کرنے والے امام نہیں ملتے تو اس صورت میں احناف اگر ایسے لوگوں کی اقتداء جماعت کی رعایت میں کریں جب کہ رمضان میں وتر کا باجماعت ادا کرنا ہی افضل قرار دیا گیا ہے (تاتارخانیہ ۱/۷۰۶) اور مجمع کی رعایت میں کہ لاکھوں کی تعداد میں اسی مسلک کے لوگ ہوتے ہیں یا لحاظ کرنے والے تو درست ہے۔

متعدد فقہاء احناف نے اس کی اجازت دی ہے جیسا کہ درمختار و شامی وغیرہ میں آیا ہے (شامی ۲/۱۰۸، البدائع) لیکن اجازت کے ساتھ ان حضرات نے قید لگائی ہے کہ اگر امام فصل نہ کرے تو اقتداء کی جائے گی ورنہ نہیں، چنانچہ ارباب افتاء نے بھی اس کو ذکر کیا ہے (امداد الاحکام ۱/۲۰۳، ۵۱۲،۵۰۲)۔

لیکن صورت حال یہ ہے کہ دوسرے حضرات فصل کے ساتھ ہی وتر ادا کرتے ہیں، اور معاملہ جماعت کی فضیلت حاصل کرنے اور مجمع عام کی مخالفت سے بچنے کے لئے ایک درجہ ضرورت کا ہے، بالخصوص حرمین و حجاز وغیرہ میں، تو عمل بمذہب الغیر کے تحت فصل کی صورت میں بھی گنجائش سمجھ میں آتی ہے، اور فقہاء احناف میں امام ابوبکر جصاص رازی نے فصل کے ساتھ بھی اقتداء کی اجازت دی ہے۔

درمختار میں ہے:

وصح الاقتداء فيه بشافعي مثلا لم يفصله بسلام لا إن فصله على الأصح فيهما.

اور وتر کی نماز میں شافعی وغیرہ کی اقتداء صحیح ہے جبکہ وہ سلام کے ساتھ فصل نہ کرے اور فصل کرے تو درست نہیں، دونوں مسئلوں میں اصح قول پر۔

اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں:

دونوں مسئلوں سے مراد شافعی کی اقتداء کا جواز ہے، اور یہ کہ عدم فصل کی شرط ہے برخلاف اس قول کے جو "ارشاد" میں آیا ہے کہ ہمارے فقہاء (احناف) اس پر متفق ہیں کہ یہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اقتداء المفترض خلف المتنفل ہے (وتر ہمارے نزدیک واجب ہے اور امام شافعی وغیرہ کے یہاں سنت ہے، تو فرض پڑھنے والا سنت و نفل والے کی اقتداء کر رہا ہے اور یہ ہمارے یہاں درست نہیں ہے)۔ اور عدم فصل کی شرط کا قول امام رازی کے قول کے خلاف ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اقتداء فصل کی صورت میں بھی صحیح ہے، اس لئے کہ اس کا امام سلام کی وجہ سے نماز کی حرمت سے باہر نہیں ہوتا، اور مسئلہ مجتہد فیہ ہے، لہذا ایسا اقتداء ایسے ہی صحیح ہے جیسے کہ کوئی حنفی ایسے امام کی اقتداء کرے جس کی نکسیر بہہ رہی ہو (تو امام کے عقیدہ و خیال کے مطابق اس کی نماز درست ہے لہذا حنفی اس کی اقتداء کرلے) (شامی ۲/۸)۔

اصولی طور پر یہ مسئلہ مذہب میں مخالف کی اقتداء ہی کا ہے، راجح اس کا جواز ہے، پھر اس میں گفتگو کی گئی ہے کہ مقتدی کے مذہب کی رعایت کی قید کے ساتھ، یا یہ کہ امام کے مذہب پر نماز کی صحت کے ساتھ بھی کافی ہے، ہندوانی وغیرہ اسی کے قائل ہیں کہ امام کے مذہب پر اگر اس کا عمل درست و جائز ہے تو اقتداء درست ہے، جس کی شامی نے باب الامامۃ میں تفصیل فرمائی ہے۔

فصل کے باوجود اقتداء کی صحت کا معاملہ یہ ہے کہ یہ سلام (درمیان کا) سلام تحلل نہیں یعنی نماز کو ختم کرنے کے لئے نہیں بلکہ یہ سلام بھی تین رکعات نماز کا ایک عمل ہے جو درمیان نماز رکھا گیا ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی رو سے بھی نمازی کا ہر سلام اس کی نماز کو باطل و ختم نہیں کرتا، البتہ اگر امام صرف سلام ہی نہ پھیرے بلکہ درمیان میں گفتگو کرے اور دوسرے کام بھی تو اقتداء صحیحاً محل نظر ہوگی اور اس صورت میں تو ممانعت ہی سمجھ میں آتی ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

وبالجملة فمذهب الحنفية أنه لا وتر عندهم إلا بثلاث ركعات بتشهدين و تسليم نعم لو اقتدى حنفي بشافعي في الوتر وسلم ذلک الشافعي الامام على الشفع الأول على وفق مذهبه ثم أتم الوتر صح وتر الحنفي عند أبي بكر الرازي وابن وهبان وفيه يقول ابن وهبان في منظومته:

ولو حنفي قام خلف مسلّم   لشفع ولم يتبع وتم فموتر

(معارف السنن ۴/۱۷۰)

خلاصہ یہ کہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ وتر کی تین رکعات دو تشہد اور ایک سلام کے ساتھ ہیں، لیکن اگر کوئی حنفی وتر میں کسی شافعی کی اقتداء کرے اور وہ دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد وتر کو پورا کرے تو ابوبکر رازی اور ابن وہبان کے نزدیک حنفی کی وتر درست ہے۔

فتح القدیر میں بھی اس بابت کچھ تفصیل آئی ہے، اور یہ کہ دوسرے بعض ممتاز فقہاء اور بعض مشائخ ابن ہمامؒ بھی اس کے قائل تھے، اور کہتے تھے کہ اس کی وجہ سے متقدمین (فقہاء احناف) میں سے کسی سے فساد صلاۃ کا حکم نقل نہیں کیا گیا ہے (فتح القدیر ۱/۳۸۱، نیز البحر الرائق ۲/۳۹، ۴۰)۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ کے چند حل طلب مسائل

مولانا نذیر احمد قاسمی

مدرسہ اشرف العلوم، کنہواں، بہار

۱۔ اس سلسلے میں پہلے سوال کا جز اول تو متفق علیہ ہے کہ حج وعمرہ کی نیت سے حرم مکی میں داخل ہونے والے آفاقی کے لئے بغیر احرام میقات سے آگے بڑھنا موجب دم جنایت ہے ممنوع ہے، بلکہ تفصیل میں جزوی اختلاف سے صرف نظر کرکے کہا جاسکتا ہے کہ اس جنایت کا موجب دم ہونا ائمہ اربعہ کا اجماعی مسلک ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۷۲۰)۔

لیکن سوال کا دوسرا جز کہ جو آفاقی حج وعمرہ کے بجائے تجارت وملاقات یا کسی دوسرے مقصد سے حرم مکی میں داخل ہونا چاہے تو کیا اس کے لئے بھی بلا احرام میقات سے تجاوز ممنوع ہی ہے؟

ظاہر ہے کہ اس میں حضرات ائمہ رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔

عند الاحناف تو اس صورت میں بھی ممانعت کا حکم باقی رہتا ہے اور یہ موجب دم جنایت ہی کہلاتی ہے، کیونکہ "عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ قال: لاتجاوزوا المیقات الا باحرام، رواہ ابن ابی شیبہ (اعلاء السنن ۱۰/۱۸)۔ جیسی احادیث کا اطلاق اسی کا مقتضی ہے۔

اور پھر عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے، جیسا کہ فقہاء احناف لکھتے ہیں:

لأن هذه البقعة الشريفة لها قدر وخطر عند الله تعالى فالدخول فيها يقتضي التزام العبادة إظهارا لشرفها على سائر البقاع (بدائع ۲/۱۶۴)۔

البتہ حضرات حنابلہ وشوافع کے مسلک میں کچھ تفصیل نقل کی جاتی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ حرم کی میں داخلہ کی حاجت وضرورت جب کثرت سے اور بار بار پڑتی ہے جسے اصطلاحاً حاجت متکررہ سے تعبیر کرتے ہیں، یا محض اتفاقاً اور کبھی کبھار، جسے حاجت غیر متکررہ کہتے ہیں۔

دونوں صورتوں میں امام احمد بن حنبل کے نزدیک بلا احرام دخول حرم اور تجاوز عن المیقات جائز ہے، جب کہ امام شافعی علیہ الرحمہ حاجت متکررہ ہونے پر تو بلا احرام دخول حرم کی اجازت دیتے ہیں، لیکن حاجت غیر متکررہ کے متعلق بعض شافعیہ سے اجازت کا قول دوسرے بعض اصحاب شوافع سے ممانعت کا، دونوں ہی قول منقول ہیں (المغنی ۳/۲۱۸، ۲۲۰)۔

ان حضرات کے دلائل تفصیل اور مطلب "المغنی ۳/۲۱۸ تا ۲۲۰" میں تفصیلاً دیکھے جاسکتے ہیں اور احناف کی طرف

سے ان دلائل کے جوابات وتوجیہات کے لئے بدائع ۲/۱۶۴،اور اعلاء السنن ۱۰/۱۸۰۔۱۹۰ لائق مراجعت ہے۔

مسئلہ بالا میں اپنا ذاتی خیال اور رجحان:

اپنا خیال یہ ہے کہ حنفی المسلک حضرات کے لئے حکم عزیمت تو وہی رکھا جائے جو فقہ حنفی میں مذکور ہے، لیکن حاجت متکررہ میں فقہ شافعی کے مطابق بطور رخصت اس کی اجازت ہونی چاہیے کہ وہ بلا احرام تجاوز عن المیقات کرکے حرم مکی میں داخل ہوسکتا ہے۔

کیونکہ ما جعل علیکم فی الدین من حرج (دین کے حق میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی ہے)، ان الدین یسر (دین تو آسان ہے) رخص رسول اللہ ﷺ للضعفة فی ترک الوقوف بمزدلفة (حضور ﷺ نے اپنے گھر کے کمزور حضرات کو مزدلفہ کا وقوف ترک کرنے کی اجازت دی) (اعلاء السنن ۱۰/۱۳۶) جواز ترک الواجب دفعاً للمشقة (واجب کا چھوڑنا دفع مشقت کے لئے جائز ہے) (اشباہ نسخہ قدیم ص ۹۱)، المشقة تجلب التیسیر (مشقت سہولت کو لاتی ہے) اور الحرج مدفوع ماشرع (حرج شریعت میں دور کیا جاتا ہے) جیسے نصوص واصل کا یہی متقاضی معلوم ہوتا ہے۔ بعض نظائر فقہیہ سے بھی اس کی تائید ہوجاتی ہے۔

مثلاً وہ خدام جن کی آمدورفت گھر میں بہ کثرت اور بار بار ہوتی ہے ان کے حق میں وجوب استیذان کا سقوط "دفعاً للحرج" ہے، اپلی کے جوٹھے میں جو حکم تخفیف ہے وہ بھی دفع حرج پر مبنی ہے، اس لئے کسی ڈرائیور، یا تجارتی کمپنی کے ایجنٹ اور ہر وہ لوگ جن کی آمدورفت حرم ومیقات کے اندر وباہر بہ کثرت اور تقریباً روزانہ ہی بار بار ہوا کرتی ہے، وہ بحکم رخصت مستثنیٰ قرار دئے جاسکتے ہیں۔

۲۔ سوال نمبر دو کا جواب تفصیل بالا میں آچکا کیونکہ اس کا تعلق حاجت متکررہ ہی سے ہے۔

فلو اوجبنا الإحرام علی کل من یتکرر دخوله أفضی إلی أن یکون جمیع زمانه محرماً فسقط للحرج. (المغنی ۳/۲۱۸)۔

اگر ہم اس شخص پر احرام کو لازم کردیں جو بار بار حرم کے اندر جاتا رہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ پوری زندگی محرم ہی رہے، اس لئے حرج کی بناء پر اس سے احرام ساقط ہے۔

۳۔ آیت قرآنی "ذلک لمن لم یکن أهله حاضری المسجد الحرام" کی روشنی میں فقہ حنفی کی جو صراحت ہے لاتمتع ولاقران لمکی (بحر الرائق ۲/۳۶۶)، گو ایسی صراحت دوسرے دبستان فقہ میں تلاش کے باوجود نہ مل سکی، مگر دوسرے قرائن کے سبب ہمارا خیال ہے کہ مکی کے حق میں قران وتمتع کی ممانعت ائمہ اربعہ کا اجماعی مسلک ہے، کیونکہ آیت قرآنی "فمن تمتع بالعمرة إلی الحج فما استیسر من الهدی" اور حدیث شیخین "ذبح عن نسائه البقر یوم النحر وکن قارنات" (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۶۸۸) (یوم النحر کو آپ ﷺ نے ازواج کی طرف سے گائے ذبح کی اس لئے کہ وہ سب قران کرنے والی تھیں) سے ہر متمتع اور قارن پر دم شکر کے طور پر

ہدی کا لزوم بالکل واضح ہے، مگر پھر چاروں دبستان فقہ میں اس کی بھی صراحت ملتی ہے کہ تمتع وقران پر ہدی شکر کے لزوم کے لئے شرط ہے اس کا غیر مکی یعنی آفاقی ہونا (ایضاً) ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی کے لئے تمتع وقران کی اجازت کسی فقہ میں نہیں۔ اگر کوئی مکی تمتع وقران کرے گا تو یہ ایک جنایت ہوگی اور اس پر دم شکر نہیں بلکہ باجماع ائمہ اربعہ دم جنایت لازم آئے گا۔

۴۔ مکہ مکرمہ میں مقیم جو حضرات حج کا ارادہ رکھتے ہوں اور انہیں اشہر حج میں میقات سے باہر جانا پڑے تو اس کی تین صورتیں ممکن ہیں:

(الف) کسی حاجت متکررہ کے سبب میقات سے باہر جانا پڑے تو ان کے لئے "دفعاً للحرج" رخصت وگنجائش ہے کہ وہ بلا احرام داخل ہو جائیں جیسا کہ اوپر مفصلاً لکھا جا چکا ہے اور اس صورت میں ان پر کسی بھی قسم کے دم جنایت کے لزوم کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

(ب) حاجت غیر متکررہ کے سبب میقات سے باہر جانا پڑے، مگر یہ شخص آج سے پہلے کبھی اپنا حج فرض ادا کر چکا ہے تو ایسا آدمی احرام باندھ کر واپس آئے اور عمرہ کر کے احرام کھول دے، اس سال حج ہی نہ کرے، بقاعدہ شرعیہ "درء المفاسد أولى من جلب المصالح" کے تحت تمتع ممنوع، یا بلا احرام تجاوز من المیقات میں سے کسی ایک جنایت کے ارتکاب کے مفسدہ سے بچنا ہی اس کا فریضہ ہوگا اور حج نفل کا ترک کر دینا ہی اولیٰ وانسب ہوگا۔

(ج) دشواری وپیچیدگی ہوگی اس صورت میں کہ اب تک وہ حج فرض بھی ادا نہ کر سکا ہے اور حاجت غیر متکررہ کے سبب میقات سے باہر جانا پڑے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس صورت میں اسے حج فرض کی ادائیگی کی اہمیت محسوس کر کے اشہر حج میں میقات سے باہر جانے کی جرأت ہی نہیں کرنی چاہیے، ناگزیر ضرورتوں کو اپنے کسی نائب سے پوری کرنے، یا پھر اس ناگزیر حاجت وضرورت کی عدم تکمیل سے جو نقصان وخسارہ ہوا سے دنیوی خسارہ سمجھ کر اخروی خسارہ یعنی حج فرض کے ترک وتاخیر، یا بلا احرام تجاوز من المیقات کی جنایت کے مقابلہ میں سہل وغنیمت جانے اس موقع سے کوئی حیلہ محض حیلہ فاسدہ ہی ہو سکتا ہے، لأن الله تعالى أعلم بالغياب والسر والعلن.

۵۔ آفاقی متمتع اپنے عمرۂ تمتع سے فارغ ہو کر احرام حج سے پہلے حسب سہولت اور حسب موقع وہمت جتنا عمرہ چاہے کر سکتا ہے، لا حرج فيه مصرح في كتب الفقه (منحۃ الخالق علی ہامش البحر ۲/۳۶۶)۔

۶۔ رمی جمرات واجبات حج میں سے ہے جس میں عبادت بدنیہ کی حیثیت غالب ہے اور کسی بھی بدنی عبادت میں علی الاطلاق نیابت جائز نہیں۔

اس لئے رمی جمرات میں نائب بنانا صرف انہیں بوڑھے، مریضوں اور کمزور عورتوں کے لئے درست ہوگا جنہیں اپنی کمزوری کے سبب ازدحام کے اندر بذات خود رمی کرنے میں اپنی قوت مدافعت کی کمی کے سبب کچل جانے،

یا کسی عضو کے ٹوٹ پھوٹ جانے، یا ازدحام میں دب جانے سے ایسی اذیت شدیدہ پہونچنے کا ظن غالب ہو جو عادۃً ناقابل برداشت ہوتی ہے، عورتوں کے حق میں ازدحام کی وہ حالت جس میں مردوں کے ساتھ دھکے اور دبنے سے دوچار ہونا پڑے نیابت کے جواز کے لئے عذر کافی ہے۔

لیکن جو عورتیں بلا دھکے کھائے اور ازدحام سے دبے ہوئے رمی کرسکتی ہوں ان کے لئے نائب بنانا درست نہیں، اسی طرح جو جوان مرد بلکہ بوڑھے اور مریض اپنے اندر ذاتی قوت مدافعت رکھتے ہوں کہ وہ ازدحام کے دھکوں کو سہار کر معمولی مشقت کا تحمل کرتے ہوئے بذات خود عمل رمی کو انجام دے سکتے ہوں اور اس قدر وقوت پر خود ان کا ضمیر وقلب شہادت دے تو ان کے لئے بھی محض آرام پسندی اور کسل کے سبب نائب بنانا درست نہیں۔

معمولی مشقت وتعب اور گرانی طبع سے آخر کون سی عبادت خالی ہے، ان ہلکی مشقت وتعب سے سہم کر نائب بنانا دراصل عبادت سے فرار کا ہم معنی ہی کہا جاسکتا ہے۔

دور حاضر میں رمی جمرات کے موقع سے ازدحام کا حل:

یہ حقیقت ہے کہ آجکل حجاج کی کثرت انتہائی غیر معمولی ہوگئی ہے اور رمی جمرات کی جگہ بس وہی انتہائی محدود سی ہے، جس کے سبب رمی جمرات کے موقع سے عام طور پر ازدحام میں دبنے اور کچل جانے کے حادثات ہوتے رہتے ہیں۔

لیکن میرا خیال ہے کہ اگر شریعت کی دی ہوئی وسعت وسہولت سے آنکھیں بند نہ کی جائیں تو اس طرح کے حادثات بھی کم ہوں گے اور ازدحام کا غیر معمولی ہونا بھی ختم ہوسکتا ہے۔

شریعت نے یوم نحر میں جمرہ عقبہ کی رمی کے اوقات بہت وسیع رکھے ہیں، مثلاً شام تک، بلا کراہیت عند الاحناف رمی ہوسکتی ہے اور رات میں مع الکراہیۃ۔

اگر صرف حنفی المسلک حجاج اپنے مسلک کے مطابق وسعت وقت سے فائدہ اٹھائیں اور قبل الزوال عمل رمی جمرہ عقبہ پر اصرار نہ کریں تو آدھا ازدحام کم ہو جائے اور خطرات ٹل جائیں، ضرورت ہے کہ کم از کم علمائے احناف فقہ حنفی کی اس سہولت اور وسعت وقت کی عام تبلیغ کریں اور حجاج کو واقف کرائیں۔

۷۔ عمرہ کے افعال چونکہ مختصر سے وقت میں ادا ہو جاتے ہیں اور اس کے لئے کوئی خاص وقت متعین بھی نہیں ہے، اسلئے احرام عمرہ کے بعد اس کی ادائیگی میں ایک حکومت مسلمہ کی رکاوٹ شاذ ونادر ہی موثر ہوسکتی ہے، تاہم اگر حکومت کی رکاوٹ سے، یا کسی مرض وعذر کے سبب کوئی محرم العمرہ افعال عمرہ ادا کرنے سے معذور ہو ہی جائے تو انہیں بھی محصر کہا جائے گا، یہ حلق کرا کے احرام کھول دے، بعد میں جب موقع ملے اس کی قضا کرنی ہوگی اور ادائے نسک سے پہلے احرام کھولنے کے نتیجہ میں دم واجب ہوگا، امام ابوحنیفہ امام احمد اور امام شافعی رحمہم اللہ سب یہی فرماتے ہیں، حصر حدیبیہ کا واقعہ بھی ان حضرات کی دلیل ہے۔

امام مالک معتمر کو حلال ہونے کی اجازت نہیں دیتے "لانہ لا یخاف الفوات" (المغنی ۳/ ۱۷۳)۔

ان الفاظ حج کے اوقات چونکہ متعین اور مخصوص ہوتے ہیں اس لئے سعودی حکومت میں رہنے والے غیر ملکی کے حق میں احرام حج کے بعد افعال حج کی ادائیگی میں حکومت کی رکاوٹ موثر ہو سکتی ہے۔ اب اگر کسی غیر ملکی محرم حاجی کو حکومت پکڑ کر تکمیل حج سے پہلے وطن اقامت پر واپس بھیج دے تو بظاہر اس کی تین صورتیں ممکن ہو سکتی ہیں:

(الف) وقوف عرفہ اور طواف رکن کے بعد یہ رکاوٹ سامنے آئے تو ظاہر ہے کہ حج مکمل ہو چکا ہے پھر واجبات حج رہ گئے ہوں گے جو بوجہ عذر متروک ہوں گے "فلاشی علیہ، کما قال الصاحبان" (بحر الرائق ۳/۵۹)۔

(ب) طواف رکن سے پہلے مگر وقوف عرفہ کے بعد یہ رکاوٹ اور حکومت کی گرفت ہوئی ہو تو اسے باصطلاح شریعت محصر نہیں کہا جائے گا" کما قالت الفقہاء، لا احصار بعد ما وقف بعرفة" (منحۃ الخالق) (عرفہ کے موقف کے بعد احصار نہیں ہوتا)۔ ایسے شخص کے متعلق ائمہ اربعہ کا اجماعی مسلک ہے کہ وہ جب تک طواف رکن ادا نہ کرے گا حق النساء میں محرم ہی رہے گا۔ اس کے بعد تفصیلات میں جزوی اختلاف ہے، حتی کہ امام مالک علیہ الرحمہ تو اسی سال کے شہر ذوالحجہ کی آخری تاریخ تک طواف رکن کی ادائیگی ضروری کہتے ہیں، اس مہینے سے مؤخر کرے گا تو دم لازم ہو جائے گا۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۶۵۳)۔

لیکن بقیہ تینوں حضرات، چونکہ "لا نهاية لآخر وقتها" (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۶۵۳) کے قائل ہیں اس لئے لزوم دم کا حکم تو نہیں لگاتے مگر احناف شہر ذوالحجہ میں ادائیگی کو لازم کہتے ہیں، خواہ اسی سال کے ذوالحجہ میں کرے یا آئندہ کسی سال میں، جبکہ امام احمد و شافعی شہر ذوالحجہ کی بھی تخصیص نہیں کرتے، جب جس مہینے میں چاہے وہ طواف رکن ادا کرے گا حق النساء بھی حلال ہو سکتا ہے (ایضاً)۔

(ج) حکومت کی طرف سے یہ رکاوٹ وقوف عرفہ سے بھی پہلے سامنے آ جائے تو ظاہر ہے کہ حج کے دونوں ارکان (وقوف عرفہ اور طواف زیارت) معرض خطر میں آ گئے تو ایسا شخص یقیناً باصطلاح شریعت محصر کہا جائے گا، اور محصر حاجی کے لئے ایک راہ عمل تو تحلل بافعال العمرہ کا ہے جو یہاں حکومت کی پکڑ کے سبب ممکن ہی نہیں ہے تو اب وہ یہی کر سکتا ہے کہ کم از کم ایک دنبہ خرید کر حرم میں ذبح کرے یا بذریعہ وکیل وقت متعینہ پر ذبح کرائے اس کے بعد حلق کر کے احرام سے نکل آئے تو آئندہ قضا کرنی ہوگی (کما صرح فی کتب الفقہ)۔

غیر ملکی مقیم سعودی عربیہ کے لئے ایک خاص تخلص:

علامہ ابو قدامہ نے ایک فصل ذکر کر کے لکھا ہے:

"وإن شرط في ابتداء الإحرام أن يحل متى مرض أو ضاعت نفقته أو نفدت أو نحوه، أو قال إن حبسني حابس فمحلي حيث حبستني، فله التحلل متى وجد ذلك ولا شيء عليه لا هدي ولا قضاء ولا غيره، فإن للشرط تأثيراً في العبادات الخ" (المغني ۳/۲۷۷)۔

اور اگر کوئی شخص ابتدائے احرام میں شرط لگا دے کہ اگر بیمار ہوا یا خرچ ضائع ہو گیا یا ختم ہو گیا وغیرہ تو میں

احرام کھول دوں گا، یا کہا اگر مجھ کو کسی امر نے روکا تو جہاں روکا وہیں میرا احرام کھلے گا، تو ایسے شخص کو شرط کے پائے جانے پر حلال ہونے کا حق ہے اور اس پر کچھ واجب نہیں، نہ ہدی نہ قضاء اور نہ کچھ اور، یہ کہ شرط کا اثر عبادات میں بھی ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ ضباعہ بنت زبیر نے جناب رسول ﷺ سے عرض کیا کہ میں حج کا ارادہ رکھتی ہوں مگر ہوں میں مریضہ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"حجی واشترطی ان محلی حیث حبستنی"۔۔۔ اس حدیث اور "المغنی" کی مذکورہ بالا طویل عبارت سے تو اس کی دلیل ملتی ہے کہ اگر سعودیہ عربیہ میں مقیم غیر ملکی حضرات جنہیں بعض اوقات حکومت کی اجازت کے بغیر احرام حج باندھنے کے بعد رکاوٹ پیش آ جاتی ہے اور اسے حکومت پکڑ کر واپس بھیج دیتی ہے اور وہ عجب مخمصہ میں پڑ جاتے ہیں، ایسے لوگ ابتداء احرام ہی میں یہ شرط لگائیں کہ اگر حکومت کی طرف سے افعال حج کی ادائیگی اور تکمیل سے پہلے کوئی رکاوٹ آئی تو وہی وقت میرے حلال ہو جانے کا ہوگا تو پھر یہ لوگ کسی پریشانی وزیر باری کے بغیر حلق کر کے احرام سے نکل سکتے ہیں۔

علامہ ابن قدامہ نے اس مسئلہ میں کسی امام کا اختلاف بھی نقل نہیں کیا ہے۔ ہمارے خیال میں اس مسئلہ و تخلص کی دیگر دبستان فقہ کی روشنی میں تحقیق کر کے غور و بحث کرنا چاہئے اور اس فقہی سیمینار سے اجماعی فیصلہ ضرور ہونا چاہیے۔

۸۔ افعال حج میں سے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب کا ضروری ہونا صرف امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک ہے، امام مالک علیہ الرحمہ گرچہ رمی اور حلق کے مابین وجوب ترتیب اور اس کے فوات سے "دم" کے قائل ہیں، مگر کم از کم حلق و ذبح کے درمیان تو ترتیب ان کے یہاں بھی سنت ہی ہے۔

اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ذبح و حلق کے درمیان ترتیب کا مسنون ہونا ہی ائمہ ثلثہ اور احناف میں سے امام صاحبین کا اجماعی مسلک ہے (الشرح الکبیر مع المغنی ۳/۴۶۱)۔

دور حاضر میں ذبح و حلق کے درمیان ترتیب کی رعایت مختلف وجوہ و اسباب کی بنا پر واقعتاً مشکل ترین کام ہو چکا ہے۔ اس لئے ہمارے خیال میں حدیث رسول اللہ ﷺ "قال رجل حلقت قبل أن أذبح قال اذبح و لا حرج" کے ظاہر نص سے استفادہ کرتے ہوئے ائمہ ثلثہ اور صاحبین علیہم الرحمہ کے اجماعی مسلک کو اختیار کر کے مقلدین ابی حنیفہ حجاج کرام کو اس کے لئے گنجائش و اجازت ہونی چاہئے کہ اگر یہ حجاج قربانی کی ذمہ داری حکومت وقت کے طرف سے مجاز اداروں کے سپرد کر دینے کے بعد پہلے رمی کر لیں پھر حلق کرا لیں تو ان پر کوئی دم واجب نہ ہوگا خواہ واقعہ کے اعتبار سے یہ نیابتاً ذبح والا فعل رمی و حلق سے پہلے متحقق ہو یا بعد میں۔ "دفعاً للمشقۃ" ترک واجب تک کی رخصت خود فقہ حنفی میں بھی نظر آتی ہے۔

۹۔ جب آج کل عموماً حج تمتع ہی کیا جانا امر معروف بن چکا ہے تو جب تک آمر کی طرف سے صراحتاً حج افراد

کی تخصیص اور تمتع سے ممانعت نہ ہو "المعروف کالمشروط" کے قاعدہ سے مامور کے حق میں آمر کی طرف سے دلالۃً تمتع کی اجازت ہی سمجھی جائے گی۔ اس کے ساتھ ذیلی سوالات کے جوابات اس طرح ہوں گے:

(الف) آمر کی اجازت صریحہ سے حج بدل کرنے والا مامور تمتع کرسکتا ہے۔

(ب) آمر کی اجازت صراحتاً نہ ہو، مگر حاجیوں کا تمتع ہی کرنا معروف بن چکا ہو تب بھی وہ مامور اپنے حق میں دلالۃً اجازت تصور کرکے تمتع کرسکتا ہے۔

(ج) اگر مامور کو ظن غالب ہے کہ آمر ہمارے تمتع سے ناراض نہ ہوگا بلکہ اس کام کو جائز ہی سمجھے گا تب بھی صریح اجازت لئے بغیر وہ تمتع کرسکتا ہے۔

(د) دم تمتع تو بہر حال مامور کو اپنے مال سے ادا کرنا ہوگا، فقہ حنفی میں تو یہی صراحت ہے، بلکہ اگر صراحتاً یا دلالۃً کسی بھی قسم کی اجازت آمر کی طرف سے نہ ہو، افراد ہی کا اس نے حکم کیا ہو، تب تو احناف کے یہاں وہ مامور پورے مال کا ضامن بھی ہوگا، وہ مامور خواہ تمتع کرے یا قران (شامی ۲؍۲۳۷)۔

(ہ) جب آمر کی اجازت سے تمتع کی گنجائش ہو جاتی ہے تو احرام کے طویل ہونے اور کسی دشواری سے دوچار ہونے کا سوال ہی نہیں ہوسکتا۔

(و) اپنا حج فرض ادا کئے بغیر کوئی مر جائے تو امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے یہاں فرضیت حج ہی اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر وہ حج کرنے کی وصیت کر گیا ہوگا تو ترکہ کے ثلث سے اس وصیت کی تکمیل جہاں سے ممکن ہوگی کرائی جائے گی۔۔۔۔۔ لیکن اگر وہ وصیت بھی نہ کرسکا تو ظاہر ہے کہ اس کی طرف سے حج بدل کرانا محض تبرعاً وارث کی سعادت مندی ہوگی، اور اس صورت میں یہی ورثہ آمر بنیں گے، اور اگر ورثہ ہی حج بدل پر جانے والے کو صراحتاً یا دلالۃً تمتع کی اجازت دیدیں گے تو میت کی جانب سے تمتع بھی کیا جاسکتا ہے۔

اور امام شافعی اور امام احمد کے یہاں چونکہ موت سے حج فرض ساقط نہیں بلکہ اس کے ذمہ قرض رہ جاتا ہے اسلئے اس کی ادائیگی پورے مال سے کرانی ورثہ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ (المغنی ۳؍۱۹۶)۔

لیکن حج افراد سے بھی نفس فریضہ کی ادائیگی ہو جاتی ہے، اس لئے ہمارا قیاس یہ ہے کہ ان دونوں امام کے یہاں پورے مال سے حج افراد ہی کرانا ورثہ کی ذمہ داری ہوگی، لیکن مال میں وسعت ہو اور ورثہ راضی ہوں تو ورثہ کی اجازت سے تمتع کی گنجائش بھی ہوسکتی ہے۔ ویسے امام شافعی اور امام احمد علیہما الرحمہ کا معروف مسلک تو یہی ہے کہ آمر کی اجازت کے بغیر تمتع کیا جاسکتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۱۰۔ (الف) حج کرنے والی خاتون حیض ونفاس کے سبب طواف زیارت نہ کرسکے اور اس کے لئے مکہ میں

ٹھہر کر پاک ہونے کا انتظار کرنا کسی سبب سے ممکن نہ ہے اور نہ دوبارہ وطن سے واپس آ کر اس رکن کی ادائیگی کا تصور کیا جا سکے تو ایسی خاتون کے لئے اسی ناپاکی کی حالت میں ہی طواف زیارت کر لینے کی گنجائش ہوگی۔

(ب) بحالت ناپاکی طواف زیارت کر لینے سے رکن حج ادا ہو جائے گا مگر جبر النقصان دم لازم آئے گا۔

(ج) یہ جنابت (ناپاکی) چونکہ غلیظ ہے اسلئے بدنہ ہی لازم آئے گا بکری واجب کافی نہ ہوگا۔

(د) مقام ذبح کا حرم میں ہونا متعین اور ضروری ہے، خارج حرم کسی بھی دم کی ادائیگی صحیح نہیں ہوتی (بحر الرائق ۳/ ۵۷)۔

۱۱۔ سفر حج وعمرہ میں کوئی خاتون یا تو اپنے کسی محرم کے ساتھ ہوگی یا خود شوہر ہی اس کے ساتھ ہوگا، پھر احرام سے پہلے یا احرام حج کے بعد شوہر کی وفات کے سبب اس پر عدت وفات لازم آ جائے تو چونکہ عدت وفات فی منزل الزوج گذارنی ضروری ہے اور پوری مدت عدت میں گھر سے نکلنا بلا عذر جائز نہیں، اس لئے ایسی خاتون کو شوہر کے گھر تک واپسی پر اور گھر ہی میں رکنے پر شرعاً مامور و مکلف سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ دوران سفر احرام سے پہلے عدت وفات لازم آ جائے تو فقہ حنفی میں "رجوع إلى منزل الزوج" (شوہر کے گھر کو لوٹنا) یا "مضى إلى المقصد" (مقصد کی طرف بڑھنا) میں سفر شرعی کی مسافت ہونے نہ ہونے کے ساتھ محرم کے ہونے نہ ہونے اور پھر اس مقام کے صحرا اور آبادی ہونے کے علاوہ وہاں ہی مقیم ہو کر عدت گذارنا ممکن ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ، اختلاف احوال و مقام کی مختلف صورتوں میں مختلف احکام مذکور ہیں جن میں سے بعض صورت کے خروج وانتقال مکانی کی توجیہ "ليس بابتداء الخروج معنى" سے کی جاتی ہے تو بعض صورت میں عذر وحشت اور مسافرت وغربت کے سبب حتو قعہ اذیت کا نکتہ پیش کر کے کہا جاتا ہے:

إن التربص على المعتدة في منزلها إن كان واجبا لكن يجوز الانتقال بعذر (ہدایہ ثانی/ ۴۲۹)۔

معتدہ اپنے گھر کے اندر رہنا اگرچہ واجب ہے مگر عذر کی وجہ سے منتقل ہونا جائز ہے۔

اور اگر یہ عدت وفات خاتون پر احرام حج کے بعد لازم آئے تو احناف اسے محصر کے حکم میں داخل کر دیتے ہیں:

او احرمت ولا محرم معها لكن معها زوجها فمات زوجها فإنها محصرة هكذا في البدائع (ہندیہ ۱/ ۲۵۵)۔

اس کا حاصل یہی نکلا کہ عورت محرمہ عدت وفات میں حج یا عمرہ نہیں کر سکتی، محصر کی طرح ہدی ذبح کر کے یا بذریعہ وکیل متعین وقت پر کرا کے قصر کر کے احرام کھول دے۔

لیکن علامہ ابن قدامہ نے المغنی ۹/ ۱۸۰ میں لکھا ہے:

إن مات زوجها بعد إحرامها بحج الفرض .... فإن كان وقت الحج متسعاً ولا تخاف فوته ولا فوت الرفقة لزمها الاعتداد في منزلها لأنه لمكن الجمع بين الحقين فلم يجز إسقاط أحدهما، وإن خشيت فوات الحج لزمها المضي فيه وبهذا قال الشافعي، وقال أبو حنيفة يلزمها المقام وإن فاتها الحج لأنها معتدة فلم يجز لها أن تنشئ سفراً.

عورت نے حج فرض کا احرام باندھا اس کے بعد شوہر مر گیا تو اگر وقت میں وسعت ہو اور عورت کو حج کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو اور نہ ساتھیوں کے فوت ہونے کا تو گھر میں عدت گذارنا لازم ہے، اس لئے کہ دونوں حقوق کے درمیان جمع کرنا ممکن ہے تو کسی کو ساقط کرنا جائز نہیں ہے اور اگر حج کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو سفر کا جاری رکھنا لازم ہے، یہی امام شافعی کا قول ہے اور امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ فوت کا خوف ہو تب بھی گھر میں رہنا لازم ہے اس لئے کہ وہ معتدہ ہے جس کے لئے سفر کرنا درست نہیں ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرات شوافع و حنابلہ کے یہاں وقت میں وسعت ہو اور قافلہ کا ساتھ بھی چھوٹ رہا ہو تو عدت گذار کر حج کرے گی ورنہ دوران عدت ہی حج کر سکتی ہے۔

علامہ ابن قدامہ نے مذکورہ بالا عبارت میں امام ابوحنیفہ کا مسلک نقل کرنے کے بعد ان کی جو دلیل بیان کی ہے اس میں "فلم يجز لها أن تنشئ سفراً" کا لفظ تحقیق طلب ہے۔

کہ سفر سے مراد مطلق خروج عن البیت ہے یا سفر شرعی، اگر سفر شرعی مراد ہے تو اس کا ایک نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ بلا سفر شرعی کے اگر وہ معتدہ وہاں حج کر سکتی ہے تو غالباً علمائے احناف بھی معتدہ حج ادا کر سکتی، بظاہر اس مراد کی تائید (ہدایہ ۲/۴۲۴) کے حاشیہ ۹ سے ہو جاتی ہے جس میں "عینی" کے حوالے سے لکھا ہے "خروج المعتدة مادون السفر مباح" (سفر شرعی سے کم کے لئے معتدہ کا نکلنا درست ہے)۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ خود متن ہدایہ میں تحریرات "زوجها في مصر" کی صورت میں محرم کے ہوتے ہوئے بھی مصر سے نکلنے نہ نکلنے کے جواز و عدم جواز کے متعلق امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے، اس مسئلہ میں امام صاحب کی دلیل کے ضمن میں صراحت ہے کہ "ليس للمعتدة ذلك (أي خروج إلى مادون السفر)"

۔۔۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "المغنی" کی عبارت بالا میں "سفر" سے مراد سفر معنوی ہی ہے یعنی مطلق خروج عن البیت۔

۱۲۔ مکہ اور منیٰ چونکہ پہلے سے دو مستقل مقام کی حیثیت سے دو ناموں کے ساتھ موسوم ہے اور آج بھی گرچہ آبادیوں کے پھیلاؤ کے سبب دونوں جگہیں تقریباً مل چکی ہیں تاہم دونوں کا نام الگ الگ ہے اور عام معروف اور عوام و خواص کی زبانوں پر ہے اور اب تک کوئی ان دونوں کی آبادیوں کے مربوط اتصال کے باوجود دونوں مقام کو ایک نہیں سمجھتا۔ یہ دونوں ایک ہی نام سے جانے پہچانے کا عرف ہی ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ دونوں جگہیں الگ الگ دو مستقل مقام ہی سمجھے جائیں گی۔

اس لئے مکہ مکرمہ میں مسلسل پندرہ دنوں تک مسلسل رات گذارتے ہوئے قیام کی نیت کے ساتھ اگر نہیں ٹھہرے گا تو وہ مقیم نہیں ہو سکے گا۔ آج کل مکہ مکرمہ میں پندرہ دنوں کے قیام سے پہلے ہی منیٰ وغیرہ کی طرف حجاج روانہ ہو جاتے ہیں تو ایسے حاجی حضرات مقیم نہیں مسافر ہی رہیں گے۔

لو نوی الإقامة خمسة عشر یوماً فی موضعین فإن کان کل منهما أصلاً بنفسه نحو مكة ومنیٰ .... لا یصیر مقیماً. (ہندیہ ۱/۱۴۰ ، شامی ۱/۵۲۸)۔

اگر پندرہ دن قیام کا ارادہ ہو دو جگہوں میں اور ان میں سے ہر ایک مستقل ہو، جیسے مکہ و منیٰ تو مقیم نہیں ہوگا۔
ممکن ہے کہ آئندہ کبھی آج کا عرف بدل جائے اور مکہ و منیٰ کی آبادیوں کے اتصال کی بنا پر دونوں جگہیں ایک ہی نام سے معروف و مشہور ہو جائیں اور ایک ہی آبادی کے دو محلے سمجھے جانے لگیں تو پھر حکم بدل بھی سکتا ہے۔

۱۴۔ رمضان المبارک میں عمرہ کے لئے جانے والے اور سعودیہ عربیہ میں مقیم دیگر تمام احناف کے لئے میں جائز اور مناسب یہی سمجھتا ہوں کہ وہ مسجد حرمین کے ان اماموں کے اقتداء ہی میں باجماعت نماز وتر ادا کریں، جو وتر کو فصل کے ساتھ یعنی دو رکعت پر سلام کر کے ادا کرتے ہیں۔

اس مسئلہ میں حضرت انور شاہ، کشمیری علیہ الرحمہ کی تحقیق کو میں قول فیصل، اقرب إلی الحق والصواب تسلیم کرتے ہوئے قابل قبول اور لائق عمل مانتا ہوں۔

علامہ شامی (۱/۳۷۸، ۴۲۹) نے مختلف فی الفروع امام و مقتدی یعنی ایک امام کے مقلدوں کی اقتداء دوسرے امام کے مقلدین کے لئے جائز ہے یا ناجائز، اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی جگہ موجود ہے اور ساری بحثیں اور تفصیلات یقیناً حضرت شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمہ کی نظر میں تھیں، بایں ہمہ مختصراً ان تفصیلات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

قلت والذی تحقق عندی أنه (أی الاقتداء) صحیح مطلقاً .... فإنی لا أجد أحداً من السلف إذا دخل فی المسجد أنه تفقد أحوال الإمام أو تسئل عنه، بید أنهم یقتدون وینصرفون إلی بیوتهم بلا سؤال و جواب........ وکان شیخنا شیخ الهند محمود الحسن أیضاً یذهب إلی مذهب الجصاص "۔

مذکورہ بالا اقتباس سے بالکل صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام و مقتدی میں فروعی اختلاف جیسا بھی ہو، ایک دوسرے کی اقتداء ہر حال میں جائز اور درست ہے، یہی اسلاف کا تعامل و توارث تھا، علامہ جصاص کا مسلک بھی یہی تھا اور یہی مختار و پسندیدہ شیخ الہند کا بھی تھا۔

اور بات سچ یہی ہے کہ کوئی بھی مقلد دوسرے مقلد کی کسی بھی طریقہ پر ادا کی ہوئی کسی نماز کو قطعی باطل اور غیر صحیح نہیں کہہ سکتا۔

☆☆☆☆☆

حج اور عمرہ سے متعلق چند اہم مسائل

مولانا نور الحق رحمانی

۱۔ حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور ضرورت سے حرم مکی میں داخلہ کا حکم:

جو لوگ حج یا عمرہ کے ارادہ سے حرم مکی میں داخل ہونا چاہیں ان کے لئے تو تمام ائمہ وفقہاء کے نزدیک میقات سے احرام باندھ کر داخل ہونا ضروری ہے، لیکن جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات، مریض کی عیادت یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ میں یا حرم مکی کے حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو جمہور ائمہ (احناف، مالکیہ اور حنابلہ) کے نزدیک ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ احرام باندھ کر میقات سے آگے بڑھیں۔ حضرت امام شافعی مشہور قول کی رو سے ایسے لوگوں کے لئے احرام کو مستحب قرار دیتے ہیں، لازم قرار نہیں دیتے، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد لقوله عليه الصلاة والسلام: لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما (الهدایہ مع الفتح ۴۲۵/۲_۴۲۶)

پھر جب آفاقی ان میقات تک پہنچے اور مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ احرام باندھ لے خواہ حج یا عمرہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

وقد اختلف في جواز المجاوزة لغير عذر فمنعه الجمهور وقالوا لا يجوز إلا بإحرام من غير فرق بين من دخل لأحد النسكين أو لغيرهما و من فعل أثم و لزمه دم، وروى عن ابن عمر والناصر وهو الأخير من قولي الشافعي وأحد قولي أبي العباس أنه لا يجب الإحرام إلا على من دخل لأحد النسكين لا على من أراد مجرد الدخول (نیل الاوطار ۳۰۷/۴)۔

بغیر کسی عذر کے میقات سے تجاوز کرنے کے جواز کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ جمہور اس کے ممنوع ہونے کے قائل ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ احرام کے بغیر آگے بڑھنا جائز نہیں۔ ان کے نزدیک اس میں کوئی تفریق نہیں ہے کہ حج وعمرہ میں سے کسی عبادت کے لئے داخل ہو رہا ہے یا کسی اور مقصد سے۔ اور جو شخص احرام کے بغیر میقات سے آگے بڑھے گا گنہگار ہوگا اور اس پر دم واجب ہوگا۔ اور ابن عمر اور ناصر سے مروی ہے اور امام شافعی کا آخری قول یہی ہے اور ابو العباس کا ایک قول یہی ہے کہ احرام صرف اس شخص پر واجب ہے جو دونوں عبادتوں میں سے کسی ایک کے لئے داخل ہو، اور جو شخص محض داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے اس پر احرام واجب نہیں ہے۔

المہذب میں ہے:

ومن حج أو اعتمر حجة الإسلام و عمرته ثم أراد دخول مكة لحاجة... وإن كان دخوله لتجارة أو زيارة ففيه قولان (أشهرهما) أنه لا يجوز أن يدخل إلا لحج أو عمرة. والثاني أنه يجوز (المہذب مع المجموع ۷/۱۷)۔

جو شخص اسلامی حج اور عمرہ کرے پھر کسی ضرورت سے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے... تو اگر اس کا داخلہ تجارت یا ملاقات کی غرض سے ہو تو اس سلسلے میں (امام شافعی کے) دو قول ہیں، زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ حج یا عمرہ کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے۔

امام شافعی کے زیادہ مشہور اور صحیح قول کے سلسلے میں بھی اختلاف ہے، صاحب مہذب نے تو وجوب ہی کے قول کو اشہر قرار دیا ہے، البتہ علامہ نووی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ ابن القاص، مسعودی، بغوی اور دوسرے حضرات نے وجوب کو صحیح قرار دیا ہے اور شیخ ابو حامد اور ان کے اصحاب، شیخ ابو محمد جوینی، غزالی اور اکثر لوگوں نے استحباب کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام شافعی کی عام کتابوں میں اسی کی صراحت ہے۔ اس قول کی بنیاد پر ایسے لوگوں کے لئے بغیر احرام کے حرم میں داخل ہونا مکروہ ہے (المجموع شرح المہذب ۷/۱۰)۔

بہرحال امام شافعی کا مشہور اور راجح قول احرام کے استحباب کا ہے۔ جو حضرات کہ ایسے لوگوں کے لئے احرام کے بغیر میقات سے تجاوز کرنے کو جائز نہیں کہتے ان کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت ہے:

عن ابن عباس أن النبي ﷺ قال: لا يجاوز الوقت إلا بإحرام (فتح القدیر ۲/۳۲۶ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ والطبرانی)۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میقات سے بغیر احرام کے تجاوز نہ کیا جائے۔

یہ روایت مختلف طرق سے الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ (مصنف ابن ابی شیبہ، طبرانی، بیہقی ۵/۲۹، کتاب الاصل شافعی ۲/۱۷۰ وغیرہ میں) مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے۔ کسی روایت میں "لا يدخل أحد كم مكة إلا محرما ورخص للحطابين" اور کسی میں "لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما" کے الفاظ ہیں۔

جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں عام حکم دیا گیا ہے کہ کوئی شخص بغیر احرام کے میقات سے تجاوز نہ کرے۔ اس میں حج اور عمرہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ لہذا یہ حکم ہر داخل ہونے والے کے لئے عام ہوگا۔ جمہور ائمہ میں سے امام مالک اور امام احمد بن حنبل نے لکڑی فروش جیسے ضرورت مندوں کو جنہیں بار بار حدود حرم میں آنے کی ضرورت پیش آتی ہے اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے دوسری عقلی دلیل یہ پیش کی ہے کہ میقات سے احرام کا وجوب بیت اللہ اور اس مقدس سرزمین کی تعظیم کے لئے ہے، اور تعظیم ہر داخل ہونے والے کے لئے ضروری ہے۔ خواہ کوئی حج و عمرہ کی نیت سے جائے

یا تجارت اور ملاقات وغیرہ کی غرض سے۔ واضح رہے کہ میقات سے احرام باندھنا حج کی شرط نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو مکہ یا میقات کے اندر رہنے والوں کو حکم دیا جاتا کہ وہ میقات جا کر حج کا احرام باندھ کر آئیں جبکہ ایسا نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ میقات سے احرام کا حکم اس مقدس خطہ کی تعظیم و تکریم کی خاطر ہے، اور اس علت میں داخل ہونے والے تمام لوگ برابر ہیں اس لئے احرام سب کے لئے واجب ہوگا۔

حضرت امام شافعی راجح قول کی رو سے حج و عمرہ کے علاوہ دیگر مقاصد کے تحت حرم مکی میں داخل ہونے والوں کے لئے احرام کو مستحب کہتے ہیں لازم نہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوئے تھے۔

عن جابرؓ أن النبی ﷺ دخل یوم فتح مکة و علیه عمامة سوداء بغیر إحرام (رواہ مسلم والنسائی)۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ فتح مکہ کے دن بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔

پتہ چلا کہ حج و عمرہ کے علاوہ کسی اور مقصد سے کوئی مکہ میں داخل ہو تو اس پر احرام واجب نہیں ہے۔ ان کی دوسری دلیل مسلم شریف کی وہ روایت ہے جس میں آنحضور ﷺ نے اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لئے جحفہ، اہل نجد کے لئے قرن، اور اہل یمن کے لئے یلملم کو میقات قرار دیا ہے، اور آگے فرمایا:

فهن لهن ولمن اتی علیهن من غیر أهلهن ممن أراد الحج و العمرة (مسلم، کتاب الحج، باب مواقیت الحج)۔

پس یہ میقات ان مقامات والوں کے لئے ہیں اور اسی طرح باہر کے ان لوگوں کے لئے ہیں جو ان سے ہو کر گزریں، ان لوگوں کے لئے جو حج و عمرہ کا ارادہ کرتے ہوں۔

علامہ نووی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

فیه دلالة للمذهب الصحیح فیمن مرّ بالمیقات لا یرید حجاً و لا عمرة أنه لا یلزمه الإحرام لدخول مکة (نووی علی المسلم ر ص ۳۲۲)۔

یہ حدیث مذہب صحیح پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص میقات سے گزرے اور حج و عمرہ کا ارادہ نہ ہو تو اس پر مکہ میں داخل ہونے کے لئے احرام ضروری نہیں ہے۔

جمہور کی طرف سے دلیل حدیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضور ﷺ کا بغیر احرام کے داخل ہونا حضور ﷺ کی خصوصیت تھی، جیسا کہ خود حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے:

"مکة حرام لم تحل لأحد قبلی و لا لأحد بعدی وانما حلت لی ساعة من نهار ثم عادت حراماً"۔

مکہ حرام ہے، وہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا ہے اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا، اور میر ے لئے بھی وہ دن کی ایک گھڑی میں حلال ہوا تھا پھر پہلے کی طرح حرام ہو گیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ اس دن صرف حضور ﷺ کے لئے حلال کیا گیا تھا۔ یہ آپ کی خصوصیت تھی آپ سے پہلے یا آپ کے بعد اب کسی کے لئے حلال نہیں ہے یعنی بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا۔ قتال اور جہاد کی غرض سے مکہ میں داخل ہونا بغیر احرام کے بالاجماع جائز ہے (فتح القدیر۔ فصل فی المواقیت ۲ / ۳۴۷) معلوم ہوا کہ قتال اور جہاد حلت کی علت نہیں تھی وہ تو سب کے لئے ہے اس میں آنحضور ﷺ کی کیا خصوصیت ہے۔

امام شافعیؒ نے اپنی مسند میں ابو الشعثاء سے یہ روایت بھی نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ جن لوگوں کو بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرتے ہوئے دیکھتے تھے ان سے واپس کر دیتے تھے (فتح القدیر) صاحب فتح القدیر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ "امام محمد نے فرمایا کہ ہمیں حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ خبر پہونچی کہ حضرت عمرؓ مکہ سے قدید کی طرف نکلے پھر وہاں سے مکہ واپس ہوئے اور فرمایا: اسی طرح کوئی اگر کسی ضرورت سے مکہ سے نکلے اور میقات تک پہونچ جائے لیکن اس سے آگے نہ بڑھے تو وہ وہاں سے بغیر احرام کے مکہ لوٹ سکتا ہے، لیکن اگر وہ میقات سے تجاوز کر جائے تو پھر اس کے لئے درست نہ ہوگا کہ وہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہو (حوالہ سابق)۔

۲۔ اب آگے بار بار پیش آنے والی ضرورت کی بنیاد پر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا مسئلہ ہے جس کا سوال نامہ میں تذکرہ ہے۔ یعنی تجارتی مقاصد کے لئے جو اہل مکہ کو حدود حرم سے باہر بار بار آنے جانے یا ٹیکسی ڈرائیور کو جو مکہ وجدہ اور مکہ و مدینہ وغیرہ کے درمیان آمد و رفت کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی طرح تجارتی سامان لانے اور لے جانے والے ملازمین اور تجارتی کمپنیوں کے ایجنٹوں کو بار بار حدود حرم کے اندر باہر آمد و رفت کرنی پڑتی ہے اور تقریباً روزانہ اور کبھی کبھی ایک سے زائد مرتبہ حرم مکی میں آنا جانا پڑتا ہے تو فقہ حنفی کی تصریحات کی رو سے ایسے لوگوں کے لئے بھی میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کرنا جائز نہیں صرف وہ لوگ جو داخل میقات ہیں وہ بغیر احرام کے آمد و رفت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

(ومن كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته) لأنه يكثر دخوله مكة ، وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بين فصار كأهل مكة حيث يباح لهم الخروج منها ثم دخولها بغير إحرام لحاجتهم (الهدايہ مع الفتح ۲ / ۳۴۷)۔

اور جو شخص میقات کے اندر ہو وہ اپنی ضرورت سے بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہو سکتا ہے، کیونکہ مکہ میں اس کا داخلہ کثرت سے ہوتا ہے، اور ہر مرتبہ احرام کے واجب کرنے میں کھلا ہوا حرج ہے۔ لہذا وہ مکہ والوں کی طرح ہو گیا جن کے لئے اپنی ضرورت سے مکہ سے نکلنا پھر مکہ میں داخل ہونا بغیر احرام کے جائز ہے۔

اور صاحب عنایہ اس کے ذیل میں لکھتے ہیں:

والأصل أنه ﷺ خص للحطابين دخول مكة بغير إحرام (العنايہ مع الفتح ۲ / ۳۴۷)۔

اور اصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکڑی بیچنے والوں کو بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونے کی رخصت دی ہے۔

البتہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایسی ضرورت کے تحت بغیر احرام کے داخلہ کی اجازت میقات سے باہر رہنے والوں کے لئے بھی ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی حج وعمرہ کی نیت سے ان میقاتوں سے گزرنے والوں کے لئے بالاتفاق احرام کے لازم ہونے کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وأما من لم يردهما و مرّبها فقال قوم: كل من مرّبها يلزمه الإحرام إلا من يكثر تردادہ مثل الحطابين و شبههم وبه قال مالك (بدایۃ المجتہد ۱/۲۴۳)۔

بہر حال جو شخص کہ حج وعمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور وہ ان میقاتوں سے گزرے تو اس کے لئے احرام لازم ہے سوائے ان لوگوں کے جن کی آمدورفت بار بار ہوتی ہے مثلاً لکڑی بیچنے والے اور ان کے مشابہ لوگ۔ امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں۔

اور المدونۃ الکبری میں ہے:

وقال مالك: ولا أرى بأسا لأهل الطائف وأهل عسفان وأهل جدة الذين يختلفون بالفاكهة و الحنطة وأهل الحطب الذين يحتطبون ومن أشبههم لا أرى بأسا أن يدخلوا مكة بغير إحرام لأن ذلك يكثر عليهم (المدونۃ الکبری ۱/۳۷۸)۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ طائف، عسفان اور جدہ کے وہ لوگ جو میوے اور گندم لے کر بار بار آتے ہیں اور لکڑی والے اور ان کے مشابہ لوگ، تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ وہ بغیر احرام کے داخل ہوں، کیونکہ یہ چیز (یعنی احرام کی پابندی) ان کے لئے پریشانی کا باعث ہوگی۔

ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

ولا يجوز لمن أراد دخول مكة تجاوز الميقات بغير إحرام إلا لقتال مباح أو حاجة متكررة كالحطاب ونحوه (المقنع ۱/۳۹۰)۔

جو شخص مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کرنا جائز نہیں الا یہ کہ جائز لڑائی کے لئے یا بار بار پیش آنے والی ضرورت کے تحت کوئی داخل ہو، جیسے لکڑی بیچنے والا وغیرہ۔

اور حضرت ابن عباسؓ کی ایک موقوف روایت میں جمالین اور حطابین کا استثناء موجود ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ایسے ضرورتمند لوگ میقات کے باہر سے بھی بغیر احرام کے داخل ہو سکتے ہیں:

وروى حرب عن ابن عباسؓ لا يدخل إنسان مكة إلا محرما إلا الجمالين و الحطابين وأصحاب منافعها (الشرح الکبیر شرح المقنع ۱/۳۹۵)۔

حرب نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ احرام کے بغیر کوئی شخص مکہ میں داخل نہ ہو سوائے اونٹ لے جانے والوں اور لکڑی بیچنے والوں اور ان کے منافع کے مالکوں کے لئے۔

پس جس ضرورت اور علت کی بنیاد پر میقات کے اندر رہنے والوں کو احرام کے بغیر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی اجازت فقہ حنفی میں دی گئی ہے، آج کے حالات نے وہی ضرورت سوال نامہ میں مذکور اہل حاجت یعنی ٹیکسی ڈرائیور، تجارتی سامان لانے لے جانے والوں اور تجارتی کمپنیوں کے ایجنٹوں کے لئے (جنہیں بار بار حدود حرم کے اندر آمد ورفت کرنی پڑتی ہے) پیدا کردی ہے لہذا علت کے اشتراک کی بنیاد پر یہاں بھی بغیر احرام کے انہیں داخلہ کی اجازت دینی ہوگی، اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے مسلک کی بنیاد پر ایسے ضرورت مندوں کے لئے بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنے اور حدود حرم میں داخل ہونے کا فتوی دینا ہوگا، ورنہ حرج اور مشقت لازم آئے گی جبکہ اللہ نے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔"وما جعل علیکم فی الدین من حرج" (سورۃ الحج) اور فقہ اسلامی کے مشہور قاعدے ہیں: الحرج مدفوع، والضرر یزال، والمشقۃ تجلب التیسیر، اور کلما ضاق اتسع۔

اس لئے دفع حرج، رفع مشقت اور ازالہ ضرر کے لئے ایسے حاجت مندوں کو احرام کے بغیر میقات سے تجاوز کرنے کی اجازت دینی ہوگی، اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع اور قران کا حکم:

مکہ مکرمہ میں مقیم شخص خواہ وہ مکہ کا باشندہ ہو یا تجارت وملازمت وغیرہ کے سلسلے میں وہاں مقیم ہو اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لئے حج کے مہینوں کے شروع ہوجانے کے بعد عمرہ کرنا احناف کے نزدیک درست نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں مکی کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش احناف کے نزدیک نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ (مالکؒ، شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک مکی کے لئے تمتع اور قران بلا کراہت درست ہے (فقہ السنۃ ۱/۶۵۹) اور اس کی وجہ سے اس پر کوئی دم (دم تمتع یا دم جنایت) واجب نہیں۔

احناف کے نزدیک اگر مکی تمتع اور قران کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا اور اس کی وجہ سے اس پر دم لازم آئے گا، اور چونکہ یہ دم دم جنایت ہے اس لئے اس سے خود نہیں کھا سکتا۔ اس کے مستحق فقراء ومساکین ہیں۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالی نے تمتع کا ذکر کیا ہے وہاں اخیر میں اس کی صراحت کردی ہے کہ یہ سہولت مسجد حرام کے باہر رہنے والوں یعنی آفاقیوں کے لئے ہے۔

فمن تمتع بالعمرۃ إلی الحج فما استیسر من الهدی، فمن لم یجد فصیام ثلاثة أیام فی الحج وسبعة إذا رجعتم، تلک عشرة کاملة، ذلک لمن لم یکن أهله حاضری المسجد الحرام (البقرہ ۱۹۶)۔

اس آیت میں تمتع سے مراد تمتع اصطلاحی نہیں ہے بلکہ ایک سفر میں حج وعمرہ کو جمع کرکے فائدہ اٹھانا مراد ہے

جس میں تمتع اور قران دونوں داخل ہیں۔ اس آیت کے اخیر میں فرمایا گیا "ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام" یعنی ایک ساتھ حج وعمرہ دونوں سے انتفاع کی سہولت اور گنجائش ان لوگوں کے لئے ہے جو مسجد حرام کے قریب رہنے والے نہ ہوں۔

اور حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ "ذلک" کا مشار الیہ ہدی ہے جو قریب ہے، اور مطلب یہ ہے کہ تمتع اور قران کرنے کی وجہ سے دم تمتع یا اس کا بدل یعنی روزہ ان لوگوں پر لازم ہے جو باہر سے آتے ہیں، کیونکہ ان پر واجب تھا کہ حج کا احرام میقات سے باندھتے مگر جب انہوں نے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا احرام میقات سے نہیں باندھا تو اس کی وجہ سے حج میں خلل پیدا ہوا جس کی تلافی شریعت نے دم کے ذریعہ کرائی، اور مکی کے لئے میقات سے حج کا احرام باندھنا واجب نہیں ہے اس لئے اگر وہ تمتع کرے تو اس کی وجہ سے اس کے حج میں کوئی خلل پیدا نہ ہوگا، اس بناء پر نہ اس پر ہدی واجب ہوگی نہ اس کا بدل یعنی دس دنوں کا روزہ (التفسیر الکبیر ۱۳۵/۳)۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں امام شافعی کے مسلک کی پرزور وکالت کی ہے اور احناف کے دلائل کا جواب دیا ہے، لیکن شوافع کا استدلال چند وجوہ سے کمزور معلوم ہوتا ہے:

اول: یہ کہ ذلک اسم اشارہ بعید ہے، یہ ضمیر نہیں ہے جس کا قریب مرجع تلاش کیا جائے اور جسے زیادہ قریب کی طرف لوٹانا بہتر ہو۔ ذلک جب اسم اشارہ بعید ہے تو ابعد کو اس کا مشار الیہ قرار دینا بہتر ہے، اور وہ تمتع اور قران ہے جو "فمن تمتع" سے سمجھ میں آرہا ہے، نہ کہ ہدی جو کہ قریب ہے۔

دوم: نظم کلام سے بھی یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ذلک کا مشار الیہ تمتع ہے نہ کہ ہدی، کیونکہ "ذلک لمن" کہا گیا "ذلک علی من" نہیں کہا گیا ہے، "لام" انتفاع کے لئے آتا ہے اور "علی" الزام کے لئے، یہ بھی اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ذلک کا مشار الیہ تمتع ہے، جس میں حاجی ایک سفر سے حج وعمرہ دونوں کا شرف اور فائدہ حاصل کرتا ہے، اگر اس کا مشار الیہ ہدی ہوتا تو اس کے لئے "ذلک علی من" کی تعبیر مناسب تھی، کیونکہ ہدی تو اس پر لازم ہو رہی ہے۔

سوم: یہ کہنا کہ ذبح ہدی کا حکم اس نقص اور خلل کی تلافی کے لئے ہے جو میقات سے احرام نہ باندھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے صحیح معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ کسی عبادت میں نقص اور خلل تو حکم شرعی کی خلاف ورزی سے پیدا ہوتا ہے اور تمتع کی اجازت جب خود اللہ اور اس کے رسول نے دی تو پھر اس میں خلل پیدا ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ قرآن میں تمتع کی اجازت تو اسی آیت سے ثابت ہے اور حدیث میں ابن عباسؓ کی روایت صحیحین میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ مکہ پہنچنے کے بعد جو صحابہ اپنے ساتھ ہدی نہیں لائے تھے انہیں حکم دیا کہ عمرہ کر کے احرام سے حلال ہو جائیں پھر آٹھویں ذی الحجہ کو آپ نے ان صحابہ کو حج کا احرام باندھنے کا حکم دیا، اور اس طرح انہوں نے حج وعمرہ کو جمع کیا۔ تو اگر آفاقی کے حج کا احرام مکہ سے باندھنے سے حج میں کوئی خلل پیدا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ بھلا انہیں یہ حکم کیونکر دے سکتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے جو بھی حکم دیا وہ اللہ ہی کی طرف سے تھا اس لئے اس میں کسی نقص اور خلل کا سوال

ہی پیدا نہیں ہوتا۔

چہارم: اگر دم تمتع و قران دم جنایت ہے جو آفاقی پر میقات سے احرام نہ باندھنے کی وجہ سے ہے تو اس کا وجوب صرف متمتع پر ہونا چاہئے قارن پر نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اس نے تو حج کا احرام بھی میقات سے باندھا ہے۔ پھر تو اس کے حج میں کوئی خلل لازم نہیں آیا کہ جس کی وجہ سے دم کے ذریعہ اس کی تلافی کرائی جائے، جبکہ دم جس طرح متمتع پر ہے اسی طرح بالاتفاق قارن پر بھی ہے۔

پنجم: اگر تمتع کی وجہ سے حج میں خلل پیدا ہوتا ہے کہ متمتع کے حج کا احرام میقات سے نہیں ہو پاتا تو ایسی صورت میں وہ حج افراد سے افضل نہیں ہو سکتا جس میں وہ خلل نہیں ہوتا ہے، جبکہ امام شافعی تمتع کو نہ صرف افراد بلکہ قران سے بھی افضل قرار دیتے ہیں۔ ان کے اصول کی رو سے پھر تمتع کے قران اور افراد سے افضل ہونے کا قول ناقابل فہم ہے، اس لئے راجح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ دم تمتع اور قران دم شکر ہے جو ایک سفر اور ایک سال میں دو عبادتوں کی توفیق اور دو عبادتوں کو جمع کرنے کے شکرانے میں اس پر شارع نے لازم کیا ہے، اس لئے اس سے اس کا کھانا بھی جائز ہے۔ راجح قول کی رو سے رسول اللہ ﷺ قارن تھے اور آپ نے اپنی ہدی کا گوشت تناول فرمایا۔ دم جبر اور جنایت سے کھانا جائز نہیں، وہ صرف مسکینوں کا حق ہے، اور پھر جو عمل شارع کی اجازت اور حکم سے ہو اس میں نقص، خلل اور جنایت کا کیا سوال؟ حضرت ابن عباس کی روایت کا ترجمہ ہم ذیل میں نقل کر رہے ہیں جس سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے حج کی نوعیت واضح ہوتی ہے، اور اس کا پتہ چلتا ہے کہ حج تمتع اور قران کا حکم صرف آفاقیوں کے لئے ہے مکیوں کے لئے نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان سے حج تمتع کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مہاجرین و انصار اور ازواج مطہرات نے حجۃ الوداع میں احرام باندھا اور ہم نے بھی احرام باندھا، پھر جب ہم مکہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے احرام کو عمرہ بنالو سوائے ان لوگوں کے جو ہدی ساتھ لائے ہیں، چنانچہ ہم نے بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف کیا اور عورتوں کے پاس آئے اور (سلے ہوئے) کپڑے پہنے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ قربانی کا جانور ساتھ لائے ہیں ان کے لئے حلال ہونا جائز نہیں یہاں تک کہ ہدی اپنے قربانی کی جگہ اور وقت میں پہنچ جائے، پھر آٹھویں ذی الحجہ کی شام کو آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم حج کا احرام باندھیں، اور جب ہم حج کے ارکان سے فارغ ہوئے (یعنی وقوف عرفہ و مزدلفہ، اور رمی، نحر اور حلق سے) تو ہم (مکہ) آئے اور بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف کیا، اور ہمارا حج مکمل ہوا اور ہم پر قربانی واجب ہوئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر فائدہ حاصل کرے تو اس پر اس ہدی کی قربانی واجب ہے جو اسے میسر آئے پس جو شخص اس کی وسعت نہ پائے تو حج کے زمانہ میں تین دنوں کے روزے رکھنے ہیں اور سات روزے اس وقت جب تم اپنے شہروں کی طرف لوٹ جاؤ۔ (دم تمتع میں) بکری کافی ہو جائے گی۔ پس صحابہ نے ایک سال میں دو عبادتوں یعنی حج و عمرہ کو جمع کیا بیشک اللہ نے اس کا حکم (یعنی تمتع و قران کا) اپنی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت میں نازل کیا ہے۔ اور

اس (تمتع وقران) کو غیر اہل مکہ کے لئے (یعنی آفاقیوں کے لئے) مباح قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ حکم (یعنی تمتع وقران کا) ان لوگوں کے لئے ہے جو مسجد حرام کے پاس بسنے والے نہ ہوں۔ اور حج کے مہینے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے وہ شوال، ذی قعدہ، اور ذی الحجہ ہے، تو جو لوگ ان مہینوں میں تمتع کریں ان پر دم (دم تمتع) ہے، یا (دس دنوں کا) روزہ ہے (یعنی اگر جانور ذبح کرنے کی استطاعت نہ ہو) (بخاری)۔

صاحب فقہ السنہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس حدیث میں اس کی دلیل ہے کہ اہل حرم کے لئے تمتع اور قران نہیں ہے، اور یہ کہ وہ لوگ تنہا حج اور تنہا عمرہ کریں گے۔ حضرت ابن عباسؓ اور ابو حنیفہؒ کا مسلک یہی ہے (فقہ السنہ ۱؍۶۵۹) اس حدیث میں حضرت ابن عباسؓ نے صاف طور پر ذلک کا مشار الیہ متعین فرمادیا ہے کہ وہ قران اور تمتع ہے جو صرف غیر اہل مکہ کے لئے ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کا تفسیر اور تفقہ میں جو مقام ہے وہ مخفی نہیں، اس لئے رئیس المفسرین سے زیادہ بہتر تفسیر اور کیا ہوسکتی ہے، یہ احناف کے مسلک کے راجح ہونے کی کھلی دلیل ہے۔

۴۔ ابن عربی نے احکام القرآن میں تمتع کی صحت کے لئے آٹھ شرائط کا تذکرہ کیا ہے: اول یہ کہ حج وعمرہ دونوں کو جمع کرے، دوم یہ کہ دونوں عبادتیں ایک ہی سفر میں انجام پائیں، سوم یہ کہ ایک ہی سال میں ہوں، چہارم یہ کہ حج کے مہینوں میں ہوں، پنجم یہ کہ عمرہ حج سے مقدم ہو، ششم یہ کہ دونوں کا احرام ایک ساتھ نہ باندھا جائے (کہ یہ قران ہے) بلکہ حج کا احرام عمرہ سے فراغت کے بعد باندھے، ہفتم یہ کہ حج اور عمرہ دونوں ایک ہی شخص کی طرف سے ہو، ہشتم یہ کہ تمتع کا یہ عمل غیر اہل مکہ کی طرف سے ہو (احکام القرآن ۱؍۱۲۹)۔

آگے فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض شرائط قرآن کریم کے ظاہر سے سمجھ میں آرہی ہیں، اور بعض اس سے مستنبط ہوتی ہیں، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "فمن تمتع" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر نفع اٹھائے، اور یہ انتفاع اس طور پر ہے کہ اسے حج اور عمرہ دونوں کے لئے دو مرتبہ سفر کرنا پڑتا، اور دو الگ الگ ارادوں سے آنا پڑتا۔ پس جبکہ اس نے ایک ہی سفر میں اور ایک ساتھ حج وعمرہ کیا تو اس نے نفع اٹھایا، اور یہ تمام شرائط انتفاع ہیں (حوالہ سابق)۔

تمتع کی صحت کے لئے مذکورہ بالا تمام شرائط تقریباً متفق علیہ ہیں، اس میں آٹھویں شرط یہ ہے کہ متمتع آفاقی ہو مکی نہ ہو۔ فقہ حنفی کی کتابوں (البحر الرائق، شامی وغیرہ) میں بھی یہ شرط مذکور ہے۔ اسی طرح تمتع کی صحت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ حج وعمرہ دونوں ایک سفر میں ہو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، اور یہ کہ حج وعمرہ کے درمیان المام صحیح نہ پایا جائے یعنی متمتع عمرہ کے افعال سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھر لوٹ کر نہ آئے، گھر لوٹ کر آنے سے تمتع باطل ہو جائے گا۔ حنفیہ کے نزدیک تو سفر کر کے گھر آنا تمتع کے لئے مبطل ہے، لیکن بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک سفر کر کے میقات سے باہر چلا جانا بھی مبطل تمتع ہے خواہ گھر آئے یا نہیں۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

وإذا عاد المتمتع إلى بلده بعد فراغه من العمرة ولم يكن ساق الهدي بطل تمتعه لأنه ألمّ بأهله فيما بين نسكين إلماما صحيحا وبذلك يبطل التمتع كذا روي عن عدة من التابعين (

۲۶۳۲/۱۔ کتاب الحج، باب التمتع)۔

اور متمتع عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اگر اپنے شہر لوٹ آئے اور وہ پہلے سفر میں ہدی اپنے ساتھ نہیں لے گیا تھا تو اس کا تمتع باطل ہو جائے گا کیونکہ وہ دونوں عبادتوں کے درمیان اپنے گھر آ گیا اور المام صحیح پایا گیا (یعنی عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اور ہدی ساتھ نہ لے جانے کی وجہ سے وطن واپس لوٹنے کے بعد دوبارہ مکہ کا حج کے واسطے سفر کرنا اس پر واجب نہ رہا کہ وہ احرام سے نکل گیا اور ہدی ساتھ ہونے کی صورت میں احرام سے حلال نہیں ہو سکتا تھا، اور اس صورت میں المام فاسد ہوتا ہے) اور المام صحیح کی وجہ سے تمتع باطل ہو جاتا ہے۔ متعدد تابعین سے بھی منقول ہے۔ اور بحر حاشیہ میں لکھا ہے کہ گھر آ جانے کی وجہ سے تمتع کے باطل ہونے کا قول امام طحاوی نے کتاب احکام القرآن میں سعید ابن المسیب، عطاء، مجاہد اور ابراہیم سے نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا عمرہ کے بعد گھر آنا تمتع کو باطل کر دیتا ہے۔ اور مکی کے ساتھ صورت حال یہ ہے کہ وہ عمرہ کے افعال سے فراغت کے بعد اپنے گھر میں ہے، اس لئے اس کا عمرہ باطل ہو گیا، اس لئے مکی کے حق میں تمتع کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

إنهم صرحوا بأن عدم الإلمام شرط لصحة التمتع دون القران، وأن الإلمام الصحيح مبطل للتمتع، ومقتضى هذا أن تمتع المكي باطل لوجود الإلمام الصحيح بين إحراميه (حاشیہ رد المحتار ۲/۱۹۸)۔

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ گھر نہ آنا تمتع کی صحت کے لئے شرط ہے قران کی صحت کے لئے نہیں، اور یہ کہ المام صحیح تمتع کو باطل کر دیتا ہے، اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ مکی کا تمتع باطل ہے چونکہ اس کے دونوں احراموں (یعنی حج وعمرہ کے احراموں) کے درمیان المام صحیح پایا جاتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ (ابوحنیفہ، مالک اور احمد بن حنبل) کے مسلک کی رو سے میقات سے باہر مکہ مکرمہ آنے والے ہر شخص کے لئے (خواہ اس کی نیت حج وعمرہ کی نہ ہو) میقات سے احرام باندھ کر داخل ہونا ضروری ہے۔ اس لئے مکہ مکرمہ میں مقیم جو حضرات حج کا ارادہ رکھتے ہوں اگر وہ اپنی کسی ضرورت سے حج کے مہینوں میں میقات سے باہر جائیں، پھر مکہ مکرمہ واپس آئیں تو انہیں عمرہ کا احرام باندھ کر ہی میقات کے اندر داخل ہونا چاہئے، اور عمرہ کے ارکان و افعال ادا کرنا چاہئے، یہ عمرہ ممنوع نہیں ہوگا۔ اور نہ اس سال حج کرنے کی وجہ سے وہ متمتع قرار پائے گا کیونکہ تمتع کی صحت کے لئے عمرہ کی ادائیگی کے بعد گھر نہ آنا شرط ہے، اور مکی اپنے گھر میں ہے اس بناء پر وہ متمتع نہیں ہو سکتا۔

مکی کو تمتع اور قران سے روکنے کی حکمت یہ ہے کہ جو لوگ باہر ملکوں سے مکہ آتے ہیں ان میں سے اکثر کو دوبارہ مکہ لوٹنا نصیب نہیں ہوتا (کم از کم اسی فی صد لوگ تو ایسے ہوتے ہیں) اس لئے شریعت نے ان کے لئے یہ گنجائش رکھی ہے کہ ایک ہی سفر میں حج کے ساتھ عمرہ بھی کر لیں کہ عمرہ کی مستقل فضیلت ہے اور استطاعت کی شرط کے ساتھ ایک قول اس کے وجوب تک کا ہے، حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ دو عمرے اپنے بیچ کے گناہوں کے لئے کفارہ ہیں (العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما) اور ایک حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ پے در پے حج اور

عمرے کرو کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں جیسے کہ بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔

تابعوا بين الحج والعمرة فانهما ينفيان الفقر والذنوب كما ينفي الكير خبث الحديد والذهب والفضة (ترمذی عن ابن مسعود)۔

اس لئے آفاقیوں کے لئے شریعت نے یہ گنجائش رکھی ہے کہ وہ ایک ہی سفر میں عمرہ کی فضیلت اور شرف بھی حاصل کر لیں کہ دوبارہ مکہ آنا نصیب نہ ہو، اور جو لوگ مکہ میں ہیں ان کے لئے سال بھر عمرہ کا موقع ہے۔ حج کا زمانہ شروع ہونے کے بعد باہر سے حجاج کی آمد شروع ہو جاتی ہے، اگر مکہ والے بھی ان دنوں میں عمرہ کریں گے تو اژدحام زیادہ ہوگا اور عمرہ میں خود ان کو اور باہر سے آنے والے اللہ کے مہمانوں کو زحمت اور دشواری ہوگی، اس لئے طرفین کو مشقت اور مزاحمت سے بچانے کے لئے مکیوں کو تمتع سے منع کیا گیا۔ حتیٰ کہ حج کا زمانہ شروع ہو جانے کے بعد تنہا عمرے سے بھی روکا گیا۔ هل الاختيار ايضا منع المكي من العمرة المجردة في اشهر الحج وان لم يحج (حاشیہ رد المحتار ۲/۱۹۸)۔

اور مکہ کے باشندے یا مکہ میں مقیم حضرات اگر کسی ضرورت سے میقات کے باہر جائیں تو واپسی میں انہیں عمرہ کا احرام باندھ کر ہی آنا ہے، یہ عدم ممانعت میں ہرگز داخل نہیں ہے بلکہ ضروری ہے۔ اور وقتی ضرورتوں کی بنیاد پر جو اہل مکہ حج کا ارادہ رکھتے ہیں انہیں باہر جانے سے نہیں روکا جا سکتا کہ اس میں بہت حرج اور مشقت ہے " والحرج مدفوع " اور " المشقة تجلب التيسير "۔ پھر یہ کہ یہ عمرہ تمتع کے ارادہ سے نہیں ہے بلکہ ضروری تھا اور شریعت کے مقرر کردہ ضابطہ کی تعمیل کے طور پر ہے سا گر وہ عمرہ کے احرام کے بغیر میقات سے آگے بڑھیں تو شریعت کے اس ضابطہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے جو اس مقدس سرزمین اور کعبۃ اللہ کی تعظیم و احترام کے طور پر شریعت نے مقرر کیا ہے، اور جمہور ائمہ کے نزدیک ایک محظور شرعی کا ارتکاب لازم آتا ہے اور اس پر دم واجب ہوتا ہے، اس لئے وہ بلا تکلف عمرہ کریں گے، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ وہ اس عمرہ کی وجہ سے اگر اسی سال حج بھی کر لے تو متمتع قرار نہیں پائے گا چونکہ المام صحیح دونوں احراموں کے درمیان پایا گیا جو تمتع کے بطلان کا سبب ہے، اس لئے اس صورت میں اس پر نہ دم جنایت لازم آئے گا نہ دم تمتع، یہاں جن لوگوں کو بار بار آمد و رفت کی ضرورت پڑتی ہے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

اس مسئلہ پر ایک دوسری جہت سے بھی غور کیا جا سکتا ہے۔ ایک فقہی قاعدہ ہے:

ان الشيء يعتبر ما لم يعد على موضوعه بالنقض والابطال (اصول الاحکام الشرعی قاعدہ ۲۸)۔

مثلاً شریعت نے آقا کے مصالح کے تحفظ اور دفع ضرر کی خاطر اس کی اجازت کے بغیر اس کے غلام کے تصرف کو باطل قرار دیا ہے، لہذا اگر کوئی غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر اپنی خدمات کے عوض ایک ہزار کے بدلے معقود اجارہ کرے تو شرعاً اس کا یہ تصرف باطل ہوگا کیونکہ غلام کا مالک اس کا آقا ہے، اسے شریعت نے اپنے غلام کو اپنے مصالح میں استعمال کا حق دیا ہے، اور غلام کے اس طرح کے تصرفات سے اس کی مصلحت فوت ہوگی اور اسے ضرر لاحق

ہوگا، اس لئے شریعت اس کے تصرف کا اعتبار نہیں کرتی، لیکن اگر اجارہ کی مدت ایک ماہ گزر جائے تو غلام کا یہ تصرف شرعاً صحیح قرار پائے گا، کیونکہ اس فقہی قاعدہ کا مقصد اور غلام کے تصرف کو باطل قرار دینے کی غرض مولیٰ سے ضرر کو دفع کرنی تھی، اور اجارہ کی مدت کے گزر جانے کے بعد مولیٰ کی مصلحت کا تحفظ اس تصرف کو جائز قرار دینے میں ہے، اس لئے یہ اصول کہ مالک کی اجازت کے بغیر غلام کا تصرف باطل ہے، اب اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس اصول کا اعتبار کرنے میں اب مولیٰ ہی کے حق کا ضیاع اور اس کا ضرر ہے کہ وہ ایک ہزار کی اجرت سے محروم رہ جائے گا، جبکہ اس جائز قرار دینے کی صورت میں وہ ایک ہزار کا مستحق ہوگا کیونکہ وہ اس کے غلام کی کمائی ہے جس کا شرعاً وہ مالک ہے۔

اسی طرح اہل مکہ کو اشہر حج (حج کے مہینوں) میں تمتع اور عمرہ سے روکنے کی حکمت مشقت اور ازدحام سے فریقین کو بچانا ہے۔ اور سوال میں مذکور صورت میں اس مکی کو عمرہ کی اجازت نہ دینے میں حرج اور ایک محظور شرعی کا ارتکاب لازم آتا ہے، اور حرم محترم کی عظمت واحترام پر مبنی اصول کی خلاف ورزی لازم آتی ہے کہ اسے میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کرنے کی صورت میں جنایت دینا پڑے گا، جس میں شرعی ضابطہ کی خلاف ورزی کے ساتھ اس کا مالی خسارہ بھی ہے کہ دم واجب ہوگا، اس لئے اس صورت میں سابق اصول کا جو دفع حرج ومشقت کے لئے تھا اعتبار نہیں کیا جائے گا کہ اس کے اعتبار کرنے ہی سے حرج لازم آ رہا ہے۔ اور اسے عمرہ کی اجازت دی جائے گی۔ اور تمتع کی شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے یہ شخص متمتع قرار نہیں پائے گا، اور نہ دم جنایت لازم آئے گا۔ واضح رہے کہ اس صورت میں تمتع کے پائے جانے اور دم کے واجب ہونے کا قول بھی فقہ وفتاوی کی متداول کتابوں میں موجود ہے، مثلاً در مختار میں ہے:

ولو قرن أو تمتع جاز و أساء و عليه دم جبر (۲ / ۱۹۶) اگر کسی نے قران یا تمتع کر لیا تو جائز ہو جائے گا لیکن اس نے برا کیا اور اس پر دم واجب ہے۔ ہم نے اہل مکہ کو سوالنامہ میں مذکور حرج وتنگی سے نکالنے کے لئے مذکورہ بالا توجیہ اختیار کی ہے، اور یہ آسان صورت نظر آئی کہ حرج کی وجہ سے دم کو ساقط کیا جائے کہ دوسرے ائمہ تو دم کے قائل ہی نہیں ہیں، اور احناف نے بھی کسی نص کی بنیاد پر دم کو واجب نہیں کیا ہے بلکہ اس بنا پر کہ تمتع کی اجازت نص قرآن وحدیث صرف آفاقیوں کے لئے ہے۔ مکی نے تمتع کرکے اس کی خلاف ورزی کی ہے اس لئے اس کی تلافی دم کے ذریعہ کی جائے گی۔ اس صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دم کا وجوب صرف اس صورت میں ہو جبکہ بالقصد کوئی تمتع یا قران کرے۔ اور اگر ایسی صورت پیش آ جائے کہ صورتاً تمتع کا وجود ہو جائے بغیر ارادے کے تو اس میں دم لازم نہ ہو کہ اس میں حرج اور مشقت ہے اور نیت کا اثر اعمال پر پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ اس مشکل کا دوسرا حل یہ ہے کہ امام شافعی کے قول پر فتوی دیا جائے کہ احرام کا وجوب صرف حج وعمرہ کے ارادہ سے میقات کے تجاوز کرنے پر ہے، لیکن اس میں ان نصوص کی خلاف ورزی ہوتی ہے جن میں مطلقاً میقات سے تجاوز کرنے کی ممانعت ہے، اور یہ جمہور ائمہ کا مسلک ہے، یا یہ کہ امام مالک اور امام احمد جس طرح لکڑی والوں کو بغیر احرام کے داخلہ کی اجازت دی ہے اسی طرح ان لوگوں کو بھی دی جائے لیکن اس صورت میں حاجت متکررہ کا تحقق ضروری ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ ایسے لوگ میقات سے

احرام باندھ کر آئیں، اور عمرہ کے ارکان ادا کر کے حلال ہوں پھر حج کریں تو اس میں کسی نص شرعی کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی کہ وہ حسب قاعدہ احرام باندھ کر آیا۔ ظاہر ہے کہ مکہ میں مقیم شخص کو ضرورت کی بنیاد پر باہر جانے سے نہیں روکا جا سکتا ہے اور نہ اس سال حج سے روکا جا سکتا ہے کہ وہ فرض ہے، بس اس صورت میں یہ توجیہ بہتر ہے کہ یوں کہا جائے کہ مکی کے لئے وہ تمتع ممنوع اور موجب دم ہے جو تمتع کے ارادے سے ہو نہ کہ وہ تمتع جو محض صورتاً ہو۔

۵۔ سفر حج میں آفاقیوں کے لئے ایک سے زائد عمرہ کرنے کا مسئلہ:

تمتع کرنے والے آفاقیوں کے لئے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اور حج کا احرام باندھنے سے قبل یا آفاقی حجاج کرام کے لئے حج سے فراغت کے بعد مزید عمرے ادا کرنے کا مسئلہ بھی حج کے اہم مسائل میں سے ہے، اور اس وقت وہ عوام وخواص کے درمیان بحث ومباحثہ اور فکر ونظر کا موضوع بنا ہوا ہے۔ مختلف بیرونی ممالک بالخصوص بر صغیر ہند وپاک اور بنگلہ دیش کے مسلمان بار بار عمرہ کرنے کے عادی ہیں اور فقہ کی متداول کتابوں میں اس کی اجازت ملتی ہے جبکہ حرمین شریفین کے علماء اسے بہت سختی سے منع کرتے ہیں اور اسے بدعت اور معصیت قرار دیتے ہیں۔

مانعین کے دلائل یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے ایک سفر میں ایک سے زائد عمرہ کرنے کا ثبوت نہیں ہے، اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے زیادہ عبادت اور خیر کا حریص اور کون ہو سکتا ہے۔ اگر ایک سفر میں بار بار عمرہ کرنا کوئی خیر وسعادت کی بات ہوتی تو آنحضور اور صحابہ کرام اس سے کیسے چوک سکتے تھے اور اسے کس طرح چھوڑ سکتے تھے اور دین میں یہی حضرات اصل ہیں اور ہمیں ان ہی کی اقتداء اور پیروی کا حکم دیا گیا ہے، لہذا ہمیں بھی ایک سفر میں ایک سے زیادہ عمرہ نہیں کرنا چاہئے۔

جبکہ جواز کے قائلین ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں عمرہ کی عمومی فضیلت بیان کی گئی ہے اور بار بار عمرہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ دو عمرے اپنے بیچ کے گناہوں کے لئے کفارہ ہیں اور حج اور عمرہ فقر اور گناہ کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کچیل کو۔ اور بدعت اسے کہتے ہیں جس کی دین میں کوئی اصل اور اساس نہ ہو، اور قرآن وحدیث میں نہ صرف عمرہ کی اجازت دی گئی ہے بلکہ اس کی غیر معمولی فضیلت اور اہمیت بیان کی گئی ہے، اور پے در پے عمرہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور سفر حج میں حج سے فراغت کے بعد عمرہ کا ثبوت خود آنحضور ﷺ کی اجازت سے موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو تنعیم سے عمرہ کرنے کی اجازت دی اور ان کے بھائی حضرت عبدالرحمن کے ہمراہ انہیں تنعیم سے عمرہ کرایا تھا، یہ اس کے جواز کی کھلی نظیر اور دلیل ہے، اس لئے بہت سے فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے، اور خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں حج تو ایک ہی کیا لیکن عمرے چار کئے جس سے اس کی کثرت وتعدد کا پسندیدہ ہونا معلوم ہوتا ہے، یہ صحیحین کی روایت ہے جس کے راوی حضرت انسؓ ہیں۔

دلائل کی قوت دونوں طرف ایسی ہے کہ کوئی ایک فیصلہ کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن دونوں طرف کے دلائل، اسلاف کرام کے تعامل اور ان کے ارشادات وفرمودات کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور وفکر کیا جائے اور اس کا غیر

جانبدارانہ تجزیہ کیا جائے تو مسئلہ کا حل دریافت ہو جاتا ہے اور دو انتہاؤں کے بیچ میں توسط اور اعتدال کی راہ نکل آتی ہے، اور وہ یہ کہ تمتع والے عمرہ سے فراغت کے بعد اور حج کا احرام باندھنے سے قبل آفاقی حجاج کے لئے مزید عمرے کرنا کم از کم مکروہ اور خلاف اولیٰ تو ضرور ہے۔ قارن اور مفرد بالحج کے حق میں تو اس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انہوں نے میقات سے حج کا احرام باندھا ہے جو مزید کسی عمرہ سے مانع ہے۔ متمتع کے لئے عمرہ سے فراغت کے بعد مزید عمرے کرنا کراہت سے اسلئے خالی نہیں کہ اس میں وہی علت پائی جاتی ہے جس کی بنا پر اہل مکہ کو حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے سے روکا گیا ہے۔ یعنی اس عمرہ کی وجہ سے مزاحمت اور مشقت ہوگی اور بھیڑ کی وجہ سے باہر سے آنے والے حجاج کرام اور اللہ کے مہمانوں کو عمرہ کی ادائیگی خصوصاً صفا و مروہ کی سعی میں ازدحام اور دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا، پھر یہ کہ عمرہ سے فراغت کے بعد ان کی حیثیت مکیوں کی سی ہوگئی اور وہ بعض مسائل میں مکیوں کے ساتھ لاحق ہو گئے کہ اب مکیوں کی طرح وہ حج کا احرام مکہ مکرمہ ہی سے باندھیں گے، اور انہیں میقات جانا نہیں پڑے گا، اس بنا پر حج کے قبل انہیں مزید عمروں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ واضح رہے کہ اس سلسلہ میں فقہ حنفی کی کتابوں میں دونوں طرح کے اقوال ملتے ہیں۔ علامہ شامی نے لباب سے نقل کیا ہے کہ متمتع حج کے احرام سے قبل مزید عمرے نہیں کرے گا کیونکہ وہ مکی کے حکم میں ہو گیا اور مکی اگرچہ حج کا ارادہ نہ رکھتا ہو پھر بھی اس کے لئے عمرہ کرنا ممنوع ہے۔ صاحب فتح القدیر نے اسی قول کو ترجیح دیا ہے لیکن صاحب البحر الرائق وغیرہ اس ممانعت کو اس صورت پر محمول کرتے ہیں جبکہ اس سال حج کا ارادہ ہو۔ اور صاحب غنیہ نے بالکل جائز لکھا ہے سوائے پانچ دنوں کے یعنی نویں ذی الحجہ سے تیرہویں تک، بمجموعی لحاظ سے کراہت کا قول راجح معلوم ہوتا ہے (شامی ۲/۲۶۸، غنیہ ص ۱۱۵)

اور جہاں تک حج سے فراغت کے بعد مزید عمروں کا سوال ہے تو اس میں اتنا غلو صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ روزانہ ایک عمرہ کیا جائے کہ احادیث و آثار اور سلف صالحین کے اقوال اور تعامل سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ ابن قدامہ حنبلی نے "المغنی" میں اس مسئلہ سے متعلق صحابہ کرام اور سلف صالحین کے اقوال و آثار نقل کئے ہیں جن سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے۔ ہم ان میں سے کچھ کو ذیل میں نقل کرتے ہیں:

حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر ماہ ایک عمرہ کرنا چاہئے۔ اور خادم رسول حضرت انس بن مالکؓ کا معمول یہ تھا کہ جب ان کے سر میں بال جم جاتا تو عمرہ کے لئے نکلتے (اور سر کا بال عموماً ہفتہ دس دنوں میں اگ آتا ہے)، اور حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت عمرہ کرے گا جب اس کے بال پر استرہ کا چلنا ممکن ہو۔ اور حضرت عطاء تابعی کہتے ہیں کہ اگر چاہے تو ہر ماہ دو عمرے کرے۔ بہر حال کثرت سے مسلسل اور پے در پے عمرے کرنا تو ہم نے اسلاف کے جو اقوال نقل کئے ہیں ان کی روشنی میں اس کا استحباب ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جب عمرہ کرے تو ضروری ہے کہ سر کا حلق یا قصر کرائے اور سر کا مونڈنا دس دنوں میں ممکن ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دس دنوں سے کم میں عمرہ کرنا پسندیدہ نہیں ہے جبکہ ہمارے بعض اصحاب کثرت سے عمرہ کرنے کے قائل ہیں اور سلف کے اقوال و احوال اس بات پر دلالت کر رہے ہیں جسے ہم نے نقل کیا ہے۔ اور اس لئے کہ نبی کریم

ﷺ اور ان کے اصحاب سے پے در پے عمرہ کرنا منقول نہیں ہے بلکہ ان سے اس پر انکار منقول ہے، اور حق ان کی پیروی کرنے میں ہے۔

طاؤس فرماتے ہیں کہ جو لوگ تنعیم سے عمرہ کرتے ہیں میں نہیں جانتا کہ انہیں اس پر اجر ملے گا یا عذاب ہو گا؟ ان سے پوچھا گیا کہ عذاب کیوں ہوگا؟ تو انہوں نے کہا کہ ایسے لوگ بیت اللہ کا طواف چھوڑ کر چار میل جاتے ہیں اور پھر واپس آتے ہیں اور چار میل آنے جانے میں جتنا وقت صرف ہوتا ہے اتنی دیر میں تو بیت اللہ کا دو سو مرتبہ طواف ہو سکتا ہے، اور جب بھی بیت اللہ کا طواف کرے گا تو طواف کے بغیر چلنے کے مقابلہ میں افضل ہوگا۔

اور نبی کریم ﷺ نے چار اسفار میں چار عمرے کئے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے کسی سفر میں ایک عمرہ سے زیادہ نہیں کیا، اور نہ ان صحابہ میں سے کسی نے ایک سے زیادہ عمرہ کیا جو ان کے ہمراہ تھے۔ اور نہ ہم کو یہ خبر ہوئی کہ ان میں سے کسی نے بھی ایک سفر میں دو عمروں کو جمع کیا ہے، سوائے ام المومنین حضرت عائشہؓ کے کہ جب انہیں حیض آ گیا اور حیض کے باعث وہ تمام صحابہ کی طرح سے پہلا عمرہ نہ کر سکیں تو آپؐ نے انہیں تنعیم سے عمرہ کرایا، اس لئے کہ انہوں نے سمجھا کہ ان کے قران کا عمرہ (حیض کی وجہ سے حج سے قبل عمرہ نہ کر سکنے کی وجہ سے) باطل ہو گیا۔ اسی بنا پر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: اے اللہ کے رسول! لوگ حج اور عمرہ کر کے لوٹیں گے اور میں صرف حج کر کے لوٹوں گی؟ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں عمرہ کرایا۔ اور اگر اس میں فضیلت ہوتی تو صحابہ اس کے ترک پر اتفاق نہ فرماتے (المغنی ۳/ ۲۳۷)۔

بہر حال ان اقوال و آراء کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پے در پے عمرہ کرنے اور نہ کرنے کے سلسلے میں ان میں تو اختلاف ہے۔ زیادہ حضرات کا رجحان ترک کے اولیٰ ہونے کی طرف ہے یعنی کثرت سے عمرے نہ کرنا افضل ہے، جبکہ کچھ لوگ مسلسل عمرہ کرنے کو پسندیدہ قرار دیتے ہیں، اور ایک ماہ میں ایک مرتبہ، دو مرتبہ اور دس دنوں میں ایک مرتبہ عمرہ کرنے کے قائل ہیں۔ بہر حال ان کے اقوال اور تعامل سے اس تشدد اور تصلب کا ثبوت نہیں ملتا جو اس دور کی خصوصیت ہے، ان کا اختلاف افضلیت اور اولویت ہی کے سلسلہ میں ہے، اور انہوں نے تسلسل کے ساتھ عمرہ کرنے کو ناجائز، حرام اور بدعت قرار نہیں دیا ہے۔ اور خود رسول اللہ ﷺ کا حجۃ الوداع کے موقع پر حج کے بعد مزید عمرے نہ کرنا اس کے عدم جواز کی دلیل نہیں ہو سکتی، ممکن ہے کہ آپ نے امت کو مشقت سے بچانے کے لئے ایسا نہیں کیا کہ کہیں یہ روایت نہ بن جائے اور لوگ اس کی وجہ سے مشقت میں نہ پڑ جائیں، اور اس کی مثال موجود ہے کہ بعض چیزوں کو پسندیدہ سمجھنے کے باوجود محض امت کی مشقت کا خیال کر کے آپ نے اس کا حکم نہیں دیا، مثلاً مسواک کے بارے میں آپ نے فرمایا: لولا ان اشق علی امتی لامرتہم بالسواک عند کل صلاۃ۔

اسی طرح رمضان کے مہینے میں عشاء کے بعد آپ نے مسجد نبوی میں تراویح کی نماز پڑھی۔ کچھ صحابہ بھی شامل ہو گئے۔ اگلے دن اس سے بڑی جماعت ہوئی، اسی طرح جماعت بڑھتی گئی۔ چوتھے دن جب کافی لوگ مسجد میں جمع تھے آپ قصداً مسجد تشریف نہیں لائے اور اگلے فجر کی نماز کے لئے تشریف لائے، اور نماز کے بعد اس کی جو علت

بیان فرمائی اس کا منشا یہی تھا کہ امت کی سہولت اور اسے مشقت سے بچانے کے لئے آپ نے ایسا کیا، جبکہ نص قرآنی سے مطلق عمرہ کا ثبوت ملتا ہے، آپ نے اپنی زندگی میں حج ایک ہی کیا لیکن عمرے چار کئے جس سے فی الجملہ عمرہ کا تعدد اور اس کی کثرت کا شرعاً مطلوب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ آپ کے قولی ارشاد: "تابعوا بین الحج والعمرة" میں اس کے تسلسل کے پسندیدہ ہونے کی مزید تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب سے پے در پے عمرہ کرنا منقول نہیں زیادہ باوزن معلوم نہیں ہوتا جبکہ حضرت علی، حضرت انس، حضرت عکرمہ اور عطاء تابعی سے اس کے خلاف قول منقول ہے۔ اور پھر حضرت عائشہ کے واسطے اس کی اجازت دینا بھی اس کے جواز کی دلیل ہے خواہ یہ اجازت کسی عذر ہی پر مبنی ہو مگر وہ مزید عمرہ کے جواز کے لئے نظیر ہے۔ ہاں اس میں افراط اور غلو پسندیدہ نہیں ہے کہ اس میں اپنے لئے اور دوسروں کے لئے پریشانی ہے۔ لیکن ہفتہ دس دنوں پر ایک مرتبہ عمرہ کر لینے میں جبکہ سر کے بال کچھ جم جائیں کوئی شرعی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ بعض اسلاف کے اقوال سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ زیادہ بہتر یہی ہے کہ صرف طواف پر اکتفا کیا جائے کہ یہ بہت اہم عبادت ہے، اور اس کا موقع مکہ معظمہ کے قیام ہی تک ہے۔ اور اگر زائد عمرے کئے جائیں تو مردوں کی طرف سے، زندوں کی طرف سے نہیں کہ جو لوگ بقید حیات ہیں ان کے وہاں پہنچنے کی توقع کی جا سکتی ہے، اس لئے ان کے لئے عمرہ کرنے کی ضرورت نہیں، اور کوئی کرے تو اسے ممنوع نہیں کہا جا سکتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ بدعت وہ عمل ہے جس کی دین میں کوئی اصل اور بنیاد نہ ہو، جیسے اہل بدعت کے یہاں بہت سی بدعات ومحدثات کا رواج ہے جنہیں عبادت سمجھ کر کیا جاتا ہے، اور اس پر اجر وثواب کی امید بھی رکھی جاتی ہے جبکہ وہ یکسر خانہ زاد اور باطل ہیں اور شریعت میں ان کی کوئی نظیر نہیں، بلکہ ان میں سے بہت سی چیزوں کے بارے میں صریح ممانعت احادیث میں موجود ہے۔ اور عمرہ کی فضیلت، اس کا باعث برکت وسعادت ہونا، کفارۂ ذنوب ومعاصی ہونا، اور فقر وفاقہ کے خاتمہ کا سبب ہونا اور اس سلسلے کی ترغیبات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اسلئے اسے حرام وناجائز قرار دینا اور اس سے اتنی شدت کے ساتھ روکنا مناسب نہیں، اس سلسلہ میں اعتدال کی راہ اختیار کرنا چاہئے۔

اور طاؤس تابعی کا یہ فرمانا کہ "جو لوگ تنعیم سے عمرہ کرتے ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ انہیں اس پر اجر ملے گا یا عذاب ہوگا" یہ بھی ان کا اپنا قیاس اور ذاتی رائے ہے جس کے مقابلے میں صحابہ وتابعین کے اقوال اور امت کا تعامل موجود ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تنعیم سے عمرہ کرنے کا رواج شروع دور سے رہا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کچھ اسلاف اس عمرہ کے مقابلہ میں طواف کو بہتر سمجھتے ہیں اور کچھ حضرات عمرہ کے بارے میں منقول فضائل اور وعدوں کی بنیاد پر عمرہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی طرح ان کا یہ تاثر کہ چار میل تنعیم سے آنے جانے میں جتنا وقت صرف ہوگا اتنی دیر میں دو سو طواف ہو جائیں گے تو یہ بھی ان کا اپنا تخیل ہے عمرہ کے ارادہ سے جانا اور آنا تنہا چلنا نہیں ہے بلکہ وہ عمرہ کا سفر ہے جس کی فضیلت کچھ کم نہیں۔ اور پھر یہ تو اس زمانہ کی بات ہے جب چار میل کی آمد ورفت میں کئی گھنٹے لگ جاتے تھے، اور اب تو تیز رفتار سواری کی وجہ سے آمد ورفت میں چند منٹ ہی صرف ہوتے ہیں۔ بہر حال بیت اللہ کے طواف

کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اگر کوئی شخص اس میں مصروف رہے تو بڑی اچھی بات ہے کوئی اسے منع نہیں کرتا اور عمرہ کرنے پر مجبور نہیں کرتا، لیکن جو لوگ عبادتوں میں تنوع پیدا کرنے کے لئے کبھی کبھی عمرہ کرلیں تو شرعاً اس کی بھی گنجائش ہے۔

۶۔ رمی جمار میں نیابت کا مسئلہ:

مرض اور دوسرے معقول اعذار کی بنیاد پر رمی جمرات میں نیابت ہو سکتی ہے، خصوصاً مریضوں، عورتوں اور بوڑھوں کے لئے جو خود سے رمی نہیں کرسکتے، کیونکہ جو چیز انسان کی قدرت اور استطاعت سے باہر ہو شریعت اسے اس کا مکلف نہیں بناتی، اور جس عمل سے کسی کو سخت مشقت اور تنگی کا سامنا کرنا پڑے اس میں وہ اپنا نائب بنا کر اس سے انجام دلا سکتا ہے، لیکن اس کے لئے یہ شرط ہے کہ دوسرے کی طرف سے رمی کرنے والا پہلے اپنی رمی سے فارغ ہو جائے اس کے بعد معذور کی طرف سے رمی کرے۔ احناف اور مالکیہ نے کراہت کے ساتھ اس صورت کو بھی جائز لکھا ہے کہ ایک کنکری اپنی طرف سے مارے اور دوسری معذور کی طرف سے۔ صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم فتح القدیر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وفي فتح القدير: من كان مريضا لا يستطيع الرمي يوضع في يده ويرمي بها أو يرمي عنه غيره، وكذا المغمى عليه، ولو رمى بحصاتين إحداهما لنفسه والأخرى للآخر جاز ويكره (البحر الرائق ۲/۳۷۵-۳۷۶)۔

فتح القدیر میں ہے کہ جو شخص ایسا مریض ہو کہ رمی نہ کرسکتا ہو اس کے ہاتھ میں کنکری رکھی جائے گی اور اس کے ہاتھ سے پھینکی جائیگی یا اس کی طرف سے کوئی اور رمی کرے گا، اسی طرح بے ہوش آدمی کی رمی کوئی اور کردے گا، اور اگر کیے بعد دیگرے دو کنکری پھینکی ایک اپنے لئے اور دوسری دوسرے کے لئے تو کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

اوپر کی تمہید کی روشنی میں مذکورہ سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

(الف) عمل رمی میں ایک شخص دوسرے کی نیابت کرسکتا ہے۔

(ب) رمی میں نیابت صرف مریض، معذور اور عورت کے لئے ہو سکتی ہے، ہر شخص کے لئے نہیں۔

وہ معذوری جس کی وجہ سے رمی میں نیابت جائز ہے اس کی حد یہ ہے کہ خود سے رمی نہ کرسکے یا ضعف اور مرض کی وجہ سے رمی میں شدید مشقت لاحق ہو۔ اژدحام عورتوں، مریضوں اور بوڑھوں کے حق میں عذر سمجھا جائے گا، صحت مند لوگوں کے حق میں نہیں۔ لہذا جو لوگ صحت مند ہونے کے باوجود محض کسل اور آرام پسندی کی وجہ سے رمی کے واسطے کسی دوسرے کو اپنا نائب بنائیں گے ان کی رمی درست نہیں ہوگی، اور واجب کے ترک کی بنا پر ان پر دم واجب ہوگا۔

۷۔ حالت احرام میں گرفتاری کا حکم:

سعودی عرب میں مقیم وہ غیر ملکی حضرات جو حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیے جائیں، احناف کے نزدیک ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہیں، کیونکہ ان کے

نزدیک جس طرح دشمن کے روکنے سے احصار متحقق ہوتا ہے اسی طرح مرض اور حبس کی وجہ سے بھی متحقق ہو جاتا ہے۔ اب احرام ختم کرنے کے لئے انہیں دم احصار دینا ہوگا یعنی چھوٹے جانور کی قربانی۔ اگر عمرہ کا احرام تھا تو دم کی قربانی کسی دن ہو سکتی ہے، لیکن قربانی حدود حرم میں ضروری ہے، اور حج کا احرام تھا تو دسویں ذی الحجہ سے قبل دم کی قربانی نہیں ہو سکتی، اور قربانی حرم کے اندر ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے احصار کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فإن أحصرتم فما استيسر من الهدي ولا تحلقوا رؤوسكم حتى يبلغ الهدي محله (سورۃ البقرۃ)۔

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہدی کے اپنے حلال ہونے کی جگہ پہنچنے سے قبل اپنا سر نہ منڈاؤ، اور قربانی کے حلال ہونے کی جگہ حرم ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا:

ثم محلها إلى البيت العتيق (الحج)۔

اس لئے اگر عمرہ کا احرام ہے اور حرم کے اندر گرفتاری ہوتی ہے تو وہاں دم احصار ذبح کر کے حلال ہو جائے گا، لیکن اگر حج کا احرام ہے تو یوم النحر سے قبل اس کی قربانی نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں وہ اپنی طرف سے کسی کو ذمہ دار بنا دے اور اس سے کہہ دے کہ دسویں ذی الحجہ کو یا اس کے بعد کسی متعین دن میں اس کی طرف سے جانور قربان کر دے۔ متعینہ تاریخ میں جب ظن غالب ہو جائے کہ جانور ذبح ہو گیا ہوگا تو حلق کرا کر احرام سے نکل جائے۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

فعلى المحصر إذا كان محرما بالحج أن يبعث بثمن هدي يشترى له بمكة فيذبح عنه يوم النحر فيحل من إحرامه. وهذا قول علمائنا رحمهم الله إن هدي الإحصار مختص بالحرم (المبسوط ۱۰۶/۴)۔

محصر اگر حج کا احرام باندھے ہوئے ہے تو اسے چاہئے کہ ہدی کی قیمت بھیج دے کہ اس کے لئے مکہ میں جانور خرید کر قربانی کے دن اسے اس کی طرف سے ذبح کر دیا جائے، پھر وہ اپنے احرام سے حلال ہو جائے گا۔ اور یہ ہمارے علماء رحمہم اللہ کا قول ہے کہ احصار کی ہدی حرم کے ساتھ خاص ہے، اس کی قربانی حرم کے باہر نہیں ہو سکتی۔

امام شافعیؒ کے نزدیک احصار دشمن کے علاوہ کسی اور طریقے سے متحقق نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر محرم نے احرام کے وقت یہ شرط لگا دی تھی کہ اگر کوئی رکاوٹ پیش آ جائے تو میں وہیں حلال ہو جاؤں گا جہاں اللہ تعالیٰ مجھے روک دے (فإن حبسني حابس فمحلي حيث حبستني) جیسا کہ حضرت ضباعہ بنت الزبیر ابن عبد المطلب کے واقعہ میں آتا ہے کہ وہ مرض کے درد یا کسی اور تکلیف میں مبتلا تھیں اور خطرہ تھا کہ اگر احرام باندھ لیں اور بیماری کی وجہ سے حج نہ ہو سکے تو پریشانی ہوگی، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں مشروط احرام باندھنے کا حکم دیا تھا۔ یہ واقعہ صحیحین میں مذکور ہے۔ اس روایت کی بنیاد پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ مشروط احرام باندھنے کی صورت میں اگر گرفتاری یا اور کوئی رکاوٹ مرض وغیرہ پیش آ جائے تو محرم حلال ہو جائے گا لیکن دم احصار ان کے نزدیک اسی جگہ ہو سکتی

ہے جہاں اسے گرفتار کیا گیا ہے خواہ وہ حل ہو یا حرم۔ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اگر احرام اس شرط کے ساتھ مشروط تھا تو گرفتاری کی صورت میں وہ وہیں حلال ہو جائے گا، اور ان کے نزدیک اس صورت میں کوئی صدقہ واجب نہیں ہے۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب کے وجوب وعدم وجوب کا مسئلہ:

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اور ایک قول کی رو سے امام شافعیؒ کے نزدیک بھی متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے، اس میں اگر تقدیم وتاخیر ہو جائے تو دم واجب ہو جاتا ہے۔ ان حضرات کا استدلال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت سے ہے:

من قدم نسكا على نسك فعليه دم.

جو شخص ایک نسک کو دوسرے پر مقدم کردے تو اس پر دم واجب ہے۔

ان حضرات کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جس طرح میقات مکانی میں تاخیر ہو جائے اور کوئی شخص احرام کے بغیر میقات سے تجاوز کر جائے تو دم واجب ہوتا ہے۔ اسی یوم طرح النحر وغیرہ میں جس عمل کے لئے جو وقت مقرر ہے مثلاً رمی، نحر، حلق، ان میں اگر تاخیر ہو جائے تو اس صورت میں بھی قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ دم واجب ہونا چاہئے (الہدایہ مع الفتح ۲/۶۳)۔

امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور صاحبین کے نزدیک یہ ترتیب مسنون ہے واجب نہیں، اور خلاف ترتیب ہو جانے پر کچھ واجب نہیں۔ ان حضرات کا استدلال صحیحین کی درج ذیل روایت سے ہے:

عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال: وقف رسول الله ﷺ في حجة الوداع بمنى للناس يسألونه فجاء رجل فقال يا رسول الله لم أشعر فحلقت قبل أن أنحر فقال اذبح ولا حرج، ثم جاء رجل آخر فقال: يا رسول الله لم أشعر فنحرت قبل أن أرمي فقال: ارم ولا حرج، قال فما سئل رسول الله ﷺ عن شيء قدم ولا أخر إلا قال: افعل ولا حرج (صحیح مسلم ۱/۴۲۱۔ باب جواز تقدیم الذبح علی الرمی)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں لوگوں کے لئے کھڑے ہوئے، لوگ آپ سے مسائل پوچھ رہے تھے۔ ایک شخص آیا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے معلوم نہیں تھا اس لئے ذبح کرنے سے قبل میں نے سر منڈا لیا، آپ نے فرمایا! اب ذبح کر لو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر ایک دوسرا آدمی آیا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے خبر نہیں تھی اس لئے میں نے رمی سے قبل ذبح کر لیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا! اب رمی کر لو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ تقدیم وتاخیر کے سلسلے میں جس چیز کے بارے میں بھی آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے یہی فرمایا کہ جو کام باقی رہ گیا ہے اسے کر لو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس حدیث صحیح کی بنیاد پر یہ حضرات ائمہ یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تقدیم و تاخیر کی صورت میں فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے، اور کوئی دم یا صدقہ واجب نہیں ہے۔

احناف اور مالکیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس حدیث سے صرف یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی گناہ نہیں ہے، لاحرج سے گناہ اور فساد کی نفی ہوتی ہے، دم کے واجب ہونے کی نفی نہیں ہوتی، اور دوسری حدیث سے دم کا وجوب ثابت ہو رہا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعد میں حضور ﷺ نے وجوب دم کا حکم بیان فرمایا ہو۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث کے ایک راوی حضرت عبد اللہ بن عباس بھی ہیں، انہوں نے اس حدیث کو ترتیب کی اباحت اور استحباب پر محمول نہیں کیا ہے بلکہ وجوب پر محمول کیا ہے۔ اور ترتیب کے خلاف ہونے کی صورت میں وہ بھی وجوب دم کے قائل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جن لوگوں کا سوال کرنا منقول ہے وہ احکام شریعت سے ناواقف تھے، اس بنا پر آپ کی سنت کے خلاف عمل ہو گیا، اس عدم واقفیت کی بنیاد پر آنحضور ﷺ نے انہیں معذور قرار دیا اور انہیں احکام معلوم کرنے کا حکم دیا (فتح القدیر ۲/۹۳)۔

احرام باندھنے کے بعد اگر سر میں جوئیں ہو جائیں تو اس عذر کی بنا پر شریعت نے سر منڈانے کی اجازت دی ہے لیکن فدیہ واجب کیا ہے کہ روزے رکھے یا صدقہ کرے یا قربانی کرے، تو جب عذر کی وجہ سے قبل از وقت سر منڈانے پر فدیہ اور دم واجب ہوا تو بغیر عذر کے اگر ترتیب اور رمی سے قبل حلق کرا لے تو دم بدرجہ اولیٰ واجب ہونا چاہئے۔ لیکن دلائل کے لحاظ سے ترتیب کے عدم وجوب ہی کا قول راجح معلوم ہوتا ہے، اول تو اس لئے کہ "لاحرج" کا کلمہ ترتیب کے عدم وجوب پر صراحۃً دلالت کر رہا ہے کیونکہ جو چیز واجب ہو اس کے ترک پر "لاحرج" نہیں کہا جاتا، کسی ایسی ہی چیز کے ترک پر لاحرج کہا جا سکتا ہے جو واجب نہ ہو، جو شئی واجب ہو اس کے ترک پر حرج کیسے نہیں ہوگا؟

دوم یہ کہ سند کے لحاظ سے وہ حدیث اس درجہ کی نہیں ہے جس سے دم کا وجوب ثابت ہوتا ہے، سوم یہ کہ "لا حرج" والی روایت حجۃ الوداع کی ہے جو لامحالہ بعد کی ہے، اور اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو اور ایک مقدم اور دوسری کا مؤخر ہونا معلوم ہو تو بعد والی حدیث ناسخ ہوتی ہے، اس لئے "لاحرج" والی حدیث سابق کے لئے ناسخ ہوگی، اور یہ احتمال کہ بعد میں حضور نے وجوب دم کا حکم بیان کیا ہو بہت بعید ہے، اگر بیان فرمایا ہوتا تو روایت میں اس کا ضرور تذکرہ ہوتا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جو لوگ ناواقفیت کی وجہ سے حضور ﷺ سے اپنی غلطی کا تذکرہ کر رہے ہیں حضور ﷺ ان سے یہ تو فرما دیں کہ اس صورت میں حج فاسد نہیں ہوا اور کوئی گناہ نہیں ہوا، اور اس کی وجہ سے دم ان کے ذمہ واجب ہو اس کا تذکرہ حضور ﷺ ان سے نہ فرمائیں۔ اور سر میں جوئیں ہو جانے کی صورت میں صدقہ یا دم کا وجوب اس لئے ہے کہ خود نص قرآنی نے بیان کر دیا ہے بخلاف رمی، ذبح، حلق میں خلاف ترتیب ہونے کے کہ اس میں حدیث میں کسی دم کا تذکرہ نہیں ہے

بہر حال عام حالات میں تو اس ترتیب کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہئے، لیکن سوالنامہ میں جس عذر کا تذکرہ ہے یعنی حجاج کا غیر معمولی اژدحام، موسم کی شدت، قیام گاہ اور قربان گاہ میں کافی دوری ہونے کی وجہ سے دشواری

نہ ملنے کی وجہ سے خود منیٰ جا کر قربانی کرنے کی مشکلات، اسی طرح حکومت کے نمائندہ اداروں کے ذریعہ قربانی کا نظم جس میں ترتیب کی رعایت ناممکن ہے، ظاہر ہے کہ یہ واقعی مشکلات ہیں جن سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی مجبوری کی وجہ سے خود فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ ترتیب واجب نہیں رہتی اور اعذار کی بنا پر اگر کسی واجب کا ترک ہو جائے تو دم واجب نہیں، حتی کہ اگر وقوف مزدلفہ اژدحام کی وجہ سے چھوٹ جائے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور نہ کوئی گناہ ہے۔ چنانچہ علامہ شامی نے البحر الرائق کے حوالے سے لکھا ہے:

إن واجب الحج إذا ترک لعذر لا شیء فیہ حتی لو ترک الوقوف بمزدلفة خوف الزحام لا شیء علیہ کالحائض تترک طواف الصدر (حاشیہ رد المحتار ۲/۲۳۵)۔

حج کا کوئی واجب عمل اگر کسی عذر کی وجہ سے چھوٹ جائے تو اس میں کچھ نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر وقوف مزدلفہ بھیڑ کے خوف سے چھوڑ دے تو اس پر کوئی دم نہیں ہے۔ جیسے کہ حائضہ عورت کا حیض کی وجہ سے طواف صدر چھوٹ جائے تو کچھ نہیں ہے۔

واما ترک الواجبات بعذر فلا شیء علیہ (غنیۃ الناسک فی بغیۃ المناسک، ص ۱۳۸)۔

بہر حال کسی عذر کی بنا پر واجبات کو چھوڑنے میں کچھ واجب نہیں ہے۔

لہذا ایسے اعذار کی بنیاد پر اگر ترتیب کے خلاف عمل ہو جائے اور رمی، ذبح، حلق میں تقدیم و تاخیر ہو جائے تو اس میں نہ کوئی گناہ ہے نہ دم۔

۹۔ حج بدل میں تمتع اور قران کا حکم:

حج بدل میں جن فقہاء نے تمتع کو ناجائز قرار دیا ہے اس کی دو علتیں ذکر کی ہیں: ایک تو یہ کہ اگر ایک معذور اور عاجز شخص نے دوسرے کو اپنی طرف سے حج کے لئے بھیجا تو مامور اس بات کا مکلف ہے کہ وہ بھیجنے والے کی طرف سے میقاتی حج کرے، کیونکہ مثلاً کوئی ہندوستانی حج کے لئے جائے گا تو اس کی میقات یلملم ہے، وہ یلملم سے حج کا احرام باندھے گا، اور اس کا حج میقاتی ہوگا، اور تمتع کی صورت میں میقات سے عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے، پھر عمرہ کے افعال سے فراغت کے بعد حج کے لئے ۸ ذی الحجہ کو مکہ ہی سے احرام باندھا جاتا ہے تو اس صورت میں یہ حج مکی ہو جاتا ہے میقاتی نہیں رہتا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

ولو أمرہ بالحج فاعتمر ثم حج من مکة فھو مخالف لأنہ مأمور بحج میقاتی (حاشیہ رد المحتار ۲/۳۰۲)۔

اگر کسی شخص نے دوسرے کو اپنی طرف سے حج کے لئے بھیجا اور اس نے پہلے عمرہ کیا پھر مکہ سے حج کیا تو وہ آمر کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والا ہے کیونکہ اسے میقاتی حج کا حکم دیا گیا تھا۔

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں: وإذا کان أمر بالحج فبدأ و اعتمر فی أشھر الحج ثم حج من مکة کان مخالفا فی قولھم جمیعا لأنہ مأمور بأن یحج عن المیت من المیقات والمتمتع یحج

من جوف مكة فكان هذا غير ما أمر به (المبسوط)۔

اور اگر آمر نے حج کا حکم دیا تھا اور مامور نے اشہر حج میں پہلے عمرہ کر لیا پھر مکہ سے حج کیا تو امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے قول کی رو سے وہ حکم آمر کی خلاف ورزی کرنے والا سمجھا جائے گا، کیونکہ وہ اس بات پر مامور ہے کہ میت کی طرف سے میقات سے حج کرے اور تمتع کرنے والا جوف مکہ سے حج کرتا ہے اور یہ اس کے حکم کے خلاف ہے۔

اور دوسری علت حج بدل میں تمتع کے عدم جواز کی یہ ذکر کی گئی ہے کہ اس میں بھیجنے والے کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ جو معذور اپنی طرف سے کسی کو حج کے لئے بھیج رہا ہے، اس پر صرف فریضہ حج ہے اور اسی کی ادائیگی کا اس نے مامور کو حکم دیا ہے۔ لہذا اگر وہ قران یا تمتع کرتا ہے تو اس میں اس کے حکم کی مخالفت لازم آتی ہے جبکہ یہ حج میں آمر کا نائب ہے، اسے آمر کے حکم کے دائرہ میں رہ کر حج کرنا چاہئے اور اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کرنا چاہئے۔ پھر تمتع اور قران کی صورت میں دم تمتع اور قران بھی واجب ہوگا جس کا آمر مکلف نہیں ہے۔

جہاں تک پہلی علت کا تعلق ہے تو اگر اسے ضروری قرار دیا جائے تو پھر کسی آفاقی کے لئے حج تمتع جائز ہی نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ تمتع کی صورت میں عمرہ میقاتی ہوتا ہے اور حج مکی۔ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کا حج تو راجح قول کی رو سے قران تھا، مگر وہ صحابہ جو قربانی کا جانور ساتھ نہیں لے گئے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے تمتع کیا تھا۔ اس سلسلہ میں صحیحین کی روایت درج ذیل ہے:

وقال ابن عمر تمتع الناس مع رسول الله ﷺ بالعمرة إلى الحج فلما قدم رسول الله ﷺ قال للناس: من لم يكن منكم أهدى فليطف بالبيت و بالصفا والمروة وليقصر ثم ليهل بالحج و يهدى فمن لم يجد هديا فليصم ثلاثة أيام في الحج و سبعة إذا رجع إلى أهله (متفق عليه)۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ (مکہ) تشریف لائے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ ہدی ساتھ نہیں لائے ہیں وہ بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف کر کے سر کے بال کا قصر کرا لے پھر حج کا احرام باندھے اور ہدی ذبح کرے (یعنی دم تمتع) اور جو شخص ہدی نہ پائے وہ تین دن حج کے زمانہ میں اور سات دن اپنے گھر لوٹنے کے بعد روزہ رکھے۔

تو جن صحابہ نے تمتع کیا ظاہر ہے کہ ان کا حج مکی ہوا میقاتی نہیں اور یہ عمل خود رسول اللہ ﷺ کے حکم سے تھا، اس لئے اسے غلط نہیں کہا جا سکتا، لہذا یہ دعوی کرنا بھی صحیح نہیں کہ آفاقیوں پر میقاتی حج ضروری ہے۔ اکثر ائمہ نے تمتع کو افراد سے افضل قرار دیا ہے۔ بلکہ امام شافعی کے نزدیک تو تمتع سب سے افضل ہے۔ اس لئے یہ علت اصل اور بنیادی نہیں ہے۔ اصل علت آمر کی مخالفت ہی ہے۔ اسی بنا پر میقاتی حج کی شرط خود آمر کے لئے بھی نہیں ہے، اس لئے کہ جس پر حج فرض تھا اگر وہ کسی ضرورت سے سفر کر کے مکہ جاتا اور پھر وہیں سے حج کر لیتا تو یہ حج بالاتفاق جائز ہوتا۔ معلوم ہوا کہ یہ علت اصل نہیں ہے۔ بنیادی چیز آمر کی مخالفت ہی ہے کہ اس نے صرف حج کا حکم دیا ہے اس لئے مامور کو صرف حج کرنا چاہئے، اور میقات سے حج کا احرام باندھنا چاہئے، اور تمتع کرنے کی صورت میں حج میقاتی ہوگا۔ لہذا

اگر تمتع کے عدم جواز کی جو اصل علت ہے یعنی آمر کی مخالفت، اگر وہ باقی نہ رہے تو پھر تمتع اور قران دونوں کو جائز ہونا چاہئے۔ پس اگر بھیجنے والا زندہ ہے اور اس نے مامور کو اجازت دے دی ہے کہ اپنی سہولت کو پیش نظر رکھ کر جون سا حج چاہے آمر کی طرف سے اجازت حاصل کرلے تو پھر مامور کے لئے تمتع کرنا بھی جائز ہوگا۔ اس لئے آمر اگر زندہ ہے تو مامور کو چاہئے کہ سفر سے قبل اگر تمتع کرنا چاہتا ہے تو آمر سے اس کی اجازت حاصل کرلے۔ اسی طرح آمر کو چاہئے کہ وہ جسے اپنی طرف سے حج کے لئے بھیجے اسے اس کی اجازت دے دے کہ جس حج میں سہولت ہو وہ اس کی طرف سے کرلے۔ ارشاد الساری مناسک ملا علی قاری میں ہے:

وينبغي للآمر أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول حج عني كيف شئت مفردا أو متمتعا (ص ۳۰۲)

اور آمر کو چاہئے کہ معاملہ مامور کے سپرد کردے اور اس سے یہ کہہ دے کہ میری طرف سے جون سا حج چاہو کرلو، خواہ تنہا حج ہو یا تمتع ہو۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

إذا أمر غيره بأن يحج عنه فينبغي أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول: حج عني بهذا المال كيف شئت إن شئت حجة وإن شئت حجة و عمرة وإن شئت قرانا... كيلا يضيق الأمر على الحاج (۱/۳۰۷)۔

اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنی طرف سے حج کرنے کا حکم دے تو اسے چاہئے کہ معاملہ کو مامور کے سپرد کردے اور اس سے یہ کہہ دے کہ اس مال سے میری طرف سے جس طرح چاہو حج کرلو، اگر چاہو تو حج کرو اور اگر چاہو تو حج اور عمرہ دونوں کرو اور اگر چاہو تو قران کرلو تاکہ معاملہ حاجی پر تنگ نہ ہو۔

لیکن آمر سے اجازت لینا اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ زندہ ہو، اور اگر میت کی طرف سے حج بدل ہو رہا ہے تو پھر اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ آیا میت پر حج فرض تھا یا نہیں، اگر حج فرض تھا تو اس نے اس کی وصیت کی یا نہیں؟ اگر اس پر حج فرض تھا اور وہ اس کی وصیت کرگیا ہے تو وہ آمر ہوا، اب اگر اس نے وصیت کے ساتھ اس کی بھی صراحت کردی تھی کہ مامور اپنی سہولت کو سامنے رکھ کر جون سا حج چاہے کرسکتا ہے تو پھر مامور کے لئے تمتع اور قران کی بھی اجازت نکل آئی۔ البتہ اگر اس نے صرف حج کی وصیت کی تھی اور تمتع یا قران کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے تو اس کی طرف سے حج تمتع جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں اصل آمر میت ہی ہے اور اب اس سے اجازت حاصل کرنا ممکن نہیں رہا، اور آمر کی اجازت کے بغیر تمتع کے عدم جواز پر ہمارے تمام ائمہ کا اتفاق ہے، اور اس صورت میں مامور تمتع کرے گا تو یہ حج آمر کی طرف سے نہیں ہوگا اور نہ اس صورت میں میت کے وارثوں کی اجازت معتبر ہوگی، لیکن اگر اس پر حج فرض نہیں تھا یا فرض تھا مگر اس نے وصیت نہیں کی اور اس کے ورثین اس کی طرف سے حج کرا رہے ہیں تو اس صورت میں ورثین کی حیثیت آمر کی ہوگی، ان کی اجازت سے مامور تمتع بھی کرسکتا ہے۔ قران تو با

جازت آمر بالاتفاق جائز ہے بشرطیکہ حج اور عمرہ دونوں آمر کی طرف سے ہو، اسی طرح حج بدل میں تمتع کی صحت کے لئے بھی حج وعمرہ دونوں کا احرام آمر کی طرف سے باندھا جانا ضروری ہے، لیکن اجازت نہ ہونے کی شکل میں امام اعظم کے نزدیک قران بھی صحیح نہیں، اور یہ حج آمر کی طرف سے واقع نہ ہوگا بلکہ مامور کی طرف سے واقع ہوگا، اور حج کا نفقہ اسے آمر کو لوٹانا پڑے گا، صاحبین نے اسے استحساناً جائز قرار دیا ہے۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

ولو قرن مع الحج عمرة كان مخالفا ضامنا للنفقة عند أبي حنيفة و عندهما لا يصير مخالفا استحسانا لأنه أتى بالمأمور به وزاد عليه ما يجانسه فلا يصير مخالفا كالوكيل بالبيع إذا باع بأكثر مما سمي له من جنسه وأبو حنيفة يقول هو مأمور بإنفاق المال في سفر مجرد للحج وسفره هذا ما تفرد بل للحج والعمرة جميعا فكان مخالفا كما لو تمتع (المبسوط)۔

اگر مامور نے حج کے ساتھ عمرہ کو ملا کر قران کر لیا تو وہ مخالفت کرنے والا ہوگا، امام ابوحنیفہ کے نزدیک نفقہ کا ضامن ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک استحساناً مخالف نہیں شمار کیا جائے گا، کیونکہ اس نے مامور بہ کو ادا کیا اور اس کے ساتھ اسی کے جنس کی ایک چیز کا اضافہ کر دیا لہذا وہ مخالف نہیں سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ وہ شخص جسے کسی نے کسی شی کو فروخت کرنے کے لئے وکیل بنایا اور موکل نے جتنی قیمت میں بیچنے کو کہا تھا اس سے زیادہ میں بیچا۔ اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسے سفر میں مال خرچ کرنے کا پابند ہے جو صرف حج کے لئے ہو، اور اس کا یہ سفر صرف حج کے لئے نہیں رہا بلکہ حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہوگیا لہذا وہ مخالفت کرنے والا شمار کیا جائے گا، جیسا کہ تمتع کرنے کی صورت میں۔

امام ابوحنیفہ کا قول قیاس پر مبنی ہے اور صاحبین استحساناً اس کے جواز کے قائل ہیں، اور اصول کی رو سے استحسان کو قیاس پر ترجیح حاصل ہوتی ہے، اس لئے صاحبین کے قول کی بنیاد پر قران کو جائز قرار دیا جائے گا۔ لیکن تمتع کی صورت میں چونکہ مخالفت دوہری ہو جاتی ہے یعنی حج کے ساتھ عمرہ کا ملانا اور میقاتی کے بجائے حج مکی کرنا، اس لئے اس صورت میں صاحبین بھی اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔

اس تمہید کی روشنی میں سوالنامہ میں مذکور سوالات کا جواب درج ذیل ہوگا:

حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنا عرفاً حج تمتع تصور نہیں کیا جائے گا۔ فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں آمر کی اجازت کے بغیر مامور کے لئے تمتع کرنا جائز نہیں ہوگا۔

(الف) حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے۔

(ب) حج بدل کرنے والا آمر کی صریح اجازت کے بغیر حج تمتع نہیں کر سکتا ہے۔

(ج) آمر سے تمتع کی صریح اجازت لئے بغیر حج بدل کرنے والا محض ظن غالب کی بنیاد پر تمتع نہیں کر سکتا ہے اور اس سلسلہ میں ظن غالب کا اعتبار نہیں ہوگا۔

(د) فقہاء کی تصریحات کی رو سے دم تمتع حج بدل کرنے والے مامور کے ذمہ ہوگا۔ ہاں اگر آمر اپنے مال سے دم تمتع ادا کرنے کی اجازت دے دے تو آمر کے مال سے ادا کرنا جائز ہوگا،

اس کی صراحت ملتی ہے کہ آمر نے حج بدل کے لئے جو مال مامور کے حوالہ کیا تھا اگر اس نے یہ کہہ دیا تھا کہ اس میں سے اگر کچھ بچ رہے تو وہ تمہارے لئے ہے تو اس صورت میں اس کا استعمال اس کے لئے صحیح ہوگا اور وارثین کو لوٹانا ضروری نہ ہوگا۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

فينبغي أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول حج عنى بهذا المال كيف شئت .. والباقي من المال لك وصية.. ولا يجب رد ما فضل على الورثة (۱/۳۰۷)۔

مناسب یہ ہے کہ معاملہ کو مامور کے سپرد کر دے اور اس سے یوں کہے کہ اس مال سے جس طرح چاہو حج کر لو اور جو مال بچ جائے وہ تمہارے لئے وصیت ہے تو اس صورت میں باقی ماندہ مال کا وارثوں کی طرف لوٹانا واجب نہ ہوگا۔

تو جب آمر کی اجازت سے باقی ماندہ مال کا استعمال مامور کے لئے صحیح ہے تو اس کی اجازت سے دم تمتع کیوں نہیں دے سکتا، خوشدلی سے اجازت دے دینے کے بعد اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں رہتی۔

(ح) حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے تمتع کر سکتا ہے۔ آمر کی اجازت کے باوجود تمتع کے صحیح نہ ہونے کا قول مرجوح ہے۔ اس کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اکثر فقہاء کی تصریحات اس کے خلاف ہیں۔ تمتع کے عدم جواز کی سب سے بڑی علت مخالفت آمر ہے جو اجازت مل جانے کے بعد باقی نہیں رہتی، اس لئے موجودہ دشواریوں کے پیش نظر جواز ہی کے قول کو اختیار کرنا مناسب ہے۔

(د) میت کی طرف سے حج کی صورت میں تمتع کی گنجائش صرف اس صورت میں ہوگی جبکہ میت نے اس کی صریح اجازت دے دی ہو یا حج کے لئے جس کو وصی بنایا ہو اسے اس کا پورا اختیار دے دیا ہو کہ وہ جس طرح چاہے حج کرا دے، یا میت نے حج کی وصیت نہ کی ہو اور وارثین اپنے خرچ سے حج کرا رہے ہوں اور انہوں نے مامور کو تمتع کی اجازت دے دی ہو لیکن اگر میت نے تمتع کی صریح اجازت نہیں دی تھی اور حج فرض اس کی وصیت کے مطابق اس کے مال سے کرایا جا رہا ہے تو وارثین کی اجازت معتبر نہ ہوگی کہ اس صورت میں میت آمر ہے نہ کہ وارثین۔ اس صورت میں حج افراد یا قران کرنے ہی سے فریضہ ادا ہوگا۔

حکومت کی حج کمیٹی کے تحت جو حج ہوتا ہے اس میں سفر کی تاریخ طے کرنا اپنے اختیار میں نہیں ہوتا اس صورت میں جو لوگ میت کی طرف سے حج افراد یا قران کرنے کے پابند ہیں ان کے لئے ایک طویل عرصہ تک احرام کی پابندیوں کو جھیلنا دشوار ہوگا۔ اس کی دوسری متبادل صورتیں موجود ہیں مثلاً سعودی ایئر لائنس اور دوسری تنظیمیں جو اپنے طور پر حج کا نظم کرتی ہیں ان میں حاجیوں کے اختیار میں رہتا ہے کہ حج سے بالکل متصل تاریخوں میں سفر کریں۔ اس لئے ایسی صورت میں حکومت کی حج کمیٹی کے بجائے انہیں دوسرے ذرائع سے حج کرنا چاہئے۔ فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں اس صورت میں حج تمتع کی گنجائش بالکل نہیں نکلتی۔

۱۰۔ حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت کا حکم:

طواف زیارت جو فرض ہے اس کا اصل وقت دسویں ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ کی شام تک ہے۔ رمی، نحر اور حلق کے بعد طواف ہے۔ اور اس میں بلا عذر تاخیر کرنے سے امام اعظم کے نزدیک دم واجب ہو جاتا ہے۔ اور عمر بھر میں جب بھی ادا کر دے ادا ہو جاتا ہے۔ اور حیض ونفاس جیسے اعذار کی بنا پر اگر تاخیر ہو تو اس میں کوئی دم نہیں ہے۔ اگر کوئی عورت طواف کے زمانہ میں حالت حیض یا نفاس میں ہو اور واپسی کی جو تاریخ مقرر ہے معمول کے مطابق اس وقت تک پاک ہونے کی امید نہ ہو اور کوشش کے باوجود واپسی کی تاریخ میں تبدیلی نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں اس کے لئے طواف کرنا درست تو نہیں ہے کیونکہ طواف مسجد حرام کے اندر ہوتا ہے اور اس کے لئے طہارت واجب ہے اور حالت حیض ونفاس اور جنابت میں مسجد میں داخل ہونا حرام ہے، لیکن اس مجبوری کے پیش نظر جس کا سوال نامہ میں تذکرہ ہے اگر وہ طواف کرلے تو وہ ایک ممنوع فعل کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے گنہگار تو ہوگی لیکن فریضہ ادا ہو جائے گا اور حج مکمل ہو جائے گا لیکن اس پر دم واجب ہوگا اور بڑے جانور کی قربانی دینی ہوگی۔ علامہ ابن الہمام لکھتے ہیں:

(ولأن الطواف في المسجد) يعني ولا يحل للحائض دخوله والحاصل أن حرمة الطواف من وجهين، دخولها المسجد وترك واجب الطواف. فإن الطهارة واجبة في الطواف فلا يحل لها أن تطوف حتى تطهر، فإن طافت كانت عاصية مستحقة لعقاب الله تعالى ولزمها الإعادة فإن لم تعده كان عليها بدنة وتم حجها (فتح القدير ۳/۴۴)

یعنی حائضہ عورت کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں، خلاصہ یہ کہ حائضہ کے لئے طواف کی حرمت دو وجہ سے ہے: ایک اس کے مسجد میں داخل ہونے کی وجہ سے، اور دوسرے طواف کے واجب کو چھوڑنے کی وجہ سے، کیونکہ طواف میں طہارت واجب ہے لہذا اس کے لئے پاک ہونے سے قبل طواف کرنا جائز نہیں، پس اگر وہ طواف کرلے تو گنہگار اور اللہ تعالیٰ کے عتاب کی مستحق ہوگی اور اس کے لئے پاک ہونے کے بعد طواف کا اعادہ لازم ہوگا۔ اگر اعادہ نہ کرے گی تو اس پر بدنہ (بڑے جانور مثلاً اونٹ یا گائے وغیرہ کا ذبح کرنا) واجب ہوگا اور اس کا حج مکمل ہو جائے گا۔

اس سے پتہ چلا کہ حالت حیض ونفاس میں بھی طواف کرنے سے فریضہ ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، لیکن اگر مکہ سے روانگی سے قبل پاکی حاصل ہوگئی تو طواف کا لوٹانا واجب ہوگا اور اعادہ کر لینے سے دم ساقط ہو جائے گا لیکن اگر قانونی مجبوری کی وجہ سے اسے قیام کا موقع نہ ملا تو دم کے ذریعہ اس نقص اور گناہ کی تلافی ہو جائے گی۔

(الف) ایسی معذور عورت جس کا سوالنامہ میں تذکرہ ہے اس کے لئے ناپاکی کی حالت میں طواف کرنا درست نہیں۔

(ب) اگر اس نے ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کر لیا تو اس کا رکن ادا ہو جائے گا لیکن دم لازم ہوگا۔

(ج) اور بدنہ (بڑا جانور) ذبح کرنا ضروری ہوگا۔

(د) اور دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ میں ہی ضروری ہوگی، حرم مکہ سے باہر یا اپنے مقام پر دم دینے سے دم ادا نہ ہوگا۔ چونکہ یہ دم جنایت ہے اور ہدی اور دم جنایت کا مکہ مکرمہ میں ذبح کیا جانا ضروری ہے اس لئے کہ وہ مکہ کے مساکین کا حق ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ میں حکم دیا ہے کہ حالت احرام میں کوئی شکار نہ کرے اور اگر شکار کرلے تو اس کے بدلے میں اسی قیمت کا جانور خرید کر اسے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے، اور اس ہدی کے بارے میں فرمایا :ھدیا بالغ الکعبۃ (سورہ المائدہ) یعنی وہ کعبہ (حرم مکہ) میں پہنچا کر ذبح کیا جائے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

اما الهدى فلا خلاف في أنه لابد له من مكة لقوله تعالى: هدياً بالغ الكعبة (الجامع لاحکام القرآن ۳۲۶/۹)۔

بہر حال ہدی کے بارے میں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس کا مکہ میں ذبح کیا جانا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہدی کو کعبہ پہنچنا چاہئے۔

والهدى حق لمساكين مكة (حوالہ سابق) اور ہدی مکہ کے مساکین کا حق ہے۔

معلوم ہوا کہ دم جنایت کی ادائیگی مکہ مکرمہ میں ضروری ہے اور اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، کیونکہ یہ مکہ کے مساکین کا حق ہے۔

۱۱۔ عدت کے دوران حج وعمرہ ادا کرنے کا مسئلہ:

حج کے وجوب کے لئے جو شرائط مردوں کے لئے ہیں وہی عورتوں کے لئے بھی ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے لئے مزید دو شرطیں ہیں یعنی حج میں محرم کا ساتھ ہونا اور دوسرے اس کا عدت سے خالی ہونا، عدت خواہ شوہر کی وفات کی بنیاد پر ہو یا طلاق کی بنیاد پر (دیکھئے فتاوی تاتارخانیہ ۴۳۵/۲)۔

لہٰذا اگر سفر حج شروع کرنے سے قبل عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس صورت میں اس کے لئے سفر شروع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ حق شرعا نہیں ہے، جس طرح بغیر محرم کے اس کے لئے حج کو جانا درست نہیں۔ لیکن اگر سفر شروع کرنے کے بعد شوہر کا انتقال ہو جائے تو بھی اس کی دو صورتیں ہیں: حج کا احرام باندھنے سے قبل انتقال ہو اہے یا حج کا احرام باندھنے کے بعد۔ آج کل حج وعمرہ کا سفر عام طور پر ہوائی جہاز کے ذریعہ ہوتا ہے، اور ہندوستان والوں کی پرواز چار مقامات سے ہوتی ہے: بمبئی، دہلی، مدراس اور کلکتہ۔ اب اگر فرض کیا جائے کہ ایک مسلم خاتون اپنے شوہر کے ساتھ سفر کے لئے اپنے وطن سے کلکتہ روانہ ہوئی، اور کلکتہ میں شوہر کا انتقال ہو گیا تو اسے وطن واپس لوٹ آنا چاہئے کیونکہ ابھی اس نے احرام نہیں باندھا ہے اور اس کے حج یا عمرہ کا عمل شروع نہیں ہوا، اور معتدہ ہو جانے کی وجہ سے اس پر حج کی فرضیت نہیں رہی، اس لئے اس کا حکم وہی ہے جو گھر سے نکلنے سے قبل شوہر کے وفات ہو جانے کی

صورت میں ہے کہ اس کے لئے اب آگے سفر کرنا درست نہیں۔ لیکن اگر طیارہ کے پرواز کرنے کے بعد جہاز کے اندر وفات ہوتی ہے تو اب راستہ سے واپسی اس کے لئے ممکن نہیں، اب تو جدہ اسے پہنچنا ہی ہے اور جدہ احرام کے ساتھ ہی پہنچے گی، اور دوسری صورت یہ ہے کہ جدہ یا مکہ میں وفات ہو۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر کا انتقال ایسی جگہ ہوا ہو جہاں سے مکہ کی مسافت، سفر شرعی کی مسافت سے کم ہو تو وہ اپنا سفر جاری رکھے گی۔ چنانچہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

أو كانت عدة الوفاة، ثم ينظر إن كان بينها و بين منزلها أقل من مسيرة سفر فعليها أن تعود إلى منزلها وإن كان بينها و بين مكة دون ذلك فعليها ان تمضي عليها (۲/۳۳۵)۔

یا عدت وفات ہو، پھر دیکھا جائے گا اگر اس کے درمیان اور اس کے گھر کے درمیان سفر شرعی سے کم کی مسافت ہو تو اس پر لازم ہے کہ اپنے گھر لوٹ آئے، اور اگر اس کے درمیان اور مکہ کے درمیان اس سے کم کی مسافت ہو تو اسے چاہئے کہ سفر جاری رکھے۔

اس لئے جدہ، یا مکہ یا ہوائی جہاز یا پانی جہاز پر اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس صورت میں حج کی گنجائش ہے، کیونکہ جدہ سے مکہ کی مسافت مسافت سفر سے کم ہے، اسی طرح مکہ سے منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کا فاصلہ بیس کیلومیٹر کے اندر ہے جو سفر شرعی کی مسافت سے کم ہے اور عمرہ تو بیت اللہ کے اندر ہی ہوتا ہے۔

لیکن اگر مدینہ منورہ میں انتقال ہوتا ہے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں: حج سے قبل یا حج کے بعد۔ اگر حج کے بعد انتقال ہوا ہے تو حج مکمل ہو چکا ہے اور زیارت مدینہ بھی ہو گئی، لیکن اگر حج سے قبل انتقال ہوا ہے تو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے لئے مدینہ سے مکہ جانا درست نہیں خواہ محرم کے ساتھ ہو، کیونکہ مدینہ سے مکہ کی مسافت سفر شرعی کی مسافت سے زیادہ ہے، اور مدینہ شہر ہے جنگل یا صحرا نہیں ہے جہاں جان و مال کو کوئی خطرہ لاحق ہو یا جہاں ٹھہر کر عدت گذارنا ممکن نہ ہو۔ اور صاحبین کے نزدیک اس صورت میں اگر محرم ہو تو وہ حج کے لئے مکہ جا سکتی ہے اور یہ متفق یہ قول ہے، لیکن اگر محرم نہ ہو تو بالاتفاق اس کے لئے مکہ کا سفر کرنا درست نہیں۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وإن كان من الجانبين مسيرة سفر فإنه ينظر إن كان في المصر فليس لها أن تخرج حتى تنقضي عدتها في قول أبي حنيفة وإن وجدت محرما وفي قولهما جاز أن تخرج إذا كان معها محرم ولا تخرج بغير محرم بالاجماع (۲/۳۳۵)۔

اور اگر دونوں جانب یعنی وطن اور مکہ دونوں طرف کی مسافت سفر شرعی کی مسافت ہو تو دیکھا جائے گا اگر شہر میں ہو تو جب تک عدت نہ گزر جائے اس کا وہاں سے نکلنا جائز نہیں امام ابوحنیفہؒ کے قول کی رو سے، خواہ اس کے ساتھ محرم ہو، اور صاحبین کے قول کی رو سے اگر محرم کے ساتھ ہو تو نکلنا جائز ہے اور بغیر محرم کے بالاتفاق نکلنا جائز نہیں۔

ہمارے فقہاء کا فتویٰ اور فیصلہ تو یہ ہے لیکن آج کی صورت حال کے پیش نظر اس میں کئی دشواریاں ہیں۔ ایک تو قانونی مجبوری ہے کہ حکومت کی طرف سے واپسی کی تاریخ مقرر ہے، چار ماہ دس دن قیام کر کے عدت گزارنے کی اجازت مدینہ یا مکہ یا جدہ میں نہیں مل سکتی، لازماً اسے عدت کے دوران وطن کا سفر کرنا ہی پڑے گا۔ دوسرا مسئلہ اس

طویل مدت کے لئے نفقہ فراہم ہونے کا ہے، بالفرض اس کا کسی طرح انتظام ہو بھی جائے اور حکومت کی طرف سے قیام کی اجازت مل بھی جائے تو کیا اس کے ساتھ جو محرم ہے یا وطن کے دوسرے لوگ جن کے ساتھ وہ ہے وہ اس کی خاطر مدینہ میں ٹھہر سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ بھی ممکن نہیں، جو لوگ وطن سے ساتھ آئے ہیں خواہ وہ محرم ہوں یا غیر محرم، وہ سب حج کے لئے آئے ہیں اور متعینہ تاریخ میں وہ مدینہ سے مکہ چلے جائیں گے، اس کی خاطر وہ اس طرح حج نہیں چھوڑ سکتے، اور ظاہر ہے کہ یہ اکیلی یہاں نہیں رہ سکتی اس میں وحشت اور مشقت ہے، اس کے برخلاف قافلہ کے ساتھ رہنا اس کے لئے نسبۃً آسان ہے۔ مسئلہ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اس پر اگر حج فرض ہے تو اس کی ادائیگی اس پر لازم ہے۔ اور حج نفل بھی ہے تو احناف کے نزدیک احرام باندھنے کے بعد اس کی تکمیل اس پر واجب ہے، اور فوت ہو جائے کی صورت میں اس کی قضا لازم ہے۔ اس طرح دو آزمائشیں اور دو بلائیں اس کے سامنے ہیں۔ اگر مدینہ سے حج کے لئے جائے تو حکم عدت کی خلاف ورزی لازم آتی ہے، اور مدینہ میں رکتی ہے تو قانونی دشواری اور وحشت واجنبیت اور تنہائی کے علاوہ حج چھوٹتا ہے۔ اور آئندہ اس فریضہ کی ادائیگی یقینی نہیں ہے کہ دوبارہ نفقہ کا فراہم ہونا، محرم کا ملنا اور قانونی لحاظ سے پانچ سال سے قبل اجازت کا ملنا مشکل ہے۔ پھر عدت کی حالت میں بھی چند دنوں کے بعد اسے سفر کرنا ہی ہوگا، اس لئے اس صورت میں اہون البلیتین کو اختیار کرنا ہوگا، اور وہ یہ ہے کہ ساتھیوں کے ساتھ حج کے لئے چلی جائے گی۔ عدت کی حالت میں حج کرنے سے وہ شرعاً گنہگار قرار پائے گی لیکن حج درست ہو جائے گا۔ چنانچہ صاحب ارشاد الساری الی مناسک الملا علی قاری حسین بن محمد سعید المکی الحنفی لکھتے ہیں:

وان حجت وھی فی العدة جاز حجھا و کانت عاصیة (ارشاد الساری، ص ۳۹)۔

اور اگر وہ عدت کی حالت میں حج کرے تو اس کا حج صحیح ہو جائے گا لیکن وہ گنہگار ہوگی۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر معتدہ حج یا عمرہ کرلے تو اس کا حج وعمرہ شرعاً درست ہوگا، یہ اور بات ہے کہ عدت کی وجہ سے گنہگار ہوگی۔ اور مجبوری کی حالت کو اللہ دیکھ رہا ہے۔

۱۲۔ حج کا سفر کرنے والا اگر ایام حج یعنی ۸ ذی الحجہ سے اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہنچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ۱۵ دن قیام سے پہلے ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں اور اس نے مکہ پہنچ کر مکہ میں اقامت کی نیت نہیں کی اور منیٰ چلا جاتا ہے تو وہ مقیم نہیں ہوگا اور منیٰ وعرفات وغیرہ میں اسے چار رکعت والی نمازیں قصر کرنی پڑیں گی، الا یہ کہ مقیم امام کے پیچھے پڑھے، اور اگر اس نے مکہ پہنچ کر پندرہ دنوں قیام کی نیت کرلی اور مثلاً دس دن مکہ میں گزرنے کے بعد حج شروع ہوا اور پانچ دن منیٰ وعرفات وغیرہ میں گزرے تو اس صورت میں وہ مقیم شمار ہوگا اور نمازیں پوری پڑھنی ہوں گی، کیونکہ مکہ اور منیٰ وعرفات کے درمیان سفر شرعی کی مسافت نہیں ہے۔

۱۳۔ رمضان المبارک میں وتر حرمین شریفین میں پڑھنے کا مسئلہ:

وتر کی رکعات کی تعداد اور اسے فصل کے ساتھ یعنی دو رکعات پر سلام پھیر کر یا بلا فصل یعنی تینوں رکعات ایک سلام سے پڑھنے کا مسئلہ حدیث کے نہایت مشکل اہم اور معرکۃ الآراء مسائل میں سے ہے۔ اس سلسلہ میں

روایات میں بڑا اختلاف ہے۔ اور جس پہلو کو بھی اختیار کیا جائے دوسری روایات میں تاویل کرنی پڑتی ہے۔ احناف نے ایک سلام کے ساتھ تین رکعات پڑھنے کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس میں مختلف روایات میں تطبیق کی صورت زیادہ ممکن ہے اور پھر یہ کہ اس کی بنیاد حضرت عائشہؓ کی حدیث پر ہے۔ اور حضور ﷺ کا معمول عام طور پر وتر آخر شب میں تہجد کے ساتھ پڑھنے کا تھا جو آپ گھر میں پڑھتے تھے۔ اس لئے اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت قابل ترجیح ہے کہ وہ اس کی عینی شاہد ہیں، جبکہ جمہور ائمہ (مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ) کا مسلک فصل کے ساتھ تین رکعات پڑھنے کا ہے۔ اور اس کی بنیاد حضرت ابن عمرؓ کی حدیث پر ہے جسے امام ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے، اور بعض صحابہ و تابعین کا یہی عمل نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

قال أبو عيسى حديث ابن عمرؓ حديث حسن صحيح والعمل على هذا عند بعض أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ والتابعين رووا أن يفصل الرجل بين الركعتين والثالثة ويوتر بركعة وبه يقول مالك والشافعي وأحمد وإسحاق (ترمذی ۱/۶۱۔ ابواب الوتر)۔

ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اس پر عمل بعض اہل علم نبی ﷺ کے اصحاب اور تابعین کا ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ آدمی دو رکعتوں اور تیسری رکعت کے درمیان (سلام کے ذریعہ) فصل کرے اور ایک رکعت کو الگ سے پڑھے۔ امام مالک، شافعی، احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں۔

اس لئے وتر فصل کے ساتھ پڑھنے کو غلط نہیں کہا جا سکتا جبکہ اس کی بنیاد ابن عمرؓ کی صحیح حدیث پر ہے اور اس پر بہت سے اہل علم صحابہ و تابعین کا عمل رہا ہے۔ اس لئے اگر کبھی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے فصل کے ساتھ وتر پڑھ لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، خاص طور پر حرمین شریفین کے اندر رمضان المبارک میں جماعت اور مجمع کی رعایت کرتے ہوئے امام حرم کی اقتداء میں نماز ادا کرنا بہتر ہے۔ حرمین شریفین کی جماعت کو چھوڑ کر تنہا وتر کی نماز ادا کرنا یا حرم سے باہر وتر کی جماعت کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔

☆☆☆☆☆
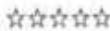
حج ۔ نئے اور اہم مسائل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
دار العلوم سبیل السلام، حیدر آباد

"حج" ارکان اسلام میں سے ایک ہے، جس سے ایمان کی تجدید ہوتی ہے اور دل ونگاہ کو نیا یقین حاصل ہوتا ہے، شاید اسی لئے آپ ؐ نے اسلام کو بھی پچھلی زندگی کے گناہوں کے لئے کفارہ قرار دیا اور حج کو بھی "الاسلام یھدم ما کان قبلہ والحج یھدم ما کان قبلہ"۔

عمر بھر میں ایک ہی بار صاحب استطاعت مسلمانوں سے یہ فریضہ متعلق ہے، اور اصل میں پانچ دن ہی اس عبادت میں صرف ہوتے ہیں، لیکن مسافرت، زبان وماحول کی اجنبیت، موسم کی ناموافقت اور سب سے بڑھ کر لاعلمی اور ناتجربہ کاری، اور ان سب سے مستزاد نامانوس اور خیال وامید سے بھی بڑھ کر اژدحام، ایسی باتیں ہیں، جو ترقی کے اس دور میں بھی حاجی کو مشقت سے دوچار کرتی ہیں اور قدم قدم پر ارشاد نبوی "الحج جہاد" کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

حج فرض ہونے اور کعبہ مطہرہ کے کفر وشرک کی آلائشوں سے پاک ہونے کے بعد آپ ؐ نے ایک ہی بار حج فرمایا ہے، یہی اول وآخر حج تھا، جس میں قریب ایک لاکھ جانثار آپ ؐ کے ساتھ تھے، اشارۂ غیبی سے آپ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ شاید پھر اس عظیم مجمع سے آپ کی ملاقات نہ ہوگی، اس لئے آپ ؐ نصیحت بھی فرماتے جاتے تھے: "خذوا عنی مناسککم"۔ صحابہ نے حسب معمول بلکہ معمول سے بڑھ کر آپ کے ایک ایک عمل کا بنظر غائر مشاہدہ کیا، اور علم کی اس امانت کو امت تک پہونچایا، اس لئے "حج" کے مسائل میں بہ مقابلہ دوسری عبادات کے فقہاء کے درمیان اختلاف کم ہے، اتنا کم کہ جسے انگلیوں پر شمار کیا جاسکے۔

چونکہ یہ عبادت عمر میں ایک ہی بار فرض ہے، اور اس کی ادائیگی کے لئے جسمانی مشقت اور مالی قربانی دونوں ہی کا حصہ کثیر ہوتا ہے، شاید اسی لئے امام ابوحنیفہ نے خاص طور پر حج کے مسائل میں احتیاط کی روش کو قدم قدم ملحوظ رکھا ہے تاکہ یہ عبادت غیر مشکوک طریقہ پر انجام پاسکے، حج کے افضل ترین طریقہ کی بحث ہو، افعال حج میں ترتیب کا مسئلہ ہو، ایام قربانی کا مسئلہ ہو، مکہ میں کسی ضرورت سے آفاقی کا ورود ہو وغیرہ، "احتیاط" ہمیشہ آبلہ پائی کے راستے پر لے جاتی ہے اور طبع دشوار پسندی کو راس آتی ہے، اس لئے موجودہ حالات میں حجاج کی کثرت اور مسائل حج سے عام حجاج کی ناواقفیت وغیرہ کی وجہ سے فقہ حنفی کے بعض مسائل میں مشکلات کا سامنا ہے، انہی کو مد نظر رکھتے ہوئے حج سے متعلق سوالات نہایت اہم اور فکر انگیز ہیں۔

تقلید ایک ضرورت ہے اور موجودہ عہد ہوئی وہوس میں سفینۂ نوح کا درجہ رکھتی ہے لیکن جہاں خواہشات نفس کی اتباع کا جذبہ کارفرما نہ ہو اور علماء واہل صلاح اجتماعی غور وفکر کے ذریعہ امت کی اجتماعی سہولت کے لئے بعض

مسائل میں جزوی طور پر ایک فقہ سے دوسری فقہ کی طرف عدول کریں تو حرج نہیں یہ دین کی طرف عدول ہے نہ کہ دین سے بے دینی کی طرف۔ اسی پس منظر میں ان مسائل کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ وباللہ التوفیق

۱۰۱۔ تجار کے لئے بلا احرام مکہ میں داخل ہونے کا مسئلہ:

اگر حرم محترم کا سفر حج یا عمرہ کے ارادہ سے کیا جائے تو میقات سے بلا احرام آگے بڑھنا جائز نہیں، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ اگر سفر کا مقصد تجارت، اہل مکہ سے ملاقات وغیرہ ہو، تو اس صورت میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک بلا احرام میقات سے آگے نہیں بڑھ سکتا (فتح القدیر ۲/۳۲۶) اور اگر بلا احرام آگے بڑھ گیا تو یا میقات تک واپس جائے اور احرام باندھ کر آئے، یا دم جنایت ادا کرے۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک احرام باندھنا مسنون تو ہے واجب نہیں، مناسک حج پر مشہور محدث امام نووی کی کتاب الایضاح میں مذکور ہے:

ینبغی لمن اتی من غیر الحرم أن لا یدخل مکة إلا محرما لحج أو عمرة و هل یلزمه ذلک أم هو مستحب؟ فیه خلاف منتشر یجمعه ثلاثة أقوال أصحها انه مستحب (کتاب الایضاح ۱۹/۱)

جو شخص غیر حرم سے آ رہا ہو اس کو مناسب ہے کہ مکہ میں حج یا عمرہ کے احرام کے ساتھ داخل ہو، اور یہ کہ یہ حکم وجوبی یا استحبابی ہے اس میں کافی اختلاف ہے جو سمٹ کر تین اقوال میں آ جاتا ہے جن میں صحیح ترین یہ ہے کہ مستحب ہے۔

امام مالک سے بھی یہی استحباب نقل کیا گیا ہے (المدونة الکبری ۱/۳۰۳) ابن قدامہ نے اسی طرف امام احمد کا رجحان نقل کیا ہے (المغنی ۳/۱۱۹)، البتہ اگر کسی شخص کو بار بار حرم میں آنا پڑتا ہو جب بھی فقہاء شوافع کے یہاں احرام باندھ کر آنا مسنون ہے، ترک احرام مکروہ ہے، اور ترک احرام کی وجہ سے دم ادا کرنا سنت ہے، تاکہ اپنے عمل کو فقہاء کے اختلاف سے بچایا جا سکے۔

سن له الإحرام منه و کره ترکه و یسن بترکه دم وإن تکرر دخوله خروجا من خلاف من أوجبه کابن عباس و أبی حنیفة (الافصاح علی مسائل الایضاح ۱/۱۴۱)

اس کے لئے احرام مسنون اور اس کا ترک مکروہ ہے، اور اس کے ترک کی وجہ سے دم دینا مسنون ہے، اگرچہ بار بار اس کو داخل ہونا پڑے، یہ اس لئے تاکہ ان لوگوں کے اختلاف سے نکل سکے جو اس کو واجب کہتے ہیں جیسے حضرت ابن عباس اور امام ابوحنیفہ۔

احرام کے واجب نہ ہونے کے باوجود اسی وضاحت و تاکید کے ساتھ احرام کی اور نہ باندھنے کی صورت میں دم کی تاکید مجھے مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں نہ مل سکی۔

حنفیہ نے مصنف ابن ابی شیبہ کی اس روایت کو پیش نظر رکھا ہے جو عبداللہ ابن عباس سے منقول ہے کہ بلا احرام میقات سے آگے نہ بڑھا جائے، خود امام شافعی نے اپنی مسند میں عبداللہ ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ وہ بلا احرام میقات سے آگے بڑھنے والوں کو واپس لوٹا دیا کرتے تھے (مسند امام شافعی ۱/۱۱۶) دوسرے فقہاء نے حضرت عبد

اللہ ابن عباسؓ کی حدیث مرفوع "لا یجاوز الوقت إلا بإحرام" کو حج و عمرہ کے سفر پر محمول کیا ہے۔

دلائل سے قطع نظر اس میں شبہ نہیں کہ حنفیہ کی رائے زیادہ احتیاط پر مبنی ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ گذشتہ ادوار میں آفاقی کا ایک دن دو دن میں مکہ آنا ممکن نہیں تھا، اور نہ تجارتی روابط آج کی طرح تھے، موجودہ دور میں تیز رفتار سواریوں اور تجارتی روابط میں اضافہ نے ہفتہ عشرہ کے سفر کو چند گھنٹوں کا سفر بنا دیا ہے، تو اس صورت حال میں جو لوگ بار بار تجارت یا ملازمت کی غرض سے مکہ آتے ہیں ان کو احرام و عمرہ کا مکلف قرار دینے میں حرج کا پایا جانا ایک امر واقعہ ہے، اور خود اس مسئلہ میں فقہاء حنفیہ نے حرج کو حکم کی بنیاد بنایا ہے۔

غور فرمایئے کہ حضور ﷺ کا ارشاد مطلق ہے کہ میقات سے آگے نہ بڑھا جائے "لا یجاوز الوقت" اور جیسے آفاقی کے لئے مقررہ مقامات میقات ہیں، اسی طرح جو لوگ میقات سے اندر رہتے ہیں ان کے لئے حل کا آخری علاقہ میقات ہی کے حکم میں ہے کہ اگر حج یا عمرہ کا قصد ہو تو اس سے پہلے احرام باندھ لینا ضروری ہے، اور قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ ان مقامات کے لوگوں کے لئے بھی بلا احرام مکہ جانے کی گنجائش نہ ہو، لیکن فقہاء نے اس حرج و مشقت کی رعایت کرتے ہوئے ان کو بلا احرام مکہ میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی، ابن ہمام کی گفتگو ملاحظہ فرمایئے:

من كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته لأنه يكثر دخوله مكة وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بين (فتح القدیر ۳؍۲۲۵)۔

جو لوگ میقات کی حدود کے اندر رہتے ہیں ان کے لئے جائز ہے کہ وہ مکہ کے اندر اپنی ضرورتوں سے بغیر احرام داخل ہوں اس لئے کہ ان کا بار بار آنا جانا ہوتا ہے اور ہر مرتبہ احرام کو لازم کرنے میں کھلی ہوئی تنگی ہے۔

ان حضرات کے زمانے میں آفاقی کو مکہ میں عبادت کے علاوہ دوسری اغراض سے بار بار آنے کی نوبت کم آتی تھی اس لئے نہ قابل لحاظ حرج تھا اور نہ اس کو دور کرنے کی ضرورت، پھر بھی فقہاء نے ان لوگوں کے لئے جو احرام کے ساتھ داخل ہونے میں مشقت محسوس کرتے ہوں، جواز کی ایک بالواسطہ صورت یعنی حیلہ کی رہنمائی کر دی، جو فقہ حنفی کی اکثر کتابوں میں موجود ہے، علامہ بابرتی کا بیان ہے:

والحيلة لمن أراد من الآفاقي دخوله بغير إحرام أن يقصد بستان بني عامر أو غيره من الحل فلا يجب الإحرام (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۲؍۳۳۶)۔

اور جو آفاقی بغیر احرام کے اندر داخل ہونا چاہے اس کے لئے حیلہ یہ ہے کہ وہ حل کے اندر کسی علاقہ بستان بنی عامر وغیرہ کی نیت کر لے تو اس پر احرام واجب نہ ہوگا۔

اس حیلہ میں جو تکلف ہے وہ تو ظاہر ہی ہے علاوہ اس کے خیال ہوتا ہے کہ فقہاء نے جہاں کہیں حیلوں کی رہنمائی کی ہے وہاں کسی سخت ضرورت کی وجہ سے عارضی طور پر اس عمل کی گنجائش فراہم کرنا مقصود ہے، اب روز روز آنے والے تاجروں کو مشورہ دینا کہ وہ ہمیشہ اس حیلہ سے کام لیا کریں اور حیلہ کو ایک مستقل عمل بنا لے درست نظر نہیں آتا، کہ اس طرح دین کے بازیچہ اطفال بن جانے اور شریعت کے اوامر و نواہی کی بابت بے حسی و بے احترامی پیدا

ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

اس لئے اس حقیر کا خیال ہے کہ اس مسئلے میں ائمہ ثلاثہ کی رائے پر فتویٰ دیا جانا چاہئے، اور میرا تو خیال ہے کہ یہ ایک فقہ سے دوسری فقہ کی طرف عدول نہیں ہے، کہ عدول تو اس وقت ہوتا ہے جبکہ دلیل دربان کا اختلاف ہو، یہ اختلاف زمان کی بنا پر اختلاف احکام ہے و لا ینکر تغیر الأحکام بتغیر الزمان۔

۳۔ اہل مکہ کا حج تمتع:

حنفیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اہل مکہ کے لئے تمتع اور قران نہیں ہے، ان کو حج افراد ہی کرنا چاہئے: لیس لا هل مكة تمتع و لا قران وانما لهم الإفراد خاصة (ہدایہ مع الفتح ۳/۱۰) یعنی اہل مکہ کے لئے تمتع و قران نہیں ہے ان کے لئے تو صرف افراد ہے) جو حکم اہل مکہ کا ہے وہی حکم ان لوگوں کا ہے جو حدود میقات کے اندر رہنے والے ہوں (عنایہ مع الفتح ۳/۱۰) حنفیہ نے اس سلسلے میں حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت عبداللہ ابن عباس کے آثار کو پیش نظر رکھا ہے (عنایہ مع الفتح ۳/۱۰)۔

تاہم حنفیہ کے مسلک کی تفصیل دیکھی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اہل مکہ کی تین قسمیں کی ہیں:

اول: جو مکہ میں مقیم ہیں۔

دوم: جو حج کے مہینے شروع ہونے سے پہلے ہی میقات سے باہر کے سفر پر جا چکے ہیں۔

سوم: مکہ میں مقیم ہو اور ماہ حج شروع ہونے کے بعد میقات سے باہر سفر پر گیا ہو۔

پہلی قسم کے لوگوں کے لئے نہ تمتع کی گنجائش ہے اور نہ قران کی، اور اگر تمتع یا قران کرلے تو گنہگار ہوگا، اور تلافی کے لئے دم بھی واجب ہوگا، اور دم بھی اس شان سے واجب ہوگا کہ اگر تنگی اور عسرت کی وجہ سے ان کے بدلے روزہ رکھنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش نہ ہوگی (فتح القدیر ۳/۱۱) لیکن یہ ان مشائخ احناف کے قول پر ہے جن کے نزدیک المام (بال بچوں کے ساتھ اپنے وطن میں بود و باش) حج تمتع کے لئے مانع نہیں ہے۔ دوسری صورت میں یعنی جب وہ حج سے پہلے ہی میقات سے باہر کے سفر پر جا چکا ہو تو قران کی گنجائش ہے، تمتع کی نہیں۔

فإذا خرج إلى الكوفة وقرن صح بلا كراهة .... قال المحبوبي هذا إذا خرج إلى الكوفة قبل أشهر الحج (رد المحتار ۲/۱۹۷)۔

اگر کوفہ کا سفر کرے اور قران کرے تو بغیر کراہت درست ہے، اور محبوبی کا کہنا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اشہر حج سے پہلے کوفہ کا سفر کرے۔

تیسری صورت میں جبکہ ماہ حج شروع ہونے کے بعد سفر پر گیا ہو تو قران بھی درست نہیں: "وأما إذا خرج بعدها فقد منع من القران" (رد المحتار ۲/۱۹۷) یہ امام محمد سے منقول ہے، لیکن فقہاء حنفیہ کا اس پر اتفاق نہیں، بعض حضرات کا رجحان اس صورت میں بھی قران کے جائز ہونے کا ہے، چنانچہ ابن ہمام ناقل ہیں:

وقد يقال: إنه لا يتعلق به خطاب المنع مطلقا، بل مادام بمكة، فإذا خرج إلى الآفاق

التحق بأهله لما عرف أن كل من وصل إلى مكان صار ملحقا بأهله كالآفاقي إذا قصد بستان بني عامر حتى جاز له دخول مكة بلا إحرام و غير ذلك (فتح القدیر ۳/۱۲،۱۵)۔

اور کہا جاتا ہے کہ ممانعت کا تعلق اس کے ساتھ مطلقاً نہیں ہے بلکہ جب تک مکہ کے اندر ہے لہذا اگر نکل کر آفاق میں چلا جائے تو وہ آفاقیوں میں ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ معروف ہے کہ جو جہاں پہنچا وہاں کے لوگوں کے حکم میں ہوتا ہے، جیسے کہ آفاقی اگر بستان بنی عامر کا ارادہ کرے تو اس کے لئے بغیر احرام مکہ کے اندر جانا درست ہے۔

اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مشائخ حنفیہ نے ان اہل مکہ میں جو مکہ میں مقیم ہوں اور ان میں جو میقات سے باہر سفر پر گئے ہوں فرق کیا ہے، پہلی صورت میں قران اور تمتع کو منع کیا ہے، اور دوسری صورت میں اہل مکہ کو آفاقی کے حکم میں رکھا ہے، اور ان کے لئے تمتع اور قران کو جائز سمجھا ہے، ان حضرات نے ایک اجماعی مسئلہ کو اپنے قیاس کی بنیاد بنایا ہے، اسی لئے ابن ہمام کہتے ہیں: واصل هذه الكلية الإجماع (فتح القدیر ۳/۱۵)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مکی کے لئے بھی تمتع اور قران کی گنجائش ہے، البتہ اگر مکی نے تمتع کیا تو اس پر دم تمتع واجب نہیں ہوگا، نووی رقمطراز ہیں:

إن المكي لا يكره له التمتع والقران وإن تمتع لم يلزمه دم (شرح مہذب ۷/۱۶۹)۔

مکی کے لئے تمتع وقران مکروہ نہیں ہے، اور اگر تمتع کرے تو اس پر دم لازم نہیں ہوگا۔

ابن سحنون نے امام مالک سے نقل کیا ہے:

والذين لا دم عليهم إن قرنوا أو تمتعوا في أشهر الحج إنما هم أهل مكة و ذي طوى لا غيرهم (المدونۃ الکبری ۱/۳۰۰)۔

جن لوگوں پر اگر وہ قران کریں یا تمتع کریں، دم نہیں ہوتا وہ مکہ اور وادی ذی طوی کے رہنے والے ہیں دوسرے نہیں۔

اور یہی نقطۂ نظر حنابلہ کا ہے (الروض المربع ۲/۱۶۷)۔

خیال ہوتا ہے کہ اہل مکہ میں سے جو لوگ حج کے مہینوں میں حدود میقات سے باہر کا سفر کرنے پر مجبور ہوں، ان کو سعادت حج کی محرومی سے بچانے کے لئے ائمہ ثلاثہ اور بعض مشائخ حنفیہ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، واللہ اعلم۔

۴۔ اہل مکہ کی مشکلات کا حل:

اگر حنفیہ کے مسلک کی تفصیل پیش نظر رکھی جائے تو اس مشکل کا حل آسان ہے، حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر کوئی مکی حج کے مہینوں میں حدود میقات کے باہر جا کر مکہ واپس آئے اور عمرہ کرے اور پھر اسی سال حج کرے تو اس کا تمتع ہوگا ہی نہیں، کیوں کہ اہل مکہ کا مکہ آنا "المام صحیح" ہے، اور جب حج وعمرہ کے درمیان "المام صحیح" کی نوبت آ جائے تو پھر وہ تمتع باقی نہیں رہتا، چنانچہ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

لو احرم مکی بعمرة او بهما و طاف للعمرة فی أشهر الحج ثم حج من عامه لا یکون متمتعا ولا قارنا (فتح القدیر ۳/۱۱)۔

اگر کوئی مکی عمرہ کا یا حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھے اور اشہر حج میں عمرہ کرلے پھر اسی سال حج کرے تو وہ متمتع اور قارن نہیں ہوگا۔

اور ہندیہ میں ہے:

لو خرج الی الکوفة واهل بالعمرة واعتمر ثم حج لم یکن متمتعا (ہندیہ ۱/۲۳۹)۔

اگر کوفہ چلا جائے اور عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ کرے پھر حج کرے تو وہ متمتع نہیں ہوگا۔

اسی لئے قاضی ابوزید دبوسی نے لکھا ہے کہ مکی کے لئے تمتع ناقابل تصور ہے، اس لئے جہاں کہیں مکی کے لئے تمتع کی نفی کی گئی ہے، وہاں صرف یہ مراد ہے کہ اس پر دم تمتع واجب نہ ہوگا (ردالمحتار ۲/۱۹۸) حنفیہ کے یہاں یہی قول راجح ہے، گو بعض مشائخ حنفیہ کا خیال ہے کہ تمتع کے درست ہونے کے لئے "المام کا نہ ہونا" شرط نہیں ہے، ان حضرات کی رائے پر مکی کا حج تمتع ہو جائے گا، لیکن وہ گنہگار ہوگا اور اس پر دم جنایت واجب ہوگا، جن حضرات نے اہل مکہ کے تمتع پر دم واجب قرار دیا ہے، وہ اسی قول پر مبنی ہے۔

۵۔ حاجی متمتع کے لئے حج سے پہلے مزید عمرے:

راقم الحروف کا خیال ہے کہ اگر حج کا مہینہ شروع ہونے کے بعد مکہ آیا اور عمرہ کرلیا تو یہ عمرہ حج تمتع کے لئے کافی ہے، اگر اس کے بعد حج سے پہلے مزید نفل عمرہ کرنا چاہے تو اس کی گنجائش ہے، غالباً حدیث سے کہیں یہ ثبوت نہیں ملتا کہ اگر آفاقی دوبارہ حل سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرے تو اس کا حج تمتع نہیں ہو سکے گا۔ جہاں تک فقہاء کی صراحتیں ہیں، تو دوسرے دبستان فقہ میں تو اس کے جواز کی صراحت موجود ہے، امام نووی فرماتے ہیں:

ثم المعتمر إن کان متمتعا أقام بمکة حلالا یفعل ما أراد من الجماع وغیرہ ما کان علیه حراما بالإحرام، فإذا أراد أن یعتمر تطوعا کان له ذلک ویستحب الإکثار من الاعتمار (کتاب الایضاح فی مناسک الحج والعمرۃ/۲۶۳)۔

پھر عمرہ کرنے والا اگر متمتع ہے تو مکہ کے اندر حلال ہو کر رہے اور جو چاہے (جماع وغیرہ) کرے یعنی وہ کام جو اس پر احرام کی وجہ سے حرام تھے، اگر وہ نفل عمرہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور مستحب ہے کہ کثرت سے عمرہ کرے۔

حنفیہ کی بعض عبارتوں سے یہ خیال ہوتا ہے کہ آفاقی کو دوبارہ عمرہ نہیں کرنا چاہئے، جیسے علامہ شامی کی یہ عبارت:

والحیلة لمن دخل مکة محرما بعمرة قبل أشهر الحج یرید التمتع أن لا یطوف بل یصبر إلی أن تدخل أشهر الحج ثم یطوف فإنه متی طاف وقع عن العمرة ثم لو أحرم بأخری بعد دخول أشهر الحج و حج من عامه لم یکن متمتعا فی قول الکل لأنه صار فی حکم المکی

بدليل أن ميقاته ميقاتهم (رد المحتار مع الدر ۲/ ۲۱۱)۔

اور جو شخص مکہ کے اندر اشہر حج سے قبل عمرہ کے احرام کے ساتھ داخل ہوا اور وہ تمتع کرنا چاہتا ہو تو اس کے لئے حیلہ یہ ہے کہ طواف نہ کرے بلکہ صبر کرے رکا رہے حتی کہ اشہر حج آجائیں پھر طواف کرے، اس لئے کہ جب طواف کرے گا تو عمرہ ہو جائے گا پھر اگر دوسرے عمرہ کا احرام باندھے (اشہر حج کے آنے کے بعد) اور اسی سال حج کرے تو سب کے نزدیک وہ متمتع نہیں ہوگا، اس لئے کہ اب وہ مکی ہو گیا کیونکہ اس کی میقات ان کی میقات ہے۔

لیکن اس عبارت کا تعلق حج تمتع کرنے والے کے عمرہ کرنے یا نہ کرنے سے نہیں ہے بلکہ اس بات سے ہے کہ جو شخص حج کے مہینوں سے پہلے مکہ آ گیا ہو اس کے لئے حج تمتع کرنے کی کیا صورت ہے؟ کیوں کہ حج تمتع میں ضروری ہے کہ عمرہ اشہر حج میں ہو، اور اس صورت میں حاجی اشہر حج سے پہلے ہی مکہ پہنچ جاتا ہے، اسی طرح ایک اور مقام پر علامہ شامی رقمطراز ہیں:

يزاد على الأيام الخمسة ما في اللباب و غيره من كراهة فعلها في أشهر الحج لأهل مكة و من بمعناهم أي من المقيمين و من في داخل الميقات لأن الغالب عليهم أن يحجوا في سنتهم فيكونوا متمتعين وهم من التمتع ممنوعون (رد المحتار مع الدر ۲/ ۱۹۵)۔

پانچ دنوں پر لباب وغیرہ کی تصریح کے مطابق، یہ اضافہ کیا جائے کہ اشہر حج میں عمرہ مکروہ ہے اہل مکہ کے لئے نیز ان لوگوں کے لئے جو ان کے حکم میں ہیں یعنی مکہ کے مستقل مقیم اور میقات کے اندر رہنے والے، اس لئے کہ غالب یہ ہے کہ وہ حج اسی سال کریں گے تو متمتع ہو جائیں گے جبکہ تمتع سے ان کو روکا گیا ہے۔

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ جن حضرات نے اشہر حج میں پہلے سے عمرہ کیا ہو اور مکہ میں مقیم ہوں ان کو اب عمرہ نہیں کرنا چاہئے، کیوں کہ وہ اہل مکہ کے حکم میں ہیں، اور اہل مکہ کے لئے تمتع مناسب نہیں، غرض عمرہ سے روکنا مقصود نہیں، بلکہ جو لوگ پہلے سے مکہ میں مقیم ہوں ان کو تمتع سے روکنا مقصود ہے، اسی لئے شامی نے لکھا ہے: وإلا فلا منع للمكي عن العمرة المفردة في أشهر الحج إذا لم يحج في تلك السنة (رد المحتار مع الدر ۲/ ۱۹۵)۔ آفاقی چونکہ پہلے ہی حج تمتع کے لئے عمرہ کر چکا ہے اس لئے مزید نفل عمرے اس کے لئے جائز ہوں گے، کیوں کہ وہ ان عمروں کی وجہ سے متمتع حاجی نہیں ہوگا، بلکہ پہلے سے حاجی متمتع ہے، واللہ اعلم۔

۶۔ رمی میں نیابت:

(الف) حج ایک ایسی عبادت ہے کہ شریعت نے عجز و مجبوری کے وقت پوری عبادت ہی میں نیابت کی گنجائش رکھی ہے، رمی، اس عبادت کا ایک حصہ ہے، اسی لئے عذر اور عجز کی بنا پر رمی میں نیابت بدرجہ اولی درست ہوگی، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے (دیکھئے: فتح القدیر ۲/ ۴۱۸، الہدایہ مع البحری ۱/ ۳۲۶، شرح مہذب ۸/ ۲۳۵، المغنی ۳/ ۲۵۶)۔

(ب) نیابت صرف مریض اور معذوری کے لئے درست ہے، امام محمد فرماتے ہیں:

والمریض الذی لا یستطیع رمی الجمار یوضع الحصی فی کفه حتی یرمی به وان رمی عنه اجزاہ (کتاب الاصل ۲/۴۲۹)۔

اور جو بیمار خود رمی نہ کرسکتا ہو وہ اپنی ہتھیلی میں کنکری لے کر پھر پھینکے اور اگر کوئی دوسرا اس کی طرف سے کرے تو کافی ہے۔

یہ عذر کس درجہ کا ہو؟ اس کی صراحت نہیں، کاسانی نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ ایسا مریض ہو جو رمی کرنے پر قادر نہ ہو "کالمریض الذی لا یستطیع الرمی" (بدائع الصنائع ۲/۱۳۷، المبسوط للسرخسی ۶۹/۴) اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اس عذر کی تعیین وتحدید دشوار ہے، کیوں کہ مختلف لوگوں میں مشقتیں برداشت کرنے اور تکلیف کو انگیز کرنے کی صلاحیت بھی مختلف ہوتی ہے، نیز موسموں کے فرق سے بھی اس صلاحیت میں فرق واقع ہوتا ہے۔

بعض فقہاء نے تحدید کی کوشش کی ہے، خاص کر مالکیہ نے، امام مالک کی صراحت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کنکری پھینکنے پر قادر نہ ہو، یا قادر ہو لیکن وہاں تک چل کر نہ جاسکتا ہو، اور سواری میسر نہ ہو، یا سواری بھی میسر ہو لیکن سواری پر بھی بیٹھنے کی قدرت نہ ہو (المدونۃ الکبری ۱/۳۲۶) میرے خیال میں مالکیہ نے عذر کی حد بندی کی ہے، اس میں انضباط پایا جاتا ہے، مگر دشواری یہ ہے کہ امام مالک کے یہاں اس صورت میں اس کی طرف سے نیابۃً رمی تو ادا ہو جائے گی لیکن دم دینا ہوگا۔

قال مالک و علیه الهدی لانه لم یرم وانما رمی عنه (المدونۃ الکبری ۱/۳۲۶)۔

شوافع نے نیابت کے لئے شرط لگائی ہے کہ مایوس کن مرض ہو، اگر ایام رمی ہی میں صحت یاب ہو جانے کی امید ہو تو پھر نیابت کی گنجائش نہیں (شرح مہذب ۸/۲۴۳) پھر شوافع کے یہاں بہتر طریقہ یہ ہے کہ حلال شخص کو یا ایسے شخص کو نائب بنائے جو اپنی رمی کرچکا ہو، اور اگر اپنی رمی نہ کیا ہو تو پہلے اپنی رمی کرکے پھر اس دوسرے شخص کی طرف سے رمی کرنی چاہئے (شرح مہذب ۸/۲۴۵)۔

فقہاء حنابلہ کے یہاں اس مسئلہ میں کسی قدر وسعت معلوم ہوتی ہے، ابن قدامہ نے بیماری، قید اور دوسرے اعذار کی بناء پر رمی کی اجازت دی ہے۔

إذا کان الرجل مریضا او محبوسا او له عذر جاز ان یستنیب من یرمی عنه (المغنی ۳/۲۵۶)۔

جب کوئی شخص بیمار یا قیدی یا معذور ہو تو اس کی طرف سے نیابۃً رمی کی جائے گی۔

محض ازدحام کی وجہ سے رمی میں نیابت درست نہیں، حقیقت یہ ہے کہ فقہاء نے رمی کے اوقات میں جو وسعت رکھی ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے رمی کے لئے صحیح وقت کا انتخاب کیا جائے تو ازدحام سے بچا جاسکتا ہے، اور تجربہ ہے کہ وقت کے صحیح انتخاب کے ذریعہ ضعیف اور بوڑھے لوگوں کو بھی رمی کرائی جاسکتی ہے، بنیادی طور پر تین صورتیں ہیں کہ جن میں رمی کی گنجائش ہے۔

اول: یہ کہ کنکری پھینکنے کی بھی قوت نہ ہو۔

دوم: کنکری پھینک سکتا ہو لیکن تین چار قدم بھی پیدل چلنا دشوار ہو کیوں کہ آج کل جمرات کے حصہ میں پیدل چلے بغیر چارہ نہیں، اور وہ بھی خاصے فاصلہ تک پیدل چلنا پڑتا ہے۔

سوم: اپنے خیمے سے جمرات تک کا طویل فاصلہ پیدل طے کرنا دشوار ہو اور سواری دستیاب نہ ہو، گو تھوڑا بہت پیدل چلنے پر قادر ہو۔

بہر حال ضرورت اس بات کی ہے کہ حجاج کو مسائل اور ان آسانی سے سمجھنے کی تلقین کی جائے اور رمی کے اوقات کے سلسلے میں شریعت میں جو گنجائش اور آسانیاں ہیں ان سے واقف کرایا جائے۔

۷۔ جن کو حج سے روک دیا جائے؟

حجاج کی تعداد کو محدود کرنے کے لئے ان لوگوں کو ہر سال حج سے روکنا اور قانونی اجازت کا مکلف بنانا جو پہلے حج کر چکے ہیں، جائز ہے، اور ایک انتظامی مسئلہ ہے، شریعت نے جو اہل مکہ کو تمتع اور قران سے منع کیا ہے، اس کے پیچھے شاید یہ مصلحت بھی کارفرما ہے کہ اس طرح باہر سے آنے والے حجاج کو عبادت کے زیادہ مواقع مل سکیں گے اور سہولت بہم پہنچے گی۔

ایسا شخص محصر کے حکم میں ہے، ابن ہمام نے صراحت کی ہے کہ جس شخص کو سلطان روک دے وہ بھی محصر ہے: **السلطان اذا منعه من مقصده فهو محصر** (فتح القدیر ۳/۱۲۵) فقہاء شوافع میں امام نووی نے بھی سلطان کی طرف سے رکاوٹ کو احصار قرار دیا ہے (شرح مہذب ۸/۳۰۵) بلکہ امام شافعی نے بعینہ اسی بابت گفتگو فرمائی ہے (کتاب الام ۲/۱۶۳)۔

دوسرے فقہاء کے قول پر بھی وہ محصر ہی ہوگا، اس لئے کہ مرض کے یا سفر ہونے کی صورت میں احصار کا حکم جاری ہوگا یا نہیں؟ اس میں گو اختلاف ہے، لیکن اگر کوئی شخص یا دشمن رکاوٹ بن گیا ہو تو تمام فقہاء متفق ہیں کہ اس کے لئے احصار کا حکم ہوگا۔

حنفیہ کے یہاں احصار کا حکم یہ ہے کہ اس کی جانب سے حرم میں قربانی ہو جائے، قربانی کے بعد ہی وہ حلال ہو سکے گا، قربانی یوم النحر سے پہلے بھی ہو سکتی ہے، صاحبین کے نزدیک قربانی یوم النحر کو کی جائے گی (فتح القدیر ۳/۱۳۱) اور آج کل سعودی حکومت کی طرف سے یہ سہولت بھی فراہم کی جاتی ہے کہ جن لوگوں کو روک دیا جاتا ہے ان سے قربانی کے پیسے لے لئے جاتے ہیں اور ان کی طرف سے قربانی کا نظم کر دیا جاتا ہے، دوسرے فقہاء کے نزدیک جہاں سفر سے روکا گیا ہے وہیں قربانی کر لے، نہ قربانی کے لئے کسی وقت کی قید ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ حرم میں قربانی ہو (دیکھئے شرح مہذب ۸/۳۰۵)۔

ایسے لوگوں کے لئے جو روک دیے جانے کے خطرہ سے دوچار ہوں، بہتر صورت یہ ہے کہ احرام کا کپڑا پہننے کے بعد جب تک اس چوکی سے نہ گذر جائیں جہاں پولیس متعین ہوتی ہے اور خلاف قانون سفر کرنے والوں کا

واپس کرتی ہے اس وقت تک تلبیہ پڑھنے سے اجتناب کریں، کیوں کہ جب تک تلبیہ نہ پڑھے، احرام شروع نہیں ہوتا، اگر واپس کردیا جائے تو واپس ہو جائے، صاحب ہدایہ کا بیان ہے:

ولا يعد شارعا في الإحرام بمجرد النية مالم يأت بالتلبية (ہدایہ مع الفتح ۲/۳۴۳)۔

اور جب تک کہ تلبیہ نہ کہے تو محض نیت کی وجہ سے احرام کو شروع کرنے والا نہیں کہا جائے گا۔

۸۔ دس ذی الحجہ کے افعال میں ترتیب:

دس ذی الحجہ سے متعلق چار افعال ہیں: رمی، قربانی، بال منڈانا اور طواف زیارت۔ طواف زیارت کو چھوڑ کر ان تینوں افعال کے درمیان امام ابوحنیفہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے، اور اگر اس میں تقدیم وتاخیر رہ گئی تو دم جنایت بھی واجب ہوگا (بدائع الصنائع ۲/۱۳۳، الموسوعہ ۲/۶۵)۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ان تینوں افعال میں ترتیب کی رعایت مسنون ہے نہ کہ واجب، اور اسی بنیاد پر اگر ترتیب کی رعایت نہ کی گئی ہو تو دم واجب نہیں (المدونہ ۱/۳۲۳، تحفۃ المحتاج ۴/۱۲۲، الاقناع ۱/۳۹۱) البتہ امام مالک نے رمی سے پہلے بال منڈانے والے پر فدیہ واجب قرار دیا ہے، اور حنابلہ نے جانتے بوجھتے ترتیب کی خلاف ورزی کو باعث کراہت کہا ہے (الاقناع ۱/۳۹۱)۔

فقہاء احناف میں بھی صاحبین کے نزدیک ترتیب سنت ہی ہے واجب نہیں، اگر ان افعال میں تقدیم و تاخیر ہو جائے تو کچھ واجب نہیں ہوتا۔

اما عندهما فعدم التاخير سنة حتى لو ذبح بعد التحلل بالحلق لا شئ عليه (رد المحتار ۲/۲۵۰، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۱۴۱)۔

صاحبین کے نزدیک تاخیر نہ کرنا سنت ہے، لہٰذا اگر بال مونڈنے کے بعد قربانی کردی تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

جمہور اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں حجۃ الوداع کے واقعہ کا بیان ہے کہ مختلف حضرات سے دسویں تاریخ کے افعال حج میں ترتیب کی رعایت نہ ہو گی اور انہوں نے آپ سے اس بابت دریافت کیا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کوئی حرج نہیں "افعل ولا حرج"۔ یہ حدیث سند کے اعتبار سے قوی ہے، اور بظاہر اس سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ترتیب کی خلاف ورزی کی وجہ سے حکم دنیا کے اعتبار سے بھی کوئی حرج نہیں یعنی دم واجب نہیں، اور حکم اخروی کے اعتبار سے بھی حرج نہیں یعنی گناہ نہیں، جمہور نے یہی معنی مراد لیا ہے، احناف کا خیال ہے کہ اس میں صرف گناہ کی نفی کی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دس ذی الحجہ کے افعال میں ترتیب کی رعایت قربانی گاہ کے فاصلہ کی وجہ سے بھی اور حجاج کی اکثریت کے مسائل حج سے ناواقفیت کے باعث بھی دشوار ہوتی ہے، اور جمہور کی رائے اس مشقت سے بچنے اور بچانے میں معاون ہے، اور یہ رائے بھی ایک قوی دلیل پر مبنی ہے، نیز صاحبین بھی اس رائے کے موافق ہیں اور

صاحبین کا قول بھی در حقیقت امام ابو حنیفہؒ ہی کا ایک قول ہوتا ہے، بلکہ جہاں صاحبین کی رائے ایک طرف اور امام صاحب کی رائے ایک طرف ہے وہاں بعض اہل علم کے نزدیک دونوں قول میں سے ایک پر فتویٰ دینے کی گنجائش ہوتی ہے، اس لئے فی زمانہ صاحبین کی رائے پر فتویٰ دینا اور اس پر عمل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۹۔ حج بدل میں تمتع:

عام طور پر فقہاء احناف کے یہاں یہ بات معروف و متداول ہے کہ حج بدل میں تمتع کی گنجائش نہیں، لیکن فقہاء کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حج بدل میں بھی تمتع کی گنجائش ہے، چنانچہ علاء الدین حصکفی کا بیان ہے:

ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا فيضمن (الدر المختار علی ہامش الرد ۲/۲۶۶، نیز دیکھئے: تاتارخانیہ ۲/۵۲۸)۔

اور قران و تمتع اور جنایت کا دم حج کرنے والے پر ہوتا ہے اگر حج کرانے والے نے تمتع و قران کی اجازت دی ہو ورنہ تو وہ مخالفت کرنے والا ہوگا اور اس کی وجہ سے اس کو تاوان دینا پڑے گا۔

(الف) پس معلوم ہوا کہ اگر آمر کی اجازت سے حج تمتع کیا جائے تو ایسا کرنا درست ہے۔

(ب، ج) علامہ سرخسی کے بقول آمر کی طرف سے اگر قران کے لئے صراحتاً اجازت حاصل نہ ہو جب بھی قران کی صورت میں حج بدل کیا جا سکتا ہے، کیونکہ کبھی دلالۃً بھی اجازت ہوتی ہے: إذ يثبت الإذن دلالة (المبسوط ۴/۱۵۵، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۳/۱۵۴) اس سے معلوم ہوا کہ اجازت حج میں صراحت ضروری نہیں، صاحبین کی رائے پر دلالۃً بھی اجازت کافی ہے۔ ہمارے فقہاء کے زمانہ میں حج کی تینوں صورتیں: افراد، قران اور تمتع بکثرت مروج تھیں، آمد و رفت کا نظام بھی اپنے قافلوں کا تھا، اور مشقت برداشت کرنے کا مزاج بھی زیادہ تھا اور اس کی صلاحیت بھی، ہمارے زمانہ میں حج تمتع عام ہے، اور عام طور پر جب کوئی شخص حج کے لئے جاتا ہے تو ذہن میں یہی بات ہوتی ہے کہ حج تمتع کا قصد ہوگا، آفاقی حضرات میں کم ہی قصداً شاید ہی افراد یا قران کرتے ہوں، اس لئے مطلق حج کی اجازت دلالۃً تمتع کی اجازت متصور ہوگی، اور حج بدل کرنے والوں کے لئے تمتع کر لینا درست ہوگا۔

(د) تمتع اجازت سے کیا ہو یا بلا اجازت، دم تمتع مامور کے ذمہ ہوگا، کیونکہ آمر پر عمرہ واجب نہیں ہے، اس لئے اس کا حقیقی ثواب حج بدل کرنے والے کو حاصل ہوگا، اس سلسلہ میں حصکفی کی عبارت گذر چکی ہے۔

(ھ، و) موجودہ زمانے میں چونکہ حاجی کی آمد و رفت اس کی مرضی سے متعلق نہیں ہے اور طویل عرصہ تک حالت احرام میں رہنا باعث مشقت ہے، اس لئے میت کی طرف سے بھی حج تمتع کیا جا سکتا ہے، فقہاء نے میت کی طرف سے تمتع کو اس لئے نادرست قرار دیا ہے کہ متوفی نے اس کا حکم نہیں دیا تھا: لأنه لم يأمره بذلك (المبسوط ۴/۱۵۵) فقہاء کی اس تعلیل و توجیہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اگر خود متوفی نے حج تمتع کی اجازت دی ہو تو پھر اس کی جانب سے حج بدل میں تمتع درست ہوگا۔

یجوز لها الحج اذا خرجت فی رفقة ومعها نساء ثقات لحصول الأمن بالمرافقة (بدائع الصنائع ۲/۱۲۴)۔

۲۔ حاجی مقیم ہے یا مسافر؟

اس فقیر کا خیال یہ ہے کہ دو شہروں کا اتصال ان کو ایک شہر نہیں بناتا۔ بلکہ وہ دو الگ الگ شہروں ہی کے حکم میں ہے، شہر کی تحدید بنیادی طور پر عرف پر موقوف ہے اور اس زمانہ کا عرف یہ ہے کہ بلدیہ شہر کے جو حدود متعین کر دی ہے اسی کو شہر کی حد سمجھا جاتا ہے، پس جب تک بلدیہ کا ادارہ دونوں کو علیحدہ شہر تصور کرے ان کا حکم دو شہروں کا ہوگا۔ فقہاء کی ان جزئیات سے غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہئے جن میں شہر سے متصل دیہات کو شہر کے حکم میں رکھا گیا ہے، کیونکہ دیہات کی حیثیت شہر کے تابع کی ہے اور دو شہروں کی حیثیت مستقل شہر کی ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص ۸ ذی الحجہ سے چند دنوں قبل مکہ مکرمہ پہونچے تو وہ مسافر ہی شمار ہوگا اور قصر کرے گا، علامہ شامی نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے

انه اذا نوى الاقامة بمكة شهرا ومن نيته أن يخرج إلى عرفات ومنى قبل أن يمكث بمكة خمسة عشر يوما لا يصير مقيما لأنه لا يكون ناويا الإقامة مستقلة فلا تعتبر (منحة الخالق علی البحر ۲/۱۴۲)۔

جب مکہ کے اندر ایک ماہ قیام کا ارادہ کرے اور اس کی نیت یہ ہے کہ عرفات ومنیٰ کے لئے مکہ میں پندرہ دن کے قیام سے پہلے ہی جاتا ہے تو مقیم نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ مستقل اقامت کی نیت نہیں کر رہا ہے لہٰذا نیت معتبر نہ ہوگی۔

۱۳۔ مخالف مذہب امام کی اقتداء:

فقہاء کا اختلاف دراصل مسائل کے مجتہد فیہ ہونے کی علامت ہے، اور اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اختلاف صواب وخطا کا ہے نہ کہ حق وباطل کا، اس لئے ایسے مسائل میں توسع اختیار کرنا چاہئے، فقہاء حنفیہ میں ابوبکر جصاص رازی بڑے پایہ کے فقیہ ہیں، امام کرخی کے شاگرد ہیں، اور دو واسطوں سے امام محمد کے تلامذہ میں ہیں، ابوبکر جصاص رازی نے اس کی اجازت دی ہے کہ حنفی ایسے شافعی امام کے پیچھے نماز وتر پڑھ سکتا ہے جو فصل کے ساتھ نماز ادا کرتا ہو، ابن ہمام کے الفاظ ہیں:

اقتداء الحنفي بمن يسلم على رأس الركعتين في الوتر يجوز ويصلي معه بقية الوتر لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده لأنه مجتهد فيه (فتح القدیر ۱/۳۳۲، نیز دیکھئے البحر الرائق ۲/۳۹)

وتر میں دو رکعات پر سلام پھیرنے والے کی اقتداء اگر حنفی کرے تو جائز ہے، اور بقیہ وتر اس کے ساتھ پورا کرے، اس لئے کہ اس کا امام سلام کی وجہ سے نماز سے باہر نہیں ہوا کیونکہ یہ مجتہد فیہ معاملہ ہے۔

علامہ ابن ہمام نے اپنے شیخ حضرت سراج الدین کا بھی یہ نقطۂ نظر نقل کیا ہے، خود ابن ہمام کا جھکاؤ بھی اسی طرف محسوس ہوتا ہے (حوالہ سابق) اس پر اس حدیث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ امام ہی

کی نماز اصل کی حیثیت رکھتی ہے اور امام ضامن ہے۔ گویا امام کی نماز اس کے مسلک کے مطابق صحیح ہو جائے تو مقتدی کی نماز بھی کافی ہو جائے گی۔ حنفیہ نے اس اصول کو اقتداء کے اکثر مسائل میں برتنے کی کوشش کی ہے۔ اسی لئے اقتداء مفترض بالمتنفل کی اجازت نہیں دی گئی، یہ کہا گیا کہ ایک فرض پڑھنے والا دوسری فرض پڑھنے والے کی اقتداء نہیں کرسکتا۔ تو جب دیگر مسائل میں امام کی نماز کو اصل مانا گیا ہے تو اس مسئلہ میں بھی یہی حکم ہونا چاہئے۔

☆☆☆☆☆
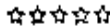
حج اور عمرہ کے چند حل طلب مسائل

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ا۔ احناف کے تمام ائمہ نیز جمہور فقہاء کے نزدیک، امام شافعی کے علاوہ اور ائمہ کے نزدیک بھی (بلکہ امام شافعی کا پہلا قول) یہی ہے کہ باہر سے آ کر مکہ مکرمہ کے اندر بغیر احرام باندھے داخل ہونا ممنوع ہے جیسا کہ (بدائع الصنائع ۱۶۴/۲، طبع اول) میں حضرت عباسؓ کی یہ روایت فإنی سمعت رسول الله ﷺ یقول لا یجاوز أحد المیقات إلا محرما (میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میقات سے بغیر احرام کے کوئی شخص تجاوز نہ کرے) نقل کرنے کے بعد صاحب بدائع لکھتے ہیں کہ:

لو أراد مجاوزة هذه المواقيت دخول مكة لا يجوز له أن يجاوزها إلا محرما سواء أراد بدخول مكة النسك أو التجارة أو حاجة أخرى عندنا، وقال الشافعي إذا دخلها للنسك وجب عليه الإحرام وإن دخلها لحاجة جاز دخوله من غير إحرام، وجه قوله أنه تجوز السكنى بمكة من غير إحرام فالدخول أولى لأنه دون السكنى ولنا ما روى عن النبي ﷺ أنه قال ألا إن مكة حرام منذ خلقها الله تعالى لم تحل لأحد قبلي ولا تحل لأحد بعدي... الحديث، والاستدلال به من ثلاثة أوجه، أحدها بقوله ﷺ ألا إن مكة حرام والثاني بقوله لا تحل لأحد بعدي والثالث بقوله ثم عادت حراما إلى يوم القيامة مطلقاً من غير فصل وروى عن ابن عباسؓ عن النبي ﷺ أنه قال لا يحل دخول مكة بغير إحرام ولأن هذه بقعة شريفة لها قدر وخطر عند الله تعالىٰ فالدخول فيها يقتضي التزام عبادة إظهاراً لشرفها على سائر البقاع.

(اگر کسی نے ان مواقیت کو پار کر کے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا خواہ حج کے ارادہ سے ہو یا تجارت یا کسی دوسری ضرورت کی وجہ سے، ہمارے نزدیک بغیر احرام میقات سے تجاوز کرنا جائز نہیں، اور امام شافعی نے فرمایا کہ اگر کوئی مکہ میں حج کے ارادہ سے داخل ہو تو اس پر احرام واجب ہے اور اگر کسی ضرورت کی وجہ سے داخل ہوا ہے تو بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے، جواز کی وجہ یہ ہے کہ مکہ میں بغیر احرام کے سکنی جائز ہے تو دخول بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا، اس لئے کہ وہ سکنی سے کمتر ہے۔ ہماری دلیل جو آپ ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جان لو کہ مکہ اس دن سے قابل احترام ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے اس کو وجود بخشا، مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں اور نہ میرے بعد ....(الحدیث) اور تین طریقے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

(۱) ألا إن مكة حرام۔

(۲) لا تحل لأحد بعدي (کسی کو بغیر احرام کے یہاں داخل ہونا)۔

(۳) ثم عادت حرامًا إلى يوم القيامة (قیامت تک کے لئے مکہ کی حرمت باقی رہے گی)۔ اور حضرت ابن عباسؓ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا حلال نہیں، اور اس لئے کہ یہ زمین کا وہ مقدس ٹکڑا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرف وعزت اور قدر ومنزلت ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں داخل ہوتے وقت عبادت کا التزام ہو کیونکہ تمام حصۂ زمین سے اس کا شرف مقام ممتاز ہے۔

اور ہدایہ (۲۱۳/۱) میں ہے:

إلا أن الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد عندنا لقوله عليه السلام لا يجاوز أحد الميقات إلا محرمًا ولأن وجوب الإحرام لتعظيم هذه البقعة الشريفة فيستوي فيه الحاج والمعتمر وغيرهما.

(البتہ آفاقی جب مکہ میں داخل ہونے کی غرض سے پہونچے تو اس کا محرم ہونا ضروری ہے خواہ حج یا عمرہ کا قصد کیا ہو یا نہ کیا ہو، اس لئے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ کوئی میقات سے آگے نہ بڑھے مگر احرام کے ساتھ، اور اس لئے کہ احرام کا وجوب اس مقدس سرزمین کی تعظیم کی وجہ سے ہے، لہٰذا اس میں حج وعمرہ کرنے والے اور ان کے علاوہ دیگر تمام افراد یکساں ہوں گے)۔

اور نیل الاوطار (۲۸/۵) میں علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

وقد اختلف في جواز المجاوزة بغير عذر فمنعه الجمهور وقالوا لا يجوز إلا بإحرام من غير فرق بين من دخل لأحد النسكين أو لغيرهما ومن فعل أثم ولزمه دم. وروي عن ابن عمر والناصر (كذا) وهو الأخير من قولي الشافعي وأحد قولي أبي العباسؓ أنه لا يجب الإحرام إلا على من دخل لأحد النسكين لا على من أراد مجرد الدخول، استدل الأولون بقوله تعالى: "وإذا حللتم فاصطادوا".

(اور بغیر کسی عذر کے میقات سے آگے جانے کے جواز میں اختلاف ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک میقات سے آگے بڑھنا ممنوع ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ بغیر احرام کے میقات سے آگے بڑھنا جائز نہیں ہے خواہ حج وعمرہ کی غرض سے جاتا ہو یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور غرض سے، اور جو بغیر احرام کے جائے تو وہ گنہگار ہوگا اور اس پر دم لازم ہوگا، اور عبداللہ ابن عمر اور اسی طرح الناصر سے مروی ہے اور امام شافعی کا آخری قول یہی ہے اور ابن عباس کا بھی ایک قول یہی ہے کہ احرام اس شخص پر واجب ہوتا ہے جو حج وعمرہ میں سے کسی کے ارادہ سے داخل ہو، نہ کہ صرف داخل ہونے سے واجب ہوتا ہے، جمہور فقہاء نے اللہ تعالیٰ کے قول "اور جب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کرو" سے استدلال کیا ہے)۔

اس دلیل پر نقد کرنے کے بعد علامہ شوکانی نے دوسری دلیل یہ ذکر کی ہے:

و استدلوا ثانیا بحدیث ابن عباسؓ عند البیهقی بلفظ "لا یدخل أحد مکة إلا محرما" قال الحافظ اسناده جید ورواه ابن عدی مرفوعاً من وجهین ضعیفین ... وروی الشافعیؒ عنه أیضا أنه کان یرد من جاوز المیقات غیر محرم"

(نیل الاوطار ۵/۲۸ طبع دار الجیل بیروت)۔

(جمہور کی دوسری دلیل ابن عباس کی وہ حدیث ہے جس کو بیہقی نے لفظ "لا یدخل أحد مکة إلا محرما" (کہ مکہ میں محرم ہی داخل ہوگا) سے روایت کیا ہے، اس روایت کے سلسلہ میں حافظ ابن حجر نے کہا کہ اس کی اسناد جید ہے، اور ابن عدی نے اس کو دو ضعیف سندوں سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اور امام شافعی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جو شخص بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرے گا اس کو لوٹا دیا جائے گا)۔

علاوہ ازیں فتح القدیر مع الکفایہ (طبع کوئٹہ پاکستان) میں اس پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، اور اس سلسلہ کی روایات مع مآخذ نقل کی گئی ہیں، ان میں ایک روایت یہ بھی ہے:

عن ابن عباس قال إذا جاوز الوقت فلم یحرم حتی دخل مکة رجع إلی الوقت فأحرم وإن خشی إن رجع إلی الوقت فإنه یحرم و یهرق لذلک دما.

اس پر علامہ ابن ہمام نے یہ نوٹ لکھا ہے:

فهذه المنطوقات أولیٰ من المفهوم المخالف فی قوله "ممن أراد الحج والعمرة" إن ثبت أنه من کلامه علیه السلام دون کلام الراوی (فتح ۲/۳۳۵)۔

(اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ آپ ﷺ کے کلام میں سے ہے، راوی کا کلام نہیں ہے، تو رسول اللہ ﷺ کے اس قول "ممن أراد الحج و العمرة" میں منطوقات مراد لینا مفہوم مخالف سے بہتر ہے)۔

۲۔ جن فقہاء کے نزدیک بغیر احرام کے مکہ معظمہ یعنی حدود حرم میں داخل ہونا مطلقاً ممنوع ہے، ان کے نزدیک ان اعذار کی بنا پر بھی جو سوالنامہ میں مذکور ہیں، بغیر احرام کے مکہ جانا ممنوع ہوگا، البتہ اس کے لئے بعض حیلے اختیار کرنے کی اجازت حنفی کتب فقہ مثلاً عنایہ، کفایہ اور شامی ۲/۱۵۲-۱۵۵ وغیرہ میں مذکور ہیں، ایک یہ کہ حل کی نیت کرکے پھر وہاں سے مکہ معظمہ جانا وغیرہ، لیکن کتب فقہ میں (حل) سے مکہ معظمہ بغیر احرام کے جانے کی جو عقلی وجوہ اور حکمتیں بیان کی گئی ہیں، مثلاً بدائع میں مذکور یہ وجہ:

لأن مصالح أهل البستان (أی الحل) متعلق بمکة فیحتاجون إلی الدخول فی کل وقت فلو منعوا من الدخول إلا بالإحرام لوقعوا فی الحرج، وإنه منفی شرعا ..... ولو خرج من الحرم إلی الحل ولم یجاوز المیقات ثم أراد أن یعود إلی مکة له أن یعود إلیها من غیر إحرام لأن أهل مکة یحتاجون إلی الخروج إلی الحل للاحتطاب والاحتشاش والعود إلیها فلو ألزمنا هم

الإحرام عند كل خروج لوقعوا في الحرج"۔

(اس لئے کہ اہل بستان (یعنی حل) کے مصالح مکہ سے متعلق ہیں، کیونکہ ان لوگوں کو ہمہ وقت وہاں جانے کی ضرورت پڑتی ہے، اگر انہیں بغیر احرام کے داخل ہونے سے روکا جائے تو وہ حرج میں پڑ جائیں گے اور شریعت نے حرج کو دور کیا ہے۔ اور اگر کوئی حرم سے حل کی طرف نکلتا ہے اور میقات پار کئے بغیر مکہ لوٹنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ بغیر احرام کے مکہ لوٹ سکتا ہے، اس لئے کہ اہل مکہ کو لکڑیاں اور گھاس کے لئے حل کی جانب نکلنے اور پھر مکہ لوٹنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا اگر ہم ان کے لئے ہر خروج پر احرام لازم کر دیں گے تو وہ حرج میں پڑ جائیں گے)

ان سے تو یہ نکلتا ہے کہ اگر حل کے باہر مکہ والوں کو آنے جانے کی ایسی ہی شدید ضرورت پیش آجائے جیسا کہ حل میں پیش آتی ہے تو انہیں حل کے باہر آفاق سے بھی بغیر احرام کے مکہ آنے جانے کی اجازت ہو، اگر مسئلہ صرف قیاسی ہوتا تو ایسا قول اختیار کر لینے کی گنجائش ہوتی، خاص طور سے اس اصول کی موجودگی میں جو بدائع الصنائع ۲؍۱۵۱ میں ان الفاظ بتایا گیا ہے "لأن الضرورة سبب لتخفيف الحكم وتيسيره"۔

لیکن مولانا ظفر احمد تھانوی نے علامہ شوکانی کی اس دلیل: "وقد كان المسلمون في عصره ﷺ يختلفون إلى مكة لحوائجهم ولم ينقل أنه أمر أحد منهم بإحرام" (اور مسلمان آپ ﷺ کے زمانہ میں مختلف ضرورتوں کے پیش نظر مکہ جایا کرتے تھے، لیکن یہ منقول نہیں ہے کہ ان میں سے کسی کو احرام کا حکم دیا گیا ہو) کا جواب دیتے ہوئے تحریر کیا ہے:

قلت إن أراد اختلاف من هو داخل الميقات إلى مكة فلا يرد علينا — وإن أراد اختلاف من هو خارج الميقات فغير مسلم فإن المواقيت بعيدة عن مكة بمراحل ولا تتعلق الحوائج الإنسانية والمدنية إلا بمصر قريب وتعلقها بالمصر البعيد نادر (اعلاء السنن ۱۰؍۱۸)۔

میرا خیال ہے کہ اگر مکہ جانے سے مراد وہ شخص ہے جو میقات میں داخل ہو تو ہم پر اعتراض نہیں ہوگا، اور اگر اس شخص کا جانا مراد ہو جو میقات سے خارج ہے تو یہ تسلیم نہیں ہے، کیونکہ مواقیت مکہ سے بہت دور ہیں، اور انسانی اور شہری ضروریات شہر سے قریب ہی ہوا کرتی ہیں، اور شہر سے دور بہت ہی نادر ہیں۔

اس صورت حال پر غور کرنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس بقعہ مبارکہ میں قیام کرنے، وہاں کاروبار یا دوسرے ذرائع کسب معاش اختیار کرنے کا موقع دیا ہے، تو اس کے انعام کا تقاضہ یا حق ہے کہ اس بقعہ سے متعلق دو خاص عبادتوں (حج، عمرہ) میں سے ایک ادا کرے، عموماً عمرہ میں بمشکل دو گھنٹے خرچ ہوتے ہیں، تو کیا ایک مسلمان تاجر، یا ٹیکسی ڈرائیور کے لئے دو گھنٹے نکال لینا مشکل کام ہے؟ جب کہ قہوہ خانوں، ہوٹلوں اور تفریح گاہوں میں روزانہ اس سے کہیں زیادہ عام طور سے وقت گذارتے ہیں یا گنوا دیتے ہیں، دراصل احساس بیدار کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ سہولت پسند بلکہ سہل انگار طبیعتوں کے لئے حیلے اور فرار کے راستے سجھانے کی، اللہ تعالیٰ نے سورۃ القریش میں حرم کی مجاورۃ کی وجہ سے قریش کو جو مادی (تجارتی سفر وغیرہ کی) سہولتیں حاصل تھیں انہیں یاد دلا کر خود

اپنی عبادت کی طرف متوجہ کیا ہے:

لإيلاف قريش إيلافهم رحلة الشتاء والصيف فليعبدوا رب هذا البيت الذي أطعمهم من جوع وآمنهم من خوف. (اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو مانوس رکھنا ان کو سفر سے جاڑے کے اور گرمی کے، تو چاہیے کہ بندگی کریں اس گھر کے رب کی جس نے ان کو کھانا دیا بھوک میں اور امن دیا ڈر میں)۔

کیا اس انداز خطاب میں مسلمان تاجروں اور پیشہ وروں کے لئے سامان موعظت نہیں ہے؟

علامہ شوکانی نے حجاج بن علاط کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونے کا جواز ثابت کیا ہے، اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے کیا خوب لکھا ہے:

يحتمل أن يكون قصة الحجاج قبل توقيت المواقيت لأن إتيانه مكة بعد فتح خيبر لجمع أمواله كاتما إسلامه ..... فقد قال بعضهم فرض (الحج) سنة تسع وقيل ست ومن قال فرض سنة ست لم يقم دليلا عن أنه كان قبل فتح خيبر أو بعده (اعلاء السنن ۱۰/۱۸ خلاصہ)۔

(احتمال یہ ہے کہ حجاج والا واقعہ مواقیت کی تعیین سے پہلے کا ہو، اس لئے کہ فتح خیبر کے بعد ان کا مکہ آنا اپنے اسلام کو چھپا کر اپنا مال جمع کرنے کے لئے تھا، بعض نے کہا کہ حج کی فرضیت سن ۹ میں ہوئی اور بعض نے سن ۶ کہا ہے۔ اور جنہوں نے حج کی فرضیت کو سن ۶ھ میں کہا ہے انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی دلیل نہیں دی کہ فرضیت حج فتح خیبر سے پہلے ہوئی یا بعد میں)۔

۳۔ مکہ میں مستقل (مکی) کے لئے عند الاحناف جائز نہیں ہے۔

۴۔ مکی یعنی جو مکہ کا مستقل باشندہ ہو، یا اشہر حرم شروع ہونے سے قبل صحیح طریقے سے مکہ مکرمہ آکر مقیم ہو گیا ہو (زبدہ ۳۰۵) یا کم از کم ایک سال وہاں مقیم رہنے والا ہو (بدائع ۱۶۵/۲ سے مستفاد ہوتا ہے کہ اقامت مکہ پر ایک سال گذرنے سے مکی کے مخصوص احکام متعلق ہو جاتے ہیں) جس سال حج کرنے کا ارادہ کرے اس سال اشہر حج میں عمرہ نہ کرے، ظاہر ہے کہ حج و عمرہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہی کئے جاتے ہیں اس کی رضا اسی میں ہے کہ مکی دونوں کو جمع نہ کرے جیسا کہ قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ کی آیت: "فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدي ..... ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" میں صاف طور سے بتایا گیا ہے کہ تمتع (اور قران) ان لوگوں کے لئے مشروع ہیں جو مسجد حرام (مکہ) کے باشندے نہ ہوں۔

احکام القرآن للجصاص میں اس آیت کریمہ کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

وقد روي عن ابن عمر أنه قال إنما التمتع رخصة لمن لم يكن له أهله حاضري المسجد الحرام ..... والمراد المتعة ولو كان المراد الهدي لقال "ذلك على من لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" ..... وأيضا فإن التمتع لأهل سائر الآفاق إنما هو تخفيف من الله تعالى وإزالة المشقة عنهم في إنشاء سفر لكل واحد منهما وأباح لهم الاقتصار على سفر واحد

في جميعهم جميعا إذ لو منعوا عن ذلك لأدى ذلك إلى مشقة وضرر، وأهل مكة لا مشقة عليهم ولا ضرر في فعل العمرة في غير أشهر الحج (احكام القرآن للجصاص ۱/۲۸۸).

جبکہ مکی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جمع بین النسکین کی اجازت نہیں ہے لہٰذا ایسا کرنے سے وہ گنہگار رہوگا ظاہر ہے کہ یہ عبارتیں "اجر" کے لئے کی جاتی ہیں نہ کہ "وزر" کے لئے اور یہ بھی بدیہی سا ہے کہ ایسے مکی نے حج ضرور کرلیا ہوگا، اور جو شخص اتنا حج والعمرہ کا شائق ہے (اگر حج نہ کیا ہو تو وہ ایک سال صرف حج کرے اور عمرہ نہ کرے) تو پھر اسے عمرہ کے ساتھ حج کرکے گنہگار ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اس حکم میں تو اس کے لئے آسانی ہے نہ کہ مشقت۔ پھر مسلک سے عدول کی کیا ضرورت۔ اس لئے سوال میں مذکور عبارت "اہل مکہ کو پابند کرنا..... تنگی اور دشواری کی بات ہے" بے محل اور غیر ضروری معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ترک حج میں کوئی تنگی و دشواری نہیں کیونکہ ایسا کرنا صرف ایک سال ضروری ہوگا جبکہ بعض اوقات اگر اس نے ابھی حج فرض نہیں کیا ہے تو پہلے حج فرض ادا کرے اور حدود حرم کے باہر اشہر حج میں نہ جائے، جب حج فرض کے لئے دنیا بھر سے لوگ بے پناہ مشقتیں اٹھا کر اور کثیر رقم خرچ کرکے آتے ہیں تو مکہ میں مقیم حج فرض ادا کرنے والے کے لئے صرف اتنی پابندی برداشت کرلینا کہ وہ صرف دو مہینے دس روز تک حدود میقات سے باہر نہ جائے کیا دشوار ہے؟ اور یہ "مشقت" کے ذیل میں کیسے آسکتا ہے، ورنہ تو ایسی مشقت ہر شرعی حکم کی بجا آوری میں ہوتی ہے تو پھر سرے سے (تکلیف) ہی مرتفع کردی جائے۔

۵۔ اس مسئلہ میں فقہائے احناف کے درمیان بھی خاصا اختلاف نظر آتا ہے، علمائے دیوبند کی رائیں بھی مختلف ہیں، مولانا مفتی سعید احمد صاحب مظاہری (سابق صدر مفتی مظاہر علوم) نے اپنی شہرہ آفاق کتاب معلم الحجاج صفحہ ۲۲۱ پر دونوں قول نقل کرکے جواز کو ترجیح دی ہے، لیکن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے جواہر الفقہ (۱/۳۱۲) میں صرف عدم جواز کا قول نقل کیا ہے، جس سے ان کا رجحان عدم جواز ہی متبادر ہے، پچھلے اکابر میں ما سبق کے ایک بہت بڑے عالم مولانا شیر محمد صاحب سندھی نے "زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک" میں اس مسئلہ پر بہت تفصیلی کلام کیا ہے، اس میں جواز کی گنجائش تو ذکر کی ہے لیکن بہتر نہ ہونے کا عندیہ دیا ہے (دیکھئے صفحہ ۲۰۹-۲۱۶) بحث کا خلاصہ کرتے ہوئے اس میں لکھا ہے: "پس بہتر یہی ہے کہ مکی کو بعد عمرہ تمتع کے حج سے پہلے دوسرا عمرہ نہ کرنا چاہئے (صفحہ ۲۱۲)۔

۶۔ (الف-ب) صرف ایسے معذور کے لئے رمی میں اپنا نائب بنانے کی اجازت ہے جو نماز کھڑے ہوکر پڑھنے پر قادر نہ ہو بلکہ اس کے لئے بیٹھ کر فرض پڑھنے کا جواز ہو (زبدۃ ۸۸/۲)، محض اژدحام کے خوف سے غیر معذور کو رمی کے لئے اپنا نائب بنانے کی اجازت نہیں ہے، البتہ دن کے بجائے رات کو رمی کرنے کی اجازت بعض مخصوص حالات میں مردوں کو بھی ہوسکتی ہے۔

۷۔ یہ لوگ بھی "محصر" کہے جائیں گے، ان کے لئے بھی وہ تمام احکام ہوں گے جو "محصر" کے لئے عام کتب فقہ میں مذکور ہے۔

۸۔ اس سلسلہ میں راقم کا ایک تفصیلی مضمون "البعث الاسلامی" (عربی) میں چھپ چکا ہے، اس کا خلاصہ اردو کے ماہنامہ "الفرقان" وغیرہ میں بھی چھپا ہے۔

۹۔ بغیر آمر کی اجازت کے نہیں کرسکتا، کیونکہ حج بدل کرنے والا اصلاً تمتع نہیں کرسکتا، اس لئے بغیر اجازت کے تمتع نہ کرے یعنی آج کل کے محض عام رواج و عرف کی بناپر (اگرچہ عرف بھی محل نظر ہے، کیونکہ ہمیشہ سے تمتع کا رواج زیادہ رہا ہے) تمتع کی اجازت نہ ہوگی۔

الف۔ کرسکتا ہے

ب۔ نہیں

ج۔ نہیں

د۔ حج بدل کرنے والے ہی پر دم تمتع آئے گا الایہ کہ آمر صراحتاً دم کے لئے رقم ہدیہ کردے، لیکن حج بدل کرنے والا دم تمتع کے لئے آمر سے مطالبہ نہیں کرسکتا (فتاویٰ رحیمیہ ۳۴۴/۸)۔

ھ۔ جو شخص طویل احرام کی پابندیاں جھیلنے کا متحمل نہ ہو وہ حج بدل کے لئے نہ جائے، اس کے علاوہ دوسرے بہت سے اللہ کے بندے طویل احرام کی پابندیاں بخوشی برداشت کرنے کے لئے تیار ہوجائیں گے، ایسے ہی لوگوں کو بھیجا جائے جو اس کے لئے آمادہ ہوں، حج بدل کی پیشکش قبول کرنا ضروری نہیں ہے، جو تحمل نہ کرسکتا ہو وہ حج بدل کے لئے نہ جائے، پھر آج کل تو حج کمیٹی کے توسط سے جو لوگ حج کے واسطے جاتے ہیں وہ بہت سے بہت حج سے بیس پچیس روز پہلے ہی جاسکتے ہیں، ان کے لئے شرعاً پوری گنجائش ہے کہ وہ پہلے سیدھے جدہ سے مدینہ منورہ چلے جائیں، وہاں سے ایام حج کے قریب، حج کا احرام باندھ کر آئیں، اس طرح بمشکل آٹھ دس روز احرام کا پابند رہنا پڑے گا، ابھی چند سال قبل جب کہ بحری جہازوں سے لوگ حج کے لئے جاتے تھے بالعموم ہر حاجی کو دس پندرہ روز تک بلکہ اس سے بھی زیادہ احرام کی حالت میں رہنا پڑتا تھا، اور بہت پہلے تو مہینہ بھر یا اس سے زیادہ مدت تک، اور لوگ اسے بخوشی گوارا کرتے تھے، تو آج کل ہفتہ عشرہ کی پابندی کیونکر ناقابل برداشت مشقت قرار دی جاسکتی ہے۔

و۔ ورثاء کی اجازت سے بظاہر جائز ہونا چاہئے، ورثاء کی اجازت حج بدل میں تمتع کے جواز کے بارے میں بھی کافی ہونا علامہ شامی کی حسب ذیل عبارت سے مستفاد ہوتا ہے "لأن الوارث خليفة المورث" (۲۳۹/۲) (اس لئے کہ وارث مورث کا خلیفہ ہے)۔

۱۰۔ (الف، ب، ج، د):

ناپاکی یعنی حیض ونفاس وغیرہ کی حالت میں اگر طواف ناگزیر ہو تو حدود حرم کے اندر اسے دم (بدنہ) دینا ضروری ہوگا، یہ گنجائش بھی صرف تنگی میں ہی ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں تو طواف ہی کرنا ضروری ہے اس کے بغیر

صحبت حرام رہے گی اور حج نامکمل، جب تک طواف نہ کرے، اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ کو جب ایک زوجہ مطہرہ (حضرت صفیہؓ) کے بارے میں معلوم ہوا کہ انہوں نے حیض آنے کی وجہ سے طواف نہیں کیا ہے (اور آپؐ کو گمان ہوا کہ انہوں نے طواف افاضہ نہیں کیا ہے) تو آپؐ نے فرمایا: "لعلها حابستنا" (ابوداؤد ۲۷۳/۱ طبع مجیدی کانپور، باب الحائض تخرج بعد الافاضۃ) اس سے معلوم ہوا کہ طواف افاضہ کے لئے حائضہ کو مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا ضروری ہے تاکہ پاک ہو کر طواف کرے، پھر وطن روانہ ہو۔

الف: اجازت ہے بوجہ مجبوری۔

ب: رکن ادا ہو جائے گا اور دم (بدنہ) دینا لازم ہوگا (شامی ۲۰۵/۲)۔

ج: بدنہ (گائے یا اونٹ) ذبح کرنا ہوگا، بکرا نہیں (ایضا)۔

د: حدود حرم میں ادائیگی ضروری ہوگی اس کے باہر نہیں، ورنہ واجب ادا نہ ہوگا، جیسا کہ حج کی جنایات کے "دم" کا حکم ہے (جو تمام قابل ذکر کتابوں میں ملتا ہے)، حیض ونفاس وغیرہ کی حالت میں بھی طواف کرنے سے فریضہ ادا ہو جانے کا ذکر "بدائع الصنائع" میں یوں آیا ہے: "فاما الطهارة عن الحدث والجنابة والحيض والنفاس فليست بشرط لجواز الطواف وليست بفرض عندنا بل واجبة حتى يجوز الطواف بدونها" (بدائع ۱۲۹/۲) (رہا حدث، جنابت، حیض اور نفاس سے پاک ہونا تو یہ ہمارے نزدیک جواز طواف کے لئے شرط نہیں ہے اور نہ کوئی فرض ہے بلکہ واجب ہے، اس کے بغیر بھی طواف جائز ہو جاتا ہے)۔

احناف کے نزدیک طواف کر لینے کے بعد، چاہے بحالت جنابت ہی کیا ہو، دم دینے سے قبل بھی جماع حلال ہو جائے گا، درالمختار میں ہے: "حل في حق النساء بطواف الزيارة جنبا" (شامی ۲۰۵/۲) (طواف زیارت عورتوں کے حق میں جنابت کی حالت میں بھی حلال ہے)۔

۱۱۔ اصل حکم شرعی تو یہی ہے کہ عورت کو جس جگہ اپنے شوہر کی وفات کی اطلاع ملے، اگر وہ جگہ اقامت کے لائق ہو یعنی وہاں قیام میں کوئی مانع طبعی، عقلی یا شرعی نہ ہو تو وہیں ٹھہر کر عدت گذارے، لیکن مجبوری کی صورتوں میں یعنی جب وہاں سے منتقل ہونے کی شرعا اجازت ہو تو حج وعمرہ کی ادائیگی کے جواز کی گنجائش مستبعد نہیں، اگر معتدہ بحالت عدت عمرہ وحج ادا کر لے تو بہر حال حج وعمرہ صحیح ہو جاتا ہے۔

۱۲۔ تقریبا تمام کتب فقہ میں مکہ ومنیٰ کو الگ الگ شہر قرار دیا گیا ہے، اور یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ ان دونوں جگہ مشترک طور پر پندرہ دن ورات قیام کرنے کی نیت سے ٹھہرنے والا مسافر ہی رہے گا، مقیم نہ ہوگا، آج بھی یہی حکم ہوگا کیونکہ اب بھی مکہ ومنیٰ کی آبادیوں کے درمیان فصل موجود ہے، اگرچہ وہ پہلے کے مقابلہ میں کم ہو گیا ہے، دونوں کے درمیان فصل کا مشاہدہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جو وہاں جائے۔

۱۳۔ یہ ایسا کوئی مسئلہ نہیں جو "فقہ اکیڈمی" میں موضوع بحث بنایا جائے، اس میں مذہب حنفی کی رعایت بہت ضروری ہے کیونکہ فقہ حنفی میں ایک رکعت مشروع ہی نہیں، اگر کوئی پڑھتا ہے تو وہ نامشروع کام کرتا ہے، پھر وتر کی

جماعت (رمضان میں) صرف مستحب ہے، واجب یا سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ تراویح کی جماعت سے بھی کم درجہ ہے۔ شامی میں ہے:

والصحيح أن الجماعة فيها (في الوتر) أفضل إلا أن سنيتها ليست كسنية جماعة التروايح (۱/۴۷۷)۔

(اور صحیح یہ ہے کہ وتر میں جماعت افضل ہے مگر اس کی سنیت تراویح کی جماعت کی سنیت کی طرح نہیں ہے)۔ اور علامہ شامی نے تو یہ بھی صراحت کردی ہے کہ شافعی (غیر حنفی) امام کے پیچھے اقتداء کی صحت مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ امام وتر کی تینوں رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھے:

صح اقتداء متنفل بمتنفل و من يرى الوتر واجبا بمن يراه سنة أي بشرط أن يصليه بسلام واحد (شامی ۱/۴۷۹)۔

چنانچہ ماضی میں (چاروں مصلی ختم ہونے کے بہت بعد بھی) حرم شریف میں وتر کی جماعت احناف علیحدہ کرتے تھے، اور اس میں اکثریت یعنی کل حاضرین میں سے زیادہ تعداد شریک ہوتی تھی جیسا کہ مولانا قاری حمید الدین صاحب سنبھلی (جو علامہ کشمیری کے شاگرد تھے) نے اپنے سفر نامہ میں نقل کیا ہے، یہ سفر نامہ "نصف صدی قبل کا سفر نامہ حج" کے عنوان سے کتابی شکل میں چھپ چکا ہے اس کے صفحہ ۵۰ پر ہے: تمام احناف اس (وتر کی) جماعت سے علیحدہ ہو کر "باب العمرۃ" کے قریب جمع ہو گئے اور وتر کی اپنی علیحدہ جماعت (ان کی جماعت ہو جانے کے بعد) کی، کیونکہ وہ حنبلی کہلاتے ہیں، وہ وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے پڑھتے ہیں، ...... اس لئے حنفی ...... وتر کی جماعت علیحدہ کرتے ہیں، جب احناف وتر کی جماعت کے لئے علیحدہ ہوتے تھے تب معلوم ہوتا تھا کہ ماشاء اللہ احناف کس قدر ہیں، نصف سے زیادہ لوگ الگ ہو جاتے تھے (نصف صدی قبل کا سفر نامہ حج صفحہ ۵۰ مطبوعہ لکھنؤ)۔

علاوہ ازیں کتب فقہ حنفی میں صراحت ہے کہ اگر امام ایسی کوئی بات کرتا ہے جو موجب بطلان ہو یا ترک واجب و فرض لازم آتا ہو تو اس کی اقتداء جائز نہیں (دیکھئے شامی ۱/۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹)۔

مزید قابل غور یہ ہے کہ متعدد معتبر کتب فقہ میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ ایک زمانہ میں عرفات کے میدان میں امامت مکی امام کرتا تھا، اور وہ (باوجود ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مقیم ہونے کے) قصر پڑھتا تھا، تو تمام مسالک کے علماء نے اس کی اقتداء کرنے سے منع کیا، حالانکہ وہاں جماعت و جمع کی رعایت زیادہ اہم ہے۔

اس جماعت میں شریک ہونے کے بارے میں امام نسفی نے فرمایا:

"العجب من أهل الموقف يتابعون إمام مكة في القصر فأنى يستجاب لهم أو يرجى لهم الخير وصلوتهم غير جائزة"۔

اور شمس الائمہ فرماتے ہیں:

"كنت مع أهل الموقف فاعتزلت وصليت كل صلوة في وقتها و أوصيت بذلك

اصحابی"۔

(میں موقف والوں کے ساتھ تھا لیکن میں ہر نماز کو اس کے وقت میں الگ ہو کر پڑھتا اور اسی کی اپنے اصحاب کو وصیت کی)۔

(یہ تمام تفصیلات علامہ شامی نے "مطلب فی شروط الجمع بین الصلاتین بعرفة" کے ذیل میں ذکر کی ہیں، جنہیں فتاویٰ رحیمیہ ۳۲۱/۸) میں نقل کر دیا گیا ہے)۔

اس صورت حال کا تقاضہ تو یہ ہونا چاہیے کہ فقہی اکیڈمی ایک تجویز منظور کرے جس میں حکومت سعودیہ سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ سابق کی طرح حنفی نمازیوں کو رمضان میں وتر کی جماعت علیحدہ کرنے کی اجازت دے، یا امام حرم دو سلام کے بجائے ایک سلام سے تینوں رکعات پڑھائیں، جو ان کے مذہب (حنبلی) میں بھی بہرحال جائز ہے چاہے خلاف اولیٰ ہو، مگر فقہ حنفی میں تو دو سلام سے تین رکعت جائز و مشروع ہی نہیں۔

☆☆☆☆☆

حج اور عمرہ کے مسائل

مولانا انور علی اعظمی۔ مئو

۱۔ جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی اور ضرورت سے حرم مکی کے حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے بھی احرام باندھ کر آگے بڑھنا ہے یا نہیں اس سلسلہ میں فقہاء مجتہدین کے مسالک اور دلائل اس طرح ہیں:

مسلک احناف: احناف کے نزدیک ہر شخص کے لئے چاہے وہ حج وعمرہ کا ارادہ رکھتا ہو یا نہیں بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔

ہدایہ میں ہے: **الآفاقی إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد** (ہدایہ ۱/۲۱۳)۔

دلیل: ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے قال رسول الله ﷺ لا يجاوز أحد الميقات إلا محرم (عینی شرح الہدایہ ۲/۱۳۰۳، تعلیق الصبیح ۳/۱۷۶)۔

نیز تعلیق صبیح میں ابو الشعثاء سے ابن عباس کا یہ عمل منقول ہے: عن أبي الشعثاء انه رأى ابن عباس يرد من جاوز الميقات غير محرم (۳/۱۷۶)۔

مسلک مالکیہ: امام مالک نے فرمایا کہ جو شخص مکہ میں بغیر احرام عمداً یا جہالۃً داخل ہو گیا تو اس نے برا کام کیا لیکن اس پر کوئی دم وغیرہ لازم نہیں عینی میں ہے: قال مالك من دخل مكة غير محرم متعمداً أو جاهلا فقد أساء ولا شئ عليه (عینی شرح ہدایہ ۲/۱۳۰۴)۔

دلیل: أخبرنا مالك حدثنا نافع أن ابن عمر اعتمر ثم أقبل إذا كان بقديد جاءه خبر من المدينة فرجع فدخل مكة بغير إحرام (موطا امام محمد ۲۱۹)۔

مسلک شوافع: امام شافعی کے نزدیک مکہ مکرمہ میں حج وعمرہ کے علاوہ دوسرے مقصد سے دخول ہو تو اس پر احرام واجب نہیں، امام نووی نے منہاج میں ایسے شخص کے لئے احرام کو مستحب قرار دیا ہے، اور ایک قول میں امام نووی نے وجوب بھی نقل کیا ہے، اور جس شخص کا دخول بار بار ہوتا ہو جیسے حطاب وصیاد ان کو وجوب والے قول سے مستثنیٰ کیا ہے۔

وفي المنهاج للنووي: من قصد مكة غير محرم لاشك انه يستحب له ان يحرم بحج او عمرة وفي قول يجب الا يتكرر دخولها كحطاب او صياد (عینی ۲/۱۳۰۴)۔

مسلک حنابلہ: اس سلسلے میں حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص مکہ مکرمہ میں بلا ارادہ قتال شرعی یا بلا حاجت متکررہ جانا چاہتا ہو تو اس کے لئے میقات سے بلا احرام جانا جائز نہیں، البتہ جو شخص بلا ارادہ قتال مباح یا حاجت متکررہ

کی بنا پر کہ مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہو تو اس کے لئے احرام باندھنا واجب نہیں۔

من دخلها لقتال مباح او من خوف او حاجة متكررة كالحشاش والحطاب....

تیسرے اور چوتھے قول کی دلیل:

إن النبي ﷺ دخل يوم الفتح مكة حلالا وعلى رأسه المغفر وكذلك أصحابه ولم يعلم أحدا منهم أحرم يومئذ وكذلك روي أن ابن عمر دخلها بغير إحرام. ولو أوجبنا الإحرام على كل من يتكرر دخوله أفضى إلى أن يكون جميع زمانه محرما لسقط للحرج.

۲۔ بعض فقہاء کے نزدیک حرم کی میں داخل ہونے والے ہر شخص کے لئے خواہ وہ حج و عمرہ کی نیت نہ رکھتا ہو احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہونے کی پابندی ہے جیسے احناف۔ ان کے نزدیک بھی ایسے لوگوں کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کرنا چاہئے جو تقریباً روزانہ اور کبھی کبھی ایک سے زائد مرتبہ تجارت، ملازمت یا دوسرے مقاصد سے حرم کی کے اندر آمد و رفت رکھتے ہیں، ایسا نہ کرنے میں مذکورہ بالا لوگوں کے لئے بہت بڑا حرج لازم آئے گا اور حرج کو شریعت میں اٹھا دیا گیا ہے، چنانچہ فقہاء احناف کے نزدیک میقات کے اندر رہنے والے لوگوں کو مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونے کی اجازت رفع حرج ہی کی بنیاد پر دی گئی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

ومن كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته لأنه يكثر دخوله مكة وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بين، فصار كأهل مكة حيث يباح لهم الخروج منها ثم دخولها بغير إحرام لحاجتهم (ہدایہ ۱/۲۱۴)۔

علامہ عینی اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے یہ روایت نقل کرتے ہیں: روي عن ابن عباس أنه عليه السلام رخص للحطابين أن يدخلوها بغير إحرام والظاهر أنهم لا يجاوزون الميقات

لیکن علامہ عینی کے ذکر کردہ احتمال "والظاهر أنهم لا يجاوزون الميقات" کے برخلاف (عالمگیری ۱/۲۲۱) میں یہ صراحت موجود ہے: وكذلك الآفاقي إذا صار من أهل البستان كذا في محيط السرخسي (عالمگیری ۱/۲۲۱)۔

۳۔ مکہ مکرمہ میں مقیم شخص اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اشہر حج شروع ہونے کے بعد عمرہ نہیں کر سکتا یعنی کی کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش نہیں ہے، اور یہی حکم ان تمام لوگوں کا ہے جو کی کے حکم میں آتے ہیں، فتح القدیر شرح ہدایہ میں حضرت عمر کا یہ قول منقول ہے:

وصح عن عمر أنه قال ليس لأهل مكة تمتع ولا قران (فتح القدیر [illegible])۔

اسی طرح در مختار میں ہے: وللمكي ومن في حكمه يفرد فقط.

لیکن اگر کی یا اس کے حکم میں آنے والا شخص باوجود ممانعت کے تمتع یا قران کرے تو فقہائے احناف کے نزدیک یہ دونوں عمل اس کی طرف سے واقع ہو جائے گا البتہ ایسا کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور اس کے ذمہ دم جبر

واجب ہوگا (فتح القدیر ۲/ ۲۳۸) میں یہ منقول ہے: قال في تحفة ومع هذا لو تمتعوا جاز وأساؤا. أو عليهم دم الجبر ، اور اسی مفہوم کی عبارت (شامی ۲/ ۲۰۴) میں بھی موجود ہے۔

مکی کے حق میں تمتع اور قران کے عدم کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

"ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام (بقرہ/ ۱۹۶) مکی کے لئے قران اور تمتع کے ممنوع ہونے پر علامہ برہان الدین مرغینانی لکھتے ہیں: لأن شرعهما للترفة بإسقاط إحدى السفرتين وهذا في حق الآفاقي (ہدایہ/ ۲۳۳)۔

ملا علی قاری اس مسئلہ میں متوطن مکی اور مکہ مکرمہ میں مقیم شخص کے درمیان فرق کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں متوطن مکی کے لئے تمتع جائز نہیں ہے، ہاں جو شخص مکہ مکرمہ میں مقیم ہو اس کیلئے بعض صورتوں میں تمتع جائز ہے اور اس کا تمتع بالکل صحیح اور سنت کے مطابق ہوگا، اور اس کے اوپر جنایت کا دم نہیں ہوگا بلکہ دیگر تمتع کرنے والوں کی طرح صرف دم شکر واجب ہوگا، وہ تحریر فرماتے ہیں:

ولا يبعد أن يفرق بين المكي المتوطن وبين المكي المقيم فيصح تمتع الأول دون الثاني (شرح اللباب/ ۱۵۳)۔

لہذا اگر مکہ میں اقامت کرنے والا شخص اشہر حج سے پہلے مکہ مکرمہ سے نکلا اور میقات کے باہر جا کر اپنی حاجت پوری کر کے اشہر حج میں عمرہ کے احرام کے ساتھ مکہ آیا اور پھر اسی سال حج بھی کیا تو کوئی حرج نہیں ہے، اس پر دوسرے متمتعین کی طرح صرف دم شکر ہوگا۔

۴۔ مکی شخص اشہر حج شروع ہونے کے بعد میقات سے باہر جا سکتا ہے اور لوٹنے کے وقت عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ اور اسی سال حج کرنا چاہے تو حج بھی کر سکتا ہے، اس کے لئے اس مسئلہ میں کوئی تنگی اور دشواری نہیں ہے، احناف کے نزدیک اس کا یہ عمل خلاف سنت بھی نہیں ہوگا اور اس پر دم جنایت بھی لازم نہیں ہوگا، یہ تمتع اس صورت میں مسنون ہوگا، اس میں کسی طرح کی کراہت نہیں ہوگی، شرح اللباب/ ص ۱۵۳ پر مذکور ہے:

إن المكي إذا خرج إلى بعض الآفاق لحاجة ثم رجع وأحرم بالعمرة في أشهر الحج ثم حج من عامه لم يلزم الدم باتفاق الأربعة۔

پھر آگے لکھتے ہیں: والمراد بعدم لزوم الدم دم الجبر المفرع على ترك السنة لأن دم المتعة سواء يكون شكرا عندنا وجبرا عند غيرنا فهو لازم اتفاقا (ص/ ۱۵۳)

پھر اس سے آگے ملا علی قاری اپنی اسی شرح میں لکھتے ہیں: فالمقصود إن تمتعه حينئذ مسنونا غير مكروه (شرح اللباب/ ص ۱۵۳)۔

الغرض احناف اور دیگر ائمہ کے نزدیک مکی کے لئے جب ایسا کرنے کی گنجائش موجود ہے، احناف کے نزدیک مکی کا یہ تمتع مسنون اور غیر مکروہ ہے لہذا اس میں تنگی اور دشواری کا کوئی مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کرسکتا ہے، کیونکہ عمرہ ایک مستقل عبادت ہے اور اس کے لئے کسی مہینے اور تاریخ کی قید نہیں ہے، صرف سال کے پانچ دنوں میں جو حج کے مخصوص ایام ہیں عمرہ مکروہ ہے، اور وہ پانچ دن، یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق ہیں۔

متمتع آفاقی عمرہ ادا کرکے حلال ہو جائے گا اور مکہ مکرمہ میں مقیم رہیگا، لہذا حج سے پہلے دوسرے حلال اشخاص کی طرح سارے کام طواف اور عمرہ وغیرہ اس کے لئے جائز ہوگا۔

علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں: هذا المتمتع آلافاقي غير ممنوع من العمرة فجاز لها تكرارها لأنها عبادة مستقلة أيضا كالطواف.

علامہ شامی نے درمختار میں تحریر فرمایا ہے: فيطوف بالبيت ما بدا له ويعتمر قبل الحج (شامی ۲/۲۶۸)۔

علامہ ابوبکر جصاص رازی نے اپنی کتاب احکام القرآن میں عبداللہ بن عباس کے واسطے سے حضرت عمرؓ کا ایک اثر نقل کیا ہے:

عن عبدالله بن عباس رضي الله عنه قال سمعت عمر يقول: لو اعتمرت ثم اعتمرت ثم اعتمرت ثم حججت لتمتعت (أحكام القرآن للجصاص ۱/۲۸۵)۔

دو عمروں کے درمیان فصل کا مسئلہ:

بعض حضرات کے نزدیک ایک سال میں صرف ایک مرتبہ کیا جاسکتا ہے، جیسے حسن البصری، ابن سیرین، امام مالک اور نخعی وغیرہم اسی کے قائل ہیں۔

قال النخعي: ما كانوا يعتمرون في السنة إلا مرة ولأن النبي ﷺ لم يفعله (مغنی ۳/۲۲۳)۔

صحابہ کرام کے ایک گروہ اور بہت سے تابعین اور فقہاء کے نزدیک ایک سال میں ایک سے زائد عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہ قول حضرت علی، ابو عباس، انس، عائشہ، عطاء، طاؤس، عکرمہ اور امام شافعی رحمہم اللہ سے مروی ہے۔

پھر مجوزین کے درمیان دو عمروں کے مابین کتنا فصل ہونا چاہئے اس بابت مختلف آراء ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ماہ میں ایک عمرہ کی اجازت دی ہے۔

حضرت انس ایک عمرہ کے بعد حلق کراتے اور جب بال نکل آتا تو دوسرا عمرہ کرتے، حضرت عکرمہ کی رائے بھی یہی ہے۔

حضرت عطاء کے بقول پے در پے عمرہ غیر مستحب ہے۔

امام احمد کے نزدیک دس دن سے قبل تکرار عمرہ نہیں ہونا چاہئے۔

احناف کے نزدیک اسی طرح کی وسعت بھی ہے بلکہ اس سے زیادہ، آفاقی متمتع اپنی سہولت کے ساتھ حج سے پہلے بار بار عمرہ کرسکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

۶۔ (الف) عمل رمی میں نیابت مریض اور معذور کے لئے درست ہے:

رمی جمرات حج کے واجبات میں سے ایک واجب ہے، بالعموم اس واجب میں نیابت درست نہیں، حاجی کو حتی الوسع اس کام کو خود انجام دینا چاہئے، البتہ جان کی حفاظت بھی شرع کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد ہے، اسلئے جہاں رمی میں اتلاف جان یا ضرر شدید کا اندیشہ ہو نیابت صرف اسی جگہ درست ہو سکتی ہے، غنیۃ المناسک میں رمی کی ادائیگی صحت کی شرائط بیان کرتے ہوئے مصنف تحریر فرماتے ہیں:

الشرط السادس: أن يرمي بنفسه فلاتجوز النيابة فيه عند القدرة (غنیۃ المناسک ۱۰۰)۔

ملا علی القاری شرح اللباب میں یہی بات پانچویں شرط بنا کر لکھتے ہیں:

الخامس أن يرمي بنفسه فلا تجوز النيابة عند القدرة (شرح اللباب ۱۳۲)۔

معذورین کے لئے نیابت کا جواز مسند احمد اور ابن ماجہ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے:

وعن جابر رضي الله عنه قال حججنا مع رسول الله ﷺ ومعنا النساء والصبيان فلبينا عن الصبيان ورمينا عنهم (فتاوى المعيد السابق ۱/۲۳۳)۔

(ب) نیابت فی الرمی میں معذوری کا معیار:

تحدید عذر میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ عذر من جانب العباد کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ اس عذر کا اعتبار ہوگا جو من جانب اللہ ہو، جیسے محظورات احرام کا ارتکاب کوئی محرم کسی انسان کے مجبور کرنے سے کر ڈالے تو اسے گناہ تو نہیں ہوگا لیکن جزاء لازم ہوگی، چنانچہ غنیۃ میں یہ تفصیل مذکور ہے:

ثم مرادهم بالعذر مايكون من الله فلو كان من العباد فليس بعذر حتى لو اكره على محظورات الإحرام كالطيب واللبس فيجب عليه الجزاء۔

پس یہ بات واضح ہوگئی کہ عذر وہی معتبر ہوگا جو من جانب العباد نہ ہو منجانب اللہ ہو، اور اس کی تحدید اس بات سے کی جائے گی کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو بلکہ اس درجہ کو پہنچ جائے کہ بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو، چنانچہ غنیۃ کے اندر اس کی صراحت اس طرح ہے:

وحد المريض أن يصير بحيث يصلي جالسا لأنه لايستطيع الرمي راكبا ولا محمولا إما لأنه تعذر عليه الرمي أو يلحقه بالرمي ضرر (غنیۃ المناسک ۱۰۰)۔

کیونکہ ایسا شخص نہ تو سوار ہو کر رمی کر سکتا ہے اور نہ ہی محمول ہو کر۔ لہذا اس کے لئے رمی متعذر اور دشوار ہو گئی ہے، یا کم از کم اتنی بات تو ضرور ہے کہ رمی کی وجہ سے اسے ضرر لاحق ہو سکتا ہے، چنانچہ اگر مریض اٹھا کر رمی کے پاس لے جایا جا سکتا ہے اور رمی کی وجہ سے مرض میں اضافہ کا اندیشہ نہ ہو اور اٹھا کر لے جانے والا موجود ہو یا اجرت پر کوئی آدمی مل جائے اور یہ اجرت پر قادر ہے تو ایسے شخص کی نیابت درست نہ ہوگی، غنیۃ میں ہے:

فإن كان مريض له قدرة على حضور المرمى محمولا ويستطيع الرمي كذلك من غير أن

يلحق به مشقة شديدة ولا يخاف زيادة المرض ولا بطء البرء لا يجوز النيابة عنه (غنية المناسك ص۱۰۲) اسی طرح کہ اپنے شخص کو سوار رہنے والے کے لئے تو رمی کے لئے نیابت جائز ہوگی (إلا أن لا يجد من يحمله (ص ۱۰۰)

عمل رمی میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں:

عمل رمی میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ عورتوں کے لئے رات میں افضل ہے لہذا بغیر عذر کے نیابت عن المرأۃ بھی جائز نہیں ہوگی۔

والرجل والمرأة في الرمي سواء إلا أن رميها في الليل أفضل فلا تجوز النيابة عن المرأة بغير عذر (غنية المناسك ص۱۰۰)۔

ازدحام کے خوف سے رمی میں عورت کی نیابت درست نہیں:

رمی میں نیابت مذکورہ تحدید کے ساتھ درست ہے محض ازدحام کی وجہ سے کسی عورت کا دوسرے سے رمی کرانا درست نہیں ہوگا اور ایسا کرنے کی صورت میں عورت پر جزا لازم ہوگی: چنانچہ غنیہ میں مذکور ہے

لما تبين مما قدمنا أنهم جعلوا خوف الزحام عذراً للمرأة ولمن به علة أو ضعف في تقديم الرمي قبل طلوع الشمس أو تأخيره إلى الليل لا في جواز النيابة عنهم لعدم الضرورة فلو لم يرموا بأنفسهم لخوف الزحام تلزمهم الفدية (غنیہ ص۱۰۰)۔

حکومت کا حج یا عمرہ سے روکنا بھی احصار ہے:

سعودی عرب میں رہنے والے غیر ملکیوں کو حج کرنے کے لئے حکومت سے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اگر حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد پکڑ کر واپس کر دیئے جائیں تو وہ بھی محصر ہیں کیونکہ جن اسباب سے احصار متحقق ہوتا ہے ان میں ایک سبب منع سلطان بھی ہے جو غنیہ کے اندر مذکور ہے:

ويتحقق بكل حابس يحبسه ولو بمكة بالاتفاق بين الحنفية على الأصح كالكسر والعرج والمرض ومنع السلطان (غنية المناسك ص۲۶۹)۔

محصر کا احصار کس طرح ختم ہوگا:

احصار کے بعد احرام سے نکلنے کے لئے محصر پر ضروری ہے کہ کسی شخص کے توسط سے ہدی یا جو قربانی کے جانور کا ساتواں حصہ یا ایک پورا جانور بکری یا بکرا حرم میں بھیجے اور آپس کے ذبح کی تاریخ اور وقت کی تعیین کرے، جب اس جانور کے ذبح ہونے کا وقت گذر جائے تو یہ شخص حلال ہو جائے گا اس سے پہلے محصر حالت احرام میں رہے گا اور ممنوعات احرام سے بچے گا، پھر محصر ہدی کے ذبح ہونے سے پہلے احصار کی جگہ میں رہ سکتا ہے اور اپنے اہل و عیال میں بھی جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وأتموا الحج والعمرة لله فإن أحصرتم فما استيسر من الهدي"

شرح لباب میں ملا علی قاری یہ آیت ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

يجب عليه أن يبعث الهدى لقوله تعالى فيذبح عنه وكيله نيابة عنه في الحرم ويجب أن يواعده يوما معلوما يذبح حتى يعلم وقت إحلاله (ص ۴۳۶/۱)۔

محصر کے حلال ہونے کے لئے حلق یا قصر ضروری نہیں ہے:

محصر کے لئے جانور کے ذبح ہو جانے کے بعد حلق یا قصر ضروری نہیں ہے لیکن اگر کرالے تو یہ بہتر ہوگا، لیکن اس کے علاوہ دوسرے محظورات احرام کے کرنے سے بھی اس کا احرام ختم ہو جائے گا، مثلاً مونچھ مونڈ لے، ناخن تراش لے وغیرہ (شرح اللباب ۳۳۱)۔

حلال ہونے کے صورت میں محصر پر کیا واجب ہوگا:

اگر محصر نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا تو اس پر ایک عمرہ کی قضا ہے، اگر حج کا احرام باندھا تھا تو اس کے ذمہ ایک حج اور ایک عمرہ ہے، اور اگر قران کی نیت سے احرام باندھا تھا تو اس پر ایک حج اور دو عمرے ہیں۔

۸۔ رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے یا سنت:

فقہ حنفی کے راجح اور مفتی بہ قول میں رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب کو واجب قرار دیا گیا ہے لیکن صاحبین کا قول ائمہ ثلاثہ کے مطابق ہے، ان کے یہاں ان امور میں ترتیب ائمہ ثلاثہ کی طرح سنت ہے واجب نہیں، اور ترتیب کے خلاف ہو جانے کی صورت میں دم واجب نہیں ہے، امام ابوحنیفہ سے اس مسئلہ میں اس مشہور قول کے علاوہ دوسرے اقوال بھی موجود ہیں، درس ترمذی کے حاشیہ میں کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ کے حوالے سے مذکور ہے:

عن أبي حنيفة في الرجل يجهل وهو حاج فيحلق رأسه قبل أن يرمي الجمرة أنه لا شيء عليه (باب الذي يجهل فيحلق رأسه قبل أن يرمي جمرة العقبة)۔

تیسری روایت موطا امام محمد میں "باب من قدم نسکا قبل نسک" کے تحت منقول ہے:

قال محمد: وبالحديث الذي روي عن النبي ﷺ نأخذ أنه قال لا حرج في شيء من ذلك وقال أبو حنيفة رحمه الله لا حرج في شيء من ذلك ولم ير في شيء من ذلك كفارة إلا في خصلة واحدة: المتمتع والقارن إذا حلق قبل أن يذبح قال عليه دم وأما نحن فلا نرى عليه شيئاً (بحوالہ درس ترمذی ۳/۱۵۲-۱۵۳)۔

حجۃ الوداع میں اس مسئلہ میں صریح روایتیں ملتی ہیں، ترتیب کے خلاف کرنے والوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا لیکن آپ نے جواب میں "لا حرج" فرمایا:

عن عبد الله بن عمرو بن العاص أن رسول الله ﷺ وقف في حجة الوداع بمنى للناس يسئلونه فجاءه رجل فقال لم أشعر فحلقت قبل أن أذبح فقال: اذبح ولا حرج، فجاء آخر فقال لم أشعر فنحرت قبل أن أرمي فقال: ارم ولا حرج، فما سئل النبي ﷺ عن شيء قدم ولا أخر إلا قال افعل ولا حرج (متفق علیہ بحوالہ التعلیق الصبیح ۳/۲۳۲)۔

مختلف صحابہ کے جواب میں یہی جملہ ارشاد فرمایا اور دم کے وجوب کا حکم نہ کرنا اپنے ظاہر کے اعتبار سے وجوب دم کی نفی کرتا ہے، اگر واقعتہ وجوب دم ہوتا تو صریح سوال میں اس کے ذکر سے آپ کا سکوت بڑا تعجب خیز معلوم ہوتا ہے، سائل کے جملہ میں لم أشعر مذکور ہے لیکن فقہ میں یہ بات مسلم ہے کہ عدم علم کی وجہ سے آدمی معذور نہیں مانا جاتا، زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا تھا کہ حج ایک نئی عبادت ہے اس سے پہلا پہلا سابقہ ہے عدم علم کی وجہ سے عنداللہ بچ جائے لیکن اس کی وجہ سے شرائع اور احکام کی معافی کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک واجب کو نسیاً منسیاً کردیں اور اس کے بعد بھی اس کا ذکر کسی موقع پر نہ کریں شریعت کے مزاج سے مطابقت نہیں کرتا، شاید انہیں وجوہات کی بناپر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تحریر فرمایا:

وافتی فیمن حلق قبل أن یذبح أونحر قبل أن یرمی أو رمی بعد ماأمسی أو أفاض قبل الحلق أنه لا حرج ولم یأمر بکفارة والسکوت عند الحاجة بیان ولیت شعری هل فی بیان الا ستحباب صیغة أصرح من لا حرج ولا یتم التصریح إلا ببیان الرخص فی وقت الشدائد (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۶۵)۔

مذکورہ بالا تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ حاجی مناسک حج اچھی طرح سیکھے سارا کام مرتب کرے، لیکن اس خاص مسئلہ میں اگر ترتیب بدل جائے اور وہ موجودہ صورت حال میں جس کی تفصیل سوال میں مذکور ہے تو اس پر دم واجب نہیں ہوگا، اور اس مسئلہ میں امام کی دوسری روایت جو صاحبین کے قول کے قریب ہے عمل کی گنجائش موجود ہے۔

۹۔ الف: آج عام طور پر دور دراز سے جانے والے لوگ حج تمتع کرتے ہیں ان کے لئے حج افراد یا قران شاذ و نادر ہے، پھر بھی حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنا محض عرف کی وجہ سے تمتع کی تعیین نہیں کرتا، اس کے لئے صریح اجازت کی ضرورت ہے، کسی ایک علاقے کا عرف احکام شرع کو بدلنے کے لئے کافی نہیں ہے (الاشباہ والنظائر ۱/۱۱۲) پر مذکور ہے:

التعارف الذی تثبت به الأحکام لا تثبت بتعارف بلدة واحدة.

حج فرض میں نیابت کے سلسلہ میں فقہاء احناف نے تقریباً بیس شرطیں ذکر فرمائی ہیں، منجملہ ان شرائط کے ایک یہ بھی ہے کہ مامور سفر کو اسی کام کے لئے خاص رکھے جس کا آمر نے حکم دیا ہے، مثلاً آمر نے حج کا حکم دیا ہے تو مامور یہ پہلے مکہ جا کر حج ادا کرے، اور اگر حج سے پہلے عمرہ کرے گا تو یہ سفر حج کے لئے نہیں مانا جائے گا۔

ایک دوسری شرط فقہاء نے یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ حج کا حکم دینے کی صورت میں مامور کو میقات آمر سے احرام باندھنا ہوگا، اور تمتع کی صورت میں اس شرط کی خلاف ورزی لازم آئے گی، اس لئے مطلق حج کا حکم دینے کی صورت میں تمتع کرنا آمر کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی، البتہ آمر کی اجازت کے بعد کوئی حرج نہیں ہے۔

غنیۃ الناسک میں ہے إن الأمر بالحج تضمن الأمر بأمور بالحج بنفسه ومن بلده وبماله وبرکوب أکثر الطریق وبجعل السفر له وبإفراد السفر له وبإحرامه من المیقات وکذا لو أمره بالعمرة فلو أخل بواحد فهو مخالف إلا إذا وجد الإذن (غنیۃ الناسک ۱۹۰)۔

ہندوستان کے مشہور علماء کرام کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے، مولانا ظفر احمد تھانوی نے "فتویٰ مظاہر العلوم" میں اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کیا ہے، اور آمر کی اجازت کے بعد تمتع کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، مولانا عبدالرحیم لاجپوری "فتاویٰ رحیمیہ" ۲۰۷/۴ پر تحریر فرماتے ہیں کہ احوط اور ارجح یہ ہے کہ اجازت کے باوجود تمتع کا احرام نہ باندھا جائے لیکن بہر حال آمر کی اجازت کے ساتھ تمتع کر لینے کی گنجائش ہے جیسا کہ غنیۃ کی عبارت میں صراحتاً مذکور ہے۔

(ب) صریح اجازت کے بغیر محض اپنی آسانی کی خاطر حج بدل کرنے والے کیلئے درست نہیں ہے۔

(ج) شریعت نے بہت ساری جگہوں پر ظن غالب کو یقین کا درجہ دیا ہے، اگر آمر نے صریح اجازت نہیں لی لیکن دیانتداری کے ساتھ محض اپنی آسانی کے لئے نہیں، اس کا گمان غالب ہے کہ اگر میں آمر سے اجازت لیتا تو وہ تمتع کی اجازت دے دیتا اس صورت میں بھی مامور کے لئے تمتع کا جواز نکل سکتا ہے، لیکن ہمارے فقہاء کی مذکورہ تفصیل کو ملحوظ رکھتے ہوئے مامور کو چاہئے کہ آمر سے اس مسئلہ کو واضح کرے۔

(د) اگر چہ مامور بالحج آمر کی اجازت سے تمتع کرتا ہے پھر بھی اسے دم تمتع اپنے پاس سے ادا کرنا چاہئے، کیوں کہ اس دم کی بنیادی وجہ ایک سفر میں دو عبادتوں کی ادائیگی سے فائدہ اٹھانا ہے اور یہ فائدہ مامور بالحج کو مل رہا ہے، اس لئے بنیادی طور پر دم تمتع بھی اسی کے ذمہ ہے، الا یہ کہ آمر نے اس کی بھی اجازت دے دی ہو، وہ اپنے مال کا مالک ہے، اس کی اجازت کے بعد اس کے پیسے سے دم تمتع دینا بھی جائز ہوگا۔

۱۰۔ حائضہ اور نفساء کے لئے حیض ونفاس کے دوران طواف زیارت جائز نہیں:

(الف) سوال میں لکھی ہوئی جملہ پریشانیوں کے باوجود حیض ونفاس کے دوران طواف زیارت جائز نہیں، اگر کرے گی تو گنہگار ہوگی، ایسی صورت کو حتی الامکان حج کمیٹی کے ذریعہ ویزا بڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر کوئی گنجائش ٹھہرنے کی نہیں نکل سکی اور بغیر زیارت واپس جانے سے حج نامکمل رہ جاتا ہے، دور دراز والوں کے لئے لوٹ کر آنا ایک غیر معمولی مسئلہ ہے، اس طرح کی مجبوری میں پھنس کر اگر کوئی عورت حیض ونفاس کے دوران طواف زیارت کر ہی ڈالے تو اگر چہ وہ گنہگار ہوگی لیکن اس کا رکن ادا ہو جائے گا، اس کے گناہ کا تعلق اللہ رب العزت سے ہے اور انھوں نے ایک ضابطہ بیان کر دیا ہے: "لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعها" اگر واقعی اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا تو اللہ رب العزت کی ذات سے پوری امید ہے کہ اس کا عذر قبول فرمائیں گے۔

فتح القدیر میں دو وجہوں سے ایسی عورت کے لئے طواف کو ناجائز کہا گیا ہے: ایک تو اس لئے کہ طواف مسجد میں کیا جاتا ہے اور حیض ونفاس کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ طواف بذات خود بھی ایک عمل ہے جو طہارت کا متقاضی ہے، یعنی طہارت واجبات طواف میں سے ہے، لہذا ان دو امور کی وجہ سے ناجائز ہوگا، فتح القدیر کی عبارت اس طرح ہے:

الحاصل .أنه حرمة الطواف لوجهين : دخولها المسجد وترك واجب الطواف فإن الطهارة واجبة فيه فلا يحل لها أن تطوف حتى تطهر (فتح القدير ۳۳۹/۲)۔

(ب) اگر کوئی عورت حیض ونفاس کی حالت میں طواف زیارت کرلے تو وہ گنہگار ہے اور اس کے ذمہ اعادہ لازم ہے، اگر اعادہ نہ کرسکی تو اس پر دم لازم ہے اور حج مکمل ہو جائے گا، فتح القدیر کی عبارت میں اس کی صراحت ہے:

فإن طافت كانت عاصية ولزمها الإعادة فإن لم تعده كان عليها بدنة وتم حجها (۲/۳۲۸)

علامہ شامی نے ابن امیر الحاج کی منسک کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

لو همّ الركب على القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف أم لا؟ قالوا يقال لها: لا يحل لك دخول المسجد ولو دخلت وطفت أثمت وصح طوافك وعليك ذبح بدنة وهذه مسئلة كثيرة الوقوع يتحير فيها النساء (شامی ۲/۴۵۷)۔

(ج) حالت ناپاکی یعنی جنابت، حیض ونفاس میں طواف زیارت کرنے والوں اور کرنے والیوں پر بدنہ کا ذبح کرنا واجب ہوگا، بکرا دا کافی ہوگا، درمختار میں ہے:

وتجوز الشاة (في الحج) في كل شئ إلا في طواف الركن جنبا أو حائضا (درمختار علی ہامش الشامی ۲/۳۴۳)۔

(د) دم کی ادائیگی حدود حرم ہی میں ہوگی، اپنے مقام پر اسے نہیں ادا کیا جاسکتا، درمختار اور فقہ کی دوسری کتب میں اس کی صراحت موجود ہے: ويتعين الحرم للكل (۲/۳۴۳)۔

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں محرم کے مرنے پر عورت کب محصر ہوگی اور کب نہیں ہوگی؟

عدت حج وعمرہ ادا کرنے سے مانع نہیں، عدت طلاق یا وفات میں عورت کے لئے حج اور عمرہ ادا کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

اس سلسلہ میں بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ عمرہ اور حج کے سفر میں شوہر یا دوسرا محرم جو عورت کے ساتھ ہے اگر مر جائے تو عورت محصر ہوگی یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء کی صراحتیں موجود ہیں، اگر زوج یا محرم کا انتقال ایسی جگہ ہو کہ اس مقام اور مکہ کے درمیان شرعی مسافت کی دوری ہے تو عورت محصر قرار پائے گی اور اس کے لئے آگے جانا ممنوع ہوگا، اور اگر ایسی جگہ انتقال ہوا کہ اس مقام اور مکہ کے درمیان شرعی مسافت کی دوری نہیں پائی جاتی تو عورت محصر نہیں ہوگی اور اس کے لئے حج اور عمرہ کرنا درست ہوگا، مثلاً اگر زوج یا محرم مکہ مکرمہ میں مر جائے تو عورت عدت کے دوران اپنے حج وعمرہ کے سارے کام انجام دے سکتی ہے، یا جدہ کے قریب انتقال ہوا ایسی جگہ جہاں سے مکہ مکرمہ کی دوری مسافت شرعی سے کم ہے تو عورت کے لئے مکہ جانا اور اپنے مناسک ادا کرنا درست ہوگا، غنیۃ المناسک میں ہے:

ومنه (من الإحصار) موت المحرم للمرأة في الطريق أو زوجها إذا كان بينها وبين مكة وبلدها أقل منه أو أكثر لكن يمكنها المقام في موضعها أو قريب منه وإلا فلا إحصار (ص/۲۶۷)۔

شرح اللباب میں ہے: السادس موت المحرم أو الزوج للمرأة وزاد في نسخة أن على مسيرة سفر من مكة ولا بد من هذا القيد على القول الأصح (شرح اللباب/۲۳۳)، اور علامہ شامی نے

اسی طرح کی عبارتیں لباب اور بحر کے حوالے سے نقل کی ہیں۔

۱۲۔ مکہ اور منیٰ دو مستقل مواضع ہیں، اگرچہ مکہ شہر کی آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے آج درمیان کا خلاء پر ہو چکا ہے، اور ممکن ہے کہ انتظامی امور میں مکہ مکرمہ کو ضلع کا ہیڈ کوارٹر اور منیٰ کو اس کا حصہ ہونے کی حیثیت ہو، لیکن فقہاء نے ان دونوں مواضع کو دو الگ الگ آبادیاں تسلیم کیا ہے ان کو مکہ کا تابع مانا ہے، فقہاء نے تابع ماننے کے لئے ایک معیار یہ بتایا ہے کہ ایک موضع کے لئے سکان کے جمعہ کی حاضری ضروری ہو اور انہیں جمعہ کے لئے دوسرے موضع میں جانا پڑے، دریافت کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ اہل منیٰ جمعہ منیٰ ہی میں پڑھتے ہیں، پہلے منیٰ کوئی مستقل آبادی نہیں تھی اب ایک مستقل آبادی ہو چکی ہے، دوسرے یہ کہ منیٰ جانے والا حاجی ۹؍تاریخ کو عرفات جاتا ہے اور رات مزدلفہ میں گذارتا ہے اور صبح کو منیٰ میں آتا ہے، اس لئے بھی مکہ کے قیام اور منیٰ کے قیام کو الگ الگ حیثیت حاصل ہے، علامہ عینی لکھتے ہیں:

وفی المنية والتحفة هذا إذا كان كل واحد منهما أصلاً كمكة ومنىً أو كالكوفة والحيرة فإذا كان أحدهما تبعا لآخر بأن نوى الإقامة في المصر وفي موضع آخر تبع لها وهو ما يلزم ساكنيه حضور الجمعة يصير مقيما لأنهما مكان واحد (عینی ۲؍۹۲۵)۔

لہٰذا اگر مکہ میں پندرہ یوم کی اقامت کی نیت ہے تو حج کرنے والا شخص مقیم ہوگا اور مکہ اور منیٰ میں ملا کر پندرہ یوم اقامت کی نیت ہے تو وہ مسافر ہوگا۔

۱۳۔ حرمین میں رمضان میں وتر کی نماز جماعت سے ہوتی ہے، امام وتر کی دو رکعتوں کے بعد فصل کرتا ہے اور سلام کے بعد ایک رکعت پڑھتا ہے، حنفی مقتدی اس صورت میں کیا کرے۔ درمختار میں فصل کی صورت میں اقتداء کو ممنوع لکھا ہے، لیکن بہرحال مسئلہ مجتہد فیہ ہے، حرمین کی جماعت سے علیحدگی، درمیان صف سے نکلنا، جماعت مسلمین میں اختلاف کی ایک ظاہری شکل کا پیدا ہونا، یہ سب ایسی باتیں ہیں کہ اس سے اجتناب امت مسلمہ کے لئے ضروری ہے، حدیث میں اس کی گنجائش موجود ہے، حنفی فقیہ ابوبکر الرازی نے اس کو جائز قرار دیا ہے حجتی ہ لوگوں سے دریافت کرنے پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ حرمین کی جماعت کی مخالفت یا اس سے علیحدگی ایک مشکل مسئلہ ہے، اس لئے احناف کو حدیث کی گنجائش کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مسئلہ میں زیادہ شدت اپنانا مناسب نہیں معلوم ہوتا، البحر الرائق میں یہ عبارت ملتی ہے۔

وجوز أبو بكر الرازي ويصلي معه بقية الوتر لأن الإمام لم يخرج بسلامه عنده وهو مجتهد فيه كما لو اقتدت بإمام قد رعف (البحر ۲؍۳۹)۔

☆☆☆☆☆

حج اور عمرہ کے اہم اور مشکل مسائل

مفتی شبیر احمد قاسمی
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جدہ اور محاذات میقات بھی میقات ہیں:

سرکار دو عالم ﷺ کے مقرر کردہ کل پانچ میقات ہیں:

(۱) ذوالحلیفہ (۲) حجفہ جس کو اس زمانے میں رابغ کہتے ہیں، (۳) قرن المنازل (۴) یلملم (۵) ذات عرق، یہ پانچ مقامات حدیث میں میقات ہیں، بغیر احرام ان مقامات سے آگے بڑھنا جائز نہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان میقاتوں کے محاذات کو بھی میقات کا حکم حاصل ہے یا نہیں؟ جیسا کہ طائف و جدہ وغیرہ محاذات میقات یا اس سے دوری پر واقع ہیں، ان کو میقات کے حکم میں قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

تو اس سلسلے میں بعض علماء نے محاذات میقات کو حکم میقات میں تسلیم نہیں کیا ہے۔ مگر فقیہ العصر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی، حضرت تھانویؒ، علامہ ابن حجر مکی، علامہ ابن زیاد یمنی، اور صاحب غنیۃ الناسک وغیرہ نے محاذات میقات کو بھی میقات کے حکم میں قرار دیا ہے، اسی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک جدہ اور طائف بھی میقات ہے، لہذا ساحلی علاقہ سے بحری جہاز سے پہنچنے والوں کے لئے نیز مغربی ممالک سے ہوائی جہاز سے پہونچنے والوں کے لئے مذکورہ علماء کبار کے نزدیک احرام باندھنا بلا کراہت جائز ہوگا، اور ان حضرات کی رائے زیادہ صحیح اور معتبر ہے اس لئے اس کو معمول بہ اور مفتی بہ قرار دیا جائے گا۔ (مستفاد امداد الفتاوی ۲/۱۹۹، فتاوی خلیلیہ ۱/۹۲، جواہر الفقہ ۱/۴۷۸، زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ص ۶۱)۔

مگر شمالی شرقی اور شرقی جنوبی ممالک سے ہوائی جہاز سے جدہ پہونچنے والوں پر پہلے ہی سے احرام باندھ لینا لازم ہوگا، کیونکہ شمالی شرقی ممالک سے آنے والوں کے سامنے قرن المنازل یا یلملم یا ان کے محاذات آتے ہیں، ان پر وہیں سے احرام باندھنا لازم ہے، اور شرقی جنوبی ممالک سے آنے والوں کے سامنے ذوالحلیفہ یا ذات عرق یا ان کے محاذات آتے ہیں، ان پر وہیں سے احرام باندھنا لازم ہے، کیونکہ اول میقات سے بلا احرام گذرنا مکروہ تحریمی اور موجب دم ہے، ہاں البتہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسرے میقات میں جا کر احرام باندھنے کی وجہ سے دم ساقط ہو جائے گا، مگر کراہت بھی باقی رہتی ہے۔ (ایضاح المناسک ص ۸۵)۔

لو جاوز میقاتا من المواقیت الخمسة یرید الحج أو العمرة فجاوزه بغیر احرام ثم عاد قبل أن یحرم وأحرم من المیقات وجاوزه محرما لا یجب علیه دم بالاجماع (بدائع ۲/۱۶۵) وعلیه العود إلی المیقات الذی جاوزه أو إلی غیره أقرب أو ابعد وإلی میقاته الذی جاوزه أفضل الخ غنیة (المناسک ص ۳۹)۔

اگر پانچوں میقات میں سے کسی ایک سے بلا احرام تجاوز کر گیا ہے اور وہ حج یا عمرہ کا ارادہ بھی رکھتا ہے تو بلا احرام گذرنے کے بعد پھر احرام سے قبل کسی میقات میں آ کر احرام باندھ لیتا ہے اور پھر محرم بن کر گذرتا ہے تو بالاجماع دم لازم نہ ہوگا۔ اس پر گذرے ہوئے میقات یا کسی دوسرے میقات جو پہلے سے قریب ہو یا بعید اس پر لوٹنا لازم ہے اور اپنے میقات پر لوٹنا زیادہ افضل ہے۔

۱۔ آفاقی کا بلا احرام دخول مکہ:

آفاقی ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو میقات سے باہر کے رہنے والے ہیں، اگر یہ لوگ حج یا عمرہ کے ارادے سے مکہ المکرمہ میں داخل ہونے کا ارادہ کریں، تو تمام ائمہ کے نزدیک میقات سے احرام باندھ کر داخل ہونا واجب ہے البتہ اگر بلا احرام میقات سے تجاوز کریں گے تو بالاتفاق ایک دم کفارہ میں واجب ہوگا، اور اگر دخول مکہ کا ارادہ ہے مگر حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں ہے، بلکہ دوستوں سے ملاقات یا تجارت یا کسی اور ضرورت کے لئے داخل ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں بلا احرام داخل ہونا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں علماء امت کے دو فریق ہیں:

فریق اول: حضرت امام حسن بصریؒ، امام بخاریؒ، ابن شہاب زہری، داؤد بن علی اور اصحاب ظواہر کے نزدیک جو آفاقی حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا ہے اس کے لئے بلا احرام میقات سے گذر جانا جائز ہے اور اس پر کوئی دم یا کفارہ بھی نہیں ہے، ہاں البتہ احرام باندھ کر جانا مستحب ضرور ہے (عمدۃ القاری ۱۰/۲۰۵)۔

نیز حضرت امام شافعیؒ اور امام مالک کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے، اور حضرت امام شافعیؒ کے یہاں یہی قول مفتی بہ اور معمول بہ ہے۔

فریق ثانی: حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، سفیان ثوریؒ، ابوثور اور لیث بن سعد کے نزدیک، نیز حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے قول مشہور کے مطابق جو آفاقی حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا ہے اس کے لئے بھی بلا احرام میقات سے گذر جانا جائز نہیں ہے، اگر گذر جائے گا تو حضرت امام شافعیؒ اور ابوثور کے نزدیک کفارہ یا دم لازم نہ ہوگا مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر ایک عمرہ یا حج کرنا لازم ہو جائے گا، اور بلا احرام گزرنے کی وجہ سے ایک دم بھی لازم ہو جائے گا۔ (نخب الافکار ۵/۱۹۳)۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب آفاقی دخول مکہ کے ارادے سے میقات سے تجاوز کرے گا تو اس پر ایک حج یا عمرہ کرنا لازم ہو جاتا ہے، چاہے حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو یا نہیں، دونوں صورتوں میں حج یا عمرہ میں سے ایک عبادت لازم ہو جاتی ہے اس لئے بلا احرام تجاوز جائز نہیں ہوتا، اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بغیر ارادے کے یہ عبادت لازم نہیں ہوتی، اس مسئلہ کو حضرات علماء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

مذهب الزهري والحسن البصري والشافعي في قول و مالك في روايته وابن وهب و داؤد بن علي واصحابه الظاهرية انه لا باس بدخول المحرم بغير احرام و مذهب عطاء بن ابي رباح والليث بن سعد والثوري وابي حنيفة واصحابه و مالك في رواية وهي قوله الصحيح

والشافعي في المشهور عنه و أحمد وأبي ثور والحسن بن حي لا يصلح لأحد كان منزله من وراء الميقات إلى الأمصار أن يدخل مكة إلا بالإحرام فإن لم يفعل أساء ولا شيء عليه عند الشافعي وأبي ثور و عند أبي حنيفة عليه حجة أو عمرة الخ (عمدۃ القاری ۹/۲۲۳، ۱۰/۲۰۵، کتاب الاذکار قلمی ۵/۱۹۳)۔

حضرت امام ابن شہاب زہری حسن بصری اور امام شافعی کے ایک قول میں اور امام مالک کی ایک روایت میں اور ابن وہب اور داؤد ابن علی اور اصحاب ظواہر کے نزدیک بلا احرام حدود حرم میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور امام عطاء ابن ابی رباح، لیث بن سعد، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام مالک کی راجح روایت میں اور امام شافعی کے قول مشہور اور امام احمد، امام ابوثور اور حسن بن حی وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ جس کا مسکن میقات سے باہر ہے اس کے لئے بلا احرام مکۃ المکرمہ میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، اگر بلا احرام داخل ہوا تو اس نے بہت برا کیا۔ اور امام شافعی اور ابوثور کے نزدیک اس پر کوئی جرمانہ نہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر ایک حج یا ایک عمرہ کرنا لازم ہے۔

لو أراد مجاوزة هذه المواقيت دخول مكة لا يجوز له أن يجاوزها إلا محرما سواء أراد بدخول مكة النسك من الحج أو العمرة أو التجارة أو حاجة أخرى عندنا (بدائع ۲/۱۶۴)۔

اگر ان میقاتوں سے گذرتے وقت مکۃ المکرمہ میں داخل ہونے کا ارادہ ہے تو احرام کے بغیر گذرنا جائز نہیں ہے، گذرتے وقت حج یا عمرہ کا ارادہ ہو یا تجارت یا کسی دوسری ضرورت کا قصد ہو ہر صورت میں ہمارے نزدیک احرام باندھنا لازم ہے۔

۲۔ میقات سے بلا احرام بار بار گذرنے کی ضرورت:

ماقبل کی تفصیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک آفاقی کے لئے بلا احرام میقات سے گذر جانا جائز نہیں ہے، حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں ہر صورت میں احرام لازم ہے، اور اسی طرح اگر مکی میقات سے آفاق میں جائے گا تو اس پر بھی واپسی میں احرام باندھنا لازم ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کل کے زمانہ میں کاروباری لوگوں کو کثرت کے ساتھ بار بار آنے اور جانے کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً اہل مکہ کو بار بار مدینہ جانا پڑتا ہے اور اہل مدینہ کو بار بار مکۃ المکرمہ اپنے کاروبار کے لئے جانا پڑتا ہے تو اگر ان پر ہر مرتبہ احرام باندھ کر عمرہ کا حکم لگایا جائے گا تو شدید مشقت اور حرج لازم آجاتا ہے تو ان کے لئے شرعی طور پر کوئی رعایت اور گنجائش ہوسکتی ہے یا نہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ مہینے دو مہینے میں آتے جاتے ہیں ان کے حق میں تو کوئی گنجائش نہ ہوگی، البتہ جو لوگ روزانہ یا ہر ہفتہ آتے جاتے ہیں ان لوگوں کے لئے بلا احرام میقات سے گذرنے کے دو طریقے ہم کو نظر آتے ہیں:

طریقہ اول: ضرورت اور حاجت شدیدہ کی وجہ سے ان لوگوں کے لئے حضرت امام شافعی، امام حسن بصری، ابن شہاب زہری، داؤد بن علی، عبداللہ بن وہب، ابوثور وغیرہ کے مسلک پر اس مسئلہ میں عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

طریقۂ دوم: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ میقات کے باہر سے لکڑیاں لانے والے اور عمال اور تجار اور کمانے والے جو بار بار جاتے آتے ہیں ان کے لئے بلا احرام میقات سے گذرتے رہنے کی اجازت ہے۔
اسلئے کہ اگر ہر بار ان پر احرام کی پابندی لگائی جائے گی تو سخت مشقت کا خطرہ ہے، مصنف ابن ابی شیبہ اور نخب الافکار وغیرہ میں ابن عباس کی روایت اس طرح کے الفاظ سے مروی ہے:

عن ابن عباس قال لا يدخل أحد مكة إلا بإحرام إلا الحطابين والعمالين وأصحاب منافعها الحديث (نخب الافکار قلمی ۲۱۹/۵، مصنف ابن ابی شیبہ ۲۱۱/۳، طحاوی شریف من عطاء ۴۲۸/۱، تلخیص الحبیر ۲۱۱/۱)۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کوئی شخص مکۃ المکرمہ بلا احرام داخل نہیں ہوسکتا البتہ لکڑیاں لانے والے اور مزدور ملازمین اور کمائی کرنے والے بلا احرام گذر سکتے ہیں۔

اور حنفی مسلک کے فقہاء اور محدثین بھی ضرورت کی وجہ سے میقات کے باہر سے لکڑیاں لانے والوں اور ان کی طرح ضرورت سے بار بار آنے جانے والوں کے لئے بلا احرام میقات سے گذرنے کی گنجائش لکھتے ہیں اور اس طرح کے الفاظ نقل فرماتے ہیں:

كره الأكثر دخولها بلا إحرام ورخصوا للحطابين ومن أشبههم (اوجز المسالک ۲۴۲/۳، عمدۃ القاری ۲۰۵/۱۰، تخریج ہدایہ ۲۱۵/۱)۔

اکثر علماء نے بلا احرام داخل ہونے کو مکروہ کہا اور حطابین اور ان جیسوں کے لئے اجازت دی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے ثابت ہوگیا کہ بار بار میقات سے باہر جانے والے کی اور بار بار مکۃ المکرمہ میں اپنی ضرورت کے لئے داخل ہونے والے آفاقی کے لئے بلا احرام میقات سے گذرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، اور ان پر کوئی کفارہ بھی نہیں ہے۔

صاحب التسہیل الضروری لکھتے ہیں کہ تجارتی ضرورت کے لئے بار بار آنے جانے اور سواقین کے لئے بلا احرام میقات سے گذرتے رہنے کی گنجائش ہے:

لو سومح في ذلك لمن يحتاج إلى الدخول متكررًا الكسب ما يحتاج إليه من نفقة عياله كالسواقين قياسا على الحطابين لكان له وجه (التسہیل الضروری ۱۸۲/۱)

اگر اس سلسلہ میں ایسے شخص کو گنجائش دی جائے جو اپنے بال بچوں کی معاشی ضروریات حاصل کرنے کے لئے بار بار داخل ہوتا رہتا ہے جیسا کہ ڈرائیور وغیرہ تو حطابین پر قیاس کرکے اس کے لئے گنجائش ہوسکتی ہے۔

۳۔ (الف) مکی کا اشہر حج میں میقات سے باہر جاکر واپسی میں عمرہ کرنا:

اگر مکی اشہر حج میں میقات سے باہر کسی ضرورت کے لئے جاتا ہے تو واپسی میں اس کی تین شکلیں نظر آتی ہیں:
شکل ۱: وہ مکی واپسی میں میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوتا ہے اور ارکان عمرہ ادا کرکے

حلال ہو جاتا ہے اور وہ اسی سال حج نہیں کرتا ہے تو اس پر کوئی کفارہ اور دم وغیرہ لازم نہیں ہے اس لئے کہ اس نے واپسی میں احرام کے ذریعہ میقات کا حق ادا کر دیا۔

المکی إذا خرج منها و جاوز المیقات لا یحل له العود بلا إحرام الخ (تاتارخانیہ ۴۷۵/۲)۔

مکی جب مکہ سے نکل کر میقات سے باہر تجاوز کر جائے تو واپسی میں بلا احرام تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔

شکل ۲: وہ مکی واپسی میں بلا احرام میقات سے گذر کر مکہ میں داخل ہو جاتا ہے تو بلا احرام میقات سے تجاوز کرنے کی وجہ سے اس پر کفارہ میں ایک دم واجب ہو جائے گا، ہاں البتہ اگر دوبارہ میقات یا محاذات میقات میں جا کر احرام باندھ کر عمرہ ادا کرتا ہے تو واجب شدہ دم ساقط ہو سکتا ہے اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

من جاوز آخر المواقیت بغیر إحرام ثم عاد إلیه وهو محرم و لبّیٰ فیه فقد سقط عنه الدم الذی لزمه بالمجاوزة بغیر إحرام لأنه قد تدارک ما فاته (بحر الرائق ۳۸/۳)۔

جو شخص آخری میقات سے بلا احرام تجاوز کر جائے پھر میقات پر لوٹ کر احرام کی حالت میں تلبیہ پڑھ لیتا ہے تو وہ دم اس سے ساقط ہو جاتا ہے جو بلا احرام تجاوز کی وجہ سے لازم ہو چکا تھا اس لئے کہ اس نے مافات کو پا لیا ہے۔

شکل ۳: وہ مکی واپسی میں میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوتا ہے اور ارکان عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیتا ہے اور پھر اسی سال حج بھی کر لیتا ہے تو یہ اس کا حج حج تمتع نہ ہوگا اور نہ ہی اس کو تمتع کا ثواب ملے گا اس لئے کہ حج تمتع کے لئے شرط یہ ہے کہ عمرہ اور حج ایسا ایک سفر میں کیا جائے کہ دونوں کے درمیان اپنے وطن نہ پہونچ جائے جس کو فقہاء المام صحیح کہتے ہیں۔

اور مکی جب میقات سے احرام باندھ کر مکہ پہونچ جاتا ہے تو لازمی طور پر اس کی طرف سے المام صحیح کا ثبوت ہو جاتا ہے اور حج اور عمرہ کے درمیان الما م صحیح مفسد تمتع ہے، اس لئے مکی اگر تمتع کر بھی لیتا ہے تو اس کا تمتع صحیح نہ ہوگا اور اس پر ایک دم جبر بھی لازم ہو جائے گا جس کا گوشت کھانا اس کے لئے جائز نہیں ہے، اور دم جبر اس لئے لازم ہے کہ اس نے امر ممنوع کا ارتکاب کر لیا ہے۔

اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

لو اعتمر هذا المکی فی أشهر الحج و حج من عامه لا یکون متمتعا لأنه ملمٌ بأهله بین النسکین حلالا إن لم یسق الهدی و کذا إن ساق الهدی لا یکون متمتعا بخلاف الآفاقی... و مقتضی هذه أن تمتع المکی باطل لوجود الإلمام الصحیح بین إحرامیه سواء ساق الهدی أو لا (شامی ۵۶۸/۳، هدایہ ۱۵/۲)۔

اگر اس مکی نے اشہر حج میں عمرہ کر لیا ہے اور اسی سال حج بھی کر لیا ہے تو وہ متمتع نہ ہوگا اس لئے کہ اس نے حج و عمرہ دونوں نسک کے درمیان وطن پہونچ کر حلال ہو کر اپنے اہل سے ملاقات کر لیا ہے اگر ہدی ساتھ میں نہ لایا ہو،

اور ایسا ہی اگر ہدی ساتھ میں لاتا تب بھی متمتع نہ ہوتا بخلاف آفاقی کے، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مکی کا تمتع باطل ہے دو احراموں کے درمیان المام صحیح پائے جانے کی وجہ سے، سوق ہدی کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

اس کو صاحب تاتارخانیہ ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

ومن كان داخل المواقيت فهو بمنزلة المكي و انما لهم أن يؤدوا العمرة أو الحج فإن قرنوا أو تمتعوا فقد أساؤا ويجب عليهم الدم لإساءتهم ولا يباح لهم الأكل من ذلك الدم (تاتارخانیہ ۲/۵۲۸)۔

اور جو میقاتوں کے اندر رہتا ہے وہ مکی کے حکم میں ہے اور یقیناً اس کو صرف عمرہ یا صرف حج کرنے کی اجازت ہے، لہٰذا جب قران یا تمتع کریں گے تو گنہگار ہوں گے اور اس گناہ کی وجہ سے ان پر دم لازم ہوگا، اور ان کے لئے اس دم کے گوشت میں سے کھانا جائز نہیں ہے۔

(ب) مکی کا میقات سے باہر جاکر واپسی میں حج قران کرنا:

اگر مکی اشہر حج آنے سے کافی پہلے میقات سے باہر ضرورت کے لئے چلا جائے اور اشہر حج آنے کے بعد واپسی میں میقات سے حج قران کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہو جائے اور آفاقی کی طرح احرام کی پابندی کرکے حج قران ادا کرتا ہے تو اس کا حج قران بلا کراہت صحیح ہو جائے گا، اس لئے کہ اشہر حج سے قبل میقات سے باہر جانے کی وجہ سے وہ مکی آفاقی کی طرح ہو گیا ہے، اور اگر اشہر حج میں میقات سے باہر جاکر واپسی میں میقات سے حج قران کا احرام باندھ لیتا ہے تو ایسی صورت میں اس کا حج قران جائز نہ ہوگا، اور دونوں صورتوں میں اس پر ایک دم واجب ہو جائے گا اور یہ دم جبر ہوگا اس کا گوشت کھانا اس کے لئے جائز نہ ہوگا، حضرات فقہاء نے اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

والمكي ومن في حكمه يفرد فقط ولو قرن أو تمتع جاز و أساء وعليه دم جبر (درمختار ۳/۵۶۷) وتحته في الشامية فإذا خرج إلى الكوفة وقرن صح بلا كراهة لأن عمرته وحجته ميقاتيان فصار بمنزلة الآفاقي قال المحبوبي هذا إذا خرج إلى الكوفة قبل أشهر الحج وأما إذا خرج بعدها فقد منع من القران فلا يتغير بخروجه من الميقات وقول المحبوبي هو الصحيح (شامی ۳/۵۶۷، غنایہ ۳/۱۵)۔

مکی اور جو شخص مکی کے حکم میں ہے اس کے لئے صرف حج افراد جائز ہے، اگر حج قران یا حج تمتع کرلے تو جائز ہوگا لیکن گنہگار ہوگا اور ایک دم کفارہ بھی لازم ہوگا۔ اس کے تحت شامی لکھتے ہیں کہ اگر وہ کوفہ جاکر واپسی میں حج قران کرلیتا ہے تو بلا کراہت صحیح ہو جائے گا، اس لئے کہ اس کا عمرہ اور حج دونوں میقاتی ہو گئے اور وہ آفاقی کے حکم میں ہو گیا ہے۔ محبوبی نے کہا کہ یہ حکم اس وقت ہے جب وہ اشہر حج سے قبل آفاق میں گیا ہو، اور اگر اشہر حج میں گیا ہے تو قران جائز نہ ہوگا، لہٰذا اس کا اشہر حج میں آفاق میں جانے کی وجہ سے مکی ہونے کا حکم ختم نہ ہوگا، اور محبوبی کا قول صحیح اور مفتیٰ بہ ہے۔

(ج) کمی نے اشہرِ حج میں میقات سے باہر جا کر واپسی میں حج کا احرام باندھ لیا:

کمی اشہرِ حج میں میقات سے باہر جا کر واپسی میں حج کا احرام باندھ کر آئے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ کمی نے مکہ سے باہر جاتے وقت واپسی میں حج کا احرام میقات یا حل میں باندھ کر آنے کا ارادہ کر رکھا ہے تو ایسی صورت میں اس پر کفارہ میں ایک دم دینا لازم ہو جائے گا، اس لئے کہ اس کے حج کا میقات حدودِ حرم ہے واس نے گویا اپنے میقات سے بلا احرام تجاوز کر لیا ہے جو موجب دم ہے۔

۲۔ کمی نے مکہ سے نکلتے وقت یہ ارادہ نہیں کیا کہ حدودِ حرم سے باہر حل یا آفاق میں جا کر حج کا احرام باندھنا ہے بلکہ اپنی مخصوص ضرورت کے لئے نکلا ہے اور چونکہ حج کا موسم ہے تو واپسی میں حل یا میقات سے بجائے عمرہ کے حج کا ارادہ کر لیا تو ایسی صورت میں اس کا حج اسی احرام کے ساتھ بلا کراہت جائز ہو جائے گا اور کوئی دم بھی لازم نہ ہوگا۔

اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

ولو خرج المكي من الحرم فأحرم بحجة يلزم دم لأن وقته في الحج الحرم على ما بينا الخ (تبیین الحقائق ۲/۳۰۷) وفي الهداية وإذا خرج المكي من الحرم يريد الحج و وقف بعرفة فعليه شاة لأن وقته الحرم وقد تجاوزه بغير إحرام و تحته في البناية قوله يريد الحج لأنه لو خرج من الحرم لأجل حاجة ثم أحرم بحج لشيء عليه عاد أو لم يعد لأنه لما خرج إلى ذلك الموضع لحاجة صار من أهله (بنایہ شرح ہدایہ ۱/۱۵۸۷)۔

اور اگر کمی حدودِ حرم سے باہر نکلا پھر حج کا احرام باندھ لیا تو اس پر ایک دم لازم ہو جائے گا اس لئے کہ اس کے حج کا میقات حدودِ حرم ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جب کمی نے حرم سے حج کے ارادے سے نکل کر عرفہ میں وقوف کر لیا تو اس پر ایک دم ہے، اس لئے کہ اس کا میقات حدودِ حرم ہے اور اس نے بلا احرام اپنے میقات سے تجاوز کر لیا ہے۔ اور اس کے تحت بنایہ میں ہے کہ وہ حج کا ارادہ رکھتا ہو اس لئے کہ اگر حدودِ حرم سے کسی ضرورت کی وجہ سے نکلا ہے پھر حج کا احرام باندھ لیا ہے تو اس پر کوئی جرمانہ لازم نہیں ہے لوٹ کر آتا ہو یا نہ آتا ہو اس لئے کہ جب وہ اس مقام میں کسی حاجت کے لئے نکلا تو وہ اس مقام والوں میں سے ہو گیا ہے۔

بے موقع احرام سے کمی پر تعددِ دم:

کمی کے لئے قران یا تمتع کرنا جائز نہیں، اور حج کا احرام حدودِ حرم سے باہر جا کر باندھنا اور عمرہ کا احرام حدودِ حرم میں باندھنا جائز نہیں، لہٰذا اگر کمی حج قران یا تمتع کرتا ہے اور حج کا احرام حل میں جا کر اور عمرہ کا احرام حدودِ حرم میں باندھتا ہے تو ایسی صورت میں اس پر تین دم واجب ہو جائیں گے: (۱) قران یا تمتع کی وجہ سے (۲) حج کا احرام حل میں جا کر باندھنے کی وجہ سے (۳) عمرہ کا احرام حدودِ حرم میں جا کر باندھنے کی وجہ سے، یہ کل تین دم واجب ہو جائیں گے ان میں سے ایک کا بھی گوشت کھانا اس کے لئے جائز نہ ہوگا۔

اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

ولو قرن المکی او تمتع فاحرم للحج من الحل وللعمرة من الحرم فعلیه ثلاثة دماء دمان لترک الوقتین و دم للقران او للتمتع وهو دم جبر(غنیۃ الناسک ۳۰)

اور اگر مکی نے قران یا تمتع کرلیا ہے اور حج کا احرام حل میں جا کر اور عمرہ کا احرام حدود حرم میں باندھا ہے تو اس پر تین دم لازم ہو جائیں گے، دو دم بے موقع احرام باندھنے کی وجہ سے اور ایک دم قران یا تمتع کی وجہ سے، اور یہ دم دم جبر ہے اس لئے اس میں سے کھانا اس کے لئے جائز نہ ہوگا۔

۴۔ مکی کا میقات سے باہر جا کر واپسی میں احرام:

جب اہل مکہ میں سے کوئی میقات سے باہر جائے گا تو پھر واپسی میں اگر حج یا عمرہ کا ارادہ کرتا ہے تو سب کے نزدیک میقات سے احرام باندھ کر داخل ہونا واجب ہے اگر بلا احرام داخل ہوگا تو جرمانہ میں ایک دم واجب ہوگا۔

اور اگر حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا ہے تو حضرت امام شافعیؒ، امام حسن بصریؒ، ابن شہاب زہریؒ، داؤد بن علیؒ، ابن وہبؒ اور ظاہریہ کے نزدیک احرام لازم نہیں ہے، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ کے نزدیک احرام باندھ کر داخل ہونا واجب ہے، بلا احرام داخل ہوگا تو ایک دم لازم ہو جائے گا۔

المکی إذا خرج منها وجاوز المیقات لا یحل له العود بلا إحرام لکن إحرامه من المیقات (شامی ۴۷۸/۲)۔

کسی نے مکہ سے نکل کر میقات سے باہر تجاوز کرلیا ہے تو اس کے لئے واپسی میں بلا احرام لوٹنا جائز نہیں ہے مگر اس کا احرام میقات سے ہوگا۔

عند الشافعی إنما یلزمه الإحرام إذا أراد دخول مکة للحج او للعمرة أما إذا کان لأمر آخر فلا یلزمه (تاتارخانیہ ۴۷۵/۲، بدائع ۱۶۴/۲)

اور امام شافعیؒ کے نزدیک احرام اس وقت لازم ہوتا ہے کہ جب حج یا عمرہ کا ارادہ کرتا ہو لہذا جب اس کے علاوہ کسی اور کام کے لئے ہو تو احرام لازم نہیں ہے۔

دم ساقط ہونے کی شکل:

اگر آفاقی بلا احرام میقات سے تجاوز کر کے حدود حرم اور مکۃ المکرمہ میں داخل ہو گیا ہے یا جو مکی میقات سے باہر جانے کے بعد بلا احرام میقات سے گذر کر مکۃ المکرمہ میں داخل ہو گیا ہو تو اس کے اوپر جرمانہ کا دم واجب ہو چکا ہے، اب اگر وہ دوبارہ کسی بھی میقات میں جا کر حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر آئے گا تو واجب شدہ دم اس کے اوپر سے ساقط ہو جائے گا اور بلا احرام میقات سے گذرنے کا جو گناہ ہوا تھا وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح گذرے ہوئے میقات کے محاذات یا اس سے دور جا کر بھی احرام باندھنا جائز ہے (غنیۃ الناسک ۳۰)۔

لو أحرم بعد ما جاوز المیقات قبل أن یعمل شیئا من أفعال الحج ثم عاد إلی المیقات

ولبیّٰ سقط عنه الدم (بدائع ۲/۱۶۵) من جاوز وقته غیر محرم ثم أتی وقتا آخر وأحرم منه أجزاه ولو کان أحرم من وقته کان أحب إلی (فتح القدیر ۲/۳۳۶)۔

اگر میقات سے بلا احرام گذر جانے کے بعد حج یا عمرہ کے کسی رکن کے ادا کرنے سے قبل حل یا حرم میں احرام باندھ لیا ہے پھر واپس میقات میں آ کر احرام کا تلبیہ پڑھ لیا ہے تو لازم شدہ دم اس سے ساقط ہو جائے گا۔ جو اپنے میقات سے بلا احرام تجاوز کر جائے پھر کسی دوسری میقات میں آ کر احرام باندھ لے تو جائز ہو جائے گا مگر اپنے میقات پر جا کر باندھنا زیادہ بہتر ہے۔

(س) وهل لسقوط الإثم والدم سبيل؟ (ج) إذا جاوز الميقات من غير إحرام يلزمه العود إلى ميقاته الذي جاوزه أو إلى أي ميقات أقرب أو أبعد.. والأفضل أن يعود إلى الميقات الذي جاوزه فإذا عاد إلى الميقات وأحرم عليه بالحج أو العمرة سقط عنه الإثم والدم (التسهيل الضروري ۱/۱۸۳، غنیۃ الناسک ۳۰)۔

اور کیا گناہ اور دم کے ساقط ہونے کے لئے کوئی سبیل ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ جب بلا احرام میقات سے تجاوز کرے گا تو اس میقات پر لوٹ آئے جس سے گذرا تھا یا کسی بھی میقات پر جو قریب ہو یا بعید پہونچ جائے، اور افضل و بہتر یہی ہے کہ اسی میقات پر پہونچ جائے جہاں سے گذر کر آیا تھا، تو جب میقات پر جا کر حج یا عمرہ کا احرام باندھے گا تو واجب شدہ دم اور گناہ دونوں اس کے اوپر سے ساقط ہو جائیں گے۔

أي من جاوز آخر المواقيت بغير إحرام ثم عاد إليه وهو محرم ولبّیٰ فيه فقد سقط عنه الدم الذي لزمه بالمجاوزة بغير إحرام لأنه قد تدارك ما فاته (البحر الرائق ۳/۴۸)۔

جو شخص آخری میقات سے بلا احرام گذر جاتا ہے، پھر احرام باندھ کر اس میقات پر لوٹ کر آتا ہے اور میقات میں احرام کی حالت میں تلبیہ پڑھ لیتا ہے تو اس سے وہ دم ساقط ہو جاتا ہے جو بلا احرام تجاوز کی وجہ سے واجب ہو چکا تھا اس لئے کہ اس نے اپنے فوت شدہ امر کو پا لیا ہے۔

۵۔ متمتع کا حج سے پہلے بار بار عمرہ کرنا:

جو شخص حج تمتع کرتا ہے اس کا حج سے پہلے اشہر حج یعنی شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے عشرۂ اول میں بار بار عمرہ کرنا کیسا ہے؟ تو راجح اور صحیح قول کے مطابق حج سے قبل مذکورہ ایام میں بار بار عمرہ کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں (مستفاد از بحر الرائق ۳/۳۷۴، غنیۃ الناسک ۱۱۵، معلم الحجاج ص ۲۲۱)۔

اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

ويعتمر قبل الحج ماشاء وما في اللباب لا يعتمر قبل الحج فغير صحيح (غنیہ ۱۱۵)۔

اور حاجی کے لئے جائز ہے کہ حج سے قبل جتنے چاہے عمرہ کرے، اور لباب میں جو حج سے قبل ممانعت لکھی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

اور جن علماء نے یہ کہا ہے کہ تمتع ارکان عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد جب دوسرا عمرہ کرے گا تو تمتع باطل ہو جائے گا، ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے بلکہ جب دوسرا عمرہ کرے گا تو اس کے ذریعہ تمتع ہو جائے گا اور جب تیسرا عمرہ کرے گا تو اس کے ذریعہ علی ہذا القیاس جتنے عمرے کرے گا ان میں آخر والے کے ذریعے سے تمتع صحیح ہو جائے گا (فتاوی محمودیہ ۱۳/۱۸۳)۔

۶۔ رمی جمرات میں نیابت:

صحیح تندرست مرد یا عورت کی طرف سے رمی جمرات میں محض بھیڑ کی وجہ سے نیابت جائز نہیں ہے، ہاں البتہ عورتیں دن میں بھیڑ ہونے کی وجہ سے رات میں رمی کر سکتی ہیں اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے مگر نیابت جائز نہیں ہے، لیکن ایسے مریض اور کمزور اور بوڑھے اور اپاہج وغیرہ جو از خود جمرات تک پہنچ کر رمی کرنے پر قدرت نہیں رکھتے ہیں چاہے مرد ہو یا عورت ان کی طرف سے رمی جمرات میں نیابت جائز ہے اور رمی کرنے والا نائب جب ان کی طرف سے رمی کریں گے تو بوقت رمی انہیں کی طرف سے نیت بھی کر لیا کریں، البتہ بہتر یہی ہے کہ نائب پہلے اپنی رمی کرے اس کے بعد دوسرے کی طرف سے رمی کرے نیز نیابت کے ذریعے سے رمی ہو جانے کے بعد اگر معذور کا عذر زائل ہو جائے تو دوبارہ وقت کے اندر اندر از خود رمی کرنا لازم نہیں اور نہ ہی ان کے اوپر کوئی فدیہ ہے، مگر صحیح تندرست کی طرف سے رمی جمرات میں نیابت کے ذریعے سے کر لیا تو دوبارہ کرنا لازم ہوگا اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

السادس أن یرمی بنفسه فلا تجوز فیه النیابة عند القدرة و تجوز عند العذر فلو رمی عن مریض بأمره أو مغمی علیه ولو بغیر أمره أو صبی أو معتوه أو مجنون جاز (غنیۃ الناسک ۱۰۰)۔

چھٹا یہ کہ از خود رمی کرے، چونکہ رمی پر قادر ہوتے ہوئے اس میں نیابت جائز نہیں، اور عذر کے وقت نیابت جائز ہے، لہذا اگر مریض کی طرف سے اس کے حکم سے یا بے ہوش آدمی کی طرف سے گرچہ اس کے حکم کے بغیر ہو یا بچہ یا نیم پاگل یا مجنون کی طرف سے بغیر اجازت رمی کر لی جائے تو جائز ہے۔

وفی البدائع سواء رمی بنفسه أو بغیره عند عجزه عن الرمی بنفسه كالمریض (بدائع الصنائع ۲/۱۳۷) ولو رمی عنهم بحز یهم ذلك ولا یعاد إن زال العذر ولا فدیة علیهم... الرجل والمرأة فی الرمی سواء إلا أن رمیها فی اللیل أفضل فلا تجوز النیابة عن المرأة بغیر عذر (غنیۃ الناسک، ص ۱۰۰)۔

اور بدائع میں ہے کہ چاہے از خود رمی کرے یا بوقت عجز اس کی طرف سے دوسرا کر دے یکساں حکم ہے اور اگر ان کی طرف سے رمی کر دی تو یہ جائز ہے، اور عذر زائل ہونے کے بعد اعادہ یا فدیہ لازم نہیں ہے...... مرد و عورت رمی میں برابر ہیں مگر عورت کا رات میں کرنا افضل ہے لہذا بغیر عذر کے عورت کی طرف سے نیابت جائز نہیں ہے۔

۷۔ سعودیہ میں مقیم شخص کی حالت احرام میں گرفتاری:

اگر سعودیہ میں مقیم شخص چاہے وہ اقامت پر رہتا ہو یا یوں ہی حکومت کا قانون ہے کہ ہر شخص قانون کے اندر رہ کر حج یا عمرہ کرے گا لہذا خلاف قانون کسی کے لئے بھی اجازت نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی اقامہ والا کفیل کے ورقہ کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتا ہے یا غیر قانونی طور پر وہاں مقیم ہے وہ حالت احرام میں پکڑا جائے تو حکومت اس کو اسی حالت میں اس کے ملک روانہ کر دیتی ہے، تو ایسا شخص شرعاً محصر کے حکم میں ہوتا ہے، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

من أحصر بمكة وهو ممنوع عن الطواف والوقوف فهو محصر لأنه تعذر عليه الإتمام وصار كما إذا أحصر في الحل(ہدایہ/۲۹۵، فتح القدیر ۳/۱۲۵، ہندیہ ۱/۲۵۶)۔

جس شخص کو مکۃ المکرمہ میں حج یا عمرہ سے روک دیا جائے اور طواف اور وقوف عرفہ سے اس کو روک دیا جائے تو وہ شخص محصر ہے اس لئے کہ ارکان کی تکمیل اس پر دشوار ہے اور وہ شخص اس کے حکم میں ہوگا جس کو حل میں روک دیا گیا ہو۔

اگر وہ شخص حج کا احرام باندھ رکھا تھا اور اس نے ہدی بھیجنے سے قبل احرام کھول دیا ہے تو اس پر آئندہ ایک حج، ایک عمرہ اور ایک قربانی واجب ہو جائے گی اور اگر ہدی بھیجنے کے بعد احرام کھولا ہے تو دم واجب نہ ہوگا بلکہ ایک حج اور ایک عمرہ واجب ہوں گے، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

فمن أهل بحج فأحصر فبعث بالهدى وحل كانت عليه حجة وعمرة (غنیۃ الناسک /ص ۱۶۸)۔

لہذا جس نے حج کا احرام باندھ رکھا تھا پھر رکاوٹ پیش آ جائے تو وہ ہدی بھیج کر احرام کھول دیتا ہے تو اس پر ایک حج اور ایک عمرہ لازم ہو جائیں گے۔

اور اگر اس نے عمرہ کا احرام باندھ رکھا تھا اور اسی حالت میں پکڑا گیا ہے تو اگر اس نے ہدی بھیج کر احرام کھول دیا ہے تو ایک عمرہ قضا کرنا کافی ہوگا، اور اگر ہدی بھیجے بغیر احرام کھولا ہے تو ایک عمرہ اور دم لازم ہو جائیں گے، عمرہ قضاء کے طور پر اور دم بے وقت احرام کھولنے کی وجہ سے، اس کو حضرات فقہاء کرام نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وعلى المحصر بالعمرة قضاء لا غير (غنیۃ الناسک/۱۶۸)۔

محصر بالعمرہ پر صرف ایک عمرہ کی قضاء لازم ہے۔

۸۔ افعال حج میں ترتیب:

افعال حج میں سے یوم النحر میں (۱) جمرۂ عقبی کی رمی (۲) قارن یا متمتع کی قربانی (۳) حلق (۴) طواف زیارت، حضور اکرم ﷺ سے ان افعال کو علی الترتیب ادا کرنا صحیح روایات سے ثابت ہے، لہذا ائمہ امت کے نزدیک

ان افعال کو اسی ترتیب سے ادا کرنا وجہ سنت سے بچے نہیں ہے، نیز اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ طواف زیارت کو ترتیب میں باقی رکھنا مسنون ہے کسی کے نزدیک واجب نہیں ہے، مگر سوال یہ ہے کہ طواف زیارت کے علاوہ باقی امور ثلاثہ میں ترتیب واجب ہے یا نہیں؟ اور ترتیب پلٹ جانے کی وجہ سے دم واجب ہوگا یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ترتیب پلٹنے کی دو صورتیں ہیں (۱) عمداً ترتیب بدل دی جائے (۲) جاہلاً یا نسیاناً بدل جائے، دونوں کی الگ الگ تفصیل یہ ہے:

عمداً ترتیب بدل دینا:

اگر بالقصد جان بوجھ کر امور ثلاثہ کی ترتیب بدل دی ہے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، نیز امام مالک، امام شافعی (نووی ۱/۴۲۱) اور امام احمد بن حنبل (البحر الرائق ۳/۲۴) کی ایک روایت کے مطابق اس پر ایک دم واجب ہو جائے گا، مگر حضرت امام شافعی اور امام احمد اور امام مالک کے مشہور قول کے مطابق، نیز حضرت امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی کے نزدیک اس پر دم واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ ترتیب ان سب کے نزدیک سنت ہے اور ترک سنت کی وجہ سے دم واجب نہیں ہوتا ہے، نیز حضرت ابن عباس کی جس روایت سے امام ابوحنیفہؒ نے استدلال فرمایا ہے وہ روایت ضعیف ہے، علامہ بدرالدین عینی طحاوی کی شرح نخب الافکار میں **ولا يصح ذلك عنه** ما کر ابن عباس کے اس اثر کو ضعیف قرار دیا ہے جس سے وجوب دم کا ثبوت ہوتا ہے (نخب الافکار ۵/۸۱)۔

ناواقفیت سے ترتیب بدل دینا:

اگر مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یا بھول اور نسیان کی وجہ سے ترتیب بدل دی ہے تب بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے قول مشہور کے مطابق دم واجب ہو جاتا ہے، جیسا کہ عام کتب فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول ملتا ہے، مگر امام محمد بن حسن الشیبانی نے کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول صراحت کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ اگر بھول اور نسیان یا ناواقفیت کی وجہ سے ترتیب بدل گئی ہے تو اس پر دم واجب نہیں ہوتا، نیز اس کے نیچے تعلیق میں حضرت العلامہ مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ نے یہ نقل فرمایا ہے کہ ان تمام احادیث شریفہ کا مدار جن سے وجوب دم کا ثبوت ہوتا ہے اس بات پر ہے کہ جان بوجھ کر کے ترتیب بدل دی گئی ہو، اور اگر ناواقفیت اور لاشعوری کی وجہ سے ترتیب بدل گئی ہے تو وجوب دم کی روایات کے دائرہ میں نہیں آتا، ملاحظہ ہو کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ کی عبارت:

أخبرنا محمد عن أبي حنيفة في الرجل يجهل وهو حاج فيحلق رأسه قبل أن يرمي الجمرة أنه لا شيء عليه (كتاب الحجة على أهل المدينة ۲/۳۷۱)۔

حضرت امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہ سے نقل فرمایا ہے کہ جو حاجی ناواقفیت کی بناء پر ترتیب بدل دے، مثلاً جمرہ عقبہ کی رمی سے قبل حلق کر لیتا ہے تو اس پر کوئی جرمانہ لازم نہیں ہے۔

اس کے نیچے مفتی سید مہدی حسن صاحب کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

فإن الأحاديث الواردة في الباب إنما تدل على من جهل عن شيء ولم يشعر به ثم فعل

خالفه فلا شيء عليه ولا دم ومن علم الترتيب بين الواجبات ثم خالفه عمداً وقدم الشيء أو أخره من موضعه فهو غير داخل في الأحاديث المذكورة (التعليق على كتاب الحج على المدينة ۲/۳۷۱)۔

اس باب میں وارد ہونے والی روایات سے اس شخص کا حکم ثابت ہو جاتا ہے کہ جس نے ناواقفیت سے ترتیب بدل دی یا بے خبری سے ترتیب بدل گئی ہو پھر اس نے خلاف ترتیب عمل کیا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ کوئی دم ہے، اور وہ شخص جو واجبات کے درمیان ترتیب کے مسائل جانتا ہے پھر جان بوجھ کر اس کے خلاف تقدیم وتاخیر کرتا ہے وہ شخص مذکورہ روایات میں داخل نہیں ہے (اس پر دم لازم ہوتا ہے)۔

نیز حضرات صاحبین، حضرت امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، حسن بصری، طاؤس بن کیسان، مجاہد بن جبر، سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، ابو ثور، داؤد بن علی، ابن جریر طبری، قتادہ بن دعامہ، عبدالملک بن ماجشون اور جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ بھول ونسیان اور جہالت سے ترتیب کے بدل جانے کی وجہ سے دم لازم نہیں ہوتا ہے، اس کو حضرات علماء امت نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

فإن أخل بترتيبها ناسياً أو جاهلا بالسنة فلا شيء عليه في قول كثير من أهل العلم منهم الحسن و طاؤس و مجاهد و سعيد بن جبير و عطاء وإليه ذهب الشافعي و أحمد و إسحاق وأبوثور و داؤد و محمد بن جرير الطبري وقال ابن عباس عليه دم وهو قول النخعي والحسن في رواية و قتادة و إليه ذهب أبو حنيفة والنخعي و ابن الماجشون (معارف السنن ۶/۲۱۰، اوجز المسالک ۳/۱۵۷، نخب الافکار ۵/۸۱، نووی ۱/۴۲۱)۔

لہٰذا اگر بھول کر یا سنت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ترتیب بدل دی ہے تو بہت سارے علماء کے نزدیک اس پر کوئی جرمانہ نہیں ہے، ان میں حسن بصری، طاؤس، مجاہد، سعید بن جبیر، عطاء ہیں، اور یہی حضرت امام شافعی، احمد، اسحاق، ابو ثور، داؤد، محمد بن جریر طبری کا قول ہے، اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اس پر دم لازم ہے، یہی ابراہیم نخعی، حسن بصری اور قتادہ کا ایک قول بھی ہے، یہی امام ابوحنیفہ، ابراہیم نخعی اور ابن ماجشون کا مسلک ہے۔

امام صاحب کے قول مشہور کی دلیل:

حضرت امام ابوحنیفہؒ ابن مسعودؓ اور ابن عباس کے اثر سے استدلال فرماتے ہیں۔

عن ابن مسعود قال من قدم نسكا على نسك فعليه دم قلت هكذا هو في غالب النسخ ويوجد في بعضها ابن عباس وهو أصح، وقال إبراهيم بن مهاجر ضعيف (نصب الرایہ ۳/۱۲۹)۔

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا جو شخص افعال حج میں سے کسی کو دوسرے پر مقدم و مؤخر کرتا ہے اس پر دم واجب ہے، ایسا ہی اکثر نسخوں میں ابن مسعود کا ذکر ہے اور بعض نسخوں میں ابن عباس کا ذکر ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے، اور فرمایا کہ اس کا راوی ابراہیم بن مہاجر ضعیف ہے۔

اس کو صاحب بحران الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

وهو الترتيب واجب عند ابي حنيفة ومالك واحمد لاثر ابن مسعود او ابن عباس من قدم نسكا على نسك لزمه دم (البحر الرائق ۲/۲۳، فيض الباري ۳/۱۱۹)۔

اور یہ ترتیب امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد کے نزدیک واجب ہے ابن مسعود یا ابن عباس کے اس اثر کی وجہ سے کہ جو شخص ایک عمل پر دوسرے عمل کو مقدم کرتا ہے اس پر دم لازم ہوگا۔

صاحب بحر نے جو حضرت امام مالک اور امام احمد کو امام ابو حنیفہ کے ساتھ شمار فرمایا ہے یہ اس صورت میں ہے جب یہاں مراد ترتیب بمعنیٰ سنت مراد ہو ورنہ ان کی طرف نسبت درست نہ ہوگی۔

جمہور کی دلیل:

حضرات صاحبین اور جمہور کے نزدیک کسی بھی صورت میں ترتیب بدل جانے کی وجہ سے دم لازم نہیں ہوتا ہے ان کی دلیل صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عبداللہ ابن عباس کی مرفوع روایت ہے حضرت عبد اللہ ابن عباس کی روایت میں بھول اور ناواقفیت کی قید بھی موجود ہے، دونوں روایتیں حسب ذیل ہیں

عن ابن عباس ؓ ان النبی ﷺ سئل في حجته فقال ذبحت قبل ان ارمي قال وارما بيده قال ولا حرج قال حلقت قبل ان اذبح فاوما بيده ولا حرج (بخاری شریف ۱/۱۸۸، ۲۳۲)۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے حجۃ الوداع کے موقع پر سوال کیا گیا کہ میں نے رمی سے قبل قربانی کرلی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کوئی حرج نہیں سائل نے کہا کہ ذبح سے قبل میں نے حلق کرلیا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص ؓ ان رسول الله ﷺ وقف في حجة الوداع بمنى للناس يسالونه فجاءه رجل فقال لم اشعر فحلقت قبل ان اذبح قال اذبح ولا حرج فجاء آخر فقال لم اشعر فنحرت قبل ان ارمي قال ارم ولا حرج فما سئل النبي ﷺ عن شيء قدم ولا اخر الا قال افعل ولا حرج (بخاری شریف باب ۱/۱۸، ۲۳۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ حجۃ الوداع میں منیٰ میں لوگوں کے لئے تشریف فرما ہوئے تا کہ لوگ سوال کریں ایک شخص نے کہا کہ میں نے ناواقفی میں ذبح سے پہلے حلق کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ذبح کرو کوئی حرج نہیں، دوسرے نے آکر کہا میں نے رمی سے قبل قربانی کرلی ہے حضور ﷺ نے فرمایا کرلو کوئی حرج نہیں، اس تقدیم و تاخیر سے متعلق جو بھی سوال کیا گیا تو فرمایا کرتے رہو کوئی حرج نہیں۔

اور حضرت امام محمدؒ نے موطا محمد میں بھی روایت کی بنا پر اس پر زور دیا ہے کہ تقدیم و تاخیر کی وجہ سے کوئی کفارہ لازم نہ ہونا چاہئے۔

واما نحن فلا نرى عليه شيئا (موطا محمد ص ۲۳۵)۔

بہر حال ہم اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں سمجھتے ہیں۔

اور صاحب بحر اس کو ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

وعندھما لا یلزمہ شیٔ بتقدیم نسک علی نسک للحدیث السابق (البحر الرائق ۳؍۴۲ کذا فی الزیلعی ۲؍۶۱)۔

اور صاحبین کے نزدیک افعال حج میں تقدیم و تاخیر کی وجہ سے کوئی کفارہ لازم نہیں ہے ماقبل کی حدیث کی وجہ سے۔

حاصل بحث:

اب پوری بحث پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ جمہور کے دلائل زیادہ مضبوط اور زیادہ صحیح ہیں، اور حضرت امام اعظمؒ کے قول مشہور کی دلیل میں صرف حضرت ابن عباسؓ کا اثر ہے اور وہ بھی متکلم فیہ ہے، اور قول غیر مشہور کی تائید میں کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ کی عبارت ہے، اور تطبیق کی بہترین شکل یہ ہو سکتی ہے کہ صحیحین کی مرفوع روایات میں کفارہ لازم نہ ہونے کی بات اس صورت میں ہے کہ جب لاعلمی یا بھول سے ترتیب بدل دی ہو اور حضرت ابن عباسؓ کے اثر میں کفارہ اس وقت لازم سمجھا جائے جبکہ جان بوجھ کر ترتیب بدل دی ہو لہٰذا ایسی صورت میں تمام روایات پر عمل کرنا سب کے نزدیک ممکن ہو سکتا ہے اس لئے اگر کوئی شخص لاعلمی یا بھول سے ترتیب بدل دے تو اس پر کوئی کفارہ لازم نہ ہونا چاہئے، اور جو شخص جان بوجھ کر ترتیب بدل دے گا اس پر کفارہ لازم ہو جائے گا ایسی صورت میں بہت سی دشواریاں ختم ہو سکتی ہیں، لہٰذا متمتع اور قارن اگر رمی، ذبح، اور حلق کے درمیان عمداً بلا عذر ترتیب بدل دے گا تو دم واجب ہوگا، اور اگر پریشان کن اعذار یا جہالت کی وجہ سے ترتیب قائم نہ رکھ سکے، تو صاحبین کے قول اور امام صاحب کے قول غیر مشہور پر عمل کی گنجائش ہوگی، اور ترتیب کے بدل جانے کی وجہ سے وجوب دم کا حکم نہ لگایا جائے۔

۹۔ حج بدل میں تمتع:

حج بدل میں مامور کو حج افراد ہی کرنا چاہئے تاکہ حج بدل حج آفاقی اور حج میقاتی ہو جائے، کیونکہ تمتع کرنے میں عمرہ تو عمرۂ آفاقی ہو جاتا ہے مگر حج، حج آفاقی نہیں ہوتا بلکہ حج مکی ہو جاتا ہے، لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ حج بدل میں مامور کلی طور پر آمر کی نیابت کرتا ہے اور آمر کو حج کی تینوں قسموں میں سے کسی بھی ایک کو اختیار کرنے کا حق حاصل تھا تو آمر جو فاعل مختار ہے وہ اگر اپنے مامور کو تینوں قسموں میں سے کسی ایک کا اختیار دے دے تو کیا اشکال ہے؟ اس لئے آمر کی اجازت سے حج بدل میں تمتع بھی بلا تردد جائز ہونا چاہئے البتہ دم تمتع آمر کے مال میں سے لازم نہ ہوگا بلکہ مامور پر لازم ہوگا لیکن اگر آمر بخوشی ادا کرتا ہے تو یہ بھی جائز ہے، ہاں البتہ حج بدل میں حج افراد کرنا زیادہ افضل ہوگا (مستفاد جواہر الفقہ ۱؍۵۱۳، ۵۱۳، ایضاح المناسک ۲۷۱، احسن الفتاویٰ ۴؍۵۲۳) اور اس زمانہ میں آفاقی کا حج تمتع ہی کرنا زیادہ معروف ہے اس لئے عرفاً آمر کی طرف سے حج تمتع کی اجازت ثابت ہوتی ہے لہٰذا صراحت کے ساتھ اجازت کی ضرورت بھی نہیں (مستفاد احسن الفتاویٰ ۴؍۵۲۳) نیز میت کی طرف سے حج بدل ہو تب بھی یہی حکم ہے جبکہ ورثاء سب مل کر بخوشی اس کی اجازت دیتے ہوں۔

امام فخر الدین قاضی خاں نے امام ابو بکر محمد بن فضل کا قول ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

قال الشیخ ابو بکر محمد بن الفضل "إذا أمر غیره بأن یحج عنه ینبغی أن یفوض الأمر إلی المأمور فیقول حج عنی بهذا المال کیف شئت إن شئت حجة وإن شئت حجة و عمرة وإن شئت قرانا والباقی من المال منی لک وصیة کیلا یضیق الأمر علی الحاج ولا یجب علیه رد ما فضل إلی الورثة (قاضی خاں ار ۳۰۷)۔

شیخ ابو بکر محمد بن فضلؒ نے فرمایا کہ جب آمر اپنے غیر کو اس کی طرف سے حج کا حکم کرے تو مناسب یہی ہے کہ آمر مامور کو پوری طرح اختیار دے کر یہ کہے کہ میرے طرف سے اس مال سے جس طرح چاہے جونسا حج چاہے کرے، اگر چاہے صرف حج کرے اور اگر چاہے تو حج و عمرہ دونوں کرے اور چاہے تو قران کرے، جو کچھ بھی بچ جائے گا وہ میری طرف سے تم کو ہدیہ ہے تا کہ آمر کی طرف سے مامور پر کوئی تنگی نہ ہو اور مامور کے اوپر بچا ہوا مال واپس کرنا لازم بھی نہ ہوگا۔

امام علاء الدین حصکفیؒ نے آمر پر دم شکر لازم نہ ہونے کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

و دم القران والتمتع والجنایة علی الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع الخ (درمختار کراچی ۲ ر ۶۱۱)۔

دم قران اور دم تمتع اور دم جنایت مامور پر لازم ہوتا ہے جب اس کو قران یا تمتع کرنے کی اجازت دی گئی ہو۔

ملا علی قاری ارشاد الساری میں آمر کی اجازت سے حج بدل میں تمتع کے بالاتفاق جائز ہونے کو ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

لأن المیت لو أمره بالتمتع فتمتع المأمور صح ولا یکون مخالفا بلا خلاف بین الأئمة الأسلاف (ارشاد الساری ملا علی قاری ۳۹۴، بحوالہ جواہر الفقہ ار ۵۱۲)۔

اس لئے کہ اگر میت حج تمتع کا حکم کرے تو مامور کا حج تمتع کرنا صحیح ہوتا ہے، اور علماء اسلاف کے درمیان ایسی صورت میں کوئی اختلاف نہ ہوگا۔

۱۰۔ رفقاء اور جہاز کی روانگی کی وجہ سے حالت حیض میں طواف زیارت:

وقوف عرفہ اور طواف زیارت یہ دونوں ایسے ارکان ہیں کہ ان کے بغیر حج صحیح نہیں ہوتا، اس لئے شدید ترین اعذار کی وجہ سے بھی یہ دونوں رکن ساقط نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کی طرف سے ایسی نیابت جائز ہے کہ جس میں حاجی کو عرفات یا مطاف میں جانے کی ضرورت نہ ہو، ان دونوں رکنوں کے علاوہ دیگر مناسک حج چاہے از قبیل واجبات ہوں یا سنن، شدید اعذار کی وجہ سے ذمہ سے ساقط ہو جاتے ہیں اور ان میں سے بعض میں نیابت بھی جائز ہے، مثلاً وقوف مزدلفہ شدید ازدحام کی وجہ سے کمزوروں سے ساقط ہو جاتا ہے اور دم بھی لازم نہیں ہوتا (شامی کراچی ۲ ر ۶۱۱)۔

اور حیض و نفاس کے عذر کی وجہ سے عورت سے طواف وداع ساقط ہو جاتا ہے اور دم بھی لازم نہیں ہوتا نیز ازدحام کی وجہ سے کمزوروں کی طرف سے رمی جمرات میں نیابت جائز ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حنفیہ کے

نزدیک طواف میں طہارت از قبیل واجب ہے از قبیل فرض یا رکن نہیں ہے، تو جس طرح اعذار کی وجہ سے وقوف مزدلفہ طواف وداع وغیرہ کا وجوب معاف ہو جاتا ہے اسی طرح طواف میں طہارت کا وجوب بھی حیض یا نفاس کے عذر کی وجہ سے ساقط ہو جانا چاہئے۔ خاص طور پر جب قافلہ اور رفقاء سفر یا مقررہ جہاز اس کے پاک ہو جانے تک انتظار نہ کرے تو ایسے اعذار میں طہارت کا وجوب ساقط کیوں نہیں ہوتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ واجبات دو قسموں پر ہیں:

(۱) وہ واجب جو عمل مستقل ہو کسی دوسرے عمل کا جز نہ ہو۔

(۲) وہ واجب جو عمل مستقل نہ ہو بلکہ کسی دوسرے عمل کا جز ہو۔

تو جو واجب کسی دوسرے عمل کا جز نہیں ہوتا بلکہ عمل مستقل ہوتا ہے وہ اعذار کی وجہ سے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ وقوف مزدلفہ کمزوروں سے ازدحام کے عذر کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے (شامی کراچی ۲/۵۱۱) اور طواف وداع حیض ونفاس کے اعذار کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے (تاتارخانیہ ۲/۵۲۲) اور کبھی اعذار کی وجہ سے نیابت بھی جائز ہو جاتی ہے جیسا کہ رمی جمرات میں نیابت (بدائع الصنائع ۲/۱۳۷، فتح القدیر ۲/۳۹۸، غنیۃ الناسک ۱۰۰)۔

مگر جو واجب عمل مستقل نہیں ہے، اس کی طرف سے اعذار کی وجہ سے نیابت جائز نہیں ہے بلکہ خود اس کی ادائیگی لازم ہے اور طواف میں طہارت بھی اسی قسم کے واجبات میں سے ہے، اس لئے نہ اس میں اعذار کی وجہ سے نیابت جائز ہے اور نہ ہی ذمہ سے بھی ساقط ہوتی ہے، لہذا عورت اگر روانگی کے اعذار کی وجہ سے حیض یا نفاس کی حالت میں طواف زیارت کرے گی تو طواف کا فریضہ تو اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا مگر ساتھ ساتھ جرمانہ میں ایک اونٹ یا گائے یا بھینس کی قربانی بھی واجب ہو جائے گی اور قربانی کا حدود حرم میں کرنا لازم ہوگا، البتہ موسم حج میں کرنا لازم نہ ہوگا بلکہ کسی بھی زمانہ میں کی جا سکتی ہے۔ (مستفاد فتاوی محمودیہ ۱۳/۱۷۷)۔

لو هم الركب على القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف أم لا قالوا يقال لها لا يحل لك دخول المسجد وإن دخلت وطفت أثمت وصح طوافك وعليك ذبح بدنة وهذه مسئلة كثيرة الوقوع يتحير فيها النساء (شامي كراچي ۲/۵۱۹)۔

اگر قافلہ نے واپسی کا ارادہ کر لیا ہے اور عورت پاک نہیں ہوتی تو اس نے یہ مسئلہ معلوم کیا کہ اس حالت میں طواف کر سکتی ہے یا نہیں؟ تو فقہاء نے کہا کہ اس کو یہ مسئلہ بتلا دیا جائے کہ اس حالت میں مسجد میں داخل ہونا تمہارے لئے جائز نہیں اور اگر داخل ہو کر طواف کر لیا تو طواف تو صحیح ہو جائے گا مگر گنہگار بھی ہو جائے گی اور ایک بدنہ بھی کفارہ میں لازم ہو جائے گا، اور یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے جس میں عورتیں متحیر اور پریشان ہو جایا کرتی ہیں۔

لیکن اگر پاک ہونے کے بعد طواف کا اعادہ کر لیتی ہے تو جرمانہ بالکل ساقط ہو جائے گا۔ (مستفاد شامی کراچی ۲/۵۱۹، معارف السنن ۶/۳۵۸، البحر الرائق ۳/۳۷)۔

مرد کے لئے اعذار کی وجہ سے طواف زیارت میں تاخیر:

اگر کسی عذر کی وجہ سے کوئی واجب ترک ہو جائے تو دم واجب ہوگا یا نہیں؟ تو اس کی تفصیل یوں ہے کہ

اعذار دو قسم پر ہیں؟

(۱) وہ اعذار جو انسان کی طرف سے پیش آتے ہیں، تو اگر انسان کی طرف سے پیش آنے والے عذر کی وجہ سے واجب ترک ہو جائے تو ترک واجب کا کفارہ معاف نہ ہوگا بلکہ لازم ہوگا، جیسا کہ کسی نے زبردستی خوشبو لگا دی، یا وقوف مزدلفہ سے روک لیا اور وقت گذر گیا، تو ایسی صورت میں ترک واجب کا دم لازم ہو جائے گا۔

(۲) وہ اعذار جو انسان کی طرف سے پیش نہیں آتے بلکہ اللہ کی طرف سے پیش آتے ہیں، تو ایسے اعذار کی وجہ سے واجب ترک ہو جائے تو دم لازم نہ ہوگا اور نہ ہی اس پر کوئی گناہ ہوگا، مثلاً ازدحام اور بھیڑ کی وجہ سے وقوف مزدلفہ ترک ہو جائے، یا حیض ونفاس یا مرض کی وجہ سے، یا گرفتاری کی وجہ سے یا اچانک حادثہ کی وجہ سے طواف زیارت میں تاخیر ہو جائے، یہاں تک کہ ایام نحر گذر جائیں اور طواف نہ کر سکے تو ایسی صورت میں ایام نحر کے اندر اندر طواف کرنے کا جو وجوب ہے اس کے ترک ہو جانے کی وجہ سے دم واجب نہ ہوگا اور نہ ہی گناہ ہوگا، اس لئے کہ ان اعذار میں انسان کا کوئی اختیار نہیں، لہذا ۱۴۱۷ھ میں منیٰ میں آگ لگنے کی وجہ سے جو لوگ زد میں آ چکے ہیں اور ایام نحر گذرنے تک ہسپتالوں میں پڑے رہے ہیں یا ان کو طواف کرانے والا میسر نہ ہوا ہو تو ان لوگوں پر طواف زیارت میں تاخیر کی وجہ سے دم واجب نہیں ہوگا، اور نہ ہی ان پر کوئی گناہ ہوگا، حضرات فقہاء نے اس حکم کو اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

اما ترک الواجبات بعذر فلا شئ علیه، ثم مرادهم بالعذر ما یکون من الله تعالی، فلو کان من العباد فلیس بعذر وقوله لو منعه الوقوف بمزدلفة مثلا فعلیه دم بخلاف ما إذا منعه خوف الزحام فانه من الله تعالی فلا شئ علیه وقوله فیما ورد النص به وهو ترک الوقوف بمزدلفة بخوف الزحام أو الضعف، وتاخیر طواف الزیارة من أیامه من حیض أو نفاس أو حبس أو مرض ولم یوجد له حامل أو لم یتحمل الحمل (غنیة الناسک ۲۴۸)۔

عذر کی بنا پر واجبات کے ترک ہونے سے کوئی چیز لازم نہیں ہوتی، پھر عذر سے ایسا عذر مراد ہے جو من جانب اللہ پیش آتا ہے، لہذا جو من جانب الناس پیش آتا ہے وہ کفارہ کو ساقط کرنے والا عذر نہ ہوگا، اگر وقوف مزدلفہ سے مثلاً دشمنوں نے روک لیا ہے تو اس پر دم لازم ہوگا، اس کے برخلاف اگر خوف ازدحام کی وجہ سے وقوف مزدلفہ ترک ہو جائے تو یہ عذر من جانب اللہ ہے اس لئے اس پر کوئی کفارہ لازم نہ ہوگا، لہذا جس عذر کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے وہ من جانب اللہ عذر ہے، خوف ازدحام کی وجہ سے یا ضعف کی وجہ سے وقوف مزدلفہ ترک ہو جائے، اور طواف زیارت کا ایام نحر سے تاخیر ہو جانا حیض یا نفاس یا گرفتاری یا مرض وغیرہ کی وجہ سے، اور مریض کو اٹھا کر لے جانے والا بھی کوئی نہیں ہے یا اٹھائے جانے کا متحمل نہیں ہے تو یہ تمام اعذار من جانب اللہ ہیں۔

۱۱۔ اثناء سفر شوہر کا انتقال ہو جائے یا طلاق بائن ہو جائے تو عورت کیا کرے؟

اگر میاں بیوی ساتھ میں حج یا عمرہ کرنے جائیں، اور اتفاق سے ارکان حج یا ارکان عمرہ ادا کرنے سے قبل

شوہر کا انتقال ہو جائے یا عورت پر طلاق بائن یا طلاق مغلظہ واقع ہو جائے اور ساتھ میں عورت کا کوئی محرم بھی نہ ہو، تو ایسی صورت میں بحالت عدت بلا محرم عورت ارکان حج یا ارکان عمرہ ادا کر کے تکمیل کر سکتی ہے یا نہیں؟

تو اس بارے میں ہمارے سامنے کل سات شکلیں آتی ہیں، ان میں سے پانچ شکلیں جواز کی ہیں، اور ایک عدم جواز اور ایک اختلافی ہے، سب کی تفصیل حسب ذیل ہے:

شکل ا: مکۃ المکرمہ پہونچنے کے بعد حادثہ پیش آجائے، تو سب کے نزدیک بلا محرم عدت کی حالت میں حج یا عمرہ کے ارکان ادا کر کے تکمیل کرنا بلا کراہت جائز ہے، حضرات فقہاء نے اس مسئلہ کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وإن كان بينها و بين منزلها مسيرة سفر فصاعداً و بينها و بين مكة دون ذلك فعليها أن تمضي عليها (تاتارخانیہ ۳/۴۷۵، بدائع الصنائع ۲/۱۲۳)۔

اور اگر جائے حادثہ سے عورت کا وطن مسافت سفر یا اس سے دوری پر ہے اور وہاں سے مکۃ المکرمۃ مسافت سفر سے کم پر واقع ہے تو عورت پر لازم ہے کہ ارکان کی تکمیل کرے۔

شکل ۲: مکۃ المکرمۃ پہونچنے سے قبل حادثہ پیش آجائے، تو اگر جائے حادثہ سے مکۃ المکرمہ مسافت سفر سے کم پر واقع ہے تب بھی سب کے نزدیک بلا محرم مکۃ المکرمہ پہونچ کر حج یا عمرہ کی تکمیل کرنا عورت کے لئے جائز ہے۔ لہٰذا اگر جدہ پہونچنے کے بعد آفاقی عورت کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آجائے تو بھی عورت مکۃ المکرمہ پہونچ کر حج یا عمرہ کر سکتی ہے، اس لئے کہ مسجد حرام سے جدہ کی آبادی کے کنارے تک صرف ۶۷ کلو میٹر ہے اس سے مسافت پوری نہیں ہوگی، لہٰذا جس آفاقی عورت کا شوہر جدہ شہر میں داخل ہونے کے بعد فوت ہو جائے یا عورت پر طلاق بائن واقع ہو جائے، تو اس کے لئے بلا محرم مکۃ المکرمہ پہونچ کر حج یا عمرہ کی تکمیل کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے، جیسا کہ حضرات فقہاء کی اس قسم کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

وإن كان إلى مكة أقل من مدة سفر وإلى منزلها مدة سفر مضت إلى مكة لأنها لا تحتاج إلى المحرم في أقل من مدة سفر (بدائع الصنائع ۲/۱۲۳)۔

اور اگر جائے حادثہ سے مکۃ المکرمہ مسافت سفر سے کم ہے اور وطن مسافت سفر پر ہے تو عورت مکۃ المکرمہ پہونچ جائے اس لئے کہ مدت سفر سے کم میں عورت کو محرم کی ضرورت نہیں ہے۔

شکل ۳: جائے حادثہ سے مکۃ المکرمہ اور وطن دونوں مسافت سفر سے کم پر ہیں تو ایسی صورت میں سب کے نزدیک عورت کو بلا محرم مکۃ المکرمہ پہونچ کر حج یا عمرہ کرنے کا اختیار ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ وطن واپس آجائے، لیکن اگر عورت نے احرام باندھ لیا ہے تو واپس نہ آئے بلکہ احرام کی شرائط کے مطابق ارکان کی تکمیل کے لئے ضرور مکہ مکرمہ پہونچ جائے تا کہ احرام کی جنایت سے محفوظ ہو جائے، اس مسئلہ کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وأجمعوا أنه إذا كان دون مسيرة سفر من الجانبين فلها أن تختار إلى أيها شاءت (تاتارخانیہ ۳/۱۳۶، شامی زکریا دیوبند ۳/۴۶۶)۔

اور تمام فقہی مکاتب کا اس پر اتفاق ہے۔ جب دونوں جانب مسافت سفر سے کم ہو تو عورت کو اختیار ہے کہ چاہے جانب منزل اختیار کرے یا جانب وطن لوٹے (یہ شکل صرف سعودی عرب کی عورتوں کے ساتھ پیش آسکتی ہے آفاقی کے ساتھ نہیں)۔

شکل ۲: ایسی جگہ حادثہ پیش آجائے جہاں رہ کر عدت گذارنے میں عورت کے لئے اپنی عفت نفس اور مال کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے تو وہاں سے موضع امن میں پہونچ جانا سب کے نزدیک جائز ہے تو ظاہر بات ہے کہ جدہ ایئرپورٹ اس کے لئے موضع امن نہیں ہو سکتا ہے اور مکۃ المکرمہ سے جدہ ایئرپورٹ مسافت سفر سے زیادہ مسافت ہے اور عورت کی عزت اور امن کی جگہ وہاں پر مکۃ المکرمہ سے زیادہ اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی ہے اس لئے اگر جدہ ایئرپورٹ میں حادثہ پیش آجائے تو سب کے نزدیک قافلہ کے ساتھ مکۃ المکرمہ پہنچ جانا اس کے لئے جائز ہو جائے گا، اور جب مکۃ المکرمہ پہنچ جائے گی تو اس کے بعد احرام حج یا عمرہ کا سب کے نزدیک اس کے لئے جائز ہوگا، نیز اسی طرح اپنے یہاں ایئرپورٹ سے جہاز کے ٹیک آف کے بعد اگر حادثہ پیش آجائے تب بھی مکۃ المکرمہ پہونچ کر حج یا عمرہ ادا کرنا بلا کراہت بطریقہ اولیٰ جائز ہوگا، کیونکہ ٹیک آف کے بعد اس عورت کی وجہ سے جہاز واپس نہیں ہوگا اور وہاں پہونچنے کے بعد اس کے لئے مکۃ المکرمہ سے زیادہ موضع امن اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ یہ مطلب حضرات فقہاء کی اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے

وإن كانت مسيرة ثلاثة أيام إن شاءت رجعت وإن شاءت مضت سواء كان معها ولي أو لم يكن معناه إذا كان إلى المقصد ثلاثة أيام أيضا لأن المكث في ذلك المكان أخوف عليها من الخروج (ہدایہ ۱/۴۰۹)۔

اور جب حادثہ دونوں طرف سے تین دن کی مسافت پر ہے تو عورت کو اختیار ہے چاہے وطن واپس ہو جائے یا مکہ مکرمہ پہونچ کر فریضہ ادا کرے اس کے ساتھ محرم ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں جائز ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مقصد کا مقام تین دن کی مسافت پر ہے اس لئے کہ اس مقام پر رکنا اس کے حق میں وہاں سے نکلنے سے زیادہ خطرناک ہے۔

وفي البناية: الخوف عليها من خوف الخروج بغير محرم (بنایہ ۲/۳۳۸)۔

اور بنایہ میں ہے کہ بلا محرم سفر کرنے سے وہاں رک جانے میں زیادہ خطرہ ہے۔

وإن كان ذلك بالمفازة أو في بعض القرى لا تأمن على نفسها ومالها أن تمضي حتى تدخل موضع الأمن (تاتارخانیہ ۲/۳۳۶).

اور اگر یہ حادثہ جنگل یا گاؤں میں پیش آجائے کہ مال وعزت کی حفاظت نہیں تو موضع امن میں پہونچ جانا لازم ہے۔

شکل ۳: اگر راستہ میں جدہ پہونچنے سے قبل کسی دوسرے ملک میں جہاز اترتا ہے مثلاً دبئی، دہلی، بحرین وغیرہ میں جہاز

اتر جائے اور وہاں حادثہ پیش آجائے تو بھی جدہ پہونچ کر پھر وہاں سے مکہ مکرمہ پہونچ جانا جائز ہوگا کیونکہ دونوں جانب مسافت پر ہے اور جہاز چونکہ وطن کی طرف نہیں آئے گا بلکہ جدہ ہی اس کا رخ ہے، اور جائے حادثہ موضع امن نہیں ہے بلکہ نتیجۃً مکۃ المکرمہ ہی موضع امن بن جائے گا اس لئے مکۃ المکرمہ پہونچ کر فریضہ ادا کرنا جائز ہو جائے گا، اسی طرح اگر مدینہ منورہ میں حادثہ پیش آجائے تب بھی قافلہ کے ساتھ مکۃ المکرمہ پہونچ کر فریضہ ادا کرنا جائز ہو جائے گا، اس لئے کہ مدینہ منورہ میں اتنی مدت تک رو کنے کی اجازت نہیں ہوتی کہ جس میں وہ عدت گذار سکے، نیز وہ اس کے حق میں اجنبی ہونے کی وجہ سے موضع امن بھی نہیں ہے۔

(نوٹ) یہ پانچ شکلیں ایسی ہیں جن میں عورت کے لئے اسی حالت میں بامحرم حج یا عمرہ کرنا جائز ہے، اور سات شکلوں میں سے ۶ عدم جواز کی ہے اور ساتویں اختلافی ہے جو ذیل میں درج ہیں:

شکل ۶: جائے حادثہ سے وطن مسافت سفر سے کم پر ہے اور مکۃ المکرمہ مسافت سفر یا اس سے زائد پر ہے اور وہاں سے وطن واپس آنے میں کوئی خطرہ یا رکاوٹ بھی نہیں ہے تو وطن واپس آجانا لازم ہے، لہذا جو آفاقی اپنے یہاں کے ایئرپورٹ سے ستر، اسی کیلومیٹر دوری پر رہتے ہیں ان کے ساتھ اگر حج آفس یا ایئرپورٹ میں طلاق بائن یا انتقال کا حادثہ پیش آجائے تو وطن لوٹ جانا عورت پر لازم ہوگا، عدت کی حالت میں حج یا عمرہ کے لئے جانا محرم کے ساتھ بھی جائز نہ ہوگا، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

فإن كان منزلها أقل من مدة سفر وإلى مكة مدة سفر فإنها تعود إلى منزلها(بدائع الصنائع ۲/۲۲۴)و في التاتار خانية فعليها أن تعود إلى منزلها الخ(تاتارخانیہ ۳/۴۳۵)۔

لہذا اگر جائے حادثہ سے عورت کا وطن مسافت سفر سے کم پر ہے اور مکہ مکرمہ مسافت پر ہے تو وطن لوٹ جانا چاہئے، اور تاتارخانیہ میں ہے کہ عورت پر وطن لوٹ جانا لازم ہے۔

شکل ۷: ایسی جگہ حادثہ پیش آجائے جہاں سے مکۃ المکرمہ اور وطن دونوں مسافت سفر پر ہیں اور یہ حادثہ ایسے شہر میں پیش آجائے جس میں بظاہر اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک محرم کے ساتھ میں ہونے کے باوجود مکۃ المکرمہ جانا اس کے لئے جائز نہیں ہے، اور حضرات صاحبین کے نزدیک اگر محرم ساتھ ہو تو اس کے ساتھ مکہ مکرمہ پہونچ کر فریضہ کا ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

لہذا آفاقی کا وطن اگر اپنے یہاں کے ایئرپورٹ سے مسافت سفر پر ہے اور ایئرپورٹ پہونچ کر حادثہ پیش آجائے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گھر واپس آنا لازم ہوگا، یا آس پاس میں رشتہ دار رہتے ہوں تو وہاں جا کر عدت گذارنا لازم ہوگا، اور حضرات صاحبین کے نزدیک ساتھ میں محرم ہو تو ٹکٹ کینسل کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے ساتھ حج کر کے آسکتی ہے، اس کو حضرات فقہاء کرام نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وإن كان من الجانبين مسيرة سفر فإنه ينظر إن كان في المصر فليس لها أن تخرج حتى تنقضي عدتها في قول أبي حنيفة وإن وجدت محرما و في قولهما جاز أن تخرج إذا كان

معها محرم ولا تخرج بغير محرم بالإجماع (تاتارخانیہ ۲/۴۳۵)۔

اور اگر جانبین میں مسافت سفر ہے تو دیکھا جائے کہ اگر ایسے شہر میں واقعہ پیش آیا ہے جو اس کے حق میں موضع امن ہے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عدت پوری ہونے سے قبل وہاں سے نکلنا جائز نہیں ہے اگرچہ اس کے ساتھ محرم بھی کیوں نہ ہو، اور حضرات صاحبین کے نزدیک اگر اس کے ساتھ محرم ہے تو اس کے ساتھ سفر کرسکتی ہے، اور بلا محرم کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

(نوٹ) معلوم ہوا کہ حضرت ابوحنیفہ کے نزدیک حکم عدت حکم محرم سے زیادہ اہم ہے، اور حضرات صاحبین کے نزدیک حکم محرم حکم عدت سے زیادہ اہم ہے۔

۱۲۔ حجاج کرام قیام مکہ کے زمانہ میں قصر کریں یا اتمام؟

یہاں یہ مسئلہ بھی اہمیت کا حامل ہے کہ حجاج مکۃ المکرمہ کے قیام کے زمانہ میں نمازوں کا اتمام کریں گے یا قصر؟

تو اس بارے میں مسئلہ کی وضاحت یوں ہے کہ منیٰ کی آبادی ایک زمانہ تک مکۃ المکرمہ سے بالکل الگ تھی اس لئے منیٰ اور مکہ میں اتحاد مکانی نہ ہونے کی وجہ سے حکم بھی دونوں کا الگ الگ تھا، اور اب دونوں کی آبادی متصل ہوجانے کی وجہ سے اتحاد مکانی ثابت ہوگیا ہے اس لئے دونوں کا حکم ایک ہوگا، مگر مزدلفہ اور عرفات دونوں اب بھی مکہ مکرمہ اور منیٰ کی آبادی سے بالکل الگ اور فاصلہ پر ہیں، اس لئے دونوں کا حکم بھی مکہ مکرمہ سے الگ ہوگا، لہٰذا اگر کوئی حاجی نویں ذی الحجہ یوم عرفات سے چودہ روز قبل مکہ مکرمہ پہونچ جاتا ہے تو وہ وہاں قیام کے زمانے میں شرعی طور پر مقیم ہوگا، اور اس پر نمازوں کا اتمام لازم ہوگا، اور جو حاجی اتنے دن پہلے نہ پہونچ سکے بلکہ تیرہ یا چودہ دن قبل پہونچتا ہے تو وہاں کے قیام کے زمانے میں شرعی طور پر مسافر ہوگا اس لئے نمازوں کا قصر کرنا اس پر لازم ہوگا، ہاں البتہ اگر عرفات سے واپسی کے بعد مکۃ المکرمہ میں مسلسل چودہ روز یا اس سے زائد قیام کا جو حاجی ارادہ کرے گا اس پر عرفات سے واپسی کے بعد نمازوں کا اتمام کرنا لازم ہوگا۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر و نوى الإقامة نصف شهر لاتصح لأنه لابد له من الخروج إلى عرفات فلا يتحقق الشرط (ہندیہ ۱/۱۴۰، حاشیہ چلپی علی التبیین ۱/۲۱۲)۔

بے شک جب حاجی عشرہ ذی الحجہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوکر پندرہ روز اقامت کی نیت کرے گا تو نیت صحیح نہ ہوگی، اس لئے کہ درمیان میں عرفات جانا لازم ہے لہٰذا پندرہ روز کے قیام کی شرط متحقق نہ ہوگی۔

فلما دخل إلى مكة أول العشر و نوى إقامة شهر لم تصح نيته أول المدة لأنه لا يحصل له إقامة خمسة عشر يوما إلا بعد رجوعه من منى فلذا أمره صاحب الامام بالقصر أول المدة وبالإتمام بعد العود. (بدائع ۱/۹۸، البحرالرائق ۲/۱۳۲، منحۃ الخالق ۲/۱۳۲)۔

لہٰذا جب شروع عشرہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوجائے اور ایک ماہ قیام کی نیت کرے تو اول مدت میں نیت

صحیح نہ ہوگی، اس لئے کہ منیٰ سے لوٹنے سے قبل پندرہ روز کا قیام ثابت نہیں ہوگا، اسی لئے امام اعظمؒ کے شاگردوں نے عیسیٰ بن ابان کو اول مدت میں قصر اور پھر لوٹنے کے بعد اتمام کا حکم کیا تھا۔

۱۳۔ حجاز مقدس میں حنفی کا وتر میں امام حرم کی اقتداء کرنا:

حضرات حنفیہ کے نزدیک وتر کی تینوں رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھنا لازم ہے، دو رکعت پر سلام جائز نہیں ہے، مگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دو رکعت پر سلام پھیر دینا پھر ایک رکعت مستقل ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مسنون ہے، روایات و دلائل دونوں جانب موجود ہیں۔ اور حنفیہ کا راجح اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ دو سلاموں کے ساتھ وتر پڑھنے والے کے پیچھے حنفی شخص کی نماز وتر صحیح نہیں ہوتی ہے، مگر مسلک حنفی کے طبقہ رابعہ کے مشہور ترین فقیہ حضرت امام ابوبکر رازی الجصاص (المتوفی ۳۷۰ھ) اور علامہ ابن وہبان نے فرمایا کہ حنفی شخص کی نماز وتر اس کے پیچھے صحیح ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔

اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں وتر کی نماز رمضان المبارک میں ہمیشہ دو سلاموں کے ساتھ ہوتی ہے، وہاں پر تراویح کے بعد جب وتر کی نماز باجماعت ہوتی ہے تو حنفیوں کے لئے بڑی دشواری پیش آتی ہے کہ مسجد حرام میں کسی طرح طواف میں لگ جانے کی شکل نکل سکتی ہے مگر مسجد نبوی میں کوئی شکل نہیں، یا حنفی کو جماعت میں شرکت کرنا ہو گا یا بیٹھا رہے یا الگ نماز پڑھے جس کی وجہ سے عملاً ایک بڑی جماعت کی مخالفت نظر آتی ہے، اس اضطرابی کیفیت میں خود حنفی شخص کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ ہماری وجہ سے اتنی بڑی جماعت کی ہیئت بدل رہی ہے اور افتراق پیدا ہو رہا ہے، اس لئے حجاز مقدس میں ان کے پیچھے حنفی کی وتر کی نماز صحیح ہو جانی چاہئے، اور صحت اقتداء کی دو دلیلیں ہم یہاں پیش کرتے ہیں:

دلیل نمبر ا: ضرورت کے وقت قول غیر مشہور پر عمل کی گنجائش ہو جاتی ہے اور وہاں کی ضرورت سب کے سامنے واضح ہے، لہٰذا حضرت امام ابوبکر رازی اور علامہ ابن وہبان کی رائے کو اختیار کر کے حنفی شخص کے لئے حجاز مقدس میں وتر میں وہاں کے امام کے پیچھے اقتداء کرنا صحیح ہو جائے گا۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

فمذهب الحنفية أنه لا وتر عندهم إلا بثلاث ركعات بتشهدين و تسليم نعم لو اقتدى حنفي بشافعي في الوتر وسلم ذلك الشافعي الإمام على الشفع الأول على وفق مذهبه ثم أتم الوتر صح وتر الحنفي عند أبي بكر الرازي و ابن وهبان (معارف السنن ۴/۲۷۰)۔

پس حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے یہاں ایک سلام اور دو تشہد کے ساتھ ہی تین رکعت وتر شروع ہوتی ہے، ہاں اگر حنفی نے وتر میں شافعی امام کی اقتداء کر لی ہے اور امام نے اپنے مسلک کے مطابق دو رکعت پر بیٹھ کر پھر ایک رکعت کے ساتھ تکمیل کر لی ہے تو امام ابوبکر رازی اور ابن وہبان کے نزدیک حنفی کی وتر صحیح ہو جائے گی۔

وفي البحر لا يجوز اقتداء الحنفي بمن سلم من الركعتين في الوتر وجوزه أبو بكر الرازي ويصلي معه بقية الوتر لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده وهو مجتهد فيه (تکملۂ فتح

الملہم ۱/۹۳۶)۔

اور بحر میں ہے کہ وتر میں دو رکعت پر سلام پھیرنے والے کے پیچھے حنفی شخص کی اقتداء جائز نہیں اور امام ابو بکر رازی نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اور حنفی اس کے ساتھ وتر کی بقیہ رکعت بھی پڑھے اس لئے کہ اس کا امام اس کے نزدیک اپنے سلام کی وجہ سے نماز سے خارج نہیں ہوا کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔

دلیل ۲: حکم حاکم رافع خلاف ہوا کرتا ہے کہ وہاں پر حاکم وقت کی طرف سے دو سلام کے ساتھ وتر پڑھنے کا حکم ہے اور جس طرح وہاں کے رہنے والے حنفی پر حکم حاکم کی پابندی لازم ہے اسی طرح مختلف ممالک اور آفاق سے جو لوگ پہونچتے ہیں وہ بھی وہاں کے قوانین واحکام کی پابندی کا وعدہ کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی وہاں کے اصول کے خلاف کرتے ہوئے نظر آجائے تو اس کو فوراً گرفتار کرلیا جاتا ہے، اور جب حاکم نے دو سلام کے ساتھ وتر پڑھنے کا حکم دے دیا تو مذاہب کا اختلاف بھی ختم ہو جائے گا اور حاکم کے حکم پر عمل بھی لازم ہو جائے گا، لہذا وہاں قیام کے زمانے میں حنفی کے لئے حاکم کے حکم کے مطابق اسی طرح دو سلام کے ساتھ وتر پڑھنا بھی جائز ہو جائے گا جس طرح وہاں کے لوگ پڑھتے ہیں، اور حاکم کا یہ حکم خلاف شرع بھی نہیں ہے کیونکہ چاروں اماموں میں سے تین کا قول اسی کے مطابق ہے، اس کو حضرات علماء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إن حكم الحاكم رافع للخلاف في الأمور المجتهد فيها (تکملہ فتح الملہم ۱/۹۳۶)۔

پھر حاکم کا حکم مسائل مجتہد فیہ میں اختلاف کو ختم کردیتا ہے۔

فكما أن النزاع يرتفع بالتعامل السابق فانه يرتفع أيضا بتقنين من قبل الحكومة (حوالہ سابق)۔

لہذا جس طرح تعامل ناس کی وجہ سے اختلاف مرتفع ہو جاتا ہے اسی طرح منجانب حکومت قانون سازی کی وجہ سے بھی اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند حل طلب مسائل

ابوسفیان مفتاحی
مفتاح العلوم مئو

۱۔ صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم کی حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں، اور اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے قول کے دلائل نقلیہ وعقلیہ دونوں ہی بہت مضبوط و اقوی ہیں لہذا یہی قابل ترجیح ہے (بدائع الصنائع ۲/۱۶۴، فتح القدیر ۲/۳۳۵)

الا یہ کہ صرف تجارت کے لئے روزانہ آمد و رفت کرنی پڑتی ہے تو اس مجبوری کے تحت صرف ان تجار کے لئے بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے، واللہ اعلم۔

۲۔ صورت مسئولہ میں ایسے لوگوں پر احرام اور اس کی پابندی لازم کرنے میں تمام اوقات ان کو محرم رہنا پڑے گا جس میں حرج عظیم ہے، بنا بریں ایسے لوگوں کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کرنا جائز ہے کہ ان کے لئے بغیر احرام حدود حرم میں داخل ہونا جائز ہے "لان الحرج مرفوع شرعا" تو امام شافعی کے قول پر عمل کرنا جائز ہے چونکہ سنت رسول اللہ اور عمل سلف اسی کے مؤید ہیں۔

۳۔ اور مفتی عبدالرحیم صاحب حفظ اللہ نے تمتع کی بھی گنجائش نکالی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ اگر تمتع کر لیا تو حج میں خرابی نہ آئیگی یعنی فاسد نہ ہوگا البتہ دم دینا پڑے گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۵/۲۲۱)۔

اس مسئلہ میں مکی کے لئے قران کی بھی گنجائش ہے یعنی مکی کیلئے اولیٰ و افضل تو حج افراد ہی کرنا ہے لیکن قران اور تمتع کی بھی گنجائش ہے کہ قران و تمتع کرنے پر حج فاسد نہ ہوگا، البتہ دم دینا پڑے گا جو دم جبر ہوگا۔

۴۔ صورت مسئولہ میں اپنی مختلف ضرورتوں اور تجارتی اغراض سے روزمرہ آنے جانے والوں کے لئے ہر بار احرام باندھنے میں حرج و مشقت ہے، اس لئے دفع حرج اور رفع مشقت کے لئے امام شافعیؒ کے قول کے مطابق بغیر احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی گنجائش ہے، یہی ان کے لئے شرعی حل ہے

۵۔ صورت مسئولہ میں تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کر سکتا ہے، لیکن پانچ ایام یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق میں عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

۶۔ (الف) صورت مسئولہ میں عمل رمی میں کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے اس کی اجازت سے، حکم سے نیابت کر سکتا ہے۔

(ب) صورت مسئولہ میں رمی میں نیابت صرف معذور یا مریض ہی کے لئے ہے ہر شخص کے لئے نہیں ہے، معذوری کی حد یہ ہے کہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے اور پیدل یا سواری پر بھی

وہاں تک پہنچنا دشوار ہے۔ اور خوف زدہ امام کی وجہ سے نائب بنانا درست نہیں ہے۔

۷۔ مملکت سعودیہ عربیہ میں رہنے والے بعض غیر ملکی حکومت کی اجازت کے بغیر حج کا احرام باندھ لیتے ہیں اور دوران احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیئے جاتے ہیں تو ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہیں، ان کا احرام ذبح دم اور حلق اور بال کتروانے کے ذریعہ ختم ہوگا اور آئندہ ان پر حج کی قضا لازم ہوگی۔

۸۔ صورت مسئولہ میں مذکورہ حالات کے پیش نظر حنفیہ کے قول مرجوح اور دوسرے ائمہ رحمہم اللہ کے قول کو اختیار کیا جا سکتا ہے جب کہ حنفیہ میں صاحبین کے نزدیک بھی ترتیب سنت ہے اس کے ترک پر دم لازم نہیں ہے۔ آج کل حجاج ازدحام اور دیگر پریشانیوں کی اعذار کے پیش نظر ترتیب قائم نہیں رکھ سکتے تو صاحبین کے قول پر عمل کی گنجائش ہے۔

۹۔ صورت مسئولہ میں حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنے والا تمتع کرنے کی صورت یہ ہے کہ کسی حج بدل کرنے والے کو وقت سے زیادہ پہلے جانے کی مجبوری ہو اور احرام طویل میں واجبات حج کی پابندیاں مشکل نظر آئیں تو اس کے لئے تمتع کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ آزادی نہیں ہے کہ طول احرام سے بچنے کے لئے ایام حج کے نزدیک قریب سفر کریں، ہر طرف حکومتوں کی پابندیاں شدید ہیں۔

(الف) حج بدل کا اصل حکم تو یہی ہے کہ یا مفرد ادا کرے، لیکن آمر اگر تمتع کی اجازت دیدے تو تمتع بھی درست ہے۔ البتہ دم تمتع، دم اپنے مال سے ادا کرے گا۔ نیز یہ کہ آمر دم تمتع ادا کرنے کی بھی اپنے دل سے اجازت دیدے خواہ یہ اجازت صراحۃً ہو یا دلالۃً۔

(ب) حج بدل کرنے والا آمر کی صریح اجازت کے بغیر حج تمتع نہیں کر سکتا کیونکہ آمر کی مخالفت جائز نہیں ہے۔

(ج) صورت مسئولہ میں اجازت کے ظن غالب پر حج بدل کرنے والا تمتع کر سکتا ہے۔

ودم القران و دم الجناية على المامور لانه الجاني و صورة دم القران أن يأمره أحد بالقران او يأمره إثنان أحدهما بالحج والآخر بالعمرة وأذنا له بالقران و أما إذا لم يفعل ذلك بغير إذن فقد صار مخالفا فيضمن النفقة و إنما كان دم القران على المامور لانه وجب شكرا لما وفقه الله تعالى من الجمع بين النسكين وهو مختص به (۱۷۱۱)۔

(د) بإذن الآمر یا بدون اذن الآمر ہر دو صورتوں میں تمتع کرنے کی صورت میں دم تمتع حج بدل کرنے والے پر لازم ہوگا۔

(ھ) صورت مسئولہ میں حج بدل کرنے والے کے لئے آمر کی اجازت سے تمتع کی گنجائش ہے اور سوال میں مذکورہ دشواری کا شرعی حل یہی ہے کہ اس کے لئے تمتع کی گنجائش بنادی جائے۔

(و) اس کا جواب یہ ہے کہ حج کی میقات کی صورت میں تو زیادہ دشواریوں کے پیش نظر تمتع کی گنجائش ہے۔

۱۰۔ (الف) صورت مسئولہ میں حائضہ یا نفساء عورت کو ان اعذار مذکورہ فی السوال اور مجبوریوں کے پیش نظر ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کی اجازت ہے اور طواف صحیح ہوجائے گا اور حلال ہوجائے گی۔

(ب) صورت مسئولہ میں عورت کا ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرلینے سے طواف صحیح ہوجائے گا اور رکن ادا ہوجائے گا لیکن دم لازم ہوگا۔

(ج) صورت مسئولہ میں بدنہ ذبح کرنا ہوگا، بکرا کافی نہ ہوگا۔

(د) صورت مسئولہ میں دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ اور حرم مکہ میں ہی ضروری ہے اور حرم مکہ سے باہر اور اپنے مقام جو حرم مکہ سے خارج ہو وہاں ادا نہیں کیا جاسکتا، اور اس ذبح کے لئے منیٰ شرط نہیں ہے بلکہ حدود حرم کافی ہے۔

۱۱۔ صورت مسئولہ میں ایسی عورت کے لئے تو اصل مسئلہ محصرہ ہو جانے کا ہے اور حلال ہوکر آئندہ حج کرنے کا ہے لیکن ناقابل برداشت دشواریوں و مجبوریوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور پھر آئندہ حج کی استطاعت ہوگی کہ نہیں، لہذا امام احمد کے قول کے مطابق ایسی عورت ایام عدت میں صرف حج فرض ادا کرسکتی ہے اور مفتی عبد الرحیم حفظہ اللہ کے فتوے سے بھی یہی مترشح ہے لہذا ایسی عورت کے لئے صورت مسئولہ میں حج فرض کرنے کی گنجائش ہوگی اور اس کے لئے جائز ہے کہ وہ ایام عدت میں حج فرض ادا کرے یہی اولیٰ و بہتر ہے۔

۱۲۔ صورت مسئولہ میں حج کا سفر کرنے والا یقینی ۷۔۸ ذی الحجہ سے اتنی مدت قبل مکہ پہونچا ہے کہ مکہ میں پندرہ یوم سے قبل ہی ایام حج شروع ہوجاتا ہے اور وہ منیٰ چلا جاتا ہے تو وہ مقیم نہیں ہوگا بلکہ مسافر ہی رہے گا اگرچہ مکہ شہر پھیلتے ہوئے منیٰ کی آبادی سے متصل ہوگیا ہے کیوں کہ وہ اس کے باوجود دو دو مستقل شہر ہیں کہ مکہ کے نام سے نہیں جانا جاتا ہے نہ مکہ کا کوئی محلہ ہی ہے۔

۱۳۔ صورت مسئولہ میں سعودیہ میں مقیم احناف کو رمضان میں نماز وتر وہاں کے امام کی اقتداء میں ادا کرنے کی گنجائش ہے کیوں کہ اپنے مذہب کی رعایت میں تنہا پڑھنے سے یہ اولیٰ ہے کہ جماعت سے ادا کی جائے، اور تنہا پڑھنا بالکل مناسب نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند حل طلب مسائل

مولانا شمس پیرزادہ رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ جو لوگ حج و عمرہ کی نیت نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم مکی کی حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو کیا ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں؟

حدیث میں میقات کا حکم جہاں بیان کیا گیا ہے وہاں یہ صراحت بھی ہے کہ:

ممن كان يريد حجا او عمرة (جو حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو)۔

یعنی میقات سے گزرنے والا حج یا عمرہ کی نیت سے گزر رہا ہو تو اسے میقات سے احرام باندھ لینا چاہئے، با الفاظ دیگر جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے گزر نہ رہا ہو اس پر احرام کی پابندی نہیں ہے۔ اس صریح حدیث کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اور نبی ﷺ کی عملی مثال بھی اس کی تائید میں موجود ہے، فتح مکہ کے موقع پر آپ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوئے تھے، ترمذی کی روایت ہے:

إن النبي ﷺ دخل يوم الفتح مكة وعلى رأسه عمامة سوداء، وقال هذا حديث حسن صحيح (نبی ﷺ فتح کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا، ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔

مغنی میں ہے:

من يريد دخول الحرم إما إلى مكة أو غيرها فهم على ثلاثة أضرب، أحدها: من يدخلها لقتال مباح أو من خوف أو لحاجة متكررة كالحشاش والحطاب وناقل الميرة والفيج ومن كانت له ضيعة يتكرر دخوله و خروجه إليها فهؤلاء لا إحرام عليهم لأن النبي ﷺ دخل يوم الفتح مكة حلالا وعلى رأسه المغفر و كذلك أصحابه ولم نعلم أحدا منهم أحرم يومئذ ولو أوجبنا الإحرام على كل من يتكرر دخوله أفضى إلى أن يكون جميع زمانه محرما فسقط للحرج وبهذا قال الشافعي (مغنی ۳/۲۶۸)۔

(جو شخص حرم میں داخل ہونا چاہتا ہو خواہ مکہ میں یا اس کے باہر، تو اس کی تین صورتیں ہیں: ایک وہ شخص جو جائز قتال کے لئے یا خوف کی وجہ سے یا بار بار پیش آنے والی ضرورت کی وجہ سے مثلاً گھاس والا، لکڑی والا یا کھانے کی چیزیں لانے والا، نیز وہ شخص جس کی وہاں ملکیت ہو جس کی وجہ سے بار بار جانا آنا پڑ رہا ہو تو ایسے اشخاص پر احرام کی پابندی نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ فتح کے دن مکہ میں داخل ہوئے تھے اور آپ کے سر پر مغفر تھا، اسی طرح صحابہ بھی داخل ہوئے تھے، اور ہمارے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ ان میں سے کسی نے اس دن احرام باندھا تھا، اگر ہم ہر اس شخص پر جس کو بار بار داخل ہونا پڑتا ہو احرام کو واجب قرار دیں تو انہیں ہر وقت احرام کی حالت میں رہنا ہوگا لہذا ایسے پابندی حرج کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور یہی قول امام شافعی کا ہے)۔

۲۔ آج کل اہل مکہ کا حدود حرم سے باہر جا کر پھر مکہ مکرمہ واپس آنا ہوتا ہے نیز مدینہ منورہ وغیرہ کے باشندوں کا بھی مختلف اغراض سے بار بار مکہ مکرمہ آنا ہوتا ہے مثلاً ٹیکسی ڈرائیور، تجارتی سامان لانے لے جانے والے ملازمین اور تجارتی کمپنیوں کے ایجنٹوں کو بار بار حدود حرم کے اندر باہر آمد و رفت کرنی ہوتی ہے ایسے لوگوں کے لئے ہر بار میقات میں داخل ہوتے وقت احرام باندھنا اور ارکان عمرہ کی ادائیگی وقت طلب اور وقت طلب ہے، جن فقہاء کے نزدیک حرم کی میں داخل ہونے والے ہر شخص کے لئے خواہ وہ حج یا عمرہ کی نیت نہ رکھتا ہو احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہونے کی پابندی ہے، کیا ان کے نزدیک ایسے لوگوں کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے؟

جہاں تک حنفی فقہ کا تعلق ہے اس معاملہ میں بڑی سختی ہے، علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

والمكي إذا خرج من مكة لحاجة له فلم يجاوز الوقت فله أن يدخل مكة بغير إحرام وإن جاوز لم يكن له أن يدخل مكة إلا بإحرام لما بينا أن من قصد إلى موضع فحاله في حكم الإحرام كحال أهل ذلك الموضع (المبسوط ۴/۱۷۰)۔

(مکہ کا رہنے والا اگر اپنی ضرورت سے مکہ سے باہر چلا جائے لیکن وقت (حرم) سے باہر نہ نکلے تو وہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہو سکتا ہے، اور اگر حرم کے باہر چلا جائے تو وہ مکہ میں بغیر احرام کے داخل نہیں ہو سکتا ہے، جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ جو شخص کسی جگہ جانے کا ارادہ کرے تو اس کا معاملہ احرام کے حکم میں اس جگہ کے رہنے والے کے معاملہ جیسا ہی ہوگا)۔

لیکن یہ قول موجودہ حالات میں قابل عمل نہیں ہے اور اس کی پشت پر کوئی واضح دلیل بھی نہیں ہے لہذا اہل مکہ وغیرہ کی ان ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے جو اس وقت پیش آ رہی ہیں اور چونکہ ان کے لئے ہر وقت احرام کی پابندی ایک ناقابل عمل بات ہے اور یہ پابندی تعطل پیدا کرنے کا موجب ہے اس لئے ان پر احرام کی پابندی نہیں ہونی چاہئے۔

اس سوال کا جواب کتاب وسنت کی روشنی میں وہی ہے جو اوپر سوال نمبر (۱) کے جواب میں بیان ہوا۔

۳۔ مکہ مکرمہ میں مقیم شخص اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو حج کے مہینے شروع ہونے کے بعد اس کے لئے عمرہ کرنا درست ہے یا نہیں یعنی مکی کے لئے تمتع و قران کی گنجائش ہے یا نہیں؟

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

أما المكي فلأنه ليس له أن يتمتع بالنص لأن الله تعالى قال في ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام.

(جہاں تک مکہ میں رہنے والے کا تعلق ہے اس کے لئے تمتع جائز نہیں یہ نص قرآنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا ہے تمتع اس کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں)۔

نیز لکھتے ہیں:

ولو اعتمر هذا المكي في أشهر الحج ثم حج من عامه ذلك لا يكون متمتعا (المبسوط ۴/۱۶۹)۔

(اگر مکہ کا رہنے والا یہ شخص حج کے مہینوں میں عمرہ کرے پھر اسی سال حج کرے تو اس کی حیثیت تمتع کرنے والے کی نہیں ہوگی)۔

علامہ سرخسی کی رائے قرآن کی مذکورہ بالا آیت سے مطابقت رکھتی ہے لہذا مکہ کا رہنے والا اگر حج کے مہینوں میں عمرہ کرتا ہے تو اس کی حیثیت تمتع کرنے والے کی نہیں ہوگی بنابریں اس پر ہدی دینے کی پابندی عائد نہیں ہوتی۔

۴۔ صورت مسئولہ کا جواب سوال نمبر (۳) کے جواب میں گزر چکا اتباع قرآن وسنت کی ہونی چاہئے نہ کہ مسالک کی، موجودہ حالات میں جو مسائل پیدا ہو گئے ہیں ان کا اندازہ ایک ہزار سال پہلے کے فقہاء کو کہاں تھا، پھر ان کے اقوال پر تھے رہنا اور قرآن وسنت سے براہ راست تحقیق نہ کرنا محض تقلید جامد ہے اور مشکلات میں اضافہ کا باعث بھی۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے عمرے کر سکتا ہے یا نہیں؟

اس کی کوئی مثال دور رسالت میں نہیں ملتی کہ تمتع کرنے والے آفاقی شخص نے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کئے ہوں، جب مکہ میں آدمی موجود ہو تو اس کا باہر جا کر عمرے کے قصد سے مکہ میں داخل ہونا سراسر تکلف ہے کیوں کہ عمرہ تو حقیقۃً خانہ کعبہ کی زیارت ہے، اور جب مکہ میں رہتے ہوئے زیارت کا فیض اٹھایا جا سکتا ہے تو باہر جا کر زیارت کے لئے آنا کیا معنی رکھتا ہے؟ البتہ اگر کوئی شخص عمرہ کرنے کے بعد حج کے مہینوں میں ضرورۃً میقات کے باہر چلا جائے مثلاً مدینہ کا سفر کرے تو واپسی میں میقات سے احرام باندھ کر دوسرا عمرہ ادا کر سکتا ہے کیونکہ یہ صورت تکلف کی نہیں ہے۔

رہا حضرت عائشہؓ کا عمرہ کے لئے مکہ سے تنعیم جانا تو یہ عذر کی بنا پر تھا اور یہ عمرہ حج کے بعد کیا گیا تھا۔

۶۔ (الف) عمل رمی میں کوئی شخص دوسرے کی نیابت کر سکتا ہے یا نہیں؟

عمل رمی میں کوئی شخص دوسرے کی نیابت عذر کی بنا پر کر سکتا ہے، جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حججنا مع رسول الله ﷺ ومعنا النساء و الصبيان فلبينا عن الصبيان ورمينا عنهم (فقہ السنہ ۱/۷۳۵)

(ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا اور ہمارے ساتھ عورتیں اور بچے تھے تو ہم نے بچوں کی طرف سے لبیک کہی اور ان کی طرف سے رمی کی)۔

مغنی میں ہے:

إذا كان الرجل مريضا أو محبوسا أو له عذر جاز أن يستنيب من يرمي عنه (مغنی

۲۹۰/۳)۔

(اگر آدمی مریض ہو یا مجنون ہو یا اسے کوئی عذر ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ کسی ایسے شخص کو نائب بنائے جو اس کی طرف سے رمی کرے)۔

(ب) رمی میں اگر نیابت ہو سکتی ہے تو صرف مریض یا معذور کے لئے یا ہر شخص کے لئے، اس معذوری کی کیا حد ہے جس کی وجہ سے نیابت جائز ہے، کیا محض ازدحام کے خوف سے نائب بنانا درست ہے؟

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

والمريض الذي لا يستطيع رمي الجمار يوضع الحصى في كفه حتى يرمي به لأنه فيما يعجز عنه يستعين بغيره وإن رمى عنه أجزأه بمنزلة المغمى عليه فإن النيابة تجري في النسك كما في الذبح (المبسوط ۴/۶۹)

(مریض جو جمار کی رمی نہ کر سکتا ہو اس کے ہاتھ میں کنکری رکھ دی جائے تاکہ وہ رمی کر سکے کیونکہ جس کام کے کرنے سے وہ عاجز ہو اس کے لئے وہ دوسرے شخص کی مدد لے سکتا ہے، اور اگر اس کی طرف سے کسی نے رمی کی تو وہ ادا ہو جائے گی کہ اس کا حال بے ہوش شخص کی طرح ہے اور وجہ یہ ہے کہ نسک میں نیابت چلتی ہے جس طرح ذبح کرنے میں نیابت جائز ہے)۔

اور بدائع میں ہے کہ معذور شخص کی طرف سے کسی دوسرے شخص کا رمی کرنا جائز ہے، اس سلسلہ میں مزید وضاحت ہے کہ:

لأن أفعال الحج تجري فيها النيابة كالطواف والوقوف بعرفة ومزدلفة والله اعلم (بدائع ۲/۱۳۷)۔

(کیوں کہ حج کے افعال میں نیابت روا ہے، مثلاً طواف اور عرفہ و مزدلفہ میں وقوف) نیابت صرف معذور شخص کے لئے ہے ہر شخص کے لئے نہیں، البتہ موجودہ حالات میں جب کہ حج کے لئے بیس بیس لاکھ کا اجتماع ہوتا ہے اور رمی کے دوران ازدحام کی وجہ سے حادثات ہوتے رہتے ہیں اور کتنے ہی لوگ کچلے جاتے ہیں اور اموات واقع ہوتی ہیں، ان لوگوں کے لئے جو ازدحام کی کثرت سے گھبراتے ہوں اور ازدحام میں چلنے کا حوصلہ نہ رکھتے ہوں بالخصوص عورتیں، بوڑھے ان کا رمی کے لئے کسی کو نائب بنانا درست ہوگا۔

ج۔ بہتر ہوتا اگر اس سوال کا جواب دار الافتاء ریاض سے حاصل کیا جاتا۔

علامہ سرخسی نے احصار کی تحقیق میں لکھا ہے:

فإن أهل اللغة يقولون إن الإحصار لا يكون إلا في المرض ففي العدو يقال حصر فهو محصر وفي المرض يقال أحصر فهو محصر وقال الفراء رحمه الله تعالى يقال في العدو

والمرض جميعا أحصر و حصر في العدو خاصة فقد اتفقوا على أن لفظة الإحصار تناول المرض (المبسوط ۴/۱۰۸)۔

(کیوں کہ اہل لغت کہتے ہیں احصار مرض کی صورت میں ہوتا ہے، اور دشمن کی طرف سے رکاوٹ پیش آ جانے پر کہا جاتا ہے حصر اور وہ محصر ہوا، اور مرض میں کہا جاتا ہے احصر اور وہ محصر ہوا۔ فراء رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: دشمن اور مرض دونوں رکاوٹوں کی صورتوں میں احصر کہا جاتا ہے، اور خاص طور پر دشمن کے تعلق سے حصر کا لفظ استعمال ہوتا ہے، لہذا اس بات پر سب اہل لغت متفق ہیں کہ لفظ احصار کا اطلاق مرض کی صورت میں بھی ہوتا ہے)۔

رہی قانونی رکاوٹ تو وہ اس زمانہ کا مسئلہ ہے، سعودی حکومت نے یہ پابندی حاجیوں کی کثرت سے پیدا ہونے والے مسائل کے پیش نظر عائد کی ہے اور حاجیوں کی مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ کچھ قانونی پابندیاں بھی عائد کی جائیں تاکہ حاجیوں کو ارکان کی ادائیگی میں غیر معمولی مشکلات کا سامنا کرنا نہ پڑے اور حادثات کم سے کم ہوں، لہذا اگر کوئی شخص حکومت سے اجازت لئے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھتا ہے تو اس کے اس فعل کو صحیح نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ یہ خلاف مصلحت ہے اور قانوناً اس کو اس کا حق نہیں ہے، لہذا حکومت اگر ایسے شخص کو پکڑ کر واپس بھیج دیتی ہے تو وہ محصر کی تعریف میں نہیں آتا اور اس پر ہدی کی پابندی نہیں ہے، احصار تو اس صورت میں ہے جب کہ اس کا سفر حج یا سفر عمرہ صحیح ہو اور پھر دشمن یا مرض وغیرہ کی طرف سے رکاوٹ کھڑی ہو جائے، واللہ اعلم۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب مسنون ہے واجب نہیں، اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے:

عن ابن عباس قال كان النبي ﷺ يسئل يوم النحر بمنى فيقول لا حرج فسأله رجل فقال حلقت قبل أن أذبح قال اذبح ولا حرج وقال رميت بعد ما أمسيت فقال لا حرج (بخاری: کتاب المناسک)۔

(حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے یوم النحر کو منیٰ میں سوالات کئے جاتے تو آپ جواب میں فرماتے: کوئی حرج نہیں، ایک شخص نے پوچھا میں نے قربانی سے پہلے سر منڈا لیا، آپ نے فرمایا: قربانی کرلو کوئی حرج نہیں، اس نے کہا میں نے شام ہونے کے بعد رمی کی، آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں)۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ ترتیب مطلوب تو ہے لیکن اگر کسی وجہ سے ترتیب برقرار نہیں رہ سکی تو مذکورہ مناسک ادا ہو جائیں گے اس توسع کے بعد جو حدیث میں بیان ہوا ہے، فقہی تنگی پیدا کر کے لوگوں کے لئے مشکلات پیدا کرنا صحیح نہیں، موجودہ حالات میں منیٰ میں قربانی کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے اس لئے جو ادارے حکومت کی اجازت سے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں ان کی یہ خدمت لائق قدر ہے، دار الافتاء ریاض سے وہاں کے مفتی اعظم شیخ عبد العزیز بن باز کا فتویٰ اس کے جواز میں شائع ہو چکا ہے۔

۹۔ عام طور پر معروف حج تمتع ہے افراد یا قران شاذ و نادر ہے کیا اس صورت میں حج بدل کے لئے کسی کو بھیجا

عمرہ کا حج تمتع تصور کیا جائے گا"

جی ہاں عرف کا اعتبار کیا جائے گا اور حج بدل کے لئے جس کو بھیجا جائے گا اس کا تمتع کرنا صحیح ہوگا، نبی کریم ﷺ نے حج تمتع ہی کو ترجیح دی ہے اور صحابہ کرام کو اس پر عمل کرنے کی ہدایت کی تھی، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ حج بدل کرنے والا تمتع نہ کرے، حج کے ساتھ عمرہ کی تکمیل کا حکم قرآن نے دیا ہے "واتموا الحج والعمرة لله" (حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو) (بقرہ/۱۹۶)۔

حج بدل میں حج کے ساتھ عمرہ کرنا اس حکم کے بالکل مطابق ہے، اس کے لئے آمر کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ حج عن المیت کی صورت میں بھی تمتع ہی کیا جانا چاہئے۔

۱۰۔ کوئی حج کرنے والی عورت حیض یا نفاس کی وجہ سے طواف زیارت نہ کر سکی، اس کے لئے پاکی کا انتظار نا قابل عمل ہے کیوں کہ اس کا ویزا نہیں بڑھ پا رہا ہے یا جہاز کی تاریخ میں تبدیلی نہیں ہو پا رہی ہے ایسی عورت کیا کرے؟

یہ بات صحیح نہیں کہ ویزا اس طرح ختم ہو جاتا ہے کہ حیض والی عورت کو طواف زیارت کا موقع نہیں ملتا، ویزا کی مدت موسم حج ہے جو کم از کم ذوالحجہ کے آخر تک رہتی ہے گویا حائضہ کو کم از کم بیس دن کا موقع طواف زیارت کے لئے مل جاتا ہے اس لئے کوئی قانونی دشواری نہیں ہے، رہا جہاز کی تاریخ میں تبدیلی کا مسئلہ تو یہ بھی ممکن ہے، عام طور سے لوگ مقررہ تاریخوں میں تبدیلی کراتے رہتے ہیں، اور اس عذر کو کہ عورت حیض کی وجہ سے طواف زیارت نہیں کر سکی ایرلائنز کے ذمہ داروں کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ ضرور تاریخ تبدیل کر دیں گے۔

بصورت آخر حائضہ عورت طواف زیارت کے لئے اپنے ساتھی کو یا کسی اور شخص کو نائب بنا سکتی ہے کیونکہ مناسک میں مجبوری کی صورت میں نیابت کی گنجائش ہے۔

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو وہ ایام عدت میں عمرہ و حج ادا کر سکتی ہے یا نہیں؟

ایسی صورت میں عورت ایام عدت میں عمرہ و حج ادا کر سکتی ہے کیونکہ حج یا عمرہ کا سفر ایک معقول اور شرعی عذر ہے۔

۱۲۔ حج کے دوران منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں نماز قصر پڑھنا اور عرفات میں اور مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کرنا حج کے مناسک میں داخل ہے کیوں کہ نبی ﷺ کا یہی طریقہ رہا اور آپ نے اس موقع پر ایسی کوئی ہدایت نہیں دی کہ جو شخص مکہ میں مقیم رہا ہو وہ قصر یا جمع نہ کرے۔

۱۳۔ رمضان میں جو لوگ عمرہ کے لئے جاتے ہیں نیز سعودیہ وغیرہ میں مقیم احناف کے لئے ایک مسئلہ وتر میں اقتداء کا ہے کہ امام فصل کے ساتھ وتر ادا کرتا ہے تو کیا اس کی گنجائش ہے کہ جماعت و جمع کی رعایت میں وہ امام مسجد کی اقتداء کرے؟

اگر اس کا جواب حنفی مسلک کی رو سے مطلوب ہے تو حنفی علماء ہی اس کا جواب دے سکتے ہیں ورنہ شریعت نے تو امام کی اقتداء کرنے کا حکم دیا ہے، اور اختلافی مسائل میں اگر امام کی اقتداء نہیں کی گئی تو تفرقہ کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

مسائل حج وعمرہ

مفتی حبیب اللہ قاسمی
مہذب پور اعظم گڑھ

۱۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر اس شخص کے لئے جو مکہ میں داخل ہونا چاہے احرام کا باندھنا ضروری ہے خواہ اس کی نیت حج وعمرہ کے بجائے تجارت وملازمت ہی کی ہو لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک صرف حج وعمرہ کا ارادہ کرنے والے پر بحالت احرام مکہ میں داخل ہونا ضروری ہے، تجارت وملازمت وغیرہ ضرورت کے لئے بحالت احرام مکہ میں داخل ہونا ضروری نہیں۔

چنانچہ ہدایہ ۱/۲۱۳ کتاب الحج میں ہے:

ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد عندنا لقوله عليه السلام لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما ولأن وجوب الإحرام لتعظيم هذه البقعة الشريفة فيستوي فيه الحاج والمعتمر وغيرهما.

اور شامی (۲/۱۵۲) پر ہے: والمواقيت أي المواضع التي لا يجاوزها مريد مكة أي ولو لغير نسك كتجارة ونحوها كما يأتي.

امام شافعیؒ کی دلیل نقلی تو نہیں ملی لیکن عقلی دلیل ہدایہ کے حاشیہ پر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ احرام کی مشروعیت حج وعمرہ کے لئے ہوئی ہے لہذا اگر حج یا عمرہ کی نیت کرے تو احرام واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

لأن الإحرام شرع لأحدهما فإذا نوى ذلك يجب وإلا فلا (حاشیہ ہدایہ ۱/۲۱۵ کتاب الحج)

دلیل کے اعتبار سے چونکہ حدیث "لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما" عام ہے لہذا امام صاحب کا مذہب راجح معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ مدینہ طیبہ ودیگر قریبی شہروں کے رہنے والے جن کو روزانہ تجارتی حاجات وغیرہ کی بنا پر مکہ مکرمہ ایک بار یا کئی بار آنا جانا پڑتا ہے ان حضرات کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کیا جانا چاہئے۔

چنانچہ (ہدایہ ۱/۲۱۲) پر ہے:

ومن كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته لأنه يكثر دخوله وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بين فصار كأهل مكة حيث يباح لهم الخروج منها ثم دخولها بغير إحرام لحاجتهم بخلاف ما إذا قصد أداء النسك لأنه يتحقق أحيانا فلا حرج اور شامی میں ہے: وحل لأهل داخلها يعني لكل من وجد في داخل المواقيت دخول مكة غير محرم ما لم يرد نسكا للحرج (شامی در مختار ۲/۱۵۵)۔

۳۔ مکی اور جو لوگ ان کے حکم میں ہیں ان کے لئے قران و تمتع جائز مع الکراہت ہے۔

چنانچہ درمختار مع الشامی میں ہے:

والمکی ومن فی حکمه یفرد فقط ولو قرن وتمتع جاز واساء وعلیه دم جبر (۱۹۷/۲) واساء ای صح مع الکراھة للنهی عنه

اور علامہ شامی اپنی کتاب میں درمختار کی مذکورہ عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

وعلی هذا القول المعین لا تمتع ولا قران لمکی معناه نفی المشروعیة والحل۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی کے لئے قران وتمتع جائز ہی نہیں (شامی ۱۹۸/۲) اور ہدایہ میں ہے:

لان الجمع بینهما فی حق المکی غیر مشروع (ہدایہ ۱/۲۷۰)۔

۴۔ اہل مکہ کو چونکہ مختلف ضرورتوں کی وجہ سے اشہر حج میں میقات کے باہر جانا پڑتا ہے، لہذا اگر ان کا حج کرنے کا ارادہ ہو تو چونکہ ان کے لئے مجبوری ہے، لہذا شرعاً مکی کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کیا جانا چاہئے جب کہ حج یا عمرہ کے علاوہ کسی ضرورت سے میقات کے باہر جا کر مکہ میں آنا چاہے۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد مزید عمرے کر سکتا ہے لیکن وہ احرام اہل مکہ کی میقات سے باندھے، کیونکہ ایک عمرہ کرنے کے بعد وہ مکی کے حکم میں ہو گیا، لہذا مسجد عائشہ سے احرام باندھ کر عمرہ کر سکتا ہے، اگرچہ کثرت طواف کو فقہاء نے کثرت عمرہ پر ترجیح دی ہے۔

۶۔ (الف) مکمل رمی میں نیابت جائز ہے۔

(ب) صرف معذور مریض کے لئے نیابت قابل تحقق ہے، ہر شخص کے لئے نہیں، معذوری کی حد یہ ہے کہ کوئی آدمی اتنا کمزور ہو کہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور پیدل یا سواری پر بھی وہاں تک پہنچنا مشکل ہو تو دوسرا آدمی اس کی طرف سے رمی نیابۃً کر سکتا ہے۔ لیکن محض اژدہام کے خوف سے نائب بنانا درست نہیں، جیسا کہ معلم الحجاج (صفحہ ۱۸۰) میں مذکور ہے۔

۷۔ احصار حقیقتاً تو اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ دشمن یا کسی مرض کی وجہ سے رک جائے، لیکن سعودیہ عربیہ میں غیر ملکیوں کے بلا اجازت حکومت حج کرنے کی صورت میں جب کہ حکومت ان کو پکڑ کر حج سے روک دے، ان کو بھی احصار کے حکم میں داخل ہونا چاہئے، اور ان کے حلال ہونے کی صورت یہ ہے کہ ہدی روانہ کر دیں تا کہ حرم میں ذبح کی جائے:

والممنوع لو بمکة عن الرکنین محصر علی الاصح والقادر علی احدهما لا اما علی الوقوف فللتمام حجه به واما علی الطواف فللتحلل به کما مر (درمختار مع الشامی ۲۳۵/۲، باب الاحصار طبع نعمانیہ)۔

البتہ یہ امر قابل غور ضرور ہے کہ قانونی پابندی کی خلاف ورزی اس انداز کی عبادت میں درست ہے یا

نہیں؟ اس پر شرکاء کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔

۸۔ حضرت امام ابوحنیفہ و امام مالکؒ کے نزدیک رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے اس کے فوت ہونے سے دم واجب ہے، لیکن امام شافعی و احمدؒ کے نزدیک ترتیب مسنون ہے، چنانچہ مشکوٰۃ (۲۳۳/۱) کے حاشیہ پر ہے: واختلفوا في أن هذا الترتيب سنة أو واجب فذهب جماعة ومنهم أبو حنيفة ومالك إلى الوجوب.

اور حدیث میں آپ علیہ السلام سے جو سوال کیا گیا کہ اگر کوئی ذبح سے پہلے حلق کرالے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لا حرج" اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے آخرت میں کوئی گناہ نہ ہوگا، باقی دم واجب ہے: والمراد بنفي الحرج نفي الإثم للجهل والنسيان لكن الدم واجب (حاشیہ مشکوٰۃ نقلاً من اللمعات)

والحاصل أن الطواف لا يجب ترتيبه على شيء من الثلاثة وإنما يجب ترتيب الثلاثة الرمي ثم الذبح ثم الحلق (شامی ۱۳۹/۲)۔

۹۔ حجاج کرام کے بارے میں جو حالات ذکر کئے گئے ہیں کہ جن سے ترتیب کی رعایت مشکل ہے، ہمارے یہاں فقہ حنفی کے قول مرجوح کو اختیار کئے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے۔

(الف) حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنے میں جب تک آمر قران وتمتع کی صراحت نہ کرے وہ یعنی حج بدل کرنے والا حج افراد کریگا، محض عرف کی وجہ سے اس صورت میں حج تمتع تصور نہیں کیا جائے گا۔

(ب) آمر کی صریح اجازت کے بغیر حج بدل کرنے والا حج تمتع تو کرسکتا ہے کیوں کہ صراحتاً اذن ضروری نہیں ہے، لیکن صراحتاً اجازت لینا بہتر ہے۔

(ج) جب ظن غالب ہے کہ آمر حج تمتع کی اجازت دیدیتا ہے تو حج بدل کرنے والا حج تمتع کرسکتا ہے۔ احسن الفتاویٰ (۵۲۳/۴) میں ہے: "حج بدل کرنے والے کو حج افراد کرنا چاہئے، آمر کی اجازت سے قران وتمتع بھی کرسکتا ہے، اس زمانہ میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع وقران ودم شکر کا اذن ثابت ہے، اس لئے صراحتاً اذن ضروری نہیں، مع ہذا صراحتاً اذن حاصل کرنا بہتر ہے"۔

(د) باذن الآمر وبغير اذن الآمر دونوں صورتوں میں تمتع کرنے کی صورت میں دم تمتع حج بدل کرنے والے پر واجب ہوگا، چنانچہ درمختار مع الشامی میں ہے:

ودم القران والتمتع والجناية على الحاج اى المامور ان أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفاً فيضمن (شامی ۲۲۷/۲، ہدایہ ۲۷۸/۱)۔

(ہ) حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کرسکتا ہے لیکن اگر آمر صراحتاً تمتع کی نفی

کرادے تب اس صورت میں مامور کے لئے تمتع کی گنجائش نہیں بصورت تمتع ضمان لازم ہوگا۔

الرابع عشر عدم المخالفة فلو أمره بالافراد فقرن و تمتع ولو للميت لم يقع عنه ويضمن (شامی ۲/۲۳۹)۔

(د) میت کی جانب سے حج بدل کرنا جب کہ میت نے وصیت کی ہو یا حکم دیا ہو، حج بدل ہو جائے گا اور یہ جائز ہے، البتہ اگر میت کا وارث میت کی وصیت کے بغیر حج بدل کرادے تو بھی میت کا حج فرض ادا ہونے کی امید ہے، رہی یہ بات کہ میت کی طرف سے حج تمتع کرنا تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر میت نے حج افراد کا حکم دیا ہو تو مامور کا حج بدل میں تمتع وقران کرنا جائز نہیں اور ایسی صورت میت کا حج ادا نہیں ہوگا۔

۱۰۔ جب کسی عورت کو طواف زیارت سے قبل حیض یا نفاس شروع ہو گیا اور وہ عورت دوبارہ مکہ مکرمہ نہیں آسکتی ہو اور روح انہیں بہت پار ہا ہو تو مذکورہ صورت میں عورت بحالت حیض ونفاس طواف زیارت کرلے اور اس پر بطور جنایت بدنہ واجب ہوگا، لیکن اس کا طواف زیارت صحیح ہو جائے گا اور وہ حلال ہو جائے گی۔

(الف) ناپاکی کی حالت میں اس کے لئے طواف زیارت جائز ہے۔

چنانچہ شامی میں ہے:

لو همّ الركب على القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف أم لا؟ قالوا يقال لها لا يحل لك دخول المسجد وإن دخلت وطفت أثمت وصح طوافك وعليك ذبح بدنة (شامی ۲/۱۸۳)۔

اور ہدایہ میں ہے: وإن كان جنباً فعليه بدنة (۱/۲۵۲)، مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بحالت جنابت طواف زیارت کرے تو اس پر بدنہ واجب ہے۔

ولان الجنابة أغلظ من الحدث فيجب جبر نقصانها بالبدنة (ہدایہ ۱/۲۵۳)۔

(ذ) دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ ہی میں ضروری ہے، اپنے مکان پر نہیں دے سکتی۔ وإن لم يعد وبعث بدنة أجزاه لما بينا (ہدایہ ۱/۲۵۳)۔

۱۱۔ اگر سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو وہ عورت ایام عدت میں حج یا عمرہ نہیں کر سکتی۔

منها العدة فلو أهلت بالحج فطلقها زوجها ولزمتها العدة صارت محصرة ولو مقيمة أو مسافرة معها محرم (شامی ۲/۳۲۰)۔

معلم الحجاج (ص ۹۸) میں ہے کہ عدت خواہ طلاق کی ہو یا وفات کی سب کا حکم ایک ہے۔

۱۲۔ مذکورہ صورت میں جبکہ حاجی اتنے دن قبل پہونچا ہے کہ پندرہ دن کے قیام سے پہلے ہی ایام حج شروع ہو جاتا ہے تو وہ شخص مسافر رہے گا۔

فلو دخل الحاج مكة ايام العشر لم تصح نيته (أي الإقامة) لأن يخرج إلى منىٰ

وعرفة فيقصر إن نوى فيه لكن هو ضعيف مستقلين كمكة ومنى (درمختار مع الشامی ۱/ ۵۲۸)

مکہ، منیٰ الگ الگ دو مستقل جگہیں ہیں اور کسی ایک شہر یا گاؤں میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت سے وہ مقیم ہوگا (ہدایہ ۱/ ۱۳۶)، البتہ بڑھتی ہوئی آبادی کے تحت حضرات اہل علم کو غور کرنا چاہئے کہ موجودہ صورت حال میں منیٰ کو مکہ کے مضافات میں داخل کیا جائے یا نہیں؟

۱۳۔ مسلک کے اعتبار سے تو کسی حنفی مقتدی کا ایسے امام کی اقتداء کرنا وتر میں جو دو سلام سے وتر پڑھتا ہو صحیح نہیں ہے، جیسا کہ درمختار مع الشامی میں ہے:

وصح الاقتداء فيه أي الوتر بشافعي مثلاً لم يفصله بسلام لا إن فصله على الأصح فيهما للاتحاد وإن اختلف الاعتقاد ولم يذكر الشارح تعليل اشتراط عدم الفصل بسلام اكتفاء.... من أن الأصح اعتبار اعتقاد المقتدي والسلام قاطع في اعتقاده فيفسد اقتداء ه (درمختار مع الشامی ۱/ ۴۴۸، ۴۴۹)۔

لیکن اگر مجمع و جماعت کی رعایت میں وتر کی جماعت میں شامل ہو جائے اور دو رکعت پر امام سلام نہ پھیرے اور جب امام تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو یہ مقتدی حنفی بھی نیت سابقہ کے ساتھ کھڑا ہو کر تیسری رکعت میں شامل ہو جائے اور امام کے ساتھ سلام پھیر کر اپنی نماز مکمل کرے تو حنفی مقتدی کی وتر کی نماز درست ہو جائے گی۔ واللہ تعالی أعلم

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ سے متعلق مسائل

مولانا ظفر الاسلام
دارالعلوم، مئو

۱؍۲۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بغیر احرام کے میقات سے کسی صورت میں بھی تجاوز کرنا صحیح نہیں ہے مگر امام شافعیؒ کے نزدیک اگر حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور مقصد سے کوئی جارہا ہے تو میقات سے تجاوز صحیح ہے۔ ابوقدامہ تحریر کرتے ہیں:

من يدخلها لقتال مباح أو من خوف أو لحاجة كالحطاب والحشاش وناقل الميرة والفيج ومن كانت له ضيعة يتكرر دخوله وخروجه إليها فهؤلاء لا إحرام عليهم لأن النبيؐ دخل يوم فتح مكة حلالا وعلى رأسه المغفر ولأنا لو أوجبنا الإحرام على من يتكرر دخوله أفضى إلى أن يكون في جميع زمنه محرما فقط للحرم وهذا مذهب الشافعي وقال ابو حنيفة لايجوز لأحد دخول الحرم بغير إحرام إلا من كان دون الميقات لأنه يجاوز الميقات مريدا للحرم فلم يجز بغير إحرام (مغنی وشرحہ ۳؍۲۱۸)۔

(جو شخص مکہ میں قتال مباح، یا خوف یا کسی ضرورت کی وجہ سے داخل ہو جیسے لکڑیاں اور گھاس چننے والا اور غلہ منتقل کرنے والا، اور وہ شخص جس کو ایسا سامان ہو جس کو مکہ بار بار آنا جانا پڑتا ہے تو ان تمام لوگوں پر احرام نہیں ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ حلال ہو کر یوم فتح کو مکہ میں داخل ہوئے، اور آپ کے سر پر خود تھا، اسلئے اگر ہم اس شخص پر احرام کو واجب کرتے ہیں جس کی آمد ورفت بار بار ہوتی ہے تو یہ مفضی ہوگا اس کے پورے زمانہ میں محرم ہونے کی جانب، تو حرج کی وجہ سے ساقط ہوگیا، اور امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے، اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ بغیر احرام کے حرم میں داخل ہونا کسی کے لئے جائز نہیں ہے، مگر وہ شخص جو میقات سے خارج ہو اس لئے کہ حرم کا ارادہ کرنے والے کے لئے میقات سے پار کرنا بغیر احرام کے جائز نہیں ہے)۔

حضرت امام شافعیؒ نے اولا چند صورتوں کا استثناء فرمایا ہے، اس کے بعد نقلی وعقلی دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آنحضور ﷺ فتح مکہ کے موقع سے بدون الاحرام مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، نیز اگر احرام کو بہر صورت لازم کردیا جائے تو ایک طرح کا حرج لازم آئے گا۔ ابوبکر کاسانی کی بھی رائے یہی ہے:

وكذلك لو أراد ومجاوزة هذه المواقيت دخول مكة لايجوز له أن يجاوزها إلا محرما سواء أراد بدخول مكة النسك من الحج أو العمرة أو التجارة أو حاجة أخرى عندنا وقال الشافعي ان دخلها للنسك وجب عليه الإحرام وإن دخلها لحاجة جاز دخوله بغير إحرام ولنا ما روى عن النبيؐ أنه قال إلا أن مكة حرام منذ خلقها الله تعالى لم تحل لأحد قبلي ولاتحل لأحد

بعدي وإنما أحلت لي ساعة من نهار ثم عادت حراما إلى يوم القيامة والاستدلال به من ثلثة أوجه أحدها بقوله إلا أن مكة حرام والثاني بقوله لا تحل لأحد بعدي والثالث بقوله ثم عادت حراما إلى يوم القيمة مطلقا من غير فصل وروى عن ابن عباس عن النبي ﷺ أنه قال لا يحل دخول مكة بغير إحرام ولأن هذه بقعة شريفة بها قدر وخطر عند الله تعالیٰ

اور اسی طرح اگر کسی نے ان مواقیت کو پار کر کے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، خواہ حج وعمرہ کے ارادہ سے ہو، یا تجارت یا کسی اور دوسری ضرورت کی وجہ سے ہمارے نزدیک بغیر احرام میقات سے تجاوز کرنا جائز نہیں، اور امام شافعی نے فرمایا کہ اگر کوئی مکہ میں حج وعمرہ کے ارادہ سے داخل ہو تو اس پر احرام واجب ہے، اور اگر کسی ضرورت کی وجہ سے داخل ہوا ہے، تو بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے، اور ہماری دلیل جو آپ ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جان لو کہ مکہ اس دن سے قابل احترام ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے اس کو وجود بخشا، نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد، اور تھوڑی دیر کے لئے یہ میرے لئے حلال کیا گیا، پھر قیامت تک کے لئے مکہ کی حرمت لوٹ آئی۔ اور تین طریقے پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے۔

(۱) آپ کا قول جان لو کہ مکہ قابل احترام ہے (۲) آپ کے قول میرے بعد کسی کے لئے حلال نہیں (۳) آپ کا یہ قول (جو بغیر فصل کے ہے) کہ قیامت تک کے لئے مکہ کی حرمت باقی رہے گی۔۔۔۔ اور حضرت ابن عباسؓ آپ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا حلال نہیں، اور اس لئے کہ یہ زمین کا وہ مقدس ٹکڑا ہے، جس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرف وعزت اور قدر ومنزلت ہے (بدائع الصنائع ۱۶۴/۲)۔

حضرت امام احمد بن حنبل واسحاق بن راہویہ کے نزدیک بھی حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور غرض سے جانے والے کے لئے احرام ہے:

وحكى ابن المنذر عن الإمام أحمد بن حنبل في الرجل يخرج لحاجة وهو لا يريد الحج فجاوز ذا الحليفة ثم أراد الحج يرجع إلى ذي الحليفة فيحرم وبه قال إسحاق لأنه أحرم من دون الميقات فلزمه الدم.

۴۔ ابن منذر نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا اس آدمی کے بارے میں جو کسی ضرورت سے نکلا اور حج کا ارادہ نہیں رکھتا تھا، پھر وہ ذوالحلیفہ سے تجاوز کر گیا اور پھر حج کا ارادہ کیا تو وہ ذوالحلیفہ لوٹ کر احرام باندھے گا اور اسی کے اسحاق بن راہویہ قائل ہیں اس لئے کہ اس نے خارج میقات سے احرام باندھا ہے تو اس کو دم لازم ہوگا (مغنی و شرح ۲۱۸/۳)۔

ابن رشد قرطبی حضرت امام مالک کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تجاوز بدون الاحرام حج وعمرہ کے ماسوا بکثرت ایاب وذہاب کی صورت میں جائز ہے (بدایۃ المجتہد لابن رشد قرطبی ۱/ ۳۳۲)۔

نیز فتاویٰ تاتارخانیہ (۴۷۵/۲) پر مرقوم ہے۔

دخول مكة فينبغي له أن يحرم من الميقات بحج أو عمرة سواء دخل مكة مريدا للنسك أو دخلها لحاجة من الحوائج وفي الجامع الصغير العتابي: وعند الشافعي إنما يلزمه الإحرام إذا أراد دخول مكة للحج أو للعمرة أما إذا كان لأمر آخر فلا يلزمه.

مکہ میں داخل ہونے والے کے لئے مناسب یہ ہے کہ حج، یا عمرہ کے لئے احرام میقات سے باندھے، خواہ مکہ میں داخل ہوا ہے حج وعمرہ کے ارادہ سے، یا کسی ضرورت کی وجہ سے اور امام شافعیؒ کے نزدیک احرام اس شخص کو لازم ہوتا ہے جو مکہ میں حج یا عمرہ کے ارادہ سے داخل ہوا ہو اور اگر دوسری وجہ سے داخل ہوا ہے تو اس کو احرام لازم نہیں ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی تجاوز بدون الاحرام ایک حیلہ سے ہوسکتا ہے وہ یہ کہ اولاً حل میں داخل ہو، پھر کسی ضرورت سے حدود حرم میں داخل ہو جائے بشرطیکہ حل میں اقامت کی نیت کی ہو

وعن أبي يوسف أنه شرط نية الإقامة بذلك المكان خمسة عشر يوما فأما إذا نوى الإقامة أقل من خمسة عشر يوما فهو ماض على سفره فلا يلتحق بأهل ذلك المكان ولا يدخل مكة بغير إحرام.

اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس میں مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کی شرط لگائی ہے، بہر حال جب اس نے اقامت کی نیت پندرہ دن سے کم کی کی ہے تو وہ اپنے سفر پر باقی ہے، لہٰذا وہ اس جگہ کے رہنے والوں کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا اور بغیر احرام کے مکہ میں داخل نہیں ہوگا (تاتارخانیہ ۲/۲۷۷)۔

مگر مذکورہ صورت میں چونکہ اقامت کی نیت بھی مشروط ہے اس لئے غیر معمولی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا، غالباً اسی وجہ سے درج ذیل فقہاء وعلماء نے حل میں نیت اقامت کی شرط ختم کرکے مستقلاً اجازت دیدی ہے۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحب علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ "آفاقی (یعنی میقات سے باہر رہنے والا) میقات سے آگے کسی ایسی جگہ جو حرم سے خارج ہے اور حل میں ہے کسی ضرورت سے جانا چاہتا ہے، مکہ مکرمہ جانے یا حج وعمرہ کرنے کی نیت نہیں ہے تو اس پر میقات سے احرام باندھنا واجب نہیں ہے، اور اس کے بعد وہ اس جگہ سے مکہ مکرمہ بلا احرام جاسکتا ہے (معلم الحجاج ر۷۹)۔

صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

أما لو قصد موضعا من الحل كخليص وجدة حل له مجاوزته بلا إحرام فإذا حل به التحق بأهله فله دخول مكة بلا إحرام وهو الحيلة لمريد ذلك إلا المأمور بالحج.

اگر حل میں سے کسی جگہ کا قصد کیا جیسے خلیص اور جدہ تو اس کے لئے بغیر احرام کے تجاوز کرنا جائز ہے، پھر جب وہ داخل ہوگیا تو اس کے باشندوں کے حکم میں لاحق ہو جائے گا لہٰذا اس کے لئے مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے، اور وہ ایک حیلہ ہے اس کا ارادہ کرنے والے کے لئے الا یہ کہ وہ جو حج کے لئے مامور ہو (درمختار علی ردالمحتار ۲/۲۷۷)۔

مسائل حج کے ایک متبحر عالم مولانا شیر محمد صاحب سندھی مہاجر مدنی تحریر فرماتے ہیں: "اس وقت میں عربستان میں جو موٹریں چلتی ہیں ان کے ڈرائیور یا اونٹوں والے بدوی لوگ کئی بار مکہ معظمہ میں بغیر احرام آفاق سے آتے جاتے ہیں، تو احناف کے نزدیک ہر بار مکہ مکرمہ میں آنے سے ان پر نسک لازم ہوگی"

لقوله ابن عباس من جاوز الميقات بغير إحرام فعليه دم"

ابن عباسؓ کے قول کی وجہ سے کہ جو میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کرے تو اس پر دم واجب ہے۔

یہی مذہب امام احمد بن حنبل اور امام مالک کا بھی ہے۔

"لقول النبي ﷺ من لهن ولمن أتى عليهن من غير اهلهن من أراد الحج والعمرة".

البتہ شوافع کے نزدیک اگر کسی کام کی غرض سے مکہ مکرمہ میں آئیں تو نسک لازم نہ ہوگی، اگرچہ آفاق سے آتے ہوں چونکہ یہ لوگ ابتلاء عام میں مبتلا ہیں اس لئے ان لوگوں کو یہ حیلہ کرنے سے جواز کی گنجائش ہے اور وہ یہ کہ حل میں کہیں معین مقام میں جانے کی نیت سے جائیں، پھر وہاں سے مکہ مکرمہ میں بغرض اپنے کام نوکری کی ادائیگی کے لئے بغیر احرام جا سکتے ہیں بندہ کے فہم ناقص میں تو موٹر ڈرائیوروں کو بہت وسعت ہے، کیوں کہ ان کا ہیڈ کوارٹر جدہ میں ہے مکہ مکرمہ سے آتے جاتے ضرور پہلے جدہ جانا پڑتا ہے، اولاً وہاں جانے کی نیت کرلیں اس کے بعد مکہ مکرمہ کی، اسی طرح مدینہ طیبہ سے واپسی کے وقت بھی اولاً حل میں کہیں مقام مخصوص کی نیت کریں بعد میں مکہ مکرمہ کی (زبدۃ المناسک مع اضافہ مفیدہ ۳۳۱)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اہل اور داخل فی المواقیت تمتع وقران نہیں کرسکتا اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک وہ دونوں کرسکتا ہے، دلائل یہ ہیں:

وليس لأهل مكة ولا لأهل داخل المواقيت التي بينها وبين مكة قران ولا تمتع وقال الشافعي يصح قرانهم وتمتعهم وجه قوله تعالى: "فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى" من غير فصل بين أهل مكة وغير هم ولنا قوله تعالى: "ذلک لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام على الخصوص حاضر والمسجد الحرام هم أهل مكة وأهل الحل الذين منازلهم داخل المواقيت الخمسة" وقال مالک هم اهل مكة خاصة لأن معنى الحضور لهم وقال الشافعي هم اهل مكة ومن كان بينه وبين مكة مسافة لاتقصر فيها الصلوٰة وروى عن ابن عمر انه قال ليس لأهل مكة تمتع ولاقران.

اہل مکہ اور مواقیت میں رہنے والے کے لئے (جو مکہ اور میقات کے درمیان ہیں) قران اور تمتع نہیں ہے، اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ان کا قران اور تمتع صحیح ہے اللہ تعالیٰ کے قول "فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى" کی وجہ سے جس میں اہل مکہ اور ان کے علاوہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا قول: "ذلک لمن لم يكن أهله حاضر المسجد الحرام" یہ خصوص پر ہے، اور وہ مسجد حرام ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا استدلال آیت مذکورہ سے بایں طور ہے کہ آیت مطلق ہے جس میں کی وغیر کی کی تخصیص نہیں، اس لئے کی بھی تمتع وقران کرسکتا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ وحضرت امام مالکؒ کی دلیل بھی نص قرآنی ہی ہے" ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام " جس سے آفاقی کو خاص کر دیا گیا ہے، بنا بریں اہل تمتع وقران نہیں کرسکتا، علامہ ابن رشد قرطبی لکھتے ہیں" وابو حنیفۃ یقول إن حاضری المسجد الحرام لایقع منھم التمتع وکرہ ذلک مالک " (بدایۃ المجتہد ۱/۳۳۶) بدایۃ المجتہد کی ایک دوسری عبارت سے جس میں امام مالک کے نزدیک تمتع کی شرطیں مذکور ہیں چھٹی شرط یہ تحریر ہے کہ متمتع کا وطن مکہ نہ ہو" والسادس ان یکون وطنہ غیر مکۃ " (بدایۃ المجتہد ۱/۳۳۷) نیز علامہ ابن تیمیہ "وجوب العمرۃ علی اھل مکۃ" کے ضمن میں لکھتے ہیں:

ثم من ھؤلاء من یقول مثل ذلک من اصحاب الشافعی ای وجوب العمرۃ علی أھل مکۃ قول ضعیف جداً مخالف للسنۃ الثابتۃ وإجماع الصحابۃ" اسی کے متصلا دوسرے صفحہ پر رقم ہے: "ولو کان أھل مکۃ کلھم أو بعضھم علی عھد النبی یخرجون إلی الحل لیعمر ون فیہ لنقل ذلک کما نقل خروجھم فی الحج إلی عرفات وھم یعتمرون بعد الحجۃ ولا قبلھا أحد من أدنی الحل لا أھل مکۃ ولا غیرھم (فتاوی ابن تیمیہ ۲۶/۲۵۸_۲۵۹)۔

واضح ہو کہ اہل کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس نے مکۃ المکرمہ کو مستقل وطن بنالیا، دوسرا جسنے مستقلا وطن نہیں بنایا، دونوں کے احکام جداگانہ ہیں۔ پہلی صورت میں تمتع وقران نہیں کرسکتا جبکہ دوسری صورت میں جائز ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

نقل ابن عابدین عن اللباب فی بیان شرائط التمتع: التاسع عدم التوطن بمکۃ فلو اعتمر ثم عزم علی المقام بمکۃ ابدا لایکون متمتعا وان عزم شھرین ای مثلا و حج کان متمتعا.

ابن عابدین نے لباب سے نقل کیا تمتع کے شرائط کے بیان میں نویں شرط مکہ میں وطن کا نہ ہونا، پس اگر عمرہ کیا پھر مکہ میں ہمیشہ ہمیش ٹھہرنے کا ارادہ کیا تو وہ متمتع نہ ہوگا، اور مثلا دو ماہ کا ارادہ کیا تو متمتع ہوگا (رد المحتار ۲/۲۱۱)۔

نیز علامہ ابن الہمام کی بھی تحقیق یہی ہے کہ مکی تمتع وقران نہیں کرسکتا حضرت عبداللہ بن عباس کا اثر:

یا اھل مکۃ لا متعۃ لکم احلت لأھل الآفاق و حرمت علیکم"۔

اے اہل مکہ تمہارے لئے متعہ نہیں ہے یہ آفاق والوں کے لئے حلال کیا گیا ہے اور تم پر حرام کیا گیا۔

اور ایک دوسری بروایت طاؤس:

" قال المتعۃ للناس إلا لأھل مکۃ ممن لم یکن أھلہ من الحرم " بھی اسی کی تائید میں ہے۔

فرمایا کہ متعہ لوگوں کے لئے ہے سوائے اہل مکہ کے یعنی وہ لوگ جن کے اہل وعیال حرم میں نہ ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر مکی نے تمتع وقران کرلیا تو اس کا حکم کیا ہے؟ اس سلسلے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں، احسن الفتاوی میں مفتی رشید احمد صاحب کہتے ہیں کہ "مناسک کی عام کتابوں میں تحریر ہے کہ مکی نے تمتع، یا قران کیا تو بکراہت تحریمہ صحیح ہو جائیگا اور اس پر دم شکر کے بجائے دم جبر واجب ہے، اس لئے اسے خود نہیں کیا سکتا مگر علامہ شامی کی تحقیق یہ ہے کہ حکم صحت ہے الحرایۃ اتحریر صرف قران کے لئے ہے مکی کا تمتع منعقد ہی نہیں ہوتا اس لئے تمتع کی صورت میں دم جبر واجب نہیں بطلان تمتع سے بطلان حج کا وہم نہ ہو (احسن الفتاوی ۴ر ۵۱۴) اس مسئلہ سے متعلق حضرت گنگوہی کی بھی رائے درج ذیل ہے:

"مکہ مکرمہ کے رہنے والوں یا میقات کے اندر حل میں رہنے والوں کو قران وتمتع جائز نہیں" یہ بات فقیہ کے حوالے سے حضرت موصوف "زبدۃ" کے ص ۳۰۵ پر تحریر کرنے کے بعد آگے خود لکھتے ہیں: "اسی طرح وہ آفاقی جو مکہ مکرمہ میں آ کر داخل ہوا اگر چہ اشہر حج میں کسی شرعی طریق کے بغیر احرام عمرہ کے آیا ہو، جیسے پہلے حل کی حد میں کسی حاجت کے لئے آیا تھا، پھر وہاں سے کسی کام کی غرض سے مکہ معظمہ میں بغیر احرام آیا، یا اشہر حج سے پہلے ہی مکہ میں داخل ہو کر عمرہ بجالا کر فارغ ہوا اور وہاں ٹھہر گیا، اس کے بعد اس پر اشہر حج واقع ہوئے تو اب مکہ والوں کے حکم میں ہے، پس اس کو بھی وہاں سے قران وتمتع کرنا منع ہے (زبدۃ المناسک ۳۰۵)۔

متمتع حج سے قبل مزید عمرے کرسکتا ہے معلم الحجاج ص ۲۱۲ کے حاشیہ پر مرقوم ہے: "وھذا المتمتع آفاقی غیر ممنوع من العمرۃ فجاز لہ تکرارھا لأنھا عبادۃ مستقلۃ کالطواف"۔ نیز حضرت گنگوہی بحوالہ "مناسک المتوسط" لکھتے ہیں کہ "اس میں اختلاف ہے ملا رحمت اللہ سندھی نے "مناسک المتوسط" میں لکھا ہے کہ یہ معتمر حج سے پہلے دوسرا عمرہ نہ کرے، اور ملا علی قاری نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس کی بنا اس پر ہے کہ مکی کو مفرد عمرہ بھی اشہر حج میں ممنوع ہے (جیسا کہ ابن الہمام کا مذہب ہے، چونکہ ملا رحمت اللہ ان کے تلمیذ ہیں اس لئے اس کی اتباع کی وجہ سے مکروہ فرمایا ہو) حالانکہ مکی کو فقط تمتع وقران ممنوع ہے اور یہ متمتع آفاقی ہے اس کو عمرہ کرنا منع نہیں ہے۔ بلکہ تکرار عمروں کا اس کو جائز ہے کیوں کہ یہ مستقل عبادت ہے مثل طواف کے۔ اس کے بعد حضرت گنگوہی تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جب آفاقی اشہر حج میں آ کر عمرہ کر چکا تو اس کا تمتع اس عمرہ سے منعقد ہوا، پھر اس کے بعد مکہ میں رہ کر دوسرا عمرہ کیا تو وہ مفرد ہوا اور مفرد عمرہ مکی کے لئے سارے سال میں کرنا جائز ہے سوا روز عرفہ اور عید نحر اور ایام تشریق گیارہویں، بارہویں تیرہویں کے (زبدۃ المناسک ۳۱۳) سراج الحق واپو بکر کاسانی کی تحریر سے بھی مزید عمرے کی وضاحت ہورہی ہے: "فإن السنۃ کلھا وقت العمرۃ وتجوز فی غیر أشھر الحج وفی أشھر الحج لکنہ یکرہ فعلھا فی یوم عرفۃ ویوم النحر وأیام التشریق وأما الجواز فی الأوقات کلھا فلقولہ تعالیٰ: "وأتموا الحج والعمرۃ للہ مطلق عن الوقت" (بدائع الصنائع ۲ر ۲۲۷) احناف کی دلیل حضرت عائشہؓ کی وہ روایت ہے جس میں انہوں نے مطلقاً عمرہ کے جواز کا قول کیا ہے ولنا ما روی عن عائشۃ أنھا قالت وقت العمرۃ السنۃ کلھا إلا یوم عرفۃ ویوم النحر وأیام التشریق والظاھر أنھا قالت

سماعا من رسول الله لأنه باب لا يدرك بالاجتهاد (بدائع الصنائع ۲/۲۲۲) حضرت گنگوہی نے ایک جگہ اور تحریر فرمایا ہے کہ "جو متمتع عمرہ کرنے کے بعد حج کرنے سے پہلے مدینہ طیبہ کو چلا جائے تو واپسی میں ثانی عمرہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ امام صاحب کے نزدیک اخیر وطن اصلی کے جانے کے اس کا سفر واحد ہی رہتا ہے اس لئے اس کو واپسی میں مفرد حج کا احرام باندھ کر آنا چاہیے نہ قران کا نہ عمرہ کا۔ کیوں کہ وہ مکی کے حکم میں ہے، بعض وجوہ کے اعتبار سے، اس لئے قران تو نہ کرے باقی عمرہ ثانی کی گنجائش ہے کہ آفاق سے آرہا ہے (زبدۃ المناسک ص ۳۱۸) نیز آنحضور اکرم کا ارشاد "العمرۃ إلى العمرۃ كفارۃ لما بينهما" (ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کے درمیان واقع ہونے والی چیز ان کیلئے کفارہ ہے۔) اور عکرمہ کا ارشاد يعتمر إذا أمكن الموسى في شعره (عمرہ کرے گا جب تک کہ ممکن ہو استرہ کا اس کے بال پر چلنا۔) عطاء بن ابی رباح کا قول: إن شاء اعتمر في كل شهر مرتين (اگر چاہے تو ہر ماہ دو مرتبہ عمرہ کرے) بھی تعدد پر دلالت کر رہا ہے۔

۶۔ ازدحام کا اونا عذر کا باعث نہیں ہے، حضرت گنگوہی کہتے ہیں "جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا، یا جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف ہوتی ہو وہ معذور ہے اسی طرح اگر اس کو آنے میں مرض بڑھ جانے کا اندیشہ یا تکلیف ہوتی ہو وہ معذور ہے اور معذور دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے (زبدۃ ص ۱۸۶) معلم الحجاج کے ص ۱۸۱ پر بھی یہی مفتی اعظم سعید احمد صاحب علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے۔ احسن الفتاوی میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب سے ایک سوال اس طرح کیا گیا کہ "ایک شخص کے پاؤں پر چوٹ آگئی ہے جس کی وجہ سے وہ نقل و حرکت سے بالکل معذور ہو گیا اس لئے اس نے اپنی رمی نیابۃ دوسرے شخص سے کرائی اور کوئی دوسرا محرم مرد نہ ہونے سے اپنی بیوی اور لڑکی کی طرف سے بھی کسی دوسرے سے رمی کرائی تو کیا ان تینوں کی رمی صحیح ہوگی۔ اس کا جواب مفتی صاحب نے یوں دیا "اگر سوار ہو کر بھی جمرات تک نہ جا سکتا ہو یا سواری، یا کوئی اٹھا کر لے جانے والا نہ ملے تو اس کی رمی ہوگی بیوی اور لڑکی کی طرف سے نیابۃ صحیح نہیں، جمرات تک جانے کے لئے محرم ساتھ ہونا ضروری نہیں اس لئے ان پر دم واجب ہے۔ (احسن الفتاوی ۴/ص ۵۲۲) مذکورہ جزئیہ کی تائید علامہ ابن تیمیہ اور تاتارخانیہ کے فتاویٰ سے بھی ہو رہی ہے:

وكذلك من عجز عن الرمي بنفسه لمرض أو نحوه فإنه يستنيب من يرمي عنه ولا شيء عليه (اور اسی طرح وہ شخص جو بذات خود رمی کرنے سے عاجز ہو مرض کی وجہ سے یا اس جیسے عذر کی وجہ سے تو وہ نائب بنائے گا ایسے آدمی کو جو اس کی جانب سے رمی کرے اور اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔) (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۶/۲۲۵) وفي الولوالجية المريض لو وضع في يده ثم رمى عنه أو رمى رجل عنه أجزاه إن لم يقدر بنفسه (اور الولوالجیہ میں ہے کہ اگر مریض ہاتھ میں رکھ دیا جائے پھر اس کی جانب سے رمی کرے، یا کوئی دوسرا آدمی اس کی جانب سے رمی کرے تو وہ کافی ہے اگر بذات خود وہ قادر نہیں ہے۔) (فتاویٰ تاتارخانیہ ۲/۴۹۳)

صورت مسئولہ میں وہ لوگ محصر ہیں بشرطیکہ یہ احصار وقوف عرفہ سے پہلے ہوا ہو، اگر وقوف عرفہ کے بعد یہ صورت پیش آئے تو یہ احصار نہ ہوگا اور اس نے اگر صرف حج کا یا عمرہ کا احرام باندھا ہے تو کسی شخص کو ایک دم یا دم کی

قیمت دے تاکہ وہ اس کی طرف سے حرم میں ذبح کردے اور بعد ذبح یہ حلال ہو جائے، اس کے بعد اس کو آنے والے سال میں قضا کرنی ہوگی چاہے حج فرض ہو یا نفل، یا حج ہو، یا دل حج ہو یا فاسد حج ہو یا غلام، البتہ غلام پر قضا کا ادا کرنا آزاد ہونے کے بعد ہوگا۔ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

واما وجوب قضاء ما احرم به بعد التحلل الخ (بدائع الصنائع ۱۸۲/۲)

ابن قدامہ تحریر کرتے ہیں: أجمع أهل العلم على أن المحرم إذا حصره عدو من المشركين أو غيرهم فمنعوه الوصول إلى البيت ولم يجد طريقا آمنا فله التحلل وقد نص الله سبحانه بقوله "فإن أحصرتم فما استيسر من الهدى" وثبت أن النبي ﷺ أمر الصحابة يوم حصروا في الحديبية وأن ينحروا ويحلقوا ويحلوا سواء كالإحرام بحج أو عمرة أو بهما في قول إمامنا وأبي حنيفة والشافعي وحكي عن مالك أن المعتمر لا يتحلل لأنه لا يخاف الفوات.

اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ محرم جب اس کو مشرکین میں سے کسی دشمن نے یا ان کے علاوہ نے گھیر لیا اور وہ بیت اللہ تک جانے سے روک دیئے گئے ہوں اور نہ کوئی مامون راستہ پاتے ہوں تو اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی صراحت کی ہے اپنے قول: "فإن أحصرتم فما استيسر من الهدى" میں۔ اور یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو اس دن جس دن حدیبیہ میں وہ محصور ہوئے تھے حکم دیا کہ نحر کریں، حلق کرائیں اور حلال ہو جائیں خواہ احرام حج، یا عمرہ ہو، یا دونوں کا ہو، ہمارے امام کے قول کے مطابق اور ابوحنیفہ اور امام شافعی کے قول کے مطابق۔ اور امام مالک سے بیان کیا گیا ہے کہ معتمر حلال نہیں ہوگا، اس لئے کہ فوات کا خوف نہیں ہے (المغنی والشرح ۳۷۱/۳)۔

حضرت گنگوہی فرماتے ہیں: "جو شخص محصر ہو گیا اور حلال ہونا چاہتا ہے تو پھر وہ حرم میں ذبح کر کے حلال ہو لیتا ہے تو قضا اس کے ذمہ واجب ہوتی ہے (زبدۃ ص ۳۳۵)۔

نیز علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اگر وہ فرض کا احرام باندھے ہوئے تھا اور محصر ہو گیا تو بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک فریضہ ساقط ہوگا اس کو قضا کرنی ہوگی اور اگر نفل ہے تو اس میں ان کا اختلاف ہے

"ولكن لم يسقط الفرض عنه بل هو باق في ذمته باتفاق العلماء، ولو كان قد أحرم ما يتطوع من حج أو عمرة فأحصر فهل عليه قضاؤه؟ على قولين مشهورين هما روايتان عن أحمد أشهرهما عنه أنه لا قضاء عليه وهو قول مالك والشافعي والثاني عليه القضاء وهو قول أبي حنيفة وكل من الفريقين احتج بعمرة القضية هؤلاء قالوا اقتضاها النبي ﷺ وأولئك قالوا لم يقضها المحصرون معه.

اور لیکن فرض اس کی جانب سے ساقط نہیں ہوگا بلکہ وہ اس کے ذمہ میں باقی ہے، اور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ اور اگر نفلی حج، یا عمرہ کا احرام باندھا، پھر محصر ہو گیا تو کیا اس پر اس کی قضاء ہے؟ تو دو مشہور قول ہیں اور امام احمد

سے دو روایت ہے ان دونوں میں سے مشہور روایت یہ ہے کہ اس پر قضا نہیں ہے اور یہی قول امام مالکؒ اور شافعیؒ کا ہے، اور دوسرا قول اس پر قضاء ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے، اور دونوں فریقین میں سے ہر ایک نے عمرہ قضا سے استدلال کیا ہے، ان لوگوں نے کہا کہ آپؐ نے اس کی قضاء کی ہے اور ان لوگوں نے کہا ہے کہ آپؐ کے ساتھ محصورین نے اس کی قضا نہیں کی ہے (فتاوی ابن تیمیہ ۲۲۶/۲۶)۔

یہ دم احصار اور اس کے ساتھ سارے دم حرم کے ساتھ خاص ہیں بالاتفاق جیسا کہ درج ذیل عبارت دلالت کرتی ہے:

وفسر القدوری ــــــــ ثم هذا الدم وجميع مايجب من الدماء يختص جواز ها بالحرم باتفاق بين العماء

اور قدوری نے تفسیر کی ہے کہ پھر یہ دم اور دوسرے تمام دم جو واجب ہوتے ہیں باتفاق علماء اس کا جواز حرم کے ساتھ خاص ہوتا ہے (فتاوی تاتارخانیہ ۵۳۶/۲)۔

جمہور فقہاء وائمہ کی دلیل فرمان باری تعالیٰ: فإن أحصر تم فما استيسر من الهدى ولا تحلقوا رؤسكم حتى يبلغ الهدى محله" ہے، جس سے مراد حرم ہے مگر امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک محلّہ سے مراد موضع حصر ہے مفتی ظفر احمد صاحب عثمانی تحریر کرتے ہیں:

"اختلف السلف في المحل ماهو فقال عبدالله بن مسعود وابن عباس و عطاء وطاؤس ومجاهد والحسن وابن سيرين هوا لحرم وهو قول أصحابنا والثورى وقال مالك والشافعى محله وموضع الذى أحصر فيه فيذبحه ويحل.

محل کے سلسلہ میں سلف میں اختلاف ہے کہ وہ کیا ہے۔ تو عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، عطاء، طاؤس، مجاہد، حسن اور ابن سیرین نے فرمایا کہ وہ حرم ہے، اور یہی قول ہمارے اصحابؒ اور امام ثوریؒ کا ہے، اور امام مالکؒ اور شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کا محل وہ جگہ ہے جس میں وہ احصار کیا گیا ہے، پس وہ اس کو ذبح کرے گا اور حلال ہو جائے گا۔ (احکام القرآن للشیخ ظفر احمد عثمانی ۳۰۲/۱)۔

رمی نحر و حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے، اگر بغیر عذر ترتیب ٹوٹ جائے گی تو دم دینا ہوگا۔

وأما الترتيب بينه وبين الرمى فسنة .

ا۔ بہرحال ترتیب تو اس کے اور رمی کے درمیان سنت ہے (رد المحتار علی الدر ۵۱۷/۲)۔

ولو ترك شيئا من الواجبات بعذر لا شيء عليه على مافى البدائع .

اور اگر واجبات میں سے کسی چیز کو عذر کی وجہ سے چھوڑ دیا تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے، جیسا کہ بدائع میں ہے۔

نیز علاؤ الدین حصکفی تحریر فرماتے ہیں:

فيجب في يوم النحر أربعة أشياء الرمى ثم الذبح لغير المفرد ثم الحلق ثم الطواف .

نحر کے ان چار چیزیں واجب ہوتی ہیں رمی، پھر مفرد کے علاوہ کیلئے ذبح، پھر حلق، پھر طواف" (رد المحتار علی الدر ۵۵۵/۲)۔

وروی عن النبی ﷺ انه قال اول نسکنا فی یومنا هذا الرمی ثم الذبح ثم الحلق
آپ ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا آج ہمارے حج کے احکام میں سب سے پہلے رمی، پھر ذبح پھر حلق (بدائع ۱۵۸/۲)۔

وجوب ترتیب سے متعلق نص قرآنی: فکلوا منها واطعموا البائس الفقیر ثم لیقضوا تفثهم رتب قضاء التفث وهو الحلق علی الذبح.

بدون احصار کے اگر ذبح سے قبل حلق کرا لیا جائے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دم واجب ہوگا اور صاحبین و دیگر ائمہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں دیگر ائمہ کی دلیل "اذبح ولا حرج" ہے مگر احناف کے دلائل قوی ہیں اور اسی پر فتوی ہے، چنانچہ حتی المقدور ترتیب کی رعایت کرنی چاہیے، سعودیہ حکومت کی طرف سے جو کمپنیاں اس کام پہ مامور ہیں وہ بطاقہ (کارڈ) دیتے وقت تعین کر دیتی ہیں اس لئے اس وقت کے بعد ہی کچھ انتظار کر کے حلال ہو جانا چاہیے، نیز مدرسہ صولتیہ میں بھی اس ترتیب کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اس لئے اولا تو حاجی صاحبان کو خود ہی منحر پہونچ کر قربانی کرنی چاہیے، اگر خود نہ کر سکیں تو ان محتاط اداروں کے سپرد کر دینا چاہیے پھر بھی اگر کسی وجہ سے ترتیب ساقط ہو گئی تو ہم ناقص میں یہ بات آتی ہے کہ صاحبین کے قول مرجوح کے مطابق صحیح ہو جائے گا، لیکن بہتر یہ ہے کہ اس قول کا انشاعت کیا جائے، کیوں کہ اس کی بنیاد پر امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح یکسر فراموش ہو سکتا ہے۔

۹۔ صاحب تنویر الابصار شارح درمختار فرماتے ہیں کہ دم قران وتمتع وجنایت حاجی (مامور) پر ہوگا۔

ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع"
قران تمتع اور جنایت کا دم حج کرنے والے پر ہے اگرچہ آمر نے اس کو تمتع اور قران کی اجازت دی ہے۔
علامہ شامی اس کی وجہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

اما الأول فلأنه وجب شكرا على الجمع بين النسكين وحقيقة الفعل منه وإن كان الحج يقع عن الآمر لأنه وقوع شرعي لا حقيقي.

بہر حال پہلا تو اس لئے کہ وہ حج وعمرہ کو جمع کرنے پر شکرانے کے طور پر واجب ہوا ہے، اور فعل کی حقیقت بھی اسی سے وابستہ ہے، اگرچہ حج آمر کی طرف سے ادا ہوا، اس لئے کہ یہ وقوع شرعی ہے نہ کہ حقیقی (رد المحتار علی الدر المختار ۶۱۱/۲)۔

مامور جو دم دیتا ہے وہ دم شکر ہے اور چونکہ یہ فعل حج واقعۃ اسی سے صادر ہوا ہے، اسلئے دم شکر بھی حج بدل کرنے والا دے گا۔ مفتی رشید احمد صاحب بھی یہی تحریر فرماتے ہیں "غیر کی طرف سے حج کرنے والے مامور کو افراد کرنا چاہیے، آمر کی اجازت سے تمتع وقران بھی کر سکتا ہے مگر دم شکر مامور پر ہوگا اور آمر بخوشی دم شکر کی قیمت ادا

کردے تو جائز ہے (احسن الفتاوی ۴/۵۱۳) حضرت گنگوہی لکھتے ہیں: "دم قران اپنے مال سے دے آمر کے مال سے درست نہیں، ہاں اگر آمر اس سے نہ لے تو کچھ حرج نہیں (زبدۃ ص ۲۵۵) آخوند جان کی عبارت سے حج بدل کرنے والوں کے لئے بڑی سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "امر الالائق ایک تفویض کند امر بسوئے مامور گوید از من حج کمن بہچہ کیف باشد خواہ افراد خواہ قران وتمتع" (حاشیہ زبدۃ ۲۵۷) آمر کو چاہیے کہ اپنے مامور کو ہر طرح اجازت دے دے کہ میری طرف سے جا کر حج کرو، جس طریقے سے بھی تیری مرضی اور سہولت ہو، حج افراد و حج تمتع و قران جو بھی کرو تو اس سے حج آمر کا ہو جائے گا، اگرچہ تمتع ہی کرے۔

حج کے مسائل کے ایک زبردست عالم مولانا شیر محمد صاحب سندھی کے نزدیک حج بدل میں تمتع نہ کرنا ہی بہتر ہے، لکھتے ہیں کہ "پھر بھی احتیاط اس میں ہے کہ حج بدل میں تمتع نہ کیا جاوے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے (زبدہ میں اضافہ مفیدہ ۲۵۶) حاشیہ معلم الحجاج ص ۲۷۷ کی عبارت بھی مذکورہ حکم کی تائید کرتی ہے۔ "بدل کرنے والے کو آمر کی بلا اجازت تو تمتع کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے، لیکن اگر آمر تمتع کی اجازت دیدے تو بعض علماء جائز کہتے ہیں، مگر محققین کی رائے یہی ہے کہ حج بدل کرنے والے آمر کی اجازت سے بھی تمتع نہیں کرسکتے اگر تمتع اجازت سے کرے گا تو گو ضمان نہ ہوگا لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا، ملا علی قاری نے شرح لباب میں اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے زبدۃ المناسک میں عدم جواز ہی کو اختیار کیا ہے اور حضرت الاستاد مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی شارح سنن ابی داؤد (بذل المجہود) بھی عدم جواز ہی کا فتوی دیتے تھے، اسلئے حج بدل والوں کو محض سہولت اور احرام کی طوالت سے بچنے کے لئے تمتع کرکے آمر کے حج کو خراب نہ کرنا چاہیے کہ بدل کرنے والے کو خاص طور سے ہدایت کردے کہ تمتع نہ کرے۔

۱۰۔ ایک عورت کو طواف زیارت بحالت حیض ونفاس کرلینا چاہیے اور بعد میں بدنہ دے دینا چاہیے "فمن طاف للزيارة جنبا أو لم يعد فعليه بدنة.

جس شخص نے حالت جنابت میں طواف زیارت کیا اور نہیں لوٹایا تو اس پر بدنہ ہے (فتاوی سراجیہ علی ہامش قاضی خان ۱/۲۰۵)۔

چونکہ طہارت شرط وجوب ہے اس لئے بدنہ سے اس کی کفایت ہو جائیگی، شامی شرح حسامی ص ۱۹۷ پر مذکور ہے:

"أي لم يجعل علماءنا الطهارة شرطا في طواف الزيارة حيث لا يجوز بدونها".

یعنی ہمارے علماء نے طہارت کو طواف زیارت کے لئے شرط نہیں بنایا اس اعتبار سے کہ اس کے بغیر جائز نہیں ہوگا۔

علامہ ابن نجیم مصری "الاشباہ والنظائر" میں لکھتے ہیں: قال ابن نجيم ولم يجعل للحج إلا ركنين الوقوف والطواف وكذلك. قال بعض الحنفية إن الطهارة ليست واجبة في الطواف بل سنة

—— وعلى قول هؤلاء فلايحرم الزيارة ولم يشترط الطهارة له (الاشباہ والنظائر/۱۲۹)۔

ابن نجیم نے کہا کہ حج کے لئے صرف دو رکن ہیں، وقوف اور طواف اور اسی طرح بعض حنفیہ نے کہا کہ طہارت طواف میں واجب نہیں ہے کہ بلکہ سنت ہے، —— اور ان لوگوں کے قول پر طواف زیارت حرام نہیں ہوگا، اور نہ طہارت کو اس کے لئے شرط قرار دیا ہے۔

نیز علامہ کاسانی کی بھی تحریر ملاحظہ ہو:

فالطهارة عن الحدث والجنابة والحيض والنفاس فليست بشرط لجواز الطواف وليست بفرض عندنا بل واجبة حتى يجوز الطواف بدونها وعند الشافعي فرض لايصح الطواف بدونها ولنا قوله تعالى: وليطوفوا بالبيت العتيق.

ہمارے نزدیک حدث، جنابت، حیض اور نفاس سے پاک ہونا طواف کے جائز ہونے کے لئے شرط نہیں ہے اور نہ ہی کوئی فرض ہے، بلکہ واجب ہے اس کے بغیر بھی طواف جائز ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے، اس کے بغیر طواف صحیح نہیں ہوگا۔ اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا قول: "و لیطوفوا بالبیت العتیق"۔

زبدۃ کے حاشیہ پر بھیلا کی عبارت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے:

ذكر ابن أمير الحاج في منسكه امرأة حاضت قبل طواف الزيارة وعزم ركبها على القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف أم لا؟ وهل إذا طافت يتم حجها أم لا؟ قالوا يقال لها لا يحل لك دخول المسجد فإن دخلت وطفت أثمت وصح طوافك وعليك ذبح بدنة وهذه المسئلة كثيرة الوقوع فتتحير فيها النساء.

ابن امیر الحاج نے اپنے منسک میں ذکر کیا ہے کہ ایک عورت طواف زیارت سے پہلے حائضہ ہوگئی اور اب اس کا قافلہ کوچ کرنے کو ہے تو کیا وہ طواف کرے گی، یا نہیں؟ اگر طواف کرتی ہے تو اس کا حج پورا ہوا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ لوگ اس سے کہیں گے کہ تیرے لئے مسجد میں داخل ہونا حلال نہیں، پس اگر تو داخل ہوگئی اور طواف کرلیا تو گنہگار ہوگی اور طواف صحیح ہوگیا اور تجھ پر بدنہ لازم ہوگیا یہ مسئلہ کثیرۃ الوقوع ہے جس میں عورتیں اکثر پریشان رہتی ہیں۔

مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ لکھتے ہیں کہ کتب حنفیہ میں اس اشکال کا کوئی صریح حل احقر کی نظر سے نہیں گذرا، البتہ علامہ ابن تیمیہ نے اس کا یہ حل بیان کیا ہے ایسی عورت ناپاکی ہی میں طواف کرے اور امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق دم وغیرہ اس کی تلافی کرے (درس ترمذی ۳/۲۱۸)، ابن تیمیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

فأجاب الحمد لله العلماء لهم في الطهارة هل هي شرط في صحة الطواف؟ قولان مشهوران أحدهما أنها شرط وهو مذهب مالك والشافعي وأحمد في إحدى الروايتين والثاني ليست بشرط وهو مذهب أبي حنيفة وأحمد في الرواية الأخرى، فعند هؤلاء لو طاف جنبا أو

محدثا أو حاملا للنجاسة أجزاه الطواف وعليه دم وأبو حنيفة يجعل الدم بدنة إذا كانت حائضا أو جنبا فهذه التي لم يمكنها أن تطوف إلا حائضا أدنى ما يعلم فإن الحج واجب عليها ولم يقل أحد من العلماء أن الحائض يسقط عنها الحج وليس من أقوال الشريعة أن تسقط الفرائض للعجز عن بعض ما يجب فيها كما لو عجز عن الطهارة في الصلاة (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۶_۲۳_۲۲۲)۔

پس اس نے جواب دیا اور تمام تعریف اللہ کے لئے ہے، طہارت کے بارے میں کہ کیا یہ صحت طواف کے لئے شرط ہے؟ یا نہیں؟ علماء کے دو مشہور قول ہیں ان دونوں میں کا ایک تو یہ ہے کہ طہارت شرط ہے، اور یہی مذہب ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا اور امام احمدؒ کی دو روایتوں میں سے ایک، اور دوسرا قول یہ ہے کہ شرط نہیں ہے، اور یہ مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ کا اور امام احمدؒ کی دوسری روایت ہے، لہذا ان لوگوں کے نزدیک اگر حالت جنابت، یا حدث، یا نجاست کی حالت میں طواف کیا تو اس کا طواف کافی ہے، اور اس پر دم ہے، اور ابوحنیفہؒ نے دم میں بدنہ کو متعین کیا ہے جب حائضہ یا جنبی ہو، لہذا اس کو طواف کرنا ممکن نہیں مگر حالت حیض میں اس لئے کہ وہ عذر سے زیادہ قریب ہے، کیونکہ حج اس پر واجب ہے، اور علماء میں سے کسی نے نہیں کہا کہ حائضہ سے حج ساقط ہو جاتا ہے، اور نہ اقوال شریعہ میں سے کہ فرائض بعض ایسے عذر کی وجہ سے جو فرائض میں واجب ہوتا ہے، ساقط ہو جاتے ہیں، جیسا کہ نماز میں طہارت سے عاجز ہونے کی صورت میں۔

مذکورہ حکم مغنی ابن قدامہ اور اس کی شرح سے بھی معلوم ہوتا ہے:

الطهارة من الحدث والنجاسة والستارة شرائط لصحة الطواف في ظاهر المذهب وهو قول مالك والشافعي وعن أحمد أن الطهارة ليست شرطا فمتى طاف للزيارة غير متطهر أعاد ما كان بمكة فإن خرج إلى بلده جبره بدم ——— وقال أبو حنيفة ليس شيء من ذلك شرطا واختلف أصحابه فقال بعضهم هو واجب وقال بعضهم هو سنة لأن الطواف ركن للحج فلم تشترط له الطهارة كالوقوف (مغنی وشرح ۳۹۸/۳)۔

ظاہر مذہب میں طہارت صحت طواف کی شرطوں میں سے ہے یہی قول امام مالک اور امام شافعیؒ کا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک طہارت شرط نہیں ہے، لہذا اگر کوئی شخص بغیر طہارت کے طواف زیارت کرتا ہے تو جب تک کہ مکہ میں رہے اس طواف کا اعادہ کرے لیکن اگر وہاں سے نکلے تو اس کی تلافی دم سے ہوگی، حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ طہارت شرط نہیں ہے، اس کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ وہ واجب ہے، یا سنت تو بعضوں نے واجب اور بعضوں نے سنت کا قول اختیار کیا ہے، کیوں کہ طواف حج کا رکن ہے جس میں طہارت کی شرط نہیں ہے، جیسا کہ وقوف میں۔

نیز مفتی رشید احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اگر حاجی نے طواف زیارت نہ کیا اور پھر عمر بھر ادا نہ کر سکا تو

اس پر مرض الموت میں ایک بدنہ یعنی ایک اونٹ، یا گائے حرم میں ذبح کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے (احسن الفتاوی ۴/۵۲۹)۔

اس سلسلہ میں علامہ شامی کی تحریر بھی ملاحظہ ہو:

قال في الشامية ــــ فلو مات قبل فعله فقد ذكر بعض المحشين من شرح اللباب للقاضي محمد عيد عن البحر العميق أنهم قالوا إن عليه الوصية ببدنة لأنه جاء العذر من قبل من له الحلق الخ.

شامی میں کہا ہے ــــ کہ اگر اس کے کرنے سے پہلے مرگیا تو بعض محشی حضرات نے شرح اللباب للقاضی محمد عید عن البحر العمیق سے ذکر کیا ہے کہ فقہاء نے کہا کہ اس پر بدنہ کی وصیت ہے، اس لئے کہ یہ عذر آیا ہے اس شخص کی جانب سے جس کے لئے حلق ہے۔

نیز صاحب ہدایہ کی عبارت سے بھی بدنہ اور حرم دونوں کا اثبات ہو رہا ہے: ولو رجع إلى أهله وقد طاف جنبا عليه أن يعود وإن لم يعد بعث بدنة أجزأه ۔ لفظ بعث دلالت کرتا ہے کہ وہ بدنہ حدود حرم میں ذبح کیا جائے گا۔

اسی طرح فتاوی تاتارخانیہ ۲/۵۳۶ پر مرقوم ہے:

وفسر القدوري ــــ ثم هذا الدم وجميع من الدماء يختص جوازها بالحرم باتفاق بين العلماء.

اور قدوری نے تفسیر کی ہے ــــ کہ پھر یہ دم اور وہ تمام دم جو واجب ہوتے ہیں ان کا جائز ہونا خاص ہے حرم کے ساتھ بالاتفاق۔

ساتھ ہی مفتی ظفر احمد صاحب عثانی کی تحریر بھی پیش ہے: "ولذلك اتفق الأئمة في سائر الهدى أن لا ينحر إلا في الحرم غير دم الإحصار" اور اسی وجہ سے تمام ائمہ متفق ہیں کہ تمام ہدی حرم ہی میں نحر کئے جائیں سوائے دم احصار کے (احکام القرآن ۱/۳۰۰)۔

۱۱۔ عورت عدت کی حالت میں (خواہ وہ عدت فسخ نکاح، موت، طلاق رجعی ہو یا بائن) حج کو نہیں جا سکتی، وہ عورت محصرہ ہے، چنانچہ حضرت گنگوہی بحوالہ عالمگیری تحریر فرماتے ہیں کہ "کسی عورت نے حج کا احرام باندھا اور اس کے ساتھ محرم نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کا شوہر ہے، پھر اس کا شوہر مرگیا تو وہ عورت محصرہ ہے (زبدۃ بحوالہ عالمگیری ۳۲)۔

اب اگر عورت اس احصار کی حالت میں حج کرتی ہے تو اس کے حکم کے سلسلہ پر مفتی سعید احمد صاحبؒ رقمطراز ہیں "اگر وہ اسی حالت میں حج کرے گی تو حج ہو جائے گا لیکن گنہگار ہوگی (معلم الحجاج ۸۸) لقیہ داب سے بھی یہی حکم معلوم ہوتا ہے "فإن حجت وهي في العدة جازت بالاتفاق وكانت عاصية" (حاشیہ زبدہ ص ۳۲)۔

۱۲۔ منیٰ کے مکہ مکرمہ کے ساتھ اتصال اور عدم اتصال سے مسئلہ پر کوئی فرق نہ پڑے گا اگر حاجی مکہ اس وقت پہونچتا ہے جب کہ یوم الترویہ کو چودہ دن سے کم ہے تو نماز میں قصر کرے گا، ورنہ نہیں۔ مفتی سعید احمد صاحب ''معلم الحجاج کے ص ۱۵۶'' پر لکھتے ہیں ''جو حاجی مسافر مکہ مکرمہ میں ایسے وقت آئے کہ آٹھویں تاریخ تک پندرہ روز سے کم ہے اور وہ مکہ مکرمہ میں پندرہ روز یا زیادہ کی اقامت کی نیت کرے تو اس کی نیت اقامت صحیح نہ ہوگی، وہ مسافر ہی رہے گا، کیوں کہ آٹھویں تاریخ کو وہ منیٰ اور نویں کو عرفات ضرور جائے گا۔ اس لئے ایسے شخص کو قصر کرنا چاہئے۔

۱۳۔ چونکہ فصل وعدم فصل دونوں ہی کے ساتھ روایات واحادیث بکثرت موجود ہیں، نیز غیر کے مذہب کی جانب عدول شخصی ضرورت کے تحت عبادات وطہارات کے باب میں جائز ہے، اس لئے وتر امام حرم کے ساتھ پڑھنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حج اور عمرہ سے متعلق مسائل

محمد رضوان القاسمی

دار العلوم سبیل السلام، حیدر آباد

۲،۱۔ حج و عمرہ کے قصد سے حدود میقات سے گزرنا ہو تو بالاتفاق میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے، لیکن عبادات کے علاوہ کسی اور مقصد سے، مثلاً تجارت وغیرہ کی غرض سے حدود میقات میں داخل ہونا پڑے تو اس سلسلہ میں مشہور مسلک یہی ہے کہ میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے، لیکن صورت حال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں نت نئی ایجادات نے مسافتوں کے فاصلے کم کردئے ہیں، ایک ہی دن میں کئی مرتبہ پیشہ ور حضرات، مثلاً ٹیکسی ڈرائیور، وغیرہ کو حدود میقات میں آنا اور جانا پڑتا ہے، ایسے لوگوں پر ہر مرتبہ احرام کا لزوم جس مشقت و پریشانی کا باعث ہوگا، وہ محتاج بیان نہیں، اس لئے اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کے اس قول کو اختیار کیا جائے جو جمہور کی رائے کے موافق ہے، جسے علامہ سرخسیؒ یوں نقل فرماتے ہیں:

"وإن أراد دخولها للتجارة أو طلب غريم له فله فيه قولان في أحد قوليه لا يجب عليه الإحرام، لأن الإحرام غير مقصود لعينه بل لأداء النسك به بها، الرجل غير قاصد اداء النسك فكان الحرم في حقه كسائر البقاع فكان له ان يدخلها بغير إحرام" (المبسوط ۲/۱۶۷)۔

امام ابوحنیفہ کے اس قول سے، واضح ہے کہ ایسے پیشہ ور حضرات جن کا بار بار حدود میقات میں داخل ہونا ہو، احرام باندھنا ضروری نہیں ہے، لہذا دفع حرج کی خاطر موجودہ حالات میں امام صاحبؒ کے اس قول کو اختیار کیا جائے تو قرین صواب ہوگا۔

۲،۳۔ تمتع و قران کے سلسلہ میں مسئلہ یہی ہے کہ مکی کے لئے تمتع کی بالکل گنجائش نہیں، البتہ قران کرنا چاہے تو کراہت کے ساتھ اس کی گنجائش ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

إن أهل مكة ومن في حكمهم لا يتصور منهم التمتع و يتصور منهم القران، لكن مع الكراهة، (شامی ۲/۲۱۵)۔

علامہ شامی کے کلام سے معلوم ہوا کہ مکی کے لئے افراد ہی بہتر ہے، لیکن مکی کیلئے تمتع کی گنجائش نہ دینے کی صورت میں بالخصوص موجودہ زمانہ میں جس قدر مشقت و حرج ہے، وہ ظاہر ہے، کہ اشہر حج میں ناگزیر حالات میں میقات سے باہر جانے کی پابندی نہیں لگائی جاسکتی، کیوں کہ ضروریات زندگی انسان کے ساتھ ہر وقت لگی ہوتی ہے، اس لئے کسی شدید ضرورت کی بناء پر میقات سے باہر جانے کی نوبت آئے اور اسی سال حج کا ارادہ ہو تو مکی کو تمتع کی اجازت دینا مناسب ہوگا، جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کی رائے ہے،

وإن خرج المقيم بمكة سنة لحاجة في أشهر الحج ثم دخل محرما بعمرة ندب أن لا

تلزمه" (کتاب الخلیل ۲/۶۳)۔

۵۔ متمتع آفاقی شخص اپنے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد از روئے شریعت کسی اور عمل میں مشغول نہیں ہے، اور نفس عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کرنا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، علامہ نووی کا بیان ہے:

ثم المعتمران كان متمتعا أقام بمكة حلالا يفعل ماأراد من الجماع وغيره ماكان عليه حرام بالإحرام فإذا أراد أن يعتمر تطوعا كان له ذلك ويستحب الإكثار من الاعتماد، (کتاب الایضاح فی مناسک الحج والعمرة ۴۶۳)۔

۶۔ الف، ب: اگر کوئی شخص کسی عذر کی بناء پر رمی نہ کر سکے تو رمی کے لئے کسی کو نائب بنانا درست ہے، کیوں کہ جب پورے حج میں نیابت درست ہے تو رمی حج کا ایک رکن ہے، اس میں عذر کی بناء پر نائب بنانا بدرجہ اولی درست ہوگا، جیسا کہ علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں، ومن كان مريضا لا يستطيع الرمي يوضع في يده و يرمي بها أو يرمي عنه غيره،،، (فتح القدیر ۲/۴۹۸)۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ طاقتور اور جوان محض مرض کے احتمال و وہم یا ازدحام کی وجہ سے تن آسانی کے لئے نائب نہ بنائیں، بلکہ مشقت بھی ہو تو وقت مستحب کی بجائے ایسے جائز وقت کا انتخاب کرنے کی کوشش کریں، جس میں رمی مباح قرار دی گئی ہے، جیسے غروب آفتاب سے دوسرے دن طلوع صبح سے پہلے تک کا وقت۔

۷۔ اول تو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اس طرح کے قوانین جو اجتماعی سہولت اور نظم و نسق کی اصلاح کے لئے بنائے گئے ہیں اس کی خلاف ورزی سے بچنا چاہئے، تاہم احرام باندھ لیا اور پولیس نے ارکان حج ادا کرنے سے روک دیا تو یہ "محصر" سمجھا جائے گا، اس احصار کی وجہ سے حلال ہونے کے لئے جو دم دیا جائے گا، اسے حرم بھیجنا ضروری ہے، اور بعد میں اس کی قضاء بھی اس کے ذمہ لازم ہوگی، چنانچہ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

المحصر في عرف الشرع هو اسم لمن أحرم ثم منع عن المضي في موجب الإحرام سواء كان المنع من العدو أو المرض أو الحبس و غيرها من الموانع " (بدائع ۲/۱۷۵-۱۷۷)۔

وحكمه في الشرع ان يتحلل بشاة يبعثها إلى الحرم فقد ذبح هناك" (فتاوی تاتارخانیہ ۲/۵۳۵)

۸۔ یوم نحر کے اس میں امام ابوحنیفہؒ ترتیب کو واجب قرار دیتے ہیں اور ترک ترتیب پر دم لازم قرار دیتے ہیں، صاحبینؒ (امام ابویوسفؒ اور محمدؒ) کے نزدیک ان افعال میں تقدیم وتاخیر سے دم لازم نہیں، چنانچہ صاحب اللباب لکھتے ہیں:

"ومن أخر الحلق عن وقته حتى مضت أيام النحر فعليه دم عند أبي حنيفة و كذلك إن أخر الطواف عنده عنها، وقالا لاشيئ عليه، و كذلك الخلاف في تأخير الرمي وفي تقديم

نسک علی نسک" (اللباب فی شرح الکتاب ۱/۲۱۰)۔

آج کل احکام حج سے ناواقفیت، قربانی گاہ کی دوری کے تحت، قربانی کے اختیاری نظام میں سہولت کے تحت ان افعال میں ترتیب کا لحاظ دشوار ہوتا ہے، اس لئے موجودہ زمانہ میں صاحبین کے قول کے مطابق ان افعال حج میں ترتیب کا واجب نہ ہونا زیادہ قرین مصلحت نظر آتا ہے۔

۹۔ (الف): آمر نے مامور کو صراحۃً تمتع کی اجازت دی ہو تو مامور آمر کی طرف سے تمتع ادا کر سکتا ہے، "ودم القران والتمتع والجنایات علی الحاج إن أذن له الآمر بالقران و التمتع ، وإلا فیصیر مخالفا فیضمن (تاتارخانیہ ۲/۵۲۸)۔

(ب،ج): حج ایک عبادت ہے، اور عبادات میں کسی کو اختیار نہیں کہ دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے ادا کرے، لہذا آمر کی صریح اجازت کے بغیر مامور تمتع نہیں کر سکتا، چنانچہ محقق علامہ ابن ہمام کا بیان ہے:

ولا ولایة للحاج فی إیقاع نسک عنه لم یأمره به، ألا تری لو لم یأمر بشیء لم یجز أداؤه عنه فکذا لم یأمره بالعمرة" (فتح القدیر ۳/۱۵۳)۔

(د): آمر کی اجازت کے بغیر تمتع درست ہی نہیں، اگر آمر کی اجازت سے تمتع کر رہا ہو تب بھی دم تمتع آمر پر نہیں بلکہ مامور پر لازم ہوگا، کیوں کہ اصالۃً براہ راست مامور ہی تمتع سے متمتع ہو رہا ہے، جیسا کہ تاتارخانیہ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا "ودم القران والتمتع والجنایات علی الحاج إن أذن له الآمر"

(ھ): حج بدل کرنے والا اجازت سے تمتع کر سکتا ہے، لہذا قانونی اختیار سے افراد یا قران کی صورت میں جو دشواریاں پیش آسکتی تھیں، ان کا حل یہی ہے کہ آمر کی اجازت سے تمتع کرے۔

(و): اگر میت نے حج و عمرہ کی وصیت کی ہے تب تو اس کی طرف سے تمتع درست ہے، لیکن اگر وصیت نہیں کی ہے تو اس کی طرف سے تمتع کی گنجائش نہیں، کیوں کہ عبادت اجازت کے بغیر دوسرے کی طرف سے ادا نہیں کی جا سکتی، اس سلسلہ میں علامہ سرخسیؒ کے کلام سے روشنی ملتی ہے۔

لأن العمرة التی زادها لا یقع عن المیت لأنه لم یأمره بذلک ولا ولایة علیه للحاج فی أداء النسک عنه إلا بقدر أمره" (المبسوط ۴/۱۵۵)۔

۱۰۔ الف، ب، ج، د:

طواف کے لئے طہارت ضروری نہیں، بغیر طہارت کے بھی طواف درست ہے، اسی لئے حالت حیض میں عورت طواف افاضہ کرلے تو یہ فرض طواف کے لئے کافی ہوگا، البتہ حالت حیض میں طواف کرنے کی وجہ سے دم جنایت کے طور پر بدنہ کی قربانی لازم ہوگی، اور چوں کہ دم کی ادائیگی حرم ہی میں ہو سکتی ہے، اس لئے حرم ہی میں قربانی ضروری

ہوگی، چنانچہ شامی میں ہے:

"ولو هم الركب على القفول ولم تطهر فاستفت هل تطوف أم لا ، قالوا يقال لها لايحل لك دخول المسجد وإن دخلت وطفت أثمت وصح طوافك و عليك ذبح بدنة" (ارد المحتار ۲/۱۹۹)۔

"وجميع ما يجب من الدماء يختص جواز ها بالحرم" (تاتارخانیہ ۲/۵۳۶)۔

۱۱۔ شوہر کی وفات کی وجہ سے عورت اپنے افعال حج یا عمرہ کو ترک نہ کرے، بلکہ اسی حالت میں حج یا عمرہ مکمل کرے، جیسا کہ "تاتارخانیہ" کی عبارت سے واضح ہے:

"وإن لزمتها العدة بعد الخروج إلى الحج وهي مسافرة أو كانت عدة الوفاة إن كان بينها و بين منزلها مسيرة سفر فصاعدا وبينها وبين مكة دون ذلك فعليها أن تمضي عليها" (۲/۴۳۵)۔

۱۲۔ مذکورہ صورت میں اگر مکہ مکرمہ و منیٰ دونوں کو ایک ہی آبادی تصور کیا جائے تب بھی منیٰ جانے کے بعد ۱۵ دن مکمل نہیں ہورہے ہیں، تو یہ شخص مسافر کے حکم میں رہیگا، اور اگر ۱۵ دن مکمل ہورہے ہیں تو مکان واحد ہونے کا اعتبار کرکے وہ شخص مقیم ہو جائے گا، چنانچہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

إذا نوى الإقامة بمكة شهرا، ومن نيته أن يخرج إلى عرفات ومنى قبل أن يمكث بمكة خمسة عشر لايصير مقيما لأنه يكون ناويا الإقامة، مستقلة فلا يعتبر" (منحۃ الخالق علی البحر ۲/۱۴۳)۔

البتہ مکہ و منیٰ دونوں کو ایک ہی آبادی شمار کرے یا نہ کرے، اس سلسلہ میں ایک اصولی بات یہ ہے کہ شہر اور اس سے متصل آبادی کے درمیان کوئی مزرعہ وغیرہ یا قدر غلوہ کا فصل نہ ہو تو وہ آبادی اس شہر میں شامل سمجھی جائے گی، اس اصول کے مطابق مکہ و منیٰ میں اتصال ہے تو انہیں مکان واحد شمار کرنا چاہئے، ورنہ نہیں، چنانچہ فتاوی قاضی خاں میں ہے: "إن كان بينه وبين المصر أقل من قدر غلوة ولم يكن بينهما مزرعة يعتبر مجاوزة الفناء أيضا" (۱/۱۶۷)۔

۱۳۔ حرمین شریفین میں حنفی نقطہ نظر کے اعتبار سے ایک بڑی دقت یہ پیش آتی ہے کہ حرمین میں وتر کی نماز دو سلام کے ساتھ ہوتی ہے، اور احناف کے نزدیک وتر کی تین رکعات ایک ہی سلام کے ساتھ ہیں، اجتماعیت کو برقرار رکھنے اور حرم شریف میں جماعت کی فضیلت سے سرفرازی کے لئے مناسب ہوگا کہ اس مسئلہ میں مشہور حنفی فقیہ امام ابو بکر جصاص رازی کی رائے پر عمل کرلیا جائے، جو فصل کے ساتھ وتر پڑھنے والے امام کی اقتداء کو درست قرار دیتے ہیں:

لايجوز اقتداء الحنفي بمن يسلم من الركعتين في الوتر، وجوزه أبوبكر الرازي ويصلي معه بقية الوتر لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده وهو مجتهد فيه كمالو اقتدى بإمام قد رعف" (البحر الرائق ۲/۳۹)۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ کے متعلق اہم مسائل

مفتی محبوب علی وجیہی۔ رامپور

۱۔ صورت مذکورہ میں علماء احناف کے نزدیک مسئلہ تو یہی ہے کہ اگر کوئی میقات کے باہر سے آئے تو دخول مکہ کے لئے اس پر ضروری ہے کہ میقات سے احرام باندھے، لیکن وہ لوگ جو ملازمت یا کاروبار کی وجہ سے بار بار مکہ آتے اور جاتے ہیں ایسے لوگ اگر ہر بار احرام باندھ کر آئیں اور پھر عمرہ ادا کریں تو ان کے کاموں میں بڑا خلل واقع ہوگا اور اس مشقت سے نظم وانتظام درہم برہم ہو جائے گا، شریعت مطہرہ میں ایسی مشقت "حرج" مدفوع ہے۔ اور اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اصول فقہیہ جو علماء احناف نے قائم کئے ہیں وہ بھی چاہتے ہیں کہ یہ حرج دفع کر دیا جائے۔

چنانچہ الاشباہ والنظائر کے القاعدۃ الرابعہ میں ہے: المشقة تجلب التيسير (مشقت آسانی کو کھینچتی ہے) اور خود قرآن پاک میں ہے:

"يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر" (اللہ تعالیٰ تم سے آسانی چاہتا ہے اور تم سے تنگی نہیں چاہتا)۔

اور دوسری جگہ ہے: "وما جعل عليكم في الدين من حرج"

(اور دین کے سلسلہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھا)، قال العلماء تخرج على هذه القاعدة جميع رخص الشرع

(علماء نے فرمایا اسی قاعدہ کے تحت شریعت کی تمام رخصتیں نکلتی ہیں)۔

اور ہدایہ جلد اول کتاب الحج میں ہے: ومن كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته لأنه يكثر دخوله مكة وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بيّن فصار أهل مكة حيث يباح لهم الخروج منها ثم دخولها بغير إحرام لحاجتهم بخلاف ما إذا قصد أداء النسك لأنه يتحقق أحيانا فلا حرج

(اور جو شخص میقات میں رہتا ہو اس کو مکہ میں بغیر احرام کے اپنی ضرورت کی وجہ سے داخل ہونا جائز ہے، اس لئے کہ مکہ میں اس کا دخول کثرت سے ہوگا اور ہر مرتبہ احرام کے واجب کرنے میں کھلی ہوئی تنگی ہے تو اس اعتبار سے اہل مکہ کے لئے ان کی ضرورت کی وجہ سے مکہ سے خروج و دخول بغیر احرام کے مباح ہو گیا، بخلاف اس صورت کے جب کہ حج کی ادائیگی کا ارادہ کرے، اس لئے کہ اس کا تحقق کبھی کبھی ہوتا ہے تو کوئی تنگی نہیں ہے)۔

صاحب ہدایہ کی اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ جو لوگ مکہ مکرمہ اکثر آتے جاتے ہیں اور میقات کے اندر رہتے ہیں اگر ان کے لئے احرام ضروری قرار دیا جائے تو وہ تنگی و تکلیف میں مبتلا ہو جائیں گے، لہذا وہ اہل مکہ کے مثل ہیں، میقات یا اس کے اندر کے رہنے والے بلا احرام آ جا سکتے ہیں، البتہ وہ عمرہ یا حج کی نیت سے جانا چاہیں تو بلا

احرام باندھے نہیں جاسکتے، کیوں کہ یہ بھی کبھی ہوتا ہے، لہذا آج کی ضروریات اور کثرت آبادی اور تیز قسم کی تیز رفتار سواریوں نے مکہ میں آمد ورفت کو کثیر بنادیا، اور صاحب ہدایہ کی اس تعلیل کے پیش نظر ایسے لوگ جو ملازمت یا پیشہ وغیرہ کی ضرورت سے بار بار مکہ آتے جاتے ہیں انہیں احرام باندھنا معاف ہے ورنہ وہ لوگ مشقت میں پڑ جائیں گے، اور مشقت مدفوع ہے، البتہ عبادت کی نیت سے آئیں یا کبھی کبھار آنے کا اتفاق ہو تو احرام باندھ کر آئیں کیوں کہ اس میں مشقت نہیں پائی جاتی۔

۲۔ اس کا جواب پہلے سوال میں آچکا ہے اس لئے اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔

۳۔ مکی کے لئے حج تمتع اور حج قران درست نہیں ہے، کیونکہ اس کو اس کی ضرورت نہیں ہے وہ جب چاہے عمرہ کرسکتا ہے، اس کی ضرورت صرف آفاقی کے لئے ہے، کیوں کہ وہ بار بار سفر کے کثیر مصارف برداشت نہیں کرسکتا، اس لئے شریعت مطہرہ نے اس کو یہ چھوٹ دی کہ ایک ہی سفر میں وہ دو عبادتوں سے فائدہ حاصل کرسکے لیکن اگر مکی حج تمتع یا قران کرے تو اس کا حج ہوجائیگا مگر ایک دم بطور جرمانہ دینا پڑے گا۔

۴۔ وہ لوگ جو مکہ میں رہتے ہیں ان کے لئے یہ حیلہ ہے کہ یا ایسے مقام کے قصد اور نیت سے واپس آجائیں جو حل میں ہے جیسے جدہ، پھر وہاں سے بلا احرام باندھے مکہ میں داخل ہوجائیں، چنانچہ درمختار کے کتاب الحج میں ہے:

اما لو قصد موضعا من الحل (بہرحال اگر حل میں سے کسی مقام کا ارادہ کرے)۔ اور ردالمحتار میں ہے:

قصدا أوليا كخليص وجدة حل مجاوزته بلا إحرام (جیسے خلیص اور جدہ تو اس کی آمد ورفت بغیر احرام کے حلال ہے)۔ اور اگر بار بار آنا جانا پڑتا ہے تو "الضرورات تبيح المحظورات" (ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کردیتی ہیں)۔ اور وہ دلائل جو اوپر آچکے ہیں ان کی روشنی میں بلا احرام باندھے مکہ میں آسکتا ہے مزید احتیاط یہ کرے کہ ایک دم جنایت دیدے اور پھر حج کے موقع پر حج افراد کا احرام باندھ کر حج افراد ادا کرے۔

۵۔ قوی اور صحیح بات یہ ہے کہ آفاقی عمرہ سے فارغ ہوکر اگر مزید عمرہ کرنا چاہے تو حج کا احرام باندھنے سے پہلے کرسکتا ہے، چنانچہ علامہ شامی اپنی کتاب ردالمحتار صفحہ (۲۶۸) باب التمتع میں فرماتے ہیں:

تنبيه: أفاد أنه يفعل مايفعله الحلال فيطوف بالبيت مابدا له ويعتمر من العمرة في أشهر الحج وإن لم يحج (معلوم ہوا کہ وہ وہی افعال کرے جو غیر محرم کرتا ہے، چنانچہ بیت اللہ کا طواف کرے جو ہوسکے، اور حج کے مہینوں میں عمرہ کرے اگرچہ حج نہ کرے۔

۶۔ عبادات کی تین قسمیں ہے: ۱۔ بدنی ۲۔ مالی ۳۔ اور دونوں سے مرکب۔ بدنی میں نیابت کسی حال میں جائز نہیں ہے، جیسے نماز۔ عبادت مالی میں نیابت جائز ہے خواہ عذر ہو یا نہ ہو۔ اور جو عبادت دونوں سے مرکب ہے اس میں بلا عذر نیابت جائز نہیں، البتہ عذر میں حج جائز ہے، حج اور اس کے متعلق افعال اس تیسری قسم میں داخل ہیں لہذا اس میں نیابت بعذر درست ہے، جیسے حج بدل۔ اور بلا عذر درست نہیں ہے، پس ایسے بوڑھے اور کمزور جو جمرات تک نہیں جاسکتے، یہاں تک کہ وہ سواری پر بھی نہیں جاسکتے، یا سواری جمرات تک نہیں جاسکتی تو ان کے لئے رمی میں اپنا

نائب بنانا جائز ہے۔ ایسے ہی وہ لوگ جو اپنی جسمانی بناوٹ یا کسی امراض کی وجہ سے اس مجمع کی دھکا پیل کو برداشت نہیں کر سکتے وہ بھی اپنا نائب بنا سکتے ہیں۔

الاشباہ والنظائر میں ہے: اعلم أن أسباب التخفيف في العبادات وغيرها سبعة (جان لو کہ عبادات اور غیر عبادات میں تخفیف کے سات اسباب ہیں)، اس کا دوسرا سبب یہ ہے: الثاني المرض ورخصه كثيرة (دوسرا سبب مرض ہے اور اس کی رخصتیں بہت ہیں)

اسی کے تحت بیان کیا ہے: والاستنابة في الحج وفي رمي الجمار (اور حج و رمی جمار میں نائب بنانا)۔ پس تندرست لوگ جو جمرات تک جا سکتے ہیں ان کے لئے ازدحام کے خوف سے نیابت درست نہیں ہے ایسے لوگ نائب بنائیں گے تو ان کو دم دینا پڑے گا۔ گیارہ اور بارہ تاریخ میں غروب آفتاب کے بعد بھی رمی کر سکتا ہے گو فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے، مگر فی زمانہ حجاج کی کثرت اور وقت کی کمی کو دیکھتے ہوئے کراہت کا قول بھی مرتفع ہو جاتا ہے۔ عذر کی حد یہ ہے کہ ایسی بیماری اور کمزوری کہ جمرات تک نہ جا سکے۔

الف: عذر کی حالت میں دوسرے کو نائب بنانا جائز ہے۔

ب: ہر شخص کے لئے نائب بنانا جائز نہیں ہے اور نہ بھیڑ کے خوف سے نائب بنانا جائز ہے، معذوری کی حد یہ ہے کہ بیماری یا کمزوری کہ جمرات تک نہ جا سکے۔

۷۔ یہ لوگ اگر حالت احرام میں پکڑ لئے جائیں تو ان کے لئے محصر کا حکم ہے اور ان پر ہدی بھی نہیں ہے۔

کما فی الشامی: واعلم أن كل من منع عن المضي في موجب الإحرام لحق فإنه يتحلل بغير الهدى فإذا أحرمت المرأة أو العبد بلا إذن الزوج أو المولى فلهما أن يحللهما في الحال كما سيأتي بيانه في آخر الحج ولا يتوقف على ذبح.

(اور جان لو کہ جس کو کسی حق کی وجہ سے موجب احرام میں گزرنے سے روک دیا جائے تو وہ بغیر ہدی کے حلال ہو جائے گا، جب عورت یا غلام شوہر یا آقا کی اجازت کے بغیر احرام باندھیں تو ان دونوں کو چاہئے کہ فوراً حلال ہو جائیں جیسا کہ اس کو بیان حج کے اخیر میں آئے گا اور ان کا حلال ہونا ذبح کرنے پر موقوف نہیں ہوگا)۔

چونکہ یہ لوگ اس واسطے گئے ہیں جو کام کرنے کے لئے ہے حج اور عمرہ کرنے کے لئے نہیں ہے ان کو اپنا کام بلا اجازت اس شخص کے جس کے یہ ملازم ہیں چھوڑنا جائز نہیں ہے، نہ ان کو حکومت کی بلا اجازت اس مقام کا چھوڑنا درست ہے، پس یہ بیوی یا غلام کے حکم میں ہے۔

۸۔ احناف کے نزدیک متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح، حلق میں ترتیب واجب ہے، بقیہ اماموں کے نزدیک سنت ہے، اس لئے حنفی کے لئے لازم ہے کہ ان میں ترتیب قائم رکھے ورنہ اس کو دم دینا پڑے گا۔

میرے نزدیک گورنمنٹ کی طرف سے جو ادارے یا بعض سماجی کمپنیوں کی طرف سے ادارے قربانی کی رقم جمع کرتے ہیں ان سے ذبح کا وقت طے کر لینا چاہئے، چنانچہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے اب وہ ادارہ ذمہ دار ہو گیا اور

قربانی کرنے والا بری الذمہ ہوگیا، اگر وہ اپنے وقت پر قربانی نہیں کرے گا اور یہ حلق کرائے گا تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی، اور در حقیقت یہ تحقیق بھی نہیں ہو سکتی کہ اس نے وقت معین پر قربانی نہیں کی اور وعدہ خلافی کی، پس مسلمان کو بے دلیل بد عہد اور جھوٹا قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۹۔ عام طور سے حج بدل میں بھیجنے والوں کو حج کی قسمیں معلوم ہی نہیں ہوتی ہیں اس لئے یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ تمتع کے معنی اتنے عام ہو گئے ہیں کہ اس کو عرف میں داخل کر لیا جائے۔

الف: البتہ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے۔

ب: اجازت دو قسم کی ہوتی ہے صراحۃً اور دلالۃً۔

ج: اگر دلالۃً بھی آمر کی اجازت ہو تو حج تمتع ہو جائے گا، مثلاً اگر آمر سے کہتے تو وہ اجازت دیدیتا اور کوئی تامل نہ کرتا۔

د: دم تمتع مامور کے ذمہ میں ہوگا، لیکن اگر آمر نے مصارف حج کا اس کو مالک بنا دیا تو پھر دم تمتع آمر کے مال میں سے ہوگا۔

ھ: اس کا جواب پہلے آچکا ہے کہ آمر کی اجازت سے حج تمتع جائز ہے خواہ دلالۃً اجازت ہو۔

و: بہتر تو یہی ہے کہ حج افراد کرے لیکن سفر کی صعوبت کی وجہ سے آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے۔

۱۰۔ (الف) ایسی عورت ناپاکی میں طواف زیارت کر سکتی ہے۔

(ب) اس کا رکن ادا ہو جائے گا یعنی طواف افاضہ ادا ہو جائے گا اور اس پر دم واجب ہو جائے گا۔

(ج) اس کے ذمہ بدنہ ہوگا، بکرا وغیرہ سے کام نہیں چلے گا، ایک بدنہ (گائے یا اونٹ) ذبح کرے۔

(د) اس کی ادائیگی حرم میں ہی ضروری ہے، چنانچہ شامی میں ہے:

تنبیہ: نقل بعض المحشین من منسک ابن امیر الحاج لو ھم الرکب علی القفول ولم تطہر فاستفتت ھل تطوف ام لا قالوا یقال لہا لا یحل لک دخول المسجد وإن دخلت وطفت أثمت وصح طوافک و علیک ذبح بدنۃ الخ.

(بعض محشین نے منسک ابن امیر الحاج سے نقل کیا ہے کہ اگر قافلہ واپس ہونا چاہے اور کوئی عورت اس میں پاک نہ ہو تو پوچھا کہ وہ طواف کرے گی یا نہیں تو لوگوں نے کہا کہ اس سے کہا جائے کہ تم کو مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے اور اگر داخل ہوگی اور طواف کر لیا تو گنہگار ہوگی اور طواف درست ہوگا لیکن اس پر (بدنہ) یعنی گائے یا بھینس ذبح کرنا واجب ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ وہ صاحب عذر ہے اور مجبور ہے قانون اس کے ہاتھ میں نہیں ہے نہ نظم اس کے اختیار میں ہے لہذا اس کو بتایا جائے کہ وہ طواف کرے اور ایک بدنہ ذبح کرے اور گھر کو جائے ان شاء اللہ گنہگار بھی نہ ہوگی۔

۱۱۔ درحقیقت جس کے شوہر کا انتقال سفر میں ہو جائے تو اگر اس کا وطن مدت سفر سے کم ہے تو وہ وطن واپس ہو جائے اور اگر جہاں جارہی ہے مثلاً مکہ، وہ مدت سفر سے کم ہے تو وہ وہاں چلی جائے، اب اس کے لئے محصر کا حکم ہوگا، اگر احرام باندھ لیا ہے تو ہدی ذبح کرنے کے بعد وہ حلال ہو جائے، عدت گذارے اگر ممکن ہو اور عدت کے بعد وطن چلی جائے، اور اگر وہاں عدت گزارنا ممکن نہ ہو تو وطن واپس چلی جائے ہدی ذبح ہونے کے بعد، اور آئندہ وہ حج کرے۔ اگر وطن کی مسافت مدت سفر سے کم ہو اور گھر لوٹنا چاہے جب بھی ہدی ذبح کرنا ہوگی جو مکہ میں ہی ذبح ہوگی، اگر حج ادا کرے گی یا عمرہ کرے گی تو ادا تو ہو جائے گا مگر شریعت کی نظر میں اس نے نافرمانی کی۔ مگر میری رائے میں فقہ کے قواعد کلیہ اور شریعت کی آسانی پر نظر کرتے ہوئے وہ گنہگار یا نافرمان نہ ہوگی، بلکہ آج کل کے حالات کے مطابق اس کو اس کی اجازت دی جائے کہ وہ اگر مکہ میں پہونچ جائے تو ارکان ضروری ادا کرکے واپس جائے کیونکہ درمیانی طبقہ کے لوگ خصوصاً اس قدر وسعت نہیں رکھتے کہ دوبارہ حج کو آ سکیں۔

۱۲۔ اگر سعودی حکومت نے منیٰ کو مکہ میں شامل کرلیا ہے اور وہ حدود مکہ میں داخل ہو گیا ہے اور حاجی کے دونوں مقامات پر قیام کی مدت ۱۵ دن یا اس سے زائد ہو جاتی ہے تو وہ مقیم ہوگا، اور اگر حکومت نے منیٰ کو مکہ سے علیحدہ رکھا ہے تو پھر وہ مقیم نہیں ہوگا بلکہ احکام قصر اس پر جاری ہوں گے۔

۱۳۔ حنفی لوگ وتر کی نماز میں ان ائمہ کی اقتداء نہ کریں جو وتر کی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیتے ہیں پھر ایک رکعت علیحدہ سے پڑھتے ہیں، ایسے لوگ یا تو اپنی جماعت علیحدہ قائم کریں یا تنہا وتر پڑھیں، چنانچہ درمختار صفحہ (۶۲۵) پر ہے کہ بعض فقہاء کے یہاں مطلقاً اقتداء درست نہیں ہے، لما في الإرشاد من أنه لا يجوز أصلاً بإجماع أصحابنا. اور بعض اصحاب کے نزدیک ابتداءً تو اقتداء درست ہے لیکن وہ جب سلام کے ذریعہ فصل کرتا ہے تو اس کی اقتداء فاسد ہو جاتی ہے۔

اور اسی میں ہے: والسلام قاطع في اعتقاده فيفسد اقتدائه وإن صح شروعه معه إذ لا مانع منه في الابتداء (اور سلام اس کے اعتقاد کے مطابق قاطع صلوۃ ہے تو اس کی اقتداء فاسد ہو جائے گی گرچہ اس کا شروع کرنا اس کے ساتھ صحیح ہے اس لئے کہ شروع میں اقتداء سے روکنے والی کوئی چیز نہیں تھی)۔

ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ مقتدی کا اعتبار نہیں، لہٰذا اسلام کے ذریعہ فصل کرنے سے بھی فساد پیدا نہیں ہوگا، لیکن اصح قول یہی ہے کہ حنفی شافعی کے وتر میں اقتداء نہ کرے کیونکہ سلام کے ذریعہ فصل سے اقتداء فاسد ہو جائے گی۔

☆☆☆☆☆

ذریعہ، اور دوسرے ظالم بادشاہ کے ذریعہ۔

اس کی تائید امام بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے واقعہ سے کی ہے۔ حجاج بن یوسف کی ابن الزبیر کے خلاف لشکر کشی کے زمانے میں جب انہوں نے عمرہ کا ارادہ کیا تو ان سے عبیداللہ بن عبداللہ اور سالم بن عبداللہ نے کہا کہ۔

لا یضیر أن لا تحج العام إنا نخاف أن یحال بینک و بین البیت فقال.... إن حیل بینی و بینہ فعلت کما فعل النبی ﷺ۔ (بخاری ۱/۲۴۳)۔

دونوں حضرات نے کہا کہ آپ اس سال حج نہ کریں تو کوئی نقصان نہیں کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ آپ کو بیت اللہ جانے سے روک دیا جائے گا۔ اس پر ابن عمر نے فرمایا۔ اگر ایسا ہی ہوا تو میں بھی وہی کام کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا۔

اس سے صراحۃً معلوم ہو گیا کہ ابن عمر کے نزدیک دارالاسلام میں مسلم بادشاہ کے ذریعہ بھی احصار متحقق ہے۔

علامہ عینی نے امام ابو یوسف کے نقل کے برخلاف تمام احناف کا یہی قول قرار دیا ہے:

فقال قوم و ھم عطاء بن أبی رباح و إبراھیم النخعی و سفیان الثوری یکون الحصر بکل حابس من مرض أو غیرہ من عدو و کسر رجل و ذھاب نفقۃ و نحوھا مما یمنعہ عن المضی إلی البیت و ھو قول أبی حنیفۃ و أبی یوسف و محمد و زفر و روی ذلک عن ابن عباس و ابن مسعود و زید بن ثابت (عمدۃ القاری ۵/۳۸)۔

رہا ان کے احرام سے فارغ ہونے کا مسئلہ تو حنفیہ کے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی شخص کو ایک بکرے کی قیمت دے کر بھیجے جو جانور خرید کر حرم میں جا کر اس کی طرف سے مقررہ تاریخ میں ذبح کر دے، تو احرام سے فارغ ہو جائے گا، اور اگلے سال اس پر حج یا عمرہ کی قضا لازم ہوگی۔

قال ابن مسعودؓ و ابن عباسؓ یبعث وما و یحل بہ إذا نحر فی الحرم وھو قول أبی حنیفۃ و محمد أی یبعث الھدی إلی الحرم و یعین وقتا بمن یبعث علی ھدیہ للنحر و الذبح فیحل فی ذلک الوقت و یخرج عن الإحرام ویقضی من قابل . إن حجا فحج وإن عمرۃ فعمرۃ. (معارف السنن ۶/۳۴۹)۔

ابن مسعودؓ و ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قربانی کا جانور ہی بھیج دے اور اسی کے ذریعہ حلال ہو جائے جب کہ وہ حرم میں ذبح کر دے، یعنی حرم کی طرف جانور بھیج دے اور جس کو بھیج رہا ہے اسی کے ہاتھوں ذبح یا نحر کا وقت متعین کر دے پس وہ اسی وقت حلال ہو جائے گا اور احرام سے فارغ ہو جائے گا، اور اگلے سال اس کی قضا کرے۔

امام ابو یوسف نے فرمایا کہ وہ حلق بھی کرے، لیکن نہیں کرتا تو اس پر کچھ دم وغیرہ واجب نہیں ہے۔ وقال ابو یوسف یحلق. وإن لم یحلق فلا شئ علیہ (معارف السنن ۶/۳۴۹)۔

پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف کا اندیشہ ہو، اگر سوار ہو کر جمرات تک آ سکتا ہے اور مرض کی زیادتی یا تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے تو اس کو خود رمی کرنی ضروری ہے دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں، ہاں اگر سواری یا کوئی شخص اٹھانے والا نہ ہو تو معذور ہے دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے۔ (معلم الحجاج ص ۱۸۵)

لیکن ازدحام (شدید بھیڑ) نیابت رمی کے لئے عذر نہیں ہے۔ حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لکھتے ہیں:

لیکن ازدحام کی وجہ سے دوسرا شخص رمی نہیں کر سکتا، خود کنکری مارے، نہ مار سکے تو دم واجب ہوتا ہے، رات کے وقت ازدحام نہیں ہوتا، رات کو موقع پا کر رمی کرے مگر یہ وقت مکروہ ہے لیکن معذورین اور عورتوں کے لئے ازدحام کی وجہ سے بلا کراہت درست ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲۳۵/۵، ۲۳۶)۔

۷۔ حکومت کی طرف سے غیر قانونی حج وعمرہ کرنے والوں کو واپس بھیج دینا بھی احصار کے حکم میں ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

الثالث أن حكم الإحصار عام زماناً و سبباً فيحصل حكمه، بكل حابس من مرض و عدو و كسر رجل و ذهاب نفقة و نحوها مما يمنعه لمضي إلى البيت. وهذا قول ابن مسعود و رواية عن ابن عباس و به قال أصحابنا الحنفية (التعلیق الممجد علی موطا محمد ص ۲۳۷)۔

تیسرا قول یہ ہے کہ احصار کا حکم عام ہے زمانہ اور سبب کے اعتبار سے، لہٰذا احصار کا حکم ہر ایسی رکاوٹ کی وجہ سے ثابت ہو جائے گا جو بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دے۔ جیسے مرض، دشمن کا خوف، ٹانگ ٹوٹ جانا، اخراجات سفر کا گم ہو جانا، اور اسی جیسے اسباب جو بیت اللہ پہنچنے سے مانع ہوں۔ یہی حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے اور یہی روایت ابن عباس کی بھی ہے اور اسی کے ہمارے حنفی حضرات قائل ہیں۔ آگے فرماتے ہیں:

وأرجح الأقوال هو القول الثالث (ایضا) اور سب سے راجح قول تیسرا قول ہے۔

اگرچہ امام ابو یوسف نے امام اعظم سے اس مسئلہ کو دریافت کیا تو فرمایا کہ:

فأما اليوم فهي دار الإسلام فلا يتحقق الإحصار فيها ۔ آج وہ دارالاسلام ہے لہٰذا اس میں احصار متحقق نہیں (المبسوط للسرخسی ۱۱۲/۴)۔

لیکن امام ابو یوسف نے فرمایا:

وإنما أنا أقول إذا غلب العدو على مكة حتى حالوا بينه وبين البيت فهو محصر ۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ جب مکہ پر دشمنوں کا غلبہ ہو جائے اور وہ حج یا عمرہ کرنے والے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو جائیں تو وہ محصر ہے (ایضا)۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ: قال أبو عمر الإحصار عند أهل العلم على وجوه منها المحصر بالعدو. و منها بالسلطان الجائر (عمدۃ القاری ۳۸/۵)۔

ابو عمر کہتے ہیں کہ احصار اہل علم کے نزدیک چند امور کے ذریعہ ہوتا ہے ان میں سے ایک دشمن کے

کرکی کے لئے بھی تمتع اور قران دونوں درست ہیں۔ (معارف السنن ۶/۵۹،۶۰)۔

۴۔ اگر کسی شخص مکلّف بین اللہ خول والخروج میں سے ہے تو اس پر احرام کی کوئی پابندی نہیں، اور اگر اتفاق ضرورت کی بنا پر میقات سے باہر جانا پڑا ہے تو اس سے مخرج کی صورت یہ ہے کہ بلا احرام گذر جائے اور حج کا احرام کسی میقات پر واپس جا کر باندھے اور تلبیہ پڑھے اس سے دم بھی ساقط ہو جائے گا اور ارتکاب منہی عنہ کا اثم بھی مرتفع ہو جائے گا کیونکہ وہ اس ارتکاب پر مجبور تھا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ میقات کے باہر سے واپس ہوتے وقت کسی مقام حل میں قیام کا قصد کرے، پھر مکہ میں داخل ہو جائے کیونکہ وہ آفاقی کے حکم میں ہے جس کے لئے یہ حیلہ درست رکھا گیا ہے۔ (البحر الرائق ۲/۳۱۸، منحۃ الخالق علی ہامش البحر ص ۳۱۹، احسن الفتاوی ۴/۵۰۷، معلم الحجاج ۹۳)۔

۵۔ متمتع آفاقی عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کر سکتا ہے۔

وھذا المتمتع آفاقی غیر ممنوع من العمرة فجاز له تکرارھا لأنھا عبادة مستقلة أیضا کالطواف. (منحۃ الخالق علی ہامش البحر ۲/۳۶۶)۔

اور یہ متمتع آفاقی ہے جس کے لئے عمرہ ممنوع نہیں ہے پس اس کے لئے تکرار عمرہ جائز ہے کیونکہ یہ عبادت مستقلہ ہے طواف کی طرح۔

ایک سال کے اندر تکرار عمرہ کو امام اعظم اور امام شافعی نے مستحب قرار دیا ہے اور نویں ذی الحجہ سے تیرہویں ذی الحجہ تک (عرفہ سے ایام تشریق تک) مکروہ بتایا ہے، امام ابو یوسف نے یوم النحر کا استثنا کیا ہے۔ امام مالک نے ایک سال میں ایک سے زیادہ عمرہ کو مکروہ کہا ہے، امام احمد کے یہاں دس دن سے کم میں مکروہ ہے۔ (معارف السنن ۶/۳۲۳،۳۲۲)۔

إن شیخ الاسلام قال إن العمرة بین العمرتین والإکثار من العمر إنه مکروه باتفاق السلف ولھذا لا ینبغی للإنسان أن یکررھا دائما (دروس وفتاوی فی الحرم المکی ۲۴۰، محمد بن صالح عثیمین)۔

دوسری جگہ خلاف سنت بتایا ہے:

إذن ھذا التکرار أی العمرة الذی یوجد من بعض الناس خلاف السنة.

عمرہ کی تکرار کی اجازت جو بعض لوگوں کی طرف سے پائی جاتی ہے خلاف سنت ہے۔ (دروس وفتاوی فی الحرم المکی ۲۳۳)۔

۶۔ الف۔ عمل رمی میں نیابت درست ہے وإن رمی عنه أجزاه (کتاب الاصل للامام محمد ۲/۴۲۹)۔

ب: عمل رمی میں نیابت صرف مریض یا معذور کی طرف سے درست ہے۔

جہاں تک معذوری کی حد کا سوال ہے تو اس سلسلے میں مفتی سعید احمد صاحب لکھتے ہیں:

رمی کے بارے میں وہ شخص معذور اور مریض سمجھا جائے گا کہ جو کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات تک

لوٹنے کی مذکورہ بالا صورت میں بھی احرام کی پابندی نہیں ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کی ضرورۃً کثرت آمد ورفت ہو جیسے ٹیکسی ڈرائیور، تجارتی سامان لانے والے اور تجارتی کمپنیوں کے ایجنٹ یا غلہ اناج منتقل کرنے والے یا جن کی مکہ میں زمین جائداد ہو جس کے لئے بار بار آنا جانا پڑے (عمدۃ القاری ۴/۳۹۹) تو چونکہ ان کے لئے احرام کی پابندی میں مشقت ہے اس لئے وہ احرام سے مستثنیٰ ہوں گے اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ:

لو وجب الإحرام على من يتكرر دخولها أفضى إلى أن يكون جميع زمنه محرما (عمدۃ القاری ۴/۳۹۹) اگر ایسے لوگوں پر احرام واجب قرار دیا جائے تو بات یہاں تک پہونچے گی کہ ساری عمر انہیں حالت احرام میں رہنا ہوگا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

وقال أبو عمر لا أعلم خلافا بين فقهاء الأمصار في الحطابين و من يدمن الاختلاف إلى مكة و يكثره في اليوم والليلة إنهم لا يأمرون بذلك لما عليهم فيه من المشقة (عمدۃ القاری ۵/۱۰۹)۔

ابو عمر نے کہا کہ میں فقہاء امصار کے درمیان ایندھن فروخت کرنے والوں کا بار بار مکہ میں ہمیشہ آنا جانا ہوتا ہو اور رات دن اس کی کثرت رہتی ہو ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں جانتا کہ انہیں اس کا (احرام کی پابندی کا) حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس میں ان کے لئے مشقت ہے۔

۳۔ تمام علماء احناف کے نزدیک مکی کے لئے اشہر حج میں عمرہ کرنا درست نہیں۔ حافظ ابن ہمام کو مکی کے قران اور تمتع کے سلسلے میں تردد رہا کہ وہ عمرہ کر کے گنہگار ہوگا یا عمرہ بالکل ہی درست نہیں یا عمرہ درست ہے؟ پھر انہوں نے اولاً فساد کو راجح قرار دیا پھر بطلان کا قول اختیار کیا اور فرمایا کہ: إنه مقتضى كلام الأئمة. وكلامهم أولى بالاعتبار۔ کلام ائمہ کا یہی تقاضا ہے اور انہیں کے کلام کا اعتبار کرنا زیادہ بہتر ہے۔ البتہ صاحب تحفہ و غاية البيان والعناية. والسراج و شرح الاسبيجابي على مختصر الطحاوی نے صحت مع الکراہت کو اختیار کیا۔ لیکن بقول علامہ شامی بعد میں ابن ہمام نے صاحب "بحر" بدائع والشرنبلالی والقاری کی طرح اس کی مخالفت کی۔ مگر خود علامہ شامی نے "درمختار" میں مکی کے تمتع کو باطل قرار دیا، اور اس کے قران کو مع الکراہت جائز قرار دیا، اور فرمایا صاحب بدائع کے کلام سے یہی مستنبط ہوتا ہے پھر اسی موقف کو انہیں نے صراحت نہایہ اور اسرار دیوی میں دیکھا (شامی کے مطابق قران مع الکراہت التحریمہ درست ہے اور اس پر دم جبر نہ کہ دم شکر)۔

علامہ انورشاہ صاحب کشمیری نے فرمایا: هذا هو الحق عندی فإن الدليل يساعده. فإنهم صرحوا بأن الإلمام الصحيح مبطل للتمتع دون القران.

بس یہی میرے نزدیک حق ہے کیونکہ دلیل اس کی موافقت کرتی ہے فقہاء نے صراحت کی ہے کہ المام صحیح (مکہ میں آنا حل) تمتع کے لئے مبطل ہے قران کے لئے نہیں۔ لیکن امام شافعی، امام مالک، اور امام احمد کا مذہب یہ ہے

بن ابی رباح، لیث بن سعد، سفیان ثوری، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، اور ایک روایت میں امام مالک اور یہی ان کا صحیح قول ہے اور مشہور روایت کے مطابق امام شافعی، امام احمد، ابوثور اور حسن بن حی کا مذہب یہ ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے جس کی رہائش میقات کے باہر کے شہروں میں ہو یہ درست نہیں کہ مکہ میں بلا احرام داخل ہو، اگر وہ بلا احرام داخل ہو گیا تو اس نے برا کیا، پھر بھی امام شافعی اور ابوثور کے نزدیک اس پر دم واجب نہیں، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں اس پر حج یا عمرہ واجب ہے۔

اس مسئلہ میں جمہور فقہاء کے دلائل جو بلا احرام مکہ میں داخلہ کو ناجائز کہتے ہیں۔ اور مجوزین کے استدلالات کے جوابات کی بہتر تفصیل مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی نے جمع کردی ہے، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلا احرام داخلہ کا عدم جواز ہی راجح ہے۔

۲۔ حدود میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے تو مکہ میں بلا احرام داخلہ کی عام اجازت ہے۔ شیخ عبدالغنی الدمشقی لکھتے ہیں:

(ومن كان منزله بعد المواقيت) اى داخلها و خارج الحرم (فوقته) للحج والعمرة (الحل) ويجوز لهم دخول مكة لحاجة من غير إحرام (اللباب فی شرح الکتاب ۱/۱۸۰)۔

قال محمد وبهذا نأخذ الخ (مؤطا محمد ص ۲۳۰)۔

البتہ میقات کے باہر رہنے والوں کے لئے جمہور کے نزدیک بلا احرام مکہ میں داخل ہونا جائز نہیں، لیکن اگر مختلف ضروریات کے لئے انہیں کثرت سے حدود حرم میں آنا جانا پڑتا ہے تو وہ احرام کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دیئے جائیں گے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: إلا الحطابين ومن قرب منها مثل جدة و عسفان والطائف لكثرة ترددهم إليها وبه قال أبو حنيفة والليث وعلى هذا فلا دم عليه (عمدۃ القاری ۵/۱۰۹)۔

مولانا عبدالحئی لکھنوی لکھتے ہیں: ورخصوا للحطابين ومن يكثر دخولهم ولمن خرج منها يريد بلده ثم بدا له ان يرجع كما صنع ابن عمر (التعلیق الممجد ۲۱۹)۔

ایندھن فروخت کرنے والوں اور جو لوگ کثرت سے داخل ہوتے ہوں اور جو مکہ سے باہر نکل جائیں اپنے شہر جانے کا ارادہ کرکے پھر ان کو واپسی کا خیال ہو جائے تو ان سب لوگوں کے لئے فقہاء نے رخصت دی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ بخاری نے بھی نقل کیا ہے اور اس سے بلا احرام داخلہ پر استدلال کیا ہے (بخاری ۱/۲۴۹)۔

لیکن امام محمد نے کچھ تفصیل نقل فرمائی ہے: حدثنا نافع أن ابن عمر اعتمر حتى إذا كان بقديد جاءه خبر من المدينة فرجع فدخل مكة بغير إحرام۔

حضرت ابن عمرؓ نے عمرہ کیا یہاں تک کہ مقام قدید تک پہنچ گئے تو انہیں مدینہ سے (فتنہ برپا ہو جانے کی) خبر ملی، تو واپس لوٹ گئے پھر مکہ میں بغیر احرام داخل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ میقات سے باہر چلے جانے اور پھر واپس مکہ

حج وعمرہ کے چند حل طلب مسائل

* مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی

حج اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ایک اہم رکن ہے لیکن اس کے مسائل کثیر الجہات کثیر الاختلافات ہیں۔ حالات کے تغیر نے ان کو مزید گمبیر اور پیچیدہ بنا دیا ہے، اور ضرورت متقاضی ہے کہ ان کا حل تلاش کیا جائے۔ ذیل میں ایسے چند مسائل کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ا۔ اس مسئلہ میں علامہ عینی نے یہ تفصیل نقل کی ہے:

وقد اختلف العلماء في هذا الباب فقال ابن القصار واختلف قول مالك و الشافعي في جواز دخول مكة بغير إحرام لمن لم يرد الحج والعمرة فقالا مرة لا يجوز دخولها إلا بالإحرام لاختصاصها و مباينتها جميع البلدان إلا الحطابين ومن قرب منها مثل جدة والطائف و عسفان لكثرة ترددهم إليها. وبه قال أبو حنيفة والليث وعلى هذا فلا دم عليه نص عليه في المدونة وقالا مرة أخرى دخولها به مستحب لا واجب قلت مذهب الزهري والحسن البصري والشافعي في قول و مالك في رواية وابن وهب و داؤد بن علي وأصحابه الظاهرية أنه لابأس بدخول الحرم بغير احرام و مذهب عطاء بن أبي رباح والليث بن سعد والثوري وأبي حنيفة وأصحابه و مالك في رواية وهي قوله الصحيح والشافعي في المشهور عنه وأحمد وأبي ثور والحسن بن حي لا يصلح لأحد كان منزله من وراء الميقات إلى المصار أن يدخل مكة إلا بالاحرام فإن لم يفعل أساء ولا شيء عليه عند الشافعي وأبي ثور عند أبي حنيفة عليه حجة أو عمرة (عمدۃ القاری ۵/۱۰۹)

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، ابن قصار نے کہا کہ امام شافعی و مالک کے اقوال حج وعمرہ کا ارادہ نہ کرنے والے شخص کیلئے مکہ میں بلا احرام داخل ہونے کے جواز میں مختلف ہیں۔ کبھی تو ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ احرام کے بغیر مکہ میں داخل ہونا جائز نہیں، مکہ کی خصوصیت اور دوسرے شہروں سے (حکم میں) اس کے علیحدہ ہونے کی وجہ سے، البتہ مکہ اور اس کے قریب کے شہروں جدہ، عسفان، طائف سے ایندھن لا کر فروخت کرنے والوں کے لئے کثرت آمد ورفت کی وجہ سے بلا احرام داخلہ درست ہے، یہی بات امام ابوحنیفہؒ اور لیث بھی فرماتے ہیں اور اس بناء پر ان پر دم بھی واجب نہیں، مدونہ میں اس کی صراحت ہے۔ اور کبھی امام مالک وشافعی نے فرمایا کہ احرام کے ساتھ داخلہ صرف مستحب ہے واجب نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ زہری، حسن بصری، اور ایک قول میں شافعی اور ایک روایت میں امام مالک اور ابن وہب اور داؤد بن علی اور ان کے اصحاب ظواہر کا مذہب یہ ہے کہ بغیر احرام مکہ میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں، اور عطاء

امام سرخسی نے فرمایا کہ اگر محصر اپنے جانور کے ذبح ہونے سے پہلے حلال ہو جائے تو اس پر ایک اور دم واجب ہوگا۔

وان حل المحصر قبل أن ينحر هديه فعليه دم لإحلاله لأنه حل قبل أوانه (المبسوط للسرخسی ۴/۱۱۲)۔

قربانی کے علاوہ کسی اور طریقہ سے حلال نہیں ہوگا، کیونکہ نص قرآنی سے جانور کے ذریعہ ہی حلال ہونا متعین ہے لہذا اس کے علاوہ ذریعہ سے حلال نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ طواف زیارت عورت کے حلال ہونے کے لئے متعین ہے۔ لیکن اگر وہ اتنا غریب شخص ہے کہ جانور نہیں خرید سکتا تو حضرت عطاء نے اس کا طریقہ یہ بتایا کہ جانور کی قیمت کے اعتبار سے ہر مسکین کے حصے میں نصف متعین کر کے ہر مسکین کے کھانے کے بدلے میں ایک روزہ رکھے، اس طرح وہ جزائے صید کی ہدی کے درجہ میں حلال ہو سکتا ہے۔

وقال ابو یوسف في الأمالي وهذا احب إلي (المبسوط للسرخسی ۴/۱۱۳)۔

امام ابو یوسف نے "امالی" میں فرمایا کہ یہی مجھے زیادہ پسند ہے۔ امام سرخسی نے فرمایا کہ:

ويجزئه في هدي الإحصار الجذع العظيم من الضأن والثني من غيرها لما روي عن ابن عباسؓ قال فما استيسر من الهدي شاة (المبسوط للسرخسی ۴/۱۱۳)۔

اور احصار کے جانور میں بھیڑ کا بچہ اور بھیڑ کے علاوہ سے دو دانت والا (بکرا) کافی ہے کیونکہ ابن عباسؓ نے فما استیسر من الہدی کی تفسیر میں ہدی کے معنی بکری بتاتے ہیں۔

۸۔ یوم النحر میں چار مناسک حج ادا کئے جاتے (۱) رمی (۲) قربانی (۳) حلق (۴) طواف، حدیث میں چاروں اعمال اسی ترتیب سے مذکور ہیں۔ پس اگر ترتیب میں جہالت یا نسیان کی وجہ سے خلل واقع ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں، جیسا کہ "المغنی" اور "عمدۃ القاری" میں اس کی تفصیل موجود ہے:

ترجمہ: عطاء، طاؤس، مجاہد، سعید بن جبیر اور حسن اس طرف گئے ہیں کہ اس پر کچھ واجب نہیں۔ یہی رائے امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابو ثور، داؤد اور محمد بن جریر طبری کی ہے۔ اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس پر دم واجب ہے، یہی قول نخعی اور ایک روایت کے مطابق حسن کا ہے، قتادہ بھی یہی کہتے ہیں۔ اور اسی طرف امام ابو حنیفہ، نخعی اور ابن ماجشون گئے ہیں۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ قارن ہے تو اس پر دو دم واجب ہیں: ایک تو دم قران، اور دوسرا دم جنایت۔ اور مالک، اوزاعی، ثوری کہتے ہیں کہ اگر ذبح سے پہلے حلق کر لیا تو اس پر کچھ واجب نہیں۔ اور یہی صراحت حدیث میں ہے، اور ابن عبد البر نے یہی مسلک جمہور علماء کا نقل کیا ہے، اور اسی طرف امام ابو حنیفہ کے دونوں اصحاب امام ابو یوسف اور امام محمد گئے ہیں۔ پس ترتیب امام ابو حنیفہ کے نزدیک رمی، قربانی، اور حلق کے درمیان واجب ہے اور جمہور کے نزدیک مسنون ہے۔

امام ابوحنیفہ مطلقاً دم کو واجب قرار دیتے ہیں خواہ خلاف ترتیب عمداً کیا ہو یا نسیاناً اور جہالۃً ۔ لیکن وجوب ترتیب مکمل تینوں صورتوں میں ہے نہ کہ طواف افاضہ میں ۔ پس بقیہ مناسک پر اس کی تقدیم سے دم واجب نہیں ہوتا، البتہ قربانی کے تین دنوں سے موخر کرنے کی صورت میں دم واجب ہو جاتا ہے ہاں اگر مفرد بالحج ہو تو اس پر رمی اور حلق کے درمیان تو ترتیب واجب ہے ذبح میں ترتیب واجب نہیں ۔ ذبح میں ترتیب (رمی نحر حلق کے درمیان) قارن اور متمتع پر واجب ہے (عمدۃ القاری ۴ر۳۹۶ ۷، معارف السنن ۶ر۲۱۰، ۲۱۱)۔

اس مسئلہ میں موجودہ حالات کی رعایت سے امام ابو یوسف اور امام محمد اور جمہور علماء کے مسلک کو اختیار کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں، امام محمد فرماتے ہیں:

وبالحدیث الذی روی عن النبی ﷺ ناخذ انه قال لا حرج فی شیٔ من ذلک. وقال ابو حنیفةؒ لا حرج فی شیٔ من ذلک ولم یر فی شیٔ من ذلک کفارةً إلا فی خصلة واحدة. المتمتع والقارن إذا حلق قبل أن یذبح قال علیه دم وأما نحن فلا نری علیه شیئا (موطا محمد ر۲۳۵، باب من قدم نسکا قبل نسک)۔

اور اسی حدیث کو جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ان میں سے کسی چیز (کی تقدیم و تاخیر) میں کوئی حرج نہیں، ہم اختیار کرتے ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ بھی فرماتے ہیں کہ ان میں سے کسی چیز میں کوئی حرج نہیں اور وہ اس میں کفارہ کو بھی واجب نہیں کہتے البتہ صرف ایک حالت میں جب کہ وہ قارن یا متمتع ہو اور ذبح سے پہلے حلق کرالے تو اس پر دم کو واجب قرار دیتے ہیں، اور بہر حال ہم اس پر کوئی چیز (دم) ضروری نہیں سمجھتے۔

موجودہ حالات میں دشواریوں کے پیش نظر امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دینا حنفیت کے خلاف نہیں ہے۔

۹۔ حضرت مفتی رشید احمد صاحب لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع وقران و دم شکر کا اذن ثابت ہے اس لئے صراحۃً اذن ضروری نہیں، البتہ صراحۃً اذن حاصل کرلینا بہتر ہے۔ (احسن الفتاوی ۴ر۵۲۳)۔

(الف) حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کرسکتا ہے، جیسا کہ علامہ شامی اور صاحب درمختار کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

الرابع عشر عدم المخالفة. فلو امره بالإفراد فقرن أو تمتع ولو للمیت لم یقع عنه (شامی ۲ر۲۳۹)

صاحب "درمختار" لکھتے ہیں:

(ودم القران) والتمتع (والجنایة علی الحاج) إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فیصیر مخالفا فیضمن (درمختار علی ہامش رد المحتار ۲ر۲۴۷)۔

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری ایک استفتاء کے جواب تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: حج بدل کرنے والا "افراد" کی نیت کرے قران اور تمتع کی اجازت نہیں، ہاں جس کی طرف سے حج کرے اس نے قران (ایک ہی احرام سے حج وعمرہ کرنا) یا تمتع (کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھے عمرہ سے فارغ ہو کر حج کا احرام باندھے اور حج کرے) اجازت دی ہو تو اس کے مطابق عمل کر سکتا ہے (مگر دم قران، دم تمتع خود کے ذمہ ہے) مختصر یہ کہ بلا اجازت کے قران و تمتع نہیں کر سکتا (فتاوی رحیمیہ ۱۴۷/۳)۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحب مفتی اعظم مظاہر العلوم سہارنپور نے پندرھویں شرط (آمر کی مخالفت نہ کرنا) کے ذیل میں لکھا ہے:

البتہ قران آمر کی اجازت سے کرنا جائز ہے، لیکن دم قران اپنے پاس سے دینا ہوگا۔ آمر کے روپے سے دینا جائز نہیں اور تمتع کرنا اجازت سے بھی جائز نہیں۔ اگر اجازت سے تمتع کرے گا تو گو مامور پر ضمان نہ ہوگا لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا (معلم الحجاج/۲۸۵)۔

اس پر مولانا شیر محمد صاحب نے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے:

حج بدل کرنے والے کو آمر کی بلا اجازت تو تمتع کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں لیکن اگر آمر تمتع کی اجازت دے دے تو بعض علماء جائز کہتے ہیں، مگر محققین کی رائے یہی ہے کہ حج بدل کرنے والے کو آمر کی اجازت سے بھی تمتع کرنا جائز نہیں، اگر تمتع کرے تو گو ضمان نہ ہوگا لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔ امام المناسکین ملا علی قاری نے "شرح لباب" میں اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے زبدۃ المناسک میں عدم جواز کو اختیار کیا ہے، اور حضرت الاستاد مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی شارح سنن ابی داؤد بھی عدم جواز کا فتوی دیتے تھے (ایضاً)۔

(ب) لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ مسئلہ عدم مخالفت آمر کے ذیل میں آتا ہے تو جس طرح قران کی اجازت سے آمر کی مخالفت نہیں ہوتی ٹھیک اسی طرح تمتع کی اجازت سے اس کی مخالفت پیدا نہیں ہوتی، پھر دونوں میں جواز وعدم جواز کی تفریق کس بنیاد پر ہے؟ موجودہ دور حج تمتع کا دور ہے، اس دور میں اجازت آمر صراحۃً یا عرفاً سے جواز تمتع کا قول اختیار کرنا ہی انسب ہے، موجودہ محققین کا یہی فتوی ہے۔

(ج) اگرچہ شریعت میں ظن غالب کا اعتبار کیا گیا ہے اور موجودہ دور میں حج بمعنی حج تمتع کا عرف قائم ہو چکا ہے اس لئے صریح اجازت کے بغیر بھی حج بدل میں تمتع درست ہو جائے گا تاہم احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ آمر سے صریح اجازت لی جائے۔

(د) حج بدل میں تمتع باتفاق فقہاء احناف مامور کے مال میں ہوگا، اس لئے کہ حج مفروض سے زائد عمل کی ذمہ داری خود مامور نے قبول کی ہے لہذا اس زائد عمل پر دم شکر اسی کے ذمہ ہوگا، البتہ اگر آمر دم شکر کی قیمت بخوشی ادا کردے تو جائز ہے۔

(ہ) اول تو بااجازت آمر حج تمتع کی گنجائش سطور بالا میں نقل کی جاچکی ہے تاہم اگر زیادہ احتیاط مطلوب ہو تو احرام کی طویل پابندیوں سے بچنے کے لئے یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ شروع کی فلائٹ سے ٹکٹ بک کرائے اور براہ جدہ سیدھے مدینہ طیبہ پہنچ جائے اور ایام حج کے قریب دنوں میں مکہ مکرمہ آتے وقت ذوالحلیفہ سے حج افراد کا احرام باندھے۔ حضرت مفتی محمود حسن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند نے اسی صورت کے جواب میں لکھا ہے:

آمر کی اجازت سے ایسا کرنا درست ہے (فتاوی محمودیہ ۱۹۲/۳)

(و) متوفی کی طرف سے فرض حج ادا کرنے کے لئے اس کا امر ضروری ہے۔ بغیر امر کسی اجنبی نے حج کیا تو یہ حج کرنے والے کا ہوگا۔ البتہ اگر وارث میت نے متوفی کی وصیت کے بغیر اس کی طرف سے حج کیا تو اس سے متوفی کا فرض ادا ہونے کی امید ہے انشاء اللہ۔ لیکن اگر میت نے وصیت کردی تو یقینا بامشیت اس کی طرف سے فرض ادا ہو جائیگا۔ (رد المحتار علی الدر المختار ۲۳۹/۲)۔

حج عن المیت کے مسئلہ میں مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں:

جو شخص حج کے لئے جائے تو بہتر یہی ہے کہ وہ صرف حج کا احرام باندھے۔ قانونی دشواریوں کے پیش نظر قران وتمتع کرنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے (فتاوی رحیمیہ ۲۳۵/۵)۔

۱۰۔ (الف) اس مسئلہ میں حضرت مولانا تقی عثمانی زید مجدہم لکھتے ہیں:

اگر کسی عورت کو طواف زیارت کرنے سے پہلے حیض آنے لگا تو اب اس کو رک کر اپنے پاک ہونے کا انتظار کرنا ہوگا، اور پاکی کے بعد طواف زیارت لازم ہوگا۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

ہمارے زمانے میں جبکہ حجاج کے آنے جانے ٹھہرنے کی تاریخیں اور اوقات مقرر ہیں اور ویزے کی محدود تاریخیں ہوتی ہیں، کسی حاجی کو ان تاریخوں اور اوقات کے بدلنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ ان حالات میں حیض ونفاس والی عورتیں اپنے زمانہ طہر میں طواف زیارت نہ کرسکی ہوں اور قانونی لحاظ سے ان کے لئے انتظار بھی ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ کیا کریں؟ یہ مشکل بسا اوقات عورتوں کو پیش آتی ہے۔

کتب حنفیہ میں اس اشکال کا کوئی صریح حل احقر کی نظر سے نہیں گذرا، البتہ علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کا یہ حل بیان کیا ہے کہ ایسی عورت ناپاکی ہی کی حالت میں طواف کرے اور امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق دم دے کر اس کی تلافی کرے (درس ترمذی ۲۱۸/۳)۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارت ذیل ہے:

ترجمہ: کیا طہارت صحت طواف کے لئے شرط ہے اس میں علماء کے دو مشہور قول ہیں۔

(۱) شرط ہے۔ یہی مذہب ہے امام مالک امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا۔

(۲) شرط نہیں ہے۔ یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہ اور دوسری روایت کے مطابق امام احمد کا۔

پس ان علماء کے نزدیک اگر کسی نے طواف کیا جنابت، حدث، یا نجاست اٹھائے ہونے کی حالت میں تو طواف ادا ہو جائے گا، اور اس پر دم واجب ہوگا۔

لیکن امام احمد کے اصحاب نے اختلاف کیا ہے کہ کیا یہ حکم ہے علی الاطلاق اس معذور کے حق میں جو جنابت بھول گیا؟

اور امام ابوحنیفہ اس صورت میں دم بدنہ (اونٹ یا گائے) کو واجب کہتے ہیں جب کہ طواف حائضہ یا جنبی نے کیا ہو۔ پس وہ عورت جس کے لئے ممکن نہ ہو کہ وہ طواف کر سکے مگر حیض کی حالت میں تو وہ طواف بحالت حیض میں بدرجہ اولی معذور ہے۔ کیونکہ اس پر حج فرض ہے اور علماء میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ حائضہ سے حج ساقط ہو جائے گا، اور شریعت کی بات بھی نہیں ہے کہ فرائض بعض فرض کی ادائیگی سے عاجز ہونے پر ساقط ہو جاتے ہوں، جیسا کہ طہارت سے عاجز ہو جائے نماز میں۔

پس اگر عورت کیلئے ممکن ہو کہ مکہ میں اپنے پاک ہونے تک ٹھہر سکے اور طواف کر سکے تو یہ بلاشبہ اس پر واجب ہے۔ لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو اور اس پر دوبارہ واپسی کو واجب کر دیا جائے تو گویا اس پر ایک حج کے لئے دو سفروں کو واجب کرنا لازم آئے گا جب کہ اس عورت کا کوئی قصور نہیں اور یہ بات شریعت کے خلاف ہے۔ پھر اس کیلئے دوبارہ واپسی بھی ممکن نہیں مگر سواری کے ساتھ، اور ہر مہینہ میں حیض آنا اس کی فطری عادت ہے، پس اس صورت میں اس کا پاک رہنا یقیناً ناممکن ہے۔ اور شریعت کے اصول کا دارومدار اس بات پر ہے کہ عبادت کی شرطوں میں جس شرط کی ادائیگی سے بندہ عاجز ہو تو وہ شرط ساقط ہو جاتی ہے، جیسا کہ نمازی شرمگاہ چھپانے سے عاجز ہو، یا استقبال قبلہ یا نجاست سے پرہیز سے عاجز ہو، یا جیسا کہ طواف کرنے والا اپنے آپ طواف کرنے سے عاجز ہو سواری یا پیدل حالت میں، تو اس کو اٹھا کر طواف کرایا جائے گا۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کا طواف غیر معذور ہونے کی حالت میں بلا طہارت ادا ہو جائے گا اگرچہ دم دینا ہوگا جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے اصحاب میں سے کہنے والے یہ کہتے ہیں، پس ان حضرات کا یہی قول بحالت عذر بدرجہ اولی اور زیادہ عمدہ ہے۔ رہا غسل کرنا تو اگر عورت نے کر لیا تو بہتر ہے جیسا کہ حائضہ اور نفساء احرام کے لئے کیا کرتی ہیں۔ واللہ اعلم (فتاوی ابن تیمیہ ۲۶/۲۲۳ تا ۲۲۴)۔

(ب) بحالت جنابت طواف زیارت کرنے سے بھی رکن ادا ہو جاتا ہے، یہ نہی من الافعال الشرعیہ کی قبیل سے ہے جس میں اصل صحت ہے، البتہ خلاف شرط کرنے کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔

(ج) دم بدنہ یعنی بڑے جانور یعنی اونٹ گائے کی قربانی لازم ہوگی کیونکہ جنابت بڑا ہے تو دم بھی بڑا چاہئے، بکرا کافی نہیں ہوگا: فلما فحش النقصان قلنا یلزمه الجبر بالبدنة (المبسوط للسرخسی ۴/۳۹)۔

(د) دم کی ادائیگی یعنی نحر و ذبح حدود حرم میں ضروری ہے، حرم مکہ سے باہر یا اپنے مقام پر درست نہیں۔ امام محمدؒ کی کتاب الاصل میں یہ قاعدہ کلیہ مذکور ہے:

وکل دم وجب علیه فی شیء من أمر الحج والعمرة فإنه لا یجزئه ذبحه إلا بمکة أو حیث شاء من الحرم (کتاب الاصل یعنی المبسوط للامام محمد ۲/۳۳۲)۔

ہر وہ دم جو حج یا عمرہ سے متعلق واجب ہو پس اس کا ذبح کرنا کافی نہیں ہے مگر مکہ میں یا حدود حرم میں جہاں چاہے۔

البتہ مکہ میں یوم النحر سے قبل اور اس کے بعد بھی ذبح کر دینا کافی ہے۔ یوم النحر میں ضروری نہیں ہے۔

ویجزئه ذبح ما وجب علیه من الدماء قبل یوم النحر و بعده بمکة (کتاب الاصل ۲/۳۳۲)۔

اور اگر تمام عمر بدنہ ذبح نہ کرا سکے تو اس کے لئے حرم میں ذبح کی وصیت کرنا واجب ہے (رد المحتار للشامی ۲/۱۹۸)۔

۱۱۔ عام طور پر فقہاء نے ایام عدت میں حج و عمرہ کی ادائیگی سے بھی منع کیا ہے۔ (رد المحتار ۲/۱۳۶، فتاوی قاضی خاں ۱/۱۳۵، منحۃ الخالق علی البحر الرائق ۱/۳۱۵)۔

لیکن فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر شوہر نے طلاق بائن سفر میں دی اور اس کے وطن اور مکہ مکرمہ کے درمیان مدت سفر یعنی تین روز کی مسافت سے کم ہے تو عورت کو اختیار ہے خواہ وطن واپس ہو جائے یا مکہ مکرمہ چلی جائے چاہے محرم ساتھ ہو یا نہ ہو یا شہر میں ہو یا جنگل میں ہو۔ اور اگر دونوں کے درمیان میں مدت سفر کی مسافت ہے اور شہر میں ہے تو اس کو اسی شہر میں عدت گذارنی چاہئے اگرچہ محرم بھی ساتھ ہو، یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے، اور امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں اگر محرم موجود ہو تو عدت ختم کرنے سے پیشتر بھی اس کو اس شہر سے نکلنا جائز ہے (رد المحتار للشامی ۲/۱۳۶، معلم الحجاج/۸۶)۔

خط کشیدہ عبارت سے جو گنجائش مفہوم ہوتی ہے اس کے پیش نظر اس عورت کو افعال حج و عمرہ ادا کرنے کی اجازت دی جانی چاہئے، بلکہ محرم کی غیر موجودگی میں بھی ثقہ عورتوں کے ساتھ جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں بعض مقامات حج تک تنہا بھی جیسے رمی جمرات کیلئے منیٰ تک جانا جائز رکھا گیا ہے تو اس مشکل ترین صورت حال میں عورت کو اگلے سال صعوبت سفر اور دیگر دشواریوں سے بچانے کے پیش نظر موجودہ سفر میں ہی ارکان کی ادائیگی کی اجازت ہونی چاہئے۔

مفتی سعید احمد صاحب نے لکھا ہے کہ:

عورت عدت کی حالت میں اگر حج کرے گی تو حج ہو جائے گا لیکن گنہگار ہوگی۔ (معلم الحجاج/۸۶)۔

حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب نے لکھا ہے کہ:

خلاصۂ بحث

۱۔ جو لوگ حج وعمرہ کی نیت نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی اور غرض سے مکہ مکرمہ یا حرم مکی میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے احرام کی پابندی لازم ہے، یہی راجح مسلک ہے۔

۲۔ حدود حرم کے باہر جاکر مکہ مکرمہ کثرت سے آمد ورفت رکھنے والوں کیلئے بلا احرام مکہ میں داخلہ جائز ہے ورنہ ایسے لوگوں کیلئے شدید مشقت ہوگی بلکہ ان کو تمام عمر ہی حالت احرام میں رہنا پڑے گا جو شرعاً مدفوع ہے۔

۳۔ مکہ میں مقیم شخص کیلئے قران اور تمتع کی گنجائش ہے۔

۴۔ مقیم مکہ اشہر حج میں مکہ سے باہر جاکر واپس آنا چاہے تو احرام کی پابندی سے بچنے کے لئے کسی مقام حل کا قصد کرنا چاہئے تاکہ وہ آفاقی کے حکم میں ہو کر بلا احرام مکہ میں داخل ہو سکے۔ یا میقات سے بلا احرام گذر جائے اور اس پر توبہ کرے اور کسی میقات پر واپس آ کر احرام باندھ کر تلبیہ کہہ لے، اس سے دم ساقط ہو جائے گا۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی عمرہ سے فارغ ہو کر حج سے پہلے مزید عمرے کر سکتا ہے مگر ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔

۶۔ عمل رمی میں نیابت صرف معذور ومریض کے لئے درست ہے۔ عذر کی حد یہ ہے کہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو یا جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف کا اندیشہ ہو۔

۷۔ جو لوگ حکومت وقت کی طرف سے حج یا عمرہ کے احرام کی حالت میں واپس بھیج دیے جائیں وہ محصر کے حکم میں ہیں، ان کے حلال ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ حرم میں متعینہ تاریخ پر قربانی کرالیں۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح، حلق کے درمیان امام ابوحنیفہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے۔ جمہور علماء اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سنت ہے، خلاف ترتیب کرنے سے ان کے یہاں دم واجب نہیں، موجودہ صورت حال میں انہیں کے مسلک پر فتویٰ ہونا چاہئے۔

۹۔ حج بدل کرنے والے کے لئے آمر کی اجازت سے حج تمتع یا قران کرنا درست ہے، البتہ دم تمتع مامور ہو گا۔ آج کل حج عرفاً حج تمتع ہے، لہٰذا بربنائے عرف صرف حج کے امر سے حج تمتع درست ہے، آمر سے اذن صریح حاصل کرنا ضروری نہیں۔ زیادہ احتیاط مطلوب ہو تو شروع میں مدینہ طیبہ چلا جائے اور حج کے دنوں میں واپس آ وقت ذوالحلیفہ سے احرام باندھ لے۔ حج عن المیت میں بھی تمتع کی گنجائش ہے۔

۱۰۔ حج کرنے والی عورت حیض یا نفاس میں مبتلا ہو جائے تو مکہ میں ٹھہر کر طہارت کے بعد طواف زیا چاہئے۔ ایسا ممکن نہ ہو تو بحالت حیض ونفاس طواف زیارت کر لے، اس کا رکن ادا ہو جائے گا۔ البتہ اس پر بڑے جانور اونٹ یا گائے کی قربانی بطور دم جبر کرنی ہوگی جس کو حدود حرم میں ذبح کرنا ضروری ہوگا۔ اس ط سے فارغ ہو جائے گی۔

۔ سفر حج وعمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو بحالت عدت موجودہ قانونی د

رکھتے ہوئے اس کو ارکان حج ادا کرنے کی اجازت دی جانی چاہیے۔

۱۲۔ حج کا سفر کرنے والا ۸ ذوالحجہ سے پہلے مکہ پہنچ کر چودہ دن قیام کی نیت کرے تو اس سے وہ مقیم نہیں بنے گا۔ مکہ اور منیٰ کے درمیان ایک سو پچاس گز کا فاصلہ ہے درمیان میں قدرتی زمین ہو تو دونوں ایک شہر کے حکم میں شامل نہیں ہوں گے۔

۱۳۔ رمضان میں عمرہ کے لئے جانے والے حضرات جو مکہ مکرمہ میں مقیم احناف کے لئے کسی شافعی امام کی نماز وتر میں اقتداء جب کہ وہ دو سلام سے وتر پڑھتا ہو درست ہے اگرچہ زیادہ تر حنفیہ اس کے برخلاف ہیں۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ کے چند حل طلب مسائل

مفتی جمیل احمد نذیری، مبارکپور

١۔ آفاقی کا بلا احرام حدود حرم میں داخل ہونا:

آفاقی یعنی میقات سے باہر رہنے والا شخص اگر حدود حرم میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ حج یا عمرہ (جیسا موقع ہو) کا احرام باندھ کر حدود حرم میں داخل ہو۔

خواہ حرم میں اس کے آنے کا مقصد حج یا عمرہ ہو یا نہ ہو، خواہ وہ تجارت کے لئے آئے، کسی سے ملنے یا ملاقات کے لئے آئے، محض گھومنے پھرنے آئے، بہر حال اسے احرام باندھ کر ہی آنا ہے۔

ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد (ہدایہ ١/٢١٢)

آفاقی جب مکہ پہونچے اور مکہ میں داخل ہونے کا قصد کرے تو احرام باندھے، حج کا قصد کرے یا عمرہ کا یا کسی کا قصد نہ کرے۔

فتح القدیر میں ہے:

(قوله أو لم يقصد) بأن قصد مجرد الرؤية أو النزهة أو التجارة (فتح القدیر ٢/٣٣٥)۔

کسی کا قصد نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ محض دیکھنے یا تفریح یا تجارت کا قصد ہو۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

إذا دخل الآفاقي مكة بغير إحرام وهو لا يريد الحج أو العمرة فعليه لدخول مكة إما حجة أو عمرة فإن أحرم بالحج أو العمرة من غير أن يرجع إلى الميقات فعليه دم لترك حق الميقات (فتاویٰ عالمگیری ١/٢٥٣)۔

جب آفاقی مکہ میں بغیر احرام داخل ہوا اور وہ حج یا عمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو اس پر مکہ میں داخل ہونے کی وجہ سے یا حج ہوگا یا عمرہ، پس اگر میقات پر واپس آئے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے تو اس پر حق میقات ترک کرنے کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔

چند سطروں کے بعد آگے لکھا ہے کہ اگر بار بار مکہ مکرمہ میں جانے کی ضرورت پیش آئے تو ہر بار حج یا عمرہ کا احرام باندھنا ہوگا۔

ولو جاوز الميقات قاصداً مكة بغير إحرام مراراً فإنه يجب عليه لكل مرة إما حجة أو عمرة (فتاویٰ عالمگیری ١/٢٥٣)۔

اگر مکہ کا قصد کرتے ہوئے بغیر احرام کے کئی بار میقات پار کرے تو ہر مرتبہ اس پر حج یا عمرہ واجب ہوگا۔

درمختار میں ہے:

حرم تاخیر الإحرام عنها لمن ای لآفاقی قصد دخول مكة يعني الحرم ولو لحاجة غير الحج (درمختار ۲/۱۹۷)۔

ہر اس آفاقی کے لئے احرام کو میقات سے مؤخر کرنا حرام ہے جو مکہ (مراد حرم) میں داخل ہونے کا قصد رکھتا ہو، خواہ حج کے سوا کسی اور ضرورت کے تحت ہی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک احرام کا وجوب اس خطہ مبارکہ کی عظمت کی وجہ سے ہے، اس عظمت کا خیال رکھنا اور اس کے شایان برتاؤ وسلوک ہر اس شخص پر لازم ہے جو اس خطہ مبارکہ میں داخل ہو رہا ہو خواہ حج یا عمرہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو، مگر اب داخل ہونے کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کا ارادہ کرنا پڑے گا۔

وتعظيمها لم يختلف بالنسبة إلى الحاج او غيره (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۲/۳۳۵)۔

اس کی تعظیم حاجی یا غیر حاجی کے اعتبار سے مختلف نہیں ہے۔

چنانچہ اس سلسلے کی احادیث کریمہ اور آثار صحابہؓ بھی عام ہیں، حاجی وغیر حاجی، معتمر اور غیر معتمر میں فرق نہیں کرتے۔

عن ابن عباسؓ أن النبي ﷺ قال لا يجاوز الوقت إلا بإحرام (مصنف ابن ابی شیبہ)۔

عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میقات کو بلا احرام پار نہ کیا جائے۔

عن أبي الشعثاء انه رای ابن عباسؓ يرد من جاوز الميقات غير محرم (مسند شافعی)۔

ابوالشعثاء سے مروی ہے انہوں نے عبداللہ بن عباسؓ کو دیکھا کہ وہ ان لوگوں کو لوٹاتے تھے جو میقات کو بلا احرام پار کرتے تھے۔

آفاقی کے اس حکم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو مکی ہوں اور میقات سے باہر نکل گئے ہوں، یا حل کے رہنے والے ہوں اور میقات کے باہر آ گئے ہوں۔

(قوله اى لآفاقي) اى من ألحق به كالحرمي والحلي إذا خرجا إلى الميقات كما يأتي فتقييده بالآفاقي للاحتراز عما لو بقيا في مكانهما فلا يحرم كما يأتي (ردالمحتار ۲/۱۹۷)۔

آفاقی اور جو لوگ آفاقی کے ساتھ ملحق ہیں جیسے حرمی اور حلی، جب یہ میقات کی طرف نکلیں، جیسا کہ عنقریب آئے گا، پس آفاقی کے ساتھ مقید کرنا اس حالت سے احتراز ہے جب یہ دونوں اپنی جگہ پر رہیں تو انہیں احرام نہیں باندھنا ہے۔

اسی کتاب میں ہے:

لأن المكي إذا خرج إلى الحل الذي في داخل الميقات التحق بأهله كما مرّ آنفا بشرط أن لا يجاوز ميقات الآفاقي وإلا فهو كالآفاقي لا يحل له دخوله بلا إحرام (ردالمحتار،

۱۹۸/۲)۔

کی جب اس حل کی طرف نکلے جو میقات کے اندر ہو تو وہ حل والوں کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے، جیسا کہ ابھی گذرا، بشرطیکہ آفاقی کی میقات پار نہ کرے، ورنہ وہ آفاقی کی طرح ہو جائے گا کہ اس کے لئے میقات میں داخل ہو جانا بلا احرام حلال نہیں۔

حدود حرم میں داخل ہونے والے کے لئے احرام کی حکمت و مصلحت کیا ہے، اسے درج ذیل عبارت کی روشنی میں سمجھیں:

قال في النهاية اعلم أن البيت لما كان معظما مشرفا جعل له حصن وهو مكة و حمى وهو الحرم وللحرم حرم وهو الميقات حتى لا يجوز لمن دونه أن يتجاوزه إلا بالإحرام تعظيما للبيت والأصل فيه أن كل من قصد مجاوزة ميقاتين لا يجوز إلا بالإحرام ومن قصد مجاوزة ميقات واحد حل له بغير إحرام بيانه أن من أتى ميقاتا بنية الحج أو العمرة أو دخول مكة لحاجة لا يجوز دخوله إلا بالإحرام لأنه قصد مجاوزة ميقاتين ميقات أهل الآفاقي و ميقات أهل الحل والحيلة لمن أراد من الآفاقي دخوله بغير إحرام أن يقصد بستان بني عامر أو غيره من الحل فلا يجب الإحرام لأنه قصد مجاوزة ميقات واحد (حاشیہ علی ہامش فتح القدیر ۳۳۲/۲)۔

نہایہ میں ہے کہ بیت اللہ شریف چونکہ صاحب شرف و عظمت ہے اس لئے اس کے لئے ایک قلعہ بنایا گیا جو مکہ ہے اور ایک حفاظت گاہ و سرحد بنائی گئی جو کہ حرم ہے اور حرم کے لئے بھی ایک حرم بنایا گیا جو میقات ہے۔ جو لوگ میقات کے باہر کے ہوں ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ میقات کو بلا احرام پار کریں بیت اللہ شریف کی عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے، اور اصل اس میں یہ ہے کہ جو شخص دو میقات پار کرنے کا قصد کرے اس کے لئے بلا احرام پار کرنا جائز نہیں اور جو شخص ایک میقات پار کرنے کا قصد کرے اس کے لئے بغیر احرام پار کرنا حلال ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ جو شخص میقات میں حج یا عمرہ کی نیت سے یا کسی حاجت سے مکہ میں داخل ہونے کے لئے آیا اس کے لئے بلا احرام داخل ہونا جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے دو میقاتوں کے پار کرنے کا قصد کیا۔ ایک میقات آفاقی کی دوسری میقات حل والوں کی، اور حیلہ یہ ہے کہ آفاقی میں سے جو شخص مکہ میں بلا احرام داخل ہونا چاہے وہ بستان بنی عامر وغیرہ کا قصد کرے جو حل میں ہے۔ لہذا اس پر احرام واجب نہ ہوگا کیونکہ اس نے صرف ایک میقات پار کرنے کا قصد کیا ہے۔

لیکن محشی اس توجیہ سے اتفاق نہیں رکھتے، وہ کہتے ہیں:

أقول ظاهر الحديث إطلاق النهي عن مجاوزة الميقات بغير إحرام من غير تقييد بقصد مجاوزة ميقاتين و قصد دخول مكة كما لا يخفى (حوالہ مذکورہ)۔

میں کہتا ہوں ظاہر حدیث بلا احرام میقات پار کرنے کی ممانعت کا مطلق ہونا ہے، بغیر اس قید کے کہ وہ ایک میقات پار کرتا ہے یا دو میقات پار کرتا ہے اور مکہ میں داخل ہونے کا قصد کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی میقات سے بغیر احرام آگے بڑھنا حرام قرار دیا گیا ہے خواہ وہ میقات کو پار کرنے کی توجیہ قبول کی جائے یا نہ کی جائے، اتنا تو ظاہر ہی ہے کہ جب کوئی شخص آفاقی ہو یا مکی، اپنی میقات سے آگے نکل گیا تو اس پر احرام لازم ہو گیا۔

یہ ساری تفصیلات امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق تھیں، لیکن امام شافعیؒ اس شخص کے لئے بلا احرام، حدود حرم میں داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں جو حج یا عمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو گویا احرام ان کے نزدیک حج یا عمرہ کے قصد کے ساتھ مخصوص ہے۔

امام شافعیؒ کا استدلال فتح مکہ کے واقعہ سے ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ بلا احرام مکہ میں داخل ہوئے تھے مگر اس کا جواب احناف کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے تھا اور اسی دن کے ساتھ خاص تھا، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے خطبہ میں خود ہی ارشاد فرما دیا۔

"إن مكة حرام حرمها الله تعالى يوم خلق السموت و الأرض وإنها لم تحل لأحد قبلي ولا تحل لأحد بعدي و إنما أحلت لي ساعة من نهار ثم عادت حراما إلى يوم القيامة".

بیشک مکہ حرام ہے، اللہ نے اس کو اسی وقت سے حرام کر رکھا ہے جب آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا، مجھ سے پہلے وہ کسی کے لئے حلال نہیں ہوا، نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔ میرے لئے بھی دن کی ایک ساعت کے لئے حلال ہوا تھا، پھر اس کی حرمت قیامت تک کے لئے لوٹ آئی۔

بہر حال جہاں تک دلائل کا تعلق ہے، امام ابوحنیفہؒ کا مسلک نہایت قوی ہے مگر دفع حرج اور رفع مضرت کے لئے باقتضائے ضرورت وحاجت امام شافعیؒ کا مسلک اختیار کیا جا سکتا ہے، جو صرف ارادہ حج وعمرہ کے وقت میں احرام کے وجوب کا ہے۔

۲۔ بار بار حدود حرم میں آنے والوں کے احکام:

ایسے لوگ جنہیں تقریباً روزانہ اور کبھی کبھی ایک سے زائد مرتبہ تجارت، ملازمت یا دوسرے مقاصد سے حرم مکی کے اندر آمد و رفت کرنی ہوتی ہو ان کے معاملے میں مسلک شوافع پر عمل کیا جائے، دفعاً للحرج و رفعاً للمشقة۔

۳۔ مکی کا حج کے مہینوں میں میقات سے باہر جانا:

احقر کا رجحان اس مسئلہ میں دم کے عدم لزوم پر ہے، اور اس کی وجہ وہ ضرورت وحاجت ہے جو سوال میں درج کی گئی ہے، یہاں بھی امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرنا چاہئے۔

جن لوگوں کو بار بار حدود حرم میں آنا جانا پڑتا ہو یعنی داخل میقات رہنے والوں پر قیاس کرتے ہوئے حرج و مشقت سے بچانے کے لئے باقتضائے حاجت وضرورت بلا احرام آنے جانے کی گنجائش دی جا سکتی ہے۔

ومن كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجة لأنه يكثر دخوله مكة و

في إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بين فصار كأهل مكة حيث اباح لهم الخروج منها ثم دخولها بغير إحرام لحاجتهم بخلاف ما إذا قصد أداء النسك لأنه يتحقق أحيانا فلا حرج (ہدایہ ۱/۲۳۵)۔

جو لوگ میقات کے اندر (یعنی مکہ اور میقات کے درمیان) رہتے ہوں، انہیں اپنی ضرورت کے لئے بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے اس لئے کہ انہیں مکہ میں بہت داخل ہونا پڑتا ہے اور ہر مرتبہ احرام واجب کرنے میں کھلا ہوا حرج ہے لہذا وہ اہل مکہ کی طرح ہو گئے جنہیں اپنی حاجت کے لئے مکہ سے نکلنا اور مکہ میں داخل ہونا بلا احرام جائز ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب حج یا عمرہ کا ارادہ ہو، اسلئے کہ وہ کبھی کبھی ہوتا ہے لہذا اس میں کچھ حرج و مشقت نہ ہوگی۔

۴۔ مکی کے لئے تمتع اور قران:

مکی کے لئے قران و تمتع نہیں ہے، یہ دونوں صرف آفاقی یعنی میقات سے باہر رہنے والوں کے لئے ہیں۔

درمختار میں ہے:

والمكي ومن في حكمه يفرد فقط ولو قرن أو تمتع جاز وأساء وعليه دم جبر (درمختار ۲/۲۱۲، نیز دیکھئے معلم الحجاج ص ۲۱۵، ۲۱۷)۔

مکی اور جو اس کے حکم میں ہے وہ صرف افراد کرے گا، اگر قران کرے یا تمتع کرے تو جائز ہے، مگر اس نے برا کیا، اس پر دم جبر ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

لكن صرح في التحفة بأنه يصح تمتعهم وقرانهم فإنه نقل في غاية البيان عنها أنهم لو تمتعوا جاز وأساؤوا ويجب عليهم دم الجبر وهكذا ذكر الاسبيجابي ثم قال ولا يباح لهم الأكل من ذلك الدم ولا يجزئهم الصوم إن كانوا معسرين فتعين أن يكون المراد بالنفي في قولهم لا تمتع ولا قران لمكي نفي الحل لا نفي الصحة وإن أوجب دم جبر لو فعلوا وهو فرع الصحة (البحر الرائق ۲/۳۶۵)

تحفہ میں صراحت ہے کہ مکی کا تمتع اور قران صحیح ہے، غایۃ البیان میں تحفہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر وہ لوگ تمتع کریں تو جائز ہے لیکن انہوں نے برا کیا، اور ان پر دم جبر واجب ہے، ایسے ہی اسبیجابی نے ذکر کیا ہے، پھر انہوں نے کہا ہے کہ ان لوگوں کے لئے اس دم سے کھانا مباح نہ ہوگا۔ اور اگر وہ لوگ تنگ دست ہوں تو روزہ رکھنا کافی نہ ہوگا، اس سے پتہ چلا کہ فقہائے احناف کے قول لا تمتع ولا قران سے مراد حلت کی نفی ہے، صحت کی نفی نہیں، اسی لئے اگر مکی تمتع یا قران کرلے تو دم جبر واجب ہوتا ہے اور دم جبر واجب ہونا صحت کی فرع ہے۔

۵۔ متمتع آفاقی کا مزید عمرے کرنا:

آفاقی جو کہ تمتع کر رہا ہو، اپنے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کے احرام سے پہلے مزید عمرے کر سکتا ہے،

معلم الحجاج میں ہے:

"متمتع ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ حج سے پہلے کر سکتا ہے"۔

حاشیہ پر ہے:

قال في اللباب ولا يعمر قبل الحج وقال القاري في الشرح وهذا بناء على أن المكي ممنوع من العمرة المفردة أيضا وقد سبق أنه غير صحيح بل انه ممنوع من التمتع والقران وهذا المتمتع آفاقي غير ممنوع من العمرة فجاز له تكرارها لأنها عبادة مستقلة كالطواف (معلم الحجاج ص ۲۲۱۔ مسائل تمتع)۔

لباب میں ہے کہ حج سے پہلے عمرہ نہ کرے، ملا علی قاری نے شرح میں کہا ہے کہ یہ اس بنا پر ہے کہ مکی کو صرف عمرہ کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے، حالانکہ سابق میں گذرا کہ یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ مکی کے لئے صرف تمتع اور قران ممنوع ہے۔ اور یہ متمتع آفاقی ہے جسے عمرہ کی ممانعت نہیں ہے، لہذا اسے عمرہ کا تکرار جائز ہے، اس لئے کہ وہ طواف کی طرح عبادت مستقلہ ہے۔

۶۔ رمی جمار میں نیابت کا مسئلہ:

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

وتجوز الإنابة في الرمي لمن عجز عن الرمي بنفسه لمرض أو حبس أو كبر سن أو حمل المرأة فيصح للمريض بعلة لا يرجى زوالها قبل انتهاء وقت الرمي وللمحبوس و كبير السن والحامل أن يوكل عنه من يرمي عنه الجمرات كلها ويجوز التوكل عن عدة أشخاص على أن يرمي الوكيل عن نفسه أولاً كل جمرة من الجمرات الثلاث (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۱۹۳)۔

جو شخص خود رمی کرنے سے عاجز ہو اسے نائب بنانا جائز ہے۔ یہ عاجزی خواہ مرض کی وجہ سے ہو یا قید یا بڑھاپے یا عورت کے حمل کی وجہ سے۔ لہذا مریض کے لئے نائب بنانا ایسی علت کی وجہ سے جائز ہے جس کے اچھا ہونے کی رمی کا وقت ختم ہونے سے پہلے امید نہ ہو، اور محبوس اور کبیر السن اور حاملہ اپنی طرف سے سارے جمرات کی رمی کے لئے وکیل بنا سکتا ہے، اور کئی شخصوں کی طرف سے بھی وکیل بننا جائز ہے، مگر یہ کہ وکیل سب سے پہلے خود رمی کرے، پھر نیابت والی رمی کرے۔

معلم الحجاج میں ہے:

"کسی دوسرے سے باوجود قادر ہونے کے بلا عذر رمی کرانی جائز نہیں، البتہ اگر مریض کسی دوسرے کو حکم کر دے، یا کوئی مجنون و بے ہوش ہو یا بچہ ہو اور دوسرا شخص اس کی طرف سے رمی کرے تو جائز ہے، اور افضل یہ ہے کہ کنکری

اس شخص کے ہاتھ پر رکھ دی جائے اور اس کو وہ خود پھینک دے یا اس کا ساتھی پھینک دے، مریض کی طرف سے رمی کرنے کے لئے اس کا حکم شرط ہے اور بے ہوش وغیرہ کے لئے حکم شرط نہیں۔

رمی کے بارے میں وہ شخص مریض اور معذور سمجھا جائے گا جو کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو، اور جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف کا اندیشہ ہو، اگر سوار ہو کر جمرات تک آ سکتا ہے اور مرض کی زیادتی اور تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے تو اس کو خود رمی کرنی ضروری ہے دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں، ہاں اگر سواری یا کوئی شخص اٹھانے والا نہ ہو تو معذور ہے دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے... اگر معذور کا عذر دوسرے سے رمی کرانے کے بعد رمی کے وقت میں زائل ہو گیا تو دوبارہ خود رمی کرنا ضروری نہیں (معلم الحجاج ص ۱۸۴، ۱۸۵)۔

ہجوم وازدحام عذر ہے یا نہیں؟ اور عورت ومرد سب کے لئے عذر ہے یا کسی ایک کے لئے ہے، یا کسی کے لئے نہیں۔

عبارات فقہ سے پتہ چلتا ہے کہ ازدحام کو کسی کے لئے عذر نہیں مانا گیا نہ عورتوں کے لئے نہ مردوں کے لئے، چنانچہ الفقہ الاسلامی وادلتہ کی عبارت گزری، اس میں اعذار میں ازدحام کا کوئی تذکرہ نہیں، معلم الحجاج میں بھی کوئی تذکرہ نہیں، بلکہ اس کے برعکس یہ عبارت موجود ہے:

"مسئلہ: عورت کی طرف سے کسی دوسرے کو نائب بن کر ہجوم کی وجہ سے رمی کرنا جائز نہیں، اگر ہجوم کے خوف سے عورت نے رمی نہیں کی تو فدیہ واجب ہوگا (یہاں لفظ فدیہ کے بجائے "دم" ہونا چاہئے)۔

اگر عورت دسویں تاریخ کو سورج نکلنے سے پہلے اور گیارہویں وبارہویں کو سورج غروب ہونے کے بعد رات میں ہجوم کے خوف سے رمی کرے تو مکروہ نہیں، اسی طرح ضعیف اور کمزور کا حکم ہے، ان کے علاوہ اور لوگوں کے لئے مکروہ ہے (معلم الحجاج ص ۱۸۶، ۱۸۷)۔

مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری مدظلہ لکھتے ہیں:

"ازدحام کی وجہ سے دوسرا شخص رمی نہیں کر سکتا، خود کنکری مارے، نہ مارنے سے تو دم واجب ہوتا ہے، رات کے وقت ازدحام نہیں ہوتا، رات کو موقع پا کر رمی کرے، مگر یہ وقت مکروہ ہے، لیکن معذورین اور عورتوں کے لئے ازدحام کی وجہ سے رات کو بلا کراہت درست ہے (فتاوی رحیمیہ ۸/۲۳۵)۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی سے ایک سوال کیا گیا کہ:

"زید نے رمی جمرات ثلاثہ ۱۲ تاریخ کو عورتوں کی طرف سے وکالۃ کی، کیونکہ قافلہ چل رہا تھا، عورتوں کا رمی کرنا بہت دشوار تھا، یہ رمی صحیح ہوئی یا نہیں، بحالت عدم صحت دم واجب ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"رمی جمار واجب ہے اور ترک واجب اگر بسبب کسی عذر کے ہو تو اس میں کچھ نہیں آتا، کما فی رد المحتار: وکذا کل واجب اذا ترکہ بعذر لا شیء علیہ کما فی البحر (شامی وکتابی باب المناسک

وغیرہ) یعنی اس صورت میں بسبب عذر ازدحام کے جو عورتوں کی رمی ترک ہوئی تو اس میں دم واجب نہ ہوگا'' (فتاوی دارالعلوم دیوبند مدلل و مکمل ۶/۵۵۳)۔

جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے ازدحام میں عورتوں کی طرف سے نیابۃً رمی کو رمی تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ سرے سے ترک رمی قرار دیا ہے البتہ اس ترک کو بوجہ عذر ازدحام موجب دم نہیں کہا۔

گویا ازدحام ان اعذار میں داخل ہے جن کی وجہ سے ترک واجب کے باوجود دم واجب نہیں ہوتا۔

احقر کی ذاتی رائے یہ ہے کہ بالکلیہ ترک کو موجب دم نہ ماننے کے بجائے ازدحام کو نیابت کا عذر مان لینا بہتر ہے کیونکہ نائب کا فعل منوب عنہ کا فعل مانا جاتا ہے، علاوہ ازیں پانی زندگی میں بھی جواز معلوم ہوتا ہے اور جس میں دن جیسی شدت آتی ہوتی ہے اس میں رات میں رمی کرنا بھی دشواریاں پیدا کرے گا کیونکہ اس سے ترتیب کے مسائل بھی پیدا ہوں گے جو رمی، ذبح اور حلق کے درمیان واجب ہے، کیونکہ احقر کی معلومات کے مطابق رات میں مذبح بند ہو جاتا ہے۔ گویا ذبح کا کام ۱۱ ذی الحجہ کو ہو پائے گا جبکہ حلق کے بعد طواف زیارت کرنا ہے جو کہ ۱۰ ذی الحجہ کو افضل ہے اور ۱۲ ذی الحجہ تک واجب ہے اگر رات گزار دی جائے۔

یہ ایسی مشکلات ہیں جن پر قابو پانا احقر کے خیال میں بہت دشوار ہوگا اس لئے عورتوں کے حق میں ازدحام کو عذر تسلیم کر لینا چاہئے اور نیابت کی گنجائش ہونی چاہئے۔ واللہ اعلم

۷۔ حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد حکومت کی طرف سے روک دیا جانا:

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

والأكثر على أن الإحصار هو المنع سواء كان من خوف أو مرض أو عجز أو عدو واختاره في الكشاف وفي المغرب الحصر المنع من باب طلب يقال أحصر الحاج إذا منعه خوف أو مرض من الوصول لإتمام حجته أو عمرته وإذا منعه سلطان أو مانع قاهر في حبس أو مدينة قيل حصر هذا هو المشهور وفي الشريعة هو منع الوقوف والطواف (البحر الرائق ۳/۵۳)۔

اکثر فقہاء کے نزدیک احصار رکاوٹ کا نام ہے خواہ کسی خوف سے ہو یا مرض سے یا عاجزی سے یا دشمن کی وجہ سے ہو، اسی کو کشاف نے اختیار کیا ہے اور مغرب میں ہے کہ حصر رکاوٹ کا نام ہے باب طلب سے کہا جاتا ہے احصر الحاج، جب خوف یا مرض نے اس کا حج یا عمرہ پورا کرنے سے روک دیا ہو، اور جب کوئی بادشاہ یا مانع قاہر قید میں یا کسی شہر میں روک دے تو کہا جاتا ہے حصر، یہی مشہور ہے، اور شریعت میں وقوف عرفہ اور طواف سے روک دیئے جانے کا نام احصار ہے۔

حج میں وقوف عرفہ اور طواف زیارت رکن ہیں، عمرہ میں طواف رکن ہے اور سعی واجب ہے، رکن کی ادائیگی میں تو دونوں حج اور عمرہ رکاوٹ پڑ جانے میں احصار کا حکم جاری ہوتا ہے۔

إن العمرة يتحقق فيها الإحصار ولها ركن واحد وهو الطواف (ردالمحتار ۲/۲۵۰)۔

عمرہ میں بھی احصار کا تحقق ہوتا ہے اور اس کا صرف ایک رکن ہے اور وہ طواف ہے۔

سعودی عرب میں۔ جانے والے غیر ملکی جنہیں حج و عمرہ کے لئے حکومت کی اجازت لینی ہوتی ہے اور بلا اجازت حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے اور پکڑے جانے پر واپس کر دیئے جاتے ہیں وہ محصر کے حکم میں ہیں اگر ان کا احصار زائل نہ ہو سکے تو وہ درج ذیل صورتوں کے مطابق اپنے احرام سے باہر نکلتے ہیں:

۱۔ اگر صرف حج یا صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا تو ایک قربانی (بکری، بھیڑ، دنبہ وغیرہ) کی قیمت حرم میں بھیج دیں، اگر قارن ہوں تو دو قربانیاں یا ان کی قیمت حرم میں بھیج دیں، اس قیمت سے وہاں قربانی کا جانور خرید لیا جائے یہ قربانی حرم میں کسی جگہ ذبح کر دی جائے مگر دس ذی الحجہ سے پہلے بھی کی جا سکتی ہے۔ جانور یا قیمت بھیجتے وقت بھیجنے والے اس کے ذبح کا دن اور وقت مقرر کر دیں تاکہ اس دن اور اس وقت سے یہ لوگ اپنے کو احرام سے باہر سمجھیں جب جانور ذبح ہوتے ہی ان لوگوں کا احرام ختم ہو جائے گا خواہ بال کٹوائیں یا نہ کٹوائیں۔

۲۔ جس نے حج کا احرام باندھا تھا وہ ایک حج اور عمرہ کی قضا کرے گا، جس نے قران کا احرام باندھا تھا وہ دو عمرہ اور ایک حج کی قضا کرے گا، جس نے عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ صرف ایک عمرہ کی قضا کرے گا۔

ويجب عليه ان حل من حجه ولو نفلا حجة بالشروع و عمرة للتحلل إن لم يحج من [illegible] القارن حجة و عمرتان احدهما للتحلل (درمختار ۲/۲۵۳)۔

وانما یجب ترتیب الثلاثة الرمی ثم الذبح ثم الحلق لکن المفرد لا ذبح علیه فیجب علیه الترتیب بین الرمی والحلق فقط (ردالمحتار ۲/۲۴۹)۔

رمی، ذبح اور حلق تینوں میں ترتیب واجب ہے، چونکہ مفرد پر ذبح نہیں ہے اس لئے اس پر صرف رمی اور حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے۔

اگر متمتع اور قارن نے مذکورہ تینوں چیزوں کے درمیان ترتیب کی رعایت نہ کی تو دم ہوگا۔

ویجب الدم بعد الرمی قبل الحلق فان حلق قبله لزمه دم عند ابی حنیفة (فتح القدیر ۲/۱۷۱)۔

واجب ہوتا ہے دم رمی کے بعد حلق سے پہلے، پس اگر حلق اس سے پہلے کرائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دم واجب ہوگا۔

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ عمومی اعذار مسائل میں گنجائش پیدا کرتے ہیں، لہذا سوال کے اندر جو صورت حال درج کی گئی ہے انہیں عمومی عذر مانا جائے گا اور علامہ ابن عابدین شامیؒ کی اس عبارت سے استدلال کرتے ہوئے ترتیب کے عدم وجوب اور دم کے سقوط کا حکم دیا جائے گا۔

لو ترک شیئا من الواجبات بعذر لا شیٔ علیه علی ما فی البدائع (ردالمحتار ۲/۲۱۷، الجنایات)۔

اگر واجبات میں سے کوئی کسی عذر کی وجہ سے چھوڑ دے تو اس پر کچھ نہیں ہے جیسا کہ بدائع میں ہے۔

هذا حکم ترک الواجب فی هذا الباب اه ای انه ان ترکه بلاعذر لزمه دم وان بعذر فلا شیٔ علیه مطلقا (ردالمحتار ۲/۲۴۵)۔

یہ اس باب میں واجب کے ترک کا حکم ہے، یعنی بلا عذر ترک پر دم واجب ہوگا، اور عذر سے چھوڑنے پر مطلقاً اس پر کچھ نہ ہوگا۔

۹۔ حج بدل میں تمتع:

آج کے دور میں ہندوستان سے جو حجاج جاتے ہیں، اگر حج سے پہلے بھی حج جانے کا امکان ہوتا ہے تو وہ عام طور پر حج تمتع کرتے ہیں، یہ چیز حجاج کے عرف و عادت اور تعامل میں داخل ہو چکی ہے، اگر کسی کو حج کے لئے بھیجتے ہیں تو بھی یہی تصور رہتا ہے کہ ہمارے ہی انداز میں یہ بھی حج کرے، اگر موقع ملے تو پہلے عمرہ کرے، پھر حج کرے، ورنہ حج کرے، پھر عمرہ کرے۔

لہذا جہاں حج بدل میں آمر نے کوئی صراحت نہ کی ہو وہاں اسی اذن عموم اور اختیار پر محمول کیا جائے گا بشرطیکہ حج سے پہلے والا عمرہ آمر ہی کی طرف سے کیا ہو، بدلیل العرف والعادة۔

جہاں آمر نے صراحت کردی ہو وہاں اس صراحت پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

(الف) حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کرسکتا ہے۔

(ب) صریح اجازت نہ ہو لیکن عرف وتعامل اسی طرح کا بن چکا ہو تو بھی حج تمتع کر سکتا ہے (کذا مستفاد من احسن الفتاوی ۴/۵۲۳)۔

(ج) آمر سے تمتع کی صریح اجازت نہیں لی، لیکن حج بدل کرنے والے کو ظن غالب ہے کہ آمر اس کی اجازت دیدیتا تو ایسی صورت میں بھی احقر کے خیال میں تمتع کرنے کی گنجائش ہے۔

(د) احسن الفتاوی کا یہ سوال وجواب ملاحظہ فرمائیں:

سوال: حج بدل کرنے والا قران کرے یا تمتع یا افراد، بینوا توجروا۔

جواب: اس کو افراد کرنا چاہئے، آمر کی اجازت سے تمتع وقران بھی کر سکتا ہے، مگر دم شکر مامور پر ہوگا، اگر آمر بخوشی دم شکر کی قیمت ادا کر دے تو جائز ہے۔ اس زمانہ میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع وقران ودم شکر کا اذن ثابت ہے، اس لئے صراحۃً اذن ضروری نہیں، معہذا صراحۃً اذن حاصل کر لینا بہتر ہے (احسن الفتاوی ۴/۵۲۳)۔

(ہ) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانیؒ نے جواہر الفقہ حصہ اول (ص ۵۰۹/۵۱۶) میں اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے، پھر خلاصہ بحث کے تحت موجودہ زمانہ میں حج وعمرہ میں حکومت کی سخت پابندیوں اور قوانین کی بندشوں کے باعث تمتع کر لینے کی گنجائش لکھی ہے (جواہر الفقہ ۱/۵۱۶۔ حج بدل کے احکام)۔

(و) اگر میت نے حج کی وصیت کی تھی اور وہ ایسی جگہ کا باشندہ تھا جہاں کا عرف وتعامل اذن عمومی و اختیار کا ہو تو عدم صراحت کی صورت میں اذن عمومی واختیار پر محمول کیا جائے گا، اور صراحت کی صورت میں صراحت کے مطابق عمل لازم ہوگا۔

اگر حج کی وصیت نہیں کی تھی اور وارث یا غیر وارث حج کرا رہا ہے تو اسی وارث یا غیر وارث کے یہاں کے عرف وتعامل کا اعتبار ہوگا۔

اذن عمومی واختیار کا تعامل ہو یا عرف بن چکا ہو تو تمتع عن المیت کی گنجائش رہے گی خواہ صراحۃً اجازت نہ دی ہو۔

۱۰۔ حیض ونفاس والی عورت کے طواف زیارت کا مسئلہ:

جس مرد یا عورت نے حدث اصغر یا حدث اکبر کے ساتھ طواف زیارت کر لیا ہو اس کے احکام تفصیل کے ساتھ ہدایہ میں یوں بیان کئے گئے ہیں:

ترجمہ: افضل یہ ہے کہ جب تک مکہ میں رہے طواف کا اعادہ کر لے، اور اس پر ذبح نہیں ہے، اور بعض نسخوں میں ہے کہ اس پر اعادہ لازم ہے، لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ حدث میں اعادہ کا حکم استحباباً ہوگا اور جنابت میں ایجاباً ہوگا، اس لئے کہ جنابت کی وجہ سے نقصان بہت زیادہ ہے اور حدث میں کم ہے، پھر اگر حالت حدث میں طواف کرنے کے بعد اعادہ کیا ہو تو اس پر ذبح نہیں ہے اگرچہ ایام نحر کے بعد اعادہ کیا ہو، اس لئے کہ اعادہ کے بعد صرف شبہ

نقصان باقی رہا۔ اور اگر حالت جنابت میں طواف کرنے کے بعد اعادہ کیا ہو ایام نحر میں تو اس پر کچھ نہیں ہے کیونکہ اس کے وقت میں اعادہ کیا، اور اگر ایام نحر کے بعد اعادہ کیا ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تاخیر کی وجہ سے اس پر دم لازم ہوگا جیسا کہ ان کا مذہب معروف ہے۔ اور اگر اپنے گھر لوٹ گیا اور جنابت کی حالت میں طواف کیا تھا تو اس پر لازم ہے کہ لوٹ کر آئے کیونکہ نقصان کثیر ہے لہذا نقصان کی تلافی کے لئے اسے لوٹنے کا حکم ہوگا اور احرام جدید کے ساتھ لوٹے ، اور اگر نہیں لوٹا اور بدنہ بھیج دیا تو بھی کافی ہو جائے گا جیسا کہ ہم بیان کر چکے کہ وہ نقصان کو دور کرنے والا ہے، مگر یہ کہ افضل لوٹنا ہی ہے (ہدایہ ۱/۲۷۰۔ باب الجنایات)۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ترجمہ: اگر طواف زیارت بے وضو کرلے تو اس پر ایک بکری ہے اور اگر حالت جنابت میں کیا تو بدنہ واجب ہے، ایسے ہی اگر اکثر طواف جنابت یا حدث میں کیا تو یہی حکم ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ جب تک مکہ میں رہے طواف کا اعادہ کرے اور اس پر ذبح نہیں ہے، اور اصح یہ ہے کہ حدث میں اعادہ مندوب ہے اور جنابت میں واجب ہے، پھر اگر اعادہ کرلیا اور طواف حالت حدث میں کیا تھا تو اس پر دم نہیں ہے اگر چہ ایام نحر کے بعد اعادہ کیا ہو، اور اگر اعادہ کیا اور طواف جنابت میں کیا تھا تو اگر اعادہ ایام نحر میں کرلیا تو اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا اور اگر ایام نحر کے بعد اعادہ کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دم واجب ہوگا۔ ایسے ہی کافی میں ہے۔ اور بدنہ ساقط ہو جائے گا، ایسے ہی السراج الوہاج میں ہے، اور اگر اپنے گھر لوٹ آیا اور طواف جنابت میں کیا تھا تو اس کو احرام جدید کے ساتھ لوٹنا ضروری ہے ، اور اگر نہیں لوٹا اور بدنہ بھیج دیا تو بھی کافی ہے لیکن لوٹنا افضل ہے، اور اگر گھر آگیا اور حالت حدث میں طواف کیا تھا تو واپس آکر طواف کرنا جائز ہے، اور اگر ایک بکری بھیج دے تو یہ افضل ہے۔ ایسے ہی تبیین میں ہے (فتاوی عالمگیری ۱/۲۴۶۔ باب الجنایات)۔

ہدایہ اور عالمگیری کی مذکورہ عبارات سے اس عورت کا مسئلہ بالکل واضح ہے کیونکہ جنبی اور حائضہ ونفساء کا حکم ایک ہی ہے جب جنبی کا حکم آ گیا تو حیض ونفاس والی عورت کا حکم بھی آ گیا۔

البتہ سوال نامہ کی شقوں کا جواب الگ الگ درج ذیل ہے:

(الف) ایسی عورت کے لئے اجازت ہے کہ وہ ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرے، لیکن غسل کرے اور حفاظتی کپڑا وغیرہ باندھ لے۔

(ب) حیض ونفاس کی حالت میں ہی طواف زیارت ادا کرے اور دم دے دے رکن ادا ہو جائے گا۔

یہ مسئلہ ایسا ہے کہ مذکورہ اعذار کی بنیاد پر غیر احناف بھی مسلک احناف کی پیروی پر مجبور ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی اپنی کتاب الفقہ الاسلامی وادلتہ میں تحریر کرتے ہیں:

وإذا اضطرت المرأة اضطرارا شديداً لمغادرة مكة قبل انتهاء مدة الحيض أو النفاس ولم تكن قد طافت طواف الإفاضة فتغتسل وتشد الحفاظ الموضوع في أسفل البطن شداً

مسحكمت ثم تطوف بالبيت سبعاً طواف الإفاضة ثم تسعى بين الصفا والمروة سبعاً وعليها ذبح بدنة (وهي ما أتم خمس سنين من الإبل أو أتم سنتين من البقر) وذلك تقليدا للحنفية الذين يقولون بصحة الطواف حينئذ مع الحرمة، ووجوب فداء البدنة (الفقه الاسلامي وادلتہ ۳ر۱۲۳)۔

جب عورت کو چھوڑنے پر حیض ونفاس کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی مجبور ہو جائے اور ابھی اس نے طواف افاضہ (زیارت) نہ کیا ہو تو وہ غسل کرے اور بچاؤ کی چیز پیٹ کے نیچے باندھ لے، پھر بیت اللہ شریف کا سات طواف، طواف افاضہ کرے، پھر صفا اور مروہ کے درمیان سات بار سعی کرے، اور اس پر ایک بدنہ ذبح کرنا ہے (یعنی ایسا اونٹ جو پانچ سال کا ہو چکا ہو یا ایسی گائے جو دو سال کی ہو چکی ہو) اور ایسا احناف کی تقلید میں کیا جائے گا جو کہتے ہیں کہ اس حالت میں حرمت کے باوجود طواف صحیح ہو جائے گا، اور بدنہ بھی واجب ہوگا۔

احقر کا خیال یہ ہے کہ اس مجبوری اور اضطرار کی حالت میں جب حیض ونفاس والی عورت طواف زیارت کرے تو ان احتیاطی تدابیر کا خیال رکھے، جو ڈاکٹر وھبہ نے جن کا ذکر کیا ہے۔

(ج) دم میں بکری کافی نہ ہوگی بدنہ دینا ہوگا جیسا کہ تفصیلات بالا سے ظاہر ہے بحر الرائق میں ہے:

اى يجب بدنة لو طاف للركن جنبا كذا روى عن ابن عباس ولأن الجنابة أغلظ فيجب جبر نقصانها فى البدنة إظهارا للتفاوت بينهما والحيض والنفاس كالجنابة (البحر الرائق ۳ر۱۸)۔

بدنہ واجب ہوگا، اگر رکن والا طواف حالت جنابت میں کرے، ایسے ہی عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے اس لئے کہ جنابت اغلظ ہے لہٰذا اس کے نقصان کا تدارک بدنہ سے ہوگا، جنابت اور حدث کے درمیان فرق ظاہر کرتے ہوئے، اور حیض ونفاس جنابت کی طرح ہیں۔

(د) یہ دم اور ہر قسم کا دم حدود حرم میں ذبح کیا جائے گا (معلم الحجاج ص ۲۴۳)۔

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جانا:

عورت ایام عدت میں حج یا عمرہ نہیں کر سکتی۔ در مختار میں ہے:

ترجمہ: عورت پر حج فرض ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اس پر کسی طرح کی عدت نہ ہو، رد المحتار میں ہے کہ ابن امیر الحاج نے ذکر کیا ہے کہ یہ شرط ادا ہے، اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔ کسی عدت کے نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ نہ عدت وفات ہو، نہ عدت طلاق بائن، نہ عدت طلاق رجعی، کیونکہ یہ سب عورتیں سفر سے مانع ہیں۔ اگر یہ عورتیں سفر کے دوران پیش آ جائیں تو اگر طلاق رجعی ہو تو شوہر اس کو جدا نہ کرے، اور بائن ہو تو اگر عورت کے شہر اور مکہ کے درمیان مدت سفر سے کم ہو تو عورت کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ اپنے شہر جائے یا مکہ جائے، اور اگر ایک طرف مدت سفر ہو اور دوسری طرف مدت سفر نہ ہو تو دوسری طرف جانا متعین ہو گیا۔ اور اگر دونوں طرف مدت سفر ہو تو اگر کسی شہر میں ہو تو وہیں ٹھہر جائے، عدت ختم ہونے تک وہاں سے نہ نکلے اگرچہ کوئی محرم مل جائے۔ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے، لیکن اگر کسی گاؤں یا جنگل میں ہو، اور اسے اپنے کو تحفظ وامان نہ محسوس ہو تو امن کی جگہ پہنچ کر رک جائے، اور یہاں سے

وأراد بالمحلة في المسئلتين ما كان عامراً أما لو كانت المحلة خرابا ليس فيها عمارة فلا يشترط مجاوزتها في المسئلة الأولى ولو متصلة بالمصر كما لا يخفى فعلى هذا لا يشترط مجاوزة المدارس التي في سفح قاسون إلا ما كان له أبنية قائمة كمسجد الأفرم والناصرية بخلاف ما صار منها بساتين و مزارع كالأبنية التي في طريق الربوة (ردالمحتار على الدرالمختار ۱/۸۵۷)۔

محلّہ سے مراد دونوں مسئلوں میں آباد محلّہ ہے، لیکن اگر ویران ہو چکا ہو اور وہاں آبادی نہ ہو تو پہلے مسئلہ میں اس محلّہ کو پار کرنا شرط نہ ہوگا (یعنی قصر کے لئے) اگرچہ شہر سے متصل ہو، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان مدارس سے آگے بڑھنا قصر کے لئے شرط نہیں ہے جو قاسون کے دامن میں ہیں، مگر یہ کہ ان کی عمارتیں قائم ہوں جیسے مسجد افرم اور ناصریہ۔ برخلاف اس کے کہ ان میں سے جو باغ اور کھیت بن چکے ہوں جیسے وہ عمارتیں جو ربوہ کے راستہ میں ہیں۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

ولو كان للبلد محال كل محلة منفردة عن الأخرى كبغداد في الماضي فمتى خرج من محلته أبيح له القصر إذا فارق أهله وإن كان بعضها متصلاً ببعض كاتصال أحياء المدن المعاصرة لم يقصر حتى يفارق جميعها.

ولو كانت قريتان متدانيتين (متقاربتين) واتصل بناء أحدهما بالأخرى فهما كالواحدة وإن لم يتصل بناء هما فلكل قرية حكم نفسها (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۳۳۱)۔

اگر شہر کے کئی محلے ہوں، ہر محلہ ایک دوسرے سے الگ ہو جیسے زمانہ ماضی میں بغداد تھا۔ پس جب اپنے محلّہ سے نکل جائے تو اس کے لئے قصر مباح ہو جائے گا، محلّہ والوں سے الگ ہو جانے کے بعد، اور اگر سب محلے ایک دوسرے سے متصل ہوں جیسے آج کے شہروں کے محلے، تو اس وقت تک قصر نہ کرے جب تک سب سے جدا نہ ہو جائے، اور اگر دو قریبی بستیاں ہوں اور ایک دوسرے سے مل گئی ہوں تو ایک بستی کے حکم میں ہوں گی، اور اگر ان دونوں کی عمارتیں متصل نہ ہوئی ہوں تو ہر بستی مستقل حکم رکھے گی۔

اسی مفہوم کی عبارت المغنی میں بھی موجود ہے (المغنی والشرح الکبیر ۲/۹۸)۔

مفتی رشید احمد صاحب لکھتے ہیں:

"اگر بستی سے شہر تک مسلسل عمارات نہیں بلکہ بقدر غلوہ (۱۳۷،۱۶ میٹر) یا اس سے زائد خلا ہے، یا درمیان میں زرعی اراضی ہیں تو یہ مستقل آبادی شمار ہوگی، اس کے مکانات سے نکلنے پر قصر کا حکم شروع ہو جائے گا"۔

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں:

"عبارات فقہ میں اتصال آبادی کا کوئی معیار نظر سے نہیں گزرا، بظاہر اس کا مدار رویت ظاہرہ پر ہے، یعنی دیکھنے میں اتصال نظر آئے، مگر وجود مزارع یا قدر غلوہ بہر کیف موجب انقطاع ہے"۔

دو سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں:

"البتہ فصل مذکور کے باوجود اگر عرف عام میں دو مقام ایک ہی شہر کے دو محلے سمجھے جاتے ہوں تو حکم اتحاد ہوگا"۔(احسن الفتاوی ۴؍۷۳)۔

ایک اور استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں:

"دو بستیوں کے درمیان وجود مزارع یا قدر غلوہ (۱۶۰ء۱۳۷ میٹر) علامت انقطاع ہے۔ مع ہذا اگر دو مواضع عرف عام میں ایک ہی شہر کے دو محلے سمجھے جاتے ہوں تو فصل مذکور کے باوجود دونوں کو ایک موضع قرار دیا جائے گا"(احسن الفتاوی ۴؍۷۳)۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ شہروں، گاؤں، قصبوں کے حدود حکومت متعین کرتی ہے۔ بعض اوقات حکومت کی مقرر کردہ حد سے پہلے آبادی ختم ہو جاتی ہے، کبھی بڑھ جاتی ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کئی مقامات کو شامل کر کے حکومت کوئی ایک نام دیتی ہے۔

لہٰذا سفر و اقامت اور قصر و اتمام کا حکم درج ذیل امور کے تحت ہوگا:

۱۔ کسی شہر یا گاؤں کے حدود اربعہ جو حکومت نے متعین کئے ہوں ان کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ آباد مکانات کا اعتبار ہوگا، خواہ وہ چھوٹے بڑے ہوں، لہٰذا ان کے حدود سے نکلنے پر سفر کا اور ان کے حدود میں داخل ہونے میں مقیم ہونے کا حکم ہوگا۔

۲۔ جن مختلف آبادیوں کو ملا کر حکومت نے کسی ایک آبادی کا نام دے دیا ہو، اس آبادی کے مکانات سے نکلنے پر سفر کا اور اس آبادی میں داخل ہونے پر مقیم ہونے کا حکم ہوگا۔

۳۔ لیکن اگر کسی آبادی کا نام نص سے ثابت ہو اور اس کی کوئی خصوصیت بھی ہو تو حکومت کا اسے کسی آبادی کے تحت لانا اور کسی بڑی آبادی کے ماتحت بنانا اس کی الگ حیثیت کو ختم نہ کرے گا۔

لہٰذا سوال میں درج صورت حال میں اولاً تو حکومت نے منیٰ کو مکہ مکرمہ میں داخل کر کے دونوں آبادیوں کو مکہ مکرمہ کا نام نہیں دیا، دوم دونوں آبادیاں نصاً الگ الگ ہیں۔ لہٰذا اتصال آبادی کے باوجود دونوں آبادیاں الگ الگ مانی جائیں گی، اور دونوں جگہ ملا کر مدت اقامت ۱۵ یوم ہو جائے تو بھی مقیم ہونے کا حکم نہ ہوگا۔

۱۳۔ ایسے امام کی اقتدا جو نماز وتر میں دو رکعات پر سلام پھیر دیتا ہو:

امام کی اقتداء میں نماز وتر ادا کرے، لیکن جب دو رکعت پر امام سلام پھیرے تو یہ نہ پھیرے بلکہ کھڑا ہو کر تیسری رکعت پڑھ لے۔

البحر الرائق میں ہے:

لا يجوز اقتداء الحنفي بمن يسلّم من الركعتين في الوتر وجوزه أبو بكر الرازي ويصلي معه بقية الوتر لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده وهو مجتهد فيه كما لو اقتدى بإمام قد رعف واشتراط المشائخ لصحة اقتداء الحنفي في الوتر بالشافعي أن لا يفصله على الصحيح

مفسد لصحته إذا لم يفصله اتفاقا (البحر الرائق ۲/۴۰)۔

حنفی کا وتر میں ایسے شخص کی اقتدا کرنا جائز نہیں جو دو رکعت پر سلام پھیر دے لیکن ابوبکر رازی نے اسے جائز کہا ہے، اور بقیہ وتر اسی کے ساتھ پڑھے، اس لئے کہ اس کا امام اس کے نزدیک اپنے سلام سے نماز کے باہر نہیں ہوا اور یہ مسئلہ مجتہد فیہ بھی ہے، جیسے اگر کسی ایسے امام کی اقتدا کرے جسے نکسیر پھوٹی ہو، مشائخ کا حنفی کے لئے وتر میں شافعی امام کی اقتدا کے صحیح ہونے میں یہ شرط لگانا کہ فصل نہ کرے بالاتفاق اقتدا کے صحیح ہونے کا فائدہ دیتی جبکہ فصل نہ کیا ہو۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

ومعنى كونه لم يخرج بسلامه أن سلامه لم يفسد وتره لأن ما بعده يحسب من الوتر فكأنه لم يخرج منه (ردالمحتار ۴۹۲/۱)۔

اپنے سلام سے نماز سے باہر نہیں ہوا کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سلام نے اس کی وتر کو فاسد نہیں کیا، اس لئے کہ اس کے بعد والا حصہ بھی وتر میں ہی شمار ہوگا، یعنی گویا وہ نماز سے باہر نہیں ہوا۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ سے متعلق حل طلب مسائل

سید صلاح الدین احمد قاسمی
دارالعلوم بڑودہ۔ گجرات

۱۔ وہ آفاقی شخص جو حج یا عمرہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ جانا چاہتا ہو اس پر باجماع امت میقات سے احرام باندھنا واجب ہے اور میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا موجب دم ہے۔ لیکن وہ آفاقی جو حج یا عمرہ کے علاوہ اور کسی غرض مثلاً تجارت، ملازمت، عیادت، ملاقات وغیرہ سے حرم مکہ یا مکہ معظمہ میں داخل ہونا چاہتا ہو اس شخص کے لئے بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک میقات سے احرام باندھنا واجب ہے اور بلا احرام داخلہ موجب دم ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ایسے شخص کے لئے احرام باندھنا افضل ہے واجب نہیں۔

محاذی میقات شخص کا حکم:

وہ آفاقی شخص جو مکہ معظمہ جاتے ہوئے اس کے خشکی و دریائی ابتدائی راستے میں پانچ میقاتوں میں سے کوئی میقات نہ پڑتا ہو اور وہ میقاتوں کے درمیان سے اس کا گذر ہوتا ہو تو وہ غور وفکر اور تحری کرے، خوب کوشش کرے تاکہ اس کے راستے کے قریب تر میقات کی محاذات سے اس کا احرام واقع ہو سکے اور جو میقات اس سے قریب تر ہو اس کی

عمرہ کا بھی فائدہ اٹھایا اس کے ذمہ وہ ہدی جو اسے میسر ہو واجب ہے۔ آیت کریمہ میں یہ حکم عام ہے، اس میں مکی وغیر مکی کی کوئی تخصیص وقید نہیں۔

احناف کی دلیل "ذلك لمن يكن أهله حاضرى المسجد الحرام" (سورہ بقرہ) ہے، آیت کریمہ میں لام اختصاص کے لئے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تمتع وقران مسجد حرام کے غیر حاضرین کے ساتھ مخصوص ہے۔

مسجد حرام کے حاضرین کا مصداق کون ہے؟

مسجد حرام کے حاضرین سے احناف کے نزدیک اہل مکہ اور اہل حل (داخل مواقیت خمسہ) مراد ہیں، مالکیہ کے نزدیک اس کا مصداق صرف اہل مکہ وذی طوی ہیں۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا مصداق مکہ اور مسجد حرام سے غیر مسافت قصر کے باشندے ہیں۔ ان اقوال میں احناف کا قول راجح ہے کیونکہ داخل مواقیت خمسہ توابع مکہ میں سے ہیں، اس لئے کہ ان کے لئے مکہ معظمہ میں کسی حاجت کی بنا پر بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے، لہذا یہ لوگ مسجد حرام کے حاضرین کے حکم میں داخل ہیں، نیز عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اہل مکہ کے لئے تمتع وقران (جائز) نہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی لباب المناسک سے قران کی صحت وجواز کی شرائط کے ذیل میں فرماتے ہیں:

السادس ان يكون آفاقيا ولو حكما فلا قران لمكي إلا إذا خرج إلى الآفاق قبل أشهر الحج (ردالمحتار ۲/۵۳۶) جواز قران کی چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ شخص آفاقی ہو اگر چہ وہ حکما آفاقی ہو، پس مکی شخص کے لئے قران جائز نہیں مگر اس صورت میں جب کہ وہ حج کے مہینوں سے پہلے آفاق میں چلا جائے۔

علامہ شامی لباب المناسک سے نقل کرتے ہوئے جواز تمتع کی شرائط میں فرماتے ہیں:

التاسع عدم التوطن بمكة فلو اعتمر ثم عزم على المقام بمكة أبدا لا يكون متمتعا وإن عزم شهرين اى مثلا و حج كان متمتعا. نویں شرط جواز تمتع کی یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں وطن کا نہ ہونا، پس کسی نے عمرہ کر کے مکہ میں مقیم ہو جانے کا ارادہ کیا تو وہ متمتع نہ ہوگا۔

الحادى عشر أن يكون من أهل الآفاق والعبرة للتوطن فلو استوطن المكي في المدينة مثلا فهو آفاقي وبالعكس مكي ۔ جواز تمتع کی گیارہویں شرط یہ بتلاتے ہیں کہ وہ آفاقی ہو اور اس بارہ میں اعتبار وطن بنا لینے کا ہے، چنانچہ کسی مکی نے مدینہ کو وطن بنا لیا تو وہ آفاقی شمار ہوگا اور کسی مدنی نے مکہ معظمہ کو وطن بنا لیا تو وہ مکی کہلائے گا۔ (ردالمحتار ۲/۵۳۶)۔

۴۔ مکی کسی ضرورت کی بنا پر خارج میقات جا کر وہاں سے مکہ معظمہ واپس آ رہا ہے تو وہ میقات سے احرام باندھ کر تمتع وقران کر سکتا ہے یا نہیں؟

اگر شوال شروع ہونے کے بعد مکہ معظمہ سے آفاق (خارج میقات) میں گیا تو وہاں سے واپسی میں وہ صاحبینؒ کے نزدیک تمتع وقران کر سکتا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ شخص بہ حکم مکی ہے اس لئے تمتع وقران نہیں کر سکتا

اسی پر فتویٰ ہے، لہذا ایسا شخص افراد ہی کرے۔

وأما الآفاقي إذا دخل الميقات أو دخل مكة بعمرة وحل منها قبل أشهر الحج فإن مكث بها حتى دخل أشهر الحج فهو كالمكي بالاتفاق وإن خرج إلى الآفاق قبل أشهر الحج فكالآفاقي بالاتفاق أو فيها فكالمكي عند أبي حنيفة إلا أن يعود إلى أهله وكالآفاقي عندهما كبير (غنیہ ۱۳۱)۔

آفاقی شخص جب میقات میں داخل ہوا، یا مکہ معظمہ میں عمرہ کا احرام باندھ کر داخل ہوا اور عمرہ کر کے حج کے مہینوں کے شروع ہونے سے پہلے حلال ہو گیا اور پھر حج کے مہینے یعنی شوال شروع ہونے تک مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہا تو ایسا شخص امام صاحب اور صاحبین کے یہاں بالاتفاق مکی کے حکم میں ہے، اور اگر وہ افعال عمرہ سے فارغ ہو کر اشہر حج سے پہلے آفاق میں چلا گیا تو وہ بالاتفاق آفاقی کے حکم میں ہے، اور جو شخص عمرہ سے فارغ ہو کر شوال شروع ہونے کے بعد آفاق میں گیا تو وہ شخص امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آفاقی کے حکم میں ہے، مگر وہ آفاق میں اپنے وطن واپس لوٹ گیا ہو تو پھر وہ مکی کے حکم میں نہیں ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ شخص آفاقی کے حکم میں ہے۔

مناسک کی عام کتابوں میں تحریر ہے کہ مکی نے تمتع کیا یا قران کیا تو بکراہت تحریمہ حج ہو جائے گا اور اس پر دم شکر کے بجائے دم جبر (جنایت) واجب ہے، اس لئے وہ خود اس میں سے نہیں کھا سکتا۔ مگر علامہ شامیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ حکم صحت مع الکراہۃ التحریمیہ صرف قران کے لئے ہے، مکی کا تمتع منعقد ہی نہیں ہوتا، اس لئے تمتع کی صورت میں دم جبر (جنایت) واجب نہیں، بطلان تمتع سے بطلان حج کا وہم نہ ہو "لأن الأول لا يستلزم الثاني۔ وقال العلامة المخدوم محمد هاشم السندي: اختلاف در آنكه نهى در حق مكى به معنى عدم جواز است مع وجود صحت وانعقاد يا به معنى عدم صحت وانعقاد اصلا، وصحيح آنست كه قران در حق مكى منعقد مى شود و لهذا واجب مى شود بروے دم جبر للجناية نه شكر چنانكه در حق آفاقى. واما عمره پس منعقد نمى شود اصلا در حق او (الى قوله) ولهذا لازم نه باشد بروے دم دريں صورت، زيرا كه دم از لوازم تمتع است و چون منتفى شد ملزوم منتفى گشت لازم او. (حیات القلوب ص ۶۸ بحوالہ احسن الفتاوی ۴/۵۲۵)۔

بہر حال مکی کی ضرورت کی بنا پر خارج میقات جا کر وہاں سے مکہ معظمہ واپس آ رہا ہو تو اس پر میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے۔ حج تو عمر میں صرف ایک ہی مرتبہ فرض ہے اس لئے زندگی بھر میں ایک سال نیز اس کے بعد جب نفل حج کا ارادہ ہو اس سال اشہر حج میں خارج میقات سفر سے بچنے میں کوئی خاص دشواری اور تنگی نہیں، اور حج فرض ایک مرتبہ ادا کر چکنے کے بعد اشہر حج میں خارج میقات کا سفر کرنے کی صورت میں واپسی کے وقت میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ واپس آ تا ہے۔

سوال میں مذکور تنگی اور دشواری کی بنیاد پر مکی اور داخل میقات کے باشندوں کو تمتع و قران کی گنجائش نہیں۔

۵۔ آفاقی متمتع کے لئے افعال عمرہ سے فراغت کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے نفل عمرے کرنا جائز ہے۔
ولا يعتمر قبل الحج و قال القارى فى الشرح وهذا بناء على أن المكى ممنوع من العمرة المفردة أيضا قد سبق أنه غير صحيح بل أنه ممنوع من التمتع و القران وهذا المتمتع آفاقى غير ممنوع من العمرة فجاز له تكرارها لأنها عبادة مستقلة ...... كالطواف (لباب المناسک،ص ۱۵۶)۔

لباب المناسک کی عبارت میں صراحۃً مذکور ہے کہ آفاقی متمتع کیلئے تکرار عمرہ جائز ہے، اس لئے کہ عمرہ طواف کی طرح مستقل عبادت ہے۔

۶۔ حج کے افعال و مناسک میں اصل یہی ہے کہ آدمی بذات خود ان کو بجالائے اور کسی کو نائب نہ بناوے۔ بنا بریں تندرست اور چلنے پر قادر شخص کو بذات خود رمی کرنی چاہئے، بلاعذر کسی دوسرے سے رمی کرانا موجب دم ہے۔ وإن طرحها طرحا أجزاه لوجود الرمى إلا أنه رمى خفيف فيجزئه وسواء رمى بنفسه أو بغيره عند عجزه عن الرمى بنفسه كالمريض الذى لايستطيع الرمى فوضع الحصى فى كفه فرمى بها أو رمى عنه غيره لأن أفعال الحج تجرى فيه النيابة كالطواف والوقوف بعرفة و مزدلفة (بدائع ۲ص۱۳۷)۔

یعنی معذور و عاجز کے لئے دوسرے سے رمی کرانا جائز ہے کیونکہ بحالت عذر افعال حج میں نیابت جائز ہے چنانچہ ایسا مریض و معذور کہ انتہاء وقت رمی تک اس کے مرض و عذر کے زائل ہونے کی بظاہر امید نہ ہو، اسی طرح محبوس (قیدی) اور ایسا بوڑھا کمزور یا صرف کمزور کہ جو جمرات تک پیدل نہ چل سکتا ہو، یا چلنے میں ناقابل برداشت تکلیف ہو، نیز حاملہ عورت وغیرہ ایسے معذورین کے لئے کنکر مارنے کے لئے کسی کو وکیل بنادینا اور اس سے رمی کرانا جائز ہے۔ ایک آدمی کسی ایک شخص یا چند اشخاص کی طرف سے وکیل بالرمی (کنکر مارنے کا وکیل) بن سکتا ہے، لیکن اس صورت میں وکیل بالرمی پر لازم ہے کہ وہ تینوں جمرات کی رمی خود کی طرف سے کرنے کے بعد اپنے موکل کی طرف سے رمی کرے یعنی کنکر مارے۔

جوازِ نیابت کا معیار:

جمرات تک پیدل چلنے پر قدرت نہ ہونا یا چلنے سے ناقابل برداشت تکلیف کا ہونا یا قید ہونا وغیرہ ہے۔ سستی، آرام، سہولت پسندی اور صرف خوف ازدحام (بھیڑ کا خوف واندیشہ) شرعاً عذر معتبر نہیں، لہذا ایسی صورت میں دوسرے کسی سے رمی کرانے کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔

۱۰/۱۱/۱۲ ذی الحجہ میں سے ہر ایک دن کی رمی کا وقت دوسرے دن کی طلوع صبح صادق تک رہتا ہے لہذا رات کو گیارہ بارہ بجے دیر سے کنکر مارنے میں بھیڑ کا خوف و خطرہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے، البتہ ۱۳ ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک رہتا ہے اور غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے۔

۷۔ احصار کے لغوی معنی روکدینا یا منع کرنا ہے، اور احصار کے شرعی معنی احناف کے نزدیک یہ ہیں کہ ''محرم کو

حج کے دونوں رکن (وقوف عرفہ اور طواف زیارت) کی ادائیگی اور بجا آوری سے روک دیا"۔ اور جمہور کے نزدیک محرم کو تمام راستوں سے حج یا عمرہ کی تکمیل سے روک دینا۔ احناف کے نزدیک احصار دشمن کے روک دینے کے ساتھ مخصوص نہیں، چنانچہ دشمن، بیماری، قید، ہڈی وغیرہ ٹوٹ جانا، لولا لنگڑا اور اپاہج ہو جانا وغیرہ عوارض وموانع، کہ جن کی بناء پر محرم اپنے احرام کے مقتضی (حج یا عمرہ) کی تکمیل سے عاجز ہو، اس سے احصار متحقق ہو جاتا ہے۔

جمہور کے نزدیک احصار دشمن کے روک دینے کے ساتھ مخصوص ہے، ان کے نزدیک مذکورہ بالا اعذار میں سے کسی عذر کی بناء پر تحلل (احرام سے حلال ہو جانا۔ احرام کھول دینا) جائز نہیں، محصر کو احصار کی بناء پر تحلل (احرام فسخ کر دینا اور شریعت کے مقرر کردہ طریقہ سے احرام کی پابندیوں سے خود کو آزاد کر لینا) جائز ہے۔

محصر کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ کہ ہدی (دم احصار) ذبح کئے بغیر حلال نہ ہو سکے، اور دوسرا محصر کہ ہدی کا جانور (دم احصار) کو ذبح کئے بغیر اس کے لئے حلال ہونا جائز ہو۔

ہر وہ احصار کہ جو حق اللہ کی بناء پر متحقق ہو اس سے حلال ہونے کے لئے ہدی کا ذبح کرنا لازم ہے۔ اور ہر وہ احصار کہ جو حق العبد کی بنیاد پر پیش آوے اس سے حلال ہونے کے لئے ہدی کا ذبح کرنا لازم اور ضروری نہیں۔

سعودی عربیہ میں رہنے والے کسی غیر ملکی نے حج کا احرام یا عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ معظمہ یا حرم میں داخل ہونے سے پہلے یا داخل ہونے کے بعد گرفتار کر کے واپس کر دیا گیا اور وہ وقوف بہ عرفہ اور طواف زیارت دونوں کی ادائیگی سے عاجز ہو تو ایسا شخص محصر ہے، اور اگر دونوں میں سے کسی ایک رکن کی ادائیگی پر قادر ہو تو وہ محصر کے حکم میں نہیں۔

محصر کا حکم:

اگر اس شخص نے صرف حج یا صرف عمرہ کا احرام باندھا ہے تو ایک قربانی کی قیمت بھیج دے، اور اگر قران یعنی حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہے تو دو قربانیوں کی قیمت بھیج دے اور دن مقرر کر دے کہ فلاں دن فلاں وقت یہ قربانی میری طرف سے حرم میں ذبح کر دی جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ قربانی ایام نحر (۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ) میں ہی کی جائے بلکہ اس سے پہلے یا بعد میں بھی کی جا سکتی ہے۔ جب مقررہ وقت و دن گذر جائے تو احرام کھول دے۔ سر منڈانا ضروری نہیں مستحب ہے۔ بعض نے صرف حرم میں احصار پیش آنے کی صورت میں سر منڈانا واجب قرار دیا ہے۔ قول وجوب احوط، وعدم وجوب ارجح ہے، پھر آئندہ سال قضا واجب ہے، اگر صرف عمرہ کا احرام تھا تو صرف عمرہ کی قضا واجب ہے، اور صرف حج (افراد) کا احرام باندھا تھا تو حج و عمرہ دونوں واجب ہیں، اور اگر حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا یعنی قران کیا تھا تو ایک حج اور دو عمرے بطور قضا واجب ہوں گے۔ (دیکھئے رد المحتار ۲/۵۹۳)۔

۸۔ متمتع وقارن کے لئے رمی۔ ذبح۔ حلق کے درمیان ترتیب صاحبین اور دیگر ائمہ کے نزدیک مسنون ہے، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے۔ علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

وإن كان قارنا أو متمتعا يجب عليه أن يذبح و يحلق ويقدم الذبح على الحلق لقوله

تعالی "لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم من بھیمۃ الأنعام فکلوا منھا وأطعموا البائس الفقیر ثم لیقضوا تفثھم" رتب قضاء التفث وھو الحلق علی الذبح و روی عن النبی ﷺ انہ قال أول نسکنا فی یومنا ھذا الرمی ثم الذبح ثم الحلق و روی عنہ ﷺ أنہ رمی ثم ذبح ثم دعا بالحلاق فإن حلق قبل الذبح من غیر إحصار فعلیہ لحلقہ قبل الذبح دم فی قول أبی حنیفۃ و قال أبو یوسف و محمد و جماعۃ من أھل العلم أنہ لا شئ علیہ۔

صاحبینؒ وغیرہ کا استدلال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا گیا ایسے شخص کے بارے میں جس نے ذبح سے پہلے حلق کرالیا تھا تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ "اذبح ولا حرج" ذبح کرلو اور کوئی حرج نہیں۔ لہذا اگر ترتیب واجب ہوتی تو البتہ اس کے ترک میں حرج واقع ہوتا۔ امام ابو حنیفہؒ ان کی دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ لا حرج میں حرج کی نفی ہے کفارہ کی نفی نہیں، اور گناہ کی نفی کفارہ کی نفی کو مستلزم نہیں، چنانچہ جو شخص سر میں تکلیف کی بناء پر حلق کرائے یا خطاءً حلق کرائے تو اس پر گناہ نہیں مگر کفارہ واجب ہے۔ بہر حال تمتع وقارن کے لئے یہ قول امام ابو حنیفہؒ (جو مفتی بہ ہے) ترتیب لازم ہے اور اس کا ترک موجب دم ہے۔

لیکن آج کل بے پناہ ہجوم وازدحام، موسم کی شدت، قیامگاہ اور مذبح میں کافی دوری اور سواری نہ ملنا وغیرہ اعذار ودشواریوں کی بناء پر اگر حجاج ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو صاحبینؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے۔

۹۔ حج بدل کا اصلی حکم تو یہی ہے کہ مامور بالحج افراد کرے لیکن آمر یا وصی کی اجازت سے قران اور تمتع کرنا بھی جائز ہے۔ میت پر حج فرض ہو یا نہ ہو اور میت نے حج بدل کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو ان تمام صورتوں میں آمر یا وصی کی اجازت سے مامور کو تمتع کرنا جائز ہے۔

آج کل عام طور پر حج تمتع معروف ومعتاد ومتعارف ہے، لہذا حج بدل میں مطلق امر بالحج، حج تمتع کی اجازت قرار دیا جاسکتا ہے لیکن احوط وانسب یہی ہے کہ آمر سے صراحت ووضاحت کرالی جائے اور حج بدل میں جانے والا شخص آمر سے ہر قسم کے احرام کی اجازت لے لے۔

قال الشیخ الامام أبو بکر محمد بن الفضلؒ إذا أمر غیرہ أن یحج عنہ ینبغی أن یفوض الأمر إلی المامور فیقول حج عنی بھذا المال کیف شئت إن شئت حجۃ وإن شئت عمرۃ وإن شئت قرانا (فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیہ)۔

آمر کی اجازت سے یا بغیر اجازت کے تمتع یا قران کرنے کی صورت میں دم تمتع اور دم قران مامور پر خود کے مال میں سے واجب ہوگا، نیز اگر مامور بالحج سے موجب دم کوئی جنایت صادر ہو جائے تو دم جنایت بھی مامور پر خود کے مال میں سے واجب ہوگا، آمر کے مال میں سے واجب نہ ہوگا۔ ہاں اگر آمر کی جانب سے دم تمتع وقران اور دم جنایت کی اجازت (صراحۃً یا دلالۃً) ہو تو مال آمر میں سے ادا کیا جانا جائز ہے۔

و دم القران والتمتع و الجنایۃ علی الحاج إن أذن لہ الآمر بالقران والتمتع لقولہ علی

الحاج) ای المامور اما الاول فلانه وجب شکرا علی الجمع بین النسکین (ردالمحتار)۔

۱۰۔ حالت حیض میں طواف زیارت:

بہ حالت حیض طواف زیارت کرنا (جو حج کا رکن اعظم ہے) بہت سنگین گناہ ہے لہذا پاک ہونے کے بعد ہی طواف زیارت کر کے واپسی کی تمام ممکنہ تدابیر اختیار کرنا (مثلاً ٹکٹ اور ویزا وغیرہ کی تاریخ تبدیل کرا کے مدت بڑھا لینا اور روانگی کو موخر کرانا) اس کے ذمہ لازم اور ضروری ہے۔

لیکن اگر کوئی ایسی صورت ممکن نہ ہو سکے اور دوبارہ وطن واپسی بھی مشکل ہو اور وہ عورت بہ حالت حیض طواف زیارت کر لے تو وہ بیشک سخت گناہ گار ہوگی، مگر اس کا یہ طواف زیارت شرعاً معتبر ہوگا اور وہ اپنے احرام سے پورے طور پر حلال ہو جائے گی۔

لیکن بہ حالت حیض طواف زیارت کرنے کی وجہ سے بطور دم جنایت ایک بدنہ یعنی بڑے جانور (اونٹ، گائے وغیرہ) کو ذبح کرنا اس کے ذمہ واجب ہوگا۔ نیز اس بڑے جانور کو حد حرم میں ذبح کرنا واجب ہے کیونکہ یہ دم جنایت ہے اور دم جنایت کا ذبح حد حرم کے ساتھ مخصوص ہے لہذا اور کسی جگہ خارج حرم ذبح کرنا معتبر نہ ہوگا۔

اگر وہ عورت مذکورہ بالا دم جنایت (بڑا جانور) ذبح کئے جانے سے پہلے کسی وقت بھی طواف زیارت کا اعادہ کر لے تو یہ دم جنایت اس سے ساقط ہو جائے گا۔

۱۱۔ سفر حج کے دوران معتدہ کا حکم:

عمرہ یا حج کے سفر کے دوران عورت پر عدت واجب ہو جائے تو عدت میں حج یا عمرہ کر سکتی ہے یا نہیں؟ علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ عورت پر وجوب حج کی مخصوص شرائط میں سے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عورت طلاق یا وفات کی عدت میں نہ ہو کیونکہ ارشاد خداوندی ہے: "ولا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن إلا أن يأتين الخ...." (سورہ طلاق) یعنی معتدہ عورتوں کو ان کے گھر سے مت نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو سفر حج یا عمرہ میں عدت لازم آ جائے پس اگر خاوند نے طلاق رجعی دی ہے تو خاوند کو دوران سفر اس سے جدا نہ ہونا چاہئے کیونکہ طلاق رجعی سے زوجیت زائل نہیں ہوتی جبکہ اس سے رجعت کر لینا بہتر ہے۔ اور اگر طلاق بائن یا وفات زوج کی وجہ سے دوران سفر حج یا عمرہ عدت لازم ہوئی ہے تو اس کے حکم کی تفصیل درج ذیل ہے:

جائے وفات وطلاق اور اس عورت کے وطن کے درمیان مدت سفر شرعی سے کم مسافت ہے اور اس جگہ اور مکہ معظمہ کے درمیان مدت سفر کی مسافت ہے تو وہ اپنے گھر واپس لوٹ جاوے۔

اور اگر اس جگہ سے مکہ معظمہ کی طرف مسافت سفر شرعی سے کم فاصلہ ہو تو مکہ معظمہ چلی جائے۔ اور اگر دونوں طرف مسافت سفر سے کم فاصلہ ہے تو اس کو اختیار ہے کہ وطن واپس چلی جاوے یا مکہ معظمہ چلی جاوے۔ اور اگر دونوں جانب مسافت سفر کا فاصلہ ہے، پس اگر وہ عورت شہر میں ہے تو وہاں سے انقضائے عدت تک نکلنا محرم میسر ہو...

کے باوجود امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ محرم میسر ہو تو وہاں سے نکلنا جائز ہے، اور اگر محرم میسر نہ ہو تو بالاتفاق وہاں سے نکلنا جائز نہیں۔

دونوں جانب مسافت سفر کا فاصلہ ہونے کی حالت میں اگر وہ عورت جنگل یا ایسے دیہات میں ہے جہاں اس کو جان و مال کا خطرہ لاحق ہے تو اس غیر محفوظ جگہ سے مامون و محفوظ جگہ سفر کر کے منتقل ہو جانا اس کے لئے جائز ہے (بدائع ۲/۱۲۳)۔

۱۲۔ آجکل مکہ معظمہ کی آبادی کے پھیلاؤ اور منیٰ تک پہنچ جانے کی وجہ سے اگر منیٰ کو داخل شہر یا فناء شہر مان بھی لیا جائے پھر بھی مزدلفہ اور عرفات تو یقیناً مکہ معظمہ سے الگ خارج شہر جگہ ہے اسے تو فناء شہر نہیں کہا جا سکتا اور ہر حاجی ایک رات یقیناً مزدلفہ میں گذارتا ہے لہذا مسئلہ کا حکم جو توسیع سے پہلے تھا وہی برقرار رہے گا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

وذكر في كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر و نوى الإقامة لا يصح لأنه لابد له من الخروج إلى عرفات فلا تتحقق نية إقامة خمسة عشر يوماً فلا يصح (بدائع ۱/۹۸)۔

۱۳۔ رمضان شریف میں عمرہ کے لئے جانے والے نیز سعودی عرب میں مقیم حنفی المسلک لوگ اپنی وتر کی نماز رمضان شریف میں الگ سے منفرداً تین رکعت بہ یک سلام (بلا فصل) پڑھیں، امام کے ساتھ وتر کی نماز باجماعت بہ دو سلام (فصل کے ساتھ) نہ پڑھیں۔

☆☆☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند حل طلب مسائل

خورشید انور اعظمی

جامعہ مظہر العلوم، بنارس

آج زمانہ کافی ترقی کر چکا ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں، اور اس مشینی دور نے جہاں بہت سی سہولتیں مہیا کی ہیں، وہیں نت نئے مسائل بھی پیدا کر دیے ہیں، جس کے سبب شریعت اسلامیہ کے بہت سے احکام پر عمل کرنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں، حج وعمرہ کی ادائیگی میں بھی بعض مقامات پر حجاج کرام کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، یہاں انہیں مشکلات کو فقہ وفتاوی کے قدیم، مستند اور اہم ماخذ کی روشنی میں حل کرنے کی حقیر کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ تجاوز میقات اقوال فقہاء کی روشنی میں:

حرم مکی ایک مقدس مقام ہے اس کی حیثیت دیگر مقامات سے مختلف ہے، دوسری جگہوں پر جانے کے لئے کسی آداب کا لحاظ کرنا ضروری نہیں ہے، مگر اس مقام مقدس کی عظمت وتقدیس کا تقاضا ہے کہ وہاں جانے کے کچھ آداب ہوں تاکہ عام مقامات اور اس کے درمیان امتیاز قائم رہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے کچھ جگہوں کو بطور میقات متعین فرمایا کہ حرم میں داخل ہونے کے لئے وہاں سے احرام باندھ کر آگے بڑھنا واجب ہے، اس میقات سے باہر کے لوگوں کو آفاقی کہا جاتا ہے۔ آفاقی شخص اگر حج وعمرہ کی نیت سے میقات سے تجاوز کر رہا ہے تو اس کے لئے احرام کا باندھنا بالاتفاق واجب ہے، لیکن اگر اس کا ارادہ ملاقات، زیارت اور تجارت وغیرہ کا ہے تو اس سلسلے میں فقہاء کرام کے اقوال مختلف ہیں۔

بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنا جائز ہے:

اس کے قائل صاحب بذل المجہود کی صراحت کے مطابق امام شافعی اپنے قول اخیر میں، ابن عباس اپنے ایک قول میں، اور ابن عمر ہیں (بذل المجہود ۳؍۲۷) اور بقول علامہ عینی، امام زہری، حسن بصری، شافعی اپنے ایک قول میں، مالک ایک روایت میں، ابن وہب، داؤد بن علی اور ان کے اصحاب ظاہریہ ہیں (عمدۃ القاری ۵؍۱۰۹) علامہ مروزی نے امام مالک اور اہل مدینہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے (اختلاف العلماء) اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسی کو امام شافعی کا مذہب مشہور قرار دیا ہے (فتح الباری ۳؍۵۹)۔

بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے:

اس کے قائل جمہور علماء (بذل المجہود ۳؍۲۷) اور بقول علامہ عینی عطاء بن ابی رباح، لیث بن سعد، ثوری، ابوحنیفہ، ان کے اصحاب، مالک اپنے قول صحیح میں، شافعی اپنے قول مشہور میں، احمد اور ابوثور ہیں (عمدۃ القاری ۵؍۱۰۹) علامہ مروزی نے امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کا یہی مسلک نقل کیا ہے (اختلاف العلماء) اور علامہ ابن حجر

عسقلانی نے اسے امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام مالک کا قول مشہور بتایا ہے (فتح الباری ۴؍۵۹)۔

دلائل مجوزین:

عن جابر أن النبی ﷺ دخل یوم فتح مکة وعلیه عمامة سوداء بغیر إحرام (صحیح مسلم ۱؍۴۳۹)۔
(جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن بغیر احرام کے داخل ہوئے اور آپ ﷺ پر ایک کالی پگڑی تھی)۔

علامہ نووی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

هذا دلیل لمن یقول بجواز دخول مکة بغیر إحرام لمن لم یرد نسکا سواء کان لحاجة تکرر کالحطاب والحشاش والسقاء والصیاد وغیرهم أم لم تتکرر کالتاجر والزائر وغیرهما وسواء کان آمنا أو خائفا وأصح القولین للشافعی وبه یفتی أصحابه (شرح النووی علی مسلم ۱؍۴۳۹)۔
(یہ دلیل ہے ان کی جو یہ کہتے ہیں کہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا جائز ہے ان کے لئے جو حج کا ارادہ نہ رکھتے ہوں خواہ بار بار پیش آنے والی ضرورت کی وجہ سے ہو، جیسے لکڑی چننے والا، گھاس کاٹنے والا، پانی پلانے والا اور شکار کرنے والا اور ان کے علاوہ، یا ایسی ضرورت ہو جو بار بار پیش نہ آتی ہو جیسے تاجر اور زائر وغیرہ، خواہ وہ مامون ہو یا نہ ہو، اور امام شافعی کا صحیح قول یہی ہے، اور اسی پر ان کے اصحاب نے فتوی دیا ہے)۔

مجوزین حضرات اپنے مسلک کی تائید میں ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ جب مکہ کے اندر بغیر احرام کے سکونت اختیار کرنا جائز ہے تو بغیر احرام کے اس میں داخل ہونے کی اجازت تو بدرجہ اولی ہونی چاہئے، اس وجہ سے کہ داخل ہونا وہاں سکونت پذیر ہونے سے کم تر درجہ کا ہے (بدائع الصنائع ۲؍۱۶۴)۔

تیسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے میقات کی تعیین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فهن لهن ولمن أتی علیهن من غیر أهلهن ممن أراد الحج والعمرة (صحیح مسلم ۱؍۳۷۴)۔
(یہ ان کے لئے ہیں (یعنی میقات والوں کے لئے) اور ان لوگوں کے لئے ہے جو اہل میقات میں سے نہ ہوں لیکن حج وعمرہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں)۔

علامہ نووی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

فیه دلالة للمذهب الصحیح فیمن مر بالمیقات لا یرید حجا ولا عمرة أنه لا یلزمه الإحرام لدخول مکة (شرح النووی علی مسلم ۱؍۳۷۴)۔
(حدیث مذکور میں صحیح مذہب کی دلیل ہے اس شخص کے بارے میں جو بغیر حج وعمرہ کے ارادہ سے میقات سے گزرے تو اس کے لئے مکہ میں داخل ہونے کے لئے احرام ضروری نہیں ہے)۔

دلائل مانعین:

عن ابن عباس أن النبی ﷺ قال لا تجاوزوا المیقات إلا بالإحرام (شرح نقایہ ۱؍۱۸۸)۔

(ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بغیر احرام کے میقات سے تجاوز نہ کرو)

عن النبی ﷺ انه قال الا إن مكة حرام منذ خلقها الله تعالىٰ لم تحل لأحد قبلي ولا تحل لأحد بعدي وإنما أحلت لي ساعة من نهار ثم عادت حراماً إلى يوم القيامة". (بدائع الصنائع ۲/۱۶۴)۔

(آپ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جان لو کہ مکہ اس دن سے قابل احترام ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے اس کو وجود بخشا مجھ سے پہلے نہ کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا، اور میرے لئے تھوڑی دیر کے لئے حلال کیا گیا ہے، پھر قیامت تک کے لئے مکہ کی حرمت مکمل حالہ لوٹ آئی)۔

علامہ کاسانی نے اس حدیث سے تین طریقے سے استدلال کیا ہے (۱) إلا إن مكة حرام سے (۲) لا تحل لأحد بعدي سے (۳) عادت حراما إلى يوم القيامة سے، یہ مطلق ہے اس میں حج وعمرہ اور غیر حج وعمرہ کی کوئی تفریق نہیں ہے (بدائع ۲/۱۶۴)۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اس مقام مقدس کے لئے احرام اس لئے واجب کیا گیا ہے کہ وہ قابل تعظیم ہے اور اس حیثیت سے حاجی و معتمر اور غیر حاجی و معتمر سب برابر ہیں (ہدایہ ۱/۲۱۴)۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

وہ مبارک اور شریف مقام ہے، اللہ کے یہاں اس کی قدر ومنزلت ہے، لہذا دیگر مقامات پر اس کی شرافت کو ظاہر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں داخلہ بشکل عبادت ہو (بدائع ۲/۱۶۴)۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ حرم مکی میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھنا ضروری اور لازم ہے، خواہ حج وعمرہ کی نیت سے وہاں جانا ہو یا کسی اور غرض سے، اس وجہ سے کہ اس مقدس سرزمین کی عظمت و شرافت کا یہی تقاضا ہے، تاکہ اس کے اور دوسرے مقامات کے درمیان فرق وامتیاز باقی رہے۔

اور رہا فتح مکہ کے دن آپ کا بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا تو یہ آپ کے لئے اور آپ کے صحابہ کے لئے اس وقت کے ساتھ مخصوص حکم تھا (شرح وقایہ ۱/۱۸۸، مرقاۃ ۸/۹۲)۔

اور رہی اہل مکہ کو مکہ میں بغیر احرام کے سکونت پذیر رہنے کی اجازت کی بات تو ان لوگوں کو اس کی اجازت اسی بنیاد پر ہے کہ وہ لوگ وہاں بسنے کے سبب اس کی تعمیر، حفاظت اور خدمت میں حصہ لیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا شمار تعظیم کرنے والوں میں ہو گیا ہے (بدائع ۲/۱۶۴)۔

۲۔ مکہ بار بار آنے جانے والوں کا مسئلہ:

یہ تو اپنی جگہ مسلم ہے کہ احرام مکہ کے پیش نظر وہاں جانے کے لئے احرام باندھنا از حد ضروری ہے، مگر عصر حاضر کی برق رفتار ترقیات نے انسانی زندگی کی بھاگ دوڑ کو بھی بہت تیز کر دیا ہے، اور آمد ورفت کی سہولیات نے مختلف شہروں کو تجارتی اور معاشی بنیادوں پر باہم مربوط کر دیا ہے، جس کی وجہ سے لوگ اپنی اپنی ضرورتوں کے تحت ان جگہوں

پر بار بار آنے جانے پر مجبور ہوتے ہیں، مکہ بھی ایک عظیم شہر ہے جہاں سے بہت سے لوگوں کی تجارتی ومعاشی ضرورتیں وابستہ ہیں اور انھیں وہاں جانے کا بار بار سابقہ پڑتا ہے اور ان میں کتنے ہیں جو میقات سے گزر کر ہی مکہ میں داخل ہو سکتے ہیں، اسی طرح بہت سے اہل مکہ اپنی ضرورتوں کے پیش نظر میقات سے باہر آنے پر مجبور ہوتے ہیں، اور بار بار ہوتے ہیں تو اصلی صورت میں اگر ان حضرات کو ہر بار احرام کا پابند بنایا جائے تو بہت ہی تنگی اور دشواری میں مبتلا ہو جائیں گے، اس لئے ضرورت ہے کہ فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں اس کا صحیح اور مناسب حل تلاش کیا جائے تاکہ امت حرج وتنگی سے محفوظ رہے۔

اس سلسلے میں فقہاء کرام کی تصریحات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی کے یہاں اگر کوئی شخص حج اور عمرہ کے ارادے سے نہیں بلکہ کسی اور ارادے سے مکہ جارہا ہے تو اس کے لئے احرام باندھنا ضروری نہیں، خواہ وہ کسی ضرورت کے تحت جارہا ہو، یہی ان کا مذہب صحیح ہے، چنانچہ علامہ نووی شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں:

"وأما من لا يريد حجا ولا عمرة فلا يلزمه الإحرام لدخول مكة على الصحيح من مذهبنا سواء دخل لحاجة تتكرر كحطاب وحشاش وصياد ونحوهم أو لا تتكرر كتجارة وزيارة ونحوهما" (شرح صحیح مسلم للنووی ۱؍۴۳۷)۔

(بہر حال جو شخص حج وعمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا ہے تو ہمارے صحیح مذہب کے مطابق مکہ میں داخل ہونے کے لئے اس پر احرام ضروری نہیں ہے خواہ ایسی ضرورت کی وجہ سے داخل ہو جو بار بار پیش آتی ہے جیسے لکڑی چننے والا، گھاس چننے والا، اور شکاری وغیرہ، یا بار بار پیش آنے والی نہ ہو جیسے تجارت کرنے والے اور زیارت کرنے والے وغیرہ)۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل نے "حاجت متکررہ" کے سبب بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دی ہے "العدۃ شرح العمدۃ" میں ہے:

"لا يجوز لمن أراد دخول مكة تجاوز الميقات غير محرم إلا لقتال مباح وحاجة تتكرر كالحطاب ونحوه" (العدۃ شرح العمدۃ ۱؍۱۹۵، کشف القناع عن متن الاقناع ۲؍۴۷)۔

(مکہ میں داخل ہونے والے کے لئے بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے، مگر قتال مباح کی وجہ سے اور ایسی ضرورت کی وجہ سے جو بار بار پیش آتی ہو جیسے لکڑی چننے والا وغیرہ)

لیکن اگر تجارت وزیارت کے لئے جاتا ہو تو احرام ان کے یہاں لازم ہے، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے اپنی تصنیف المحرر فی الفقہ میں اس کی صراحت فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

"وإن قصدها لغير ذلك من تجارة ونحوها لزمه أن يدخلها محرما من الميقات" (المحرر فی الفقہ ۱؍۲۳۵)۔

(اور اگر مکہ کا ارادہ کیا اس کے علاوہ کسی وجہ سے یعنی تجارت اور اس جیسی چیز تو اسکو مکہ میں میقات سے احرام کی حالت میں داخل ہونا ضروری ہے)۔

امام مالک نے بھی ان لوگوں کو بغیر احرام مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دی ہے جنہیں مکہ بار بار جانے کا اتفاق ہوتا ہے، اور جو لوگ تجارت یا کسی اور غرض سے وہاں جا رہے ہوں تو ان کے لئے وہ بھی بغیر احرام کے جانے کی اجازت نہیں دیتے، شرح وقایہ میں ہے:

"ومذهب مالک يجوز مجاوزة الميقات بغير إحرام للذي يكثر تردداه إلى مكة كأهلها والمقيمين بها الذين يخرجون للمعاش، دون أهل الآفاق الذين إنما يقصدونها لحاجة أو تجارة" (شرح وقایہ ۱۸۸/۱)۔

(امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنا جائز ہے اس شخص کے لئے جس کی کثرت سے مکہ آمد و رفت ہو، جیسے اہل مکہ اور مکہ میں رہنے والے جو معاش کے لئے نکلتے ہوں، نہ کہ وہ آفاقی جو مکہ کا ارادہ کئے ہوں کسی ضرورت یا تجارت کی وجہ سے)۔

ائمہ ثلاثہ کے مذاہب کی مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حضرات ایسے شخص کو بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دینے پر متفق نظر آتے ہیں جسے مکہ بار بار آنے جانے کا سابقہ پڑتا ہو۔

باقی رہے فقہائے احناف تو ان کی عام تصریحات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ آفاقی کے لئے کسی بھی صورت میں بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے، ہدایہ میں ہے:

"ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد عندنا" (ہدایہ ۲۱۳/۱)۔

(ہمارے نزدیک آفاقی جب مکہ میں داخل ہونے کی غرض سے پہونچے تو اس کا محرم ہونا ضروری ہے خواہ حج و عمرہ کا قصد کیا ہو یا نہ کیا ہو)۔

ہاں اگر کوئی بغیر احرام کے مکہ جانا چاہتا ہو تو اس کے لئے ایک شکل یہ ہے کہ وہ پہلے "حِل" کا ارادہ کرے اور وہاں پہونچ کر پھر مکہ جانے کا ارادہ کرے تو ایسی صورت میں احرام کی ضرورت نہیں ہوگی، اس لئے کہ دفع حرج کے سبب اہل حل احرام کی پابندی سے مستثنیٰ ہیں، درمختار میں ہے:

"أما لو قصد موضعا من الحل كخليص وجدة حل له مجاوزته بلا إحرام فإذا حل به التحق بأهله فله دخول مكة بلا إحرام وهو الحيلة لمريد ذلك" (درمختار ۱۶۷/۲)۔

یہ تو آفاقی کے میقات سے تجاوز کر کے مکہ جانے کا مسئلہ تھا کہ اس سلسلے میں فقہائے احناف کے یہاں کسی بھی حالت میں بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنے کی اجازت کا ثبوت نہیں ملتا، لیکن اگر کوئی مکی اپنی ضرورت کے تحت مکہ سے باہر نکلے اور میقات سے بھی تجاوز کر جائے تو اس سلسلے میں صاحب البحر الرائق، رد المحتار (۱۶۸/۲) اور بدائع الصنائع (۱۶۷/۲) کے اعتبار سے وہ آفاقی کے حکم میں ہو گیا، اس کے لئے بغیر احرام کے مکہ آنے کی اجازت نہیں رہی، طحطاوی علی الدر المختار (ص ۸۲۹) میں بھی اسی کی تائید مذکور ہے، لیکن مجمع الانہر شرح ملتقی

البحر میں ہے کہ حطابین مکہ اگر میقات سے آگے بڑھ جائیں تو ان کے لئے احرام کی پابندی ضروری نہیں ہے، بغیر احرام باندھے مکہ آسکتے ہیں۔

اسی طرح علامہ عبدالعلی بحرالعلوم اپنی کتاب رسائل الارکان میں رقم طراز ہیں:

"وأما المكي إن خرج لحاجة ثم عاد فلا يجب عليه العود بالإحرام لأن وجوب دخول الآفاقي محرما إنما كان لتحية البيت ولا تحية في حق المكي ألا ترى أنه سقط عنه طواف القدوم في الحج" (رسائل الارکان ۲۴۷)۔

(اگر مکی کسی ضرورت کی وجہ سے نکلا اور پھر لوٹا تو اس پر احرام کی حالت میں لوٹنا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ احرام کے ساتھ حرم میں داخل ہونے کا وجوب صرف آفاقی اور غیر مکی کے لئے ہے، اور احرام کا وجوب بھی صرف اس لئے ہے کہ وہ بیت اللہ کا سلام اور تحفہ ہے اور مکی کے حق میں (دن رات وہاں رہنے کی وجہ سے) یہ تحیہ نہیں ہے، اسی وجہ سے تو مکی سے حج میں طواف قدوم ساقط ہے)۔

العرف الشذی میں بھی حطابین وحشاشین کا استثناء امام ابوحنیفہ کی جانب منسوب کرتے ہوئے مذکور ہے:

"قال أبو حنيفة من مر على الميقات مريدا مكة يجب عليه الإحرام أراد الحج أو العمرة أولا إلا الحطابين والحشاشين وقال الشافعي لا يجب الإحرام إلا على من يريد أحدهما" (العرف الشذی ۳۱۸)۔

(ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اس شخص پر احرام واجب ہے جو مکہ کا قصد کرتے ہوئے میقات سے گذرے، حج وعمرہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو سوائے لکڑی اور گھاس چننے والے کے اور امام شافعی نے فرمایا کہ احرام حج وعمرہ میں سے کسی کا ارادہ کرنیوالے ہی پر واجب ہوتا ہے)۔

الغرض وہ مکی جسے مکہ سے بار بار باہر نکلنے اور میقات سے تجاوز کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اس کے لئے تو فقہ حنفی کی مذکورہ تصریحات میں بھی احرام باندھے بغیر مکہ آنے جانے کی گنجائش نکلتی ہے، پھر اس وقت حطابین کی عادت یہ تھی کہ میقات کے اندر ہی رہتے تھے، اس سے تجاوز نہیں کرتے تھے اس لئے ان کی اس رخصت کو حل تک محدود رکھا گیا، جیسا کہ صاحب بدائع (۲/۱۶۶) علامہ کاسانی نے اس کی وضاحت فرمائی ہے، مگر آج جو لوگ حطابین کے حکم میں ہیں ان کی عادتیں میقات سے باہر جانے کی ہیں، لہذا اس رخصت میں عموم بہر حال ہونا چاہئے، اور ڈرائیور یا ایسے لوگ جنہیں میقات سے نکلنے کا بار بار سابقہ پڑتا ہو انہیں احرام کی پابندی سے مستثنیٰ ہونا چاہئے۔

باقی رہے ایسے آفاقی جنہیں مکہ بار بار آنے جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو انہیں یا تو اس طرح کے مکی حضرات پر قیاس کرتے ہوئے احرام کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دیدیا جائے یا بصورت دیگر موجودہ ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے امام شافعی وغیرہ کے فتویٰ پر عمل کیا جائے اور احرام کے بغیر آنے جانے کی انہیں اجازت دیدی جائے۔

۴،۳۔مکی کے لئے تمتع اور قران کا مسئلہ:

اہل مکہ اور مکہ میں مقیم حضرات کے لئے صرف حج افراد کی اجازت ہے تمتع اور قران کی نہیں، ہدایہ میں ہے:

"وليس لأهل مكة تمتع ولا قران وإنما لهم الإفراد خاصة ومن كان داخل المواقيت فهو بمنزلة المكي حتى لا يكون له متعة ولا قران" (ہدایہ ۲۳۳/۱)۔

(اور اہل مکہ کے لئے تمتع اور قران نہیں ان کے لئے صرف افراد ہے، اور جو مواقیت میں داخل ہے وہ مکی کے حکم میں ہے، لہذا ان کے لئے تمتع اور قران نہیں ہے)۔

درمختار کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مکی تمتع اور قران کرلے تو جائز ہے مگر گناہ گار ہوگا اور اس پر دم واجب ہوگا۔

"والمكي ومن في حكمه يفرد فقط ولو قرن أو تمتع جاز وأساء وعليه دم جبر" (در مختار ۲۱۴/۲)۔

(مکی اور جو اس کے حکم میں ہے صرف افراد کریگا، اور اگر قران اور تمتع کیا تو جائز ہے، اور اس نے برا کیا اور اس پر دم واجب ہوگا)

لیکن علامہ ابن عابدین شامی نے (رد المحتار ۲۱۴/۲) میں اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ مکی کا تمتع باطل ہے، قران باطل نہیں، بلکہ اس کا قران کراہیت کے ساتھ جائز ہے، اور علامہ انور شاہ کشمیری کے نزدیک یہی قول برحق ہے (معارف السنن ۲۹۴/۶)۔

۵۔متمتع ایک عمرہ کے بعد حج سے پہلے مزید عمرہ کرسکتا ہے:

اس مسئلے میں کہ تمتع کرنے والا حج سے پہلے ایک عمرہ کے بعد مزید عمرہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ علامہ سندھی نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف لباب المناسک میں اس کی اجازت نہیں دی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"ولا يعتمر قبل الحج" (ارشاد الساری/۱۹۳)۔

لیکن ملا علی قاری نے اپنی شرح لباب میں اس کی تردید فرمائی ہے اور کہا ہے کہ متمتع حج سے قبل ایک عمرہ کرنے کے بعد مزید عمرہ کرسکتا ہے، لکھتے ہیں:

"وهذا بناء على أن المكي ممنوع من العمرة المفردة أيضا وقد سبق أنه غير صحيح بل أنه ممنوع من التمتع والقران وهذا المتمتع آفاقي وغير ممنوع فجاز له تكرارها لأنها عبادة مستقلة" (ارشاد الساری/۱۹۳)۔

(اور یہ اس بات پر مبنی ہے کہ مکی عمرہ مفردہ سے بھی روکا گیا ہے، حالانکہ یہ بات گذر چکی ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ وہ تمتع اور قران سے روکا گیا ہے، اور یہ متمتع آفاقی ہے جو روکا نہیں گیا ہے، لہذا اس کے لئے اس کا تکرار جائز

ہے کیونکہ وہ ایک مستقل عبادت ہے)۔

دوسری جگہ اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے بصراحت لکھتے ہیں:

"والظاهر أن المتمتع بعد فراغه من العمرة لا يكون ممتنعا من إتيان العمرة فإنه زيادة عبادة" (ارشاد الساری ر ۱۸۰)۔

(اور ظاہر یہ ہے کہ متمتع عمرہ سے فراغت کے بعد عمرہ کرنے سے مانع نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس میں عبادت کی زیادتی ہے)۔

مفتی سعید احمد صاحب نے معلم الحجاج (۲۲۸/۱) میں اور مولانا حبیب الرحمن اعظمی صاحب رہبر حجاج (ص ۳۳) میں اسی نظریہ کی تائید فرمائی ہے، اور یہی صحیح بھی ہے اس وجہ سے کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے سال کے اندر کئی بار عمرہ کرنے کی اجازت دی ہے اور اس میں حاجی اور غیر حاجی کے درمیان تفریق نہیں کی ہے، التمہید میں ہے:

"قال أبو حنيفة وأصحابه: العمرة مباحة في السنة كلها إلا يوم عرفة ويوم النحر وأيام التشريق قال والحاج وغيره في ذلك سواء" (التمہید ۲۰ر۱۹)۔

(امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے فرمایا کہ عمرہ یوم عرفہ، یوم النحر اور ایام تشریق کے علاوہ پورے سال مباح ہے اور فرمایا کہ حج کرنے والے اور اس کے علاوہ سب اس میں برابر ہیں)۔

ایک سال کے اندر تکرار عمرہ کے بھی فقہاء قائل ہیں، سوائے امام مالک کے کہ وہ اسے مکروہ جانتے ہیں مگر علامہ ابن عبد البر نے صراحت فرمائی ہے کہ مکروہ قرار دینے والوں کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے، لکھتے ہیں:

قال أبو عمر: لا أعلم لمن كره العمرة في السنة مرارا حجة من كتاب ولا سنة يجب التسليم لمثلها" (التمہید ۲۰ر۲۱)۔

(ابو عمر نے کہا کہ سال میں چند مرتبہ عمرہ کرنے کو مکروہ قرار دینے والوں کی کوئی دلیل کتاب وسنت میں مجھے نہیں ملی جس کا تسلیم کرنا ضروری ہو)

۶۔ عمل رمی میں نیابت کا مسئلہ:

اگر کوئی شخص معذور ہے تو دوسرا شخص اس کی طرف سے رمی جمار کرسکتا ہے، شریعت نے اس کی اجازت دی ہے، تبیین الحقائق میں ہے:

"جاز بفعل غيره إذا عجز" (تبیین الحقائق ۲ر۱۳۸) (جب عاجز ہو تو دوسرے کے کرنے سے جائز ہوگا)۔

اسی طرح مبسوط میں ہے:

"المريض الذي لا يستطيع رمي الجمار يوضع الحصى في كفه حتى يرمي لأنه فيما يعجز عنه يستعين بغيره وإن رمي عنه أجزأه بمنزلة المغمى عليه فإن النيابة تجري في النسك

كما في اللذبح" (مبسوط ۴/ ۶۹)۔

(جو مریض رمی جمار کی طاقت نہ رکھتا ہو، تو اس کی ہتھیلی میں کنکری رکھ دی جائے تاکہ وہ رمی کرے، اس لئے کہ جس سے وہ عاجز ہے اس میں دوسرے سے مدد لے گا، اور اگر کسی نے اس کی طرف سے رمی کر دیا تو کافی ہوگا اور وہ بے ہوش کے درجہ میں سمجھا جائے گا اس لئے کہ نیابت حج وعمرہ میں جاری ہوتی ہے جیسا کہ ذبح میں)۔

لیکن یہ اجازت چھوٹے بڑے ہر عذر پر نہیں دی گئی ہے، بلکہ ایسا عذر شدید ہو کہ آدمی اپنے ضعف ومرض کے سبب کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور نہ اس کے لئے سواری سے یا پیدل جمرات تک پہونچنا ممکن ہو تب کوئی دوسرا شخص عمل رمی میں اس معذور شخص کی نیابت کرسکتا ہے، ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں:

"ثم المريض ليس على إطلاقه ففي الحاوي عن المنتقى عن محمد إذا كان يصلي المريض بحيث يصلي جالسا رمي عنه ولا شئ عليه" (ارشاد الساری/ ۲۲۶)۔

آگے لکھتے ہیں:

"ولعل وجهه أنه إذا كان يصلي قائما فله القدرة على حضور المرمى راكبا أو محمولا فلا يجوز النيابة عنه" (ارشاد الساری/ ۲۲۶)۔

(اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے تو اس کے لئے رمی کرنے کی جگہ حاضر ہونے کی قدرت ہے خواہ سوار ہو کر ہو یا اس کو اٹھا کر لے جایا جائے، تو اس کی نیابت جائز نہیں ہے)۔

اسی طرح مفتی سعید احمد صاحب معلم الحجاج میں تحریر فرماتے ہیں:

"رمی کے بارے میں وہ شخص مریض اور معذور سمجھا جائے گا جو کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں تکلیف کا اندیشہ ہو، اگر سوار ہو کر جمرات تک آسکتا ہے اور مرض کی زیادتی اور تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے تو خود رمی کرنی ضروری ہے، دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں، ہاں اگر سواری یا کوئی شخص اٹھانے والا نہ ہو تو معذور ہے دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے" (معلم الحجاج/ ۱۸۵)۔

اور رہا خوف ازدحام، تو یہ عذر نہیں ہے، اس کی بنیاد پر کسی کو نائب بنانا درست نہیں ہے، چنانچہ محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی صاحب نے رہبر حجاج (ص/ ۳۶) میں، مفتی سعید احمد صاحب نے معلم الحجاج میں (ص/ ۱۸۴) میں، مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری نے فتاوی رحیمیہ (۵/ ۳۳۸) میں اس کی صراحت فرمائی ہے، لہذا عورتیں اور معذورین محض ازدحام کے خوف سے کسی اور کو نائب نہ بنائیں بلکہ از خود رمی کریں، ہاں اگر ازدحام کا اندیشہ ہو تو دن کے بجائے رات میں کریں، کہ ان کے لئے بلا کراہت جائز ہے۔

۷۔ حکومت سعودیہ کی جانب سے کسی کے بحالت احرام روک دیے جانے کا حکم:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حکومت سے اجازت لئے بغیر بعض لوگ احرام باندھ لیتے ہیں اور جب تفتیش ہوتی ہے تو انہیں حکومت کا عملہ واپس بھیج دیتا ہے اور وہ حج نہیں کرپاتے، ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہوتے ہیں، محصر کی تعریف ہے:

"المحصر محرم ممنوع عن المضي إلى إتمام أفعال ما أحرم لأجله" (عنایہ علی ہامش الفتح ۲/۲۹۵)۔

لیکن محصر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حج کے دونوں رکن طواف زیارت اور وقوف عرفہ سے روک دیا گیا ہو، اگر صرف کسی ایک رکن روکا گیا ہو تو محصر نہیں ہوگا، مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

"هو المنع عن الوقوف والطواف شرعا فإن قدر على أحدهما فليس بمحصر" (مرقاۃ ۲/۹۶)۔

(وہ وقوف اور طواف سے شرعا رکنا ہے، اگر ان دونوں میں سے کسی پر قادر ہے تو وہ محصر نہیں ہے)۔

مفتی سعید احمد صاحب اس مسئلے کی تعریف کرتے ہوئے اس بات کی بھی وضاحت فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو کیا کرنا ہوگا، تحریر فرماتے ہیں:

"اگر مکہ مکرمہ میں ہی محرم کو کوئی ایسا مانع پیش آجائے کہ وقوف عرفات اور طواف زیارت دونوں نہ کرسکے تو وہ بھی محصر ہے، اگر صرف ایک سے روکا تو محصر نہ ہوگا کیونکہ اگر وقوف سے رکا ہے تو عمرہ کرکے حلال ہو جائے گا، اور اگر طواف زیارت سے رکا ہے تو یہ طواف ساری عمر میں ہو سکتا ہے، البتہ ایام نحر کے بعد کرنے سے دم واجب ہوگا" (معلم الحجاج ۲/۲۷)۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب کا مسئلہ:

متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب قائم رکھنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب اور حضرات صاحبین کے نزدیک سنت ہے، مرقاۃ میں ہے:

"إعلم أن الترتيب بين الرمي والذبح والحلق للقارن والمتمتع واجب عند أبي حنيفة وسنة عندهما" (مرقاۃ المفاتیح ۵/۳۶۳)۔

(جان لو کہ قارن اور متمتع کے لئے ترتیب رمی، ذبح اور حلق کے درمیان امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک سنت ہے)۔

چنانچہ اگر کسی نے ترتیب کا لحاظ نہیں کیا اور ان میں تقدیم وتاخیر کردی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک نہیں، اسی طرح امام مالک، ثوری، اوزاعی، شافعی، احمد، اسحاق، ابوثور، داؤد، اور ابن جریر کا مسلک بھی صاحبین کا سا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک عدم ترتیب پر دم واجب نہیں ہوتا (عمدۃ القاری ۷/۳۶۴)۔

آج حج کے زمانہ میں زبردست ازدحام ہوتا ہے جس کے سبب ترتیب کا لحاظ کرنے میں حجاج کرام کو بہت سی دشواریاں پیش آتی ہیں اور بسا اوقات ترتیب قائم بھی نہیں رہ پاتی اور امام صاحب کے فتوی کے رو سے دم واجب ہو جاتا ہے، اس لئے حالات زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب ہوگا کہ حضرات صاحبین کے قول پر فتوی دیا

جائے، ما کراہت تنگی سے محفوظ رہے۔

۹۔ حج بدل میں قران اور تمتع:

حج بدل کے صحیح ہونے کی بہت ساری شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مامور (یعنی حج بدل کرنے والا) (آمر یعنی حج بدل کرانے والے) کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرے، اگر اس نے ایسا کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک حج آمر کی طرف سے نہیں ہوگا اور مامور سارے اخراجات کا ضامن ہوگا، مثلاً آمر نے مامور کو صرف حج کرنے کا حکم دیا اور اس نے قران یا تمتع کر دیا تو اس صورت میں اسے مخالف تصور کیا جائیگا اور وہ ضامن قرار پائیگا لباب المناسک میں ہے:

لو امره بالافراد فقرن أو تمتع لم يقع حجه عن الآمر ويضمن النفقة (لباب المناسک ۲۹۶)۔

(اگر اس کو افراد کا حکم دیا لیکن اس نے قران یا تمتع کیا تو اس کا حج آمر کی جانب سے نہیں ہوگا اور وہ نفقہ کا ضامن ہوگا)۔

علامہ ابن عابدین شامی اس مسئلے کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وجهه انه لم يأت بالمامور به لأنه امره بسفر يصرفه إلى الحج لا غير فقد خالف امر الآمر فيضمن " (ردالمحتار ۲/ ۲۶۸)۔

لیکن اگر حج بدل کرانے والے نے مامور کو تمتع کرنے کی صراحت اجازت دیدی تو اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے، ملا علی قاری، مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ کا خیال ہے کہ آمر کی اجازت سے بھی تمتع کرنے کی گنجائش نہیں ہے، لیکن صاحب البحرالرائق، لباب المناسک اور غنیۃ الناسک وغیرہ کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ آمر کی اجازت سے مامور تمتع کر سکتا ہے، غنیۃ الناسک میں ہے:

" ولكن ما زاد في اللباب يوافقه ما في البحر وغيره من جواز التمتع عن الآمر إذا كان بامره " (غنیۃ الناسک ۱۸۵)۔

نیز ردالمحتار کی مندرجہ ذیل عبارت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آمر کی اجازت سے تمتع کرنے کی اجازت ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں:

ودم القران و التمتع و الجنايات على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا فيضمن " (ردالمحتار ۲/ ۲۶۸)۔

مفتی محمد شفیع صاحب نے اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد بہت واضح اور تشفی رائے دی ہے، اور تمتع کی گنجائش بتائی ہے، لکھتے ہیں:

" اگرچہ من حیث الدلیل رجحان اس کا معلوم ہوتا ہے کہ حج بدل میں آمر کی اجازت سے قران اور تمتع دونوں جائز ہوں، اور فقہائے متاخرین میں صاحب لباب اور اس کے حاشیہ حباب وغیرہ میں اس کو اختیار بھی کیا گیا ہے، مگر ملا علی قاری اور حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کا فتوی اس سے مختلف ہے، وہ تمتع کو باذن آمر بھی جائز قرار نہیں

ویسے، معاملہ ادائے فرض کا نازک ہے اس لئے احتیاط لازم ہے، جہاں تک ممکن ہو حج بدل میں افراد یا قران کیا جائے تمتع نہ کریں لیکن اس زمانے میں حج وعمرہ کرنے میں عام آدمی آزاد نہیں کہ جب اور جس وقت چاہیں جائیں اور طول احرام سے بچنے کے لئے ایام حج کے بالکل قریب سفر کریں، ہر طرف حکومتوں کی پابندیاں شدید ہیں، اس لئے اگر کسی حج بدل کرنے والے کو وقت سے زیادہ پہلے جانے کی مجبوری ہو اور احرام طویل میں واجبات احرام کی پابندی مشکل نظر آئے تو اس کے لئے تمتع کر لینے کی بھی گنجائش ہے" (جواہر الفقہ ۱/۵۱۶)۔

پھر یہ اجازت بصراحت ہونی چاہئے، چنانچہ اگر صراحتاً اجازت نہیں دی اور مامور نے تمتع یا قران کر لیا تو اسے مخالف تصور کیا جائے گا اور اس ضمن کے سارے اخراجات کا ضامن ہوگا، چنانچہ البحر الرائق کی اس عبارت سے یہ بات بہت صاف واضح ہوتی ہے:

"وبقی صورتان یکون بالقران فیهما مخالفا احدهما ما لم یاذن له بالقران فقرن عنهما ضمن نفقتهما"۔

اگر آمر نے کوئی صراحت نہیں کی ہے تو اس سے حج افراد مراد ہوگا، چنانچہ مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"جبکہ آمر نے صرف حج کا امر کیا تو اس وقت بظاہر اس کا امر حج آفاقی پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ جب آمر خارج میقات کا رہنے والا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ اس کا حکم ایسے ہی حج سے متعلق ہوگا جس کا احرام میقات سے باندھا گیا ہو، اور اس ظاہر حال کی دلالت سے مطلق حج کے امر کو حج من المیقات کے ساتھ فقہاء نے مقید کیا ہے"۔ (کفایت المفتی ۴/۳۲۵)۔

اور مامور جب قران یا تمتع کرے گا تو ان کا دم اسی پر آئے گا آمر پر نہیں، خواہ اس نے آمر کی اجازت سے کیا ہو یا بغیر اجازت کے، درمختار میں ہے:

"دم القران والتمتع والجنایة علی الحاج" (درمختار ۲/۲۷۶) (قران، تمتع اور جنایت کا دم حاجی پر ہے)۔

لباب المناسک میں ہے:

"ولو امر بالقران او التمتع فالدم علی المأمور" (لباب المناسک ۳۰۵)۔

(اور اگر اس کو حکم دیا ہے قران اور تمتع کا تو بھی دم مامور پر ہے)

باقی رہا حج عن المیت کی صورت میں تمتع کی گنجائش کا مسئلہ، تو اگر میت نے حج کی وصیت کی ہے تو اس میں حج بدل کی تمام شرطوں کا لحاظ کیا جائے گا، چنانچہ اگر اس نے تمتع کی صراحت نہیں کی ہے تو مامور کے لئے اس کے کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، اور اگر اس نے صراحتاً اس کی اجازت دیدی ہے تو مامور کے لئے تمتع کرنا صحیح ہوگا، ارشاد الساری میں ہے:

"إن الميت لو امره بالتمتع فتمتع المامور صح ولا يكون مخالفا بلا خلاف بين الأئمة الأسلاف" (ارشاد الساری ۳۰۳/۳)۔

(اگر میت نے مامور کو تمتع کا حکم دیا، پھر مامور نے تمتع کیا تو صحیح ہے اور وہ مخالفت کرنے والا نہیں ہے اور ائمہ اس سلسلہ میں ائمہ اسلاف کے درمیان کوئی اختلاف ہے)

اور اگر میت نے کوئی صراحت نہیں کی ہے تو ورثہ کی اجازت سے تمتع اور قران جائز ہوں گے وصی کی اجازت سے نہیں (کفایت المفتی ۳۶۲/۴)۔

۱۰۔ حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت:

حالت حیض ونفاس میں طواف کرنا ممنوع ہے، مگر کسی مجبوری کے سبب اگر کوئی عورت طواف کرہی لے تو طواف ہو جائیگا، رد المحتار میں ہے:

"ويمنع حل الطواف لأن الطهارة له واجبة فيكره تحريما وان صح كما في البحر وغيره" (رد المحتار ۲۱۲/۱)۔

(وہ طواف کے حلال ہونے کو روکتی ہے، اس لئے کہ طواف کے لئے طہارت واجب ہے پس وہ مکروہ تحریمی ہوگا اگر چہ صحیح ہے، جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے)۔

اور وہ عورت گناہگار تو ضرور ہوگی مگر اس طواف کے ذریعہ اس کا رکن ادا ہو جائیگا اور احرام سے نکل جائیگی، اور اس پر بدنہ (اونٹ یا گائے) واجب ہوگا۔

فتاوی محمودیہ میں ہے:

"ناپاکی کی حالت (حیض ونفاس اور جنابت) میں طواف کرنا حرام ہے، اس کو گناہ نہ سمجھنا خطرناک گناہ ہے، طواف زیارت ایسی حالت میں کرنے سے اونٹ یا گائے کا دم دینا واجب ہے، تاہم اس کا فریضہ حج ادا ہو جائیگا" (فتاوی محمودیہ ۱۸۰/۱۳)۔

اور یہ دم حرم میں دیا جائے گا، تبیین الحقائق میں ہے:

والكل بالحرم اى كل دم يجب على الحاج يختص بالحرم" (تبیین الحقائق ۹۰/۲)۔

(اور تمام دم حرم میں دیئے جائیں گے یعنی حج کرنے والے پر تمام دم حرم ہی میں واجب ہوں گے)۔

۱۱۔ سفر حج میں شوہر کے انتقال کے بعد معتدہ عورت کے حج کا مسئلہ:۔

اگر سفر حج یا عمرہ کے دوران کسی عورت کا شوہر انتقال کر گیا تو اس پر عدت واجب ہوگی، اور ایام عدت میں عورت پر حج واجب نہیں ہوتا، تاہم اگر کوئی عورت اس حالت میں بھی حج کرلے تو حج ہو جائیگا مگر گنہگار ہوگی، ارشاد الساری میں ہے:

"وإن حجت وهي في العدة جاز حجها وكانت عاصية" (ارشاد الساری ۳۹/۱)۔

(اور اگر اس نے عدت کی حالت میں حج کیا تو اس کا حج جائز ہے لیکن گنہگار ہوگی)۔

اور اگر وہ بحالت احرام تھی کہ اس کا شوہر انتقال کر گیا تو ایسی صورت میں وہ محصر قرار پائے گی اور حرم میں دم دے کر حلال ہو جائیگی۔ البحر الرائق میں ہے:

"ولو احرمت المرأة بحجة ولا محرم لها ومنعها زوجها أو مات عنها زوجها أو محرمها في الطريق وهي محرمة ولو بحج تطوع فإنها لا تحل إلا بذبح الهدي في الحرم" (البحر الرائق ۳/۵۸)۔

(اور اگر عورت نے حج کا احرام باندھا اور اس کا کوئی محرم نہ ہو یا اس کے شوہر نے اس کو روک دیا ہو یا شوہر مر گیا یا اس کا محرم راستہ میں مر گیا، اور یہ احرام کی حالت میں ہے، اگر چہ نفل حج ہی کیوں نہ ہو، تو وہ حرم میں ہدی ذبح کئے بغیر حلال نہیں ہو سکتی)

۱۴۔ پندرہ دن سے کم مکہ رہ کر منیٰ جانے والا شخص مسافر ہوگا یا مقیم؟

اگر کوئی شخص مکہ اس وقت پہونچتا ہے کہ پندرہ دن گزارنے سے قبل ہی اسے منیٰ چلے جانا ہے تو ایسی صورت میں وہ مقیم نہیں ہوگا، مسافر ہی رہیگا حتی کہ اگر وہ پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت بھی کرلے تب بھی وہ مسافر ہی رہے گا اس کی نیت کا اعتبار نہیں ہوگا، البحر الرائق میں ہے:

"وذكر في كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر ونوى الإقامة نصف شهر لا يصح لأنه لابد له من الخروج إلى عرفات فلا يتحقق الشرط" (البحر الرائق ۲/۱۴۳)۔

(اور کتاب المناسک میں ذکر کیا گیا ہے کہ حج کرنے والا ایام عشر میں مکہ پہونچا اور پندرہ دن اقامت کی نیت کی تو یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس کو عرفات جانا ضروری ہے لہذا شرط متحقق نہیں ہوگی)۔

یہ تو صحیح ہے کہ آج منیٰ کی آبادی بڑھتے بڑھتے مکہ سے جا ملی ہے، مگر پھر بھی اس اتصال سے اس حکم میں کوئی فرق نہیں آئے گا، آج آبادیوں کی تعیین کے لئے حکومت کی جانب سے نشانات ہوتے ہیں، اور وہی آبادیوں کے اتصال وانفصال کے مدار ہوتے ہیں، پھر یہ حقیقت بھی محتاج بیان نہیں ہے کہ منیٰ ایک مستقل آبادی ہے۔

پھر کتب فقہ میں اس طرح کی کوئی صراحت تو نہیں ملی کہ منفصل آبادی اگر متصل ہو جائے تو اس سلسلے میں اس پر کیا حکم مرتب ہوگا، مگر ایسا ضرور ملتا ہے کہ اگر کوئی آبادی پہلے سے متصل تھی اور بعد میں علیحدہ ہوگئی تو اس شہر سے نکلنے میں قدیم اتصال کا اعتبار کیا جائے گا۔

البحر الرائق میں ہے:

"فإن كانت في الجانب الذي خرج منه محلة منفصلة عن المصر، في القديم كانت متصلة بالمصر لا يقصر الصلاة حتى يجاوز تلك المحلة كذا في الخلاصة" (البحر الرائق ۲/۱۳۹)۔

(اور وہ نکل رہا ہے ایسے جانب سے جس جانب سے وہ محلہ شہر سے الگ ہے حالانکہ پہلے وہ شہر سے متصل

تھا تو نماز کی قصر نہیں کرے گا، جب تک وہ اس محلہ کو پار نہ کر جائے، اسی طرح خلاصہ میں ہے)۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قدیم اتصال و انفصال کا اعتبار ہونا چاہئے۔

۱۳۔ نماز وتر میں کسی شافعی امام کی اقتداء کا مسئلہ:

نماز وتر میں کسی ایسے امام کی اقتداء کرنا جو دو رکعت پر سلام پھیر دیتا ہو علماء احناف کے مذہب صحیح کے مطابق جائز نہیں ہے۔ علامہ ابن نجیم نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف البحر الرائق میں تحریر فرمایا ہے:

"المذهب الصحيح صحة الاقتداء بالشافعي في الوتر إن لم يسلم على رأس الركعتين وعدمها إن سلم" (البحر الرائق ۲؍۴۲)۔

(صحیح مذہب یہ ہے کہ شافعی امام کی اقتداء کرنا وتر کی نماز میں صحیح ہے اگر وہ دو رکعت پر سلام نہ پھیرے، اور اس کی اقتداء درست نہیں ہے اگر دو رکعت پر سلام پھیر دے)

علامہ زیلعی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے (البحر الرائق ۲؍۴۲) لیکن علامہ ابوبکر رازی نے مسئلہ کے مجتہد فیہ ہونے کے سبب اس صورت میں بھی اقتداء کو جائز قرار دیا ہے، البحر الرائق میں ہے:

"وجوزه أبو بكر الرازي ويصلي معه بقية الوتر لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده وهو مجتهد فيه كما لو اقتدى بإمام قد رعف" (البحر الرائق ۲؍۴۲)۔

(اور ابوبکر رازی نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اور (ان کا خیال ہے کہ) وتر کی بقیہ رکعت بھی اس کے ساتھ پڑھے اس لئے کہ دو رکعت پر سلام پھیرنے کی وجہ سے ان کے نزدیک امام نماز سے نہیں نکلا، نیز یہ کہ یہ مسئلہ بجائے خود مجتہد فیہ ہے لہذا اس کا حکم ویسے ہی ہوگا جیسا کہ اگر اقتداء کی جائے ایسے امام کی جس کی نکسیر پھوٹ گئی ہو)۔

اسی طرح مولانا محمد یوسف بنوری نے بھی علماء کی جانب منسوب کرتے ہوئے اس کے جواز کی بات نقل کی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"وكذلك صرحوا بجواز اقتداء الحنفي خلف الشافعي في الوتر إن سلم" (معارف السنن ۱؍۱۹۳)۔

(اور اسی طرح وتر کی نماز میں شافعی کے پیچھے اگرچہ وہ سلام پھیر دے حنفی کے اقتداء کرنے کے جواز کی صراحت کی ہے)۔

ان تمام تصریحات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہونا تو یہی چاہئے کہ اگر شافعی امام دو رکعت پر سلام پھیر دے تو اقتداء جائز نہ ہو، لیکن حرمین شریفین کی جماعت کا ثواب حاصل کرنے اور دوسری مصلحتوں کے پیش نظر اس کے جواز کی بات کہی جانی چاہئے اور ایک اجتہادی مسئلے میں تشدد کے بجائے تخفیف کا راستہ اپنانا چاہئے۔

خلاصۂ بحث:

١۔ اگر کوئی آفاقی شخص حج و عمرہ کے ارادے سے نہیں بلکہ صرف ملاقات و زیارت اور تجارت کی غرض سے مکہ جا رہا ہے تو اس سلسلے میں امام شافعی کا مذہب صحیح اور مشہور یہ ہے کہ اس کے لئے بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک کسی بھی حالت میں بغیر احرام کے میقات سے آگے بڑھنا جائز نہیں، ویسے فقہاء کی اس میں مختلف روایات ہیں۔

٢۔ جن حضرات کو مکہ بار بار آنے کا اتفاق ہوتا ہے مثلاً ڈرائیور وغیرہ، ان کے لئے بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنے کی اجازت ہونی چاہئے، مکی کے لئے بعض کتب حنفیہ کی تصریحات کی روشنی میں اور آفاقی کے لئے یا تو مکی پر قیاس کرتے ہوئے یا مذہب غیر پر فتویٰ دیتے ہوئے۔

٣۔ مکی کا تمتع باطل ہے، قران باطل نہیں۔

٤۔ جب اہل مکہ اور دوسرے وہ حضرات جنہیں مکہ بار بار جانے کا سابقہ پڑتا ہے، احرام کی پابندی سے آزاد ہو گئے تو اب کوئی مشکل نہیں ہوگی۔

٥۔ متمتع ایک عمرہ کے بعد حج سے پہلے مزید عمرہ کر سکتا ہے۔

٦۔ (الف) معذور شخص کی جانب سے کوئی دوسرا شخص رمی جمار کر سکتا ہے۔

(ب) یہ نیابت صرف مریض اور معذور کے لئے ہے، وہ بھی ایسا معذور جو کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور جمرات تک پیدل یا سواری سے جانے کی طاقت نہ رکھتا ہو، محض اژدہام کا خوف عذر نہیں ہے۔

٧۔ حکومت سعودیہ کی جانب سے بحالت احرام حج سے روک دیئے جانے والا شخص محصر ہے بشرطیکہ حج کے دونوں رکن سے روک دیا گیا ہو۔

٨۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان امام ابوحنیفہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک سنت ہے، مگر آج کی حالت کے مد نظر صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جانا چاہئے۔

٩۔ (الف) حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے تمتع کر سکتا ہے۔

(ب) آمر کی صریح اجازت ضروری ہے۔

(ج) قلب ظن کافی نہیں ہے۔

(د) دم تمتع مامور پر ہوگا خواہ اجازت سے ہو یا بغیر اجازت کے۔

(ہ) جب آمر کی اجازت سے تمتع کی گنجائش ہے تو کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا۔

(و) اگر میت نے تمتع کا امر کیا ہے تو تمتع صحیح ہے ورنہ نہیں، اور اگر اس نے اس کی صراحت نہیں کی ہے تو ورثہ کی اجازت سے تمتع جائز ہے اسی کی اجازت سے نہیں۔

(١٠) (الف) حالت حیض میں عورت کے لئے طواف زیارت ممنوع ہے۔

(ب) لیکن اگر اسی ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرلے تو رکن ادا ہو جائیگا۔

(ج) اور اس پر بدنہ (اونٹ یا گائے) واجب ہوگا۔

(د) اور دم کی ادائیگی حرم میں ہوگی۔

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں کسی عورت کا شوہر انتقال کر گیا تو ایام عدت میں اس پر حج واجب نہیں ہے لیکن کر لے تو حج ہو جائے گا مگر گناہگار ہوگی۔ اور اگر شوہر کا انتقال اس وقت ہوا جبکہ وہ احرام کی حالت میں تھی تو وہ محصر کے حکم میں ہوگی۔

۱۲۔ پندرہ دن سے کم مکہ رہ کر منیٰ چلا جانے والا شخص مسافر ہی ہوگا۔

۱۳۔ نماز وتر میں کسی ایسے امام کی اقتداء کرنا جو دو رکعت پر سلام پھیر دیتا ہو جائز ہے اس میں تشدد نہیں ہونا چاہئے۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ کے حل طلب مسائل

مفتی شیر علی (گجرات)

۱۔ اگر کوئی آفاقی شخص مکۃ المکرمہ جانے کے ارادے سے میقات پر پہونچا تو ہمارے نزدیک اس پر احرام باندھنا واجب ہے خواہ اس کا ارادہ حج کا ہو یا عمرہ کا یا ان کے علاوہ تجارت وغیرہ کی غرض سے جانا چاہتا ہو، اور یہی امام احمد کا مذہب ہے۔

امام شافعی ودیگر فقہاء فرماتے ہیں کہ جب حج یا عمرہ کی نیت سے میقات سے گذر رہا ہو تو اس وقت احرام باندھنا واجب ہے ورنہ عام حالت میں مستحب ہے۔

وقال الشافعي إن دخلها للنسك وجب عليه الإحرام وإن دخلها لحاجة جاز دخوله من غير إحرام (بدائع الصنائع ۲/۱۶۴)۔

حنفی مذہب کی ترجمانی کرتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد عندنا لقوله عليه السلام لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما ولأن وجوب الإحرام لتعظيم هذه البقعة الشريفة فيستوي فيه الحاج والمعتمر وغيرهما (ہدایہ ۱/۲۳۵)۔

صاحب البحرالرائق تحریر فرماتے ہیں:

وشمل ما إذا كان قاصدا عند المجاوزة الحج أو العمرة أو التجارة أو القتال أو غير ذلك بعد أن يكون قد قصد دخول مكة لأن الإحرام لتعظيم هذه البقعة الشريفة فاستوى فيه الكل وأما دخوله ﷺ مكة بغير إحرام يوم الفتح مكان مختصا بتلك الساعة بدليل قوله ﷺ في ذلك اليوم مكة حرام لم تحل لأحد بعدي وإنما حلت لي ساعة من نهار ثم عادت حراما يعني الدخول بغير إحرام (۲/۳۱۸)۔

وفي تنوير الأبصار: وحرم تأخير الإحرام عنها لمن قصد دخول مكة ولو لحاجة وقال الشامي في تشريح قوله ولو لحاجة كمجرد الرؤية والنزهة أو التجارة (شامی مطبوعہ بیروت ۳/۴۸۲)۔

علاء الدین سمرقندی تحریر فرماتے ہیں:

فمواقيت أهل الآفاق خمسة للحج والعمرة وهي مواقيت بينها رسول الله ﷺ تعظيما للبيت، حتى لا يجوز للآفاقي التجاوز عن هذه المواقيت لدخول مكة لقصد الحج أو للتجارة ونحوها محرما (تحفۃ الفقہاء ۱/۳۹۳)۔

حنفیہ کی دلیل حضور ﷺ کا فرمان:

"لایجاوز أحد المیقات إلا محرما وأیضا عن ابن عباس أن النبی ﷺ قال لا تجاوزوا المواقیت إلا بإحرام" یہ حدیث حجت ہے اگرچہ حافظ ابن حجر نے تضعیف راوی پر کلام کیا ہے اس لئے کہ صاحب اعلاء السنن مولانا ظفر تھانوی فرماتے ہیں:

قلت فمالہ وهو حسن الحدیث علی الأصل الذی أصّلنا غیر مرة وقال ابن معین لا بأس بہ وقال مرة ثقة وقال ابن سعید کان ثقة وأخرج البیهقی بلفظ . لایدخل أحد مکة إلا محرما قال الحافظ إسنادہ جید ۔ (نیل الأوطار)۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ احرام باندھنا اس مقدس سرزمین کی تعظیم کے پیش نظر واجب ہے نہ کہ حج وعمرہ کی شرط ہونے کی وجہ سے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ میقات اور حرم کے درمیان میں رہتے ہیں ان پر بھی احرام باندھنا واجب ہے۔ بہر حال احرام کا وجوب حرم کی سرزمین کے معظم اور مکرم ہونے کی وجہ سے ہے، اور تعظیم میں سب برابر ہیں یعنی تعظیم حرم سب پر واجب ہے خواہ حج وعمرہ کا ارادہ ہو یا ان کے علاوہ تجارت وغیرہ کا۔

شوافع کی دلیل: إنہ علیہ السلام دخل یوم الفتح وعلیہ عمامة سوداء بغیر إحرام (رواہ مسلم)۔

ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جب مکہ میں قیام بغیر احرام کے جائز ہے تو دخول بلا احرام بدرجہ اولی جائز ہوگا اسلئے کہ یہ قیام سے ادون ہے: وجہ قولہ إنہ تجوز السکنی بمکة من غیر إحرام فالدخول أولی لأنہ دون السکنی..... ترجیح ان تمام احادیث شریفہ کو سامنے رکھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے مستدلات کے الفاظ عام ہیں لہذا عموم کا تقاضہ بھی ہے کہ ہر شخص پر احرام واجب ہونا چاہئے جو بھی میقات سے گذرے۔ جہاں تک شوافع کے مستدل حدیث کا تعلق ہے تو یہ آپ کی خصوصیت پر محمول ہے، اس تخصیص کی دلیل خود ایک دوسری روایت مشکوۃ (۱/۲۳۸) میں مذکور ہے۔

اور شوافع کی عقلی دلیل کا ضعف بھی واضح ہے، اور سکان حرام پر آفاقی کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، اصل میں تو آفاقی کا مسئلہ ہے، اس لئے کہ سکان حرم تو ہمیشہ رہتے ہیں ان کو احرام کا پابند کرنے میں عظیم مشقت ہے پھر اس کا ایک جواب صاحب بدائع الصنائع دیتے ہیں:

واهل مکة بسکناهم فیها جعلوا معظمین لها بقیامهم بعمارتها وسدانتها وحفظها وحمایتها لذلک أبیح لهم السکنی (۲/۱۶۴)۔

• نیز حرم بھی شعائر اللہ میں سے ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم ہر مسلمان پر ضروری ہے لہذا تعظیم کا تقاضہ یہی ہے کہ احرام باندھ کر داخل ہو۔

اس لئے ان فقہی روایات اور احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ بغیر احرام کے میقات سے تجاوز بہر صورت ناجائز ہے۔

۴۔ لا یجوز مجاوزۃ آخر المواقیت إلا محرما فإذا جاوزہ بلا إحرام لزمہ دم وأحد النسکین إما حج أو عمرۃ لأن مجاوزۃ المیقات بنیۃ دخول الحرم بمنزلۃ إیجاب الإحرام علی نفسہ۔ (البحر الرائق ۳/۴۸)۔

لا یجوز لأحد منہم أن یجاوز میقاتہ إذا أراد الحج أو العمرۃ إلا محرما وکذلک لو أراد بمجاوزۃ ہذہ المواقیت ودخول مکۃ لا یجوز لہ أن یجاوزہا إلا محرما سواء أراد بدخول مکۃ النسک من الحج أو العمرۃ أو التجارۃ أو حاجۃ أخری عندنا (بدائع الصنائع ۲/۱۶۴)۔

ثم الآفاقی إذا انتہی إلیہا علی قصد دخول مکۃ علیہ أن یحرم قصد الحج أو العمرۃ أو لم یقصد عندنا لقولہ علیہ السلام لایجاوز أحد المیقات إلا محرما ولأن وجوب الإحرام لتعظیم ہذہ البقعۃ الشریفۃ فیستوی الحاج والمعتمر وغیرہما (ہدایہ ۱/۲۳۵)۔

کذا فی الفتاوی التاتارخانیۃ ۲/۴۷۵ کذا فی الہندیہ ۱/۲۵۲ کذا فی خانیۃ الہامش علی الہندیۃ ۱/۲۸۳ کذا فی (إعلاء السنن ۱۰/۱۸)۔

فقہ کی ان عبارتوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ آفاقی کو بدون احرام میقات سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے، چاہے حج وعمرہ کا قصد ہو یا کوئی دوسری ضرورت ہو۔

اب رہا فتویٰ علی مذہب الغیر جیسا کہ زوج مفقود میں بعض متاخرین احناف نے امام مالکؒ کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے، اور بھی اسی طرح دیگر وہ مسائل جن پر علماء احناف نے دوسرے ائمہ کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے جب کہ زوج مفقود میں حنفی مذہب از روئے دلیل نہایت قوی اور غایت احتیاط پر مبنی ہے، یہ خروج عن المذہب یا بالفاظ دیگر فتویٰ علی مذہب الغیر اس وقت جائز ہے جب کہ اپنے مذہب میں عمل کرنے میں ضرر عظیم ہو اور ایسی صورت ہو کہ جس کا ازالہ ممکن نہ ہو جیسا کہ زوج مفقود میں۔

رہی ضرورت کی بات کہ ضرورت کے وقت افتاء علی مذہب الغیر جائز ہے تو جہاں تک ضرورت کا مسئلہ ہے تو یہ دفع مضرت کے لئے ہے، یعنی ضرورت کی بناء پر کسی حرام کے ارتکاب واستعمال کی اس وقت اجازت ہوگی جب کہ کسی ضرر کو دفع کرنا مقصود ہو کسی نفع کے حصول کے لئے نہیں، لہذا اگر ضرورت کی بنیاد مال ودولت کی بڑھوتری و زیادتی، اسراف، عیش پرستی، حفاظت مال واسباب ہو تو حرام کے ارتکاب واستعمال کی اجازت نہ ہوگی، جیسا کہ حضرت تھانویؒ امداد الفتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں، اور صاحب الاشباہ کا ایک قول بھی اس کی تائید کرتا ہے، زیادتی کے حق میں کوئی ضرورت نہیں پائی جاتی، یعنی ضرورت کا اعتبار صرف ضرورت پوری کرنے کے لئے ہوتا ہے مال ودولت میں اضافہ کرنے کے لئے نہیں۔ (بحوالہ ''الربا'' مولانا عبید اللہ اسعدی/۲۵۹)۔

ان اقوال وتصریحات اور ان تمام قیودات کی روشنی میں جو دوسرے ائمہ کے مذاہب پر فتویٰ دینے کے لئے ملحوظ ہیں بظاہر اس مسئلہ میں ضرورت کا تحقق اس درجہ کا نہیں ہے کہ حنفی مذہب چھوڑ کر دیگر ائمہ کے مذاہب پر فتویٰ دیا جائے۔

اب رہی یہ بات کہ پھر اس مسئلہ کا حل کیا ہے تو اگر واقعی ضرورت ہے جیسا کہ سوال سے ظاہر ہوتا ہے تو ضرورت وحاجت کا تعین نہ تو خود صاحب ضرورت کرسکتا ہے اور نہ ہی ہر کس وناکس، بلکہ شرعی قوانین واصول کی روشنی میں کوئی متدین عالم ماہر شریعت اور ایسا صاحب بصیرت شخص ہی کرسکتا ہے جو وہاں کے حالات سے بخوبی واقف ہو اور اس نے بچشم خود دیکھا ہو کہ واقعی لوگ ضیق وتنگی میں مبتلا ہیں، نیز یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ باعتبار نقل وعقل احناف کا مذہب اس سلسلہ میں نہایت قوی اور تعظیم شعائر اللہ پر مبنی ہے۔

ویسے جہاں تک ٹیکسی ڈرائیوروں کی کثرت آمد ورفت کا مسئلہ ہے تو اس کا ایک حل یہ بھی تو نکالا جاسکتا ہے کہ حل میں حدود حرم کے قریب ایک ٹیکسی ڈرائیور لائے اور پھر وہاں سے دوسری سواری کا نظم کیا جائے، اگرچہ موجودہ دور کے بعض علماء نے آفاقی کو بلا احرام مثلاً ٹیکسی ڈرائیور اور تجار کو حرج کی بناء پر داخل ہونے کی اجازت دی ہے لیکن ہمیں ان سے اتفاق نہیں ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ حرج کی وجہ سے اصل کو وہاں چھوڑا جاتا ہے جہاں اس کا کوئی بدل ہو جیسا کہ نماز میں قیام پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، اور بیٹھنے پر قادر نہ ہو تو لیٹ کر ادا کرے، اسی طرح پانی کے نہ ہونے کی صورت میں اس کا بدل تیمم ہے، اور یہاں کوئی ایسا بدل نہیں ہے جس کی وجہ سے اصل کو چھوڑ دیا جائے اور ضرورت بھی تفصیل سوال اور اس کے اضافی کی ہے۔

۳۔ مکۃ المکرمہ میں مقیم شخص اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اشہر حج شروع ہونے کے بعد اس کے لئے عمرہ کرنا مکروہ ہے اور اگر حج کا ارادہ نہ ہو تو مکروہ نہیں، شامی میں ہے:

(تتمہ) یزاد على الأيام الخمسة ما في اللباب وغيره من كراهة فعلها في أشهر الحج لأهل مكة ومن بمعناهم: أي من المقيمين ومن في داخل الميقات لأن الغالب عليهم أن يحجوا في سنتهم، فيكونوا متمتعين وهم عن التمتع ممنوعون وإلا فلا منع للمكي عن العمرة المفردة في أشهر الحج إذا لم يحج في تلك السنة ومن خالف فعليه البيان (شرح اللباب ومثلہ فی البحر شامی ۳/۴۷۷ کذا فی زبدۃ المناسک ۱/۲۵۵)۔

مکی کے لئے قران وتمتع مکروہ ہے لیکن اگر کرلیا تو ادا ہوجائے گا اور دم جبر لازم ہوگا۔

(والمكي ومن في حكمه يفرد فقط) ولو قرن أو تمتع جاز وأساء، وعليه دم جبر۔ (شامی ۳/۵۶۷) وليس لأهل مكة ولا لأهل داخل المواقيت التي بينها وبين مكة قران ولا تمتع..... ولو جمع المكي بين العمرة والحج في أشهر الحج فعليه دم لكن دم كفارة الذنب لا دم نسك (بدائع الصنائع ۲/۱۶۹ کذا فی الہندیہ ۱/۲۳۹)۔

۴۔ وہ مکی جس کا ارادہ اسی سال حج کا ہے اگر وہ اپنی کسی ضرورت کے لئے میقات سے باہر گیا تو اب چونکہ واپسی میں میقات سے بلا احرام گذرنا جائز نہیں ہے اس لئے احرام باندھنا ضروری ہوگا اور احرام سے حلال ہونے کے لئے ارکان عمرہ بھی ادا کرنا ضروری ہوگا، پھر جب اسی سال حج بھی کرے گا تو متمتع بھی ہوجائے گا، حالانکہ تمتع اس کے

لئے ممنوع ہے لیکن اس کا متمتع ہونا ضرورۃً یا ضمناً ہے اصالۃً یا قصداً نہیں ہے، اور جو چیز ضرورۃً یا ضمناً ثابت ہوتی ہے اس کا حکم اس چیز سے جو اصالۃً یا قصداً ثابت ہو مختلف ہوتا ہے، کتب فقہ میں اس کی بہت سی نظیریں موجود ہیں کہ ضمناً اور تبعاً ایک چیز جائز ہوتی ہے اور اصالۃً و مستقلاً ناجائز ہوتی ہے، لہٰذا اس صورت میں اگرچہ دم جبر واجب ہوگا لیکن ضمناً یا تبعاً اس کے غیر ممنوع اور جائز ہونے کی گنجائش خاص طور سے اس وقت جبکہ اتنی طویل مدت تک مکہ سے نہ نکلنے میں حرج اور نقصان ہو نکل سکتی ہے، لہٰذا علماء اس پر غور فرمائیں۔

۵۔ متمتع آفاقی ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ حج سے پہلے کرسکتا ہے (معلم الحجاج۔ ۲۳۸)۔

اس لئے کہ نہایہ، مبسوط، بحر، واقف زادہ و علامہ قاسم وغیرہم نے اس کی تصریح کی ہے، پانچ ایام ممنوعہ کے سوا باقی تمام سال میں عمرہ کرنا بلا کراہیت جائز ہے اور اس بارے میں مکی اور آفاقی میں کوئی فرق نہیں ہے (بحوالہ عمدۃ الفقہ ۴/۲۹۲)۔

۶۔ (الف) عمل رمی میں ایک شخص دوسرے کی نیابت کرسکتا ہے۔ لأن أفعال الحج يجرى فيها النيابة (بدائع الصنائع ۲/۱۳۷)۔

(ب) یہ نیابت صرف مریض اور معذور کے لئے ہوسکتی ہے، و سواء رمى بنفسه أو بغيره عند عجزه عن الرمى بنفسه كالمريض الذى لا يستطيع الرمى فوضع الحصى فى كفه فرمى بها أو رمى عنه غيره (بدائع الصنائع ۲/۱۳۷)۔

اس معذوری کی حد یہ ہے کہ ایسا معذور ہو کہ کھڑے ہو کر نماز ادا نہ کرسکتا ہو اور جمرات تک پیدل یا سواری پر آنے میں سخت تکلیف ہو یا مرض میں زیادتی تاخیر سے صحت یاب ہونے کا خوف ہو یا سواری یا اٹھانے والا کوئی شخص نہ ملے تو ایسا شخص معذور ہے اور اس کی طرف سے دوسرا شخص رمی کرسکتا ہے، اور اگر مذکورہ بالا اعذار نہ ہوں تو خود رمی کرنا ضروری ہوگا اور اس کے لئے نیابت جائز نہ ہوگی، ازدحام کے خوف سے نائب بنانا جائز نہیں ہے، اس لئے جس کو ازدحام کا خوف ہو رات کو رمی کرسکتا ہے، ویسے رات کو رمی کرنا مکروہ ضرور ہے لیکن معذورین اور عورتوں کے لئے ازدحام کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے، اگر خوف ازدحام کی وجہ سے خود رمی نہ کرے تو دم واجب ہوگا۔

قد تبين مما قدمنا أنهم جعلوا خوف الزحام عذراً للمرأة ولمن به علة أو ضعف فى تقديم الرمى قبل طلوع الشمس أو تأخيره إلى الليل لا فى جواز النيابة عنهم لعدم الضرورة فلو لم يرموا بأنفسهم لخوف الزحام تلزمهم الفدية (غنیۃ الناسک فی بغیۃ المناسک ۱۰۰)۔

۷۔ ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہیں لہٰذا محصر کے تمام احکام ان پر جاری ہوں گے۔

فى نهاية ابن الأثير يقال أحصره المرض أو السلطان إذا منعه من مقصده فهو محصر (فتح القدیر ۳/۵۱)۔

محصر سے کہا جائے گا کہ حرم میں ذبح کرنے کے لئے ہدی بھیج دے، اور جس کے ساتھ ہدی بھیجے اس سے ایک

معین دن کا وعدہ کرلے کہ فلاں دن ذبح کرے اور جب محصر کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ ہدی ذبح ہو گئی تو اپنے آپ کو حلال کرلے۔

يقال له ابعث شاة تذبح فى الحرم وواعد من تبعثه بيوم بعينه يذبح فيه ثم تحلل (ہدایہ ۱/۲۹۳)۔

۸۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہا اللہ اور احناف میں سے صاحبین ان امور اربعہ کی ترتیب کی سنیت کے قائل ہیں جبکہ امام اعظمؒ اور امام مالکؒ ان امور میں ترتیب کو واجب قرار دیتے ہیں، موجودہ دور میں چونکہ بوجہ اژدہام ترتیب کی رعایت میں کافی دشواری درپیش ہے اور جبکہ صحیح روایت بھی موجود ہے جیسا کہ (افعل ولا حرج، افعل ولا حرج) ان امور پر نظر کرتے ہوئے صاحبین کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے، یہ بات ملحوظ رہے کہ امام صاحب کا مذہب باعتبار دلیل قوی ہے لہٰذا حتی الامکان ترتیب کا لحاظ کیا جائے۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ کے چند حل طلب مسائل

اشتیاق احمد اعظمی

دار العلوم مئو

۱۔ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ حج یا عمرہ کی نیت سے حرم مکی میں داخل ہونے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہو۔ لیکن حج وعمرہ کی نیت، جو لوگ نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم کے حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو اس سلسلے میں ان کے لئے احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھنا ہے یا نہیں، اس سلسلے میں فقہائے امت اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف رائے ہے، جو درج ذیل ہے:

(۱) احناف: آفاقی شخص مکہ مکرمہ میں دخول کے ارادہ سے جب میقات پر پہونچے تو اسے بہر حال احرام باندھ کر ہی آگے بڑھنا ہوگا، خواہ اس کا قصد حج یا عمرہ کا ہو یا نہ ہو، ہدایہ میں ہے:

الآفاقی إذا انتہی الیہا علی قصد دخول مکۃ علیہ أن یحرم قصد الحج أو العمرۃ أو لم یقصد (۱/۲۱۴)۔

(۲) مالک: جو شخص مکہ مکرمہ میں بغیر احرام، عمدا یا جہالۃ داخل ہوا تو اس نے برا کام کیا، لیکن اس پر کوئی دم لازم نہیں، عینی میں ہے: **قال مالک: من دخل مکۃ غیر محرم متعمداً أو جاھلاً فقد أساء ولا شئ علیہ** (عینی شرح ہدایہ ۴/۳۰۲)۔

(۳) شافعی: جو شخص مکہ مکرمہ میں حج، یا عمرہ کا ارادہ کر کے داخل ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے میقات ہی سے احرام باندھ کر جانا واجب ہے۔ لیکن مکہ مکرمہ میں داخل ہونا کسی اور مقصد کے تحت ہو اور اس کی آمد ورفت مکرر اور بار بار ہوتی ہو تو اس پر احرام واجب نہیں۔ امام شافعی کا ایک دوسرا قول، مکہ مکرمہ میں دخول کے وقت استحباب احرام کا بھی ہے، جیسا کہ امام نووی نے منہاج میں لکھا ہے: **وفی المنہاج للنووی: من قصد مکۃ غیر لا شک أنہ یستحب لہ أن یحرم بحج أو عمرۃ وفی قول یجب إلا أن یتکرر دخولہا کحطاب وصیاد** (۴/۳۰۲ عینی)۔

(۴) احمد: مکلف شخص اگر مکہ مکرمہ میں بلا ارادہ قتال مشروع، یا بلا حاجۃ متکررہ، جانا چاہتا ہو تو اس کے لئے میقات سے بلا احرام باندھے تجاوز ناجائز ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں: **المکلف الذی یدخل بغیر قتال ولا حاجۃ متکررۃ لا یجوز تجاوز المیقات غیر محرم وبہ قال أبو حنیفۃ، وبعض أصحاب الشافعی** (المغنی ۳/۲۶۹)۔

لیکن اگر کوئی شخص بارادہ قتال مباح، خوف یا حاجت متکررہ، مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتا ہو جیسے حشاش (گھاس اکٹھا کر کے فروخت کرنے والا) حطاب (لکڑہارا) **ناقل المیرۃ والفیح** (غلہ اور چارہ کو ایک جگہ سے دوسری

جگہ لانے اور لیجانے والا) یا ایسا شخص جس کی جائداد حرم مکہ کی حدود میں ہو اور وہ ہر روز آمد ورفت رکھنے پر مجبور ہو تو ایسے تمام لوگوں پر احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں دخول واجب نہ ہوگا۔

من دخلها لقتال مباح أو من خوف أو لحاجة متكررة كالحشاش والحطاب وناقل الميرة والفيج ومن كانت ضيعته، يتكرر دخوله و خروجه إليها فهؤلاء لا إحرام عليهم (المغنی ۲۶۸/۳)۔

قول اول کے ادلہ:

وہ حدیث جسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اپنی سند کے توسط سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: لا يجاوز أحد الميقات الإمحرما" یعنی کوئی میقات سے بغیر احرام باندھے آگے نہ بڑھے، یہ حدیث طبرانی نے بھی اپنی معجم میں روایت کی ہے۔

عن أبي الشعثاء أنه رأى ابن عباسؓ يرد من جاوز الميقات غير محرم (التعليق الصبیح ۱۷۶/۳)۔

ابو شعثاء سے مروی ہے کہ انہوں نے ابن عباسؓ کو دیکھا کہ وہ ہر اس شخص کو جو میقات سے احرام باندھے بغیر آگے بڑھ جاتا تھا اسے واپس لوٹا رہے تھے۔

عقلی دلیل: وہ یہ کہ احرام کا وجوب اس مقدس سرزمین کے تقدس اور عظمت واحترام کے پیش نظر ہے، اس لئے وجوب احرام کے معاملہ میں، حاجی اور معتمر اور ان کے علاوہ دیگر تمام لوگ یکساں حکم رکھیں گے، عینی میں ہے:

ولأن وجوب الإحرام لتعظيم هذه البقعة الشريعة فيستوي فيه الحاج والمعتمر وغيرهما (۱۳۰۳/۳)۔

دوسرے قول کی دلیل:

حضرت عبداللہ بن عمر کا عمل کہ وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جارہے تھے، راستہ پر ان کو ایسی خبر ملی جس کی بناپر وہ مدینہ منورہ نہ جا کر مکہ کی طرف واپس لوٹ آئے اور مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہوئے۔ چنانچہ امام محمدؒ نے اپنی مؤطا میں یہ باب قائم کیا ہے، باب دخول مكة بغير احرام" اور اس کے ذیل میں یہ روایت نقل کی ہے، أخبرنا مالك حدثنا نافع ان ابن عمر اعتمر ثم أقبل حتى إذا كان بقديد جاءه خبر من المدينة فرجع فدخل مكة بغير إحرام (۲۱۹ مؤطا امام محمد)۔

تیسرے اور چوتھے قول کی دلیل:

ا۔ حج اور عمرہ کا قصد ہو تو بغیر احرام باندھے میقات سے تجاوز نا جائز ہونے کی دلیل وہی روایتیں ہیں جن کا ذکر قول اول کے ادلہ میں آچکا ہے۔

لیکن اگر حج وعمرہ کا قصد نہ ہو تو بغیر احرام باندھے میقات سے تجاوز کے جواز کی دلیل، اس روایت کا مفہوم ہے جس میں یہ کلمات وارد ہوئے ہیں: فهن لهن ولمن أتى عليهن من غير أهلهن لمن كان يريد

الحج والعمرة (مشکاۃ شریف باب المناسک بحوالہ تعلیق الصبیح ۲/۳ ۲۷۶)۔

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی حدیث کے ٹکڑے "لمن کان یرید الحج والعمرة" پر تحریر فرماتے ہیں: وفیہ دلالة علی أن من مر بالمیقات لایرید حجاولا عمرة لا یلزمه الإحرام لدخول مكة كما هو الصحيح عند الشافعية (۲/۳ ۲۷۶ تعلیق)۔

۲۔إن النبي ﷺ دخل يوم الفتح مكة حلالا وعلى رأسه المغفر (متفق علیه) وفی رواية مسلم وعلى رأسه عمامة سوداء (تعلیق ۳/۲۶۹)۔

۳۔روی عن ابن عمر أنه دخلها بغير إحرام۔

۴۔اور اس لئے بھی مکہ مکرمہ میں احرام باندھ کر جانا واجب نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ دو حرموں میں سے ایک ہے تو جیسے مدینہ منورہ جاتے وقت احرام باندھ کر جانا واجب نہیں ہوتا، اسی طرح مکہ مکرمہ میں جانے کے وقت بھی احرام واجب نہیں ہوگا۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: دلالة أحد الحرمين فلم يلزمه الإحرام لدخوله كحرم المدينة (۳/۲۶۹ المغنی)۔

۵۔لو أوجبنا الإحرام على من يتكرر دخوله أفضى إلى أن يكون جميع زمانه محرما فقط للحرج (۳/۲۶۹ المغنی) یعنی بار بار مکہ آنے جانے والے شخص کو اگر احرام باندھنے کا مکلف بنا دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ہر وقت احرام کی حالت میں رہے اور یہ حرج کی بات ہے اس لئے دفع حرج کے پیش نظر احرام باندھ کر جانے کی قید اٹھالی جائے گی۔

ترجیح: دلائل کی روشنی میں قول اول راجح معلوم ہوتا ہے کہ ہر مکہ جانے والے شخص پر احرام باندھ کر جانا واجب ہونا چاہئے الا یہ کہ وہ لوگ جو روزانہ آمد و رفت رکھنے پر مجبور ہوں تو دفع حرج کے پیش نظر انہیں مستثنیٰ کیا جانا چاہئے۔

۲۔ آج کل تیز رفتار تجارتی سرگرمیوں اور وسائل آمد و رفت کی کثرت و سہولت کی وجہ سے اہل مکہ کا حدود حرم سے باہر جا کر پھر مکہ مکرمہ واپس آنا اور حجاز مقدس کے دوسرے شہروں (مدینہ منورہ وغیرہ) کے باشندوں کا مختلف اغراض سے بار بار مکہ مکرمہ آنا ہوتا ہے، مثلاً ٹیکسی ڈرائیور بار بار مکہ، جدہ اور مدینہ کے درمیان آمد و رفت کرتے ہیں، اسی طرح تجارتی سامان لانے لے جانے والے ملازمین، اور تجارتی کمپنیوں کے ایجنٹوں کو بار بار حدود حرم سے باہر آمد و رفت کرنی ہوتی ہے، ایسے لوگوں کے لئے ہر بار میقات میں داخل ہوتے وقت احرام باندھنا اور ارکان عمرہ کی ادائیگی وقت طلب اور دقت طلب ہے، چونکہ فقہائے احناف کے نزدیک، حرم مکی میں داخل ہونے والے ہر شخص کے لئے (خواہ وہ حج یا عمرہ کی نیت نہ رکھتا ہو) احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہونے کی پابندی ہے۔ تاہم ان جیسے حالات میں دفع حرج کے پیش نظر ایسے لوگوں کو صرف مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے جن کی واقعی روزانہ آمد و رفت رہتی ہو اور وہ اس کے لئے مجبور ہوں۔ کیونکہ فقہائے احناف نے خود میقات کے اندر رہنے والے افراد کو بغیر احرام باندھے، مکہ میں

دخول کی اجازت صرف رفع حرج کے پیش نظر دے رکھی ہے، تو یہ بنیاد جب میقات سے باہر رہنے والوں کے لئے آج کل کے دور میں پائی جارہی ہے تو انہیں بھی احرام کی قید سے مستثنیٰ کیا جانا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

ہدایہ میں ہے: ومن كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجة لأنه يكثر دخوله مكة وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بين فصار كأهل مكة حيث يباح لهم الخروج منها ثم دخولها بغير إحرام لحاجتهم (۲۱۴/۱ ہدایہ)۔

علامہ عینی نے اس موقع پر شرح کرتے ہوئے یہ روایت ذکر فرمائی ہے: روي عن ابن عباس أنه عليه الصلاة والسلام رخص للحطابين أن يدخلوها بغير إحرام والظاهر أنهم لا يجاوزون الميقات فدل على أنه من كان داخل الميقات (۴۰۵/۲ عینی) یعنی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے لکڑہاروں (حطابین) کو مکہ مکرمہ میں بغیر احرام باندھے، داخل ہونے کی اجازت دی تھی، علامہ عینی اس روایت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ یہ امر ظاہر ہے کہ حطابین عام طور سے، میقات سے باہر نہیں جایا کرتے تھے، اس لئے اس روایت کا ماحصل یہ نکلا کہ یہ اجازت انہی لوگوں کو حاصل ہوگی جو میقات کے اندر رہتے ہوں۔ لیکن آج کے دور میں مندرجہ بالا تیز رفتار ترقی کو سامنے رکھ کر یہ کہنا مشکل نہیں کہ حطابین جو آپ (ﷺ) کے زمانہ میں اپنے کام کے سلسلے میں میقات کے اندر ہی آمد و رفت رکھا کرتے تھے، ان کے بالمقابل آج کے پیشہ ور لوگ، میقات کے باہر اور اس سے کہیں زیادہ دور دراز کی مسافت میں آمد و رفت رکھتے ہیں اور اپنے پیشہ کی بقا کے پیش نظر وہ اس کے لئے مجبور بھی ہیں، اس لئے ان حالات کو سامنے رکھ کر ہر ایسے شخص کو جس کی آمد و رفت واقعی مکرر ہو اور وہ آنے جانے پر واقعی مجبور ہو تو اس کے حق میں رفع حرج کو بنیاد بنا کر احرام کی قید سے مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ دیگر فقہاء کرام کے مسلک میں اس باب میں توسع ہے۔

۳۔ مکی کے لئے قران وتمتع کا حکم:

مکہ مکرمہ میں مقیم شخص، اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اشہر حج شروع ہونے کے بعد اس کے لئے عمرہ کرنا درست نہیں ہے۔ یعنی مکی اور ان تمام لوگوں کے لئے جو مکی کے حکم میں ہیں تمتع، یا قران کی گنجائش نہیں ہے۔ ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں حضرت عمرؓ کا قول لکھا ہے: وصح عن عمر أنه قال: ليس لأهل مكة تمتع ولا قران (۲۲۸/۲)۔

اور درمختار میں ہے: والمكي ومن في حكمه يفرد فقط (۲۷۰/۲ درمع الشامی) یعنی مکی اور وہ شخص جو مکی کے حکم میں ہے، اسے صرف حج افراد کرنے کی اجازت ہے۔

لیکن مکی اور اس کے حکم میں آنے والا شخص، اگر قران، یا تمتع کر ہی لے، جس کی اس کے لئے شرعاً گنجائش نہیں تھی، تو فقہاء احناف اسے جنایت کا مرتکب گردانتے ہوئے اس کے تمتع وقران کو جواز کی حیثیت دیتے اور اس پر دم جبر واجب قرار دیتے ہیں۔ قال في التحفة: ومع هذا لو تمتعوا جاز وأساءوا وعليهم دم الجبر (۲۲۸/۲ فتح القدیر)۔

اور علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: ولو قرن أو تمتع جاز وأساء وعليه دم جبر (۲؍۲۷۰ شامی)۔

مکی کے حق میں تمتع وقران کے عدم جواز کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام (سورۃ البقرۃ آیہ رقم ۱۹۶)۔ اور یہ (یعنی تمتع) اس شخص کیلئے ہے جس کے اہل وعیال، مسجد حرام یعنی کعبہ کے قرب میں نہ رہتے ہوں (ترجمہ از شیخ الہند)۔

اور چونکہ قران وتمتع کی مشروعیت میں یہ علت کارفرما ہے کہ آفاقی حاجی کو بجائے دو مستقل سفر کے ایک ہی سفر میں، عمرہ وحج دونوں ادا کرنے کی سہولت حاصل ہو اور اس سہولت کی حصولیابی، آفاقی حاجی ہی کی صورت میں ہو سکتی ہے، اس لئے قران وتمتع، صرف آفاقی حاجی ہی کے لئے درست ہوگا، نہ کہ مکی اور ان لوگوں کے لئے جو مکی کے حکم میں ہوں۔ علامہ برہان الدین مرغینانی ہدایہ میں لکھتے ہیں:

لأن شرعهما للترفه بإسقاط إحدى السفرتين وهذا في حق الآفاقي (ہدایہ؍۲۳۳)۔

۴۔ یہ بات مسلم ہے کہ مکی اور مقیم مکہ شخص کے لئے تمتع وقران کرنا درست نہیں ہے۔ اور میقات کے باہر سے، مکہ مکرمہ جانے والے ہر شخص کے لئے (خواہ اس کی نیت حج، یا عمرہ کی نہ ہو) میقات سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں داخل ہونا ضروری ہے۔ اب مکہ مکرمہ میں مقیم حضرات، جو حج کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر وہ اپنی کسی ضرورت سے، میقات سے باہر گئے، پھر اشہر حج کے اندر، مکہ مکرمہ واپس لوٹنے لگے تو احرام باندھ کر آنا لازمی ہے۔ اور احرام سے حلال ہونے کے لئے، ارکان عمرہ کی ادائیگی کرنی ہوگی اور اگر اسی سال، وہ حج بھی ادا کرلے تو ایسی صورت میں اس پر دم جنایت واجب نہ ہوگا باتفاق ائمہ اربعہ، لیکن تمتع کرنے کی وجہ سے، اس پر دم تمتع، عند البعض لازم ہوگا، ملا علی قاری مناسک میں لکھتے ہیں:

وقد ذكر عز بن جماعة في منسكه: أن المكي إذا خرج إلى بعض الآفاق لحاجة ثم رجع وأحرم بالعمرة في أشهر الحج ثم حج من عامه، لم يلزمه الدم باتفاق الأربعة (شرح اللباب؍ص ۱۵۳)۔

یعنی عز بن جماعہ نے اپنی کتاب "منسک" میں ذکر کیا ہے کہ مکی جب اپنی بعض ضروریات کی وجہ سے کسی آفاقی علاقہ میں چلا جائے، پھر لوٹے اور اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھے (اور عمرہ مکمل ادا کرلے) اور پھر اسی سال حج بھی کرلے تو اس مکی پر باتفاق ائمہ اربعہ، دم لازم نہ ہوگا۔ یہاں جس دم کے عدم لزوم کی بات ہو رہی ہے، یہ وہ دم جبر ہے جس کا ترتب ترک سنت کے باعث ہوتا ہے، نہ کہ دم تمتع، کیونکہ دم تمتع کا لزوم بالاتفاق ہوا کرتا ہے، ہاں بعض فقہاء مثلاً حنفیہ اس کو دم شکر کہتے ہیں، اور غیر حنفی فقہاء اسے دم جبر کا نام دیتے ہیں، ملا علی قاری لکھتے ہیں: والمراد بعدم لزوم الدم، دم الجبر المتفرع على تركه السنة، لأن دم المتعة، سواء كان شكر اعندنا أو جبراً عند غيرنا فهو لازم اتفاقاً (شرح اللباب؍ص ۱۵۳)۔

مذکورہ بالا صورت میں مکی کا تمتع، بالکل درست ہے، اس میں کوئی کراہت ہے اور نہ ہی کسی طرح کی جنایت

بہ جس پر دم لازم ہو، البتہ اس مکی کے تمتع کی درستگی اور صحت کے لئے، ملا علی قاری نے ایک شرط لگائی ہے، وہ یہ کہ مکی کا تمتع اس وقت درست مانا جائے گا جب کہ اس کا مکہ مکرمہ سے باہر آفاق میں جانا اشہر حج سے پہلے ہوا ہو۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

فمقصوده ان تمتعه حينئذ يكون مسنونا غير مكروه بلا خلاف لكن لا بد من قيد خروجه من مكة إلى الآفاق قبل اشهر الحج عندنا (شرح اللباب ۱۵۲۔۱۵۳)۔

پھر ملا علی قاری اس سلسلے میں مکی اور مکہ میں مقیم شخص کے درمیان بھی فرق کرنے کے قائل ہیں، اور وہ یہ کہ مذکورہ بالا صورت میں، اصل مکی شخص کے حق میں تمتع کے جواز کے قائل نہیں (کیونکہ مکی شخص عمرہ سے فراغت کے بعد الماما صحیحا کے زمرہ میں آ جاتا ہے) ہاں جو شخص، مکہ مکرمہ میں مقیم ہو اس کے لئے مندرجہ بالا شکل میں تمتع کی اجازت دیتے ہیں اور اس کے تمتع کو بالکل صحیح، درست اور سنت کے مطابق قرار دیتے ہیں۔ ملا علی قاری رقم طراز ہیں:

ولا يبعد أن يفرق بين المكي المتوطن و بين المكي المقيم فيمتنع تمتع الأول دون الثاني (شرح اللباب ۱۵۳۔۱۵۴)۔

اس بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ مکہ مکرمہ میں مقیم شخص، اگر اشہر حج کے آغاز سے قبل، مکہ مکرمہ سے نکل کر آفاق میں کسی جگہ چلا جائے اور ضرورت پوری کر کے اشہر حج میں مکہ مکرمہ میں واپس آئے، تو عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں عمرہ ادا کرے اور پھر حج اسی سال کرے تو وہ یقیناً متمتع ہوگا، اس پر کسی طرح کا دم جنایت واجب نہ ہوگا، بلکہ دیگر تمتع کرنے والوں کی طرح اسے بھی صرف دم شکر ادا کرنا ہوگا۔

۵۔ آفاقی متمتع کے عمرہ سے فراغت کے بعد اور حج کا احرام باندھنے سے قبل، مزید نفلی عمرہ کرنے کا حکم:

عمرہ ایک عبادت ہے اس کی ادائیگی کے لئے حج کی مانند شریعت نے مخصوص ایام کی تعیین و تحدید نہیں فرمائی ہے، بلکہ اس کی ادائیگی کے لئے پورے سال کے اندر صلاحیت موجود ہے، ہاں چند مخصوص ایام میں عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے اور وہ پانچ دن ہیں، یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق کے تین دن، بغیۃ المناسک میں مولانا حسن شاہ تحریر فرماتے ہیں: **و تصح في كل السنة ولكن يكره تحريما انشاؤها بالإحرام في خمسة أيام: يوم عرفة و يوم النحر و أيام التشريق للنهي عنها فيها** (ص ۱۰۵)۔

رہا آفاقی متمتع شخص، تو جب وہ عمرہ ادا کر کے حلال ہو جائے گا اور پھر حج تک وہ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے گا تو دوسرے اشخاص کی مانند حج سے پہلے نفلی طواف اور نفلی عمرے ادا کر سکتا ہے۔ علامہ شامی درمختار کی عبارت: **أقام بمكة حلالا** (أي المتمتع) کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: **افاد انه يفعل ما يفعله الحلال فيطوف بالبيت ما بداله ويعتمر قبل الحج** (شامی ۲/۲۶۸)۔

اور علامہ ابن نجیم اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "البحر الرائق" میں رقم طراز ہیں:

هذا المتمتع آفاقي غير ممنوع من العمرة فجاز له تكررها لأنها عبادة مستقلة أيضاً كالطواف

ابوبکر جصاص رازی نے حضرت عمرؓ کا ایک اثر ابن عباسؓ کی روایت سے نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج سے پہلے عمرہ کے تکرار میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ عن ابن عباسؓ قال وسمعت عمر يقول: لو اعتمرت ثم اعتمرت ثم حججت لتمتعت (أحكام القرآن للجصاص الرازي ۱/۲۸۵)۔

حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد گرامی اس پس منظر میں ہے جب کہ ایام جاہلیت میں اشہر حج کے اندر عمرہ کرنا افجر الفجور تصور ہوتا تھا۔

دو عمروں کے درمیان کتنا فصل ہونا چاہئے:

دو عمروں کے درمیان کس قدر فصل ہونا چاہئے؟ اس ضمن میں علماء امت کے مختلف اقوال ہمیں ملتے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ بعض حضرات کے نزدیک ایک سال میں ایک مرتبہ عمرہ کیا جا سکتا ہے، یہ قول حسن بصری، ابن سیرین، امام مالک اور امام نخعی کا ہے۔ قال النخعي: ما كانوا يعتمرون في السنة إلا مرة، ولأن النبي ﷺ لم يفعله (۲۲۶/۳ المغنی لابن قدامہ)۔

۲۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت اور دیگر علماء امت اس بات کے قائل ہیں کہ سال کے اندر عمرہ کی تکرار میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ قول حضرت علی، ابن عمر، ابن عباس، انس، عائشہ رضی اللہ عنہم اور حضرت عطاء، طاؤس، عکرمہ اور امام شافعی سے مروی ہے۔

پھر ان حضرات کے مابین اس امر میں اختلاف واقع ہے کہ دو عمروں کے مابین کم از کم کتنا فصل ہو۔

(الف) حضرت علی نے فرمایا ہر ماہ میں ایک مرتبہ عمرہ کیا جا سکتا ہے۔

(ب) حضرت انس کا معمول یہ تھا کہ ایک مرتبہ عمرہ کرنے کے بعد جب حلق کرا لیتے اور پھر بال اگ جاتا تو دوسرا عمرہ کرتے تھے۔ كان أنس إذا حمم رأسه خرج فاعتمر (المغنی ۲۲۶/۳)۔

(ج) عکرمہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ عمرہ اس وقت کرتے تھے جب ان کے بال پر استرا چلانا ممکن ہوتا۔

(د) عطاء فرماتے ہیں کہ اگر چاہے تو ہر ماہ دو مرتبہ عمرہ کرلے۔

(ھ) امام احمد کا خیال ہے کہ دس دن سے پہلے عمرہ کی تکرار نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ عمرہ کے بعد حلق یا قصر کرنا واجب ہے اور دس یوم سے کم میں حلق کرانا ممکن نہ ہوگا۔ قال أحمد: إذا اعتمر فلا بد من أن يحلق أو يقصر وفي عشرة أيام يمكن حلق الرأس فظاهر هذا أنه لا يستحب أن يعتمر في أقل من عشرة أيام (المغنی ۲۲۶/۳)۔

۶۔الف: عمل رمی میں نیابت:

رمی چونکہ مناسک حج میں سے ایک نسک ہے اس لئے جس طرح تمام افعال حج کو بشرط صحت وعدم مجبوری ومعذوری، حاجی خود ادا کرے گا، ایسے رمی بھی خود ادا کرنی ہوگی، بغیر معذوری کے غیر سے نہ کرنا درست نہیں۔ لیکن مجبوری اور معذوری کی حالت میں نیابت جائز ہوگی۔ علماء کرام نے عمل رمی کی ادائیگی اور صحت کے لئے دس شرائط بیان کی ہیں، منجملہ ان شرائط کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ حاجی رمی خود کرے، چنانچہ بغیۃ المناسک میں ہے: الشرط السادس أن یرمی بنفسه فلا تجوز النیابة فیه عند القدرة (ص ۱۰۰)۔

شرح اللباب اس کو پانچویں شرط شمار کرایا ہے چنانچہ اس کی عبارت یوں ہے: الخامس أن یرمی بنفسه فلا تجوز النیابة عند القدرة (ص ۱۳۲)۔

مجبور ومعذور کے لئے عمل رمی میں نیابت کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے جسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: وعن جابر رضی الله عنه: قال حججنا مع رسول الله ﷺ ومعنا النساء والصبیان فلبینا عن الصبیان ورمینا عنهم (رواہ احمد وابن ماجہ بحوالہ الفتح الربانی ۱۲/۲۳۳)

(ب): رمی میں نیابت ہوسکتی ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، لیکن اس کی اجازت صرف معذور اور مریض تک محدود ہوگی۔ و تجوز (النیابة) عند العذر (ص ۱۰۰ بغیۃ المناسک)۔ واضح ہو کہ عمل رمی کی حیثیت وجوب کی ہے اور واجب کا ترک بغیر عذر صحیح نہیں۔ لیکن اگر کوئی معذوری ومجبوری میں ترک کرے تو اس پر کوئی دم لازم نہ ہوگا۔ لو ترک شیئا من الواجبات لعذر لاشیٔ فیه (بغیۃ المناسک ص ۱۲۸) اور عذر سے مراد وہ عذر ہوگا جو منجانب اللہ ہو چنانچہ اگر عذر من جانب العباد ہو تو اس کا اعتبار نہ ہوگا جیسے کسی کے جبر واکراہ کے باعث، کوئی اگر کسی محظورات احرام کا ارتکاب کرلے تو وہ شرعاً معذور نہ ہوگا مثلاً کسی کے دباؤ اور اکراہ کے نتیجہ میں، بحالت احرام، خوشبو لگالے یا لباس پہن لے تو دم واجب ہوگا۔

ثم مرادهم بالعذر ما یکون من الله تعالی فلو کان من العباد فلیس بعذر حتی لو أکره علی محظورات الإحرام کالطیب واللبس فیجب علیه الجزاء (بغیۃ المناسک ص ۱۲۸)

مجبوری ومعذوری کی تحدید:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معذوری ومجبوری کی حد کیا ہوگی جس کے باعث نیابت، عمل رمی میں جائز ہوسکتی ہو تو اس کی تحدید فقہاء کرام کے یہاں ہمیں ملتی ہے۔

وحد المریض أن یصیر بحیث یصلی جالسا لأنه لا یستطیع الرمی راکبا ولا محمولا إما لأنه تعذر علیه الرمی أو یلحقه بالرمی ضرر (بغیۃ المناسک ص ۱۰۰) (یعنی مریض اور معذور کی حد یہ ہے کہ وہ اتنا کمزور اور بیمار ہو جائے کہ نماز بیٹھ کر ہی پڑھ سکتا ہو، کیونکہ ایسا شخص نہ تو سوار ہو کر رمی کرسکتا ہے اور نہ اس صورت میں وہ رمی کرسکتا ہے کہ اسے دوسرا شخص لاد کر رمی تک لے جائے، یا تو اس کے لئے عمل رمی بالکل دشوار ہو

چکا ہو یا یہ کہ وہ رمی کسی طرح کر سکتا ہے لیکن اس رمی کی وجہ سے اسے ضرر اور نقصان لاحق ہونے کا اندیشہ ہے)

چنانچہ اگر مریض کو لاد کر رمی تک لے جایا جا سکتا ہے، اور وہ وہاں محمولاً پہونچ کر، بدون الم شدید کے رمی کر سکتا ہے اور اس عمل رمی کی وجہ سے اس کے مرض میں اضافہ کا اندیشہ ہے اور نہ صحت یابی میں تاخیر کا خدشہ، تو ایسے مریض اور معذور کے لئے عمل رمی میں نیابت درست نہ ہوگی۔ غنیۃ المناسک میں ہے:

فإن كان مريض له قدرة على حضور المرمى محمولا ويستطيع الرمي كذلك من غير أن يلحقه ألم شديد ولا يخاف زيادة المرض ولا بطوء البرء، لا يجوز (النيابة عنه/ص ۱۰۰)

ہاں اگر ایسا شخص، کسی سہارا اور مدد دینے والے کو نہ پاتا ہو تو اس وقت اس مریض کے لئے نیابت جائز ہو سکتی ہے۔ إلا أن لا يجد من يحمله (غنیۃ المناسک/ص ۱۰۰)۔

ازدحام کے خوف سے رمی میں نیابت کا حکم:

اگر حاجی اس قدر کمزور، ضعیف یا سن رسیدہ ہے کہ اسے یہ خوف لاحق ہے کہ اگر میں خود جا کر، بھیڑ میں رمی کروں تو جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کے لئے عمل رمی میں نیابت جائز ہو سکتی ہے۔ اس طرح کا فتویٰ ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی دامت برکاتہم نے دیا ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ نظامیہ ا/۱۹۱)۔

۷۔ سعودیہ عربیہ میں رہنے والے غیر ملکیوں کیلئے بھی حج کرنے کے لئے حکومت سے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے، بعض لوگ حکومت کی اجازت کے بغیر، حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیئے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہوں گے۔ غنیۃ المناسک میں ہے:

ويتحقق بكل حابس يحبسه ولو بمكة بالاتفاق بين أئمتنا على الأصح كالكسر والعرج والقرح ومنع السلطان (ص/۱۹۶) (اور احصار کا تحقق ہر ایسے روکنے والے کے ذریعہ ہو جائے گا جو حاجی کو اعمال حج کی ادائیگی سے روک دے، اگرچہ یہ روکنا مکہ مکرمہ میں ہی کیوں نہ ہو، اور یہ حکم صحیح مسلک کے اعتبار سے ہمارے ائمہ کے درمیان متفق علیہ ہے، حابس کی مثال یہ ہے کہ حاجی کسی حادثہ کا شکار ہو کر لنگڑانے لگے، یا اس کا کوئی عضو ٹوٹ پھوٹ جائے، یا زخمی ہو جائے، یا یہ کہ بادشاہ وقت آگے بڑھنے، یا حج ادا کرنے سے روک دے)۔

چونکہ صورت مسئولہ منع السلطان کے ذیل میں آتی ہے، اس لئے اس پر احصار کا اطلاق ہوگا۔ ہاں اگر وہ جس راستہ اور چیک پوسٹ پر پکڑا گیا ہے اور واپس بھیج دیا گیا ہے، اس راستہ کے علاوہ کوئی راستہ مکہ مکرمہ جانے والا اختیار کر سکتا ہے، اگرچہ وہ راستہ طویل کیوں نہ ہو، تو اس صورت میں احصار نہ ہوگا، جیسا کہ آج کل سعودیہ کے مقیم لوگوں میں یہ بات مشہور و معروف ہے کہ عام ڈرائیور چونکہ مین روڈ ہی سے گذر کر مکہ مکرمہ جایا کرتے ہیں اور عام طور پر چیک پوسٹ مین روڈ پر ہی ہوا کرتے ہیں جہاں سے گذر کر بے اجازت جانے والوں کا پکڑا جانا تقریباً یقینی ہوا کرتا ہے تاہم اس آڑے وقت میں اس کو اس مشکل سے نکالنے کے لئے کچھ دوسرے ڈرائیور اس طرح کا احرام باندھے

والوں کا تعاون کرنے کیلئے آمادہ اور تیار ہوتے ہیں اور وہ انہیں غیر معروف اور طویل راستوں سے گذار کر مکہ مکرمہ پہونچا دیا کرتے ہیں، اگرچہ وہ اس کا معقول اور واجبی معاوضہ اور حق المحنت وصول کرتے ہیں، تو اس طرح کے محرمین کے لئے ان جیسی صورتوں کے ہوتے ہوئے اول وہلہ میں احصار کا تحقق نہ ہوگا۔

محصر کا احرام کس طرح ختم ہوگا اور اسے کیا کیا کرنا ہوگا:

جس شخص نے حج، یا عمرہ کا احرام باندھا، پھر وہ محصر ہو گیا، تو جب وہ احرام سے حلال ہونا چاہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ کسی شخص کو اپنا نائب یا وکیل بنا کر اس کے ذریعہ ہدی کا جانور حدود حرم میں بھیجے، وہ نائب، یا وکیل اس ہدی کے جانور کو اپنے موکل کی طرف سے حدود حرم میں ذبح کرے، نیز موکل کے لئے یہ بھی واجب ہے کہ وہ وکیل سے کسی خاص دن اور وقت کا تعین کرے کہ اسی دن اور وقت میں وہ جانور ذبح کرے گا، تا کہ موکل کو اپنے حلال ہونے کے وقت کا علم رہے۔ شرح اللباب میں ہے:

إذا أحصر المحرم بحجة أو عمرة وأراد التحلل، يجب عليه أن يبعث الهدى لقوله تعالى: وأتموا الحج والعمرة لله فإن أحصرتم فما استيسر من الهدى" فيذبح عنه أي وكيله نيابة عنه في الحرم ويجب أن يواعده يوما معلوما يذبح فيه حتى يعلم وقت إحلاله (ص ۲۳٦)۔

محصر اگر قارن ہے تو اسے ہدی کے دو عدد جانور بھیجنے ہوں گے، ولو كان المحصر قارنا يبعث بهديين (شرح اللباب ص ۲۳۷)۔

اگر محصر، حج افراد کا احرام باندھے تھا اور احصار کے بعد حلال ہو گیا، تو اسے آئندہ ایک حج اور ایک عمرہ کرنا ہوگا۔

اگر محصر، عمرہ کے احرام سے حلال ہوا ہے تو اسے صرف ایک عمرہ بعد میں کرنا ہوگا۔ اور اگر محصر قران کا احرام باندھے تھا اور وہ حلال ہو گیا ہے، تو اس کے ذمہ ایک حج اور دو عمرہ کرنا ہوگا۔ جیسا کہ فقہ کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے:

إن حل من حج، حج و عمرة، ومن عمرة عمرة، ومن قران حج و عمرتان (شرح الوقایہ ۱/۲۸٦)۔

اگر مفرد بالحج احصار کی وجہ سے حلال ہو گیا، پھر اس کا احصار زائل ہو گیا اور اس نے اسی سال نیا احرام باندھ کر حج بھی کر لیا تو اسے قضائے حج کی کرلی ہے اور نہ اس پر عمرہ کرنا لازم ہے، لیکن امام صاحب سے حسن بن زیاد کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ اسے حج اور عمرہ دونوں کرنا ہوگا اور قضا کی نیت بھی لازم ہوگی۔ عینی شرح ہدایہ میں ہے:

المفرد بالحج إذا تحلل ثم زال الإحصار عنه فأحرم و حج من عامه فليس عليه نية القضاء ولا عمرة عليه وروى الحسن عن أبي حنيفة: أن عليه قضاء حجة و عمرة ولا بد من نية القضاء (۱۵۹۲/۲)۔

اور اگر حج نفل کی صورت میں احصار ہوا ہے تو اس پر حج اور عمرہ کی قضا واجب ہوگی، المحصر بالحج النفل يجب عليه قضاء حجة و عمرة (عینی شرح ہدایہ ۱۵۹۲/۲)۔

محصر ہدی کا جانور حدودِ حرم میں بھیجنے کے بعد کہاں رہے:

جب محصر ہدی کا جانور بھیج دے تو اسے اس جانور کے ذبح ہونے تک احصار والی جگہ میں ٹھہرنا واجب نہیں، بلکہ وہ اپنے اہل وعیال میں بھی لوٹ سکتا ہے، یا کہیں اور چاہے تو جا سکتا ہے، لیکن ان دونوں صورتوں میں سے جو بھی صورت اختیار کرے، اسے ہر حال میں جانور کے ذبح ہونے تک حالت احرام میں باقی رہنا ہوگا۔

واذا بعث المحصر الهدی فلیس علیه ای وجوبا ان یقیم بمکانه ای المحصور فیه حتی یذبح بل له ان یرجع الی اهله او حیث شاء ای له ان یصیر فی مکانه لکن فی الصورتین یکون محرما الی وقت تحقق ذبحه (شرح اللباب ۲۳۹)۔

محصر کو ہدی کے جانور کے ذبح ہو جانے کے بعد اپنے احرام سے حلال ہونے کے لئے حلق کرانا ضروری نہیں ہے:

محصر کو جب اس بات کا یقین ہو جائے کہ اس کا وکیل جانور ذبح کر چکا ہوگا، تو اسے اپنے احرام سے نکلنے کے لئے حلق کرانا واجب نہیں ہے، بلکہ وہ ممنوعات احرام میں سے اگر کوئی عمل کرے گا تو حلال ہو جائے گا، لیکن محض ہدی کے جانور کے ذبح ہو جانے سے وہ احرام سے باہر نہیں نکل سکتا۔ محصر کو حلال ہونے کے لئے گرچہ حلق کرانا واجب تو نہیں تاہم وہ اگر حلق یا قصر کے ذریعہ حلال ہو تو یہ امر مستحسن اور جائز ہوگا، ملا علی قاری لکھتے ہیں:

واذا علم المحصر انه قد ذبح هدیه بالحرم واراد ان یتحلل یفعل ادنی ما یحظره من الاحرام من قص شارب او قلم ظفر او تطییب عضو ولا یجب علیه الحلق ولا التقصیر خلفا عنه وان فعله فحسن ولا یخرج من الاحرام بمجرد الذبح (شرح اللباب ص ۲۴۱)۔

دم احصار میں کون سا جانور کفایت کرے گا:

دم احصار کے طور پر جو جانور محصر کو بھیجنا واجب ہوتا ہے اس میں بدنہ، یا گائے کا ساتواں حصہ کفایت کر سکتا ہے اور مکمل ایک بکری بھی کافی ہو سکتی ہے، جمہور صحابہ اور فقہاء کا یہ مسلک ہے۔

لیکن حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ دم احصار میں بکری کفایت نہیں کرے گی۔ عینی شرح ہدایہ میں ہے: الهدی سبع بدنة او بقرة او شاة بکمالها وهو قول الجمهور وعن عائشة وابن عمر: لا تجزیه الشاة (۱۵۹۳/۲)۔

ہدی کے جانور میں باعتبار سن وعمر کے وہ شرط ملحوظ رکھی ہوگی جو قربانی کے جانور میں معتبر ہوا کرتی ہے۔ فی السن یجزیه ما یجزی فی الاضحیة عند الجمهور (عینی شرح ہدایہ ۱۵۹۳)۔

دم احصار کے ذبح ہونے کے لئے زمان ومکان کی قید ہے یا نہیں:

احناف کے نزدیک، دم احصار خواہ حج کی طرف سے ہو، یا عمرہ کی طرف سے، اس کا ذبح ہونا حدودِ حرم کے اندر متعین اور واجب ہے، لیکن دیگر ائمہ مثلاً امام مالک، شافعی، حج اور عمرہ دونوں میں اور امام احمد، صرف عمرہ میں اس کے قائل ہیں کہ وہ شخص جہاں محصور ہوا ہے، وہیں ہدی کا جانور ذبح کرے گا۔

ولا يجوز ذبح دم الإحصار إلا في الحرم عندنا في الحج و العمرة وقال الشافعي ومالك واحمد في العمرة يذبح هديه حيث أحصر (عینی ۲/۱۵۹۱)۔

رہا دم احصار میں وقت کا تعین تو فقہاء احناف کا اتفاق ہے کہ عمرہ کے دم احصار کا یوم النحر میں ذبح ہونا لازم نہیں، بلکہ اس سے قبل بھی اس کا ذبح جائز ہے اور یہی قول امام اعظم کا حج کے دم احصار میں ہے، لیکن صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ حج کا دم احصار یوم النحر میں ہی ذبح کیا جانا چاہئے۔ چنانچہ عینی میں ہے:

أنه يجوز ذبحه قبل يوم النحر في العمرة اتفاقا و كذا في الحج عند أبي حنيفة وقال ابو يوسف و محمد وغيرهما أنه لا يجوز قبل يوم النحر (۲/۱۵۹۱)۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے ترتیب کے سلسلہ میں ائمہ کے مسالک کی تفصیل:

یہ بات واضح ہے کہ حاجی کو یوم النحر میں کل چار واجب کام انجام دینے ہوتے ہیں: رمی، ذبح، حلق اور طواف زیارت، عینی میں ہے: واعلم أنه يفعل في يوم النحر أربعة أشياء الرمي والنحر والحلق والطواف (۲/۱۵۳۴)۔

ائمہ مسالک کا باہم اختلاف ہے کہ ان امور میں ترتیب ملحوظ رکھنا واجب ہے یا مسنون؟

پہلا قول: امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کا قول: ان چاروں امور میں سے پہلے تین امر رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے اور یہ وجوب قارن اور متمتع کے لئے ہے، علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: والحاصل أن الطواف لا يجب ترتيبه على شئ من الثلاثة وإنما يجب ترتيب الثلاثة: الرمي ثم الذبح ثم الحلق (۲/۲۸۶)۔

چونکہ مفرد بالحج کے ذمہ ذبح لازم نہیں اس لئے مفرد بالحج کے لئے صرف دو امر یعنی رمی اور حلق کے درمیان ترتیب لازم ہے، شامی میں ہے: لكن المفرد بالحج لا ذبح عليه فيجب عليه الترتيب بين الرمي والذبح فقط (۲/۲۸۶)۔

دوسرا قول: صاحبین اور امام شافعی کی دوسری روایت: ان چاروں امور میں ترتیب مستحب ہے، اگر قارن یا متمتع نے حلق کو ذبح پر مقدم کردیا تو ان حضرات کے نزدیک یہ فعل درست ہے اور اس پر کچھ واجب نہیں، لیکن اگر حلق کو رمی پر مقدم کردیا تو امام شافعی کے نزدیک دم واجب ہوگا: وعلى قول آخر للشافعي مستحب أما لو قدم الحلق على النحر جاز ولا يجب شئ عنده قولا واحدا و كذا عندهما ولو قدمه على الرمي لزمه دم عند الشافعي (عینی ۲/۱۵۳۲)۔

تیسرا قول: امام احمد کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ان امور میں سے اگر کسی کو دوسرے پر سہوا یا جہالۃ مقدم کردیا تو اس پر کچھ واجب نہیں اور اگر ایسا عمدا کیا ہو تو امام احمد سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں یعنی ایک روایت میں دم واجب ہوگا، دوسری روایت میں دم کا وجوب نہیں ہوگا، وقال احمد لو قدم كل واجب على الآخر ساهيا او

وافتى فيمن حلق قبل ان يذبح أو نحر قبل أن يرمي أو رمى بعد ما أمسى أو أفاض قبل الحلق أنه لا حرج ولم يأمر بكفارة والسكوت عند الحاجة بيان وليت شعري هل في بيان الاستحباب صيغة أصرح ولا يتم التشريع إلا ببيان الرخص في وقت الشدائد (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۶۵)۔

شاہ صاحب نے بالکل وضاحت ہی فرمادی کہ استحباب کے بیان کے لئے لا حرج سے زیادہ کون سا صریح صیغہ ہوسکتا ہے، نیز یہ کہ دم کا حکم نہ دینا اس کے عدم وجوب کے لئے کھلا ہوا بیان ہے۔

۹۔ آج عام طور پر معروف حج تمتع ہے، افراد یا قران شاذ و نادر ہے۔ تاہم ایسی صورت میں حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنا عرفاً حج تمتع تصور نہیں کیا جائے گا۔

اولاً تو اس وجہ سے کہ تمتع کا عام طور پر معروف و مشہور ہونا یہ ہمارے جیسے دور دراز ملکوں کے باشندوں کے لئے ہے، لیکن جو حضرات مکہ مکرمہ کے قرب وجوار، یا سعودی کے متصل ملکوں میں رہتے ہیں ان کے لئے حج کی ساری صورتیں قابل عمل اور معروف و مشہور ہیں، اس لئے صرف کسی خاص علاقہ کے رہنے والوں کا عرف شرعاً معتبر نہ ہوگا، کیونکہ فقہاء نے یہ صراحت کردی ہے: التعارف الذي تثبت به الأحكام لا تثبت بتعارف أهل بلدة واحدة (ص ۱۲۰، الاشباہ والنظائر)

دوسرے اس وجہ سے کہ جو شخص صرف مامور بالحج ہوتا ہے، اس کے لئے حج کے علاوہ عمرہ کرنا درست نہیں کیونکہ اس صورت میں مخالفت آمر لازم آئے گی اور حج عن الغیر کی منجملہ شرائط میں سے ایک شرط عدم مخالفة الآمر بھی ہے۔ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

فإن المأمور بالحج ليس له أن يحرم بعمرة أي لأنه إذا اعتمر ثم احرم بالحج يصير مخالفا في قولهم كما في التتارخانية (۲/۲۳۱)

الف: حج فرض میں نیابت کے سلسلے میں فقہاء احناف نے تقریباً ۲۰ شرطیں ذکر فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مامور سفر کو مامور بہ ہی کے لئے خاص رکھے، مثلاً اگر آمر نے حکم دیا ہے حج کرنے کا تو مامور مکہ مکرمہ جاکر سیدھے حج ادا کرے، اگر حج سے پہلے عمرہ کرے گا تو یہ سفر عمرہ کے لئے مانا جائے گا نہ کہ حج کے لئے، ان شروط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مامور بالحج کو میقات آمر سے احرام باندھنا ہوگا، اور ایک شرط عدم مخالفة الآمر کی بھی ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

چنانچہ پہلی دو شرطوں کی روشنی میں حج بدل کرنے والے کو تمتع کی گنجائش نہیں نکل سکتی اگر اجازت دیدے تو مامور قران یا تمتع کرسکتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ باذن الآمر کی صورت میں عدم مخالفت آمر کی بنا پر اس کا قران و تمتع کرنا جائز ہوگا۔ غنیۃ المناسک میں ہے: إن الأمر بالحج تضمن الآمر بأمور، بالحج بنفسه ومن بلده وبماله وبركوب أكثر الطريق وبجعل السفر له وبإفراد السفر له وبإحرامه من الميقات وكذا لو أمره بالعمرة فلو أحل بواحد فهو مخالف إلا إذا وجد الإذن (۱۷۹)۔

لیکن باذن الآمر کی صورت میں عدم مخالفت تو پائی گئی باقی اور شرطیں مثلاً "إفراد السفر له" اور "إحرامه من الميقات" وغیرہ کا فقدان رہا، اور چونکہ بروئے مذہب حج بدل میں حج کا میقاتی ہونا شرط ہے۔ اس لئے آمر کی اجازت کے باوجود تمتع کرنے سے مامور بالحج کو احتراز کرنا ہوگا کہ اسی میں احتیاط کا پہلو ہے۔

اردو فتاوی میں مولانا عبد الرحیم صاحب لاجپوری مدظلہ نے تحریر فرمایا ہے کہ احوط اور ارجح یہ ہے کہ اجازت کے باوجود تمتع کا احرام نہ باندھا جائے (فتاوی رحیمیہ ۲/۲۰۷)

مولانا ظفر احمد تھانوی نے فتاوی مظاہر علوم میں بڑی طویل گفتگو فرمائی ہے اور آمر کی اجازت کے بعد تمتع کے جواز کا فتوی صادر فرمایا ہے اور اس کی تصویب حضرت تھانوی نے بھی فرمائی ہے۔ (فتاوی مظاہر علوم ۱/۱۹۱) لیکن یہ فتوی جب مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے اس فتوی کی مخالفت فرمائی اور عدم جواز تمتع کی بات تحریر فرمائی۔ مولانا خلیل احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"میری رائے حج عن الغیر کے جواز کی نہیں ہے اور جو عبارتیں آپ نے (مولانا ظفر صاحب) تمتع کے استدلال جواز میں لکھی ہیں اور جو عبارتیں اس قسم کی اور پائی جاتی ہیں میرے نزدیک اس مدعا کے لئے مفید نہیں" آگے لکھتے ہیں "بروئے مذہب حج عن الغیر ادا ہونے کے لئے حج میقاتی ہونا شرط ہے تو پھر جواز تمتع کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ ملا علی قاری اپنی مناسک میں ماتن کا قول نقل کرتے ہیں:

وينبغي للآمر أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول حج عني كيف شئت مفردا أو قارنا أو متمتعا" ملا علی قاری اس قول کی شرح میں لکھتے ہیں: وفيه أن هذا القيد سهو ظاهر إذ التفويض المذكور في كلام المشائخ مقيد بالإفراد والقران لا غير (۱/۱۹۱ فتاوی مظاہر علوم)(مولانا خلیل احمد کی بات یہاں مکمل ہوئی)

ملا علی قاری کی مندرجہ شرح والی عبارت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ملا سندی نے لباب میں تفویض کے ضمن میں "متمتعا" کی جو صراحت کی ہے وہ صحیح نہیں ہے، بلکہ وہ ان کا سہو ہے کیونکہ مشائخ کے کلام میں جو تفویض کی عبارت ملتی ہے اس میں صرف افراد اور قران کی تفویض ہے نہ کہ تمتع کی۔ چنانچہ ملا علی قاری نے اس کے بعد کلام المشائخ سے وہ عبارت نقل کی ہے جس میں تفویض مقید بالقران والافراد ہے۔ ملاحظہ ہو (شرح اللباب ص ۲۹۰)

اس کے بعد ملا علی قاری نے فتاوی قاضی خاں کی ایک عبارت نقل کی ہے جس سے حج عن الغیر کی صورت میں تمتع کے جواز کا شبہ پیدا ہو سکتا تھا، اس لئے ملا علی قاری نے اسے ذکر کر کے پیدا ہونے والی غلط فہمی کو دور کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وأما ما في فتاوى قاضي خان من التخيير بحجة أو عمرة أو حجة أو بالقران فلا دلالة على جواز التمتع إذ الواو لا تفيد الترتيب فيحمل على حجة و عمرة بأن يحج أولا عنه ثم يأتي بعمرة له أيضا فتدبر فإنه موضع خطر (شرح اللباب ۲۹۰)۔

فتاوی قاضی خاں کی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ حج عن الغیر میں آمر، مامور کو اختیار دے کہ یا تو حج کر

لو یا عمرہ اور حج کر لو، یا قران کر لو (عمرۃ و حجۃ) سے تمتع کی گنجائش نہیں نکل سکتی کیونکہ واو مطلق جمع کے لئے آتا ہے نہ کہ ترتیب کے لئے، اس لئے اس کو "حجۃ و عمرۃ" پر محمول کیا جائے گا، یعنی مامور پہلے آمر کی طرف سے حج ادا کرلے پھر آمر کی طرف سے عمرہ بھی ادا کرے (فیحمل علی حجۃ و عمرۃ بان یحج اولا عنہ ثم یاتی بعمرۃ لہ ایضا) ملا علی قاری نے آگے یہ جملہ بھی بڑھا دیا کہ: فتدبر فانہ موضع خطر" جس سے اشارہ مقصود ہے کہ قاضی خاں کے ظاہر کلمات سے کوئی جواز مستنبط نہ کرے، چنانچہ انہوں نے اس کو پر خطر مقام قرار دیا۔

(ب) اوپر کے پورے بحث کی روشنی میں ظاہر ہے یہی کہا جائے گا کہ آمر کی صریح اجازت کے بعد بھی تمتع نہ کرنا ہی احوط وارجح ہے۔

(ج) آمر سے تمتع کی صریح اجازت نہیں لی لیکن حج بدل کرنے والے کا ظن غالب ہے کہ آمر اس کی اجازت دے دے گا۔ اس صورت میں بھی تمتع نہ کرنا ہی احوط وارجح ہوگا کیونکہ جب صراحۃ اجازت ہونے کی صورت میں، احوط وارجح عدم جواز تمتع ہے تو ظن غالب کی صورت میں کہ احکام وہی ہوا کرتے ہیں جو یقین کی صورت میں، پھر بھی یہاں، احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ تمتع نہ کیا جائے۔

(د) اگر مامور بالحج، خلاف احوط وارجح باذن الآمر تمتع کر ہی لے تو دم تمتع مامور کو اپنے مال سے ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر بدون اذن الآمر تمتع کیا ہے تو اس صورت میں مخالفت آمر کی بنا پر پورے حج کے نفقہ کا بھی ضامن ہوگا، اور دم تمتع تو ہر حال میں مامور کو اپنے مال سے ادا کرنا ہوگا۔

ولو امرہ بان یحج عنہ فاعتمر ضمن لانہ خالف ولو اعتمر ثم حج من مکۃ یضمن النفقۃ (بدائع ۲/۲۱۳)

اور دم تمتع، مامور کے مال سے ہوگا اس سلسلے میں درمختار کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

ودم القران والتمتع والجنایۃ علی الحاج ان اذن لہ الآمر بالقران والتمتع والا فیصیر مخالفا (درمختار مع الشامی ۲/۳۳۸)

(ھ) حج بدل کرنے والے کے لئے آمر کی اجازت کے بعد بھی احوط وارجح یہی ہے کہ وہ تمتع نہ کرے۔ لیکن حج بدل کرنے والا جسے حکومت کے نظم وقانون کے تحت، ایام حج سے بہت پہلے، حج کا سفر کرنا پڑتا ہے اور اس صورت میں اسے طویل عرصہ تک احرام کی پابندیوں کو جھیلنا دشوار ہو تو اس کے لئے فقہاء کرام نے حیلہ شرعی پیش کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

مامور بالحج طول احرام سے بچنے کے لئے اپنے گھر سے روانہ ہوتے ہوئے چند روز جدہ میں قیام کرنے کی نیت کرے، اور اس سفر کو جدہ کا سفر قرار دے اور راستہ میں نہ عمرہ کا احرام باندھے، نہ حج کا، نہ اپنی طرف سے، نہ آمر کی طرف سے، اور بغیر احرام باندھے چند روز کے بعد جدہ کے قیام سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ چلا جائے اور عمرہ وغیرہ کچھ نہ کرے، صرف طواف وغیرہ بدون احرام کے کرتا رہے اور حج کا وقت آنے پر جدہ آ کر حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے۔

یہ حیلہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ نے مامور بالحج کے طول احرام سے بچنے کے لئے تحریر فرمایا ہے (فتاوی مظاہر العلوم ۱؍۰۹)۔

مذکورہ بالا حیلہ فقہ کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ البحر الرائق کے حاشیہ پر جو درج ذیل عبارت ہے اس سے یہ چیز مفہوم ہوتی ہے: فینبغی التطفل وهو أن يجاوز الميقات بلا إحرام قاصدا البستان ثم دخل مكة ثم خرج إلى الحل وقت الإحرام فأحرم من الميقات عن الآمر يجوز لأنه صار آفاقيا (حاشیہ ابن عابدین علی البحر ۳؍۱۸ ،شامی ۲؍۲۱۱)۔

(د) حج من المیت کی صورت میں بھی تمتع نہ کرنا احوط وارجح ہوگا۔ اس لئے کہ اگر میت پر حج فرض تھا تو حج بدل کرنے والا صرف حج ہی کرے نہ کہ تمتع، تاکہ اس کا حج، آفاقی ہوسکے اور سفر صرف مامور بہ کے لئے۔ اور یہ اسی وقت ہوسکے گا جب کہ وہ پہلے عمرہ نہ کرے۔ اور اگر وہ عمرہ کر لیتا ہے تو اس کا سفر عمرہ ہی کے لئے مانا جائے گا، گو بعد میں وہ حج کر لے، کیونکہ فقہاء نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ: ان الأمر بالحج تضمن الأمر بامور بالحج بنفسه ومن بلده و بماله و بركوب أكثر الطريق ويجعل السفر له و بافراد السفر له و باحرامه من الميقات فلو أخل بواحد فهو مخالف (غنیۃ الناسک ص ۱۷۹)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر میت نے حج کی وصیت کی ہے اور اس کے پاس مال بھی موجود ہے تو اس کی یہ وصیت اور اس کا یہ امر بالحج بھی چند ان امور کو متضمن ہوگا جن کا ذکر مذکورہ بالا عبارت میں ہوا، حج بدل کرنے والے کے لئے جو میت کی وصیت اور اس کے امر بالحج کی تنفیذ کے لئے جا رہا ہے، اسے بھی ان مذکورہ بالا امور کا جن کا ذکر "غنیۃ" کی عبارت میں ہوا ہے، خیال رکھنا ضروری ہوگا، اگر ان میں سے کسی بھی امر میں خلل ہوگا تو مخالفت آمر کا تصور ناگزیر ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ حج من المیت کی صورت میں بھی تمتع نہ کرنا احوط وارجح ہوگا۔

۱۰۔ حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت کا حکم:

حج کرنے والی عورت، حیض ونفاس کی وجہ سے طواف زیارت نہ کر سکی، اس کے لئے پاکی کا انتظار ناقابل عمل ہے، کیونکہ اس کا ویزا نہیں بڑھ پا رہا ہے، یا جہاز کی تاریخ میں تبدیلی نہیں ہو پا رہی ہے، یا نفقہ کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا مکہ مکرمہ میں ٹھہر کر انتظار کرنا مشکل ہے، اگر وہ طواف زیارت کے بغیر وطن واپس چلی جاتی ہے تو اس کا حج ترک رکن کی وجہ سے نامکمل رہے گا۔ دوبارہ اس کا وطن سے واپس آ کر طواف زیارت کرنا ناقابل عمل، کیونکہ اس میں استطاعت نہیں، یا قانونی رکاوٹیں واپس آنے میں حائل ہیں۔

(الف) ان امور مذکورہ بالا کے ہوتے ہوئے بھی اس عورت کیلئے شرعاً حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت کی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ حالت حیض وغیرہ میں طواف زیارت کی حرمت، دو امور کی وجہ

سے ہے، ایک تو اس کے لئے اس حالت میں دخول مسجد جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ طواف کے لئے طہارت واجب اور شرط ہے، بغیر طہارت کے طواف جائز نہیں ہو سکتا، فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے: الحاصل أن حرمة الطواف لوجهين دخولها المسجد و ترک واجب الطواف فإن الطهارة واجبة في الطواف فلا يحل لها أن تطوف حتى تطهر (فتح القدیر ۲/۳۳۸)۔

(ب) اگر عورت حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت کر ہی لے باوجودیکہ وہ منہی عنہ ہے، وہ طواف لازم الاعادہ ہوگا، اگر اعادہ نہ کر سکی تو اس پر دم جنایت کے طور پر بدنہ ذبح کرنا ہوگا اور اس طرح اس کا حج مکمل ہو جائے گا، علامہ ابن الہمام تحریر فرماتے ہیں: فإن طافت، كانت عاصية لعقاب الله تعالى ولزمها الإعادة فإن لم تعد، كان عليها بدنة وتم حجها (فتح القدیر ۲/۳۳۸)۔

اور علامہ شامی رقم طراز ہیں: عن منسک ابن أمير الحاج لو هم الركب على القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف أم لا؟ قالوا، يقال لها: لا يحل لک دخول المسجد وإن دخلت و طفت، أثمت وصح طوافک وعليک ذبح بدنة، وهذه مسئلة كثيرة الوقوع تتحير فيها النساء (شامی ۲/۲۵۲)۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اگر عورت ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرے گی تو گنہگار ہوگی، لیکن اس کا رکن فرض ادا ہو جائے گا اور اس پر دم جنایت واجب ہوگا۔

(ج) حالت ناپاکی میں طواف زیارت کرنے کی صورت میں بدنہ کا ذبح واجب ہوگا، بکرا نا کافی ہوگا۔

درمختار میں ہے: وتجوز الشاة (في الحج) في كل شيء إلا في طواف الزيارة (جنبا) أو حائضا (درمختار مع الشامی ۲/۳۴۳)۔

(د) دم کی ادائیگی اور جانور کا ذبح ہونا حرم مکی میں ضروری ہے، حرم مکی کی حدود سے باہر یا اپنے مقام پر اس دم کا ادا کرنا صحیح نہیں۔ درمختار میں ہے: ويتعين الحرم للكل (درمختار مع شامی ۲/۳۴۳)۔

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں، خاتون کے شوہر کا انتقال ہو گیا، اگر انتقال ایسے مقام پر ہوا ہے کہ وہاں سے مکہ مکرمہ کی مسافت، مدت سفر شرعی ہے اور اس کا شہر خواہ مدت سفر کی مسافت سے کم پر ہو یا زیادہ پر، لیکن اس عورت کے لئے اس مقام میں، یا اس سے کسی قریبی مقام میں ٹھہرنا ممکن ہو تو یہ عورت کے حق میں احصار ہوگا، اور اس وجہ سے وہ آگے مکہ مکرمہ نہیں جا سکتی اور نہ ہی وہ عمرہ یا حج کر سکتی ہے۔

اور اگر اس کے برعکس صورت ہو، یعنی مقام موت زوج اور مکہ مکرمہ کے درمیان کی مسافت، مدت سفر کی مسافت سے کم ہے، یا یہ کہ شوہر کا انتقال مکہ مکرمہ ہی میں ہوا ہو تو اس صورت میں عورت پر احصار کا حکم نہ لگے گا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ عورت تمام اعمال حج وعمرہ انجام دے سکے گی۔

بغیۃ المناسک میں ہے: ومنه (من الإحصار) موت المحرم للمرأة في الطريق أو زوجها إذا

كان بينها وبين مكة مسيرة سفر وبلدها أقل منه أو أكثر لكن بمكثها المقام في موضعها أو قريب منه وإلا فلا إحصار (ص/۱۹۷)۔

شرح اللباب اور شامی میں بھی اس جیسی بات ملتی ہے۔ (دیکھئے شرح اللباب ص/۲۳۳ اور شامی ۲/ ۳۲۰)۔

۱۲۔ حج کا سفر کرنے والا، ایام حج سے اتنی مدت پہلے مکہ مکرمہ پہنچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ۱۵ یوم قیام سے قبل ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں اور وہ منیٰ چلا جاتا ہے تو اگر مکہ مکرمہ اور منیٰ دونوں میں اقامت کی مدت مجموعی طور پر ۱۵ روز ہو جاتی ہے تو وہ مقیم شمار ہوگا، کیونکہ اب مکہ مکرمہ کی آبادی بڑھ کر منیٰ سے متصل ہو چکی ہے اور مکہ مکرمہ اور منیٰ دونوں، دو جگہ متصور نہیں ہوتیں۔ بلکہ دونوں کو ایک ہی جگہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ منیٰ، اب مکہ ہی کا ایک محلہ بن چکا ہے چنانچہ منیٰ کا علاقہ بھی العزیزیہ کے ذیل میں آتا ہے، بلدیہ بھی ایک ہے اس لئے منیٰ کو اب مکہ مکرمہ سے الگ اور علیحدہ تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ہاں دو علیحدہ شہروں اور مستقلاً دو مختلف مقامات پر ملا کر مجموعی طور پر اگر ۱۵ ایام اقامت کی نیت ہو تو وہ شرعاً مقیم نہ ہوگا جیسا کہ ماضی میں منیٰ اور مکہ مکرمہ کا یہی حکم تھا۔ لیکن اب حالات کی تبدیلی سے احکام میں تبدیلی آ چکی ہے۔

فقہاء کرام کی عبارتوں سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص دو مختلف جگہوں میں مجموعی طور پر ۱۵ ایام اقامت کی نیت کرتا ہے تو وہ مقیم نہ ہوگا، بلکہ مستقلاً ایک شہر میں پندرہ یوم کی اقامت کی نیت ضروری ہے۔ ہاں پندرہ یوم اقامت کی نیت دو ایسی جگہوں میں کرے کہ ان میں ایک جگہ اصل ہو اور دوسری اس کے تابع اور ماتحت۔ تو اس صورت میں دونوں میں ملا کر بھی مجموعی مدت اقامت اگر پندرہ یوم ہو جاتی ہے تو یہ نیت اقامت معتبر ہوگی، اور وہ شخص مقیم ہوگا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: وفي المفيد والتحفة هذا إذا كان كل واحد منهما أصلا كمكة ومنى أو كالكوفة والحيرة فإذا كان أحدهما تبعا للآخر بأن نوى الإقامة في المصر وفي موضع آخر تبع لها وهو ما يلزم ساكنيه حضور الجمعة، يصير مقيما لأنهما مكان واحد (عینی شرح الہدایہ ۲/ ۵۷۹)۔

علامہ عینی نے اگرچہ مکہ و منیٰ دونوں کو دو مستقل جگہ شمار کیا ہے، لیکن یہ اس زمانہ کے اعتبار سے تھا، آج کل کے حالات میں منیٰ چونکہ مکہ مکرمہ کے تابع ایک محلہ بن چکا ہے، اس لئے اب دونوں جگہیں ایک ہی مقام کے حکم میں ہوں گی اور اب دونوں میں مجموعی طور پر ۱۵ ریوم کی نیت اقامت سے وہ شخص مقیم ہوگا۔

۱۳۔ رمضان میں جو لوگ عمرہ کے لئے جاتے ہیں، نیز سعودیہ میں مقیم احناف کے لئے ایک مسئلہ وتر میں اقتدا کا ہے کہ بلاد عرب میں عموماً وتر کی تینوں رکعات، فصل کے ساتھ یعنی دو رکعات پر سلام کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں، تو اب دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے مذہب کی رعایت میں مسجد حرمین کی جماعت کو چھوڑ کر اپنا آدمی وتر کی نماز تنہا ادا کرے۔ یہ صورت مناسب نہیں معلوم ہوتی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ امام کی اقتدا میں وتر ادا کرے تو یہ خرابی لازم آتی ہے کہ امام فصل کے ساتھ وتر ادا کرتا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں میں سے دوسری صورت اختیار کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس صورت میں حرمین کی جماعت اور مجمع کی رعایت میں امام مسجد کی وہ اقتدا کرے گا۔ جیسا کہ حرمین کی جماعت اور مجمع کی رعایت ہی

میں وہ عصر کی نماز مثل اول پر ادا کرتا ہے۔ اور وتر میں وہاں کے امام مسجد کی اقتدا کی اجازت بعض فقہاء احناف نے دی بھی ہے۔ البحر الرائق میں ہے:

وجوزه أبو بكر الرازي ويصلي معه بقية الوتر لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده (۳۹/۲)۔

اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ ابوبکر رازی نے اقتدا کی اجازت دی ہے، اور درمیان وتر میں سلام پھیرنے کے بعد بھی حنفی مقتدی اپنی بقیہ نماز وتر (یعنی ایک رکعت) امام کی اقتدا میں پوری کرے گا، کیونکہ درمیانی سلام کی وجہ سے اس کا امام نماز سے باہر نہیں ہوتا۔ اس لئے گویا اس نے مکمل نماز بغیر فصل کے ہی ادا کر لی۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ کے چند حل طلب مسائل

مولانا عبدالقیوم پالنپوری
جامعہ [illegible]، گجرات

۱۔ حدود حرم سے باہر رہنے والے جو لوگ حج و عمرہ کی نیت نہیں رکھتے ہیں بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم کی کی حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے بھی امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ کے نزدیک اور امام شافعیؒ کی مشہور روایت اور امام مالکؒ کے صحیح قول میں ضروری ہے کہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں۔

(اسی طرح جو اہل مکہ اور حدود حرم یا حل میں رہنے والے کسی ضرورت سے میقات سے باہر جائیں تو ان کے لئے بھی واپسی پر میقات سے احرام باندھ کر ہی آگے بڑھنا ضروری ہے) البتہ امام شافعیؒ کے ایک قول اور امام مالکؒ کی ایک روایت میں نیز امام زہریؒ، حسن بصریؒ اور ابن وہب اور اصحاب ظواہر کے نزدیک میقات سے بلا احرام گذرنا جائز ہے، جیسا کہ حضرت علامہ شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

قوله ممن أراد الحج والعمرة الخ . استدل بمفهومه على أن الإحرام يختص بمن أراد الحج والعمرة، فمفهومه أن المتردد إلى مكة بغير قصد الحج والعمرة لا يلزمه الإحرام وقد اختلف العلماء في هذا، فمذهب الزهري والحسن البصري والشافعي في قول ومالك في رواية وابن وهب وداؤد بن علي وأصحابه الظاهرية: أنه لا بأس بدخول الحرم بغير إحرام، ومذهب عطاء والليث بن سعد والثوري وأبي حنيفة وأصحابه ومالك في رواية وهي قوله الصحيح والشافعي في المشهور عنه وأحمد وأبي ثور والحسن بن حي لا يصلح لأحد كان منزله من وراء الميقات إلى الأمصار أن يدخل إلا بالإحرام، فإن لم يفعل أساء ولا شيء عليه عند الشافعي وأبي ثور وعند أبي حنيفة عليه حج أو عمرة (فتح الملہم ۳/۲۱۱ـ۲۱۲)۔

عبارت مذکورہ کے مفہوم سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ احرام اس شخص کے ساتھ خاص ہے جو حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی حج وعمرہ کے ارادہ کے بغیر مکہ آتا جاتا رہے، اس پر احرام لازم نہیں ہے، اور اس بابت علماء کا اختلاف ہے، زہری، حسن بصری، امام شافعی (ایک قول کے مطابق) اور امام مالک (ایک روایت کے مطابق) اور ابن وہب حضرت داؤد بن علی اور ان کے ظاہری اصحاب، ان سب کا مذہب یہ ہے کہ حرم کے اندر بغیر احرام داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور عطاء، لیث بن سعد، ثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، امام مالکؒ (قول صحیح کے مطابق)، امام شافعی (مشہور قول کے مطابق)، امام احمد، ابوثور اور حسن بن حی، ان سب کا مذہب یہ ہے کہ جو لوگ میقات سے باہر رہتے ہیں ان کے لئے بغیر احرام حرم کا داخلہ درست نہیں ہے، اور اگر کوئی ایسا کرے تو امام شافعی و ابوثور کے نزدیک برا تو کیا مگر اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسے شخص پر حج یا عمرہ لازم ہے۔

جو لوگ حدود میقات سے باہر رہتے ہیں، اسی طرح وہ اہل مکہ جو بغرض تجارت یا کسی مجبوری میں حدود میقات سے باہر بار بار آتے جاتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے اصل حکم یہ ہے کہ جب بھی یہ لوگ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی نیت سے میقات سے آگے بڑھیں تو ان پر حج یا عمرے کا احرام لازم ہے، لیکن ڈرائیور اور تجارتی اغراض سے روزمرہ اور بکثرت آنے جانے والوں کے لئے بار بار احرام میں حرج ومشقت ہے، اس لئے دفع حرج اور رفع مشقت کے لئے امام شافعی کے قول کے مطابق بغیر احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی گنجائش ہے (تجویز چوتھا فقہی اجتماع دیوبند)۔

۳۔ مکی اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اشہر حج شروع ہونے کے بعد اس کے لئے عمرہ کرنا مکروہ ہے، جیسا کہ صاحب زبدۃ المناسک حضرت مولانا شیر محمد سندھیؒ نے تحریر فرمایا: "کہ مکی اشہر حج میں تمتع نہ کرے، بصورت قران یا بصورت تمتع اگرچہ تمتع منعقد ہو، البتہ انعقاد کی صورت میں دم جبر بھی ہوگا اور ممانعت ہر صورت میں باقی۔۔۔پس جاننا چاہئے کہ مکی اشہر حج میں عمرہ کرلے پھر حج کرلے یہ تو سب کے نزدیک ممنوع ہے، یہ بھی ان علماء کے نزدیک جو مکی کے عمرہ (سے تمتع) کے منعقد ہونے کے قائل ہیں، وہ اس پر دم جبر لازم کہتے ہیں، اور جو منعقد ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ دم جبر کا حکم نہیں فرماتے۔۔۔عدم انعقاد کو جواز لازم نہیں۔۔۔اس لئے علماء نے فرمایا ہے کہ مکی کو اشہر حج میں عمرہ نہ کرنا چاہئے اور عمرہ کرے تو حج نہ کرے اور اشہر حج کو عمرہ سے خالی رکھے (زبدۃ المناسک ۲؍۲۱-۲۲-۲۳)۔

اور حضرت مفتی لاجپوری صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

اگر (حلی یا مکی کا) اسی سال حج کا ارادہ ہے تو عمرہ کرنا مکروہ ہے، اگر حج کا ارادہ نہیں تو مکروہ نہیں۔۔۔زبدۃ المناسک میں ہے، مسئلہ: مکہ والوں کو اور جو شخص مکہ والوں کے حکم میں ہے یعنی داخل میقات رہنے والا (یا عین میقات پر رہنے والا) اور جو شخص کہ اشہر حج سے پہلے سے مقیم مکہ ہے (جیسے کہ آفاقی اشہر حج سے پہلے حلال ہوکر مکہ مکرمہ میں رہا ہو، پھر اس پر اشہر حج آگئے) ان کو عمرہ کرنا اشہر حج میں مکروہ ہے جو کہ اسی سال حج کرنا چاہے اور اگر اس سال حج نہ کرے تو عمرہ اشہر حج میں کرنا ان سب کو مکروہ نہیں (زبدۃ المناسک ۲؍۲۵۵، فتاوی رحیمیہ ۵؍۲۲۲)۔

۴۔ مکی اشہر حج میں کسی ضرورت سے میقات سے باہر جائے اور اسی سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اگر اس سے ممکن ہو تو میقات سے حج کا ہی احرام باندھے، یا میقات سے عمرہ کا احرام باندھ لے اور حج کے ارادہ کو ختم کردے اور اگر اس نے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا اور اسی سال حج بھی ادا کیا تو اکثر احناف کے نزدیک تمتع منعقد ہو جانے کی وجہ سے دم جنایت لازم ہوگا، لیکن علامہ شامیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ تمتع منعقد نہیں ہوگا لہذا دم جنایت بھی واجب نہ ہوگا، چنانچہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

فلو خرج (المكي) إلى الكوفة وقرن صح بلا كراهة لأن عمرته وحجته ميقاتيان فصار بمنزلة الآفاقي، قال المحبوبي هذا إذا خرج إلى الكوفة قبل أشهر الحج، وأما إذا خرج بعدها فقد منع من القران... وقول المحبوبي هو الصحيح، نقله الشيخ الشلبي عن الكرماني، شرنبلالية، وإنما قيد بالقران، لأنه لو اعتمر هذا المكي في أشهر الحج من عامه لا يكون متمتعا

لأنه ملمّ بأهله بين النسكين حلال إن لم يسق الهدى وكذا إن ساق الهدى لا يكون متمتعا... كذا في النهاية عن المبسوط، هذا صريح في أن أهل مكة ومن في حكمهم لا يتصور منهم التمتع ويتصور منهم القران لكن مع الكراهة للإخلال بميقات أحد الإحرامين، ثم رأيت مثل ذلك أيضا في كافي الحاكم... ونصه وإذا خرج المكي إلى الكوفة لحاجة، فاعتمر فيها من عامة وحج لم يكن متمتعاً وإن قرن من الكوفة كان قارنا (ردالمحتار ۲؍ ۲۷۲-۲۷۳)۔

اگر مکی کوفہ کا سفر کرے اور قران کرے تو بغیر کراہت درست ہے، اس لئے کہ اس کا عمرہ اور اس کا حج اس صورت میں میقاتی ہوگا تو وہ آفاقی کے درجہ میں ہو جائے گا محبوبی کا کہنا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ کوفہ کا سفر ایام حج سے پہلے کرے، اور اگر اس کے بعد سفر کرے گا تو اس کو قران سے منع کیا جائے گا۔ اور محبوبی کا قول ہی صحیح ہے، اس کو شیخ حلبی نے کرمانی سے نقل کیا ہے، اور قران کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر مکی بھی اشہر حج میں اسی سال عمرہ کرے تو وہ متمتع نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ حج و عمرہ دونوں عبادتوں کے درمیان اپنے گھر میں اور گھر والوں میں رہے گا، اس حال میں کہ وہ حلال (غیر محرم) ہوگا، خواہ قربانی کا جانور اس نے ساتھ کر لیا ہو یا نہ کیا ہو، نہایہ میں مبسوط سے ایسا ہی نقل کیا ہے، اور اس سے یہ صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ اہل مکہ اور جو لوگ ان کے حکم میں ہوتے ہیں، ان کے حق میں تمتع ممکن نہیں ہے، ہاں قران ہو سکتا ہے اور وہ بھی کراہت کے ساتھ، اس لئے کہ اس کی طرف سے ایک احرام کی میقات کے حق میں خلل ضرور ہوگا، بعد میں "حاکم" کی کتاب 'الکافی' میں بھی مجھ کو یہی بات ملی، ان کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر مکی کسی کام سے کوفہ جائے اور پھر اسی سال عمرہ کرے اور حج بھی تو متمتع نہیں ہوگا اور کوفہ سے قران کرے تو وہ قارن ہوگا (یعنی اس کا قران کرنا صحیح ہے)۔

اور صاحب عمدۃ الفقہ لکھتے ہیں: اس تیسری روایت کا ماحصل یہ ہے کہ اگر مکی نے حج کے مہینوں میں عمرہ کا طواف کر لیا، پھر اسی سال حج کیا یعنی تمتع کیا اور عمرہ و حج کے افعال ادا کئے، اس کا تمتع باطل ہو جائے گا یعنی وہ شرعاً متمتع نہ ہوگا بلکہ اس کا عمرہ بھی مفرد ہوگا اور اس پر کوئی جزا واجب نہ ہوگی (عمدۃ الفقہ، مولانا زوار حسین ۴؍ ۲۸۹)۔

۵۔ راجح یہ ہے کہ تمتع کرنے والے آفاقی کے لئے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کرنا جائز ہے (کذا فی فتاویٰ محمودیہ)، فتاویٰ رحیمیہ کے حاشیہ میں لکھا ہے:

مسئلہ اختلافی ہے، دونوں طرف دلائل ہیں، مگر معلم الحجاج میں جس قول کو اختیار کیا ہے وہ راجح معلوم ہوتا ہے، لہذا اگر اس پر عمل کرے تو قابل مواخذہ نہ ہونا چاہئے، خصوصاً اس زمانہ میں، معلم الحجاج کے حاشیہ میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب نے لکھا ہے:

قال في اللباب ولا يعتمر قبل الحج، قال القاري في الشرح وهذا بناء على أن المكي ممنوع من العمرة المفردة أيضا، وقد سبق أنه غير صحيح، بل أنه ممنوع من التمتع والقران وهذا المتمتع آفاقي غير ممنوع من العمرة، فجاز له تكرارها، لأنها عبادة مستقلة

کالطواف ۱ھ (فتاویٰ رحیمیہ ۶/۳۹۷-۳۹۸)

(لباب میں ہے کہ حج سے پہلے عمرہ نہ کرے، ملا علی قاری شرح میں کہتے ہیں: یہ اس لئے کہ مکی کو تنہا عمرہ سے بھی منع کیا گیا ہے، اور گذر چکا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس کو تمتع اور قران سے منع کیا گیا ہے، اور یہ متمتع آفاقی ہے جس کے لئے عمرہ منع نہیں ہے، لہذا اس کے لئے عمرہ کی تکرار بھی جائز ہے، کیوں کہ عمرہ طواف کی مانند ایک مستقل عبادت ہے)۔

۶۔ جو مرد یا عورت اتنے معذور یا مریض ہوں کہ جمرات تک پیدل یا سواری سے نہ جا سکتے ہوں تو ان کی طرف سے ان کے امر سے دوسرا شخص نیابۃً رمی کرلے تو صحیح ہے، بغیر عذر محض کسل، آرام پسندی یا ازدحام کے خوف کی وجہ سے مرد یا عورت کا کسی دوسرے کو نیابۃً رمی کے لئے بھیجنا درست نہیں ہے، ان پر ترک رمی کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔

فتاویٰ رحیمیہ میں لکھا ہے:

رمی بشمار بوجہ مرض وضعف شدید کہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے اور پیدل یا سواری پر بھی وہاں تک پہنچنا دشوار ہو تو دوسرا آدمی اس کی طرف سے رمی کرسکتا ہے (معلم الحجاج ۲۰۱) لیکن ازدحام کی وجہ سے دوسرا رمی نہیں کرسکتا ہے، خود کنکری مارے، نہ مار سکے تو دم واجب ہوگا رات کے وقت ازدحام نہیں ہوتا... معذورین اور عورتوں کے لئے ازدحام کی وجہ سے رات کو بلا کراہت درست ہے (۵/۲۳۵-۲۳۶)۔

۷۔ جن لوگوں کو حالت احرام میں پکڑ کر حکومت ان کو ان کی جائے ملازمت یا اقامت واپس بھیج دیتی ہے، یہ لوگ بھی محصر کے حکم میں ہیں، چنانچہ عمدۃ الفقہ میں اسباب احصار میں سے تیسرا سبب قید ہونا یا بادشاہ کا منع کرنا (اگرچہ اس کا منع کرنا احرام باندھ لینے کے بعد ہو) بتایا ہے، لہذا یہ لوگ بھی محصر ہی ہیں، دوسرے محصر کی طرح ان کا احرام بھی ختم کرنے کی تفصیل یہ ہے کہ ان کے لئے جائز ہے کہ وہ احرام کھولے بغیر اپنی جائے ملازمت یا اقامت میں رہیں یہاں تک کہ وہ مانع زائل ہو جائے پھر مانع دور ہو جانے کے بعد اگر حج کو مل سکے تو بہت اچھا، پس وہ افعال حج ادا کر کے حقیقی طور پر احرام سے باہر (حلال) ہو جائیں، اور اگر ان کو حج نہ مل سکے تو حج فوت ہو جانے والے شخص کی طرح عمرہ کے افعال یعنی طواف وسعی کر کے اور حلق کرا کر حکمی طور پر حلال ہو جائیں، اور ان پر ہدی واجب نہیں ہے، یہ حکم محصر بالحج کا ہے، اور اگر عمرہ کے احرام کی حالت میں محصر ہوئے ہیں تو عمرہ پر قدرت حاصل ہوتے ہی ان کا احصار زائل ہو جائے گا۔

اور اگر زوال احصار کے انتظار میں دقت ہو اور ہدی کے ساتھ جلد حلال ہونا چاہتے ہیں یا جلد احصار زائل ہونے کی کوئی امید نہیں تو ہدی کے ذریعہ حلال ہو جائیں، پس اگر صرف حج یا عمرہ کا احرام باندھا تھا تو کسی شخص کو ایک ہدی یا اس کی قیمت دے کر حرم میں بھیجے تاکہ وہ اس قیمت سے وہاں پر ہدی خریدے اور اس کو امر کرے کہ اس کی طرف سے حدود حرم میں ہدی ذبح کرے، اور اگر قران کا احرام باندھا ہے تو دو ہدی بھیج کر حدود حرم میں ذبح کرائے، امام صاحبؒ کے نزدیک قربانی کے دن سے پہلے محصر بالحج کی ہدی کو بھی ذبح کرنا جائز ہے، اور وہ محصر حدود حرم میں نہیں

ہے تو ہدی کے ذبح کرنے کے بعد احرام سے باہر ہونے کے لئے حلق یا قصر شرط نہیں ہے، محض ہدی کے ذبح ہوتے ہی محصر کا احرام کھل جائے گا، اور اگر محصر مکہ یا حدودِ حرم میں ہے تو اس پر ذبح ہدی کے ساتھ حلق یا قصر کرنا بھی بالاتفاق ضروری ہے، اور ہدی سے حلال ہونے کی صورت میں محصر بالحج پر ایک حج اور ایک عمرہ کی قضا واجب ہے، اور قارن محصر پر دو عمرے اور ایک حج اور محصر بالعمرہ پر ایک عمرہ کی قضا واجب ہے (عمدۃ الفقہ ۴ر۹۱۳ تا ۹۲۳ بحذف وتغییر)۔

۸۔ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر جو مفتیٰ بہ ہے، متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے، اس کے ترک سے دم واجب ہو جاتا ہے، اور امام شافعیؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک ترتیب واجب نہیں ہے، اس کے ترک پر دم واجب نہیں اور ضرورت شدیدہ کے متحقق ہونے کے وقت اپنے مذہب کے غیر راجح قول یا دوسرے مسلک پر فتویٰ دینا اور عمل جائز ہے، لہٰذا جن لوگوں کو ان واجبات میں ترتیب قائم رکھنا سخت دشوار ہو ان کے لئے صاحبینؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے، محض سہولت کی بنا پر صاحبینؒ کے قول پر عمل کی اجازت نہیں ہے۔

۹۔ (الف، ب، ج) حج بدل کرنے والا جہاں تک ممکن ہو حج افراد کرے یا قران کرے تمتع نہ کرے، لیکن اگر آمر کی اجازت سے خواہ اجازت صراحۃً ہو یا دلالۃً ہو تو تمتع بھی درست ہے، آمر کی دلالۃً یا صراحۃً اجازت کے بغیر تمتع درست نہیں ہے، اس زمانہ میں عموماً تمتع ہی لوگ کرتے ہیں اور آمر کی طرف سے بھی کوئی پابندی نہیں ہوتی ہے، لہٰذا تمتع کی دلالۃً اجازت بھی جائے گی، والا یہ کہ کوئی آمر صراحۃً ممانعت کر دے تو تمتع درست نہیں ہے، بہتر یہی ہے کہ صراحۃً آمر سے تمتع کی اجازت لے لے۔

(د) باذن الآمر یا بدون إذن الآمر مامور کے تمتع کرنے کی صورتوں میں دم تمتع حج بدل کرنے والے ہی پر واجب ہوگا، البتہ آمر اگر بخوشی دم شکر کی قیمت ادا کر دے تو درست اور جائز ہے، مطالبہ کرنا درست نہیں ہے۔

(و) حج بدل عن المیت کی صورت میں بھیجنے والے یا وصی یا ورثاء کی اجازت سے مامور تمتع کر سکتا ہے، اور اس صورت میں بھی دم تمتع حج بدل کرنے والے کو اپنے پیسوں سے ادا کرنا ہوگا، والا یہ کہ بھیجنے والا یا ورثاء بخوشی دم تمتع کی قیمت دیدیں تو جائز ہے۔

۱۰۔ الف: اگر طواف زیارت سے پہلے کسی عورت کو حیض آجائے تو اس پر ایسی تدبیر اختیار کرنا ضروری ہے جس سے وہ پاک ہونے کے بعد طواف زیارت کر کے ہی مکہ مکرمہ سے واپس ہو، جیسے ٹکٹ اور ویزا کی تاریخ بڑھانا یا حج کمیٹی سے روانگی کو موخر کرانا وغیرہ، اور اگر کوئی ایسی صورت ممکن نہ ہو سکے اور دوبارہ وطن سے واپسی بھی مشکل ہو اور وہ حالت حیض ہی میں طواف زیارت کر لے تو اس کا رکن یعنی طواف زیارت ادا ہو جائے گا، شرعاً اس حالت میں اسے طواف زیارت کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے گنہگار ہوگی، لیکن طواف زیارت ادا ہو جانے کی وجہ سے پوری طرح حلال ہو جائے گی اور اس پر ایک بدنہ یعنی بڑے جانور کی قربانی بطور جنایت لازم ہوگی اور اس دم جنایت کی قربانی بھی حدودِ حرم میں کرنی ضروری ہوگی، شامی میں لکھا ہے:

(تنبیه) نقل بعض المحشین عن منسک ابن أمیر الحاج: لو همّ الرکب علی القفول ولم تطهر فاستفتت، هل تطوف أم لا؟ قالوا: یقال لها، لا یحل لک دخول المسجد، وإن دخلتِ وطفتِ أثمت وصح طوافک وعلیک ذبح بدنة، وهذه مسئلة کثیرة الوقوع یتحیر فیها النساء (رد المحتار ۲/۸۴۳ نعمانیہ دیوبند)۔

بعض محشین نے ابن امیر حاج کی مناسک سے نقل کیا ہے کہ اگر قافلہ واپسی کا ارادہ کرے اور عورت پاک نہ ہو سکے اور فتویٰ حاصل کرے تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے مسجد میں داخل ہونا منع ہے، اور اگر تو داخل ہو کر طواف کرے تو گناہ ہوگا مگر طواف ہو جائے گا، اور تیرے اوپر ایک بڑے جانور کا ذبح کرنا لازم ہوگا یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے جس میں عورتیں پریشانی کا سامنا کرتی ہیں۔

۱۱۔ سفرِ حج میں کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اور انتقال کی جگہ سے مکہ مکرمہ مسافت سفر یا اس سے زیادہ پر ہے (اور وہاں قیام ہو سکتا ہے) تو وہ عورت محصر ہے، اس کو وہاں عدت گذارنا ممکن ہو تو وہاں گذارے، ورنہ وطن واپس لوٹ جائے اور حرم میں ہدی کی قیمت بھیج کر ہدی ذبح کرائے اور ہدی کے ذبح ہونے کے بعد اس کا احرام کھل جائے گا۔

لو مات الزوج أو محرمها فی الطریق فلا تتحلل إلا بالهدی (شامی ۲/۲۵۳)۔

اس صورت میں عمرہ کا احرام ہو تو بھی یہی حکم ہے کہ وہ عورت محصر ہے، اور اگر عمرہ کے سفر میں عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اور مکہ مکرمہ مسافت سفر سے کم پر ہے یا مکہ مکرمہ میں شوہر کا انتقال ہو جائے تو یہ عورت محصر نہیں ہے، عمرہ کے افعال مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران ادا کرنا صحیح ہیں، لہذا عمرہ ادا کرلے، اور اگر حج کے سفر میں عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اور مکہ مکرمہ مسافت سفر سے کم پر ہے یا مکہ مکرمہ ہی میں قبل الحج شوہر کا انتقال ہو جائے تو یہ عورت محصر نہیں ہے لیکن حج کے ارکان کی ادائیگی کے لئے عدت میں سفر ہونے کی وجہ سے عرفات جانے کی اجازت شرعاً نہیں ہے، لہذا وہ وقوف عرفہ کے وقت کے گذر جانے کے بعد بغیر ہدی حلال ہو جائے اور مکہ مکرمہ میں قیام ہونے کی صورت میں عمرہ کے افعال ادا کرکے احرام کھول دے تو اس کی بھی اجازت ہے، ان صورتوں میں (خواہ عورت محصر ہو یا محصر نہ ہو لیکن عرفات جانے کی اجازت نہ ہو) اگر عورت نے حج کے ارکان و افعال ادا کرلئے تو حج صحیح ہو جائے گا۔ عمدۃ الفقہ (۴/۵۸) میں لکھا ہے:

باوجود عدت کے اگر (عرفات) جا کر حج کرلیا تو جائز ہو جائے گا، لیکن گنہگار ہوگی۔ اور زبدۃ المناسک کے حاشیہ میں لکھا ہے:

فإن حجت وهی فی العدة جازت بالاتفاق، وکانت عاصیة و العدة أقوی فی منع الخروج من عدم المحرم حتی منعت ما دون السفر فإن لزمها فی السفر (فتح ۱/۲۳)۔

عمدۃ الفقہ میں مولانا زوار حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں:

محصر وبعدت طلاق اور محصر وبعدت وفات میں یہی فرق معلوم ہوتا ہے کہ عدت طلاق کی صورت میں مکہ معظمہ سے مسافت سفر پر ہو یا نہ ہو برابر ہے اور عدت موت کی صورت میں مکہ معظمہ سے مسافت سفر پر ہے تو محصرہ ہے ورنہ نہیں (عمدۃ الفقہ ۴/۵۹)

ثم هذا إذا كان بينها وبين مكة مسيرة سفر وبلدها أقل منه أو أكثر لكن يمكنها المقام في موضعها، و إلا فلا إحصار فيما يظهر (رد المحتار ۲/۲۵۴)۔

اور حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں: بحالت موجودہ محرم کے ساتھ بھی حج کے لئے عرفات جانے کی شرعاً اجازت نہیں۔

ومنها العدة، فلو أهلت بالحج فطلقها زوجها ولزمها العدة صارت محصرة ولو مقيمة أو مسافرة معها محرم (شامی ۲/۳۲۰)۔

ممکن ہو تو ایک سال رہ کر حج کر کے آئے یا آئندہ سال حج کیلئے واپس جائے، عذر شرعی کی وجہ سے نہ جاسکے تو حج بدل کی وصیت کر جائے، یہ اصل مسئلہ ہے، مگر چونکہ حکومت کی جانب سے قانون سخت ہو گئے ہیں اور ناقابل برداشت دشواریوں کا سامنا ہے، اس لئے کتاب زبدۃ المناسک میں لکھا ہے کہ

”اگر چہ مکہ معظمہ ہی میں ہو تو عرفات پر نہ جائے، بلکہ عمرہ کے افعال بجالا کر حلال ہو، اور چاہے تو فوت ہونے وقت وقوف عرفہ کے حلال ہو جائے، اس مسئلہ میں بہت ہی مشکل پیش آئے گی .... الی قولہ ... تو یہ بھی معذور گجی جاوے، جیسے بیماری وغیرہ میں جہاں اقامت مشکل ہو تو مکہ مکرمہ چلے جانے کا جواز ہے تو اب اس حالت میں عرفات پر حج کرنے کو جائے تو عذر ہو سکتا ہے ورنہ اس کو نہایت ہی مشکل پیش آئے گی، اگر افعال عمرہ بجالا کر حلال ہوگی تو پھر حج کی قضا کرنی ہوگی، پھر اس کے لئے وہاں رہنا یا واپس آنا نہایت دشوار ہوگا، واللہ اعلم، کسی کتاب معتبر میں اس کے متعلق جواز کی گنجائش نظر سے گذری تھی، لیکن اب بہت تلاش کرنے سے بھی نہیں ملی، غالباً کبیر میں کہیں عبارت تھی (زبدۃ ۲۲-۲۵، فتاوی رحیمیہ ۵/۲۳۸-۲۳۹)۔

۱۴۔ حج کے لئے جانے والا اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہونچا ہے کہ ۱۲ یوم مکہ مکرمہ میں قیام کرتا ہے اور پندرہویں دن ۸ ذی الحجہ کو منیٰ جاتا ہے تو وہ مقیم باقی رہے گا یا نہیں؟ اس بارے میں جواب یہ ہے کہ اگر حکومت سعودیہ نے منیٰ کی آبادی کو مکہ مکرمہ کے ساتھ لاحق کر دیا ہے اور مکہ مکرمہ کی بلدیت (کارپوریشن یا میونسپلٹی) کے ساتھ ملا دیا ہے تو منیٰ کی آبادی بھی مکہ مکرمہ کا ایک محلہ شمار ہوگی، اور یہ شخص مقیم رہے گا، اور اگر حکومت کے اعتبار سے اس کا انتظام مکہ مکرمہ سے علیحدہ ہے اور اس کا انتظام مکہ مکرمہ کے ساتھ ملحق نہیں تو یہ شخص مقیم نہیں ہوگا، چنانچہ فتاوی رحیمیہ میں لکھا ہے کہ:

”وطن اصلی یا وطن اقامت کی آبادی سے باہر ہو جانے پر شرعی مسافر کا اطلاق ہوگا، دوسری آبادی اگر چہ متصل ہو مگر وہ دوسری آبادی ہے، دونوں کے نام الگ ہیں، حکومت اور کارپوریشن (میونسپلٹی، نگر پالیکا) نے دونوں آبادیوں کے حدود الگ الگ مقرر کئے ہیں، اس لئے وہ دونوں دو مستقل آبادیاں شمار ہوں گی، اور اگر متصل ہونے کی

وجہ سے کارپوریشن نے دونوں کو ایک کر دیا ہو تو وہ آبادی شہر کا محلہ ہے اور وہ محلہ شہر کا جز ہے، لہذا اب اس سے تجاوز ہونے پر مسافرت کے احکام جاری ہوں گے۔

شامی میں ہے:

وأشار إلى أنه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الإقامة كربض المصر وهو ما حول المدينة من بيوت ومساكن، فإنه في حكم المصر، وكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح (شامی ۱/۷۳۲، فتاوی رحیمیہ ۶/۳۶۴)۔

۱۳۔ حرم مکی میں جبکہ غیر حنفی امام وتر کی تین رکعت فصل کے ساتھ ادا کرتا ہے تو مقتدی حنفی کو جماعت چھوڑ کر تنہا وتر کی نماز ادا کرنی چاہیے، فتاوی رحیمیہ میں لکھا ہے:

الجواب: صحیح قول یہ ہے کہ اگر شافعی امام وتر دو سلام سے ادا کرے تو حنفی مقتدی اس کی اقتداء نہ کرے، اسی میں احتیاط ہے۔ طحطاوی علی المراقی میں ہے:

وأن لا يقطع وتره بسلام على الصحيح (ص۲۰۱، باب الوتر)۔

درمختار میں ہے: وصح الاقتداء فيه (في الوتر) بشافعي لم يفصله بسلام، لا إن فصله (على الأصح) (درمختار ۱/۶۲۵، رحیمیہ ۶/۳۱۵)۔

☆☆☆☆☆

مسائل حج وعمرہ

عبداللطیف مظاہری
جامعہ عربیہ کاکوسی، گجرات

۱۔ جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتے، بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم محترم میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں، بغیر احرام کے میقات سے تجاوز جائز نہیں ہے، یہی ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء ومحدثین کا مسلک ہے، البتہ امام مالک وشافعی سے جواز کی روایت ہے، لیکن امام شافعی سے عدم جواز کی روایت مشہور ہے۔

فبهذا قلنا إن سنة الله تعالى في عباده أن لا يدخل الحرم إلا حراما و بأن من سمعناه من علمائنا قالوا فمن نذر أن يأتي البيت يأتيه محرما بحج أو عمرة (قال) ولا أحسبهم قالوه إلا بما وصفت وإن الله تعالى ذكر وجه دخول الحرم فقال لقد صدق الله رسوله الرؤيا بالحق لتدخلن المسجد الحرام إن شاء الله آمنين محلقين رؤوسكم و مقصرين (قال) فدل على وجه دخوله للنسك وفي الأمن وعلى رخصة الله في الحرب و عفوه فيه عن النسك. (الأم ۱۴۱/۲)۔

امام شافعی اپنی کتاب "الام" میں فرماتے ہیں اسی وجہ سے ہم نے کہا ہے کہ اللہ کا حکم اس کے بندوں کی بابت یہ ہے کہ بندے حرم کے اندر حالت احرام میں ہی داخل ہوں، اور اس لئے کہ ہم نے علماء سے یہ سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی اس بات کی نذر مانے کہ وہ بیت اللہ کا سفر کرے گا تو اس کو حج یا عمرہ کے احرام کے ساتھ سفر کرنا ہوگا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے یہ بات اسی وجہ سے کہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے، اور اس لئے کہ اللہ تعالی نے حرم کے داخلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: "لقد صدق اللہ رسولہ..."۔ اس سے عبادت کے لئے اور امن کے حال میں داخلہ کا حکم اور جنگ کی حالت میں اور اس حال میں عذر کے حکم کا حال معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ تجارتی اغراض کی سہولت کی خاطر جمہور کے مسلک سے عدول جائز نہیں ہے، ہاں اگر اہل مکہ تجارتی اغراض اور دیگر ضرورتوں سے ان شہروں میں جائیں جو حدود حل میں داخل ہیں مثلاً جدہ، تو مکہ مکرمہ واپسی کے لئے احرام لازم نہ ہوگا جب تک کہ حج یا عمرہ کا ارادہ نہ ہو جیسا کہ کتب فقہ میں مصرح ہے۔

۳، ۴۔ مکی کے لئے قران کی گنجائش نہیں ہے، رہا تمتع تو یہ مکی سے متصور ہی نہیں ہوسکتا، لہذا مکی اشہر حج میں عمرہ کرے یا میقات سے باہر جائے اور عمرہ کا احرام باندھ کر واپس آئے اور عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھول دے پھر اسی سال حج بھی کرے تو شرعاً وہ متمتع نہیں ہوگا، کیونکہ مکی عمرہ کر کے اپنے اہل وعیال میں حلال ہو کر رہتا ہے جو کہ المام صحیح ہے، اور تمتع کے صحیح ہونے کے لئے حج اور عمرہ کے درمیان المام صحیح کا نہ ہونا شرط ہے، لہذا مکی سے تمتع کا تصور ہی نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کا عمرہ بھی مفرد ہوگا اور حج بھی مفرد ہوگا اور اس پر کوئی دم واجب نہ ہوگا۔

وهذا قول ثالث لم أر من صرح به لكن يدل عليه تصريح البدائع بعدم تصور تمتع المكي... ثم رأيت ما يدل على ذلك أيضا و ذلك ما في النهاية عن الأسرار للإمام أبو زيد الدبوسي حيث قال ، لا متعة عندنا ولا قران لمن كان وراء الميقات على معنى أن الدم لا يجب نسكا أما التمتع فإنه لا يتصور للإلمام الذي يوجد منه بينهما... ثم رأيت مثل ذلك أيضا في كافي الحاكم الذي هو جمع كتب ظاهر الرواية و نصه إذا خرج المكي إلى الكوفة لحاجة فاعتمر فيها من عامه و حج لم يكن متمتعا وإن قرن من الكوفة كان قارنا (شامی ۱۹۸/۲، عمدۃ الفقہ ۲۱۰/۳)۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرے سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کر سکتا ہے۔

قال في اللباب ولا يعتمر قبل الحج و قال القاري في الشرح وهذا بناء على أن المكي ممنوع من العمرة المفردة أيضا قد سبق أنه غير صحيح بل أنه ممنوع من التمتع والقران و هذا المتمتع آفاقي غير ممنوع من العمرة فجازله تكرارها لأنها عبادة مستقلة كالطواف (معلم الحجاج/ص ۲۱۲)۔

۶۔ الف، ب: رمی جمرات میں صرف مریض یا معذور کی نیابت ہو سکتی ہے، ہر شخص کی نیابت نہیں ہو سکتی، اور رمی کے بارے میں وہ شخص مریض یا معذور سمجھا جائے گا کہ جو کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف کا اندیشہ ہو، اگر سوار ہو کر جمرات تک آ سکتا ہے اور مرض کی زیادتی اور تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے تو اس کو خود رمی کرنی ضروری ہے، دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں ہے، ہاں اگر سواری یا کوئی شخص اٹھانے والا نہ ہو تو معذور ہے دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے (احسن الفتاوی ۵۳۲/۴، عمدۃ الفقہ ۴۳۸/۴، معلم الحجاج/ص ۱۸۱)۔

۷۔ جو لوگ حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیئے جاتے ہیں یہ لوگ محصر کے حکم میں ہیں، اور ان کا احرام کھلنے کی صورت یہ ہے کہ یا تو وہ احصار کے زوال کا انتظار کریں اور احصار کے زوال کے بعد اگر حج مل سکے تو بہت اچھا ہے پس وہ افعال حج ادا کر کے حقیقی طور پر احرام سے حلال ہو جائیں، اور اگر اس کو حج نہ مل سکے تو حج فوت ہو جانے والے شخص کی طرح عمرہ کے افعال یعنی طواف وسعی کر کے اور حلق کرا کر حکمی طور پر حلال ہو جائے اور اس پر ہدی واجب نہیں ہے، اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ وہ حج کے احرام کی حالت میں محصر ہوا ہو، اور اگر عمرہ کے احرام کی حالت میں محصر ہوا ہو تو عمرہ پر قدرت حاصل ہوتے ہی اس کا احصار زائل ہو جائے گا اور اگر زوال احصار کے انتظار میں دقت ہو اور ہدی کے ساتھ جلد حلال ہونا چاہتا ہے تو یہ بھی جائز ہے تاکہ احرام میں زیادہ عرصہ تک رہنے کی تکلیف دور ہو جائے (عمدۃ الفقہ ۴/ ۶۰۔ ۶۱)۔

۸۔ ومن أخر الحلق حتى مضت أيام النحر فعليه دم عند أبي حنيفةؒ و كذا إذا أخر طواف الزيارة وقالا لا شيء عليه في الوجهين و كذا الخلاف في تأخير الرمي و في تقديم نسك على

نسک کالحلق قبل الرمی و نحر القارن قبل الرمی والحلق قبل الذبح (ہدایہ ۱/۲۷۶)۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب چھوڑنے پر امام صاحبؒ کے نزدیک دم واجب ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک دم واجب نہیں ہوگا، اور ہمارے فقہاء متقدمین و متاخرین اور ماضی قریب کے ارباب افتاء نے امام صاحبؒ کے قول کو اختیار فرمایا ہے جب کہ سوال میں مذکورہ اعذار ہر زمانے میں رہے ہیں، اور ہمارے زمانے میں اگر ان اعذار میں اضافہ ہوا ہے تو اسی کے مناسب حکومت کی طرف سے سہولتیں بھی مہیا کی گئی ہیں۔ لہذا عام حجاج کے لئے محض سہولت کی خاطر ان اداروں میں رقم جمع کروانا جو ترتیب کا خیال نہیں رکھتے جائز نہیں ہے، ہاں او وہ معذورین جو دوسروں کے ذریعہ بھی اپنی قربانی نہیں کروا سکتے اور ان کے حق میں واقعۃ ضرورت شدیدہ کا تحقق ہو ان کے لئے صاحبینؒ کے قول پر عدم وجوب دم کا فتوی دیا جا سکتا ہے۔

۹۔ (الف، ب، ج) حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت کے بغیر بالاتفاق تمتع نہیں کر سکتا اور آمر کی اجازت سے تمتع کے بارے میں اختلاف ہے، بعض فقہاء جواز کے قائل ہیں اور بعض عدم جواز کے قائل ہیں، لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ حتی الامکان آمر کی اجازت کے باوجود حج افرادی کرے، لیکن اگر احرام کے لمبا ہونے کی وجہ سے پابندیاں نبھانا دشوار ہو تو آمر کی اجازت سے تمتع بھی کر سکتا ہے، اور اجازت بھی صراحۃً ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ دلالۃً بھی کافی ہے، لہذا اگر کسی میت نے مطلقاً حج بدل کی وصیت کی ہو اور صراحۃً تمتع کی اجازت نہ دی ہو تو بھی ہمارے زمانے میں دلالۃً اجازت کے دیئے جانے کی وجہ سے تمتع کر سکتا ہے جب کہ احرام کے لمبا ہونے کی وجہ سے پابندیاں نبھانا دشوار ہو، اور اگر وارث اپنی طرف سے تبرعاً کسی کو حج بدل کے لئے بھیجے تو وارث کی اجازت کا اعتبار ہوگا۔

(د) تمتع باذن الآمر ہو یا بدون اذن الآمر بہر صورت دم تمتع مامور کے مال میں لازم ہوگا الا یہ کہ آمر اپنے مال میں سے دم تمتع کی اجازت دے تو آمر کے مال میں سے جائز ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/۵۱۹، احسن الفتاوی ۴/۵۱۳)۔

(ہ) آمر کی اجازت سے گنجائش ہے۔

(و) اوپر تفصیل آ گئی ہے۔

۱۰۔ (الف، ب، ج) سوال میں مذکورہ اعذار کی بناء پر حائضہ عورت سے طواف زیارت کے لئے وجوب طہارت کا حکم ساقط نہیں ہو سکتا کیونکہ آج کل جہازوں میں بعد کی تاریخوں میں نشست تبدیل کرائی جا سکتی ہے۔ حالت حیض میں طواف زیارت کر کے دم دینے کی اجازت نہیں دی جا سکتی، لیکن اگر کوئی عورت حالت حیض میں طواف زیارت کر لے تو وہ پوری طرح حلال ہو جائے گی اور اس کے ذمے بدنہ (اونٹ یا گائے) کا ذبح کرنا واجب ہوگا، اور کفارہ دینے کے باوجود اس گناہ سے توبہ کرنا بھی لازم ہوگا۔

(تنبیہ) نقل بعض المحشین عن منسک ابن أمیر حاج لو ھمّ الرکب علی القفول ولم تطھر فاستفتت ھل تطوف أم لا قالوا یقال لھا لا یحل لک دخول المسجد وان دخلت و

طفقت أتمت و صح طوافک و علیک ذبح بدنة وهذه مسئلة کثیرة الوقوع یتحیر فیها النساء

(شامی ۲/۱۸۳، عمدۃ الفقہ ۴/۵۲)۔

(د) دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ میں ہی ضروری ہے۔

۱۱۔ سفر حج میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو عدت کی حالت میں اسے حج و عمرہ ادا نہیں کرنا چاہئے بلکہ محصر کی طرح دم دے کر حلال ہو جائے، پھر حج و عمرہ کی قضا کرے، لیکن اگر عدت کی حالت میں حج کر لیا تو حج ادا ہو جائے گا لیکن گنہگار ہوگی۔

ومع عدم عدة علیها مطلقاً أیة عدة کانت ابن ملک (قوله أیة عدة کانت) أی سواء کانت عدة وفات أو طلاق بائن أو رجعی (شامی ۲/۴۶۲، عمدۃ الفقہ ۴/۵۸، معلم الحجاج ص ۸۸)۔

۱۲۔ ایک آدمی ایسے وقت مکہ مکرمہ پہنچتا ہے کہ آٹھ ذی الحجہ تک ۱۴ دن ہوتے ہیں اور آٹھویں ذی الحجہ کو چودھواں دن ہے جس میں وہ منیٰ جاتا ہے تو یہ آدمی مقیم ہے، کیونکہ منیٰ کی آبادی اب مکہ مکرمہ سے متصل ہے لیکن اگر آٹھ ذی الحجہ تک ۱۳ دن ہوتے ہیں اور چودھویں دن وہ عرفات جاتا ہے تو یہ آدمی مسافر ہوگا کیونکہ عرفات مکہ مکرمہ سے الگ ہے نیز وہاں آبادی نہیں ہے۔

۱۳۔ حرم کی جس میں وتر کی نماز دو سلام سے ادا کی جاتی ہے، تو حنفی کے لئے وتر کی جماعت میں شرکت کی گنجائش نہیں ہے، حنفی وتر کی نماز تنہا ادا کرے۔

وصح الاقتداء فیه (أی الوتر) بشافعی مثلا لم یفصله بسلام لا إن فصله علی الأصح.

(درمختار علی الشامی ۱/۴۴۸، فتاویٰ رحیمیہ ۶/۳۱۵)۔

☆☆☆☆☆

مسائل حج و عمرہ

خورشید احمد اعظمی
رکن ادارۂ تحقیق، مئو

مکہ مکرمہ "زادھا اللہ شرفا و عظمۃ" کو اللہ رب العزت نے ام القریٰ کی حیثیت بخشی ہے اور جہاں وہ مقدس و محترم بیت پایا جاتا ہے۔ جسے بیت اللہ شریف کہتے ہیں، اس بابرکت شہر کی عظمت اور اس کے تقدس و احترام کے سبب اللہ رب العزت نے زبان رسالت کے ذریعہ اس مقدس شہر کے اردگرد کچھ حدود اور مقامات کی تعیین کر دی ہے جنہیں میقات سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ ہر چہار طرف سے آنے والے جو لوگ بھی ان حدود سے گزرتے ہوئے اس مقدس شہر میں داخل ہونا چاہتے ہیں وہ ان حدود پر پہونچ کر ایک خاص ہیئت یعنی حالت احرام ہی میں آگے بڑھیں۔ جو لوگ حج یا عمرہ کے ارادے سے آئیں ان کے بارے میں تمام ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے کہ وہ بغیر احرام کے ان حدود سے تجاوز نہ کریں، بلکہ حالت احرام ہی میں مکہ میں داخل ہوں۔

(۱) البتہ وہ لوگ جو حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتے اور کسی دوسرے مقصد سے اس مقدس شہر میں داخل ہونا چاہتے ہیں، کیا ان پر بھی احرام ضروری ہے؟ اس سلسلہ میں ائمہ کے درمیان مختلف اقوال ملتے ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

(۲) حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک آفاقی شخص کے لئے ہر حال میں دخول حرم مکی کے وقت احرام واجب ہے، خواہ وہ عمرہ یا حج کے ارادے سے داخل ہو رہا ہو، خواہ کسی اور مقصد تجارت یا زیارت کی غرض سے۔

ان الآفاقی اذا انتهى اليها على قصد دخول مكة عليه ان يحرم قصد الحج او العمرة او لم يقصد عندنا

پھر جب آفاقی دخول مکہ کے ارادے سے میقات پر پہونچے تو اس پر ضروری ہے کہ احرام باندھے، حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، ہمارے نزدیک (ہدایہ ۱/۲۳۶)۔

صاحب ہدایہ نے دلیل میں ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص بھی بغیر احرام میقات سے تجاوز نہ کرے۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے بیہقی کے حوالے سے ایک حدیث کا ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر کے حوالے سے یہ بھی صراحت کی ہے کہ اس کی سند جید ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

لا يدخل احد مكة الا محرما

(بغیر احرام کے کوئی بھی مکہ میں داخل نہ ہو) (نیل الاوطار ۵/۲۸)۔

نیز مسند امام شافعی رحمہ اللہ میں ابو الشعثاء کی ایک روایت ہے، جس میں انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو

من جاوز المواقيت غير محرم (مسند شافعی ۱۲۷)۔

(انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ اس شخص کو جو بغیر احرام کے میقات سے گذرتا واپس کر دیتے تھے)۔

ان جملہ احادیث مذکورہ میں چونکہ اطلاق ہے اور عموم ہے اس لئے اس میں قاصد حج وعمرہ اور انکا غیر سب شامل ہیں۔

صاحب ہدایہ نے دوسری دلیل یہ ذکر کی ہے کہ احرام کا وجوب اس بقعہ شریفہ کی تعظیم واحترام کی وجہ سے ہے لہذا کوئی عمرہ وحج کے ارادہ سے داخل ہونا چاہے، یا کسی اور مقصد سے چونکہ اس بقعہ شریفہ کا قرب وجوار اسے حاصل ہوگا اس لئے اس پر احرام واجب ہے۔

(۲) امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ہر اس شخص کیلئے جو ان حدود سے تجاوز کرنا چاہتا ہے، اس پر احرام واجب ہے البتہ وہ شخص جس کی آمد ورفت بار بار ہوتی ہو جیسے حطابین اور ان جیسے لوگ، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۳) اور یہی قول امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی رحمہ اللہ قمطراز ہیں:

اما من لم يرد هما و مر بها فقال قوم كل من مر بها يلزمه الإحرام إلا من يكثر ترداده مثل الحطابين وشبههم وبه قال مالك رحمه الله۔

(بہر حال وہ شخص جو ان دونوں کا، یعنی حج وعمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور ان مواقیت سے گذرے تو ایک قوم نے کہا کہ ہر وہ شخص جو ان سے گذرے اس پر احرام لازم ہے الا یہ کہ اس کی آمد ورفت زیادہ ہو، جیسے حطابین اور ان جیسے لوگ، اور یہی امام مالک رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے) (بدایۃ المجتہد ۱/۳۹۸)۔

الروض المربع کی عبارت یہ ہے کہ:

ولا يحل لحر مسلم مكلف أراد مكة أو النسك تجاوز الميقات بلا إحرام إلا لقتال مباح أو خوف أو حاجة تتكرر كحطاب ونحوه۔

اور کسی بھی مکلف مسلمان کے لئے جو مکہ کا ارادہ کرے یا حج وعمرہ کا، بغیر احرام میقات سے تجاوز کرنا حلال نہیں ہے مگر جائز قتال کے لئے، یا کسی خوف کی وجہ سے یا کسی ایسی ضرورت سے جو بار بار پیش آئے، جیسے حطاب اور اس جیسے (الروض المربع ۱/۳۹۵)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بلا احرام میقات سے تجاوز کرنا درست نہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی نقل کیا ہے "والمشهور عن الأئمة الثلاثة الوجوب" (فتح الباری ۴/۵۹، باب دخول الحرم ومكة بغير إحرام)۔

(۴) البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور اور صحیح قول یہ ہے کہ احرام اس شخص پر واجب ہے جو حج، یا عمرہ کے

ارادہ سے مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہو اور جو حج، یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا اس پر احرام واجب نہیں، وہ بغیر احرام مکہ میں داخل ہو سکتا ہے۔

فالمشهور من مذهب الشافعي عدم الوجوب مطلقا وفي قول يجب مطلقا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور مذہب علی الاطلاق عدم وجوب (احرام) ہے اور ایک قول کے مطابق احرام واجب ہے مطلقاً (یعنی حج و عمرہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو) (فتح الباری ۳/۵۹۱)۔

وأما من لا يريد حجا ولا عمرة فلا يلزمه الإحرام لدخول مكة على الصحيح من مذهبنا سواء دخل لحاجة تتكرر كحطاب، وحشاش و صياد ونحوهم أو لا تتكرر كتجارة وزيارة ونحوهما (الإمام النووي في شرح مسلم ۸۲۸)۔

بہر حال جو کوئی حج، یا عمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو اس شخص پر ہمارے صحیح مذہب کے مطابق دخول مکہ کے لئے احرام ضروری نہیں ہے، عام اس سے کہ وہ ایسی ضرورت کے لئے داخل ہو جو مکرر ہو جیسے لکڑی، یا گھاس چننے والے یا شکاری، یا ان جیسے لوگ، یا وہ حاجت مکرر نہ ہو جیسے تجارت اور ملاقات وغیرہ۔

امام نووی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے اس عدم وجوب والے قول کو دوسری جگہ استحباب احرام سے تعبیر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

وإلا إذا دخل مكة أو حرمها لحاجة لا تتكرر من تجارة أو زيارة ونحوهما ففي وجوب الإحرام بحج أو عمرة خلاف العلماء وهما قولان للشافعي أصحهما استحبابه والثاني وجوبه (نووی شرح مسلم ۸/۲۷)۔

ورنہ جب مکہ یا حرم میں داخل ہو کسی ایسی ضرورت سے داخل ہو جو بار بار پیش نہ آتی ہو، جیسے تجارت، یا ملاقات وغیرہ تو حج، یا عمرہ کے احرام کے واجب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اور وہ دونوں قول ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کے، ان میں کا زیادہ صحیح احرام کا مستحب ہونا ہے اور دوسرا اس کا واجب ہونا ہے۔

امام شافعی نے بیان مواقیت کے سلسلے میں مذکورہ حدیث کے اس جملہ سے استدلال کیا جس کے الفاظ مبارکہ یہ ہیں:

فهن لهن ولمن أتى عليهن من غير أهلهن ممن أراد الحج والعمرة (صحیح مسلم بشرح النووی ۸۳۸)۔

انہوں نے "ممن أراد الحج والعمرة" کی قید کو احتراز پر محمول کیا ہے۔

نیز صاحب سبل السلام نے ایک عقلی دلیل بھی ذکر کی ہے کہ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ حج اور عمرہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض، یا واجب ہے ان لوگوں کے نزدیک جو عمرہ کو واجب کہتے ہیں، اب اگر ہر مرتبہ کے دخول مکہ پر عمرہ، یا حج کے احرام کو واجب کہا جائے تو حج، یا عمرہ کا عمر میں کئی دفعہ واجب، یا فرض ہونا لازم آئے گا جو متفق علیہ مسئلہ کے خلاف ہے۔

ولأنه قد ثبت بالاتفاق أن الحج والعمرة عند من أوجبها إنما تجب مرة واحدة فلو أوجب على كل من دخلها أن يحج أو يعتمر لوجب أكثر من مرة۔ (سبل السلام ۱/۲۰۷)۔

(اور اس لئے کہ بالاتفاق یہ بات ثابت ہے کہ جن لوگوں نے حج اور عمرہ کو واجب قرار دیا ہے، ان کے نزدیک صرف ایک مرتبہ واجب ہوتا ہے، تو اگر ہم جو بھی اس میں داخل ہو اس پر حج اور عمرہ کو واجب کر دیں تو یقیناً ایک مرتبہ سے زائد واجب ہوگا)۔

جو شخص حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا، اس کے لئے احرام واجب نہ ہونے کا قول اصحاب ظواہر، نیز امام زہری اور حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے۔

وفی روایة عن کل منهم لا یجب وهو قول ابن عمر والزهری والحسن وأهل الظاهر

(فتح الباری ۳؍۵۹)۔

(اور ان میں سے ہر ایک سے ایک روایت میں یہ ہے کہ واجب نہیں ہوگا، اور وہ ابن عمر، زہری، حسن اور اہل ظاہر کا قول ہے)۔

جمہور علماء مجتہدین کا قول تو یہی ہے کہ دخول حرم مکی کے لئے احرام علی الاطلاق واجب ہے، بلکہ بقول امام نووی رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اگرچہ واجب نہیں، لیکن مستحب یہی ہے کہ احرام کی حالت میں ہی میقات سے تجاوز کرے۔

(۲) ایسے حضرات کے لئے جنہیں اپنی مختلف ضروریات کے باعث تقریباً روزانہ، یا ایک سے زائد مرتبہ مکہ مکرمہ آمد و رفت کا اتفاق ہوتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق کوئی دقت نہیں، اور اسی طرح امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے اقوال کے مطابق بھی کوئی پریشانی نہیں کہ ان کے وہاں بھی حاجات متکررہ کا استثناء موجود ہے، بدایۃ المجتہد ۱؍۳۹۸، کی عبارت ہے:

"إلا من یکثر تردادہ مثل الحطابین وشبههم وبه قال مالك رحمه الله۔

(مگر وہ لوگ جن کی آمد و رفت زیادہ رہتی ہے جیسے لکڑیاں چننے والے اور ان جیسے لوگ، اور اسی کے قائل امام مالکؒ ہیں)۔

اور اسی طرح۔ الروض المربع ۱؍۳۶۵، کی عبارت میں بھی استثناء موجود ہے:

إلا لقتال مباح أو خوف أو حاجة تتكرر كحطاب ونحوه۔

لہذا ائمہ ثلاثہ امام مالک وامام شافعی وامام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک ایسے لوگوں کے لئے گنجائش ہے کہ وہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوں۔

البتہ احناف کے یہاں وجوب احرام علی الاطلاق کا ذکر ملتا ہے اور اس سلسلہ میں کسی استثناء کا ذکر نہیں، سوائے اس شخص کے جو میقات کے اندر حل میں رہتا ہو اس کے لئے اجازت ہے کہ وہ حج یا عمرہ کے علاوہ اپنی دوسری کسی ضرورت سے مکہ میں بغیر احرام بھی داخل ہو سکتا ہے۔

ومن كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته، لأنه يكثر دخوله مكة،

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ کے مذکورہ قول میں داخل میقات رہنے والوں کے لئے بلا احرام مکہ میں داخل ہونے کی جو علت بیان کی گئی ہے، یعنی ہر ہر مرتبہ احرام واجب کرنے میں حرج کا واقع ہونا، جب کہ سبب احرام یعنی عظمت بقعہ مبارکہ ہر ایک کے لئے برابر ہے، خواہ آفاقی ہو یا غیر آفاقی، اور قاصد حج وعمرہ ہو یا نہ ہو۔ اس علت پر غور کیا جائے تو یہ بہ نسبت پہلے کے آج کے لوگوں پر زیادہ صادق آتی ہے کہ ضروریات بڑھ گئی ہیں، وسائل آمد ورفت کی سہولت ہے، تیز رفتار سواریاں فراہم ہیں اور ایسے لوگ جو میقات سے باہر رہتے ہیں انہیں بھی بہ کثرت مکہ مکرمہ آمد ورفت رکھنی پڑتی ہے۔

لہٰذا مذکورہ علت اور موجودہ ضرورت ومجبوری کو سامنے رکھا جائے تو ایسے لوگوں کے متعلق جنہیں غایت درجہ مجبوری کی وجہ سے بار بار مکہ مکرمہ آنا جانا پڑے بلا احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی اجازت ہونی چاہئے، جب کہ ائمہ مجتہدین میں سے اکثر کے نزدیک حاجات متکررہ کا لحاظ کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ یہ رخصت چونکہ بدرجہ مجبوری ہے اس لئے ایسے لوگوں تک ہی محدود ہونی چاہئے جن کی ضروریات بغیر دخول مکہ پوری نہ ہوسکیں، جیسے ٹیکسی ڈرائیور، اس لئے کہ تجارتی ضروریات کی تکمیل کے دوسرے ذرائع ٹیلیفون، ٹیلکس، ذرائع حمل ونقل موجود ہیں، اور زیارت وملاقات کوئی ایسی شدید ضرورت نہیں ہے کہ روزانہ درپیش ہو، اس مقدس جگہ کی عظمت اور اس کا احترام ایک مسلمہ حقیقت ہے، جس کا لحاظ اولاً ضروری ہے۔

(۳) مکہ مکرمہ میں مقیم شخص اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے لئے اشہر حج میں عمرہ کرنے میں جہول وکمی کے لئے تمتع وقران کے جواز وعدم جواز میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔

اس سلسلہ میں اصل اللہ تعالیٰ کا قول "ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" ہے، اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر نے حضرت عبد اللہ بن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے: "يا أهل مكة لا متعة لكم أحلت لأهل الآفاق وحرمت عليكم" (اے اہل مکہ تمہارے لئے تمتع نہیں ہے، آفاقی کے لئے حلال ہے اور تم پر حرام ہے)، اسی طرح حضرت طاؤس تابعی کا بھی قول ہے: "المتعة للناس لا لأهل مكة من لم يكن أهله من الحرم" (تمتع اہل مکہ کے لئے نہیں ہے، ان لوگوں کے لئے ہے جس کے اہل وعیال حرم میں نہ ہوں) (تفسیر ابن کثیر ۱؍۲۳۵)۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مذکورہ قول امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں ایک حدیث کے ضمن میں نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: وأباحه للناس غير أهل مكة (صحیح بخاری مع الفتح ۳؍۴۳۳)۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وليس لأهل مكة تمتع ولا قران وإنما لهم الإفراد خاصة خلافا للشافعي

اور اہل مکہ کے لئے نہ تمتع ہے اور نہ قران، اور ان کے لئے صرف افراد ہے خاص کر (یہ احناف کے نزدیک ہے) بخلاف امام شافعی کے (ہدایہ ۱؍۲۳۳)۔

البحر الرائق میں صراحت ہے:

ولا تمتع ولا قران لمكي ومن حولها لقوله تعالى: ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام بناء على عود اسم الإشارة إلى التمتع لا إلى الهدي بقرينة وصلها باللام وهي تستعمل فيما لنا أن نفعله بخلاف الهدي فإنه علينا۔

(اہل مکہ اور جو لوگ اس کے گرد و نواح میں رہتے ہیں، ان کے لئے تمتع اور قران نہیں ہے، اللہ تعالی کے قول "ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" کی وجہ سے، اور وہ اس بنا پر کہ (قواعد کی رو سے اسم اشارہ تمتع کی طرف لوٹے گا نہ کہ ہدی کی طرف، اس قرینہ کی بنیاد پر کہ وہ لام کے صلہ کے ساتھ آیا ہے، اور اس کا استعمال اسی جگہ ہوتا ہے جس کا بجالانا ہمارے لئے آسان ہو (اور وہ تمتع ہے) برخلاف ہدی کے کہ وہ تو ہمارے اوپر لازم ہوتا ہی ہے، (جبرا) (البحر الرائق ۲/۳۶۵)۔

مذکورہ اقوال کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ مقیم مکہ مکرمہ کے لئے صرف حج افراد کی اجازت ہے، تمتع اور قران کرنا درست نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود اگر ان لوگوں نے تمتع، یا قران کیا تو اس سلسلہ میں فقہاء کرام عبارتیں وضاحت کرتی ہیں کہ وہ حج تمتع یا قران صحیح ہو جائیگا، البتہ یہ ایک گناہ کا کام ہوگا اس لئے دم جبر لازم آئے گا۔

"إنهم لو تمتعوا جاز وأساءوا ويجب عليهم دم الجبر"۔

(بلاشبہ اگر وہ لوگ تمتع کریں تو جائز ہے، لیکن گنہگار ہوں گے اور تلافی کے لئے دم واجب ہوگا)۔

آگے فرماتے ہیں:

فتعين أن يكون المراد بالنفي في قولهم "لا تمتع ولا قران لمكي" نفي الحل لا نفي الصحة ولذا وجب دم جبر لو فعلوا وهو فرع الصحة (البحر الرائق ۲/۳۶۵، ۳۶۶)۔

والمكي ومن في حكمه يفرد فقط ولو قرن أو تمتع جاز وأساء وعليه دم جبر۔

(مکی اور جو لوگ ان کے حکم میں ہیں صرف حج افراد کریں، اگر حج قران، یا تمتع کریں گے تو جائز ہے لیکن گنہگار ہوں گے اور ان پر دم جبر واجب ہوگا) (در مختار ۲/۱۰۴۷)۔

امام شافعی، احمد رحمہما اللہ کے نزدیک مکی کے لئے تمتع کرنا جائز ہے، اور اس پر کوئی دم نہیں ہے۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے (الروض المربع ۱/۱۰۴۷)۔

وأبو حنيفة يقول: إن حاضري المسجد الحرام لا يقع منهم التمتع وكره ذلك مالك (بدایۃ المجتہد ۱/۳۰۷)۔

(امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام کے قریب رہنے والوں کی جانب سے تمتع واقع نہیں ہوگا، اور امام مالک نے اس کو ناپسند کیا ہے)۔

۳- مذکورہ بالا نصوص کی روشنی میں ان حضرات کے لئے جو کہ مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں تمتع کی اجازت نہیں معلوم ہوتی، بنا بریں جو شخص اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے اسے اشہر حج میں عمرہ سے احتیاط کرنی چاہئے۔

اس دور ترقی میں جب کہ وسائل کی بھرمار ہے، ٹیلیفون، فیکس، ذرائع نقل و حمل کے ذریعہ تجارت وغیرہ کی

بہت سی ضروریات گھر بیٹھے پوری ہوسکتی ہیں، اگر اسے فریضۂ حج کی ادائیگی لازم ہے تو ایک سال وہ اس تنگی و دشواری کو جھیلے، آخر وہ لوگ جو دوسرے ممالک سے سفر حج پر جاتے ہیں، اپنا ڈیڑھ، دو مہینے کا نقصان برداشت کرتے ہیں، فریضۂ حج اور اس کے ثواب کی اہمیت کے پیش نظر دنیاوی معمولی نقصان برداشت کرنا ایک معمولی بات ہے، حج کی فرضیت عمر میں صرف ایک بار ہے، اس کے بعد پھر نفل ہی ہے، پھر مکہ مکرمہ میں مقیم ہونے کی فضیلت بجائے خود ایک بڑی چیز ہے، اس لئے وہ ایک سال فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے اشہر حج میں مکہ سے باہر جانے سے احتیاط کرے۔

عمرہ کے مواقع اس کے لئے بہت ہیں، عمرہ کی فضیلت اور اس کا ثواب بھی بہت ہے۔

فالحاصل أن المكي إذا أحرم بعمرة في أشهر الحج فإن كان من نية الحج من عامه فإنه يكون آثما لأنه عين التمتع المنهي عنه لهم، فإن حج من عامه لزمه دم جناية لا دم شكر وإن لم يكن من نية الحج من عامه ولم يحج فإنه لا يكون آثما بالاعتمار في أشهر الحج لأنهم وغيرهم سواء في رخصة الاعتمار في أشهر الحج.

خلاصہ کلام یہ کہ کئی شخص جب اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھے تو اگر اس کی نیت اس سال حج کرنے کی ہو تو وہ گنہگار ہوگا، کیونکہ یہ بعینہ وہی تمتع ہے جس سے ان کو روکا گیا ہے، تو اگر وہ اس سال حج کرے گا تو اس پر دم جنایت لازم آئے گا نہ کہ دم شکر، اور اگر اس کی نیت اس سال حج کرنے کی نہ ہو اور وہ حج نہ بھی کرے تب وہ اشہر حج میں عمرہ کرنے سے گنہگار نہ ہوگا، کیوں کہ مکی وغیر مکی اشہر حج میں عمرہ کرنے کی اجازت میں برابر ہیں (البحر الرائق ۲/۳۶۶)۔

اس کے باوجود اگر کوئی مکی شخص اشہر حج میں عمرہ کرتا ہے اور پھر اسی سال حج بھی کرتا ہے تو اس کا یہ حج تمتع صحیح ہوگا، اگرچہ اس کا یہ فعل معصیت ہوگا۔

فتعين أن يكون المراد بالنفي في قولهم "لا تمتع ولا قران لمكي" نفي الحل لا نفي الصحة ولذا وجب دم جبر لو فعلوا وهو فرع الصحة.

(متعین ہوگیا کہ ان کے قول "لا قران ولا تمتع لمكي" میں نفی حلال مراد ہے صحت کی نفی مراد نہیں ہے اور اسی وجہ سے اگر وہ لوگ کرلیں تو دم واجب ہوگا اور وہ صحت کی فرع ہے) (البحر الرائق ۲/۳۶۶)۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کرسکتا ہے؟

اس سلسلہ میں عصر حاضر کے محدث فقیہ حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی رحمہ اللہ اپنی کتاب "رہبر حجاج" میں لکھتے ہیں:

"جس نے تمتع کے ارادہ سے عمرہ کا احرام باندھا، وہ عمرہ سے فارغ ہوکر زمانہ قیام مکہ میں حج سے پہلے مزید عمرے بھی کرسکتا ہے، ملا علی نے "المسلک المتقسط ر۱۹۳" میں اور علامہ شامی نے "منحۃ الخالق" میں نہایہ، مبسوط، بحر الرائق اور علامہ قاسم وغیرہم کے حوالہ سے اس کے جواز کی تصریح کی ہے اور صاحب ارشاد الساری نے ان جاہل معلموں پر سخت اعتراض کیا ہے جو پردیسی حاجیوں کو اس بڑے ثواب سے روک کر ان کی محرومی کا سبب بنتے ہیں (ارشاد"

الساری ۱۹۳ اور ہیر تحاج ۲۵)۔

منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں علامہ شامی "اللباب" کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

وإن كان لم يسق الهدي وأحل بعد الحلق يفعل كما يفعل الحلال قال شارحه والظاهر أنه يجوز له الإتيان بالعمرة حينئذ لأنه غير ممنوع منها لكراهتها في الأزمنة المخصوصة وإنما كرهت العمرة للمكي في أشهر الحج لأن الغالب أنه يحج فيبقى متمتعا مسيئا۔

اور اگر وہ ہدی نہ لے گیا اور حلق کے بعد حلال ہو گیا ہو تو وہ ایسا ہی کرے گا جیسا کہ حلال کرتا ہے، اس کے شارح نے کہا کہ: اور ظاہر یہ ہے کہ اب اس کے لئے عمرہ کرنا جائز ہے، اس لئے کہ وہ مخصوص اوقات میں، اس کے مکروہ ہونے کی وجہ سے اس سے روکا گیا اور عمرہ مکی کے لئے اشہر حج میں مکروہ ہے اس لئے کہ غالب یہ ہے کہ وہ حج کرے گا گنہگار متمتع قرار پائے گا۔ (منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ۲/۳۳۲)۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ احناف پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جب کہ وہ لوگ اشہر حج میں کراہت عمرہ کے قائل ہیں اور علت یہ بیان کرتے ہیں: أنها تشغل عن الحج في وقته علامہ شوکانی رحمہ اللہ ان کے رد میں فرماتے ہیں: وهذا من الغرائب التي يتعجب الناظر منها، (اور یہ ان عجیب چیزوں میں سے ہے جس کو دیکھنے والا تعجب میں پڑ جاتا ہے)۔

"وأقام بمكة حلالاً" أفاد أنه يفعل ما يفعله الحلال فيطوف بالبيت ما بدا له ويعتمر قبل الحج

(اور مکہ میں قیام پذیر ہو حلال ہونے کی حالت میں، معلوم ہوا کہ وہ ان تمام افعال کو کرے گا جس کو حلال آدمی کرتا ہے پھر بیت اللہ شریف کا طواف کرے جو اس سے ہو سکے اور حج سے پہلے عمرہ کرے (در مختار مع رد المحتار ۲/۲۹۸)۔

۶۔ رمی جمار میں نیابت:

یہ ایک حقیقت ہے کہ رمی جمار کے وقت کثرت ازدحام کے سبب بوڑھے اور ضعیف لوگوں کو خاصی دقت ہوتی ہے، اور موجودہ دور میں مسائل دینیہ اور شرعی امور کے ساتھ قلت اہتمام کی وجہ سے لوگوں میں سہل پسندی پیدا ہوگئی ہے، اور بہت سے ایسے لوگ جو معذور نہیں ہوتے محض آرام پسندی اور سستی میں ازدحام اور بھیڑ سے بچنے کی خاطر رمی جمار کے لئے دوسروں کو نائب بنا دیتے ہیں، حالانکہ ان کا یہ فعل کسی بھی طرح درست اور جائز نہیں ہے، رمی جمار میں نیابت فی نفسہ اگرچہ جائز ہے لیکن اس کی کچھ حدود اور شرائط ہیں، ہر کس و ناکس کے لئے جائز نہیں ہے۔

(الف) عمل رمی میں نیابت جائز ہے، اگر کوئی شخص مریض ہے تو اس کی اجازت سے دوسرا شخص اس کی طرف سے رمی کر سکتا ہے۔

اسی طرح بے ہوش آدمی، مجنون اور بچے کی طرف سے بھی رمی جائز ہے۔

نیابت رمی میں تفصیل یہ ہے کہ وہ شخص جس کی طرف سے رمی کرنی ہے، اگر اس لائق ہے کہ اس کو جمرات

تک لے جایا جاسکے اور اس کے ہاتھوں میں کنکری رکھدی جائے تو وہ کنکریاں پھینک دے گا، جمرات تک تو اس حالت میں اس کے ہاتھوں سے ہی رمی جمرات کرائی جائے گی، اور اگر وہ آدمی اس حد تک معذور ہے کہ وہاں تک لے نہیں جایا جاسکتا، یا کوئی لے جانے والا نہیں ہے تب اسے کسی غیر کو بھیجنا درست ہوگا، فتح القدیر میں ہے:

ومن كان مريضا لا يستطيع الرمي يوضع في يده وترمي بها أو يرمي عنه غيره و كذا المغمى عليه۔

(اور اسی میں سے یہ ہے کہ گویا وہ ایسا مریض ہے جمری کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کے ہاتھ میں کنکری رکھی جائے اور وہ اس کو پھینکے، یا اس کی طرف سے دوسرا آدمی پھینک دے، اور ایسے ہی وہ شخص جس پر بے ہوشی طاری ہو (فتح القدیر ۲/۳۹۶)۔

شرح اللباب کے حوالے سے أوجز المسالک شرح موطا امام مالک میں ہے:

أن يرمي بنفسه، فلا يجوز النيابة عند القدرة وتجوز عند العذر، فلو رمى عن مريض لا يستطيع الرمي بأمره أو مغمى عليه ولو بغير أمره أو صبي غير مميز أو مجنون جاز والأفضل أن توضع الحصى في أكفهم فيرمونها زاد في الغنية ولا يعاد إن زال العذر في الوقت ولا فدية عليهم وإن لم يرموا إلا المريض۔

وہ بذات خود رمی کرنے پر قادر ہونے کی صورت میں نیابت جائز نہیں ہے اور عذر کے وقت جائز ہے، تو اگر کسی نے ایسے مریض کی طرف سے جمری کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کے حکم سے رمی کی، یا ایسے شخص کی طرف سے جس پر بے ہوشی طاری تھی، اگر چہ اس کے حکم کے بغیر، یا غیر ممیز بچے، یا پاگل کی طرف سے رمی کی تو جائز ہے اور افضل یہ ہے کہ کنکری ان کی ہتھیلیوں میں رکھی جائے، پھر وہ لوگ پھینکیں، غنیہ میں یہ اضافہ ہے۔ اور انہیں لوٹایا نہیں جائے گا، اگر چہ وقت کے اندر ہی عذر ختم ہو جائے، اور ان پر کوئی فدیہ نہیں ہے اگر چہ انہوں نے رمی نہ کی ہو سوائے مریض کے (أوجز المسالک ۲/۲۶۰)۔

(ب) مذکورہ بالا تفصیل سے یہ وضاحت ہوگئی کہ عمل رمی میں نیابت علی الاطلاق محض ازدحام اور بھیڑ کے خوف سے جائز نہیں ہے، بلکہ نیابت کی رخصت صرف مریض اور معذور لوگوں کے لئے ہے اور مریض کے معذور ہونے کی حد یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے۔

وحد المريض أن يصير بحيث يصلي جالسا۔

(مریض کی تعریف یہ ہے کہ اس کی حالت ایسی ہو جائے کہ وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے (غنیۃ المناسک ۱۰۲، معلم الحجاج ۱۸۵)۔

وعن محمدؒ إذا كان المريض بحيث يصلي جالسا رمى عنه ولا شئ عليه۔

(امام محمدؒ سے مروی ہے کہ جب مریض کی ایسی حالت ہو جائے کہ وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے تو اس کی طرف سے رمی کر دی جائے اور اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا) (أوجز المسالک ۲/۲۶۱)۔

۷۔ ایسے لوگ جو سعودیہ عربیہ میں اقامت پذیر ہیں ان کو حج کرنے کے لئے حکومت سعودی عرب سے اجازت لینی پڑتی ہے، ان حضرات کو چاہئے کہ بغیر حکومت کی اجازت کے حج، یا عمرہ کا احرام نہ باندھیں، سعودی حکومت حج سے متعلق انتظامات میں اور حاجیوں کی آسانی اور آرام کے لئے ہر ممکن کوشش کرتی ہے۔ حکومت کے نظم و نسق میں اس کا تعاون کرنا ضروری ہے، اس نے حاجیوں کی سہولت کی خاطر ہی یہ نظم بنایا ہے کہ ہر شخص کو ہر سال حج کی اجازت نہیں دیتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو غیر ملکی سعودی عرب میں مقیم ہیں انہیں اپنے وطن اقامت سے دوسرے شہر میں جانے کے لئے بھی اجازت لینی پڑتی ہے، یہ ان کے شہری اور ملکی نظم سے متعلق ہے جس کی رعایت ضروری ہے۔

اس لئے بغیر اجازت سفر کرنا، خواہ عمرہ، یا حج کے لئے ہی کیوں نہ ہو درست نہیں ہے باعث گناہ ہے، کیوں کہ پکڑ جانے کی صورت میں خود اپنے کو بھی مشقت میں ڈالتا ہے اور اپنے کفیل کو بھی پریشانی میں مبتلا کرتا ہے، اس لئے بغیر اجازت سفر نہیں کرنا چاہئے، ایسے لوگ اگر پکڑ لئے جائیں اور واپس بھیج دیئے جائیں درآں حالیکہ وہ حج، یا عمرہ کا احرام باندھے ہوئے ہوں، تو وہ محصر کے حکم میں ہوں گے احصار کا حکم ان پر صادق آتا ہے، اور محصر کا حکم یہ ہے کہ یا تو وہ مانع کے زائل ہونے کا انتظار کرے اور مانع کے دور ہونے کے بعد حج مل جاتا ہے تو حج کرے ورنہ عمرہ کرکے حلال ہو جائے۔

اور اگر انتظار میں وقت ہے اور اس نے صرف حج، یا صرف عمرہ کا احرام باندھا ہے تو کسی شخص کو ایک دم (بکری) یا اس کی قیمت دے کر بھیج دے (جس کو اجازت ہو) اور اس سے تاریخ اور وقت کا تعین کرلے تاکہ وہ متعینہ وقت پر حدود حرم میں اس کو ذبح کرے، اگر قارن ہے تو اسے دو دم، یا اس کی قیمت بھیجنا ہوگا، نیز اس کو اختیار ہے، چاہے تو جہاں روکا گیا ہے وہ اسی جگہ رکا رہے، یا اپنے مستقر واپس چلا جائے اور پھر جب موقع اور اجازت ملے تو اس حج، یا عمرہ کی قضا کرنا ضروری ہے۔

احصار کے متعلق المناسک میں ہے:

ویتحقق بکل حابس یحبسه ولو بمکة بالاتفاق بین أئمتنا علی الأصح کالکسر والعرج والقرح والحبس ومنع السلطان ولو نهیه۔

(اور احصار متحقق ہو جائے گا ہر ایسے روکنے والے کی وجہ سے جو اس کو روک دے، اگرچہ مکہ ہی میں، ہمارے اماموں کے درمیان صحیح قول کے مطابق اس پر اتفاق ہے، جیسے ہڈی کا ٹوٹنا اور لنگڑا ہونا اور زخم کا ہونا اور قید ہونا اور سلطان کا روکنے اس کے انکار کے باوجود) (غنیۃ المناسک: ۲۶۶، شامی ۲/۳۲۰)۔

اس سے واضح ہو گیا کہ منع سلطان اور اس کی نہی سے بھی احصار متحقق ہوتا ہے۔

"لمن أحصر بعدو و مرض أن یبعث شاۃ تذبح عنه فیتحلل"۔

(جس کو دشمن یا بیماری کی وجہ سے روک دیا جائے وہ ایک بکری بھیجے جس کو اس کی طرف سے ذبح کر دیا

جائے گا، پھر وہ حلال ہو جائے گا)۔

وليس المراد به بعث الشاة بعينها لأن ذلك قد يتعذر بل له أن يبعث بقيمتها حتى يشترى بها شاة فتذبح في الحرم، وأفاد باقتصاره على بعث الشاة أنه لو لم يجد ما يذبح لا يقوم الصوم أو الإطعام مقامه بل يبقى محرما إلى أن يجد أو يطوف و يسعى بين الصفا والمروة ويحلق۔

(اور اس سے بعینہ بکری کا بھیجنا مراد نہیں ہے، کیوں کہ بسا اوقات یہ مشکل ہو جاتا ہے، بلکہ اس کو چاہئے کہ بکری کی قیمت بھیج دے تاکہ اس سے خرید کر حرم میں ذبح کر دیا جائے اور اس کے بکری کے بھیجنے پر اکتفاء کرنے سے معلوم ہوا کہ اگر وہ اس چیز کو نہ پائے جسے وہ ذبح کرے تو روزہ یا کھانا کھلانا اس کے قائم مقام نہیں ہوگا، بلکہ وہ محرم رہے گا، یہاں تک کہ وہ اس چیز کو پالے یا طواف کرے اور سعی بین الصفا والمروہ کرے اور حلق کروائے (البحر الرائق ۵۸/۳)۔

والمحصر بالحج إذا تحلل فعليه حجة وعمرة.... وعلى المحصر بالعمرة القضاء وعلى القارن حجة وعمرتان۔

(اور جس کو حج سے روک دیا جائے جب وہ حلال ہو جائے تو اس پر ایک حج اور عمرہ واجب ہے اور جس کو عمرہ سے روک دیا جائے تو اس پر قضا واجب ہے اور قارن پر ایک حج اور دو عمرے واجب ہوں گے (ہدایہ ۲۷۳/۱)۔

معلوم ہوا کہ محصر کے حلال ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس کی طرف سے حدود حرم میں جانور ذبح کیا جائے خواہ ایام نحر سے پہلے ہی کیوں نہ ہو، اور پھر حلال ہو جانے کے بعد جب سہولت ہو اس پر اس حج یا عمرہ کی قضا لازم ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک نہ تو جانور کا حدود حرم میں ذبح ہونا ضروری ہے اور نہ ہی محصر پر اس حج یا عمرہ کی قضا ہی لازم ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اس سلسلہ میں تفصیل سے بحث کی ہے (فتح الباری ۱۲/۴)۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب:

دسویں ذی الحجہ یوم النحر کو حاجیوں کے ذمہ چار کام ہیں: جمرہ عقبہ کی رمی کرنا، پھر جانور کی قربانی کرنا، اس کے بعد حلق یا تقصیر کرانا، پھر طواف افاضہ یعنی طواف زیارۃ جو فرض ہے، حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے:

أن رسول الله ﷺ رمى جمرة العقبة يوم النحر، ثم رجع إلى منزله بمنى فدعا بذبح فذبح ثم دعا بالحلاق فأخذ بشق رأسه الأيمن فحلقه.... الحديث۔

(بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے قربانی کے دن جمرہ عقبہ کی رمی کی، پھر منیٰ میں اپنے قیام گاہ کی طرف لوٹے ذبیحہ کو منگایا اور ذبح کیا، پھر حلق کرنے والے کو بلایا اور اپنے سر کے داہنے حصہ کے ایک شق کو لیا پھر اس کا حلق کیا (سنن ابوداؤد ۲۰۳/۲، ۱۹۸۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کا مفہوم ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: وقد أجمع العلماء على مطلوبية هذا الترتيب (فتح الباری ۵۷۷/۳)۔

اس لئے افضل اور بہتر بھی فقہاء کے نزدیک یہی ہے کہ ان امور کے درمیان ترتیب باقی رہے، لیکن اگر

اس ترتیب میں فرق پڑ جائے اور تقدیم وتاخیر ہو جائے تو اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ تقدیم وتاخیر کی وجہ سے متمتع یا قارن پر کوئی دم لازم آئے گا، یا نہیں؟

امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ ان امور مذکورہ میں صرف سنیت کے قائل ہیں، لہٰذا ان امور کی ترتیب میں خلل ہونے سے ان ائمہ کرام کے نزدیک متمتع، یا قران پر کوئی دم، یا فدیہ لازم نہیں آئے گا، کیوں کہ ان حضرات کے نزدیک ترتیب غیر واجب ہے۔

مذکورہ ائمہ کرام نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے، جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ مختلف حضرات نے یوم النحر کو حضور ﷺ سے مختلف امور کے متعلق سوالات کئے کہ میں نے فلاں کام پہلے کر دیا اور فلاں کام بعد میں کیا، آپ ﷺ نے ہر ایک کو یہی جواب دیا: "افعل ولا حرج" ان حضرات نے عدم حرج کو عدم اثم اور عدم فدیہ دونوں پر محمول کیا۔

امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک ترتیب کے واجب ہونے کی وجہ سے خلاف ترتیب ہونے پر دم لازم ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صرف رمی اور بقیہ امور ثلاثہ کے درمیان ترتیب واجب ہے، لہٰذا ذبح، حلق اور طواف افاضہ میں سے کسی بھی امر کو رمی پر مقدم کر دیا تو ان کے نزدیک دم واجب ہوگا، اور اگر رمی کو مقدم کیا اور پھر بقیہ امور کی ترتیب میں تقدیم وتاخیر ہوئی تو کوئی دم نہیں ہوگا۔

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک متمتع اور قارن کے لئے طواف زیارت کے علاوہ مذکورہ بھی امور میں ترتیب واجب ہے، لہٰذا ان میں سے کسی ایک میں بھی تقدیم وتاخیر ہوگی تو دم لازم ہوگا۔

امام صاحب نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے فتویٰ سے استدلال کیا ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: من قدم شیئا من حجہ أو أخرہ فلیھرق لذلک دما.

(ابن عباس ؓ سے مروی ہے جو شخص اپنے حج میں سے کسی چیز کو مقدم کرے یا موخر کرے اس کو چاہئے کہ خون بہائے) (رواہ الطحاوی فی شرح معانی الآثار ار ۴۲۷)۔

یہ راوی کا فتویٰ ہے، جو مذکورہ روایت "افعل ولا حرج" کے خلاف ہے جب کہ اس کی روایت بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے، لہٰذا اس اصول کے تحت کہ راوی کا فتویٰ خود اپنی روایت کے خلاف راجح اور مقدم ہوتا ہے ان امور کی تقدیم وتاخیر پر دم لازم آئے گا۔

ومن أخر الحلق حتی مضت أیام النحر فعلیہ دم عند أبی حنیفۃ رحمہ اللہ وکذا إذا أخر طواف الزیارۃ وقالا لا شئ علیہ فی الوجھین، وکذا الخلاف فی تأخیر الرمی وفی تقدیم نسک علی نسک کالحلق قبل الرمی ونحر القارن قبل الرمی والحلق قبل الذبح.

اور جس نے حلق کو موخر کیا یہاں تک کہ قربانی کے ایام ختم ہو گئے تو ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک اس پر دم واجب

ہے اور ایسے ہی جب طواف زیارت کو موخر کرے، اور صاحبین نے فرمایا دونوں صورتوں میں اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے اور ایسے ہی اختلاف ہے رمی کے موخر کرنے اور ایک رکن کو دوسرے رکن پر مقدم کرنے میں، جیسے رمی سے پہلے حلق کرنا اور قارن کا رمی سے پہلے قربانی کرنا اور ذبح سے پہلے حلق کرنا) (ہدایہ ۱/۲۵۶)۔

واضح ہو کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک طواف زیارت میں ترتیب واجب نہیں ہے، طواف زیارت مذکورہ تینوں امور سے پہلے کرے، بیچ میں کرے، اس کے خلاف ترتیب ہونے سے کوئی دم لازم نہیں ہوگا۔

وأما عند الحنفية فقال ابن عابدين إن الطواف لا يجب ترتيبه على شئ من الثلاثة وإنما يجب ترتيب الثلاثة الرمي ثم الذبح ثم الحلق، لكن المفرد لا ذبح عليه فيجب عليه الترتيب بين الرمي والحلق فقط۔

(جہاں تک حنفیہ کا تعلق ہے تو ابن عابدینؒ نے فرمایا کہ طواف کی ترتیب تینوں چیزوں میں سے کسی پر واجب نہیں ہے اور صرف تین چیزوں کی ترتیب واجب ہے، رمی، پھر حلق، پھر ذبح، لیکن مفرد جس پر ذبح کرنا واجب نہیں ہے تو اس پر صرف رمی اور حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے (أوجز المسالک ۲/۱۵۷)۔

غالباً اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے:

والعجب ممن يحمل قوله "ولا حرج" على نفي الإثم فقط ثم يخص ذلك ببعض الأمور دون بعض، فإن كان الترتيب واجبا يجب بتركه دم فليكن في الجميع وإلا فما وجه تخصيص بعض دون بعض مع تعميم الشارع الجميع بنفي الحرج۔ (فتح الباری ۳/۵۷۱)

ٹھیک اسی کے برعکس شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ ان لوگوں پر بھی تعجب کا اظہار فرماتے ہیں جو وجوب ترتیب کے قائل نہیں ہیں، لکھتے ہیں:

والعجب من هؤلاء الأئمة العظام أنهم لا يوجبون الترتيب في هذه الأفعال الأربعة مستدلين بقوله عليه الصلاة والسلام: افعل ولا حرج، لكنهم يوجبون الترتيب بين رمي الجمرات فمن قدم الوسطى على الأولى، وهو داخل فيمن قدم شيئا أو أخر فلا يأخذون فيه قوله: افعل ولا حرج۔

(اور تعجب کی بات ہے ان بڑے اماموں پر کہ وہ لوگ ان چاروں افعال میں ترتیب کو واجب قرار نہیں دیتے، نبی کریم ﷺ کے قول "افعل ولا حرج" سے اس پر استدلال کرتے ہوئے، لیکن وہ لوگ جمرات کی رمی میں ترتیب کو واجب قرار دیتے ہیں تو جس نے اولیٰ پر وسطیٰ کو مقدم کیا وہ ان لوگوں میں داخل ہے جس نے کسی چیز کو مقدم کیا، یا موخر کیا، تو وہ لوگ اس میں ان کے قول "افعل ولا حرج" کو نہیں لیتے (حجۃ الوداع وجزء عمرات النبی ﷺ ر ۱۳۷)۔

شیخ زکریا رحمہ اللہ نے "افعل" "ولا حرج میں عدم حرج" سے مراد صرف عدم اثم پر استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

ومما يستدل به على أن المراد نفي الإثم فقط لا غيره ما رواه أبو داؤد كان رسول الله ﷺ

يقول: لا حرج إلا على رجل اقترض عرض رجل مسلم وهو ظالم فذلك الذي حرج وهلك فهذا ينادي بأعلى صوت أن المنفي هو الإثم فقط لأنه لم يقل أحد من السلف والخلف بوجوب الدم على من اقترض عرض مسلم۔

جو لوگ وجوب دم کے قائل نہیں اور صرف یہ کہتے ہیں کہ "لا حرج" سے مراد صرف نفی اثم ہے وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی حرج نہیں اس شخص پر جو کسی مسلم شخص کی عزت پر حملہ کرے سوائے اس کے کہ وہ ظالم ہے اور یہی وہ چیز (ظلم) ہے جو حرج اور ہلاکت ہے، یہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نفی صرف اثم اور گناہ ہے، اس لئے کہ سلف اور خلف میں سے کسی نے بھی کسی کی عزت پر حملہ کرنے والے شخص پر دم واجب ہونے کی بات نہیں کہی ہے (حجۃ الوداع وجزء عمرات النبی ﷺ ر۱۳۶)۔

لیکن وہ موقع جب کہ صحابہ کرام نے ان امور کے متعلق آں حضرت ﷺ سے استفسار کیا مسئلہ کی وضاحت کا تھا پھر بھی آپ ﷺ نے محض رفع حرج پر اکتفاء کیا، وجوب فدیہ وغیرہ کی صراحت نہیں کی، واجب ہوتا تو آپ ﷺ ضرور بیان کرتے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لو كان واجبا لبينه ﷺ حينئذ لأنه وقت الحاجة ولا يجوز تأخيره۔

(اگر واجب ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس کو اسی وقت بیان فرمادیتے اس لئے کہ اس وقت ضرورت تھی اور اس کا موخر کرنا جائز نہیں تھا) (فتح الباری ۳ر۵۷۱)۔

شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

وأفتى فيمن حلق قبل أن يذبح أو نحر قبل أن يرمي أو رمى بعد ما أمسى أو أفاض قبل الحلق أنه لا حرج، ولم يأمر بكفارة والسكوت عند الحاجة بيان وليت شعري هل في بيان الاستحباب صيغة أصرح من لا حرج ولا يتم التشريع إلا ببيان الرخص في وقت الشدائد۔

(اور جس نے ذبح کرنے سے پہلے حلق کیا یا رمی سے قبل قربانی کی یا رات ہونے کے بعد رمی کی یا حلق سے پہلے افاضہ کیا اس کے متعلق فتویٰ دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے اور کفارہ کا حکم نہیں دیا، اور ضرورت کے وقت چپ رہنا بیان ہے اور کیا استحباب کے بیان میں لا حرج سے زیادہ صریح صیغہ ہوسکتا ہے؟ وجب کہ تنگیوں کے وقت میں رخصتوں کو بیان کئے بغیر تشریع پوری نہیں ہوتی (حجۃ اللہ البالغہ ۲ر۶۵)۔

بہر کیف مذکورہ بالا تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "لا حرج" سے مراد "نفی الاثم" ہے، یہ جمیع علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کسی متمتع اور قارن سے امور مذکورہ کی ترتیب میں خلل واقع ہوگیا تو آخرت میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

البتہ وجوب فدیہ کے سلسلہ میں اختلاف ہے، اس لئے موجودہ دور کی مشکلات میں اگر کسی حاجی کے ساتھ یہ حادثہ پیش آجائے کہ اس کی ترتیب میں خلل واقع ہو، تقدیم و تاخیر ہوجائے اور اس کا اسے علم بھی ہوجائے اور اللہ تعالیٰ نے اسے وسعت دی ہو تو بہتر یہ ہے کہ خلاف افضل ہونے کے سبب ایک دم دیدے۔

اور اگر وسعت نہ ہو یا اسے طرح نہ ہو سکے تو تقدیم و تاخیر کا، تو اس کے حج میں کسی طرح کا فساد، یا کراہت نہیں آتا ہے، کی اور اوقات سے امید ہے کہ حق تعالیٰ قبول فرمائیں گے۔

۹۔ حج بدل کرنے والا تمتع کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں خود علماء احناف کے درمیان اختلاف ہے، بعض حضرات نے آمر کی اجازت کے باوجود حج تمتع سے منع فرمایا ہے، بنابریں یہ مسئلہ دشوار ہو جاتا ہے، لیکن اکثر علماء کرام اور مفتیان کرام نے آمر کی اجازت سے حج تمتع کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

اسی جواز کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے درج ذیل تفصیل کی جاتی ہے:

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے اپنے معروف رسالہ "نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف" میں عرف کی دو قسمیں کی ہے، عرف عملی اور عرف قولی اور اس کی تفصیل کرتے ہوئے عرف عملی کی مثال میں یہ پیش کیا ہے کہ اگر کسی قوم میں گیہوں اور بھیڑ کے گوشت کھانے کی عادت اور عرف ہو اور ان میں سے کوئی آدمی کسی سے کہے کہ میرے لئے کھانا اور گوشت خرید دو تو وہ گیہوں اور بھیڑ کے گوشت پر ہی محمول ہوگا۔

ثم العرف عملي و قولي فالأول كتعارف قوم أكل البر ولحم الضأن والثاني كتعارفهم إطلاق لفظ لمعنى بحيث لا يتبادر عند سماعه غيره والثاني مخصص للعام اتفاقا كالدراهم تطلق ويراد بها النقد الغالب في البلدة والأول مخصص أيضا عند الحنفية دون الشافعية فلو قال اشترلي طعاما أو لحما انصرف إلى البر ولحم الضأن عملا بالعرف العملي كما أفاده في التحرير۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین ۲/۱۱۲)

لہٰذا موجودہ دور میں اگر کوئی شخص کسی کو حج کرنے کا حکم دے اور عرفاً حج بول کر حج تمتع ہی مراد ہوتا ہو تو حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنا حج تمتع تصور کیا جائے گا۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ حج بدل سے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس کو افراد کرنا چاہئے، آمر کی اجازت سے تمتع و قران بھی کرسکتا ہے، مگر دم شکر مامور پر ہوگا، اگر آمر بخوشی دم شکر کی قیمت ادا کردے تو جائز ہے، اس زمانے میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع و قران و دم شکر کا اذن ثابت ہے اس لئے صراحتاً اذن ضروری نہیں، لہٰذا صراحتاً اذن حاصل کرلینا بہتر ہے (احسن الفتاویٰ ۴/۵۰۸)۔

(الف) حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اس میں خود علماء احناف کے درمیان اختلاف ہے، ملا علی قاری، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہم اللہ نے آمر کی اجازت کے باوجود عدم جواز کا ہی فتویٰ دیا ہے (معلم الحجاج ۲۹۲/۲ حاشیہ (۲))۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ زبدۃ المناسک میں فرماتے ہیں:

اور تمتع کرنا کسی حال میں درست نہیں، اگرچہ آمر نے اذن دیا ہو، کیونکہ میقات آمر سے حج نہ ہووے گا، مگر جو تمتع اذن آمر سے کیا ہے تو ضمان نہیں آتا، گو حج آمر کا ادا بھی نہیں ہوتا (زبدۃ المناسک فی ضمن تالیفات رشیدیہ ۶۲۷)۔

لیکن کثیر علماء کرام نے حج بدل کے صحیح ہونے کی شرائط میں "میقات آمر سے حج کرنے" کی شرط کا لحاظ
نہیں کیا ہے اور آمر کی اجازت سے حج قران اور حج تمتع کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، صاحب احسن الفتاویٰ مولانا
مفتی رشید احمد صاحب کا فتویٰ اوپر گذر چکا ہے، مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ اور مفتی عبدالرحیم صاحب نے بھی آمر
کی اجازت سے تمتع کے جواز کا ہی فتویٰ دیا ہے۔

ملاحظہ ہو کفایت المفتی ۴/۳۲۵ و ما بعدہا، نیز فتاویٰ رحیمیہ ۸/۳۱۳-۳۲۲، غنیۃ الناسک ۹۷ میں "إلا إذا
وجد الإذن" کی صراحت موجود ہے۔

محدث فقیہ ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمہ اللہ رہبر حجاج میں لکھتے ہیں: "حج بدل کرنے
والا آمر کی اجازت سے قران، یا تمتع کا احرام بھی باندھ سکتا ہے، اس مسئلہ میں کچھ اختلاف کتابوں میں مذکور ہے، اور
چند اکابر نے تمتع کو اجازت کے بعد بھی ناجائز قرار دیا ہے، مگر اصح یہ ہے کہ حج بدل کرنے والے کو تمتع کرنا آمر کی
اجازت سے جائز ہے، غنیۃ الناسک میں ہے:

ولکن ما زاد في اللباب یوافقه ما في البحر وغیره من جواز التمتع عن الآمر إذا کان بأمره کما
سیأتي عن قریب، قیل وعلیه فله أن یأذن للمأمور بإفراد العمرة أو لا منه ثم بإتیان الحج عنه (۱۸۵)۔

لیکن لباب میں جس بات کا اضافہ کیا ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو بحر وغیرہ میں ہے کہ آمر کی
طرف سے تمتع جائز ہے جب کہ اس کے حکم سے ہو، جیسا کہ آگے آئے گا، کہا گیا ہے کہ اس بنیاد پر آمر کو یہ اختیار بھی ہے
کہ وہ پہلے اپنی طرف سے صرف عمرہ کرنے کی اجازت مامور کو دے پھر اپنی ہی طرف سے حج کرنے کی۔

درمختار میں ہے کہ قران اور تمتع اور جنایت کا دم حج بدل کرنے والے کے ذمہ ہے، بشرطیکہ آمر نے اس کو
قران و تمتع کی اجازت دی ہو اور عمدۃ المناسک مصنفہ مولانا شیر محمد" میں ہے کہ آمر کو چاہئے کہ وہ اپنے مامور کو عام طرح
اجازت دیدے کہ تمہاری مرضی پر ہے چاہے افراد حج کرو یا قران یا تمتع، پھر حاشیہ میں اس کی تائید میں چند عبارتیں
لکھیں ہیں (دیکھو ص ۳۲۱-۳۲۲)۔ (رہبر حجاج ۳۸/)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ آمر کی اجازت سے حج بدل کرنے والا تمتع کر سکتا ہے۔

(ب) مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ حج بدل کرنے والے کے لئے تمتع کے جواز میں باوجود آمر کی
اجازت کے اختلاف ہے، البتہ بغیر آمر کی اجازت کے بھی علماء کا اتفاق ہے کہ اس کے لئے حج تمتع کرنا درست نہیں ہے۔

اور یہ بات بھی گذر چکی ہے کہ جب عرفاً حج بدل کر حج تمتع ہی سمجھا جاتا ہو تو صرف حج کی اجازت سے تمتع
کی اجازت متصور ہوگی۔

لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ آمر مامور کو صراحۃً اجازت دیدے کہ وہ اپنی سہولت سے حج افراد، تمتع، یا قران
کرے اور مامور کو چاہئے کہ وہ آمر سے صراحۃً اجازت حاصل کرے۔

(ج) شریعت نے چونکہ ظن غالب کا اعتبار کیا ہے، اس لئے اگر مامور کا ظن غالب ہے کہ آمر اس کو حج تمتع

کی اجازت دے دیتا ہے تو وہ تمتع کرسکتا ہے، خاص کر اس صورت میں جب کہ عرفاً حج کا اطلاق تمتع پر ہوتا ہو۔

(د) حج بدل کرنے والا خواہ باذن الآمر تمتع کرے، یا بدون اذن الآمر، ہر حال میں دم تمتع حج کرنے والے مامور کے مال میں ہی لازم ہوگا، بلکہ اس صورت میں جبکہ آمر نے تمتع کی اجازت نہ دی ہو تو مخالفت آمر کی وجہ سے مامور پورے نفقۂ حج کا ضامن ہوگا۔

(ودم القران) والتمتع (والجناية على الحاج) إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا فيضمن۔

(قران وتمتع اور جنایت کا دم حج کرنے والے پر ہوگا، اگر آمر نے اس کو قران وتمتع کی اجازت دی ہے، ورنہ مخالفت کی صورت میں وہ ضامن ہوگا (درمختار مع رد المحتار ۲؍۳۳۹)۔

اور "البحر الرائق" میں ہے:

ودم الإحصار على الآمر ودم القران والجناية على المأمور) وأراد بالقران دم الجمع بين النسكين قرانا كان أو تمتعا كما صرح به في غاية البيان لكن بالإذن المتقدم۔

(احصار کا دم آمر پر واجب ہوگا اور قران وجنایت کا دم مامور پر، اور قران سے مراد حج وعمرہ کے مابین جمع کرنے کا دم ہے خواہ قران ہو، یا تمتع جیسا کہ "غایۃ البیان" میں اس کی صراحت ہے، لیکن گذشتہ اجازت کے ساتھ) (البحر الرائق ۳؍۶۶)۔

البتہ اگر آمر دم تمتع کی بھی اجازت دیدیتا ہے تو دم تمتع آمر کے مال سے دینا جائز ہے۔

صاحب احسن الفتاویٰ مولانا مفتی رشید احمد صاحب کا فتویٰ گذر چکا ہے کہ آمر کی اجازت سے تمتع وقران بھی کرسکتا ہے، مگر دم شکر مامور پر ہوگا، اگر آمر بخوشی دم شکر کی قیمت ادا کردے تو جائز ہے، اس زمانے میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع وقران ودم شکر کا اذن ثابت ہے، اس لئے صراحۃً اذن ضروری نہیں، مع ہٰذا صراحۃً اذن حاصل کرلینا بہتر ہے (احسن الفتاویٰ ۴؍ر)۔

(ھ) حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کرسکتا ہے۔

(و) گذشتہ ابحاث میں گذر چکا ہے کہ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے تمتع کرسکتا ہے؟ یہ حج بدل اگر میت کی طرف سے ہو، اور میت نے وصیت کی ہے حج کرنے کی اور اس کا ثلث مال متروکہ اس کی کفایت کرتا ہے کہ اس سے حج تمتع کرایا جائے اور ورثہ کی اجازت بھی ہے تمتع کے لئے، نیز عرفاً حج کا اطلاق تمتع پر ہوتا ہو تو حج تمتع کیا جاسکتا ہے۔

اور اگر میت نے وصیت نہیں کیا ہے لیکن اس کے ورثہ اس کی طرف سے حج کرانا چاہتے ہیں تو یہ ان کی طرف سے تبرع ہے جس کا حق انہیں حاصل ہے، لہٰذا اگر ورثہ تمتع کی اجازت دیدیں تو میت کی طرف سے حج بدل کرنے والا تمتع کرسکتا ہے۔

صرف وصی کی اجازت سے تمتع درست نہیں ہوگا۔

۱۰۔ حالتِ حیض، یا نفاس میں طوافِ زیارت:

اس امر پر تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ طوافِ بیت اللہ کے لئے طہارت مسنون ہے یا واجب، جیسا کہ ہدایہ میں ہے: "ثم قيل هي سنة والأصح أنها واجبة" (ہدایہ ۱/۱۶۵)۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ بغیر طہارت طواف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ امام مالک اور امام شافعی (اور ایسے ہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) کے نزدیک بغیر طہارت کے طواف کرنا جائز نہیں، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بغیر طہارت طواف کرے تو طواف ہو جائے گا، مگر ناقص ہوگا، دم کے ذریعہ اس کی تلافی کرنی ہوگی۔

واختلفوا في جواز الطواف بغير طهارة مع إجماعهم على أن من سنته الطهارة، فقال مالك والشافعي: لا يجزئ طواف بغير طهارة: لا عمداً ولا سهواً، وقال أبو حنيفة يجزئ ويستحب له الإعادة وعليه دم۔

(بلا طہارت طواف کے جائز ہونے میں ائمہ نے اختلاف کیا ہے، باوجودیکہ اس پر اجماع ہے کہ طہارت طواف کی سنتوں میں سے ہے، امام مالکؒ اور شافعیؒ نے فرمایا کہ بلا طہارت طواف کافی نہیں ہوگا، نہ جان بوجھ کر اور نہ بھولے سے، اور امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کافی ہو جائے گا، لیکن اس کے لئے اعادہ مستحب ہے اور اس پر دم واجب ہوگا) (بدایۃ المجتہد ۱/۳۱۹)۔

جن فقہاء کرام نے طواف کے لئے طہارت شرط مانی ہے وہ مختلف احادیث سے استدلال کرتے ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث ہے:

أن النبي ﷺ قال: الطواف حول البيت مثل الصلاة إلا أنكم تتكلمون فيه، فمن تكلم فيه فلا يتكلمن إلا بخير۔ (سنن ترمذی: باب ما جاء في الكلام في الطواف)۔

(بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ خانہ کعبہ کے ارد گرد طواف کرنا نماز کی طرح ہے، لیکن تم لوگ اس میں بات چیت کر سکتے ہو، تو جو اس میں بات کرے وہ خیر ہی کی بات کرے)

اس حدیث کے مرفوع، یا موقوف ہونے میں اگرچہ اختلاف ہے پھر بھی اہل علم کا اس پر عمل ہے اور اس حدیث میں طواف کو نماز کی طرح بتلایا گیا ہے لہذا نماز کی طرح اس کے لئے بھی طہارت ضروری ہے۔

دوسری حدیث: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں جب وہ حج کے ارادہ سے چلیں اور مقام سرف پر پہنچیں اور حائضہ ہو گئیں تو رونے لگیں، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

افعلي ما يفعل الحاج غير أن لا تطوفي بالبيت حتى تطهري. (تم ان افعال کو کرو جو حاجی کرتا ہے مگر تم جب تک پاک نہ ہو جاؤ بیت اللہ کا طواف مت کرو) (صحیح مسلم مع شرحہ فتح الملہم ۳/۲۹۳-۲۹۴، سنن الترمذی: باب ما جاء ما تقضي الحائض من المناسك)۔

تیسری حدیث حضرت اسماء بنت عمیسؓ کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: اصنعي ما يصنع الحاج غير

أن لا تطوفي بالبيت (بدایۃ المجتہد ۱/۳۱۹)۔

اور چوتھی حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہے:

أن النبي ﷺ قال: الحائض والنفساء إذا أتتا على الوقت تغتسلان وتحرمان وتقضيان المناسك كلها غير الطواف بالبيت قال أبو معمر في حديثه: حتى تطهر۔ (سنن الترمذی: باب ما جاء ما تقضی الحائض من المناسک حدیث نمبر ۹۴۵)۔

(نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حیض اور نفاس والی عورتیں جب میقات پر آئیں تو دونوں غسل کرکے احرام باندھیں اور طواف بالبیت کے علاوہ تمام ارکان کو ادا کریں، ابو معمر نے اپنی حدیث میں فرمایا یہاں تک کہ پاک ہوجائے)(سنن ابوداود: باب الحائض تہل بالحج حدیث نمبر ۱۷۴۴)۔

یہ ساری احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ طواف کے لئے مرد، یا عورت کو حالت طہارت میں ہونا چاہئے، اگرچہ جو لوگ طہارت کو شرط نہیں مانتے وہ یہ توجیہ کرتے ہیں کہ طواف کے لئے چونکہ مسجد حرام میں داخل ہونا ضروری ہے اور مسجد میں جنبی، حائضہ یا نفساء کے لئے داخل ہونا جائز نہیں۔

اس لئے ایسی عورتیں جو طواف زیارت کے موقع پر حیض یا نفاس کے عذر میں مبتلا ہوجائیں تو انہیں حتی الامکان بھرپور کوشش کرنی چاہئے کہ ان حالات میں بیت اللہ شریف کے طواف سے احتیاط کریں، اگرچہ بغیر طہارت طواف کرنا جائز ہو مگر حالت جنابت میں مسجد حرام میں داخل ہونا بھی گناہ عظیم ہے جس سے احتراز ضروری ہے۔

ذمہ داران حج سے اس سلسلہ میں بات چیت کریں، ویزا کی تاریخ بڑھوائیں، جہاز کی تاریخ میں تبدیلی کروائیں، اپنی طاقت بھرپوری کوشش کریں کہ ان اعذار میں مبتلا ہوتے ہوئے طواف کی نوبت نہ آئے۔

(الف) اگر کوئی بھی صورت نہیں نکلتی ہے اور حالت جبر واضطرار کی سی ہے تو حالت حیض ونفاس میں ہی طواف زیارت کرلے۔

مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: "البتہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کا یہ حل بیان کیا ہے کہ ایسی عورت ناپاکی ہی کی حالت میں طواف کرلے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق دم دے کر اس کی تلافی کرلے"۔ (درس ترمذی ۳/۲۱۸)۔

(ب) ہاں یہ طواف جو اس نے ناپاکی کی حالت میں کیا ہے، وہ قابل اعتبار ہے اس کی وجہ سے اس کا رکن (طواف افاضہ) ادا ہوگیا اور وہ اپنے شوہر کے حق میں حلال بھی ہوگی، البتہ اس پر دم لازم آئے گا، حالت جنابت میں طواف کرنے کی وجہ سے، اس لئے حتی الامکان عذر حیض یا نفاس کے زائل ہونے کا انتظار کرے۔

واختار في المحيط أن بعث الدم أفضل لأن الطواف الأول وقع معتداً به وفيه منفعة للفقراء وإذا عاد للأول يرجع بإحرام جديد بناء على أنه حل في حق النساء بطواف الزيارة جنباً (البحر الرائق ۳/۱۸)۔

ولو طاف طواف الزيارة محدثا فعليه شاة لأنه أدخل النقص في الركن فكان أفحش من الأول فيجبر بالدم وإن كان جنبا فعليه بدنة كذا روي عن ابن عباس رضي الله عنهما ولأن الجنابة أغلظ من الحدث فيجب جبر نقصانها بالبدنة إظهارا للتفاوت۔

(اگر حالت حدث میں طواف زیارت کیا تو اس پر ایک بکری واجب ہوگی اس لئے کہ اس نے رکن میں نقص پیدا کر دیا تو وہ پہلے سے زیادہ فحش ہو گیا، لہذا دم سے پورا کیا جائے گا اور چونکہ جنابت حدث سے زیادہ غلیظ ہے لہذا اس کے نقصان کی تلافی بدنہ سے واجب ہوگی تفاوت کو ظاہر کرنے کے لئے) (ہدایہ ۱/۲۵۲)۔

(ج) ہدایہ کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ بدنہ ہی ذبح کرنا ہوگا، بکرا کافی نہیں ہے۔

حیث قال: ووإن كان جنبا فعليه بدنة (ہدایہ ۱/۲۵۲)۔

نیز آگے باب الہدی میں ارشاد فرماتے ہیں:

"والشاة جائزة في كل شيء إلا في موضعين من طاف طواف الزيارة جنبا ومن جامع بعد الوقوف فإنه لا يجوز فيهما إلا بدنة۔

(اور ہر چیز میں بکری جائز ہے دو جگہوں کے علاوہ جو شخص طواف زیارت کرے حالت جنابت میں، اور جو وقوف کے بعد جماع کرے، ان دونوں میں بدنہ کے علاوہ جائز نہیں ہے (ہدایہ ۱/۲۸۰)۔

(د) دم کی ادائیگی حرم مکہ میں ہی ضروری ہے، حرم مکہ سے باہر اپنے مقام پر ادا کرنے سے ساقط نہیں ہوگا، ہدایہ میں ہے:

ولا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم لقوله تعالى في جزاء الصيد: "هديا بالغ الكعبة" فصار أصلا في كل دم هو كفارة، ولأن الهدي اسم لما يهدى إلى مكان ومكانه الحرم قال عليه السلام منى كلها منحر وفجاج مكة كلها منحر۔

(غیر حرم میں ہدایا ذبح کرنا جائز نہیں ہے، شکار کی جزاء کے متعلق اللہ تعالیٰ کے قول "هديا بالغ الكعبة" کی وجہ سے، یہی تو اصل ہے ہر اس دم میں جو کفارہ ہے، اور اس لئے کہ ہدی کہتے ہی اس کو ہیں جسے کسی جگہ لے جایا جائے اور اس کی جگہ حرم ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پورا منی قربانی کی جگہ ہے اور مکہ کی ساری گلیاں منحر ہیں) (ہدایہ ۱/۲۸۱)۔

ایسی عورت جو حالت حیض ونفاس میں طواف کئے ہو قربانی یعنی دم سے پہلے اس طواف کا اعادہ حالت طہارت میں کرلے تو دم ساقط ہو جائے گا۔

۱۱۔ وہ عورت جو سفر حج میں چلی یا عمرہ کے ارادہ سے چلی اور درمیان سفر اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو جس وقت وہ معتدہ ہوری ہے ایسی جگہ میں ہے کہ وہاں سے اس کا وطن مسافت شرعی یا اس سے زیادہ کی دوری پر ہے اور مکہ مکرمہ مسافت شرعی سے کم دوری پر ہے تو ایسی عورت اپنے سفر حج یا عمرہ کو پورا کرے گی، مکہ مکرمہ جائے گی اور حج یا عمرہ کی ادائیگی

کرے گی، اور اگر اس کا وطن مسافت شرعی سے کم دوری پر ہے تو وہ اپنے وطن لوٹے گی اور وہ محصر کے حکم میں ہوگی۔

فلو احرمت وليس لها محرم ولا زوج فهي محصرة كما في اللباب والبحر ثم هذا اذا كان بينها وبين مكة مسيرة سفر وبلدها اقل من ذلك او اكثر لكن يمكنها المقام في موضعها والا فلا احصار فيما يظهر۔

(اگر کسی عورت کے ساتھ محرم یا شوہر نہ ہو اور اس نے احرام باندھا تو وہ محصرہ ہے، جیسا کہ لباب اور بحر میں ہے، پھر یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس عورت اور مکہ کے درمیان کی شرعی مسافت ہو اور اس کا وطن اس سے کم دوری پر ہو یا زیادہ دوری پر لیکن اس کے لئے اس جگہ ٹھہرنا ممکن ہو ورنہ احصار نہیں ہے اس صورت میں جیسا کہ ظاہر ہے) (شامی ۲/ ۳۱۰-۳۱۱)۔

مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اس عورت کا وطن مسافت شرعی یا اس سے زیادہ دوری پر ہے لیکن وہ ایسی جگہ پر ہے کہ وہاں ٹھہر کر عدت گذار سکتی ہے تو اسے وہاں رک کر عدت گذارنا چاہئے، یہ اسی وقت ہے جب کہ مکہ کی دوری مسافت شرعی کے برابر یا اس سے زیادہ ہو۔

جزئیہ یہ بھی ہے:

واذا خرجت المرأة مع زوجها الى مكة فطلقها ثلاثا او مات عنها في غير مصر فان كان بينها وبين مصرها اقل من ثلاثة ايام رجعت الى مصرها لانه ليس بابتداء الخروج معنى بل هو بناء وان كانت مسيرة ثلاثة ايام ان شاءت رجعت وان شاءت مضت سواء كان معها ولي او لم يكن معناه اذا كان الى المقصد ثلاثة ايضا لان المكث في ذلك المكان اخوف عليها من الخروج الا ان الرجوع اولى ليكون الاعتداد في منزل الزوج الا ان يكون طلقها او مات عنها زوجها في مصر فانها لا تخرج حتى تعتد ثم تخرج ان كان لها محرم وهذا عند ابي حنيفة وقال ابو يوسف ومحمد رحمهما الله ان كان معها محرم فلا بأس بان تخرج من المصر قبل ان تعتد۔

(جب عورت اپنے شوہر کے ہمراہ مکہ جائے پھر وہ اس کو تین طلاق دے دے یا اس کا شوہر مر جائے شہر سے باہر تو اگر اس کے اور وطن کے درمیان تین دن سے کم کی مسافت ہے تو اپنے وطن کی طرف لوٹ جائے، کیوں کہ معنی اعتبار سے ابھی خروج کی ابتداء نہیں ہوئی ہے بلکہ وہ خروج کی بنیاد ہے (جہاں سے سفر شروع ہوتا ہے) اور اگر تین دن کی مسافت ہے تو اگر چاہے تو لوٹ جائے اور اگر چاہے تو چلی جائے، خواہ اس کے ساتھ کوئی ولی ہو یا نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ جب مقصد کے جانب بھی تین دن کی مسافت ہو کیوں کہ اس جگہ ٹھہرنا نکلنے سے زیادہ اس پر خوفناک ہے لیکن لوٹ جانا اولیٰ ہے تاکہ عدت شوہر کے گھر میں گذارے، لیکن یہ اس صورت میں جب کہ اس کو طلاق دے یا اس کا شوہر مر جائے وطن کے اندر، تو وہ جب تک عدت نہ گذارے نہیں نکل سکتی، پھر اگر اس کے ساتھ محرم ہو تو وہ نکل سکتی ہے اور یہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگر اس عورت کے ساتھ محرم ہو تو عدت گذارنے

سے پہلے بھی وطن سے نکل سکتی ہے۔ (ہدایہ ۱/۱۴۰)۔

۱۲۔ وہ شخص جو سفر حج کے لئے نکلا ہے مکہ مکرمہ میں ایسے وقت پہونچا ہے کہ پندرہ یوم سے پہلے ہی منیٰ کے لئے روانگی کا وقت آجاتا ہے تو اس میں ایک صورت تو یہ ہے کہ آٹھویں ذی الحجہ تک اسے پندرہ دن مل جاتا ہے تو اسے مقیم سمجھا جائے گا، کیوں کہ آج کل جب کہ منیٰ کی آبادی مکہ سے متصل ہو گئی ہے تو منیٰ کا قیام بھی مکہ کا ہی قیام مانا جائے گا، اور اگر آٹھویں ذی الحجہ کو لے کر بھی پندرہ دن نہیں ملتے تو اسے مسافر کہا جائے گا، اس لئے کہ پھر اسے عرفات جانا ہے جو الگ ایک بستی ہے۔

وإذا كان أحد الموضعين تبعا للآخر بأن نوى الإقامة في المصر وفي موضع آخر تبع لها وهو ما يلزم ساكنه حضور الجمعة يصير بينهما كأنهما مكان واحد.

(پھر جب ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے تابع ہو اس طور کہ مصر میں اقامت کی نیت کرے اور ایسی جگہ میں جو اس کے تابع ہو اور وہ ایسی جگہ ہو کہ اس کے رہنے والوں پر جمعہ میں حاضر ہونا لازم ہو تو وہ مقیم ہو جائے گا اس لئے کہ وہ دونوں ایک جگہ ہے (عینی شرح ہدایہ ۱/۹۷۵)۔

یعنی اگر کوئی مسافر ایسی دو جگہوں پر رہنے کی نیت کرتا ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کے تابع ہے اور اس کی نیت پندرہ دن کی دونوں جگہوں کو شامل کر کے ہے تو وہ مقیم سمجھا جائے گا۔

۱۳۔ یہ مسئلہ اس قاعدہ پر منحصر ہے کہ کسی حنفی کا کسی شافعی مذہب امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر مولانا عبدالحی صاحبؒ نے ہدایہ کے حاشیہ پر تفصیلی گفتگو کی ہے، نیز علامہ شامی حنفی نے بھی اس پر سیر حاصل بحث کی ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہدایہ ۱/۱۲۶، نیز شامی ۱/۱۲۵)۔

اس مسئلہ میں خود احناف کے مابین مختلف اقوال ملتے ہیں کہ اقتداء اور امامت میں کس کا اعتبار کیا جائے گا، مقتدی کے اعتقاد کا یا امام کے اعتقاد کا۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"وظاهر الهداية أن الاعتبار لاعتقاد المقتدي ولا اعتبار لاعتقاد الإمام"

اور ہدایہ کی ظاہر عبارت سے یہ کہ مقتدی کا اعتقاد معتبر ہے امام کے اعتقاد کا کوئی اعتبار نہیں ہے (شامی ۱/۴۲۵)۔

اسی قاعدہ کو سامنے رکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر امام دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتا تو ایسے امام کی اقتداء صحیح ہے اور اگر دو رکعت پر سلام پھیر کر پھر تیسری رکعت کے لئے اٹھتا ہے تو ایسے امام کی اقتداء درست نہیں۔

ابوبکر رازی کا بھی قول نقل کیا ہے کہ اگر چہ امام دو رکعت پر سلام پھیرتا ہے پھر تیسر . . . ت کے لئے کھڑا ہوتا ہے کسی حنفی کا اس کی اقتداء کرنا درست ہے (شامی ۱/۴۲۵)۔

اس سلسلہ میں انہوں نے پہلے ایک بات لکھی ہے جو ان الفاظ میں ہے:

والذي يميل إليه القلب عدم كراهة الاقتداء بالمخالف ما لم يكن غير مراع في الفرائض لأن كثيرا

من الصحابة والتابعين كانوا أئمة مجتهدين وهم يصلون خلف إمام واحد مع تباين مذاهبهم

(اور وہ بات جس کی طرف دل کا میلان ہوتا ہے وہ مخالف کی اقتدا کا مکروہ ہونا ہے جب تک وہ فرائض میں رعایت کرنے والا ہو کیوں کہ بہت سارے صحابہ اور تابعین جو کہ ائمہ مجتہدین تھے وہ لوگ ایک امام کے پیچھے اختلاف مذاہب کے باوجود نماز پڑھتے تھے) (شامی ۱/۵۶۳)۔

ظاہر ہے کہ حضور ﷺ سے وتر میں دو رکعت پر سلام پھیرنا ثابت ہے، لہذا ایسے امام کی اقتدا کرنا درست ہے جو دو رکعت پر سلام پھیر کر پھر تیسری رکعت پڑھتا ہے۔

عن عائشة قالت: كان رسول الله ﷺ يسلم في كل ثنتين ويوتر بواحدة.

(حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ ہر دو رکعت میں سلام پھیرتے تھے اور ایک رکعت ملا کر وتر بنا دیتے) (سنن ابن ماجہ، باب ما جاء فی الوتر برکعۃ)۔

خلاصہ مسائل حج و عمرہ

۱۔ میقات سے بغیر احرام تجاوز کرنا:

(۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آفاقی کیلئے بلا احرام میقات سے تجاوز کرنا درست نہیں ہے، ہر وہ شخص جو میقات سے آگے بڑھنا چاہے اس پر احرام واجب ہے خواہ وہ کسی بھی مقصد سے مکہ مکرمہ جا رہا ہو۔

(۲) حضرت امام مالک و امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک بھی واجب ہے، البتہ وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جنہیں کسی ضرورت کی بناء پر بار بار آمد و رفت کی ضرورت محسوس ہوتی ہو۔

(۳) امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک احرام صرف اس شخص پر واجب ہے جو حج یا عمرہ کے ارادے سے مکہ مکرمہ جا رہا ہو البتہ ان کے یہاں بھی میقات سے آگے بڑھنے والے کے لئے بھی عموماً احرام مستحب ہے۔

۲۔ موجودہ دور میں جب کہ ضروریات بڑھ گئی ہیں، وسائل آمد و رفت کی سہولت ہو گئی ہے بسا اوقات دن میں کئی مرتبہ مکہ مکرمہ آنے اور جانے کا اتفاق ہوتا ہے، ظاہر ہے ایسے لوگوں پر ہر ہر مرتبہ احرام لازم کرنا ان کو تنگی میں مبتلا کرنا ہے۔

دوسری طرف حرم مکی کا تقدس و احترام بھی لازم ہے، اس لئے بدرجہ مجبوری ان حضرات کے لئے جو ایسے پیشے یا ایسی ضروریات سے منسلک ہوں کہ بغیر دخول مکہ وہ پوری نہ ہو سکیں اور بار بار مکہ مکرمہ آنا جانا پڑے اور ہر مرتبہ احرام لازم کرنے میں ناقابل برداشت حرج اور تنگی ہو تو ایسے حضرات کے لئے جب کہ وہ حج یا عمرہ کا ارادہ نہ رکھتے ہوں بلا احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی رخصت ہونی چاہئے۔

موجودہ دور میں وسائل کی فراوانی کے سبب تجارتی ضروریات تو بغیر سفر کی پوری ہو جاتی ہیں اس لئے تاجروں کے لئے یہ رخصت مناسب نہیں معلوم ہوتی۔

۳۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مکہ مکرمہ میں مقیم حضرات کے لئے تمتع کرنا جائز ہے، جب کہ امام مالک رحمہ اللہ اسے مکروہ فرماتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مکی کے لئے تمتع یا قران کی اجازت نہیں ہے، پھر بھی اگر یہ لوگ تمتع یا قران کرتے ہیں تو وہ صحیح ہوگا، البتہ اس ممنوع کے ارتکاب کی وجہ سے یہ لوگ گنہگار ہوں گے اور دم جبر لازم ہوگا۔

۴۔ حج اسلام کا ایک رکن عظیم ہے اور اس کے فضائل، ثواب بہت ہیں، پھر وہ عمر میں صرف ایک بار ہی فرض ہے جو لوگ مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں، انہیں بیت اللہ کا جوار حاصل ہے، اشہر حج کے علاوہ پورا سال عمرہ کے لئے حاصل ہے، اس لئے جس سال انہیں حج فرض ادا کرنا ہو وہ دنیاوی منافع پر حج کے ثواب کو ترجیح دیتے ہوئے اس سال اشہر حج میں مکہ سے باہر جانے سے احتیاط کریں، اور ایک سال اپنی تجارت وغیرہ کا نقصان برداشت کریں یا اس کا کوئی دوسرا نظم کریں، آخر وہ وہ لوگ جو دوسرے ممالک سے حج کے لئے جاتے ہیں کچھ نہ کچھ دنیاوی نقصان کر کے ہی تو جاتے ہیں، دین میں یسر و آسانی کا یہ مطلب تو نہیں کہ مسائل دین کو دنیاوی نظم کے مطابق بنایا جانے لگے۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کرسکتا ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں، البتہ اسے اتنا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اگر پہلے حلق کرایا ہے تو سر کے بال ظاہر ہو جائیں تب دوسرا عمرہ کرے، حضرت انسؓ کا عمل یہی تھا۔

۶۔ (الف) محض بھیڑ وازدحام کے خوف اور آرام پسندی کی وجہ سے رمی جمرات کے لئے کسی کو نائب بنانا درست نہیں ہے، اگر چہ فی نفسہ رمی جمرات میں نیابت معتبر ہے۔

(ب) رمی جمرات میں نیابت صرف ان حضرات کے لئے درست ہے جو کسی طرح سے جمرات تک نہیں پہونچ سکتے اپنے مرض یا کمزوری کی وجہ سے اور کوئی شخص انہیں وہاں تک لے جانے والا بھی نہ ہو اور اس عذر کی حد یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ شخص کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو ایسے شخص کے لئے رمی جمرات میں کسی کو نائب بنانا درست ہے، اور اگر وہ اس لائق ہے کہ کسی بھی طرح جمرات تک پہونچ جائے اور اس کے ہاتھوں میں کنکری رکھدی جائے اور وہ کنکری پھینک سکے تو اس کے لئے کسی کو نائب بنانا درست نہیں ہے۔

اسی طرح بے ہوش، مجنون اور بچے کی طرف سے کسی دوسرے کا رمی کرنا درست ہے، خواہ مخواہ عورتوں کی طرف سے کسی اور کا رمی کرنا کافی نہیں ہوگا۔

۷۔ ایسے حضرات جو بغیر حکومت کی اجازت کے سفر حج یا عمرہ کے لئے نکل پڑیں اور پھر راستہ میں روک لئے جائیں تو یہ حضرات محصر کے حکم میں ہوں گے، کیوں کہ منع سلطان بھی احصار کے اسباب میں سے ہے، لہذا ان لوگوں پر محصر کے احکام نافذ ہوں گے۔

اور محصر کا حکم یہ ہے کہ یا تو وہ احصار کے زائل ہونے کا انتظار کرے اور زوال مانع کے بعد اپنے احرام کے

مطابق حج یا عمرہ کرے۔

اور اگر انتظار میں وقت ہے اور اس نے صرف حج یا صرف عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہے تو کسی شخص کو ایک دم (بکرا) یا اس کی قیمت دے کر حرم بھیج دے اور اس سے تاریخ دن اور وقت کا تعین کرے کہ فلاں دن فلاں وقت وہ اس جانور کو حدود حرم میں ذبح کرے اس متعینہ وقت پر جانور کے ذبح کے بعد وہ احرام سے نکل جائے گا، اسے حلق یا قصر کرانا ضروری نہیں ہے۔

اور اگر اس نے قران کا احرام باندھا ہے تو اسے دو دم بھیجنا ہوگا، واضح ہو کہ اس جانور کا ایام نحر میں ذبح کرنا ضروری نہیں ہے، اس سے پہلے بھی ذبح کیا جاسکتا ہے۔

۸۔ علماء احناف میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک متمتع اور قارن کے لئے، رمی، حلق اور ذبح کے درمیان ترتیب واجب ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ترتیب مسنون ہے۔

دیگر ائمہ متبوعین میں سے امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ بھی اس ترتیب کے مسنون ہونے کے قائل ہیں، جب کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تقدیم رمی واجب ہے۔

دور حاضر میں حجاج کرام کے لئے اس ترتیب پر عمل بڑا دشوار گذار ہے، عام طور پر لوگ قربانی کا نظم کرنے والے اداروں کے ذریعہ قربانی کراتے ہیں جو ان امور کے درمیان وجوب ترتیب کے قائل نہیں ہوتے، اور ہر حاجی کے لئے خود مذبح جاکر قربانی کرنا بڑی دقت اور دشواری کا باعث ہے۔

ادھر حجۃ الوداع میں صحابہ کرام سے ان امور کی ترتیب میں تقدیم وتاخیر ہوئی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا کہ میں نے فلاں کام فلاں کام سے پہلے کرلیا اور فلاں کام فلاں کام کے بعد کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "لا حرج" آپ ﷺ کے اس قول کو بعض علماء نے صرف نفی اثم پر محمول کیا ہے اور بعض نے نفی اثم اور نفی فدیہ دونوں پر، لیکن نفی اثم پر تو سبھی کا اتفاق ہے۔

لہٰذا موجودہ دور میں اگر یہ صورت پیش آئے اور متمتع یا قارن کو اس بات کا علم ہو جائے کہ اس کی ترتیب میں خلل ہو گیا ہے اور اسے وسعت ہے کہ افضل اور راجح پر عمل کرتے ہوئے اسے ایک دم دیدینا چاہئے، یہ اس کے لئے بہتر ہوگا۔

اور اگر وسعت نہیں ہے تو انشاء اللہ اس کے حج میں کسی طرح کا فساد یا کراہت نہیں آئے گی اور اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ مواخذہ نہیں فرمائیں گے کہ نفی اثم پر جمیع علماء کا اتفاق ہے۔

۹۔ آج عام طور پر لوگ حج تمتع ہی کرتے ہیں اور موجودہ وقت میں کسی سے یہ کہنا کہ جاؤ فلاں کی طرف سے حج کرو، یہ اسی پر محمول ہوتا ہے جو کثرت سے رائج ہے، اس لئے موجودہ وقت میں کسی کو حج بدل کے لئے بھیجنا عرفاً حج تمتع متصور ہوگا۔

(الف) راجح یہی ہے اور اکثر علماء احناف کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت

سے حج تمتع کر سکتا ہے۔

(ب) حج بدل کرنے والے کو چاہئے کہ اس سلسلہ میں آمر سے صراحۃً اجازت حاصل کر لے لیکن اگر اس نے صراحۃً اجازت حاصل نہیں کی اور آمر نے بھی کوئی صراحت نہیں کی اور مطلقاً حج کے لئے کہا تو عرفاً یہ حج تمتع کے لئے اجازت متصور ہونی چاہئے۔

(ج) ظن غالب پر عمل کرتے ہوئے تمتع کر سکتا ہے۔

(د) حج بدل میں جانے والا تمتع یا قارن ہو تو دم تمتع یا قران اپنے مال سے دے گا آمر کے مال سے دینا جائز نہیں البتہ اگر آمر اس کی اجازت دیدیتا ہے کہ دم تمتع یا قران بھی اسی کے مال سے دیدینے تو دے سکتا ہے۔

موجودہ دور میں کسی کو حج بدل کے لئے بھیجا جائے تو دم تمتع یا قران کی اجازت بھی متصور ہوگا جیسا کہ مفتی رشید احمد کا فتویٰ مذکور ہے صراحۃً اجازت حاصل کر لینا بہتر ہے اور حج بدل کرنے والے کو دیانتداری سے خرچ کرنا چاہئے۔

(ہ) حج تمتع کر سکتا ہے اس لئے مذکورہ پریشانی کا حل تو نکل ہی آیا۔

(و) میت کی طرف سے جو ورثہ حج کراتے ہیں وہ ان کی طرف سے تبرع ہوتا ہے اس لئے اگر ورثہ اجازت دیدیں تو میت کی طرف سے تمتع کیا جا سکتا ہے۔

۱۵۔ ایک عورت جو حیض یا نفاس کی وجہ سے طواف زیارت نہ کر سکی اور اس کے ساتھ ایسی مجبوریاں ہیں کہ وہ انقطاع حیض یا نفاس تک مکہ مکرمہ میں ٹھہر کر انتظار بھی نہیں کر سکتی کہ وہ پاک ہو کر طواف زیارت کرے اور دوبارہ وطن سے واپسی بھی مشکل ہو عدم استطاعت یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے۔

(الف) تو ایسی عورت بوجہ مجبوری ناپاکی کی حالت ہی میں طواف زیارت کرے لیکن یہ یاد رہے کہ حالت جنابت یا حالت حیض ونفاس میں مسجد حرام میں داخل ہونا سخت گناہ ہے اس لئے حتی الامکان یہی کوشش رہے کہ ناپاکی کی حالت میں مسجد حرام میں داخل نہ ہو اور ہر ممکن تدابیر کی جائیں کہ طواف زیارت پاکی کی حالت میں ہی ہو حتی کہ اگر وطن سے دوبارہ آنا آسان ہو تو طہارت کی حالت میں ہی طواف زیارت کرے۔

(ب) ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرنے سے رکن ادا ہو جائے گا اس لئے کہ احناف کے نزدیک طواف کے لئے طہارت شرط نہیں ہے البتہ حالت ناپاکی میں طواف کرنے کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔

(ج) حالت جنابت یا حالت حیض ونفاس میں طواف کرنے سے جو دم لازم آتا ہے اس میں بدنہ ذبح کرنا ضروری ہے شاۃ یعنی بکری سے کام نہیں چلے گا۔

(د) اس دم کی ادائیگی حدودِ حرم میں ضروری ہے۔ حدودِ حرم سے باہر ذبح کرنا کافی نہیں ہوگا، نیز اگر دوبارہ حالت طہارت میں طواف کا اعادہ کرلیا جائے تو یہ دم ساقط ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ دوران سفر حج یا عمرہ اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اگر وہ ایسی جگہ ہے کہ اس کا وطن وہاں سے تین دن کی مسافت سے کم ہے تو اسے اپنے وطن واپس لوٹ کر اپنے شوہر کے گھر عدت گذارنی چاہئے ایسی حالت میں وہ محصر ہوگی اور محصر کے احکام اس پر لاگو ہوں گے۔ اور اگر اس کا وطن سفر شرعی کی مسافت یا اس سے زیادہ ہے اور مکہ مکرمہ مسافت شرعی سے کم ہے تو وہ اپنے حج یا عمرہ کو پورا کرے گی۔

اور اگر اس کا وطن نیز مکہ مکرمہ دونوں مسافت شرعی سے زیادہ پر واقع ہیں اور ایسی جگہ ہے کہ وہاں رک کر عدت گذار سکے تو اسے اس مقام پر عدت گذارنا چاہئے ورنہ پھر اسے اختیار ہے چاہے تو اپنے وطن واپس لوٹ آئے اور چاہے تو مکہ مکرمہ جا کر حج یا عمرہ کو پورا کرے۔

۱۲۔ آج جب کہ مکہ مکرمہ کی آبادی پھیلتے پھیلتے منیٰ کی حدود سے جا لگی ہے اور منیٰ مکہ مکرمہ شہر کے تابع ہو گیا ہے، اس حالت میں اگر کوئی حاجی ایسے وقت مکہ مکرمہ پہنچتا ہے کہ یوم ترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ تک بھی اس کے پندرہ دن پورے نہیں ہوتے تو وہ مسافر ہی رہے گا اور اگر مذکورہ مدت تک مدت اقامت پوری ہو جاتی ہے تو وہ مقیم ہوگا۔

۱۳۔ ایسی حالت میں جب کہ امام کسی اور فقہی مسلک پر عامل ہو اور مقتدی حنفی ہو تو وتر کی صحت اقتداء کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ آیا مقتدی کے اعتقاد کا اعتبار ہوگا یا امام کے اعتقاد کا لیکن راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ان مسائل کے بارے میں صحابہ کرام کے مابین خود اختلاف تھا اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اس لئے ترک جماعت سے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے امام کے پیچھے وتر کی نماز با جماعت پڑھ لی جائے جو اگرچہ دو رکعت پر سلام پھیر دیتا ہو اور پھر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوتا ہو۔

جب رسول اللہ ﷺ سے فصل کے ساتھ تین رکعت وتر پڑھنا ثابت ہے تو کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ وتر کی نوعیت میں اس سلام کو فاصل نہ مانا جائے اور یہ وتر کا ایک مخصوص طریقہ ہو۔

☆☆☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند اہم گوشے

اخلاق الرحمٰن قاسمی
جامعہ اکل کوا۔ مہاراشٹرا

دور حاضر میں حجاز مقدس کی تجارتی اہمیت، حجاج کی بے پناہ کثرت، ویزا اور ٹکٹ وغیرہ کی قانونی پابندیوں نے مختلف مسائل پیدا کر دیے ہیں آج ہم انہی مسائل کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں اللہ ہی سے درستگی کے امیدوار ہیں اور اللہ ہی بہترین مدد کرنے والا ہے۔

۱۔ اہل حل کا بغیر احرام مکۃ المکرمہ میں داخل ہوتے رہنا:

حدود حرم سے باہر حدود میقات کے اندر رہنے والے کو اہل حل کہا جاتا ہے، یہ لوگ اگر حج وعمرہ کے ارادہ کے بغیر کسی اور مقصد کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہو جائیں تو احرام باندھ کر لازم نہیں بلکہ بغیر احرام داخل ہو جانا جائز ہے۔ (ایضاح المناسک بحوالہ تاتارخانیہ ۲/۱۷۵)۔

لہذا جدہ وغیرہ والوں کے لئے بغیر احرام اپنی ضروریات کے لئے بار بار مکہ میں جاتے رہنا جائز ہوگا، کیونکہ اگر ہر بار آمد ورفت کی بنا پر احرام کی پابندی عائد کر دی جائے تو مشقت کو دعوت دینا ہوا جبکہ شریعت تو مشقت کے وقت تیسیر کی راہ تلاش ہے۔

الحرج شرعا مرفوع. ومن فروعه ما قرروه من أنه - إذا ضاق الأمر اتسع۔ (اصول الفقہ ۲۰۹، عبد الوہاب خلاف)۔

۲۔ بار بار میقات سے باہر کاروبار کے لئے جانے والے مکی:

جب اہل مکہ اور حدود حرم کا رہنے والا میقات سے باہر تجاوز کرے گا تو واپسی میں اگر داخل حرم میں داخل ہونے کا ارادہ ہے اور حدود حل میں رکنے کا ارادہ نہیں ہے تو حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک میقات سے احرام باندھ کر جانا واجب ہے ورنہ ایک دم واجب ہوگا، چاہے وہ بار بار کا آنا جانا کیوں نہ ہو (شامی ۲/۱۸۸، ۴۷۲) لیکن حضرت امام شافعی کے نزدیک اگر اس نے حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں کیا تو اس پر احرام باندھنا لازم نہیں ہے (تاتارخانیہ ۲/۷۵، بدائع ۲/۱۶۴)۔

لیکن اگر اہل مکہ میں سے کسی شخص کو اپنی تجارت اور کاروبار کی غرض سے بار بار میقات سے باہر آنا جانا پڑتا ہے اور ہر بار احرام باندھنے میں مشقت اور دشواری میں مبتلا ہو جانا واضح بات ہے تو ایسی صورتوں میں تیسیر کی راہ اپناتے ہوئے اور مشقت سے بچتے ہوئے اور ضابطہ شرعیہ "المشقۃ تجلب التیسیر" کے تحت حضرت امام شافعی کے مسلک کو اختیار کیا جا سکتا ہے کیونکہ شدید حاجت اور مشقت کی وجہ سے کسی بھی مسئلہ میں علماء کے مشورہ سے اپنے مذہب سے عدول کر کے غیر کے مذہب کو اختیار کر لینا جائز ہو جاتا ہے، حضرت تھانویؒ نے الحیلۃ الناجزہ ۱۵ میں اس کی صراحت

فرمائی ہے، اسی طرح ایضاح المناسک میں بھی ہے (ص ر۱۹۰)۔

چھٹا فقہی اجتماع ادارہ مباحث فقہیہ جمعیت علماء ہند۔ منعقدہ دیوبند ۲۹ ر۱۹ ر۱۸ ار ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۶ ر۲۷ ر۲۸ ر مارچ ۱۹۹۷ء نے بھی رفع حرج کے پیش نظر بغیر احرام داخل ہونے کی گنجائش بتلائی ہے (بحث و نظر شمارہ ۳۲ جلد ۸) جو اس طرح ہے:

جو لوگ حدود میقات سے باہر رہتے ہیں، اسی طرح وہ اہل مکہ (زادہا اللہ شرفا) جو بغرض تجارت یا ملازمت کسی مجبوری میں حدود میقات سے باہر بار بار آتے جاتے ہوں، تو ایسے لوگوں کا اصل حکم تو یہی ہے کہ جب بھی یہ لوگ حدود میقات سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی نیت سے میقات سے آگے بڑھیں تو ان پر حج یا عمرے کا احرام لازم ہے، لیکن ڈرائیور اور تجارتی اغراض سے روزمرہ آنے جانے والوں کے لئے ہر بار احرام میں حرج و مشقت ہے، اس لئے رفع حرج اور دفع مشقت کے لئے امام شافعی کے قول کے مطابق بغیر احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی گنجائش ہے۔

۳۔ اہل مکہ کا اشہر حج میں عمرہ کرنا:

اہل مکہ کے لئے اشہر حج میں بار بار عمرہ کرنا بلا کراہت جائز ہے، اور پورے سال میں صرف پانچ دن عمرہ کرنا مکروہ ہے یعنی نویں ذی الحجہ سے تیرہویں ذی الحجہ تک، اور ان پانچ دن کے علاوہ باقی سال کے تمام ایام میں مکی اور غیر مکی سب کے لئے بلا تفریق جائز اور درست ہے، لأن العمرة جائزة في جميع السنة بلا كراهة إلا في خمسة أيام لا فرق في ذلك بين المكي والآفاقي (ایضاح المناسک ر۱۱۰، بحوالہ غنیۃ الناسک رص ۱۱۵) یعنی مکی کے لئے اسی طرح غیر مکی کے لئے تمتع اور قران کی گنجائش ہے۔

۴۔ حج کا ارادہ رکھنے والے اہل مکہ کا حج شروع ہونے کے بعد میقات سے باہر جانا:

جو حضرات ائمہ مکی کے لئے تمتع و قران کو جائز نہیں کہتے اور اسی کے ساتھ ساتھ میقات کے باہر سے مکہ مکرمہ جانے والے ہر شخص کے لئے (خواہ اس کی نیت حج و عمرہ کی نہ ہو) میقات سے احرام باندھ کر داخل ہونا لازم قرار دیتے ہیں ان کے مسلک کے اعتبار سے یہ دشواری پیش آتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں مقیم جو حضرات حج کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر وہ اپنی کسی ضرورت سے اشہر حرم میں حدود میقات سے باہر گئے، پھر مکہ مکرمہ میں واپس ہونے لگے، اگر وہ احرام باندھے بغیر میقات کے اندر داخل ہوئے تو انہیں بلا احرام میقات سے تجاوز کرنے کی وجہ سے دم دینا پڑے گا، اور اگر احرام کے ساتھ میقات میں داخل ہوئے تو احرام سے حلال ہونے کے لئے انہیں ارکان عمرہ ادا کرنے ہوں گے، اور اسی سال حج کرنے کی صورت میں تمتع کرنے کی وجہ سے دم جنایت لازم ہوگا، اور ایک ممنوع صورت کا ارتکاب ہوگا۔

لأن الجمع بينهما في حق المكي غير مشروع (ہدایہ ۲۹۰/۲)۔

لہذا اس صورت حال سے بچنے کے لئے حج کا ارادہ رکھنے والے اہل مکہ کو پابند کرنا کہ اشہر حج شروع ہونے کے بعد میقات سے باہر نہ جائیں تنگی اور دشواری کی بات ہے کیونکہ اشہر حج کا عرصہ خاصا طویل ہے اور اہل مکہ مختلف ضرورتوں کی بنا پر میقات کے باہر جانے پر مجبور ہوتے ہیں، ایسی صورت میں حضرت امام شافعی کے قول کو اختیار کرنے

کی رفع حرج اور دفع مشقت کے پیش نظر گنجائش ملتی ہے۔

المشقة تجلب التيسير، الحرج شرعاً مرفوع ومن فروعه إذا ضاق الأمر اتسع. (اصول الفقہ عبدالوہاب خلاف رص ۲۰۹)۔

۵۔ آفاقی کا احرام حج باندھنے سے پہلے بار بار عمرہ کرنا:

صرف پانچ دنوں میں یعنی نویں ذی الحجہ سے تیرہویں ذی الحجہ تک عمرہ مکروہ ہے، باقی دنوں میں بلا تفریق کمی، آفاقی ہر ایک کے لئے بلا کراہت درست ہے۔

لأن العمرة جائزة بلا كراهة إلا في خمسة أيام لا فرق بين ذلك بين المكي والآفاقي (غنیۃ المناسک رص ۱۱۵) نمبر ۳ کے ذیل میں بھی اس بارے میں بات آچکی ہے۔ (ایضاح المناسک)۔

۶۔ رمی جمرات میں نیابت:

قدرت ہوتے ہوئے نیابت درست نہیں ہے، اور جب ایسا عذر لاحق ہو کہ جو عذر رمی جمرات سے مانع ہو تو ایسی صورت میں نیابت جائز اور درست ہے، لہذا ایسے مریض، کمزور، بوڑھے اور اپاہج کی طرف سے رمی جمرات میں نیابت جائز ہے جو از خود جمرات تک پہنچ کر رمی کی قدرت نہ رکھتے ہوں، اور رمی کرنے والا نائب ان کی طرف سے بوقت رمی، رمی کی نیت کرے گا، البتہ اپنی طرف سے رمی پہلے کرلے اس کے بعد دوسرے کی طرف سے کرے۔

أن يرمي بنفسه فلا تجوز النيابة فيه عند القدرة وتجوز عند العذر فلو رمى عن مريض أو بغيره عند عجزه عن الرمي بنفسه كالمريض (بدائع ۲ر ۱۳۷، غنیۃ المناسک رص ۱۰۰، ایضاح المناسک رص ۱۵۸)۔

ضابطہ شرعیہ "المشقة تجلب التیسیر" کے فروعات میں وہ تمام رخص شرعیہ آتے ہیں جن سے شارع کا مقصود مکلف کے لئے تخفیف و ترفیہ اور رافت و رحمت ہوتی ہے اور جن اسباب کے وقوع سے تخفیفات کے احکام جاری ہوتے ہیں من جملہ ان میں ایک مرض بھی ہے، لہذا اس اصول اور ضابطہ کی روشنی میں بھی مریض و معذورین کے لئے رمی جمرات کی نیابت کی اجازت ثابت ہوتی ہے۔ (اصول الفقہ عبدالوہاب خلاف رص ۲۰۹)۔

۷۔ زائرین حرم کے لئے احرام کے بعد موانع اور رکاوٹیں:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حاج اور زائرین حرمین شریفین احرام باندھنے کے بعد رکاوٹوں اور موانع اور اعذار کے پیش آنے کی وجہ سے زیارت حرم سے محروم ہو جاتے ہیں، یہ موانع کبھی مرض وغیرہ کے سبب ہوا کرتے ہیں اور کبھی دوسروں کے بیجا مداخلت کے نتیجے میں، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع سے آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ کرام کو کفار نے مذہبی عناد کے باعث عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ نے اس احصار و مانع کے پیش آنے کے بعد احرام کو ختم اس طرح کیا کہ جو ہدی اپنے ہمراہ لے گئے تھے ذبح فرمایا اور ذبح کرنے کا حکم فرمایا اور اس طرح حلال ہوئے اور آئندہ سال عمرۃ القضا کیا۔ احصار کے بارے میں حضرت حجاج ابن عمرو انصاری بیان فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من کسر أو عرج فقد حل وعلیہ الحج من قابل، انہی سے دوسری روایت میں "أو مرض" کے اضافے کے ساتھ ہے۔

علامہ عینی نے حصر کی حقیقت پر روشنی اس طرح ڈالی ہے:

اختلف العلماء في الحصر بأي شيء يكون وبأي معنى يكون فقال قوم يكون الحصر بكل حابس من مرض أو عدو أو كسر أو ذهاب نفقة ونحوها مما يحصره ويمنعه عن المضي إلى البيت وهو قول أبي حنيفة وأصحابه وروي ذلك عن ابن عباس وابن مسعود وزيد بن ثابت وقال آخرون وهم الليث بن سعد ومالك وأحمد وإسحاق لا يكون الإحصار إلا بالعدو فقط ولا يكون بالمرض (عینی شرح بخاری حاشیہ ابوداؤد ۱؍۲۵۷)۔

اس وضاحت کے بعد یہ واضح رہے کہ ان دنوں جو سعودی عرب میں رہنے والے غیر ملکیوں کے لئے بھی حج کرنے کے لئے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے، بعض لوگ جو حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں اور قانون کی خلاف ورزی کرنے کے نتیجے میں حکومت کی پکڑ دھکڑ میں آ جاتے ہیں اور واپس بھیج دیئے جاتے ہیں، محصر شمار کئے جائیں گے اور حلال ہونے کے لئے ہدی ارسال کرنا ہوگی، اور آئندہ حکومت کی اجازت ملنے پر حج یا عمرہ کا اعادہ لازم ہوگا، مذکورہ صورت میں محصر ہونا حضرات احناف کے یہاں ہے، دوسرے مسالک کے علماء صرف ایک صورت کے پائے جانے پر محصر ہونا مانتے ہیں یعنی دشمن کا خوف، لہذا ان کے یہاں مذکورہ صورت میں گرفتار شدہ لوگ محصر نہیں ہوں گے، لیکن موجودہ صورت حال میں مالکیہ اور احمدیہ مسلک کے علماء کو بھی احناف کے قول کے اختیار کئے بغیر چارہ کار نہیں ہے جس کی وجہ ظاہر ہے۔

۸- رمی، ذبح اور حلق میں ترتیب:

حج کے ۲۲ واجبات ایسے ہیں جن کے ترک سے دم لازم آتا ہے ان میں رمی، ذبح اور حلق بھی ہیں، ان میں ترتیب کو احناف کے مفتی بہ قول کے مطابق واجب بتایا گیا ہے، یعنی رمی اولاً، ثانیاً ذبح، ثم حلق، (شامی ۲؍۲۹۰، فتح القدیر ۲؍۵۹)، لہذا ان میں اگر ترتیب کو باقی نہیں رکھا گیا تو دم دینا ضروری ہوگا، لیکن حضرات صاحبین کے نزدیک ترتیب کے ترک سے دم لازم نہ ہوگا، کیونکہ ترتیب ان کے یہاں سنت ہے (اور سنت کے ترک سے دم واجب نہیں ہوتا بلکہ واجب کے ترک سے ہوتا ہے) (در مختار ۱؍۲۴۰)۔

دور حاضر میں اس ترتیب کی رعایت میں دشواری یہ ہے کہ حجاج کے بے پناہ اژدحام، موسم کی شدت، قیام گاہ اور مذبح میں کافی دوری ہونے اور سواری نہ ملنے کی وجہ سے حجاج کے لئے خصوصاً ضعیف و معذور حجاج کے لئے خود مذبح جا کر قربانی کرنا انتہائی مشکل ہو گیا ہے، اس لئے حجاج عام طور سے قربانی کی رقم ان اداروں کے حوالہ کر دیتے ہیں جو حجاج کی طرف سے نیابۃً قربانی کا نظم کرتے ہیں، اور حکومت کی طرف سے اس کے مجاز ہیں، قربانی کا نظم کرنے والے ان ذمہ داروں کے مسلک میں ترتیب واجب نہیں اس لئے ترتیب کا اہتمام بھی نہیں کرتے۔ اس لئے

مزاج شریعت کے مطابق یسر و سہولت کا پہلو اختیار کرتے ہوئے اور حرج سے بچنے کی خاطر ان پریشان کن اعذار کے پیش نظر ضابطہ شرعیہ ''المشقۃ تجلب التیسیر'' (اصول الفقہ عبدالوہاب خلاف رص ۲۰۹) کے مطابق ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو دوسرے ائمہ کے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش ملتی ہے، اسی طرح صاحبین کے قول یعنی احناف کے قول مرجوح پر عمل کی گنجائش ہے۔

چھٹا فقہی اجتماع کے تجویز نمبر ۳ کی عبارت بھی اسی طرح ہے:

''آج کل حجاج کے ازدحام یا دیگر پریشان کن اعذار کے پیش نظر اگر ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو صاحبین کے قول پر عمل کی گنجائش ہے'' (بحث ونظر شمارہ ۳۲۔ جلد ۸ صفحہ ۱۰۵)۔

۹۔ حج بدل میں تمتع یا قران:

حج بدل میں صرف حج افراد کرنے کی اجازت ہوتی ہے، البتہ اگر آمر اجازت دیدے تو حج تمتع یا حج قران بھی کر سکتا ہے (ایضاح المناسک رص ۲۷۱ بحوالہ جواہر الفقہ ۱؍۵۱۳،۵۱۳) اور دم شکر حج کرنے والے مامور کے مال میں سے لازم ہوگا، لیکن آمر اپنی خوشی سے اگر دم شکر کی قیمت ادا کردے تو جائز ہے، اور اس زمانہ میں عرف یہی ہے کہ دم شکر آمر کی طرف سے دینے کی اجازت ہوتی ہے، اس لئے صراحۃً اجازت کی ضرورت نہیں، پھر بھی بہتر یہی ہے کہ صراحت سے اجازت حاصل کرلی جائے (ایضاح المناسک رص ۲۷۱ بحوالہ احسن الفتاوی ۴؍۵۲۳)۔

باقی اگر تحقیق سے آمر کے حال کا علم ہو جائے کہ ان کی طرف سے اجازت تمتع کی نہیں ہے تو ماموری پر دم تمتع لازم ہوگا، اور دربار حج مَن لیست کی صورت میں تمتع کا مسئلہ تو عرفاً اجازت مَن لیست بھی جائے گی اور بہتر یہی ہے کہ مامور خود ادا کرے۔

۱۰۔ حالت حیض میں طواف زیارت:

اگر طواف زیارت سے قبل کسی عورت کو حیض آجائے تو اس پر ایسی تدبیر اختیار کرنا ضروری ہے جس سے وہ پاک ہونے کے بعد طواف زیارت کرنے کے بعد مکہ مکرمہ سے واپس ہو سکے جیسے ٹکٹ یا ویزا کی تاریخ بڑھانا، یا حج کمیٹی سے روانگی کو مؤخر کرانا وغیرہ، اور اگر کوئی ایسی صورت ممکن نہ ہو سکے اور دوبارہ وطن سے واپسی بھی مشکل ہو اور وہ حالت حیض ہی میں طواف زیارت کرلے تو اگرچہ وہ گنہگار ہوگی لیکن اس کا یہ طواف زیارت شرعاً معتبر ہو جائے گا اور وہ پوری طرح حلال ہو جائے گی مگر اس پر ایک بدنہ (بڑے جانور) کی قربانی جنایت میں لازم ہوگی، اور اگر قربانی نہیں کی جاسکی اور وہ کسی بھی موقع پر طواف زیارت کا اعادہ کرلے تو بدنہ کا وجوب اس سے ساقط ہو جائے گا (چھٹا فقہی اجتماع۔ دیوبند تجویز نمبر ۵، بحث ونظر صفحہ ۱۰۵ شمارہ ۳۲ جلد ۸) جنایت میں جو قربانی لازم ہوگی اس کا حرم مکہ میں ذبح کرنا ضروری ہوگا پھر یہ کہ ایام نحر کے اندر قربانی ضروری ہے اگر ایام نحر کے باہر کیا تو دوہری جنایت ہوئی لہذا دوہری قربانی کرنی ہوگی (ایضاح المناسک رص ۱۹۴ بحوالہ شرح لباب ۱؍۲۱۲، مرقات ۵؍۳۳۳) اور جنایت کے نتیجہ میں جو بدنہ (یعنی ایک بڑا جانور گائے، بھینس یا اونٹ) ہوتا ہے اس کے لئے حدود حرم تو ضروری ہے لیکن موسم حج کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ کسی بھی زمانہ میں

اس کی قربانی کی جا سکتی ہے۔ (ایضاح المناسک رص ۱۰۶ بحوالہ شامی ۲؍۵۱۹، معارف السنن ۶؍۳۵۸)۔

۱۱۔ سفر حج وعمرہ میں رکاوٹ:

سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر یا محرم کا انتقال ہو جائے تو وہ محصر سمجھی جائے گی، ایسی حالت میں یعنی بلا محرم یا شوہر کے حج یا عمرہ ادا نہیں کر سکتی، اور محصر کے جو احکام ہیں تفصیلاً نمبر ۔ میں مذکور ہوئے۔

۱۲۔ حج کا سفر کرنے والا مکہ میں پندرہ یوم قیام سے قبل منیٰ میں:

منیٰ وادی محسر سے جمرہ عقبہ تک دو طرفہ پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع میدان ہے اور یہ میدان مسجد حرام سے ۳ میل کے فاصلہ پر ہے (ایضاح المناسک رص ۳۵) یعنی مکہ المکرمہ اور منیٰ کے درمیان مسافت سفر نہیں ہے اور ان دنوں تو دونوں کی آبادی متصل ہوگئی ہے یا کہا جائے کہ مکہ شہر پھیلتے ہوئے منیٰ کی آبادی کے متصل ہو گیا ہے، گویا اب دونوں ایک ہی جگہ ہیں۔

لہٰذا حج کا سفر کرنے والا جو ایام حج یعنی ۷؍۸ ذی الحجہ سے اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہونچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ۱۵ یوم قیام سے پہلے ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں اور وہ منیٰ چلا جاتا ہے تو وہ مقیم ہوگا جبکہ اس نے پندرہ یوم مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کی نیت کی ہو اور قیام مکہ و منیٰ کا مجموعہ پندرہ یوم یا زیادہ ہو جاتے ہوں۔

السفر الذی یتغیر به الأحکام أن یقصد مسیرة ثلاثة أیام ولیالیها (ہدایہ ۱؍۱۶۵) ولا یزال علی حکم السفر حتی ینوی الإقامة فی بلدة أو قریة خمسة عشر یوما أو أکثر وإن نوی أقل ذلک قصر (ہدایہ ۱؍۱۶۶)۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ کے چند مسائل اور ان کا شرعی حل

محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

ابابکر پور، ویشالی

تیز رفتار سواریوں کی وجہ سے حج وعمرہ کا سفر ان دنوں جتنا آسان ہوا ہے، ملکی ضابطے، حج کمیٹی، اور سعودی حکومت کے مقرر کردہ اصول، تغیر پذیر معاشرہ اور ہر دم رواں دواں زندگی نے عازمین کو نت نئے مسائل سے دوچار کر دیا ہے، یہ مسائل اہم ہیں اور موجودہ حالات میں ان پر عمل انتہائی دشوار ہے، ضرورت ہے کہ ان مسائل اور دشواریوں کا شرعی حل پیش کیا جائے تا کہ امت مشقت وحرج سے نکلے اور شرعی یسر سے فائدہ اٹھا سکے، اس مقالہ میں ایسے ہی چند حل طلب مسائل زیر بحث آتے ہیں، واللہ الموفق وھو المعین۔

۱۔ مکہ مکرمہ یا حرم مکی میں بغیر احرام داخلہ:

علماء امت اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی حج یا عمرہ کی نیت سے حرم مکی یا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ احرام باندھ کر ہی میقات میں داخل ہو، بدایۃ المجتہد میں ہے:

ولا خلاف أنه يلزم الإحرام من مر بهذه المواقيت ممن أراد الحج أو العمرة (بدایۃ المجتہد ۱/۲۳۷)۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو ان مواقیت سے حج یا عمرہ کے ارادے سے گزرے اس پر احرام لازم ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتا ہے، اور وہ میقات اور مکہ کے درمیان رہتا ہے تو ایسا شخص اپنی ضرورتوں کے تحت بلا احرام مکہ میں داخل ہو سکتا ہے، اسی طرح اگر مکہ کا رہنے والا لکڑیاں یا گھاس پھوس لینے حل میں گیا پھر مکہ میں داخل ہوا تو یہ شخص بلا احرام داخل ہو سکتا ہے۔

الصنف الثاني وهم الذين منازلهم في نفس الميقات أو داخل الميقات إلى الحرم فوقتهم الحل.... ولهم دخول مكة بغير إحرام إذا لم يريدوا نسكا (ارشاد الساری /۵۷)۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کے گھر نفس میقات یا داخل میقات میں ہیں، ان کا میقات حل ہے.... اگر وہ نسک کا ارادہ نہیں رکھتے تو ان کو بغیر احرام مکہ میں دخول کی اجازت ہے۔

ہدایہ میں ہے:

"ومن كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته لأنه يكثر دخوله مكة وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بيّن فصار كأهل مكة حيث يباح لهم الخروج منها ثم دخولها بغير إحرام لحاجتهم بخلاف ما إذا قصد أداء النسك لأنه يتحقق أحيانا فلا حرج" (ہدایہ ۱/۲۱۲)۔

جو میقات کے اندر رہنے والا ہے اس کو اپنی ضرورت کے لئے بغیر احرام مکہ میں داخل ہونے کی اجازت

ہے، اس لئے کہ انہیں بکثرت مکہ میں داخل ہونا پڑتا ہے اور ہر مرتبہ احرام واجب کرنے سے واضح حرج لازم آئیگا، اس لئے وہ اہل حرم کے حکم میں ہے جن کے لئے مکہ سے نکلنا اور پھر اپنی ضرورت کے لئے مکہ میں بغیر احرام داخل ہونا مباح ہے، بخلاف اس صورت کے کہ جب ادائیگی نسک کا قصد ہو، اس لئے کہ یہ صورت کبھی کبھی پیش آتی ہے، جس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۔ جو لوگ مکہ مکرمہ میں حج اور عمرہ کے علاوہ کسی اور غرض سے آفاق سے آتے ہیں، ان کے لئے بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا امام ابوحنیفہؒ کے یہاں درست نہیں ہے، امام شافعیؒ کے یہاں احرام کی شرط صرف حج وعمرہ کے لئے دخول کی صورت میں ہے، دوسرے کسی اغراض سے دخول مکہ میں احرام ضروری نہیں ہے، دراصل امام ابوحنیفہؒ بیت اللہ کی تعظیم کے سلسلہ میں اوروں کی بنسبت زیادہ حساس ہیں، ان کا کہنا ہے کہ بیت اللہ کی تعظیم کے مسئلہ میں عازم اور غیر عازم دونوں برابر ہیں۔

"ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد عندنا لقوله عليه السلام لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما، ولأن وجوب الإحرام لتعظيم هذه البقعة الشريفة فيستوي فيه الحاج والمعتمر وغيرهما" (ہدایہ ۱/۲۱۳)۔

آفاقی اگر ان (میقات) تک مکہ میں داخل ہونے کے ارادہ سے آیا تو اس پر احرام باندھنا ہمارے نزدیک لازم ہے خواہ وہ حج یا عمرہ کا ارادہ کرے یا نہ کرے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی میقات سے بغیر احرام باندھے آگے نہ بڑھے، اور اس لئے بھی کہ احرام کا وجوب بقعۂ شریف کی عظمت کے پیش نظر ہے، لہذا اس میں حاجی، معتمر اور دوسرے لوگ برابر ہوں گے۔

درمختار میں ہے: "وحرم تأخير الإحرام عنها كلها لمن قصد دخول مكة" (درمختار علی ہامش رد المحتار)۔

دخول مکہ کے قاصد کے لئے ان تمام مواقیت سے احرام مؤخر کرنا حرام ہے۔

بدایۃ المجتہد میں ہے:

"وأما من لم يردهما ومر بها فقال قوم: كل من مر بها يلزمه الإحرام إلا من يكثر ترداده مثل الحطابين وشبههم وبه قال مالك، وقال قوم: لا يلزم الإحرام بها إلا لمريد الحج أو العمرة" (بدایۃ المجتہد ۱/۳۲۴)۔

جو ان دونوں (حج وعمرہ) کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور ان مواقیت سے گزرے تو اس سلسلہ میں بعض لوگوں نے کہا کہ جو بھی ان سے ہو کر گزرے گا اس پر احرام لازم ہوگا، البتہ جن کی آمد ورفت بکثرت ہوتی ہے، جیسے لکڑہارا وغیرہ وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، یہی قول امام مالک کا ہے، ایک جماعت کہتی ہے کہ سوائے عازمین حج وعمرہ کے کسی پر احرام لازم نہیں ہے۔

بدایہ کی اس عبارت میں جن لوگوں کے مذہب جمہور میقات سے گزرنے کے لئے احرام کو لازم قرار دیا ہے، ان کے نزدیک بھی "الا من یکثر ترداده مثل الحطابین وشبههم" کا استثناء نقل کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ

مکہ میں رہتے ہیں اور لکڑیاں یا گھاس پھوس لینے حل میں پہونچ جاتے ہیں، یا کسی دوسرے مقصد کے لئے میقات سے ان کو بار بار گزر کر مکہ آنا جانا پڑتا ہے، ایسے لوگ احرام کی پابندی سے مستثنیٰ ہیں۔

اس کے علاوہ ایک حیلہ بھی فقہاء نے بیان کیا ہے کہ وہ لوگ جن کو میقات سے بار بار تجاوز کرنا پڑتا ہے، لوٹتے وقت آفاق سے بجائے مکہ کے حل کے کسی مقام کا قصد کریں اور وہاں سے مکہ کا عزم کریں، اس طرح حل صغیر میں رہنے والوں کی طرح بلا احرام اُن کے لئے بھی مکہ میں داخل ہونا درست ہوگا۔ درمختار میں ہے:

"ولو قصد موضعا من الحل کخلیص وجدة حل له مجاوزته بلا إحرام فإذا حل به التحق بأهله فله دخول مکة بلا إحرام وهو الحیلة لمرید ذلک" (درمختار ۲/۱۵۴)۔

اگر حل کے کسی مقام کا قصد کرے جیسے خلیص اور جدہ، تو اس کے لئے بغیر احرام کے آگے بڑھنا حلال ہے، اس لئے کہ جب وہ وہاں پہونچے گا تو وہ ان کے ساتھ ملحق ہو جائے گا اور مکہ میں بلا احرام داخلہ کی اجازت ہوگی، اور یہ ایک حیلہ ہے اس شخص کے لئے جو ایسا کرنا چاہتا ہے۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع اور قران:

تمتع اور قران کی حیثیت شریعت میں رخصت کی ہے، دور دراز سے سفر کر کے آنے والے لوگ عموماً حج و عمرہ کے لئے الگ الگ سفر کے متحمل نہیں ہوتے اس لئے شریعت نے ایک ہی سفر میں دونوں امور کی ادائیگی کی اجازت دی لیکن اہل مکہ اور داخل میقات کے باشندوں کے لئے یہ پریشانی نہیں ہے، اس لئے اللہ نے "ذلک لمن لم یکن أهله حاضری المسجد الحرام" کے ذریعہ مکی کے لئے تمتع اور قران کی نفی کر دی ہے۔ حضرت مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں:

"لمن لم یکن أهله حاضری المسجد الحرام" کا یہی مفہوم ہے کہ جس شخص کے اہل و عیال مسجد حرام کے قرب و جوار یعنی حدود میقات کے اندر نہیں رہتے، مقصد یہ ہے کہ اس کا وطن حدود میقات کے اندر نہیں ہے اس کے لئے حج و عمرہ کو اشہر حج میں جمع کرنا جائز ہے" (معارف القرآن ۱/۴۸۲)۔

ہدایہ میں ہے:

"ولیس لأهل مکة تمتع ولا قران وإنما لهم إفراد خاصة خلافا للشافعیؒ والحجة علیه قوله تعالی ذلک لمن لم یکن أهله حاضری المسجد الحرام ولأن شرعهما للترفة بإسقاط إحدی السفرتین وهذا فی حق الآفاقی ومن کان داخل المیقات فهو بمنزلة المکی حتی لا یکون له متعة ولا قران" (ہدایہ ۱/۲۳۳)۔

اہل مکہ کے لئے نہ تمتع ہے نہ قران، ان کے لئے صرف افراد ہے، بخلاف امام شافعیؒ کے، اور ان پر اللہ تعالیٰ کا قول "ذلک لمن لم یکن أهله" حجت ہے اور اس لئے بھی کہ تمتع کی مشروعیت دونوں سفروں میں سے ایک کو ساقط کرنے کی سہولت کے لئے ہے، اور یہ آفاقی کے حق میں ہے، اور جو میقات کے اندر ہے وہ مکی کے حکم میں ہے

اس لئے اس کے لئے نہ تمتع ہے اور نہ قران۔

۴۔ مکی پر تمتع اور قران کی صورت میں دم جنایت:

اب اگر مکی نے اس وضاحت اور ممانعت کے باوجود قران کیا تو اس پر دم شکر کے بجائے دم جبر لازم آئے گا، اور یہ قران بکراہت تحریمہ صحیح ہو جائیگا، لیکن اگر اس نے تمتع کیا تو یہ تمتع علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق منعقد ہی نہیں ہوگا، اس لئے تمتع کی صورت میں دم جبر بھی لازم نہیں آئیگا۔ یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ تمتع کے بطلان سے حج باطل نہیں ہوگا، اس لئے کہ پہلا دوسرے کے لئے لازم نہیں ہے۔ حیات القلوب میں ہے:

"واما عمرہ پس منعقد نمی شود اصلا در حق او ... لهذا لازم نه باشد بروے دم دریں صورت، زیرانکه دم از لوازم تمتع است وچوں منتفی گشت ملزوم منتفی گشت لازم" (حیات القلوب/۶۸)۔

مکی کے حق میں تمتع والا عمرہ اصلاً منعقد ہی نہیں ہوتا، لہذا اس صورت میں اس پر دم لازم نہیں ہوگا، اس لئے کہ دم تمتع کے لوازمات سے ہے اور جب ملزوم منتفی ہو گیا تو لازم بھی منتفی ہو جائیگا۔

اس صورت میں یہ بات ضرور غور طلب ہے کہ اشہر حج کا عرصہ طویل ہے اور اہل مکہ میقات سے باہر جانے پر مجبور ہیں، اس سلسلہ میں شریعت کے اصول رفع حرج کو دھیان میں رکھتے ہوئے جیسا کہ سوال ۲ کے جواب میں ہدایہ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے، ان حضرات کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے، اس صورت میں اس حیلہ کو بھی کام میں لایا جا سکتا ہے جس کا ذکر سوال ۲ کے جواب میں کیا گیا ہے۔

۵۔ متمتع کے لئے حج سے پہلے دوسرا عمرہ کرنا:

تمتع کا جو طریقہ فقہ کی متداول کتابوں میں مرقوم ہے اس کے پیش نظر اشہر حج میں عمرہ سے فراغت کے بعد اور حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کرنا درست نہیں ہے، مفتی شفیع صاحب نے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آفاقی لوگ جو اشہر حج میں (جو شوال سے ذی الحجہ تک ہے) احرام عمرہ باندھ کر داخل ہوئے اور عمرہ کر کے حلال ہو گئے ان کا یہ عمرہ تمتع کا ہوگا، اس عمرہ کے بعد حج سے پہلے کوئی دوسرا عمرہ یہ نہیں کر سکتے، حج سے فارغ ہونے کے بعد عمرہ کر سکتے ہیں۔ البتہ جو آفاقی آدمی اشہر حج سے پہلے یعنی شوال شروع ہونے سے پہلے مکہ مکرمہ میں عمرہ کا احرام باندھ کر آیا اور عمرہ کر کے حلال ہو گیا، اس کا یہ عمرہ تمتع کا نہیں ہے، اس لئے اس کو شوال شروع ہونے سے پہلے دوسرے عمرے کرنے کا بھی اختیار ہے" (جواہر الفقہ، بحث مواقیت احرام ۱/۴۹۲)۔

۶۔ رمی میں نیابت:

صحت مند عازمین حج کے لئے رمی خود سے کرنا ضروری ہے، بوڑھوں اور معذوروں کے لئے نیابت کی اجازت ہے، اور ضعف [illegible] کی وجہ سے ان کے حق میں محض ازدحام کے خوف سے بھی نائب بنانا درست [illegible] فقہاء

نے اس سلسلے میں جو کلیہ ذکر کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ترک واجبات جو عذر من جانب اللہ ہو اس میں کوئی تاوان یا دم نہیں دینا پڑتا ہے، اور ازدحام کو ان اعذار میں شمار کیا گیا ہے جو من جانب اللہ ہوتے ہیں، غنیۃ الناسک میں ہے:

"وأما ترک الواجبات بعذر فلا شئ علیه ثم مرادهم بالعذر ما یکون من الله تعالیٰ فلو کانت من العباد فلیس بعذر..... بخلاف ما إذا منعه خوف الزحام فإنه من الله تعالیٰ فلا شئ علیه" (غنیۃ الناسک فی بغیۃ المناسک، ۱۳۸)۔

عذر کی وجہ سے واجبات کے ترک سے کچھ لازم نہیں آتا، عذر سے مراد وہ اعذار ہیں جو من جانب اللہ ہوں، اگر من جانب العباد ہوں تو وہ عذر نہیں ہے... بخلاف اس صورت کے کہ ازدحام کا خوف اسے روک دے، تو یہ بھی منجانب اللہ ہے، اس لئے اس پر کچھ بھی لازم نہیں۔

اس بناپر احقر کی رائے ہے کہ رمی میں محض ازدحام کے خوف سے بھی بوڑھے اور معذور لوگ نائب بنا سکتے ہیں، اور اسکی وجہ سے ان پر کوئی دم یا صدقہ وغیرہ لازم نہیں ہوگا، البتہ یہ ان لوگوں کے لئے درست نہیں جو خود سے رمی کرنے اور جمرات تک سخت دشواری اور مشقت کے بغیر جانے پر قادر ہوں۔

۷۔ ملکی قوانین کی وجہ سے روکے گئے عازمین حج وعمرہ:

قرآن کریم کی آیت "ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا" کی تفسیر میں مفسرین نے استطاعت میں راستے کے پرامن ہونے کے ساتھ حکومتی اجازت اور ویزا کی بھی صراحت کی ہے، اس لئے ایسے لوگ جنہیں کسی وجہ سے سعودی حکومت نے ویزا نہیں دیا یا وہاں رہنے کے باوجود اجازت سے محروم رکھا ایسے لوگوں پر حج فرض ہی نہیں ہے، اس لئے ان حضرات کو جو سعودی عربیہ میں رہتے ہیں اور حکومت نے حج وعمرہ کی اجازت نہیں دی ہے، ایسے لوگوں کو سفر حج وعمرہ سے اجتناب کرنا چاہئے۔ البتہ اگر انہوں نے احرام باندھ ہی لیا اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس کردیے گئے تو یہ محصر کے حکم میں ہوں گے اور انکو احرام کھولنے کے لئے وہی کچھ کرنا ہوگا جو محصر مرض اور دشمن کو کرنا ہوتا ہے، یعنی اسے ہدی بھیجنا ہوگا اور ہدی لے جانے والے سے ایک قرار اور وقت مقرر کرنا ہوگا جس میں وہ ہدی ذبح کیا جائے، ہدی کے ذبح کے بعد محصر حلال ہوجائیگا، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"وأتموا الحج والعمرة لله فإن أحصرتم فما استيسر من الهدى ولا تحلقوا رؤوسكم حتى يبلغ الهدى محله" (البقرہ، ۱۹۶)۔

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے پھر اگر تم روک دیے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ میسر ہو قربانی سے اور حجامت نہ کرو اپنے سروں کی جب تک نہ پہونچ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر۔

ہدایہ میں ہے:

"يقال له ابعث شاة تذبح في الحرم وواعد من تبعثه بيوم بعينه يذبح فيه ثم تحلل" (ہدایہ ۱/۲۷۴)۔

اس سے کہا جائے گا کہ ایک بکری بھیج جو حرم میں ذبح کر دی جائے اور جسے بھیجو اس سے ایک متعین دن کا وعدہ لے لو کہ اس دن وہ ذبح کر دے پھر حلال ہو جاؤ۔

البتہ ہدی کا خرید کر دینا ضروری نہیں ہے، بلکہ قیمت بھیج دینا بھی کافی ہے کہ وہاں خرید کر ذبح کر دیا جائے، ہدایہ میں ہے:

"ولیس المراد بما ذکرنا بعث الشاة بعینها لأن ذلک قد تعذر بل له أن یبعث بالقیمة حتی تشتری الشاة هنالک وتذبح" (ہدایہ ۳/۲۷۴)۔

ہم نے جو کچھ ذکر کیا اس سے مراد بکری کا ہی بھیجنا نہیں ہے اس لئے کہ یہ کبھی دشوار ہو سکتا ہے، بلکہ اس کے لئے اسکی قیمت بھیجنا بھی جائز ہے تا کہ وہاں وہ خریدی جائے اور ذبح کی جائے۔

۸۔ رمی، ذبح اور حلق کے مابین ترتیب کی رعایت:

متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کی ادائیگی علی الترتیب ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں علماء کا اتفاق ہے کہ سنت طریقہ تو وہی ہے جو حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں کیا اور جو رمی، ذبح اور حلق کی ترتیب کے ساتھ کتابوں میں مذکور ہے۔

"إن رسول الله صلى الله عليه وسلم رمى فى حجته الجمرة يوم النحر ثم نحر بدنه ثم حلق رأسه ثم طاف طواف الافاضة" (من حديث جابر عند مسلم ومن حديث أنس عند البخارى و مسلم)۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج میں قربانی کے دن جمرۃ کی رمی کیا، پھر بدنہ کا نحر کیا، پھر اپنا سر منڈایا اس کے بعد طواف افاضہ کیا۔

البتہ اختلاف اس باب میں ہے کہ اس ترتیب کے ترک سے کوئی تاوان لازم آئیگا یا نہیں، امام مالک کا قول ہے کہ اگر کسی نے جمرۃ کی رمی سے پہلے حلق کروالیا تو اس پر فدیہ ہے، اور اگر ذبح سے پہلے حلق کرلیا یا ذبح رمی سے پہلے کرلیا تو اس پر کچھ فدیہ نہیں۔

كما ورد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم حكم على من حلق قبل محله من ضرورة بالفدية فكيف من غير ضرورة مع أن الحديث لم يذكر فيه حلق الرأس قبل رمى الجمار (بدایۃ المجتہد ۲/۳۵۷)۔

جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو فدیہ کا حکم دیا جس نے ضرورتاً محل سے قبل حلق کروایا تو بھلا بغیر ضرورت حلق محل سے قبل کرانے پر فدیہ کا حکم کیسے نہیں لگے گا، باوجودیکہ حدیث میں رمی جمار سے قبل حلق راس کا ذکر نہیں ہے۔

امام شافعیؒ، ابوداؤدؒ اور ابوثورؒ کے یہاں ترتیب کے فوت ہونے سے کچھ بھی واجب نہیں ہوتا، البتہ امام ابو

حنیفہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے، اسی لئے اگر کسی نے رمی اور نحر سے پہلے حلق کرلیا تو اس پر دم ہوگا، اور اگر وہ قارن ہے تو دو دم لازم آئے گا، جبکہ امام زفر کا کہنا ہے کہ اس کے ذمہ تین دم واجب ہونگے ایک دم قران کا اور دو حلق قبل النحر اور قبل الرمی کا۔

جن حضرات کے نزدیک ترتیب واجب نہیں ہے ان کی دلیل عبداللہ بن عمرو بن العاص کی وہ صحیح اور صریح روایت ہے جس میں ترتیب کے ترک پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ولا حرج" ارشاد فرمایا ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں:

"وقف رسول الله صلى الله عليه وسلم للناس بمنى والناس يسألونه فجاءه رجل فقال: يا رسول الله لم أشعر فحلقت قبل أن أنحر فقال عليه الصلاة والسلام: انحر ولا حرج، ثم جاءه آخر فقال: يا رسول الله لم أشعر فنحرت قبل أن أرمي فقال عليه الصلاة والسلام: ارم ولا حرج، قال: فما سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم يومئذ عن شيء قدم أو أخر إلا قال افعل ولا حرج (متفق علیہ)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں لوگوں کی خاطر ٹھہرے اور لوگ آپ ﷺ سے سوالات کرنے لگے، ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ مجھے نہیں معلوم تھا میں نے نحر سے قبل حلق کروالیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نحر کرو کوئی حرج نہیں، ایک دوسرے صاحب آئے اور انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھے نہیں معلوم تھا اس لئے رمی کے قبل نحر کردیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمی کرلے کوئی حرج نہیں، راوی کہتے ہیں کہ اس دن تقدیم وتاخیر سے متعلق جس چیز کے بارے میں بھی دریافت کیا گیا آپ نے فرمایا: (اب) کرلو کوئی حرج نہیں۔

ایک دوسری روایت ابن عباسؓ کی ہے جس میں ذبح، حلق، رمی میں تقدیم وتاخیر کی نسبت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے "لا حرج" کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔

"ان النبي صلى الله عليه وسلم قيل له في الذبح والحلق والرمي والتقديم والتاخير فقال: لا حرج (متفق علیہ)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذبح، حلق، رمی، تقدیم وتاخیر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا حرج۔

حضرت شیخ الہندؒ نے ان روایتوں کی تاویل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حدیث میں حرج کے معنی "اثم" کے ہیں، صاحب قاموس نے بھی یہی معنی ذکر کئے ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوا "کہ لا اثم علیک"۔ حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ اس حدیث میں وجوب صدقہ کا ذکر نہیں ہے اور اس کے وجوب اور عدم سے حدیث خاموش ہے، فرمایا کہ عدم واقفیت ابتداء اسلام میں عذر تھا لیکن ہمارے زمانے میں یہ عذر نہیں ہے، پھر خود راوی حدیث نے وجوب فدیہ کا حکم دیا ہے اور اصول حدیث کے اعتبار سے راوی کا عمل اس کی مرویات کا بیان ہوتا ہے، تقریر ترمذی میں ہے:

وفي قوله عليه السلام "لا حرج" لا دليل للشافعي علينا لأن معنى الحرج الإثم ثم قاله صاحب القاموس فمعنى لا إثم عليك ذلك جعل بالجهل عذرا يعني في ابتداء الإسلام فلا يحث

في الحديث عن وجوب الصدقة وعدمها بل الحديث ساكت عنهما مع أن راوي الحديث أفتى بوجوب الفدية و فعل الراوي بيان لمرويه كما هو مقرر في الأصول ولو سلم عدم وجوب الفدية قوله عليه السلام لا حرج كما فهم الشافعي ففي زمان النبي صلى الله عليه وسلم لا لأن زمان النبي عليه السلام كان زمان ابتداء الاسلام و كان الجهل معتبرا و اما في زماننا فلا" (تقریر ترمذی)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "لا حرج" میں ہمارے خلاف امام شافعیؒ کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے، اس لئے کہ حرج کے معنی اثم کے ہیں، صاحب قاموس بھی یہی کہتے ہیں، اس لحاظ سے معنی ہوگا کہ تیرے لئے کوئی گناہ کی بات نہیں کیونکہ تو ناواقف ہے اور ناواقفیت ابتداء اسلام میں عذر تھا، اس طرح حدیث میں صدقہ کے وجوب اور عدم وجوب سے بحث نہیں کی گئی ہے، بلکہ حدیث ان دونوں سے ساکت ہے، اس کے علاوہ خود راوی حدیث نے وجوب فدیہ کا فتویٰ دیا ہے، اور راوی کا فعل اس کے مرویات کے لئے اصول حدیث کے مطابق بیان ہوتا ہے، اور اگر آپ ﷺ کے ارشاد "لا حرج" کے پیش نظر فدیہ کا عدم وجوب تسلیم بھی کر لیا جائے جیسا کہ امام شافعیؒ نے سمجھا ہے، تو اس سے مراد زمانہ نبوت ہوگا نہ کہ آج کا، اس لئے کہ نبی ﷺ کا زمانہ ابتداء اسلام کا زمانہ تھا اور اس زمانہ میں جہل قابل اعتبار عذر تھا، ہمارے زمانہ میں ایسا نہیں ہے۔

لیکن ان احادیث کو ہی سامنے رکھ کر امام محمدؒ ترتیب کے ساقط ہونے پر "لا حرج" کے قائل ہیں، اور انکے نزدیک "لا حرج" کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو آخرت میں کوئی گناہ ہوگا اور نہ دنیا میں کوئی تاوان دینا ہوگا، یہ ترتیب قصداً چھوڑ دیا ہو یا بھول جائے، انکے نزدیک مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

قال محمد : وبالحديث الذي روي عن النبي صلى الله عليه وسلم نأخذ انه قال لا حرج في شيء من ذلك (مؤطا امام محمد/۲۳۵)۔

امام محمدؒ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث مروی ہیں انہیں سے ہم نے یہ اخذ کیا ہے کہ ان میں سے کسی چیز میں کوئی مضائقہ نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا متمتع قارن پر ترتیب کو ضروری قرار دیتے ہیں، چنانچہ اگر کسی نے ذبح سے پہلے حلق کرالیا تو اس پر دم واجب ہوگا، مؤطا امام محمد میں ہے:

"وقال ابو حنيفة: لا حرج في شيء من ذلك ولم ير في شيء من ذلك كفارة الا في خصلة واحدة المتمتع والقارن إذا حلق قبل أن يذبح قال عليه دم" (مؤطا امام محمد)۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ان میں سے کسی میں کوئی حرج نہیں، اور وہ ان صورتوں میں سے کسی میں کفارہ کے قائل نہیں سوائے ایک صورت کے، جو متمتع اور قارن کی ہے، جب وہ ذبح سے پہلے حلق کرلے تو فرماتے ہیں کہ اس پر دم ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس کا اثر ہے، جس میں "من قدم من حجه شيئا

"او اخــر فــليهــرق دمــا" کے الفاظ آئے ہیں، اسے ابن ابی شیبہ نے "عن طریق مجاہد عن ابن عباس" سند حسن سے روایت کیا ہے، لیکن اس میں ابراہیم بن مہاجر ہیں جو ضعیف ہیں، امام طحاوی کی روایت گو ابن ابی شیبہ کی روایت سے سنداً زیادہ بہتر ہے، لیکن اس کے باوجود صحیحین کی "لا حرج" والی روایت کے بالمقابل اسے پیش نہیں کیا جا سکتا، طریق الرشاد میں ہے:

"قال الحافظ ابن حجر في الدراية رواه ابن أبي شيبة بإسناد حسن من طريق مجاهد عن ابن عباس فذكره وفيه إبراهيم بن مهاجر وهو ضعيف وأخرجه الطحاوي من وجه آخر أحسن منه ويعارضه ما ثبت في الصحيحين من حديث عبدالله بن عمرو بن العاص فيمن قدم شيئا أو أخره افعل ولا حرج.

حافظ ابن حجرؒ نے درایہ میں کہا کہ اسے ابن ابی شیبہ نے مجاہد عن ابن عباس کے طریق سے باسناد حسن روایت کیا، پھر فرمایا کہ اس میں ابراہیم بن مہاجر ہیں جو ضعیف ہیں، البتہ طحاوی نے ایک دوسرے طریق سے تخریج کی ہے جو ابن ابی شیبہ کی روایت سے احسن ہے لیکن اس کی معارض وہ روایتیں ہیں جو عبداللہ بن عمرو بن العاص سے صحیحین میں مروی ہیں، جس میں تقدیم اور تاخیر کرنے والے سے "افعل ولا حرج" مذکور ہے۔

ان تمام بحث کو دیکھتے، متعدد متون پر غور کرنے اور فقہ کے رفع حرج کے اصول کو سامنے رکھ کر یہ بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ترتیب کے ساقط ہونے سے دم لازم نہیں آئیگا، اور اس مسئلہ میں امام محمدؒ کے قول پر فتوی دیا جا سکتا ہے۔

۹۔ حج بدل میں تمتع:

حج بدل میں آمر کے حکم اور اجازت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اسی لئے فقہاء نے حج بدل کے باب میں جن شرائط کا ذکر کیا ہے اس میں ایک یہ بھی ہے کہ حج بدل کرنے والے کو اس کا حکم دیا گیا ہو یا کم از کم اجازت دی گئی ہو، اگر امر یا اجازت کے بغیر کسی نے حج بدل کر دیا تو فرض کی ادائیگی نہیں ہوگی، اسی طرح اگر ایک شخص نے کسی کو اپنی طرف سے الگ الگ حج و عمرہ کرنے کا حکم دیا اور اس شخص نے دونوں کو ملا کر قران کر لیا تو امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق اس نے حج کرنے والے کے حکم کے خلاف کیا، چنانچہ وہ خرچ کا ضامن ہوگا، معلوم ہوا کہ آمر کے حکم یا اجازت کے خلاف کرنے کی صورت میں حج بدل صحیح نہیں ہے، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ آمر کو چاہئے کہ وہ حج بدل کرنے والے کو عام اجازت دیدے کہ وہ جیسے چاہے حج کرے اور جس طرح چاہے خرچ کرے، اس عمومی اجازت کے نتیجہ میں حج بدل کرنے والا تمتع اور قران سب کر سکے گا، قاضی خان میں امام ابوبکر محمد بن الفضل سے نقل کیا ہے کہ مامور کو عام اجازت دینا مناسب اور بہتر ہے تاکہ حج بدل کرنے والا کسی تنگی، مشقت و حرج میں مبتلا نہ ہو اور بقیہ مال ورثاء کو لوٹانا واجب نہ ہو۔

"إذا أمر غيره بأن يحج عنه ينبغي أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول حج عني بهذا

المال كيف شئت إن شئت حجة وإن شئت حجة وعمرة وإن شئت قرانا والباقي من المال لك وصية كيلا يضيق الأمر على الحاج ولا يجب رد ما فضل على الورثة" (قاضی خاں برحاشیہ عالمگیری طبع مصر ا/۳۰۷)۔

جب دوسرے کو اپنی طرف سے حج کرنے کا حکم دے تو مناسب ہے کہ تمام معاملات مامور کے سپرد کر دے اور کہے کہ اس مال سے میری جانب سے حج کرو جس طرح چاہو، چاہو تو صرف حج کرو اور چاہو تو حج اور عمرہ کرو اور چاہو تو قران، اور باقی مال تیرے لئے وصیت ہے تاکہ حج بدل کرنے والے کو تنگی نہ ہو اور بچ جائے اسے وارثوں پر لوٹانا ضروری نہ ہو۔

ارشاد الساری میں ہے:

"وينبغي للآمر أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول حج عني كيف شئت مفردا أو متمتعا" (ارشاد الساری مناسک ملا علی قاری ص ۳۰۳)۔

آمر کے لئے مناسب ہے کہ وہ معاملہ مامور کے سپرد کر دے اور کہے کہ میری جانب سے جیسے چاہو مفرد یا متمتع حج کرو۔

لیکن اگر آمر نے عام اجازت نہیں دی بلکہ صرف تمتع کرنے کی اجازت دی تو اجازت کے پائے جانے کی وجہ سے بلا اختلاف تمتع صحیح ہوگا، ارشاد الساری ہی میں ہے:

لأن الميت لو أمره بالتمتع فتمتع المأمور صح ولا يكون مخالفا بلا خلاف بين الأئمة الأسلاف" (ایضا)۔

اس لئے کہ اگر میت نے تمتع کا حکم دیا اور مامور نے بھی تمتع کیا تو صحیح ہے اور وہ بلا اختلاف ائمہ اسلاف مخالف نہیں کہلائے گا۔

اجازت کی ایک شکل عرفاً بھی ہوتی ہے، ان دنوں چونکہ عام طور پر تمتع ہی معروف ہے، اس لئے اگر آمر نے نہ اجازت دیا ہے اور نہ ہی تمتع سے منع کیا ہے، اس صورت میں عرفاً اجازت متصور ہوگی اور حج تمتع صحیح ہوگا۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ صراحتاً اجازت حاصل کر لیا جائے، اجازت کے باوجود مذہب یہی ہے کہ دم قران، تمتع اور جنایت یہ سب مامور اپنے مال سے ادا کرے۔

"دم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر وإلا فيصير مخالفا فيضمن"۔

دم قران، دم تمتع اور دم جنایت حاجی پر ہے، اگر آمر نے اجازت دی ہے ورنہ وہ مخالف اور ضامن ہوگا۔

البتہ اگر آمر نے مال کے سلسلے میں بھی عام اجازت دے دی ہے تو آمر کے مال سے تمتع کی ادائیگی کی جا سکتی ہے، حج بدل میت کی شکل میں اگر میت کی وصیت کی تکمیل مقصود ہے اور میت نے تمتع کرنے سے صراحتاً منع نہیں کیا ہے تو عرف کا خیال کرتے ہوئے تمتع کر سکتا ہے لیکن بہتر افراد ہے، وصیت کے بغیر اگر ورثاء حج بدل کرا رہے

ہیں تو یہ حج تمتع من الوارث ہے، اس لئے یہاں آمر ورثاء ہوں گے، ورثاء کے حکم اور اجازت کا ہی اعتبار کیا جائیگا۔ لیکن اس صورت میں بھی دم قران ودم جنایت وغیرہ مامور کے ذمہ ہوگا۔ یہاں یہ بات ضرور ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اگر آمر نے صراحۃً قران یا تمتع سے منع کردیا ہے تو افراد ہی کرنا ہوگا، کسی کی جانب سے کسی شخص خاص کا حج کرنا اس کی مرضی پر منحصر ہے، اب اگر کوئی آمر کی طرف سے حج بدل کو تیار ہوگیا ہے تو اسے ہر حال میں آمر کے حکم کی پابندی کرنی ہوگی۔ چاہے اسے طویل مدت تک احرام کی پابندیوں کو جھیلنا پڑے۔

ایک شبہ جو تمتع کی اجازت دینے پر پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ حج بدل کے شرائط میں فقہاء نے لکھا ہے مامور آمر کے وطن سے حج شروع کرے، تمتع کی صورت میں ایسا نہیں ہو پاتا، بلکہ حج مکی ہو جاتا ہے، میقاتی بھی نہیں رہتا۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل غور ہے کہ حج بدل کرنے والا آمر کی نیابت کررہا ہے، آمر اگر خود حج کرتا تو اس کے لئے تینوں صورتوں کے اختیار کا حق ہوتا، اور افراد، قران، تمتع جو بھی کرتا درست قرار دیا جاتا، تو اصلاً نائب کے لئے تینوں شکلیں کیوں جائز نہیں ہوں گی، دوسری بات یہ کہ آمر کے وطن سے حج شروع نہیں کیا گیا تو اس میں حرج کیا ہے؟ تو اس لئے نہیں ہے کہ فقہاء نے اسے شرط لازم نہیں مانا ہے، بلکہ عرف ذہن سے حج شروع کرنے کی بات کہی ہے، دوسرے یہ کہ اگر اصل خود میقات میں کسی ضرورت سے پہونچ جاتا اور حج کر لیتا (جیسا کہ سعودی عرب میں مقیم ہندوستان سمیت دیگر ممالک کے لوگ کرتے ہیں) تو حج ادا ہو جاتا، باوجودیکہ حج اس کے وطن یا میقات سے شروع نہیں کیا گیا ہے۔ لہذا اس بنیاد پر حج بدل کرنے والے کا حج بھی باوجودیکہ وہ آمر کے وطن سے شروع نہیں کیا گیا ہے، درست ہوگا، خصوصاً اس شکل میں جبکہ آمر نے تمتع کی اجازت صراحتاً یا کنایۃً دے دی ہو، حضرت مفتی شفیع صاحب نے اس بحث کے سارے دلائل کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد قول فیصل کے طور پر لکھا ہے:

"اگرچہ من حیث الدلیل یہ رجحان اس کا معلوم ہوتا ہے کہ حج بدل میں آمر کی اجازت سے قران و تمتع دونوں جائز ہوں اور فقہاء متأخرین میں صاحب لباب اور اس کے حاشیہ حیاۃ القلوب وغیرہ میں اسی کو اختیار بھی کیا گیا ہے، مگر مذہب حنفی اور حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کا فتوی اس سے مختلف ہے، وہ تمتع کو بہ اذن آمر بھی جائز قرار نہیں دیتے، معاملہ ادائے فرض کا نازک ہے، اس لئے احتیاط لازم ہے، جہاں تک ممکن ہو حج بدل میں افراد یا قران کیا جائے تمتع نہ کریں لیکن اس زمانہ میں حج وعمرہ کرنے میں عام آدمی آزاد نہیں کہ جب اور جس وقت چاہیں جاسکیں، اور طویل احرام سے بچنے کے لئے ایام حج کے بالکل قریب سفر کریں، ہر طرف حکومتوں کی پابندیاں شدید ہیں، اس لئے اگر کسی حج بدل کرنے والے کو وقت سے پہلے جانے کی مجبوری ہو اور احرام طویل میں واجبات احرام کی پابندی مشکل نظر آئے تو اس کے لئے تمتع کرنے کی بھی گنجائش ہے" (جواہر الفقہ ۱/۵۱۶: حج بدل اور اس کے احکام)۔

احسن الفتاوی میں ہے:

"اس زمانہ میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع، قران اور دم شکر کا اذن ثابت ہے، اس لئے صراحۃً ضروری نہیں، مگر بہتر صراحۃً اذن حاصل کر لینا بہتر ہے" (احسن الفتاوی مفتی رشید احمد ۵۲۳/۴)۔

۱۰۔ حائضہ یا نفساء کے لئے طواف زیارت:

طواف کی صحت کے لئے طہارت کو شرط کا درجہ حاصل ہے، کیونکہ بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ہے، سوائے اس کے کہ نماز میں بولنے کی اجازت نہیں ہے، جبکہ طواف میں گفتگو کی جاسکتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الطواف بالبيت صلاة إلا أنكم تتكلمون فيه (رواه الترمذي).

بیت اللہ کا طواف بھی ایک (طرح سے) نماز ہے البتہ تم اس میں بات کرسکتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ جب دوران حج حائضہ ہوگئیں، تو آپ ﷺ نے طواف کے علاوہ سارے اعمال حج کی ادائیگی کی اجازت دی اور فرمایا:

افعلي كما يفعل الحاج غير أن لا تطوفي بالبيت حتى تطهري (رواه البخاري ومسلم)۔

ویسے ہی کرو جیسے حاجی کرتے ہیں الا یہ کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرو جب تک پاک نہ ہو جاؤ۔

اس زمانہ میں اس کا موقع تھا کہ حائضہ اور نفساء طہارت تک انتظار کرلیں اور پھر طواف زیارت کے بعد واپسی عمل میں آئے، لیکن اب پاکی کا انتظار ناقابل عمل ہے، کیونکہ نہ تو ویزے کی مدت بڑھائی جاتی ہے، نہ ہی سعودی عرب اور نہ واپسی کے لئے مقررہ جہاز کی تاریخوں میں تبدیلی یا دوسرے جہاز میں سیٹ کنفرم کرانے پر اختیار ہوتا ہے، اخراجات کی قلت بھی انتظار کی اجازت نہیں دیتی، ایسے میں اگر وہ بغیر طواف کے واپس ہو جاتی ہے تو دوبارہ آکر طواف کرنا عام طور پر عدم استطاعت کی وجہ سے حائضہ یا نفساء کے لئے ممکن نہیں، اگر کسی طرح وہ نفقہ پر قابو پالیں تو دوسری قانونی رکاوٹیں ہیں، مثلاً ہندوستان کو ہی لیجئے اگر طواف کے لئے سفر حج کے ایام میں کرنے کا قصد ہو تو ایک حج کے بعد دوسرے سفر حج کے لئے پانچ سال کا وقفہ ضروری ہے، اور یہ قانون حج بدل کی صورت میں بھی ہے، عمرہ کے ارادہ سے سفر ہو تو وہ بھی آسان نہیں، بہت ساری پابندیوں سے جکڑا ہوا ہے، ایسے میں پانچ سال تک شوہر سے الگ رہنا عملاً ممکن نہیں ہے، اور خطرہ ہے کہ عورت گناہ میں مبتلا ہو جائے، ان حالات میں عورت کیا کرے یہ ایک اہم سوال ہے۔

الف ۔ ب ۔ شامی میں اس صورت حال میں بعض محشین کے حوالے سے ابن امیر حاج کا مسلک نقل کیا ہے

> کہ اگر وہ پاک نہ ہو اور قافلہ کے ساتھ جانے کا ارادہ کرے اور مسئلہ دریافت کرے کہ وہ اس حالت میں طواف کرسکتی ہے یا نہیں؟ تو اس سے کہا جائیگا کہ مسجد میں داخل ہونا تیرے لئے جائز نہیں ہے، اگر تو داخل ہو کر طواف کرے تو گناہگار ہوگی البتہ تیرا طواف صحیح ہو جائے گا اور بدنہ لازم آئے گا۔

"لو هم الركب على القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف أم لا قالوا: يقال لها: لا يحل لك دخول المسجد وإن دخلت وطفت أثمت وصح طوافك فعليك ذبح بدنة" (شامی ۲/۱۸۳)۔

اگر قافلہ روانگی کا ارادہ کرے اور عورت پاک نہ ہو سکے، پھر وہ سوال کرے کہ طواف کرے یا نہ کرے، ایسی صورت میں لوگوں کا کہنا ہے کہ اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے مسجد میں داخل ہونا حلال نہیں، اگر تو نے مسجد میں

داخل ہو کر طواف کر لیا تو گنہگار ہوگی، لیکن تیرا طواف صحیح ہو جائیگا اور تیرے اوپر بدنہ لازم آئیگا۔

(ج) اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرنے سے رکن کی ادائیگی ہو جائے گی اور دم میں بدنہ لازم آئے گا، مبسوط سرخسی میں ہے:

وإن كان طاف للزيارة جنبا حتى رجع إلى أهله فإنه يعود إلى مكة ليطوف طواف الزيارة وإن لم يرجع إلى مكة فعليه بدنة لطواف الزيارة وعلى الحائض مثل ذلك (مبسوط ۴۱/۴)۔

اگر جنابت کی حالت میں طواف زیارت کیا، اور اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ آیا تو اسے طواف زیارت کے لئے مکہ جانا ہوگا، اور اگر مکہ واپس نہیں آیا تو اس پر طواف زیارت کے لئے بدنہ ہے، اور یہی حکم حائضہ کے لئے بھی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں طواف زیارت کے بعد مکہ لوٹ کر طواف کا اعادہ کرنا چاہئے، لیکن جیسا کہ اوپر مذکور ہے بدلے ہوئے حالات اور سفر کے قیود و بند کی وجہ سے ان دونوں یہ ناقابل عمل ہے، اس لئے حائضہ یا نفساء کے لئے طواف کرنے کی صورت میں بدنہ کا لزوم باقی رہ جاتا ہے۔

ہدایہ میں بدنہ کے لزوم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے ایسا ہی مروی ہے اور اس لئے بھی کہ جنابت حدث سے غلیظ ہے، حدث میں طواف کرنے سے بکری لازم ہوتی ہے، تو تفاوت کا تقاضہ ہے کہ جنابت میں بدنہ لازم ہو۔

ولو طاف طواف الزيارة محدثا فعليه شاة .. وإن كان جنبا فعليه بدنة كذا روى عن ابن عباسؓ ولأن الجنابة أغلظ من الحدث فيجب جبر نقصانها بالبدنة إظهارا "للتفاوت" (ہدایہ ۲۵۳/۱)۔

حدث کی حالت میں اگر طواف زیارت کرے تو اس پر بکری ہے اور اگر جنبی تھا تو اس پر بدنہ ہے، ایسے ہی ابن عباس سے مروی ہے، اور اس لئے بھی کہ جنابت حدث سے زیادہ غلیظ ہے، لہذا اظہار فرق کے لئے اس کے نقصان کی تلافی بدنہ سے ہوگی۔

(د) اب یہ بدنہ کہاں ذبح کیا جائے گا؟ مکہ مکرمہ میں ہی ضروری ہے یا یہ کہ حرم مکہ سے باہر اور اپنے مقام پر ادا کیا جا سکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں ہی ضروری ہے، حرم مکہ سے باہر اور اپنے مقام پر اس دم کی ادائیگی نہیں ہوگی، ہدایہ میں ہے:

ولا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم لقوله تعالى في جزاء الصيد هديا بالغ الكعبة فصار أصلا في كل دم هو كفارة ولأن الهدى اسم يهدى إلى مكانه ومكانه الحرم" (ہدایہ ۲۸۱/۱۔ باب الہدی)۔

ہدایا کا ذبح حرم کے سوا کہیں جائز نہیں، اسکی وجہ شکار کے جزا میں اللہ تعالی کا قول "هديا بالغ الكعبة" ہے، پس یہ آیت ہر دم کفارہ کے لئے اصل قرار پائے گی اور اس لئے بھی کہ ہدی نام ہے اس جانور کا جسے اپنی جگہ لے جایا جائے اور اس کی جگہ حرم ہے۔

دیگر فقہاء نے بھی عام طور پر "بعث بدنہ" کا لفظ استعمال کیا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بدنہ یا

بدنہ کی قیمت بھیجنی ہوگی اور اپنے مقام پر دم کی ادائیگی نا کافی ہوگی۔

۱۱۔ ایام عدت میں عمرہ وحج کی ادائیگی:

سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو جائے اور وہ اتنی دوری پر ہے کہ "مسیرۃ ثلاثۃ ایام" سے کم میں اپنے گھر لوٹ سکتی ہے تو اسے عدت گزارنے کے لئے گھر لوٹ جانا چاہئے، لیکن اگر وہ سفر میں اتنی دور نکل گئی ہے کہ "مسیرۃ ثلاثۃ ایام" کے فاصلہ پر ہے یا اس سے زیادہ پر، تو اسے اختیار ہے، چاہے تو حج کی تکمیل کرے اور چاہے تو لوٹ جائے۔ ہدایہ میں ہے:

"وإذا خرجت المرأة مع زوجها إلى مكة فطلقها ثلاثا أو مات عنها في غير مصر فإن كان بينها وبين مصرها أقل من ثلاثة أيام رجعت إلى مصرها لأنه ليس بابتداء الخروج معنى بل هو بناء وإن كانت مسيرة ثلاثة أيام إن شاءت رجعت وإن شاءت مضت سواء كان معها ولي أو لم يكن" (ہدایہ ۱؍۲۹۱، باب العدۃ)۔

جب عورت اپنے شوہر کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہو اور وہ اسے غیر مصر میں طلاق ثلاثہ دیدے یا مر جائے تو اگر اس جگہ اور عورت کے مصر کے درمیان تین دن سے کم کی مسافت ہے، تو وہ اپنے مصر لوٹ آئے اس لئے کہ معنی یہ ابتداء خروج نہیں ہے بلکہ بناء ہے۔ اور اگر مسافت تین دن سے کم کی ہو تو اسے اختیار ہے چاہے تو لوٹ آئے چاہے تو آگے کا سفر جاری رکھے، خواہ اس کے ساتھ ولی ہو یا نہ ہو۔

اس اقتباس کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر عورت مکہ پہونچ چکی ہے اور وہاں ایسا حادثہ پیش آتا ہے تو اس کے لئے عمرہ وحج کی ادائیگی درست ہوگی، کیونکہ عدت میں سفر سے فوری واپسی ضروری نہیں ہے، اور بغیر محرم کے سفر کی ممانعت "مسیرۃ ثلاثۃ ایام" پر تھی ہے، چونکہ وہ مکہ پہونچ چکی ہے، اور اب اس کا سفر "مسیرۃ ثلاثۃ ایام" سے کم ہے، اس لئے بغیر محرم کے بھی حج کی ادائیگی ہو جائے گی، اس کے علاوہ عورت کا یہ سفر بناءً ہے، ابتداءً نہیں، عدت کی حالت میں ابتداءً سفر ممنوع ہے بناءً نہیں، اسی طرح عورت کا بغیر محرم کے حج کے سفر پر نکلنا غیر شرعی ہے نہ کہ سفر جاری ہونے کے بعد حادثہ کی وجہ سے بغیر محرم کا رہ جانا، البتہ ابھی سفر کا آغاز ہوا ہے، مثلاً گھر سے نکل گئی ہے لیکن ملکی حد سے باہر نہیں گئی ہے یا رجوع کے لئے "مسیرۃ ثلاثۃ ایام" سے کم کا فاصلہ ہے تو لوٹ آنا بہتر ہے۔

۱۲۔ قیام کے لئے پندرہ دن کی نیت ضروری:

حج کا سفر کرنے والا ایام حج سے اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہونچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں پندرہ یوم قیام سے قبل ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں اور وہ منی چلا جاتا ہے تو وہ مقیم نہیں ہوگا، کیونکہ منی کی آبادی کے متصل ہونے کے باوجود شہر کے حدود الگ الگ ہیں اور منی کو مکہ کے محلہ کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

۱۳۔ جماعت وجمع کی رعایت میں امام مسجد کی اقتدا کرے۔

☆☆☆☆☆

حج اور عمرہ کے مسائل

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، علی گڑھ

زمان ومکان کے تغیرات نے اسلام کے جس رکن سے متعلق سب سے زیادہ مسائل پیدا کئے ہیں وہ غالباً حج کا رکن ہے۔ اس سے متعلق ائمہ مجتہدین اور فقہاء متبعین نے جو مسائل مستنبط کئے اور جو رائیں اپنائیں وہ اپنے وقت کے حالات کے پیش نظر تھیں جبکہ تعداد حجاج چند لاکھ مشکل سے پہنچتی تھی، نہ منیٰ و حرم زمین دوز کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی، نہ مسعیٰ و مرمی کو دو منزلہ بنانے کی حاجت تھی اور نہ ہی ان کی ایسی توسیع ہوئی تھی، مگر ان کوششوں کے باوجود مشکلات میں اضافہ ہوتا رہا جس کے نتیجہ میں اکثر ایام حج میں، اللہ محفوظ رکھے، کوئی نہ کوئی حادثہ رونما ہو جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہاں کے مسائل کا صحیح اندازہ آنکھوں سے دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ فقہاء نے یہ تک بتا دیا تھا کہ "کنکری کہاں سے کھڑے ہو کر کیسے پکڑ کر ماریں اور کہاں گرے یہ دیکھ لیں"۔ آج یہ حال ہے کہ آدمی جمرات کے راستہ میں کھڑا ہو جائے اور ریلا خود بخود اسے وہاں پہنچا دے گا اور بس اپنے کو سنبھالتے ہوئے کسی طرح رمی کی سنت ادا کرنے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی مبارکباد کی مستحق ہے کہ اس نے اس مسئلہ کو بھی اپنی بحث کا موضوع بنایا ہے۔ پیش کردہ سوالات کو حل کرنے کے لئے نصوص قرآنی اور احادیث و آثار کے علاوہ شریعت کے مزاج اور مقاصد کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ ان مشکلات کے حل میں کوئی حرج نہیں کہ دوسرے فقہی مسالک کی رایوں کو بھی سامنے رکھا جائے، کیونکہ کسی مشکل کو حل کرنے کے لئے کوئی نئی رائے بنانے کے مقابلہ میں یہ کہیں بہتر ہے کہ مسلمہ مسالک کی کوئی رائے جو گرہ کشا ہو اپنا لیا جائے کہ انہیں بھی ہم برحق سمجھتے ہیں اور انہوں نے بھی مسائل کے حل میں بنیادی ماخذ کا سہارا لیا ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد نمبروار سوالات کے جواب درج ذیل ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے میقات کی تعیین کے وقت فرمایا تھا کہ:

فهن لهن ولمن أتى عليهن من غير أهلهن ممن أراد الحج والعمرة (صحیح مسلم وغیرہ)۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ مواقیت ان کے لئے ہیں جو حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہے، ایسے شخص کے لئے لازم ہے کہ ان مواقیت سے بغیر احرام کے نہ گذرے۔ اب اگر کہیں کسی نے مطلق بھی احرام باندھ کر گذرنے کی بات کہی ہو تو اس حدیث سے اس کی تخصیص ہو جائے گی۔

۲۔ مذکورہ بالا وضاحت کے بعد ایسے لوگوں کے لئے کوئی مسئلہ ہی نہیں رہ جاتا جو حج یا عمرہ کی نیت کے بجائے تجارت و ملازمت یا اپنے کسی کام سے مکہ میں آمد و رفت رکھتے ہیں، اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اسوہ سے بھی ہوتی ہے کہ فتح مکہ کے وقت جبکہ آپ حج یا عمرہ کی نیت سے نہیں تشریف لائے تھے اس وقت احرام نہیں پہنا، مکہ مکرمہ

کے اندر آنے والے ہر شخص کو احرام کا پابند کرنا ایسی مشقتوں کا باعث ہوگا جن کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پابندی کی شکل میں یا تو آدمی آئے نہیں یا آئے تو احرام باندھ کر عمرہ یا حج بھی کرے، اس طرح ہم اس پر ایسی چیز لازم کریں گے جو شریعت نے نہیں کیا ہے۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اثبات یا نفی کا دارومدار آیت حج تمتع:

فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام في الحج و سبعة إذا رجعتم تلك عشرة كاملة ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام (سورۃ البقرہ) کے سمجھنے پر ہے۔ تعجب ہے کہ اتنے اہم حکم سے متعلق احادیث خاموش ہیں اسی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں متعدد رائیں ہیں مثلاً:

۱۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اہل مکہ کے لئے تمتع نہیں ہے۔

۲۔ امام مالکؒ نے اسے مکروہ سمجھا ہے۔

۳۔ حضرت ابن زبیرؓ نے تمتع سے مراد محصر کا تمتع لیا ہے۔

۴۔ کچھ دوسرے ائمہ نے اہل مکہ کے لئے تمتع جائز قرار دیا ہے لیکن ان پر ہدی نہیں ہے۔

اختلاف کی وجہ آیت کے آخری حصہ ذلك لمن لم يكن الخ کے تعلق کی تعیین پر ہے۔ یعنی جن لوگوں نے اسے حکم تمتع سے جوڑا ہے وہ اہل مکہ کے لئے تمتع جائز نہیں سمجھتے، اور جن لوگوں نے اسے ہدی اور صیام کے حکم سے متعلق کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مکی تمتع تو کر سکتا ہے البتہ اس پر ہدی نہیں ہے۔ چونکہ آیت میں دونوں ہی معانی کا احتمال ہے اور افراد کے جواز میں کوئی اختلاف اور شبہ نہیں اس لئے ناچیز کی رائے میں مکی کے لئے اولیٰ افراد ہے، لیکن تمتع کی واضح ممانعت مروی نہ ہونے کی وجہ سے بکراہیت جواز ہو سکتا ہے۔ مگر جو چیز آیت میں اس وقت زیادہ غور کی مستحق ہے وہ من لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام میں أهله کا لفظ ہے۔ آیت میں یہ نہیں ہے کہ من لم يكن حاضر المسجد الحرام، اس فرق کا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے تو یہ کہ باہر سے مقیم لوگوں کے لئے (جن کے اہل وعیال میقات سے باہر ہوں) تمتع کی ممانعت یا ہدی کی چھوٹ (باختلاف اقوال بحث) ہو، یا وہ لوگ جو خود مکہ سے ہجرت کر گئے ہوں یا اپنے کاروبار وغیرہ کے سلسلہ میں میقات سے باہر رہتے ہوں لیکن ان کے اہل وعیال ابھی حاضری المسجد الحرام ہوں تو ان پر بھی تمتع منع ہو یا ہدی کی چھوٹ ہو۔

۴۔ میقات کے باہر سے مکہ آنے والے کے لئے، جیسا کہ اوپر (۱) میں تحریر کیا، صرف اس شکل میں احرام لازم ہے جبکہ وہ عمرہ یا حج کی نیت سے آرہا ہو۔

ممن أراد الحج والعمرة۔

خاص طور سے مکی جس کا گھر ہی وہاں ہے اور اسے باہر آنا جانا رہتا ہے احرام کی پابندی عائد کر کے ہم مزید کئی پیچیدگیاں پیدا کریں گے۔

۵۔ کر سکتا ہے، کیونکہ اس کی ممانعت نہیں آئی ہے، البتہ "کثرت عمرہ" کے مقابلہ میں "کثرت طواف" زیادہ فضیلت رکھتا ہے کہ "عمرہ کی کثرت" "مسنون نہیں ہے۔

۶۔ (الف) عمل رمی میں بچوں کی طرف سے رمی کی نیابت کا ذکر حضرت جابرؓ کی حدیث میں آیا ہے:

حججنا مع رسول الله ﷺ ومعنا النساء والصبيان فلبينا عن الصبيان ورمينا عنهم

(ابن ماجہ) اس سے معلوم ہوا کہ اس عمل میں نیابت ہو سکتی ہے۔

(ب) مریض و معذور کے علاوہ عورتوں کو بھی اجازت دی جا سکتی ہے اگر انہیں کوئی رمی کا ایسا وقت نہ مل سکے جس میں وہ مردوں کے ریلے سے بچ کر رمی کر سکیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ضعفاء و مرضیٰ و نساء کی خاص رعایت کی ہے لیکن بہتر ہے کہ وہ خود رمی کریں اور اس کے لئے ایسے وقت کا انتخاب کریں جس میں نسبۃً بھیڑ کم ہو خواہ وہ وقت غیر افضل ہی کیوں نہ ہو، صرف ازدحام کے خوف سے ہر شخص کو نائب بنانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

۷۔ جو لوگ حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیئے جاتے ہیں ایسے لوگ بھی محصر کے حکم میں ہوں گے، اور ان پر وہی حکم لاگو ہونا چاہئے جو دیگر محصرین کے ہیں یعنی اس پاداش میں اپنا ہدی (یا اس کی رقم) مکہ بھجوائیں اور جب وہاں انجام پاجائے تب احرام کھولیں اور پھر جب کھلے بندانہیں حکومت سے اجازت ملے تب اس کی قضا کریں (یاد رہے کہ حکومت سعودی عرب ازدحام کو کم کرنے اور دور سے آنے والے حجاج کو سہولتیں فراہم کرنے کے لئے مقیمین کے نفلی حج پر پانچ سال کے لئے پابندی لگائی ہے)۔

۸۔ دیدہ و دانستہ اور بلا عذر ترتیب کی خلاف ورزی ناجائز ہے لیکن مجبوری یا عدم علم کی وجہ سے ایسا ہو جائے تو حجۃ الوداع میں بے ترتیبی کے متعدد واقعات کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے فرمان "افعلوا ولا حرج" (صحیح مسلم) کو اپناتے ہوئے حنفی کے قول مرجوح اور دوسرے ائمہ کے اقوال پر عمل کرتے ہوئے سوالنامہ کے مذکورہ احوال کے سلسلہ میں تقدیم و تاخیر کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

۹۔ حج بدل کرنے والا آمر کا مطیع و مامور ہے۔ اب یا تو آمر شروع ہی میں جس طرح کا حج چاہتا ہے بھیجنے والا حج بدل کرنے والے پر معاملہ چھوڑ دیا جائے کہ جس کو وہ افضل سمجھتا ہے یا جس کو وہ بخوبی انجام دے سکتا ہے وہ حج کرے۔

(الف) کر سکتا ہے، نہ کر سکنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

(ب) اگر آمر نے منع نہیں کیا ہے اور نہ یہ خیال ہو کہ اس کو اعتراض ہوگا تو کر سکتا ہے۔

(ج) کر سکتا ہے۔

(د) دونوں شکل میں ثواب تو آمر کو پہنچتا ہے اس لئے اس کے مال سے دم تمتع ہوگا، اگر اس کو کوئی اعتراض ہے تو پہلے ہی منع کر دے۔

(ھ) اس کی دشواری کا یہ حل ہے کہ وہ حج بدل کے لئے جائے ہی نہیں، شریعت نے اسے حج بدل پر جانے

کے لئے مجبور نہیں کیا ہے۔

(د) شریعت کے بنیادی مآخذ میں تو کوئی تفصیل ملی نہیں اس لئے معاملہ تخییر پر چھوڑ دینا چاہئے، ہم پابندیاں کیوں بڑھائیں۔

۱۰۔ (الف) طواف کے لئے نماز کی طرح پاکی کو شرط قرار دیا گیا ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابیات کو "حتی تطہری" کہہ کر پاک ہونے تک طواف زیارت سے روک دیا اس لئے اس حالت میں طواف زیارت کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

(ب) مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں رکن ادا نہیں ہونا چاہئے اور دم دے۔

(ج) چونکہ طواف زیارت حج کے ارکان میں سے ہے اس لئے بدنہ ذبح کرے، اگر موقع مل سکے تو مکہ مکرمہ ہی میں دم دے ورنہ اپنے مقام پر ذبح کر دے۔

نوٹ: یہاں دم کی ادائیگی اطمینان قلب کے لئے ہے ورنہ طواف زیارت کے ترک میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے "ھذا شیئ کتبہ اللہ علی بنات آدم" اور سوالنامہ میں جو حالات لکھے ہیں وہ بھی اس کے بس سے باہر ہیں "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" انسان سے اس کی استطاعت بھر تقویٰ کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

"فاتقوا اللہ ما استطعتم"۔ "وما جعل علیکم فی الدین من حرج"۔

۱۱۔ "احصار عدت" اور "اتمام حج" دونوں ہی قرآن سے ماخوذ ہیں اور دونوں کے اسباب جدا ہیں، چونکہ حج کا سبب پہلے سے موجود ہے اس لئے "واتموا الحج والعمرۃ للہ" کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ایام عدت میں حج وعمرہ کی تکمیل کرے۔

۱۲۔ اگر چند دن سے کم ایک مقام پر قیام ہوتا ہے تو مسافر ہی رہے گا۔ آبادیوں کے مل جانے کا اعتبار کرنے کے بجائے ان کے علیحدہ تشخص اور احکام (انتظامی یا شرعی) کا اعتبار ہونا چاہئے، منیٰ کا جو حکم ہے وہ مکہ کا نہیں ہو سکتا، حرم وغیر حرم کی سرحدیں بھی ملی ہوتی ہیں لیکن احکام جدا ہیں، جہاں تک آبادیوں کے بڑھ کر ایک دوسرے سے مل جانے کا تعلق ہے تو بعید نہیں کہ وہ دن بھی آ جائے جب مسافرت کی مقدار رکھنے والے بعض شہر بھی ایک دوسرے سے مل جائیں۔

۱۳۔ اگر آدمی حرم کے اندر ہی نماز ادا کرتا ہے تو بہتر یہ ہے کہ پنج وقتہ جماعت کے ساتھ امام مسجد کی اقتداء کرے ورنہ اپنے مسلک کے حساب سے اپنے گھر پڑھے، اس طرح کے اختلافی مسائل جو کہ اختلاف روایات پر مبنی ہیں، ان میں ایک کی تردید اور ایک کا اثبات کے بجائے تخییر و ترجیح کا حکم ہونا چاہئے۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ کے مسائل

مفتی عبدالرحیم قاسمی، بھوپال

۱۔ تجارت، ملاقات یا کسی اور غرض سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا قصد کرنے والے آفاقیوں کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کی تعظیم کا تقاضہ یہ ہے کہ آفاقی میقات سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر ہی مکہ مکرمہ میں داخل ہوں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی شخص میقات سے آگے مکہ کی طرف بغیر احرام کے نہ بڑھے۔

ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد عندنا لقوله عليه السلام لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما (ہدایہ ۱/۲۳۵)

پھر آفاقی جب میقات پہونچ جائے مکہ میں داخل ہونے کے ارادہ سے تو اس پر احرام باندھنا واجب ہے حج کا ارادہ کرے یا عمرہ کا یا ارادہ نہ کرے، ہمارے نزدیک، نبی کریم ﷺ کے فرمان "کوئی بغیر احرام کے میقات سے نہ گذرے" کی وجہ سے۔

امام شافعی کے نزدیک یہ پابندی صرف اس شخص کے لئے ہے جو عبادت حج یا عمرہ کے قصد سے مکہ مکرمہ کا ارادہ کررہا ہے، تجارت یا عزیزوں سے ملاقات یا تفریحی طور سے جانے والے پر احرام باندھ کر جانے اور حج یا عمرہ کرنے کی پابندی نہیں ہے (جواہر الفقہ ۱/۳۶۸)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ جو آفاقی مکہ یا حرم کا ارادہ رکھتا ہے اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے گذرنا جائز نہیں خواہ اس کا حج وعمرہ کا ارادہ ہو، خواہ سیاحت، تجارت وغیرہ کا ارادہ ہو، اگر گذر جائے تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ کسی میقات پر آکر احرام باندھے ورنہ اس پر دم واجب ہوگا، اگر کسی کا قصد اول یہ ہو کہ حل میں کسی جگہ تجارت کے لئے جائے تو اس کے لئے احرام لازم نہیں، بلا احرام حل میں جاسکتا ہے پھر اپنی تجارت وغیرہ سے فارغ ہوکر مکہ معظمہ میں بھی بغیر احرام کے داخل ہوسکتا ہے بشرطیکہ ادائے نسک کا ارادہ نہ ہو، اگر ادائے نسک کا ارادہ ہو تو حل سے احرام باندھ کر داخل ہو، اگر میقات پر گذرتے وقت قصد اول تو ادائے نسک ہو یا دخول مکہ ہو لیکن مرور فی الحل کی مجبوری کی وجہ سے حل میں تجارت وغیرہ کی نیت کرے تو اس کے لئے میقات سے بلا احرام گذرنا جائز نہیں (فتاویٰ محمودیہ ۱۹۳/۹ نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: مبسوط للسرخسی ۱۶۷/۴، بدائع ۲۲۹/۲)۔

۲۔ زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک میں ہے کہ موٹر ڈرائیوروں کو تو بہت وسعت ہے کیونکہ ان کا ہیڈ کوارٹر جدہ میں ہے مکہ مکرمہ سے آتے جاتے پہلے جدہ میں جانا پڑتا ہے پھر وہاں سے حکم نامہ لے کر جہاں کو جانا ہو جاتے ہیں، اور ڈرائیوروں کا مبادلہ بھی ہوتا ہے پس وہ لوگ مدینہ طیبہ سے واپسی کے وقت جدہ ہی میں جانے کی نیت کرلیں جب جدہ سے پھر مکہ مکرمہ کا حکم ہو تو اس کی تعمیل کی غرض سے بغیر احرام کے جاسکتے ہیں (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ۲/۲۴۱)۔

بعض کمپنیوں کے ہیڈ کوارٹر بھی جدہ میں ہیں، اور جن کے نہ ہوں ان کا مطالبہ کرکے ہیڈ کوارٹر جدہ وغیرہ

ایسی جگہ قائم کرانا چاہئے کہ ہر مسلک کے مطابق آسانی سے عمل ہو سکے۔

۳۔ مکہ والوں کو اور جو مکہ والوں کے حکم میں ہیں یعنی داخل میقات رہنے والے یا بین میقات رہنے والے اور جو اشہر حج کے پہلے مکہ میں مقیم ہیں جیسے آفاقی اشہر حج کے پہلے حلال ہو کر مکہ میں رہا ہو پھر اس پر اشہر حج آگئے ہوں ان کو عمرہ کرنا اشہر حج میں مکروہ ہے جو کہ اسی سال حج کرنا چاہئیں اور اگر اس سال حج نہ کریں تو عمرہ ان سب کو اشہر حج میں کرنا مکروہ نہیں۔ (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ۱/۲۸۱)۔

تمتع اور قران مکی کے لئے ممنوع ہے:

قال الشامي وعلى هذا فقول المتون ولا تمتع ولا قران لمكي معناه نفي المشروعية والحل ولا ينافي عدم التصور في أحد هما دون الآخر والقرينة على هذا تصريحهم بعده ببطلان التمتع بالإلمام الصحيح فيما لو عاد المتمتع إلى بلده و تصريحهم في باب إضافة الإحرام بأنه إذا قرن ولم يرفض شيئا منهما أجزأه. (شامی ۲/۱۹۸)۔

علامہ شامی نے فرمایا اور اسی بنیاد پر متون کے قول اور تمتع و قران مکی کے لئے نہیں ہے، کا مطلب مشروعیت اور حلت کی نفی ہے۔ اور ان دونوں میں سے ایک میں دوسرے کے بغیر عدم تصور کے منافی نہیں ہے اور اس پر قرینہ ان کا صراحت اس کے بعد تمتع کے باطل ہونے کا صحیح طور پر نازل ہونے کی وجہ سے ان صورتوں میں کہ اگر متمتع اپنے وطن کو لوٹے۔ اور ان کی صراحت اضافہ احرام کے باب میں، ایسا طور کہ وہ جب قران کرے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو ختم نہ کرے تو اس کو کافی ہو جائے گا۔

مکہ مکرمہ کے رہنے والوں اور میقات پر یا میقات کے اندر حل میں رہنے والوں کو قران اور تمتع کرنا جائز نہیں (زبدہ، ص ۳۰۵)۔

۴۔ باہر نکلنے والے اہل مکہ میں سے جن حضرات کا اسی سال حج کا ارادہ ہے وہ مکہ واپسی کے وقت حج کا احرام باندھ کر اندر داخل ہوں اور حج کا ارادہ نہ ہونے کی صورت میں صرف عمرہ کی ادائیگی کافی ہوگی۔

لأن عمرته وحجته ميقاتيان فصار بمنزلة الآفاقي.

اس لئے کہ اس کا عمرہ اور حج دونوں میقات ہیں تو وہ آفاقی کے حکم میں ہو گیا۔

۵۔ جو متمتع عمرہ کرنے کے بعد حج کرنے سے پہلے مدینہ طیبہ کو چلا جائے تو امام اعظم کے نزدیک وطن اصلی جائے بغیر اس کا سفر واحد ہی رہتا ہے اس لئے اس کو مفرد حج کا احرام باندھ کر آنا چاہئے، اور صاحبین کے نزدیک پہلا تمتع باطل ہو گیا اب عمرہ کا احرام باندھ کر جاوے تو از سر نو تمتع ہوگا اور حج میں زیادہ دن ہوں تو عمرہ کا احرام باندھ کر جانے میں امام اعظم کے نزدیک بھی کوئی حرج نہیں، البتہ تمتع کے عمرہ سے فارغ ہو کر مکہ میں رہتے ہوئے حج سے پہلے مزید عمرے نہ کرے اس میں احتیاط ہے، اور ملا علی قاری نے جو فرمایا ہے اس کے موافق اور کسی کتاب میں منقول نہیں (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ۲/۳۱۸)۔

۶۔ قال السرخسی وإن رمى عنه أصحابه بمنزلة المغمى عليه فإن النيابة تجري في النسك كما في الذبح (مبسوط ۴/۷۰)۔

سرخسی نے کہا اور اگر رمی کیا اس کی جانب سے تو یہ کافی ہو جائے گا اس شخص کے درجہ میں جس پر بے ہوشی طاری ہو اس لئے کہ نیابت حج و عمرہ میں جاری ہوتی ہے جیسا کہ ذبح میں۔

في الغنية قد تبين مما قدمنا أنهم جعلوا خوف الزحام عذرا للمرأة ولمن به علة أو ضعف في تقديم الرمي قبل طلوع الشمس أو تأخيره إلى الليل لا في جواز النيابة عنهم لعدم الضرورة فلو لم يرموا بأنفسهم لخوف الزحام تلزمهم الفدية (غنیہ ص ۱۰۰، الزبدۃ المناسک ص ۱۸۳)۔

غنیہ میں ہے ظاہر ہو گیا ان چیزوں کی وجہ سے جس کو ہم نے مقدم کیا کہ ان لوگوں نے ازدحام کے خوف کو عذر قرار دیا عورت کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جس کو بیماری یا کمزوری ہو سورج طلوع ہونے سے پہلے رمی کے مقدم کرنے اور اس کے رات تک مؤخر کرنے میں نہ کہ ان کی جانب سے ضرورت نہ ہونے کے باوجود نیابت کے جائز ہونے میں تو اگر وہ لوگ بذات خود ازدحام کے خوف سے رمی نہ کریں تو ان پر فدیہ لازم ہوگا۔

جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو اور جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر جانے میں سخت تکلیف ہوتی ہو تو وہ معذور ہے اس کو جانے میں مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تب بھی معذور ہے، اگر جانے میں مرض بڑھ جانے کا اندیشہ نہ ہو یا تکلیف نہ ہو تو اس کو خود آ کر رمی کرنا ضروری ہے، دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں ہوں اگر سواری یا اٹھانے والا نہ ہو تو معذور ہے اور معذور دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے۔ (لباب ص ۱۲۴، غنیہ ص ۱۰۰، الزبدہ مع عمدہ ص ۱۸۶)۔

معذور کی طرف سے جو دوسرا کوئی نیابۃً رمی کرے اس کے جائز ہونے کے لئے معذور کا امر کرنا شرط ہے مگر بے ہوش اور چھوٹے بچے بے سمجھ اور مجنون کی طرف سے بغیر امر کے جائز ہے (لباب، الزبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ص ۱۸۷)۔

ازدحام کے خوف سے عورتوں اور مریضوں اور کمزوروں کے لئے رمی کو طلوع شمس سے مقدم کرنے اور رات تک مؤخر کرنے کی گنجائش ہے، نائب بنانے کی اجازت صرف مذکورہ تحت مجبوری کی حالت میں ہے۔

۷۔ سعودی عرب میں رہنے والے غیر ملکی حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھتے ہیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیئے جاتے ہیں تو وہ محصر کے حکم میں ہیں نہ آئیں۔ یہ کہ جدہ یا کامران وغیرہ سے حکام نے جہازوں کو روک دیا بلکہ واپس کر دیا تو اختیار ہے وہاں جہاز ہی میں سے اگر ممکن ہو تو جانور لے کر ذبح کر سکتے ہیں یا واپس ہو کر وطن وغیرہ میں کریں گے مگر سائلین کس طرح کریں تو اس کا حل یہ لکھتے ہیں کہ جب حج و عمرہ کا عزم باندھے کے وقت یہ شرط کر لے کہ اگر میں محصر ہو جاؤں تو حلال ہو جاؤں گا تو محصر ہونے کے وقت بغیر ذبح کئے بھی حلال ہونے کی گنجائش ہوگی، البتہ ہمارا مذہب وہی ہے کہ بغیر ذبح کئے حلال نہ ہوگا (توضیح مع عمدہ ص ۲۳۴)۔

ونقل الكرماني والسروجي عن محمد أنه إن اشترط الإحلال عند الإحرام إذا أحصر

جاز له التحلل بغير هدی (شامی ۲/۲۳۳)۔

اور کرمانی ومروزی نے محمدؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ اگر احرام کے وقت ہی شرط لگا دے کہ جب وہ محصر ہو جائے گا تو حلال ہو جائے گا تو ایسے آدمی کے لئے بغیر ہدی کے حلال ہونا جائز ہے۔

احصار حل میں ہو اور حرم تک ہدی پہنچانے یا اس کی قیمت ادا کر کے ذبح کرانے کے ذرائع میسر نہ ہوں تو صاحب عین الہدایہ کی رائے کے مطابق حل میں بھی ذبح کرنا احرام کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے، ہمارے نزدیک تو ضرورت اور تنگی کی وجہ سے جواز کی گنجائش نکلی اور امام شافعی کے مذہب میں تو مطلق جواز ہے، پس اس توافق سے بھی وسعت ہوئی (زبدہ مع عمدہ ص ۲۳۱)۔

۸۔ قارن اور متمتع کو پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرنا اس کے بعد ذبح یہ ترتیب واجب ہے، اور مفرد کو رمی اور حلق میں ترتیب واجب ہے (زبدۃ المناسک مع عمدہ ص ۱۹۳)۔

قال السرخسی إذا وافی منی یرمی جمرة العقبة ثم بالذبح إن کان قارنا أو متمتعا ثم بالحلق لحدیث عائشةؓ أن النبی ﷺ قال إن أول نسکنا فی هذا الیوم أن نرمی ثم نذبح ثم نحلق ولأن الذبح والحلق من أسباب التحلل الا تری إن تحلل المحصر بالذبح فیقدم الرمی علیهما ثم الذبح فی معنی التحلل دون الحلق فإن الحلق محظور الاحرام و الذبح لا فکان الذبح مقدما علی الحلق (مبسوط السرخسی ۴/۶۳)۔

سرخسی نے فرمایا کہ جب منی پہونچ جائے تو جمرہ عقبہ کی رمی کرے پھر ذبح کرے اگر وہ قارن یا متمتع ہے، پھر حلق کرائے، حضرت عائشہؓ کی حدیث "نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آج ہمارے حج کے افعال میں سے پہلا یہ ہے کہ ہم رمی کریں پھر ذبح کریں پھر حلق کرائیں" کی وجہ سے، اور اس لئے کہ ذبح اور حلق حلال ہونے کے اسباب میں سے ہیں، کیا نہیں دیکھتا ہے تو کہ اگر محصر ذبح کے ذریعہ حلال ہو جائے تو ان دونوں پر رمی کو مقدم کیا جاتا ہے، پھر ذبح حلال ہونے کے معنی میں ہے نہ کہ حلق، کیونکہ حلق احرام کو روکنے والا ہے تو ذبح حلق پر مقدم ہو گیا۔

جو معذور قربان گاہ تک نہ پہنچ سکیں وہ ایسے اداروں کو ذبح کا مختار بنائیں جن کی نظر میں ترتیب واجب ہے جیسے مدرسہ صولتیہ وغیرہ تو ذبح کے متعین کردہ وقت کے بعد حلق کرانے کی اجازت ہوگی۔

۹۔ اگر چہ من حیث الدلیل آمر کی اجازت سے حج بدل میں قران اور تمتع دونوں کے جواز کا رجحان معلوم ہوتا ہے اور فقہاء متاخرین میں سے صاحب لباب اور اس کے محشی صاحب حباب وغیرہ اسی کو اختیار کرتے ہیں، مگر ملا علی قاری اور حضرت گنگوہی کا قول اس سے مختلف ہے وہ تمتع کو باذن آمر بھی جائز نہیں کہتے، معاملہ ادائے فرض کا نازک ہے، جہاں تک ممکن ہو حج بدل میں افراد یا قران کرنا چاہئے لیکن اس زمانہ میں حج وعمرہ کرنے میں عام آدمی آزاد نہیں کہ جب اور جس وقت چاہیں جائیں اور طول احرام سے بچنے کے لئے ایام حج کے بالکل قریب سفر کریں، ہر طرف حکومتوں کی پابندیاں شدید ہیں اس لئے اگر کسی حج بدل کرنے والے کو وقت سے پہلے جانے کی مجبوری ہو اور احرام

طویل میں واجبات احرام کی پابندی مشکل نظر آئے تو اس کے لئے تمتع کر لینے کی بھی گنجائش ہے (جواہر الفقہ ۱/۵۱۶)۔

لأن المیت لو أمره بالتمتع فتمتع المأمور صح ولا یکون مخالفا بلا خلاف بین الأئمة الأسلاف کذا في الحباب (ارشاد الساری ص۳۰۳، بحوالہ جواہر الفقہ ۱/۵۱۲)۔

اس لئے کہ اگر میت نے اس کو تمتع کا حکم دیا پھر مامور نے تمتع کیا تو صحیح ہے اور وہ مخالف نہیں ہوگا ائمہ اسلاف کے درمیان بغیر اختلاف کے، جیسا کہ حباب میں ہے۔

مذکورہ شرائط کے ساتھ الف، ب، ج، تینوں صورتوں میں تمتع کی گنجائش ہوگی۔

(د) بلا اجازت کیا تو تمتع کے دم کا سارا خرچہ مامور واپس کر دے اور اجازت سے کیا تو خرچ کا مامور پر ضمان لازم نہ ہوگا۔

(و) حج عن المیت کرنے والے کو خود میت نے امر نہیں کیا ورثاء پہنچا رہے ہوں تو وہ حج کر کے میت کو ثواب پہنچا سکتا ہے اس صورت میں بھی تمتع کرنے کی گنجائش ہے۔

وإلا فجعل ثوابه له بعد الأداء إذ بدون الأمر به یقع الحج عن القائل بالاتفاق فهو لیس حاجا عنه بل هو فاعل ثواب حجه له والثواب إنما یحصل بعد الأداء فبطلت نیته له في الإحرام فلا یحصل له ثواب إلا إذا جعل له بعد الأداء کما قالوا في مسألة الحج عن ابوین أیضا بل لابد من جعل ثوابه له بعد الأداء کما في العبادة البدنیة (غنیہ حاشیہ زبدة ۳۶۲)۔

ورنہ حج کا ثواب اس کو ادائیگی کے بعد ہوگا کیونکہ حج کے حکم کے بغیر فاعل کی جانب سے بالاتفاق واقع ہوگا تو وہ اس کی جانب سے حج کرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ اپنے حج کے ثواب کو اس کے لئے پہنچاتا ہے اور ثواب ادائیگی کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ تو احرام میں اس کے لئے حج کی نیت باطل ہوگی، لہذا اس کو ثواب نہیں حاصل ہوگا مگر جبکہ ادائیگی کے بعد اس کو پہنچایا جائے، جیسا کہ لوگوں نے کہا والدین کی جانب سے حج کرنے کے مسئلہ میں بھی، بلکہ ضروری ہے ادائیگی کے بعد میت کو ثواب پہنچانا جیسا کہ عبادت بدنیہ میں۔

۱۰۔ حیض کی حالت میں مسجد میں جانا سخت منع ہے، حج کے عظیم رکن طواف زیارت کو حیض میں کرنا بہت بڑا جرم ہے، لہذا روانگی کی تاریخ بڑھا کر پاک ہونے تک رکی رہے اور پاکی کے ساتھ طواف زیارت کر کے حج پورا کرنا چاہئے شرعاً حائضہ کو طواف کرنے کا حکم یا فتوی نہ دیا جائے کسی نے لاعلمی میں حیض کے وقت طواف زیارت کر لیا تو اس پر بدنہ ذبح کرنا ضروری ہے (زبدة المناسک مع عمدة المناسک ۱/۲۰۶)۔

قال الکاساني فإن لم یعد إلی مکة لکنه بعث بدنة جاز لما ذکرنا أن البدنة تجبر النقص بالجنایة (بدائع ۲/۱۳۳)۔

کاسانی نے کہا کہ اگر وہ مکہ نہ لوٹے لیکن اس نے (بدنہ) اونٹ یا گائے بھیج دیا تو جائز ہے اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کیا کیونکہ بدنہ جنایت کی کمی کو پورا کر دیتا ہے۔

قال السرخسي وعلى هذا لو طافت المرأة للزيارة حائضا فهذا والطواف جنباً سواء (مبسوط۴/۳۹)۔

سرخسی نے کہا اور اسی بنیاد پر اگر عورت نے حالت حیض میں طواف زیارت کرلیا تو یہ اور حالت جنابت میں طواف برابر ہے۔

نقل بعض المحشين عن منسک ابن أمير الحاج لو همّ الركب على القفول ولم تطهر فاستفت هل تطوف ام لا قالوا يقال لها لا يحل لک دخول المسجد وان دخلت وطفت أثمت وصح طوافک وعليک ذبح بدنة (ردالمحتار۲/۱۸۳)۔

بعض محشین نے منسک ابن امیر الحاج سے نقل کیا ہے کہ اگر قافلہ لوٹنے کا ارادہ کرے اور اس میں کوئی عورت پاک نہ ہو تو اس نے پوچھا کہ کیا وہ طواف کرے گی یا نہیں؟ لوگوں نے کہا اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے لئے مسجد میں داخل ہونا حلال نہیں ہے اور اگر داخل ہوگئی اور طواف کرلیا تو گنہگار ہوگی اور تمہارا طواف صحیح ہے لیکن تم پر بدنہ کا ذبح کرنا واجب ہے۔

مذکورہ عبارات سے مجبوری کے وقت طواف زیارت کرنے والی حائضہ پر مکہ میں بدنہ ذبح کرنے کا وجوب معلوم ہوتا ہے۔

۱۱۔ زبدہ میں ہے: اور عدت موت میں اگر مکہ معظمہ تین منزل کے راستہ پر ہے اور محرم بھی ساتھ نہیں تو بھی محصرہ ہے اور اگر مکہ معظمہ تین منزل سے کم پر ہے تو محصرہ نہیں (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ا/۳۵۱، مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۱۳۳)

زبدۃ المناسک میں ہے جبکہ عورت کا زوج اس کو طلاق دیدے اور مکہ مکرمہ میں ہی ہو تو عرفات پر نہ جائے، اس صورت میں دوسرے سال تک وہاں رہتا اور اگر گھر کو واپس آئے تو پھر واپس جا کر حج کرنا اور وہاں رہنے کی صورت میں سال بھر کا نفقہ موجود ہونا اور واپسی کے وقت رفاقت کا ہونا وغیرہ بہت ہی مشکلات پیش آئیں گی تو یہ بھی اسی طرح معذور گنی جاوے جیسے بوادی وغیرہ میں جہاں اقامت مشکل ہو تو مکہ مکرمہ کو چلے جانے کا جواز ہے، اب اس حالت میں عرفات پر حج کرنے کو جائے تو عذر ہوسکتا ہے ورنہ اس کو نہایت ہی مشکل پیش آئیگی، اگر افعال عمرہ بجالا کر حلال ہوگی تو پھر حج کے لئے قضا کرنی لازم ہوجائے گا، پھر اس کے لئے وہاں رہنا یا واپس آنا نہایت دشوار ہوگا۔ (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ا/۳۶۰)۔

۱۲۔ جو حاجی مسافر مکہ مکرمہ میں ایسے وقت آئے کہ آٹھویں تاریخ تک پندرہ روز سے کم ہیں اور وہ مکہ مکرمہ میں پندرہ روز یا زیادہ اقامت کی نیت کرے تو اس کی نیت اقامت صحیح نہ ہوگی وہ مسافر رہے گا کیونکہ آٹھویں تاریخ کو وہ منیٰ اور نویں تاریخ کو عرفات ضرورت جائے گا اس لئے ایسے شخص کو قصر کرنا چاہئے (معلم الحجاج ص۱۵۷)۔

۱۳۔ قال الشامي والذي يميل إليه القلب عدم كراهة الاقتداء بالمخالف مالم يكن غير

مراع في الفرائض إلى قوله يريد جماعة أكمل من هذه الجماعة (شامی ۱/۴۷۷)۔

شامی نے کہا اور روایت جس کی طرف دل مائل ہوتا ہے مخالف کی اقتداء کا مکروہ ہونا ہے جب وہ فرائض میں رعایت کرنے والا ہو۔

قال الشامي ومعنى كوله لم يخرج بسلامه أن صلاته لم يفسد وتره لأن ما بعده يحسب من الوتر لكانه لم يخرج منه (رد المحتار ۱/۳۳۹)۔

شامی نے فرمایا اور کوئی لم تخرج بسلامہ کا مطلب یہ ہے کہ امام کا سلام اس کے وتر کو فاسد نہیں کرے گا کیونکہ جو چیز بھی اس کے بعد ہیں اس کا شمار وتر میں سے ہے تو گویا وہ اس سے نہیں نکلا۔

خلافیات کی رعایت کرنے والے مخالف مسلک امام کی اقتداء کی جائے اور امام کے ایک رکعت پر سلام پھیر دینے کے بعد مقتدی اپنی دو رکعت پوری کرنے میں بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے لیکن مکمل جماعت کے انتظار اور ہم مسلک امام کی اقتداء جماعت سے احتراز نہیں لہذا امام حنفی میسر ہو تو اس کے پیچھے تین رکعت وتر کی جماعت میں شامل ہونا چاہئے۔

☆☆☆☆☆
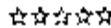
مسائل حج وعمرہ کا حل

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

عصر حاضر میں حرمین مقدسین کی تجارتی اہمیت، حج بیت اللہ کی بے پناہ کثرت، ویزا اور ٹکٹ کی قانونی پابندیاں کی دشواریوں سے بچنے کے لئے بعض مسائل کا حل اس طرح ہو سکتا ہے:

۱۔ حج وعمرہ کی نیت کے بغیر صرف تجارت یا کاروباری مقصد یا کسی سے ملاقات کے لئے مکہ مکرمہ یا حرم کی حدود میں احرام باندھے بغیر آنا شرعاً ٹھیک نہیں ہے۔

۲۔ اہل مکہ کا حدود سے نکل کر بار بار آنے والے طریقہ پر احرام کی پابندی لگانا ٹھیک نہیں، انھیں مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

۴۔ حج کا ارادہ رکھنے والے اہل مکہ کو اشہر حج میں میقات سے باہر جانے کی اجازت ہوگی مگر احتیاطاً ایک دم دیدے۔

۵۔ حج کے احرام سے پہلے مزید عمرے کر سکتا ہے۔

۶۔ الف: مکمل رمی میں نیابت ہو سکتی ہے۔

(ب) ازدحام کے خوف سے نائب بنانا درست ہو سکتا ہے اسلئے کہ ازدحام سے کسی خطرہ کا خوف لاحق رہتا ہے۔

۷۔ سعودی عربیہ میں رہنے والے غیر ملکی اجازت کے بغیر حج کرتے ہوئے پکڑے جائیں تو وہ محصر کے حکم میں ہوں گے، وہ قربانی دے کر احرام ختم کر سکتے ہیں جیسا کہ حدیبیہ میں ہوا تھا۔

۸۔ رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب تو ہے مگر حکومت کے مجاز اداروں کی ذمہ داری اختیار کی جا سکتی ہے۔

۹۔ الف: حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے۔

(ب) صریح اجازت کے بغیر تمتع نہیں کر سکتا ہے۔

(ج) اگر عرف غالب پر تمتع کرے تو حج بدل کرنے والے کے مال سے دم دینا لازم ہو جائے گا۔

(د) آمر کی اجازت نہ ہو اور حج سے پہلے سفر ہو گیا ہے، طویل عرصہ تک احرام کی پابندی مشکل ہے، حج کے ایام تک اپنے مال سے دم دیتے ہوئے کی اگر وقت ہو تو حج بدل کا احرام دوبارہ باندھ سکتا ہے۔

(ہ) حج عن المیت کی صورت میں دم دینے کی خود میں طاقت ہو تو تمتع کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

۱۰۔ کسی عورت کو ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرکے گھر دم دینے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں شوہر کے انتقال پر ایام عدت میں حج یا عمرہ کر سکتی ہے۔

۱۲۔ کہیں ۱۵ دن سے زیادہ ہونے سے وہ مقیم ہوگا، مکہ میں عمرہ کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۳۔ حنفی امام حرم کی اقتداء میں فصل کے ساتھ وتر ادا کرے ورنہ جماعت کے ثواب سے محروم ہو جائے گا۔

☆☆☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند حل طلب مسائل

محمد ایوب ندوی شافعی، بھٹکل

۱۔ جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے حدود حرم میں داخل ہو اسے حالت احرام میں داخل ہونا ضروری ہے ورنہ ضروری نہیں ہے، یہ مسلک امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہؓ فتح مکہ کے موقع پر بلا حالت احرام داخل ہوئے تھے، حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہی منقول ہے۔

۲۔ جو شخص مکہ میں رمضان سے مقیم ہو وہ اشہر حج میں عمرہ کرسکتا ہے یعنی وہ تمتع یا قران کرسکتا ہے لیکن اسے دم تمتع نہیں دینا ہوگا۔

۳۔ مسلک امام شافعی اور امام احمد پر عمل کرنا بہتر ہے۔

۴۔ کرسکتا ہے۔

۵۔ اکثر شوافع علماء نے اس بات کی صراحت کی کہ اگر وہ شخص رمی جمار کے آخری دن وقت جواز تک خود رمی نہ کرسکتا ہو تو وہ دوسرے کو نائب بنا سکتا ہے۔

آج کل چوتھے دن بعد عصر منی بالکل خالی ہو جاتا ہے اور تقریباً ہر بوڑھا و بچہ رمی جمار کرسکتا ہے لہٰذا محض ازدحام کے خوف سے نائب بنانا درست نہیں۔

۶۔ ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہوں گے، وہ ایک بکری ذبح کریں گے اور اس سے تحلل کی نیت کریں گے (کتاب الایضاح فی المناسک)

۷۔ شوافع کے نزدیک رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے، لہٰذا آج کل کی دشواری کی وجہ سے مسلک شوافع پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

۸۔ حج تمتع آمر کی اجازت سے ہوگا۔

۹۔ حیض ونفاس کی حالت میں طواف زیارت کسی طرح درست نہیں، اگر اسے کسی وجہ سے جانا پڑے تو وہ دوبارہ آکر طواف زیارت کرے گی۔

۱۰۔ اداکرسکتی ہے۔

۱۱۔ وہ مقیم نہیں ہوگا۔

۱۲۔ جمع اور جماعت کی رعایت کرے، امام مسجد کی اقتداء کرنا بہتر ہے۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ کے مسائل

مولانا سلطان احمد اصلاحی، علی گڑھ

۱۔ حرم کی میں داخل ہونے کے لئے مطلق احرام کی شرط چاہے حج یا عمرے کی نیت ہو یا نہ ہو صرف حضرات حنفیہ کے یہاں ہے:

ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد (ہدایہ ۱/۲۶۲ ـ رشیدیہ دہلی)۔

دیگر ائمہ بالخصوص امام شافعی کے نزدیک میقات کے اندر داخل ہونے کے لئے احرام کی شرط صرف اس کے لئے ہے جس کا حج یا عمرے کا ارادہ ہو، اور جس کی اس کی نیت نہ ہو احرام کے لئے اس کی ضرورت نہیں ہے:

الشافعي عنده إنما يجب الإحرام عند الميقات إذا دخل مكة بحجة أو عمرة لأن الإحرام شرع لأحدهما فإذا نوى ذلك يجب وإلا فلا (ہدایہ ۲۶۲ حاشیہ)۔

بدایہ میں یہ تفصیل نام لئے بغیر ہے:

وقال قوم: لا يلزم الإحرام إلا لمريد الحج أو العمرة الخ (بدایۃ المجتہد ۱/۳۲۵)۔

اسی موقع پر امام مالک کے اس مسلک کی بھی وضاحت ہے کہ لکڑی فروش وغیرہ جنہیں کثرت سے حدود حرم میں آنا جانا پڑتا ہو ان کے لئے بھی احرام کی ضرورت نہیں ہے:

ولا خلاف أنه يلزم الإحرام من مر بهذه المواقيت ممن أراد الحج أو العمرة وأما من لم يردهما ومر بهما فقال قوم كل من مر بهما يلزمه الإحرام إلا من يكثر تردده مثل الحطابين وشبههم، وبه قال مالك (بدایہ حوالہ سابق)۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کی جو تفصیل ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایہ اور دیگر حنفی مراجع میں دخول حرم کے لئے مطلق احرام کی شرط کی جو بات کی گئی ہے دراصل وہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ حدود حرم میں بار بار آنے جانے کی ضرورت کے لئے امام صاحب کے یہاں بھی رخصت ہے اور اس کے لئے احرام ضروری نہیں ہے۔

(الفرع الثالث) المكلف الذي يدخل ... ولا حاجة متكررة فلا يجوز له تجاوز الميقات غير محرم، وبه قال أبو حنيفة وبعض أصحاب الشافعي (المغنی ۳/۲۶۵)۔

جبکہ دوسروں کے یہاں بھی گنجائش معروف ہے:

وقال بعضهم: لا يجب الإحرام عليه وعن أحمد ما يدل على ذلك الخ (مغنی حوالہ سابق)۔

اس تفصیل کی روشنی میں بار بار کی ضرورت والوں کے لئے تو حنفی مسلک میں بھی احرام کی شرط منتفی ہو جاتی

ہے، باقی تینوں ائمہ کی رائے پہلے ہی سے اس کے حق میں ہے، تجارت یا ملاقات کی اتفاقیہ ضرورت کے سلسلے میں بھی حضرت امام شافعی اور دیگر ائمہ کی رائے پر ہی عمل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، جن کے یہاں احرام کی شرط حج اور عمرہ کے ساتھ ہی ہے، مسئلے کی دیگر تفصیلات سے اگرچہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کی تجارت یا ملاقات کی ضرورت اس نوعیت کی نہ ہو کہ انہیں بار بار اور انتہائی کثرت سے مکہ آنا جانا پڑتا ہو، ان کے لئے احرام کی پابندی ہی زیادہ اولیٰ اور انسب ہے، لیکن اسے اولیٰ اور انسب کی حد تک ہی رکھنا بہتر ہے، واجب قرار دینا مناسب نہیں ہے، بالخصوص فی زمانہ دینداری میں جو اضمحلال ہے اس کے پیش نظر آسانی اور رخصت کا مسلک ہی بہتر اور مناسب ہے، مزید آمد و رفت کی کثرت وعدم کثرت کو متعلق فرد کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے، اس کا فیصلہ وہ خود کرے کہ اس کے مطابق احرام کی مذکورہ رخصت سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔

۲۔ تفصیل بالا کے مدنظر مکہ کے اندر یا باہر کے جن لوگوں کا مختلف اغراض سے بار بار مکہ آنا جانا ہو اور ان کی حج یا عمرے کی نیت نہ ہو، ائمہ ثلاثہ کی ان کے لئے رخصت واضح ہے کہ اندریں صورت انہیں احرام باندھنے کی حاجت نہیں ہے، فقہ حنفی جس کی معروف رائے اس کے برعکس ہے اس میں بھی حضرت امام اعظم کی اس رائے کے مطابق جس میں بار بار کی ضرورت کی صورت میں احرام سے رخصت کی گنجائش نکلتی ہے (مغنی ۳/۲۶۹) اس مسلک میں بھی اس کی گنجائش پیدا ہوتی ہے، اگرچہ دینداری کے موجودہ اضمحلال کے پیش نظر جس کا اشارہ اوپر گذرا، ہمارے نزدیک قابل ترجیح ہے کہ بار بار کی ضرورت سے قطع نظر حج یا عمرہ نہ کرنے کی صورت میں ملاقات یا تجارت وغیرہ کی مطلق ضرورت سے بھی احرام کی عدم پابندی کی دیگر ائمہ کی رائے پر عمل زیادہ بہتر اور قرین حالات ہے، دریں حالیکہ میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے پریشانی اور زحمت سے بچانے کے مقصد سے اہل مکہ کی طرح انہیں بھی مکہ میں بلا احرام داخل ہونے کی اجازت فقہ حنفی میں پہلے سے موجود ہے:

ومن كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجة لأنه يكثر دخوله مكة وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بين فصار كأهل مكة حيث يباح لهم الخروج لحاجة منها ثم دخولها بغير إحرام لحاجتهم الخ (ہدایہ ۱/۲۱۴)۔

آج کے دور میں بالکل یہی زحمت آفاقی کے لئے ہے، پس اس رخصت کو اس کے لئے بھی عام کردینا مناسب ہے۔

۳۔ جمہور علماء کے اتفاق سے مکی کے لئے تمتع یا قران جائز نہیں:

واتفق العلماء على أن من لم يكن من حاضري المسجد الحرام فهو متمتع (بداية المجتهد ۱/۳۳۲)۔

یہی رائے حضرت امام اعظمؒ کی بھی ہے، البتہ امام مالکؒ کے یہاں یہ صرف مکروہ ہے:

وأبو حنيفة يقول: إن حاضري المسجد الحرام لا يقع منهم التمتع، وكره ذلك

مالک (ہدایہ ۱/۲۳۳)۔

یہی حکم قران کا بھی ہے:

والقارن الذی یلزمہ ھدی المتمتع ھو عند الجمھور من غیر حاضری المسجد الحرام (ہدایہ ۱/۳۲۵)۔

۴۔ اوپر کی گفتگو کی روشنی میں اس کا جواب واضح ہے کہ مکہ میں مقیم جن حضرات کے کام کی نوعیت ایسی ہو کہ سال کے تمام دنوں میں انہیں بار بار مکہ آنا اور جانا پڑتا ہے تو فقہ حنفی سے ہٹ کر ان کے لئے رخصت معلوم ہے کہ ان کے لئے احرام کی پابندی ضروری نہیں ہے، اسی طرح حج یا عمرہ نہ کرنے کی نیت کی صورت میں بھی فقہ شافعی وغیرہ کی رائے صاف ہے کہ ان دو صورت میں احرام واجب نہیں ہے، البتہ اسی کی بنیاد پر اہل مکہ کی تقسیم کرنے کی ضرورت ہے، کاروبار اور ملاقات وغیرہ کے لئے ہر ایک کی ضرورت لازماً بار بار آنے جانے کی نہیں ہوتی ہے، حج کا عرصہ شوال، ذی قعدہ اور معروف قول کے مطابق دسویں ذی الحجہ کل دو ماہ دس دن ہے، جو بہت زیادہ نہیں ہے کہ آدمی کے لئے اس میں اپنے شہر سے نکلے بغیر چارہ نہ ہو، پس جو لوگ اپنے کو کسی انہیں احتیاط کرنی چاہئے، البتہ زائرین، سبزی فروش اور دیگر کاروباری جو سال کے باقی دنوں کی طرح ان ایام میں بھی ایسے ہی بار بار مکہ سے باہر اور پھر واپس آنے کے لئے مجبور ہوں، ان کے لئے ان فقہاء کے مسلک پر عمل کی اجازت دینا اولی ہے جن کے یہاں ایسے ضرورت مندوں کے لئے احرام کی شرط نہیں ہے، کاروبار اور ملاقات وغیرہ کی اس سے ہٹ کر صورت کے لئے معاملہ کو متعلق فرد یا افراد کی صوابدید پر چھوڑنا چاہئے، حج اور عمرہ کی نیت نہ ہونے کی صورت کا معاملہ پہلے سے ہی واضح ہے کہ اس کے لئے احرام کی ضرورت نہیں ہے، یہی اہل مکہ میں اسی سال حج کا ارادہ کرنے والے دو ماہ دس دن مکہ سے باہر آنے جانے والے یہ کہ دو بارہ کی ضرورت والے لوگوں کی صف میں آتا ہو، سو اس کی رخصت معلوم ہے، مکی کے لئے ایک رائے تمتع اور قران کے جواز کی بھی ہے (بدایۃ المجتہد ۱/۳۳۴-۳۳۵) اور اس صورت میں اس کے لئے دم نہیں ہے (ہدایہ ۱/۳۳۳) خصوصی حالات میں مکی کے لئے اس رخصت سے بھی فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہونی چاہئے، جہاں تک ممکن ہو دم سے بچانے کی راہ نکلنی چاہئے۔

۵۔ ایک ہی سال میں ایک سے زائد بار عمرے کے جلنے میں علماء کا اختلاف معلوم ہے، حضرت امام مالکؒ کے یہاں سال میں مستحب ایک ہی عمرہ ہے، ایک ہی سال میں دوبار عمرہ کو وہ مکروہ کہتے ہیں، البتہ امام شافعیؒ اور حضرت امام اعظمؒ کے یہاں اس میں کراہت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔

واختلفوا فی تکریرھا فی السنۃ الواحدۃ مراراً فکان مالک یستحب عمرۃ فی کل سنۃ ویکرہ وقوع عمرتین عندہ او ثلاث فی السنۃ الواحدۃ، وقال الشافعی و ابو حنیفۃ لا کراھۃ فی ذلک (بدایۃ ۱/۳۲۶)۔

اس کے لحاظ سے تمتع کرنے والا آفاقی عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید

عمرے کرسکتا ہے، البتہ یہ کہ موجودہ دور کے غیر معمولی ازدحام کے پیش نظر منتظمین حج کی طرف سے اس سے بچنے کی سفارش ہوتو اس صورت میں لوگوں کو زحمت سے بچانے کے مقصد سے ایک عمرہ پا اکتفا کرنا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔

۶۔ (الف) رمی کے عمل میں ایک شخص دوسرے کی نیابت کرسکتا ہے۔

(ب) نیابت کے جواز کے لئے مریض اور معذور کے ساتھ مجبوری کا بھی ذکر ہے، یعنی یہ کہ جو شخص کسی شدید مجبوری سے رمی جمرہ کے لئے نہ جاسکے، لیکن مناسب ہے کہ اسے بہت عام نہ کیا جائے، محض ازدحام کے باعث نائب بنانا درست نہیں ہے۔

إذا كان الرجل مريضا أو محبوسا أو له عذر جاز أن يستنيب من يرمي عنه (المغنی ۳/۲۹۰)۔

البتہ بیماری اور عذر کی صورت میں بھی بہتر ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ نائب کے ہاتھ میں کنکری اپنے ہاتھ سے رکھے جس سے کہ اس عمل میں اس کی بھی یک گونہ شرکت ہوجائے، قاضی ابو یعلی کی رائے کے الفاظ ہیں:

قال القاضي: المستحب أن يضع الحصى في يد النائب ليكون له عمل في الرمي الخ (حوالہ سابق)۔

۷۔ ہاں ایسا شخص "محصر" کے حکم میں ہوگا، وہ دم احصار کے طور پر قربانی کا جانور یا اس کی قیمت کسی کے ہاتھ بھیج دے جس سے اس کی طرف سے حرم میں قربانی کردی جائے، اس وقت تک اس کے لئے احرام سے تحلل جائز نہ ہوگا، لیکن کسی وجہ سے وہ اس کے لئے اس سے پہلے مجبور کردیا جائے تو ساتھ ہی دوسرا دم جنایت بھی ادا کرے، دونوں ہی صورتوں میں آئندہ حج یا عمرہ وہ اس وقت کرے جبکہ حکومت کی طرف سے باقاعدہ اس کو اس کی اجازت مل جائے، اصحاب امر کی معروف میں اطاعت واجب ہے، اور موجودہ دور کے حالات ومصالح کے مدنظر حکومت کا یہ حکم معروف میں داخل ہے، اور ہر مسلمان کے لئے اس کی پیروی لازم ہے۔

۸۔ صورت مسئولہ میں رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب قائم نہ رہنے پر دم لازم نہیں ہوگا، حالات مندرجہ کے پیش نظر فقہ حنفی کے قول مرجوح اور دیگر ائمہ کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے، ترتیب کے عدم تعین میں صرف امام شافعی کے علاوہ عطاء ابو یوسف اور ابو ثور ہیں (المغنی لابن قدامہ ۳/۴۳۶) اور موجودہ حالات میں ان کی رائے پر ہی عمل کیا جانا مناسب ہے، نیز ملاحظہ ہو (مغنی ۳/۴۳۵)۔

۹۔ شریعت میں عرف کا دخل ہے، اس لئے اس وقت مطلق حج سے اگر حج تمتع مفہوم ہوتا ہے تو حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنا حج تمتع ہی سمجھا جائے گا، ہاں بہتر ہوگا کہ روانگی سے قبل اس کی صراحت ہوجائے جس سے کہ شبہ زائل ہوجائے۔

باقی شقیں:

(الف) ہاں کرسکتا ہے۔

(ب) صرف حج تمتع معلوم ہونے کی صورت میں کر سکتا ہے لیکن بہتر ہے کہ صراحت بھی کر لی جائے۔

(ج) ہاں! تمتع کر سکتا ہے۔

(د) آمر کی طرف سے صریح طور پر تمتع کی ممانعت نہ کی گئی ہو تو دم تمتع آمر کے ہی مال میں لازم ہوگا۔

ودم المتعة والقران إن أذن له في ذلك على المحج (شامی ۲/۲۴۴-۲۴۳)۔

(ھ) آمر کی اجازت سے حج بدل کرنے والے کے لئے تمتع کی گنجائش ہے، اس لئے صورت مسئلہ میں قران کی طویل عرصہ کی پابندی اس کو بچنے کی ضرورت نہیں ہے، اشہر حج شروع ہونے سے قبل جانے کی صورت میں پہنچنے کے ساتھ ایک عمرہ کر لے بعد ازاں حج کے ساتھ عمرہ کر کے تمتع کی صورت پیدا کر لے، سال میں ایک سے زیادہ عمرے کی گنجائش ہے، اس کا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، تفصیل پہلے آ چکی ہے۔

(و) اصولی طور پر زندہ اور مردہ کے حج بدل میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے (شامی ۲/۲۴۳، بدایۃ المجتہد ۱/۳۲۷) اس لئے حج عن المیت کی صورت میں تمتع کی گنجائش نہ ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

۱۰۔ صورت مسئولہ میں چونکہ اضطرار ہے اس لئے:

(الف) ایسی عورت ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کر کے اپنا حج مکمل کرے۔

(ب) بحیثیت اضطرار اس کا رکن ادا ہو جائے گا اور اس پر دم لازم نہ ہوگا۔

(ج) دم لازم ہی نہیں تو بدنہ اور بکرا کا سوال ہی نہیں۔

(د) یہ قول بھی اپنے آپ زائل ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ مکی ہونے کی صورت میں وہ اپنے کو محصر کے حکم میں سمجھے اور اگلے سال اپنے حج و عمرہ کی تکمیل کرے، آفاقی ہونے کی صورت میں وہ ایام عدت میں ہی حج اور عمرہ کر لے، یہ بھی ایک گونہ اضطرار کی شکل ہے اور دوسرے سال آ کر حج اور عمرہ کی تکمیل اس کے لئے بوجوہ دشواریوں کا باعث ہے۔

۱۲۔ منیٰ کی آبادی کے مکہ سے متصل ہو جانے پر دونوں ایک ہی مقام متصور ہوں گے، اور دونوں میں ملا کر ۱۵ دن پورا ہونے پر ہی وہ شخص مقیم سمجھا جائے گا۔

۱۳۔ صورت مسئولہ میں مسجد اور حرمین میں بھی وتر جس طرح ادا کی جاتی ہے ویسے ہی ادا کرے، اپنے مسلک کی پیروی کی خاطر مسجد اور حرمین سے الگ ہو کر علیحدہ وتر ادا نہ کرے۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ کے چند حل طلب مسائل

راشد حسین ندوی، رائے بریلی

۱۔ جو لوگ حج وعمرہ کے بجائے تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد کے لئے حرم مکی میں داخل ہونا چاہیں ان کے لئے میقات سے احرام باندھنا واجب ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر علماء کے تین مسلک ہیں:

(۱) احناف اور مالکیہ کے نزدیک واجب ہے (ہدایہ، مدونہ ۳۰۳/۱)

(۲) شوافع اور حنابلہ کا مفتی بہ قول مطلقاً عدم وجوب کا ہے۔

(۳) انہیں حضرات کا دوسرا قول یہ ہے کہ خائف، مجاہد اور متکرر الدخول کے لئے واجب نہیں، بقیہ پر واجب ہے (مغنی ۲۱۸/۳۔۲۱۹، شرح مسلم ۳۴۲/۱)۔

ان حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) صحاح میں حضرت ابن عباس سے منقول روایت کا مفہوم مخالف:

"فهن لهن ولمن أتى عليهن من غير أهلهن ممن واراد الحج والعمرة (بخاری ومسلم ۳۷۴/۱)

(یہ میقاتیں ان لوگوں کے ہیں جو وہاں رہتے ہیں نیز وہاں نہ رہنے والے جو گذریں ان کے لئے ہیں جبکہ ان کا ارادہ حج وعمرہ کا ہو) اور یہ حضرات مفہوم مخالف سے استدلال کرنے کے قائل ہیں۔

(۲) عن انس أن النبي ﷺ دخل يوم الفتح وعلى رأسه المغفر" (مسلم وبخاری مع فتح الباری ۷۱/۴)۔

(حضور ﷺ فتح کے دن مکہ کے اندر اس حالت میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر پر خود تھا)۔

(۳) عن جابر بن عبد الله أن النبي ﷺ دخل يوم فتح مكة وعليه عمامة سوداء (مسلم ۴۳۹/۱)۔

(فتح کے دن رسول اللہ ﷺ مکہ کے اندر اس حالت میں داخل ہوئے کہ سر پر کالا عمامہ تھا)۔

جبکہ احناف کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول حضرت ابن عباس کی روایت:

إن النبي عليه السلام قال: لا تجاوزوا الوقت إلا بإحرام"۔

(میقات سے آگے احرام کے بغیر نہ جاؤ)۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ، مسند شافعی اور مسند اسحاق ابن راہویہ میں منقول حضرت ابن عباس کے آثار" انه يرد من جاوز الميقات غير محرم" (بحوالہ نصب الرایہ ۱۵/۳)۔

(جو شخص میقات سے آگے بغیر احرام جائے واپس کردیا جائیگا)

(۳) صاحب ہدایہ نے عقلی دلیل بھی دی ہے کہ احرام تعظیم بقعہ کے لئے ہے، اور اس میں سب لوگ برابر ہیں (۲؍۳۳۲ مع الفتح)۔

اور فریق اول کا جواب اس طرح دیا ہے کہ پہلی دلیل ہمارے اصول کے اعتبار سے لائق استدلال نہیں، پھر ہمارے دلائل صریح اور منصوص ہیں وہ ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی (فتح)۔

دوسری اور تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم اس روز کے لئے نبی کریم ﷺ کے لئے مخصوص تھا، "لا تحل لأحد... الحدیث" سے اس کا اشارہ ملتا ہے (مرقاۃ) لیکن پہلے فریق کے دلائل انصاف کی بات ہے کہ دل کو زیادہ لگتے ہیں، اس لئے کہ مسلم میں ابن عباسؓ اور ابن شریحؓ کی روایت میں "لم یحل القتال" کا لفظ صراحۃً ہے، اور مسند اسحاق کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ کا جو اثر منقول ہے، اس میں مُحَشّی کا مفعول مقدر سیاق کے مطابق "مواقیت الحج" ہے، اس طرح ان آثار کا اطلاق حج وعمرہ پر جانے والوں کے لئے ہوگا۔ رہا "لا تجاوزوا" تو اس کے حکم عام سے علت حرج کی بنیاد پر داخل میقات کے باشندے مخصوص کر لئے گئے، تو اسی علت نیز نبی کریم ﷺ کے عمل سے دوسرے بھی مخصوص ہوسکتے ہیں، پھر یہ احادیث پہلے فریق کی احادیث کے مقابلہ میں کمزور ہیں، مثلاً خصیف ضعیف ہیں (تقریب، کتاب الضعفاء وغیرہ) اور "لا تجاوزوا" کو عام مخصوص عنہ البعض مان لیں تو تمام احادیث میں تطبیق ہوسکتی ہے۔

۲۔ کیا جاسکتا ہے، اور اس کے دو طریقے ہوں گے:

(۱) جس علت حرج کی بنیاد پر داخل میقات کے باشندوں کو وجوب احرام کے حکم سے مستثنیٰ رکھا گیا، باوجودیکہ ان کی بھی اپنی میقات ہے، اسی علت کا تعدیہ کرکے ان لوگوں کو ان پر قیاس کیا جائے۔

(۲) امام محمد کے مؤطا میں درج قول کی مفہوم مخالف کا اعتبار کرکے اس کی اجازت دی جائے، وہ قول یہ ہے:

لا ینبغی لأحد أن یجاوزها إذا أراد حجا أو عمرة إلا محرما" (۲؍۲۳۲-۲۳۶)۔

(کسی کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ جب وہ حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو تو بغیر احرام ان سے آگے جائے)۔

واضح رہے کہ عبارات فقہاء میں مفہوم مخالف معتبر ہے (علم اصول الفقہ للخلاف)۔

۳۔ (۱) شوافع اور حنابلہ کے نزدیک درست ہے۔

(۲) احناف اور مالکیہ کے نزدیک درست نہیں۔

پھر احناف کے یہاں عدم جواز کی روایت کے دو مفہوم بیان کئے جاتے ہیں: (۱) نفی وجود (۲) نفی حل۔ صاحب بدائع اور ابن الہمامؒ نے احتمال اول کو اور اکثر مشائخ نے احتمال ثانی کو ترجیح دی ہے، اور علامہ شامی نے قران کے لئے دوسرے احتمال کو اور تمتع کے لئے پہلے احتمال کو راجح قرار دیا ہے، اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ صحت تمتع کے لئے عدم المام شرط ہے، اور مکی بھی اس سے خالی نہیں ہوسکتا، اسی لئے کافی وغیرہ میں صراحت ہے کہ وہ کوفہ چلا جائے تو قران صحیح ہوجائے گا، لیکن تمتع صحیح نہیں ہوگا (۲؍۱۹۸)۔

مجھے یہ قول راجح معلوم ہورہا ہے، اور اس کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مکی قران کرے تو ہوجائے گا اور دم

جبر لازم ہوگا، تمتع صحیح ہی نہیں ہوگا۔

۴۔ قران وتمتع کے سلسلہ میں احناف کا مسلک مجھے کتاب وسنت سے بھی راجح معلوم ہوتا ہے، اور پہلے گزر چکا ہے کہ اس کے لحاظ سے تمتع کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے احقر سمجھتا ہے کہ اس مسئلہ کا حل یہی ہے کہ نمبر (۱) میں بیان کردہ تخریج یا ترجیح کی شکل اپنائی جائے۔

۵۔ امام شافعی اور احمد کے یہاں کرسکتا ہے (مغنی)، امام مالک کے یہاں نہیں کرسکتا (مدونہ)، احناف کے یہاں جواز کا بھی قول ملتا ہے اور عدم جواز کا بھی، عدم جواز کے قائلین کا استدلال فتح القدیر کی اس عبارت سے ہے جس میں مکی کو ایام حج میں عمرہ مفردہ سے بھی منع کیا گیا ہے، لیکن راجح قول پہلا ہے، اس لئے کہ تمام معتبرات میں باستثناء ایام خمسہ پورے سال کو عمرہ کا وقت بتایا گیا اور تکرار کی اجازت بھی دی گئی ہے (شامی، ہندیہ) اور اکثر مشائخ نے اس کی اجازت دیتے ہوئے صاحب فتح کی تردید کی ہے، اور مکی کو بھی ایام حج میں عمرہ مفردہ کرنے کی اجازت دی ہے (نہایہ، مبسوط، بحر، قاضی زادہ، تحفہ وغیرہ)۔

۶۔ (الف) ائمہ اربعہ کے نزدیک کرسکتا ہے (ہدایہ ۳۳۶/۱، مغنی ۵۱۹/۳)۔

(ب) ازدحام کے خوف سے نیابت درست نہیں، یہ سہولت ان اصحاب اعذار کے لئے ہے جو کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھ سکتے ہوں اور سواری پر بھی وہاں نہ جاسکتے ہوں "مریض لا یستطیع الرمی" (ہندیہ) کا یہی مفہوم ہے۔

۷۔ احناف کے نزدیک یہ شخص مفرد کے حکم میں ہوگا، اگر مفرد ہے تو ایک ہدی، قارن ہے تو دو ہدی یا ان کی قیمت حرم بھیجے اور قربانی کا وقت متعین کرالے، اس کے بعد حلال ہوجائے گا، حلق یا تقصیر ضروری نہیں ہے (ہندیہ، شامی، خانیہ) اس کے بعد آئندہ قارن کو ایک حج دو عمرے، اور مفرد کو ایک حج اور ایک عمرہ کرنا پڑے گا (شامی، خانیہ) اور اگر چاہے تو حالت احرام میں باقی رہے، بعد میں موقع ملے تو عمرہ کرکے حلال ہوجائے۔

۸۔ امام شافعی، امام احمد ابن حنبل، صاحبین اور جمہور کے نزدیک ترتیب مسنون ہے (مغنی)۔

(۲) امام ابوحنیفہ، حضرت قتادہ وغیرہم کے نزدیک ترتیب واجب ہے۔

(۳) امام مالک کے نزدیک رمی کے بعد حلق کرنا واجب ہے، بقیہ چیزوں میں ترتیب مسنون ہے (مدونہ)۔

جمہور کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں خلاف ترتیب یہ اعمال کرنے پر "لا حرج" فرمایا گیا، اور امام صاحب کا استدلال حضرت ابن عباس کے اس اثر سے ہے "من قدم شیئا من حجه أو أخره فليهرق لذلك دما" اسی طرح "فمن كان منكم مريضاً" کی دلالت سے بھی ان کا استدلال ہے، اور لا حرج کا مطلب ان کے نزدیک نفی اثم ہے نہ کہ نفی فدیہ۔

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ دفع حرج ومشقت کے لئے صاحبین کا قول اختیار کرلینے کی گنجائش ہے (ملاحظہ ہو شرح الوقایہ، اشباہ)۔

۹۔ جی ہاں اگر عرف یہی ہے تو حج تمتع ہی تصور کیا جائے "لأن الثابت بالعرف كالثابت بدليل شرعي" (رسائل ابن عابدین)۔

(الف) مختلف فیہ مسئلہ ہے، لیکن صحیح قول کے مطابق کر سکتا ہے، جامع صغیر، خانیہ، شامی، بحر کی عبارات سے صاف طور سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

(ب) موجودہ عرف کے تحت اجازت ہونی چاہئے۔

(ج) موجودہ عرف کی وجہ سے کر سکتا ہے۔

(د) دم تمتع تمام شکلوں میں مامور کے ذمہ ہوگا (ہندیہ، خانیہ، جامع صغیر)۔

(ھ) اس طرح کی دشواری پیش ہی نہیں آئے گی۔

(و) موصی خود صراحۃً یا عرفاً اجازت دے تو گنجائش ہے۔

"الحاج عن الميت إذا كان مأموراً بالقران، كان دم القران على الحاج" (فتاویٰ خانیہ علی الہامش ۱/۳۱۱)۔

وأراد بالقران دم الجمع بين النسكين، قرانا كان أو تمتعاً كما صرح به في غاية البيان (بحر ۳/۶۶)۔

۱۰۔ الف: صورت مسئولہ میں اہون البلیتین کو اختیار کرتے ہوئے اجازت ہوگی، اس کی اجازت شامی کی عبارت "لو هم الركب ... وإن دخلت وطفت الخ" سے سمجھ میں آرہی ہے (۲/۱۸۳)۔

(ب، ج) رکن ادا ہو جائے گا لیکن اس پر دم میں بدنہ لازم ہوگا، "إذ لا شك في وقوع الأول معتداً به" (بحر ۳/۱۸) وکذا فی الہندیہ والخانیہ)۔

(د) دم کی ادائیگی کے لئے حرم کی شرط ہے (بحر، ہدایہ، فتح)۔

۱۱۔ اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ مسافت سفر سے کم پر واقع ہو (شامی ۲/۶۲۲) و خروج ... المتوفى عنها زوجها ما دون السفر مباح (فتح) یا اس کا گھر اور مکہ دونوں مسافت سفر پر ہوں لیکن وہ جگہ ویرانہ ہو، قیام کے لائق نہ ہو اور وہاں سے مکہ تک کوئی بستی بھی ایسی نہ ہو (شامی، فتح، ہندیہ) لیکن اگر موضع وفات سے اس کا گھر مسافت سفر سے کم پر واقع ہو تو جانے کی اجازت نہیں ہوگی، اسی طرح موضع وفات سے اس کا وطن اور مکہ دونوں مسافت سفر پر ہوں، لیکن وہ جگہ لائق قیام ہے، یا وہ جگہ تو ایسی نہیں ہے لیکن آگے کوئی ایسی جگہ ہے، تو امام صاحب کے نزدیک وہ حج کے لئے نہ جائے، صاحبین کے نزدیک دوسرا محرم موجود ہو تو جا سکتی ہے، امام صاحب کا بھی قول اول یہی ہے (شامی، فتح، ہندیہ)۔ لہٰذا ضرورت پڑنے پر اس کے مطابق فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔

كما يفهم من عبارة مقدمة شرح الوقاية للفرنگی محلی۔

۱۲۔ اگر دونوں آبادیاں بالکل متصل ہو گئی ہیں تو اب منیٰ کی حیثیت مکہ کے ایک محلہ جیسی ہوگی، اور مذکورہ شخص

مقیم کے حکم میں ہوگا (شامی، ہندیہ اور بحر کی عبارات سے یہی معلوم ہوتا ہے)۔

۱۳۔ اس مسئلہ پر امام رازی کا قول جواز کا ہے، لہٰذا صحاح کی احادیث نیز حرم میں ترک جماعت سے ہونے والی بے توفیقی اور محرومی کا خیال کرتے ہوئے ان کے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے، اس کی تائید صحابہ کرامؓ کے عمل سے بھی ملتی ہے کہ مختلف مسلک رکھتے تھے، لیکن ان اختلافات اور اجتہادی مسائل کی بنیاد پر کسی امام کی اقتداء ترک کرنا ان سے ثابت نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ کے مسائل

محمد ارشاد القاسمی، جونپور

۱۔ جو لوگ حرم مکہ میں داخل ہو رہے ہوں خواہ ان کی نیت حج وعمرہ کی نہ ہو بلکہ تجارت وملاقات یا اور کسی مقصد سے جانا ہو رہا ہو ان پر بھی عند الاحناف احرام کی پابندی لازم ہے، اس کے خلاف کی صورت میں ان پر دم لازم آئے گا۔ ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء کے یہاں وہ بلا احرام کے داخل ہو سکتے ہیں ان پر دم نہیں۔

ہدایہ میں ہے:

ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج والعمرة أو لم يقصد عندنا (ہدایہ ۲۵۲/۲)۔

فتح القدیر میں ہے:

من أتى ميقاتاً منها لقصد مكة وجب عليه الإحرام (۳۳۶/۲)۔

ولزوم الدم بالتاخير اى بتأخر الإحرام عنها (شرح اللباب/۵۵)۔

۲۔ وہ حضرات جو حج وعمرہ کی نیت سے نہیں آ رہے ہوں، اور ان کو کثرت سے حرم کی میں آمد ورفت کی ضرورت پڑتی ہو ان میں متعدد بار آتے جاتے رہتے ہوں، جیسے ڈرائیور، ایجنٹ وغیرہ، وہ اس احرام کے قاعدے سے مستثنیٰ کئے جا سکتے ہیں۔

كذا في عمدة القاري، قال أبو عمر لا أعلم خلافاً بين الامصار في الحطابين ومن يدمن الاختلاف إلى مكة ويكثره في اليوم والليلة لا يؤمرون بذلك لما عليهم فيه من المشقة (۳۹۰/۸)۔

الہدی الساری حاشیہ فیض الباری میں ہے:

ولتعارض الأدلة اختلف قول العلماء والاحتياط للإحرام إلا من كثر دخوله فيرتفع المشقة (۱۳۹/۳)۔

۳۔ مقیم مکہ جو حج کا ارادہ رکھتے ہوں، اشہر حج کے بعد ان کے لئے عمرہ کرنا اور تمتع وقران کی گنجائش ہے۔

والمكي يعتمر في أشهر الحج لا يكره له ذلك، ولكن لا يدرك فضيلة التمتع (حاشیہ ارشاد الساری/۱۸۴)۔

وقد بينا أن المكي إذا خرج من الميقات ثم قرن حجة وعمرة كان قارناً (ص/۱۸۵۔ أيضاً)۔

ابن نجیم لکھتے ہیں:

وبهذا عرف أنه يتصور الجمع بين العمرة والحج في حق المكي لكن لا على وجه التمتع والقران (أي المسنون) (منحۃ الخالق ۳۹۳/۲)۔

۴۔ مقیم مکہ جو اسی سال حج کا ارادہ رکھتے ہوں، وہ کسی ضرورت سے اشہر حرم میں میقات سے باہر گئے تو وہ عمرہ کے احرام سے میقات میں داخل ہوکر حرم مکی میں آسکتے ہیں اور حج کی وجہ سے ان پر دم جنایت لازم نہیں۔ کذا فی شرح اللباب:

إن المكي إذا خرج إلى بعض الآفاق لحاجة ثم رجع وأحرم بالعمرة في أشهر الحج ثم حج من عامه لم يلزمه الدم باتفاق الأربعة (ص/۱۹۱)۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی عمرہ سے فارغ ہوکر احرام حج سے قبل مزید عمرے بلا کراہت کرسکتا ہے۔

علامہ شامی حاشیہ بحر الرائق میں ذکر کرتے ہیں:

وهذا المتمتع آفاقي غير ممنوع من العمرة فجاز له تكرارها لأنها عبادة مستقلة أيضاً كالطواف (منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق ۲/۳۹۳)۔

۶۔ الف: عمل رمی میں دوسرا شخص شرطوں کے ساتھ رمی کرسکتا ہے۔

ب: مریض اور معذور کے لئے کوئی نائب بن کر رمی کرسکتا ہے۔ اور معذوری کی حد یہ ہے کہ وہ چلنے اور جمرات تک جانے کی صلاحیت وطاقت نہ رکھتا ہو، حاملہ عورت جو حمل کی وجہ سے، اور ہر ضعیف جو جمرات تک نہ جاسکتے ہوں، اسی طرح محبوس قیدی کی جانب سے بھی نیابت ہوسکتی ہے۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: تجوز الإنابة في الرمي لمن عجز عن الرمي بنفسه لمرض أو حبس أو كبر سن وللمحبوس وكبير سن والحمل أن يوكل عنه من يرمي عنه الجمرات كلها (ص/۱۹۳)۔

ازدحام کی وجہ سے نیابت نہیں ہوسکتی، ازدحام کوئی معقول عذر نہیں، کما فی الفتاوی الرحیمیہ۔ ازدحام کی وجہ سے دوسرا شخص رمی نہیں کرسکتا (۵/۲۳۶)۔

۷۔ جسے حکومت پکڑے اور گرفتار کرے یا واپس کردے وہ محصر ہوجائے گا۔

ان کا احرام اس طرح ختم ہوگا کہ وہ حرم میں قربانی کے لئے بکرا یا اس کی قیمت بھیج دیں، اور آئندہ عمرہ کی صورت میں عمرہ یا حج کی صورت میں عمرہ وحج کی قضا کرنا ہوگی۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے اور اس کے خلاف پر دم واجب ہے، صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ترتیب مسنون ہے، اور ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء ومجتہدین کے نزدیک مسنون اور اس کے خلاف پر دم نہیں ہے، مصالح ناس وزمانہ ودفع حرج اور روقت کی رعایت کرتے ہوئے صاحبین کے قول پر فتویٰ کی گنجائش ہے، چونکہ احناف کے مسلک میں حضرات صاحبین کا قول عدم وجوب کا ہے، اسی طرح دیگر جماہیر بھی اسی کے قائل ہیں اس لئے مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر اس قول کو لیا جاسکتا ہے۔ ابن نجیم لکھتے ہیں:

وعندهما لا يلزم شيء بتقديم نسك على نسك (بحر الرائق ۳/۲۶)۔

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

وعندهما لا يلزم بالتأخير في المناسك شيء (۵۲۵/۱)۔

ابن ہمام لکھتے ہیں احتمال ہے کہ صاحبین کا مسلک سنیت ترتیب کا ہو:

وإن ذلك الترتيب مسنون لا واجب والحق أنه يحتمل أن يكون كذلك (فتح القدیر ۶۴/۳)۔

لهذا لو أفتى مفت بشيء من هذه الأقوال في مواضع الضرورة طلباً للتيسير كان حسناً (شامی ۴۴/۱)۔

اسی طرح:

المفتي إنما يفتي بما يقع عنده من المصلحة (عمدۃ الرعایہ ۱۲/۱)۔

۹۔ آج کل کسی کو حج بدل کے لئے بھیجنا عرفاً حج تمتع تصور کیا جائے گا جبکہ یہی رائج ہے، اور شرعاً آمر کی اجازت سے مشروع بھی ہے کہ افراد کی صورت میں طول احرام کا برداشت کرنا مشکل ہے۔

(الف) آمر کی اجازت سے تمتع کرسکتا ہے، قاضی خان میں ہے:

فيقول حج عني بهذا المال كيف شئت إن شئت حجة وإن شئت حجة و عمرة (علی حاشیہ عالمگیری ۳۰۷/۱)۔

جواہر الفقہ میں ہے:

آمر اجازت دیدے تو قران وتمتع دونوں جائز ہونا چاہئے (۵۱۳/۱)۔

(ب) صریح اجازت کے علاوہ دلالۃً وعرفاً اگر اجازت متصور ہو تو تمتع کرسکتا ہے۔

(ج) تعلقات یا ایسے احوال ہوں جن کی بنیاد پر ظن غالب ہو کہ اس کی اجازت بلاشبہ ہو جائے گی تو تمتع کی اجازت ہے۔

(د) بہر صورت مامور کے ذمہ ہوگا، آمر تبرعاً دیدے تو شبہاً ورثہ مطالبہ نہیں کرسکتا۔

(ہ) تمتع کی گنجائش ہے اس لئے کوئی پریشانی نہیں۔

(و) حج عن المیت کی صورت میں میت کی اجازت ہو تو تمتع کرسکتا ہے۔

(ب۔ج) احسن الفتاویٰ میں ہے: اس زمانہ میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع وقران ودم شکر کا اذن ثابت ہے، اس لئے صراحۃً اذن ضروری نہیں۔ معہذا صراحۃً اذن حاصل کرلینا بہتر ہے (۵۱۳/۴) یا عام اجازت لے لے تو تمتع کی گنجائش نکل آئے گی، کما فی شرح اللباب:

قال الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل إذا أمره غيره أن يحج عنه ينبغي أن يفوض الأمر إلى المأمور (ص ۳۰۳)۔

(د) شرح لباب میں ہے:

حتى لو أمره بالقران أو التمتع فالدم على المأمور (ص ۳۰۵) وفي رد المحتار: ودم التمتع والقران على الحاج (۶۱۱/۲)۔

اگر آمر اس کو قران یا تمتع کا حکم کرے تو دم مامور (حج کرنے والے) پر ہوگا۔

(د)۔ افراد کے حکم کی صورت میں قران و تمتع درست نہ ہوگا، فلو أمره بالإفراد فقرن أو تمتع ولو للميت لم يقع عنه۔

اور اجازت سے ہو جائے گا:

لأن الميت لو أمره بالتمتع فتمتع المأمور صح ولا يكون مخالفا (ارشاد الساری ص ۳۰۳)۔

۱۰۔ اگر کوئی عورت طواف زیارت نہ کر سکی کہ حیض یا نفاس شروع ہو گیا، ادھر مدت اقامت کی تاریخ ختم ہو گئی کہ رک نہیں سکتی، پاکی کے انتظار تک رہنا اس کے اختیار میں نہیں، دوبارہ آ کر اس فریضہ کو ادا کرنا استطاعت سے باہر ہو، تو ایسی عورت اسی حالت میں گناہ سمجھتے ہوئے غسل کر کے مضبوطی سے کپڑا باندھ کر طواف کر کے حلال ہو جائے۔

الف۔ ہاں صورت مذکورہ میں ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرے، علامہ شامی لکھتے ہیں:

لو همّ الركب على القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف أم لا، قالوا يقال لها لا يحل لك دخول المسجد وإن دخلت وطفت أثمت وصح طوافك (شامی ۲/۵۱۹)۔

ب۔ ہاں رکن ادا ہو جائے گا اور دم لازم ہوگا۔

كما في الشامي: وصح طوافك وعليك ذبح بدنة (۲/۵۱۹)۔

ج۔ بدنہ یعنی گائے اونٹ ذبح کرنا ہوگا، بکرا کافی نہ ہوگا۔

والشاة تجوز في كل شئ إلا في طواف الركن جنبا (البحر الرائق ۳/۲۶) فإذا طلب من المكلف بدنة خرج عن العهدة بالبقرة كالناقة (بحر الرائق ۲/۳۸۳)۔

د۔ قربانی کی ادائیگی مکہ میں ہی ہوگی۔ احکام القرآن میں ہے:

ذبحه في الحرم بالاتفاق سواء وجب شكراً أو جبراً (۲/۲۶۷)۔

درمختار میں ہے: ويتعين الحرم لا منى (۲/۶۱۶)۔

۱۱۔ سفر حج میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور مکہ مکرمہ قریب ہے، سفر شرعی کی مسافت میں نہیں ہے تو یہ عورت حج کر سکتی ہے۔

حاشیہ شرح اللباب میں ہے:

أو مات عنها فإن كان إلى منزلها أقل من مدة السفر وإلى مكة فإنه يجب أن تعود إلى منزلها وإن كانت إلى مكة مضت إلى مكة (ص ۳۰، وكذا في الشامية ۱/۵۳۸)۔

وإن حجت وهي في العدة جاز حجها وكانت عاصية (ارشاد الساری إلى مناسک ملا علی قاری ص ۳۹)۔

۱۲۔ منیٰ کی آبادی کے اتصال سے اس وقت توابع شہر اور فنائے شہر میں داخل ہو کر مقیم ہوگا جبکہ اتصال سے وہاں

عرفاً اور حکومت و سرکاری امور میں بھی اسے شہر کے تابع سمجھا جائے گا، مطلق اتصال موثر نہیں، بلکہ: (جواہر الفقہ،
جن کے نام پر احکام اور تمام کاروبار جدا ہوں ایک جگہ متصور نہ ہوں گے (۳/ ۲۹۷)۔

۳۔ احناف وتر میں شوافع کی اقتدا اس وقت نہیں کرتے جب وہ فصل سے پڑھتے ہوں۔

علامہ ابن نجیم بحر میں ذکر کرتے ہیں:

فظهر بهذا أن المذهب الصحيح صحة الاقتداء بالشافعي في الوتر إن لم يسلم على رأس الركعتين وعدمها إن سلم (۱/۴۳۲، بحوالہ فتح القدیر ۱/۳۸۷، شامی ۱/۸۰۱)

☆☆☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند اہم مسائل

مولانا محمد ابرار خان ندوی

جامعہ ہدایہ جے پور

ا۔ حرم مکی میں دخول کیلئے احرام:

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حج یا عمرہ کی نیت سے حدود حرم میں داخل ہونے کیلئے ضروری ہے کہ احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہو، لیکن جو لوگ حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں، بلکہ تجارت، ملاقات، یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم مکی میں داخل ہونا چاہتے ہیں، تو کیا ان پر ضروری ہوگا کہ احرام باندھ کر ہی میقات کے اندر جائیں؟ تو اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے، ذیل میں فقہاء کے مسالک اور ان کے دلائل اور راجح قول کو ذکر کیا جاتا ہے۔

احناف کا مسلک:

اس سلسلہ میں حنفیہ کا مسلک ہے کہ آفاقی کے لئے بلا احرام باندھے ہوئے حدود حرم یعنی میقات سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے، خواہ حج و عمرہ کی نیت سے آئے یا کسی اور مقصد کے تحت داخل ہو۔

فتاوی ہندیہ میں احناف کے مسلک کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

لا یجوز للآفاقی أن یدخل مکة بغیر إحرام نوی النسک أو لا، ولو دخلها فعلیه حجة أو عمرة کذا فی محیط السرخسی فی باب دخول مکة بغیر إحرام (فتاوی ہندیہ ۱/۲۲۱)

آفاقی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر احرام مکہ میں داخل ہو، خواہ حج کا قصد ہو یا نہ ہو، اور اگر داخل ہو گیا تو اس پر حج یا عمرہ ضروری ہوگا، اسی طرح محیط سرخسی کے اندر باب دخول مکة بغیر احرام کے تحت ذکر کیا ہے۔

نیز فقہ حنفی کے ترجمان علامہ ابن عابدین تحریر فرماتے ہیں:

وحرم تاخیر الإحرام عنها کلها لمن أی للآفاقی قصد دخول مکة یعنی الحرم ولو لحاجة غیر الحج (رد المحتار ۲/۵۲)۔

آفاقی شخص جو مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہو اس کے لئے میقات سے احرام میں تاخیر کرنا ممنوع ہے، چاہے حج کے سوا کسی اور ضرورت سے آئے۔

نیز ملک العلماء علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

وکذلک لو أراد بمجاوزة هذه المواقیت دخول مکة لا یجوز له أن یجاوزها إلا محرماً سواء أراد بدخول مکة النسک من الحج أو العمرة أو التجارة أو حجاة أخری عندنا (بدائع الصنائع ۲/۱۶۴، نیز ملاحظہ ہو: الکفایة مع الہدایہ ۱/۴۸۳)۔

اسی طرح اگر ان میقات کو عبور کرنے سے مقصود مکہ میں داخل ہونا ہے تو بلا احرام میقات سے تجاوز کرنا جائز

نہ ہوگا چاہے مکہ میں داخلہ حج یا عمرہ کی عبادت کے لئے ہو یا تجارت یا کسی اور ضرورت کے لئے ہو۔

احناف کی دلیل:

احناف کی دلیل حضور ﷺ کی وہ حدیث ہے، جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ بلا احرام مکہ میں داخلہ ممنوع ہے، اسی طرح آپ کا وہ ارشاد گرامی، کہ مکہ کو خدا رب العزت نے اس کے تعمیر کے دن سے لے کر تا قیامت حرام قرار دیا ہے، صرف ایک مرتبہ میرے لئے حلال کیا گیا اس کے بعد ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا گیا، نیز وہ دنیا کا عظیم و مبارک خطہ ہے، جس کو خدائے برتر نے شرف و منزلت کا اعلیٰ مقام عطاء کیا ہے، اس کی عظمت و تقدس کا تقاضا ہے کہ وہاں احرام کے بغیر داخل نہ ہوا جائے۔

ملک العلماء علامہ کاسانی نے احناف کے دلائل کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے یوں لکھا ہے۔

ترجمہ: "اور ہماری دلیل حضور ﷺ سے روایت کردہ وہ حدیث ہے، کہ آپ نے فرمایا: کہ مکہ اس دن سے حرام ہے جب سے اللہ نے اس کو پیدا فرمایا، مجھ سے پہلے نہ کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا، صرف دن کے چند لمحہ میرے لئے حلال کیا گیا، پھر تا قیامت اس کی حرمت لوٹ آئی، حدیث" اس حدیث سے تین طریقہ سے استدلال کیا جا سکتا ہے، پہلا آپ کا یہ فرمانا کہ مکہ حرام ہے، دوسرا آپ کے قول کے میرے بعد کسی کیلئے حلال نہ ہوگا، اور تیسرے آپ ﷺ کا ارشاد کہ پھر قیامت تک کے لئے اس کی حرمت لوٹ آئی، آپ ﷺ کا یہ فرمان مطلق ہے اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مکہ میں احرام کے بغیر داخلہ منع ہے اور اس لئے بھی احرام ضروری ہے کہ یہ مقدس خطہ اس کا خدا کے یہاں بہت بڑا مقام اور اس کی قدر و منزلت ہے، لہٰذا اس میں داخلہ کا یہ تقاضہ ہے کہ اس میں عبادت کے ساتھ داخل ہوا جائے تا کہ تمام روئے زمین پر اس کے مقام اور شرف کا اظہار ہو سکے۔ (بدائع الصنائع ۲/۱۶۴، نیز دیکھئے: ہدایہ ۱/۲۱۴)۔

حنابلہ کا مذہب:

لیکن اس سلسلہ میں حنابلہ کے یہاں سہولت ہے کہ حج یا عمرہ کی نیت نہ ہو بلکہ کسی اور مقصد مثلاً جہاد اسلامی، تجارت، یا کوئی ضرورت جو بار بار پیش آتی ہو، اس کے لئے حرم مکی میں احرام کے ساتھ داخل ہونا ضروری نہیں ہے۔

معروف حنبلی فقیہ علامہ ابن قدامہ نے مسلک حنابلہ کو بہت تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

موصوف لکھتے ہیں:

ترجمہ: دوسری قسم: جو لوگ حرم میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے ہوں یا مکہ کا ارادہ ہو یا مکہ کے علاوہ کا، ان کی کل تین قسمیں ہیں: نمبر ایک وہ لوگ جو مکہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں کسی مباح جنگ کی وجہ سے، یا خوف کی بناء پر یا کسی ایسی ضرورت کی وجہ سے جو بار بار پیش آتی ہو، مثلاً گھاس اور لکڑی جمع کرنے والا، یا خوراک و غذا لے جانے والا، بادشاہ کا سفیر، یا کسی کی وہاں جائداد ہو جس کی وجہ سے وہاں بار بار آمد و رفت ہوتی ہے تو ان افراد پر احرام ضروری

نہیں ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ فتح مکہ کے دن بغیر احرام کے داخل ہوئے تھے، اور آپ ﷺ کے سر پر خود تھا، اور اسی طرح آپ ﷺ کے صحابہ بھی تھے، ان میں سے کسی کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ اس نے اس دن احرام باندھا ہو، اور جن لوگوں کو بار بار داخل ہونا پڑتا ہے، اگر ان پر ہم احرام کو ضروری قرار دیں، تو ان کو ہر وقت احرام کی حالت میں رہنا پڑے گا (جس سے وہ تنگی میں مبتلا ہو جائیں گے) اس لئے حرج کی وجہ سے یہ ساقط ہو گیا، یہی امام شافعی کا مسلک ہے۔ (المغنی ۳/۲۱۸)۔

مذکورہ عبارت سے حنابلہ کا مسلک بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اگر ان پر جو بار بار حدود حرم میں آتے جاتے ہیں احرام کو لازم قرار دیا جائے تو ساری عمر وہ احرام سے چھٹکارا نہ حاصل کر سکیں گے، اس طرح امت تنگی و پریشانی میں مبتلا ہو جائے گی، اس لئے امت کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے ان پر سے احرام کی پابندی ختم کر دی گئی ہے، اور اس سلسلہ میں حنابلہ کی دلیل تاریخ اسلام کا وہ روشن اور مبارک دن ہے جس دن آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ہمراہ صحابہ کرام "لا تثریب علیکم الیوم وانتم الطلقاء" کا اعلان کرتے ہوئے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تھے اس دن سارے لوگ جنگی اسلحوں سے لیس تھے، حضور ﷺ اور صحابہ میں سے کوئی احرام باندھے ہوئے نہیں تھا۔

معروف فقیہ علامہ ابن قدامہ ترمذی شریف کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں:

ولنا ما ذکرناہ، وقد روی الترمذی ان النبی ﷺ دخل یوم الفتح وعلی رأسہ عمامۃ سوداء وقال ھذا حدیث حسن صحیح (المغنی ۳/۲۱۹)۔

ہم اپنی دلیل بیان کر چکے ہیں، اور امام ترمذی علیہ الرحمہ نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ فتح مکہ کے دن اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ ﷺ کے سر پر کالا عمامہ تھا، اور ترمذی کہتے ہیں کہ "ہذا حدیث حسن صحیح"۔

لیکن بلا ضرورت، یا ضرورت بار بار پیش آنے والی نہ ہو، بلکہ شاذ و نادر کبھی کبھار داخلہ کی ضرورت پڑے تو اس کے لئے احرام باندھنا ضروری ہوگا۔

النوع الثالث: المکلف الذی یدخل لغیر قتال ولا حاجۃ متکررۃ فلا یجوز لہ تجاوز المیقات غیر محرم، وبہ قال ابو حنیفۃ (المغنی ۳/۲۱۹)۔

تیسری قسم: وہ مکلف انسان جس کا مکہ میں داخلہ نہ کسی جنگ کیلئے ہو اور نہ بار بار پیش آنے والی ضرورت کے وجہ سے ہو تو ایسے شخص کے لئے بلا احرام میقات کا عبور کرنا جائز نہ ہوگا، یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے۔

مالکیہ کا نقطہ نظر:

حج و عمرہ کے علاوہ کسی دوسرے مقصد سے میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا، اس سلسلہ میں علماء مالکیہ کی رائے مختلف ہے، بعض مطلق جواز کے قائل ہیں، اور بعض کا رجحان یہ ہے کہ ضرورت بار بار پیش آتی ہو جس کی وجہ سے بار بار میقات سے گزرنا پڑتا ہو تو بلا احرام داخل ہونے کی اجازت ہوگی ورنہ نہیں۔

فقیہ مالکی علامہ ابن رشد نقل فرماتے ہیں:

ترجمہ: اور کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے میقات سے گزرے اس پر احرام ضروری نہیں ہے، لیکن اگر کوئی حج یا عمرہ کی نیت کے بغیر وہاں سے گزرے تو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو میقات سے گزرے اس پر احرام ضروری ہے، البتہ وہ حضرات اس سے مستثنیٰ ہوں گے جن کی آمد و رفت کثرت سے ہو، جیسے لکڑ ہارا اور اس جیسے دوسرے لوگ، یہی مسلک امام مالکؒ کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ احرام ضروری نہیں ہے، سوائے اس شخص کے لئے جو حج یا عمرہ کا ارادہ رکھے، یہ سارے احکام غیر مکی کے لئے ہیں (بدایۃ المجتہد ۱؍۳۲۵)۔

شوافع کا نقطۂ نظر:

امام شافعیؒ کا رجحان اور زاویہ فکر وہی ہے جو حنابلہ کا ہے، کہ حج وعمرہ کے سوا تجارت، کسب معاش، یا اس جیسی دیگر ضروریات اور امور مہمہ کے پیش نظر مکہ مکرمہ، یا حدود حرم میں داخلہ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ احرام باندھ کر ہی میقات کو پار کیا جائے، احرام کے بغیر میقات سے تجاوز کرنا جائز اور درست ہوگا۔

سیدنا امام شافعیؒ نے اپنی کتاب ''کتاب الام'' کے اندر اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فتح مکہ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ اور آپ کے ہمراہ عاشقان اسلام اور آپ کے شیدائیوں کی کثیر تعداد تھی، وہ سب کے سب بلا احرام کے مکہ میں داخل ہوئے، یہ واقعہ اس بات کی بین دلیل اور واضح ثبوت ہے کہ بلا احرام بھی داخل ہونا جائز ہے۔

امام شافعیؒ تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ: مکہ کی اس سلسلہ میں سب سے جداگانہ حیثیت ہے کہ جو شخص وہاں داخل ہونے کے لئے آئے وہ بغیر احرام کے داخل نہ ہو، امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہمارے اصحاب میں سے بعض نے لکڑ ہارے اور ان لوگوں کے لئے جو اپنے اہل وعیال کے منافع یا خود کمائی کرنے والوں کے لئے اس بات کی رخصت دی ہے، اور میرا خیال ہے کہ اس قول کا سب سے بہترین محمل یہ ہے کہ ان لوگوں کا مکہ میں داخل ہونا کسب معاش کے لئے ہے نہ کہ کسی نیکی کے لئے اگر ان کے لئے رخصت اس وجہ سے ہے کہ مکہ میں ان کا داخلہ عبادت یا حج وعمرہ کے قصد سے نہیں ہے، اور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ ان کا داخل ہونا وہاں ہمیشہ رہنے والے کی طرح ہے، تو جو اس طرح ہوگا اس کے لئے رخصت ہے، اور انہوں نے نبی ﷺ کے اس عمل سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن داخل ہوئے اس حال میں کہ آپ بلا احرام کے تھے (کتاب الام ۲؍۱۴۲)۔

ترجیح:

حجاز مقدس کے مختلف مقامات کے باشندوں اور دیگر جگہوں کے افراد کو حج وعمرہ کے علاوہ بہت سی ضروریات کی خاطر مکہ مکرمہ آنا جانا پڑتا ہے، مثلاً تجارت پیشہ افراد، سواری لے جانے والی گاڑیوں کے ڈرائیور، صنعتی کمپنیوں کے ایجنٹ وغیرہ، ان پر احرام کی پابندی عائد کرنا اور بلا احرام میقات کے اندر داخلہ سے روکنا، ان کے لئے پریشانی کا باعث ہوگا، خصوصاً حدود حرم یا مکہ مکرمہ کے باشندوں کے لئے تجارت کرنا تقریباً ناممکن ہوگا، اس لئے اس

سلسلہ میں جمہور کے مسلک کو اپنانا بہتر ہوگا کیونکہ دشواری اور سخت تنگی کے وقت دوسرے مسلک کو اختیار کرنا جائز ہوتا ہے، اس لئے کہ جمہور حج وعمرہ کے علاوہ دیگر ضروریات کے لئے بلا احرام داخلہ کی اجازت دیتے ہیں۔

۲۔ بار بار میقات میں آمد ورفت:

جن افراد کو مکہ مکرمہ بار بار آنا پڑتا ہے، مثلاً ٹیکسی ڈرائیور، صنعتی کمپنیوں کے ایجنٹ، تجارت پیشہ اشخاص کو حدود حرم کے اندر باہر آمد ورفت کرنی پڑتی ہے، ایسے لوگوں کے لئے ہر بار میقات میں داخل ہوتے وقت احرام باندھنا اور ارکان عمرہ کی ادائیگی وقت طلب اور پریشانی کا باعث ہو، تو ایسے حضرات کی دشواری کا کیا حل ہو، اس سلسلہ میں گو فقہاء احناف کے یہاں اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے کہ کوئی بھی شخص خواہ کسی بھی مقصد سے آئے حرم میں بلا احرام داخل نہیں ہوسکتا۔

لیکن اصول وقواعد پر نظر ڈالنے اور کتب اصول فقہ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ فقہاء احناف نے حرج وتنگی، حاجت وضرورت کے وقت بہت سارے مسائل میں آسانی اور سہولت کا پہلو تلاش کیا ہے، اور اس میں جواز کی راہ اختیار کی ہے، مثلاً نجس اشیاء سے علاج کرانا، (اشباہ ونظائر رص ۷۵) ڈاکٹر کے لئے مریض کا ستر عورت دیکھنے، اور اضطراری کیفیت کے وقت شراب نوشی کا مباح ہونا وغیرہ وغیرہ (بدائع الصنائع ۵ر۱۲۳، مجمع الانہر ۲ر۵۳۸، قاضی خاں ۳ر۴۰۲)۔

اور اس سلسلہ میں اصول فقہ کا معروف قاعدہ ہے: "المشقة تجلب التيسير"۔ اس قاعدہ کے ذیل میں شیخ علی احمد الندوی رقمطراز ہیں:

أن الشريعة الإسلامية تتوخى دائما رفع الحرج عن الناس وليس في أحكامها ما يجاوز قوى الإنسان الضعيفة (القواعد الفقہیہ رص ۳۶۹)۔

شریعت اسلامیہ ہمیشہ حرج کو لوگوں سے رفع کرنا چاہتی ہے، اور اس کے احکام انسان کے ناتواں اور کمزور قوی کے مقابلہ میں بھاری نہیں ہیں۔

راقم کا خیال ہے کہ سب سے بہتر ہوگا کہ امام شافعی کا مسلک اختیار کرلیا جائے۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع اور قران کا حکم:

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ مکی تمتع یا قران کرسکتا ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ یعنی احناف کے علاوہ دیگر ائمہ ثلاثہ مکی کے لئے تمتع یا قران کی اجازت دیتے ہیں:

واتفق الثلاثة على أنه يصح الحج بكل وجه من الأوجه الثلاثة المشهورة وهي: الإفراد والتمتع والقران لكل مكلف على الإطلاق من غير كراهة وقال أبو حنيفة: المكي لا يشرع في حقه التمتع والقران ويكره له فعلهما (رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ ر ۱۳۱، الدین الخالص ۹ر۲۵۲)۔

ائمہ ثلاثہ اس بات پر متفق ہیں کہ مطلقاً بلا کسی کراہت کے ہر مکلف بندے کے لئے اجازت ہے کہ وہ حج

کی تینوں مشہور صورتیں افراد، تمتع، اور قران میں سے کوئی بھی ادا کرسکتا ہے، لیکن امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مکہ میں رہنے والے کیلئے تمتع اور قران کی اجازت نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے ان کا کرنا مکروہ ہوگا۔

نیز فتاوی ہندیہ میں مسلک احناف کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

ولیس لأهل مكة تمتع و قران وإنما لهم الإفراد خاصة كذا في الهداية، و كذلك أهل المواقيت ومن دونها إلى مكة في حكم أهل مكة كذا في السراج الوهاج (الفتاوی الہندیہ ۱/۲۳۹، التسہیل الضروری لمسائل القدوری ۱/۱۶۹)۔

مکہ کے باشندوں کے لئے تمتع وقران کرنا جائز نہیں ہے ان کے لئے صرف افراد ہے، اسی طرح ھدایہ میں ہے، اور اسی طرح میقات کے اندر رہنے والے اور ان کے علاوہ مکہ کے قرب وجوار کے افراد، اہل مکہ کے حکم میں ہوں گے، سراج الوھاج میں بھی یہ مسئلہ اسی طرح مذکور ہے۔

نیز علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے:

إذ القارن لايكون إلا آفاقيا (فتاوی شامی ۲/۱۹۱، ہدایہ مع الفتح ۳/۱۰)۔

کہ قارن صرف آفاقی شخص ہی ہوسکتا ہے۔

۳۔ اہل مکہ کا اشہر حج میں حرم سے باہر آمدورفت:

اشہر حج میں اہل مکہ کو بہت ساری ضروریات کے تحت میقات سے باہر جانا پڑتا ہے پھر مسلک احناف پر عمل کرنے کی صورت میں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ بلا احرام کے میقات کو تجاوز نہیں کرسکتے، اور اگر احرام کے ساتھ میقات میں داخل ہوتے ہیں تو اسی سال حج کرنے کی صورت میں دم تمتع دینا ہوگا، اور ایک ممنوع صورت کا ارتکاب ہوگا۔

راقم گزشتہ صفحہ سوال ۲ کے جواب میں تحریر کرچکا ہے کہ حج وعمرہ کے علاوہ دیگر ضروریات کے لئے مکہ مکرمہ یا حدود حرم میں داخل ہونے والے کے سلسلہ میں امام شافعی علیہ الرحمہ کے مسلک پر فتوی دیدیا جائے کہ بلا احرام داخل ہونے کی اجازت ہوگی، اور بلا احرام داخل ہونے میں دم جنایت سے بچا جاسکے گا، اور اس مسئلہ کا حل اور پریشانیاں و سوالات رفع ہوئیں گے، لہذا اس مجبوری اور دشواری کو مدنظر رکھتے ہوئے امام شافعی علیہ الرحمہ کا مسلک اپنانا مناسب ہوگا، اور حالات کا تقاضا بھی یہی ہے۔

امام شافعی کا مسلک انہی کی زبانی ملاحظہ ہو:

فأما البريد يأتي برسالة أوزور أهله وليس بدائم الدخول فلو استأذن فدخل محرما، كان أحب إلي، و إن لم يفعل، ففيه المعنى الذي وصفت أنه يسقط به عنه ذلك (کتاب الام ۲/۱۴۲)۔

پوسٹ مین جو خطوط لے کر آتا ہو یا اپنے اہل وعیال کی زیارت کے مقصد سے آئے، اور ہمیشہ آنا جانا نہ ہوتا ہو، تو اگر وہ شخص اجازت حاصل کر کے احرام باندھ کر داخل ہو تو مستحسن ہوگا، اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں کہ اس سے احرام کی پابندی ساقط ہوجائے گی۔

۵۔ متمتع آفاقی کا ایک سے زائد عمرے کرنا:

تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد احرام حج باندھنے سے قبل مزید عمرے کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے مکمل اجازت ہے کہ حج کا احرام باندھنے سے پہلے جتنے عمرے کرنا چاہے کرسکتا ہے۔

صاحب "غنیۃ الناسک" اس پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ویعتمر قبل الحج ماشاء، ومافی اللباب لا یعتمر قبل الحج فغیر صحیح (غنیۃ الناسک، ص ۱۱۵)۔

حج کا احرام باندھنے سے قبل جس قدر عمرہ کرنا چاہے اجازت ہے، اور لباب" کے اندر حج سے قبل عمرہ کا عدم جواز ذکر کرنا، وہ درست نہیں ہے۔

۶۔ رمی جمرات میں نیابت کا حکم:

شریعت اسلامیہ نے بعض افعال حج میں نیابت کی اجازت دی ہے انہیں میں سے ایک عمل رمی جمرات کا بھی ہے، جسکی ادائیگی کو واجب قرار دیا گیا ہے، علامہ کاسانی نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

إن أفعال الحج تجری فیہ النیابۃ، کہ افعال حج میں نیابت جائز ہے (بدائع الصنائع ۲/۱۳۷)۔

لیکن مسئلہ صرف نیابت کا نہیں ہے، بلکہ شریعت نے اس کو کچھ شرائط کے ساتھ مقید بھی کر دیا ہے، تا کہ لوگ سستی و کاہلی، عیش پسندی اور آرام طلبی کی خاطر نیابت کا عمل شروع کر دیں، اور حج جو اسلام کا اہم فریضہ ہے، اور قرآن وحدیث میں اس کے بے شمار فضائل بیان کئے گئے ہیں وہ عیش پسندی اور کاہلی کی نظر نہ ہو جائے۔

لہذا عمل رمی میں نیابت درست ہے، لیکن یہ گنجائش اور رخصت صرف مریض، ضعیف، معمر حضرات، حاملہ عورت، اور قید خانہ میں بند لوگوں کے لئے ہے، اور اس معذوری کی حد یہ ہے کہ وہ رمی جمرات کے میدان تک جانے سے عاجز ہو، خود رمی کرنے پر قدرت نہ ہو تو نائب بنانا جائز ہوگا، یعنی مرض بڑھ جانے یا مرض پیدا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو تو وہ معذور ہے (زبدۃ المناسک نا قلاً من اللباب ر ۱۶۵)۔

عالم اسلام کے معروف عالم دین ڈاکٹر وھبہ الزحیلی رقم فرماتے ہیں:

وتجوز الإنابۃ فی الرمی عجز عن الرمی بنفسہ لمرض أو حبس أو کبرسن أو حمل المرأۃ..... ویجوز التوکل عن عدۃ أشخاص علی أن یرمی الوکیل عن نفسہ أولاً کل جمرۃ من الجمرات الثلاثۃ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۳/۱۹۳، بدائع ۲/۱۳۷)۔

ایسا شخص جو مرض، قید، یا عمر زیادہ ہونے کے سبب، یا عورت کے پیٹ میں بچہ ہوا سکی بناپر خود رمی نہ کرسکتی ہو اس کے لئے رمی میں نائب بنانا جائز ہے، اور ایک شخص چند افراد کی جانب سے وکالت کرسکتا ہے، بشرطیکہ وہ اپنی طرف سے تینوں جمرات کی رمی پہلے کرلے۔

لیکن نوجوان مرد یا عورت کا محض ازدحام کے خوف سے رمی میں نائب مقرر کرنا درست نہ ہوگا، البتہ

عورت کے لئے اس کی اجازت ہوگی کہ شوہر اس کی جانب سے رمی کرسکتا ہے، خواہ ازدحام ہو یا نہ ہو۔

شیخ محمد متولی الشعراوی اس کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یجوز أن تنوب عن زوجتک فی رمی الجمار ولو لم یکن الطریق مزدحما (الفتاوی کل مایھم المسلم فی حیاتہ ویومہ وغدہ ۲/۳۱۲، مکتبۃ القرآن قاہرہ)۔

تم (شوہر) اپنی بیوی کی جانب سے رمی جمار میں نیابت کرسکتے ہو خواہ راستہ میں ازدحام ہو یا نہ ہو۔

۷۔ حالت احرام میں حکومت کی جانب سے روکنے پر احصار کا حکم:

سعودی عرب میں مقیم غیر ملکی باشندوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ حج وعمرہ کے لئے پہلے حکومت سے اجازت لیں، ورنہ بلا اجازت حج یا عمرہ کا جو لوگ احرام باندھ لیتے ہیں، حکومت انہیں اسی حال میں قید کردیتی ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سعودی حکومت جو مسلمان ہے اس کی جانب سے حالت احرام میں حج یا عمرہ سے روکنا کیا احصار سمجھا جائے گا؟

فقہاء احناف کے نزدیک احصار خواہ مسلمان کی جانب سے ہو یا کافر کی طرف سے، یا مرض میں اضافہ کا خطرہ ہو، یا عورت کے پاس محرم نہ ہو، سب احصار میں داخل ہیں اور اس سے حلال ہونے کے لئے حرم میں بکری یا اس کی قیمت کا بھیجنا ضروری ہے۔

یکون المحصر عند الحنفیین بکل حابس عن البیت من عدو ولو مسلما..... وقال مالک و شافعی الاحصار لایکون إلا بالعدو (الدین الخالص ۹/۲۷۴، مجمع الانہر ۱/۳۰۵)۔

حنفیہ کے نزدیک احصار بیت اللہ سے روکنے والی ہر شئی سے ہوگا، جیسے دشمن خواہ مسلمان ہو، امام مالک و شافعی کہتے ہیں کہ احصار صرف دشمن کی جانب سے ہوتا ہے۔

۸۔ رمی ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب:

متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے یا مسنون، تو بعض حضرات وجوب کے قائل ہیں، بعض سنت قرار دیتے ہیں، اس سلسلہ میں اختصار کے ساتھ فقہاء کرام کے مسالک کو بیان کرنے کی کوشش کی جائیگی۔

حنفی نقطہ نظر: فقہاء احناف رمی، ذبح، اور حلق کے مابین ترتیب کو واجب قرار دیتے ہیں، اور ترتیب کے خلاف کرنے کی صورت میں دم واجب ہوتا ہے (فتح القدیر ۲/۲۶، دار الفکر بیروت) البتہ مفرد کے لئے ترتیب صرف رمی اور حلق میں ضروری ہوگی۔

علامہ ابن عابدین بڑے واضح انداز میں لکھتے ہیں:

و إنما یجب الترتیب الثلاثۃ، الرمی ،ثم الذبح ، ثم الحلق، لکن المفرد لا ذبح علیہ ، فیجب علیہ الترتیب بین الرمی والحلق فقط (رد المحتار ۳/۲۰۹، التسہیل الضروری لمسائل القدوری ۱/۱۵۰)۔

تین چیزوں کے درمیان ترتیب ضروری ہے، پہلے رمی، پھر ذبح، (اس کے بعد) پھر حلق، لیکن مفرد پر قربانی نہیں ہے، اس لئے صرف رمی اور حلق کے درمیان ترتیب ضروری ہے۔

مالکی نقطۂ نظر: لیکن اس سلسلہ میں مالکیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ترتیب مستحب ہے، شیخ عبدالرحمان الجزائری مالکیہ کا مسلک نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما مندوباته: منها رمي جمرة العقبة حين وصوله إلى منىٰ و بعد طلوع الشمس ..... وفعل الذبح والحلق قبل الزوال يوم العيد وتأخير الحلق عن الذبح (الفقہ علی المذاہب ا / ۷۹-۶۷۱، دار احیاء التراث العربی بیروت)۔

مستحبات حج میں سے ہے کہ منیٰ پہنچنے کے وقت طلوع شمس کے بعد جمرۃ العقبہ کی رمی کریگا، اور عید کے دن زوال سے پہلے پہلے حلق اور قربانی کرنا، البتہ حلق کو قربانی سے مؤخر کرے گا۔

مگر اس سلسلہ میں مالکیہ کا راجح قول سنت ہونے کا ہے:

والراجح أن الترتيب بين أعمال يوم النحر سنة (الدین الخالص ۹ / ۷۷۱)۔

مگر راجح یہی ہے کہ یوم النحر کے اعمال کے درمیان ترتیب مسنون ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کی رائے:

امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے کہ ترتیب مسنون ہے، ترتیب کے برعکس کرنے کی صورت میں کوئی جنایت لازم نہ ہوگی۔

امام اہل سنت محقق سید امین محمود خطاب تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ: امام ابو حنیفہ اور ابن ماجشون مالکی کے نزدیک رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے، امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ ترتیب مذکور سنت ہے، اسی لئے رمی اور ذبح سے پہلے حلق کرنے، اسی طرح قارن کے لئے رمی کرنے سے قبل قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع سے ایک شخص نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے ذبح کرنے سے قبل رمی کرلی ہے، تو آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارے کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، اس حدیث کو بیہقی اور کتب ستہ میں روایت کیا گیا ہے سوائے ترمذی کے، اور یہاں مذکورہ حدیث میں مسند احمد کے الفاظ ہیں، اور امام مسلم نے بھی ابن عمرو وغیرہ کے حوالے سے روایت کیا ہے (الفتح الربانی ۱۲ / ۲۰۶، مسلم نووی ۹ / ۵۷، تکملۃ المنہل العذب ۲ / ۱۳۳)۔

احناف کے قول مرجوح کو اختیار کرنا:

فقہاء احناف کے مفتی بہ قول کے مطابق یوم النحر کے اعمال میں ترتیب کو لازم قرار دیا گیا ہے، یعنی پہلے رمی جمرۂ عقبہ، پھر ذبح، پھر حلق کرائے، ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہو تو دم واجب ہوتا ہے، لیکن آج کے احوال کے پیش نظر

ترتیب کا باقی رکھنا مشکل ہو گیا ہے، دشواری کے یہ وجوہات ہیں کہ حج کے بے پناہ ازدحام و ہجوم، قیام گاہ سے مذبح کا کافی دور ہونا، گرمی کی شدت اور سواری نہ ملنے کی وجہ سے حاجی کا خود اپنی قربانی کرنا بہت معتذر ہوتا ہے۔

لہذا راقم کا خیال ہے کہ ان اعذار کے پیش نظر صاحبین کے مسلک کو اختیار کیا جانا چاہئے، اور عذر کی بنیاد پر واجب ترتیب کو چھوڑنے سے کوئی دم بھی واجب نہ ہوگا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

إن ترک واجب بعذر مسقط للدم (فتاوی شامی ۲/۲۰۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت)۔

عذر کے سبب واجب کا ترک کرنا دم کو ساقط کر دیتا ہے، نیز یہی رائے مفتی نظام الدین صاحب کی بھی ہے۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ترتیب بین الرمی والذبح والحلق اگرچہ واجب فی نفسہ ہے، لیکن عذر شرعی کی وجہ سے اگر چھوٹ جائے یا ٹوٹ جائے اور اس پر عمل نہ ہو سکے تو اس پر دم جنایت وغیرہ یا کوئی وزر یا کفارہ وغیرہ لازم نہ آئیگا، بلکہ ادا بھی حج بلا کراہت مکمل ہو جائیگی (نظام الفتاوی ۱/۱۵۷، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)۔

نوٹ۔ بوقت مجبوری فقہ حنفی میں گنجائش موجود ہے، اور ائمہ احناف میں سے امام ابو یوسف و امام محمد کا قول بھی ترتیب کے عدم وجوب کا ہے، تو اس مسئلہ میں احناف ہی میں سے صاحبین کے قول کو اختیار کر لیا جائے، تو دوسرے ائمہ کی تقلید اور ان کے مسلک کو اپنانے کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔

۹۔ حج بدل میں تمتع:

جس شخص پر حج فرض ہو لیکن مجبوری و اعذار کے سبب خود حج نہ کر سکتا ہو بلکہ اپنی نیابت میں کسی کو حج بدل میں بھیجنا چاہتا ہے، تو چند شرائط کے ساتھ فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، تاہم یہاں ایک سوال ابھرتا ہے کہ حج بدل کرنے والا کیا حج تمتع یا قران کر سکتا ہے یا نہیں، تو اس سلسلہ میں تھوڑی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

اگر آمر مامور کو حج تمتع یا قران کی اجازت دے دے تو مامور کو تمتع و قران دونوں کرنا جائز ہوگا، اس لئے کہ آمر خود حج کرے تو وہ افراد و تمتع و قران میں سے جو چاہے کر سکتا ہے، اسی طرح اسکو اختیار ہے کہ اس میں سے جس کا نائب بنانا چاہے بنا سکتا ہے، لیکن آمر کی اجازت کے بغیر حج تمتع یا قران جائز نہ ہوگا، اگر کسی نے کر لیا تو حج آمر کی مخالفت کی وجہ سے اس کا نہ ہوگا بلکہ مامور کا ہوگا، اور اس صورت میں مامور پر ضمان بھی لازم آئیگا۔

دبستان فقہ حنفی کے ممتاز فقیہ علامہ شامی رقم فرماتے ہیں:

الرابع عشر: عدم المخالفة للآمر، بالإفراد فقرن أو تمتع ولو للميت لم يقع عنه ويضمن النفقة (رد المحتار ۲/۲۳۹)۔

چودہویں شرط یہ ہے کہ آمر کی مخالفت نہ کی جائیگی، اگر آمر نے اسکو حج افراد کا حکم دیا ہے، لیکن اس نے تمتع یا قران کیا تو خواہ یہ حج میت کی جانب سے کیوں نہ ہو اس کا حج نہ ہوگا اور مامور اخراجات کا ضامن ہوگا۔

دم تمتع مامور پر ہوگا:

حج بدل کرنے والا تمتع آمر کی اجازت سے کرے یا بلا اجازت کرے، دونوں ہی صورت میں دم تمتع مامور پر واجب ہوگا، اجازت کی صورت میں گو حج آمر کی جانب سے ادا ہو جائیگا مگر دو عبادتوں کو ایک ساتھ ادا کرنے کا عمل مامور انجام دے رہا ہے، اس لئے اصل فعل مامور سے صادر ہوا لہذا دم بھی مامور کے مال میں ہوگا، اور اگر آمر کی اجازت کے بغیر تمتع کیا گیا تو اس میں بھی دم تمتع مامور پر ہوگا اور حج بھی اسی کا ہوگا، جس کے سبب اس پر ضمان لازم قرار دیا گیا ہے۔

علامہ داماد آفندی اس پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ودم المتعة والقران على المأمور لأنه موقوف لأداء النسكين، والمأمور مختص بهذه النعمة، لأن حقيقة الفعل منه وإن كان الحج يقع على الآمر، لأنه وقوع شرعي ووجوب دم الشكر مسبب عن الفعل الحقيقي الصادر عن المأمور (مجمع الانہر ۱/۳۰۹، الدر المنتقی ص ۳۰۹)۔

دم تمتع و قران مامور پر ہوگا، کیونکہ یہ دو عبادتوں کی ادائیگی پر موقوف ہوتا ہے، اور اس نعمت کے لئے مامور خاص ہے اس لئے اصل فعل اسی سے متعلق ہے، اور اگرچہ حج آمر کا ادا ہوگا کیونکہ شرعی اعتبار سے اس کا وقوع ہوا ہے اور دم شکر کے واجب ہونے کا سبب اصل فعل کا پایا جانا ہے اور وہ مامور کے ذریعہ صادر ہوا ہے (لہذا دم شکر بھی مامور ہی کے ذمہ ہوگا)۔

نیز علامہ شامی بلا اجازت آمر حج تمتع کی صورت میں اس پر ضمان واجب ہوتا ہے، اسکی وجہ اور سبب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ووجهه أن لم يأت بالمأمور به، لأنه أمره بسفر يصرفه إلى الحج لا غير فقد خالف أمر الآمر فضمن (رد المحتار ۲/۲۲۷، فتح القدیر ۳/۱۵۳)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ آمر نے اس کو جس چیز کا حکم دیا تھا وہ اس کو بجا نہیں لایا، اس لئے کہ اس نے صرف حج کا حکم دیا تھا اس کے علاوہ کسی اور چیز کا نہیں، مگر اس نے آمر کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے، لہذا اس پر ضمان واجب ہوگا۔

نیز معروف فقیہ شیخ علامہ علاء الدین حصکفی تحریر فرماتے ہیں:

ودم القران و التمتع والجناية على الحاج (أي المأمور شامي) إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا فيضمن (الدر المختار ۲/۲۲۷، در المنتقی مع المجمع ۱/۳۰۹)۔

اگر آمر نے حج تمتع یا قران کی اجازت دی ہو تو تمتع، قران اور جنایت کا دم مامور کے ذمہ ہوگا، اگر آمر نے اجازت نہ دی ہو تو وہ آمر کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا، اور اس کو ضامن قرار دیا جائیگا۔

اسی طرح حج بدل کرنے والے نے آمر سے صریح اجازت تو نہیں لی ہے مگر اس کا ظن غالب ہے کہ آمر اس کی اجازت دیدیگا، تو صرف گمان غالب کی بنیاد پر حج تمتع جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ مسئلہ آمر کی جانب سے حج فرض

نیز فقہ حنفی کے ممتاز محقق علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

إذا لم تكن العمرة عن الميت صارت عن نفسه وصار كأنه نواها عن نفسه ابتداء وبمثله امتنع التمتع لعدم وقوع العمرة عن الميت (فتح القدیر ۱۵۴/۳، دار الفکر بیروت)۔

جب عمرہ میت کی جانب سے نہ ہو تو وہ خود اس کی جانب سے ہوگا، اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ وہ ابتداء میں عمرہ کی نیت اپنی طرف سے کرتا، اور اس طرح کی صورتوں میں تمتع ممنوع ہوتا ہے، کیونکہ عمرہ میت کی طرف سے ادا نہیں ہوتا ہے۔

۱۰۔ حیض ونفاس کی حالت میں طواف زیارت کرنا:

حالت ناپاکی میں طواف زیارت کرنا گرچہ درست نہیں ہے، لیکن ایسی حالت میں طواف زیارت کر لینا چاہئے، اور کر لینے سے رکن ادا ہو جائیگا، البتہ بدنہ لازم ہوگا، اور بدنہ یعنی دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ میں کرنا ضروری ہے۔

دبستان فقہ حنفی کے مایہ ناز فقیہ شمس الائمہ سرخسی رقمطراز ہیں:

وإن كان طاف للزيارة جنبا حتى رجع إلى أهله فإنه يعود إلى مكة ليطوف طواف الزيارة وليس له أن يدخل مكة بغير إحرام فليلزمه إحرام جديد لدخول مكة وإن لم يرجع إلى مكة فعليه بدنة لطواف الزيارة وعلى الحائض مثل ذلك للزيارة (مبسوط للسرخسی ۴۱/۴، فتح القدیر ۲۶۴/۲)

اگر طواف زیارت حالت جنابت میں کیا ہو یہاں تک کہ اپنے اہل وعیال کے پاس لوٹ آئے، تو ایسے شخص کو مکہ واپس جا کر طواف زیارت کرنا ہوگا، اور وہ از سر نو احرام باندھے بغیر مکہ میں داخل نہ ہوگا، اگر وہ مکہ دوبارہ نہیں جاتا ہے تو پھر طواف زیات کے عوض بدنہ دینا ہوگا، اور طواف زیارت کے سلسلے میں یہی حکم حائضہ عورت کا ہے۔

نیز شیخ برہان الدین مرغینانی نے لکھا ہے کہ بدنہ اگر مکہ بھیج دے تو بھی کافی ہو جائیگا، البتہ افضل ہے کہ مکہ جا کر دوبارہ طواف زیارت کیا جائے۔

وإن لم يعد وبعث بدنة أجزاه لما بينا أنه جابر إلا أن الأفضل هو العود (ہدایہ مع الفتح ۵۴/۳، البحر الرائق ۲۰/۳)۔

اگر وہ واپس مکہ نہ جائے بلکہ بدنہ بھیج دیتا ہے تو یہ کافی ہوگا، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ اس کی تلافی کرتا ہے، ہاں البتہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ واپس جا کر طواف زیارت کیا جائے۔

یہی رائے مولانا شبیر احمد قاسمی کی بھی ہے، مولانا لکھتے ہیں:

"لہٰذا اگر عورت روانگی کے اضطرار کی وجہ سے حیض یا نفاس کی حالت میں طواف زیارت کریگی تو طواف کا فریضہ تو اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، مگر ساتھ ساتھ جرمانہ میں ایک اونٹ یا گائے یا بھینس کی قربانی بھی واجب ہو جائے گی، اور قربانی کا حدود حرم میں کرنا لازم ہوگا (ایضاح المناسک ۱۰۶)۔

۱۱۔ ایام عدت میں حج وعمرہ:

کوئی خاتون اپنے شوہر کے ساتھ حج یا عمرہ کرنے کے لئے جارہی تھی کہ راستہ میں شوہر کا انتقال ہو گیا، تو یہ عورت محصر کے حکم میں ہوگی، اور وہ عدت کے ایام کو گزارے گی، ان ایام میں اس کے لئے حج یا عمرہ کرنا درست نہ ہوگا۔

امام اہل سنت سید امین محمود خطاب تحریر فرماتے ہیں:

یکون الحصر عند الحنفیین بکل حابس عن البیت من عدو ولو مسلما أو موت محرم أو زوج لامرأة فی الطریق (الدین الخالص ۹/۲۷۰)۔

احناف کے نزدیک احصار ہر اس چیز سے ہوگا جو بیت اللہ سے روک دے، دشمن سے خواہ مسلمان ہو، یا راستہ میں محرم یا شوہر کا انتقال ہو جائے، لیکن صاحبین کا مسلک ہے کہ راستہ میں شوہر کا انتقال ہو جائے اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا محرم موجود ہو تو وہ وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے، مگر امام صاحب کہتے ہیں کہ مطلقاً اس کو کہیں جانے کی اجازت نہ ہوگی۔

فإن للمرأة أن تخرج إلی مادون السفر بغیر محرم ولیس للمعتدة ذلک فلما حرم علیها الخروج إلی السفر بغیر محرم ففی العدة أولی (مجمع الانہر ۱/۲۷۰)۔

عورت سفر سے کم مسافت پر بلا محرم کے جا سکتی ہے، لیکن معتدہ کے لئے اس کی اجازت نہیں ہے، جب اس کے لئے بلا محرم نکلنا ناجائز ہے تو عدت کی حالت میں بدرجہ اولی ناجائز ہوگا۔

۱۲۔ منی ومکہ میں ۱۵ یوم قیام کا حکم:

ایام حج شروع ہونے سے اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہونچ جائے کہ مکہ مکرمہ میں پندرہ یوم قیام سے پہلے ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں اور وہ منی چلا جاتا ہے، پھر دونوں کے قیام کی مدت ۱۵ ایام سے زائد ہوتی ہو تو کیا وہ شخص مقیم سمجھا جائیگا یا مسافر ہوگا؟ یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ پہلے مکہ مکرمہ اور منی شہری آبادی الگ الگ تھی مگر اب مکہ شہری آبادی پھیل کر منی کی آبادی سے متصل ہو گئی ہے۔

فقہاء کرام کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر پندرہ یوم قیام دو مقامات پر کیا اور وہ دونوں مقام مستقل اپنی الگ جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں جیسے مکہ اور منی ہے تو وہاں قیام کرنے والا شخص مقیم نہیں ہوگا، اس کے برعکس اگر ان دونوں جگہوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے تابع ہو تب تو وہ مقیم کے حکم میں ہوگا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: ولو نوی الإقامة خمسة عشر یوما فی موضعین فإن کان کل منهما أصلا بنفسه نحو مکة ومنیٰ والکوفة والحیرة لا یصیر مقیما، وإن کان إحداهما تبعا للآخر حتی تجب الجمعة علی سکانه یصیر مقیما۔

اگر دو جگہوں میں پندرہ دن قیام کی نیت کرے، تو ان میں سے ہر ایک مستقل ہو جیسے مکہ و منی، کوفہ اور حیرہ تو وہ مقیم نہیں ہوگا، لیکن اگر ان میں سے ایک دوسرے کے تابع ہو یہاں تک کہ اس کے باشندوں پر جمعہ کی نماز واجب ہوتی

ہو تو ایسا شخص وہاں مقیم کے حکم میں ہوگا۔

۱۳۔ وتر میں شافعی امام کی اقتداء کرنا:

فقہاء کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعی امام وتر کی نماز فصل کے ساتھ ادا کرتا ہے، اس لئے حنفی کے لئے شافعی کی اقتداء کرنا درست نہ ہوگا، اس لئے کہ احناف کے مسلک کے مطابق اس طرح نماز پڑھنے سے فاسد ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: وفي حاشية الأشباه للخير الرملي الذي يميل إليه خاطري القول بعدم الكراهة إذا لم يتحقق منه مفسد (ردالمحتار ۱/۳۷۸)۔

خیر الرملی کے حاشیہ اشباہ میں ہے، اور میرا قلب بھی اسی طرف مائل ہے کہ اگر اس سے کوئی مفسد صلاۃ عمل سرزد نہ ہو تو اقتداء شافعی بلا کراہت جائز ہے۔

مگر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حنفی مقتدی حرمین کی جماعت کو چھوڑ کر کیا تنہا نماز ادا کریگا، اور اپنے آپ کو جماعت حرمین کے ثواب سے محروم رکھے؟ تو اس مسئلہ کا حل فقہاء نے بیان کر دیا ہے کہ دو رکعت تو شافعی المسلک امام کی اقتداء میں ادا کریگا، اور جب امام سلام پھیرے تو یہ سلام نہیں پھیریگا، بلکہ اپنی رکعت مسبوق کی طرح مکمل کرے۔

علامہ داماد آفندی رقمطراز ہیں:

ويتبع المؤتم الحنفي القنوت إماما شافعيا ، قانت الوتر ولو بعد الركوع وفيه اشعار بأنه لا يتابعه في السلام إذا سلم على الركعتين بل يتم صلاته، كمافي القنية (مجمع الانہر ۱/۱۲۹)۔

حنفی مقتدی دعاء قنوت میں شافعی المسلک امام کی اتباع کریگا، خواہ وہ قنوت رکوع کے بعد پڑھے، اس سے یہ واضح ہو گیا کہ جب وہ دو رکعت پر سلام پھیریگا تو وہ سلام پھیرنے میں اسکی اتباع نہیں کرے گا، بلکہ وہ اپنی نماز پوری کرے گا۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ سے متعلق مسائل

مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی

۱۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آفاق سے آنے والے شخص کے لئے جو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا قصد کرے خواہ یہ قصد کسی دنیوی غرض، تجارت یا عزیزوں سے ملاقات کی نیت سے کیا ہو مگر بیت اللہ شریف کی تعظیم کا تقاضہ یہ ہے کہ جب بھی وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو تو میقات سے حج یا عمرہ کا احرام باندھکر داخل ہو اور بیت اللہ کے عمرہ یا حج کا حق ادا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص میقات سے آگے مکہ کی طرف بغیر احرام کے نہ بڑھے۔

معلم الحجاج میں لکھا ہے:

مسئلہ: اگر کوئی شخص مسلمان، عاقل، بالغ جو میقات سے باہر رہنے والا ہے اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے، خواہ حج یا عمرہ کی نیت سے ہو یا اور کسی غرض سے میقات پر سے بلا احرام باندھے آگے گذر جائے گا تو گنہگار ہوگا، اور میقات کی طرف لوٹنا واجب ہوگا، اگر لوٹ کر میقات کی طرف نہ آیا اور میقات کے آگے ہی سے احرام باندھ لیا تو ایک دم دینا واجب ہوگا اور اگر میقات پر واپس آ کر احرام باندھا تو دم ساقط ہو جائے گا۔ (معلم الحجاج/۹۱)۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ پابندی صرف اس شخص کے لئے ہے جو حج یا عمرہ کے قصد سے مکہ مکرمہ کا قصد کرے۔ کسی تجارت کی غرض یا عزیزوں سے ملاقات یا تفریحی طور پر جانے والوں کے لئے احرام باندھ کر جانا اور کم از کم عمرہ کرنے کی پابندی نہیں ہے۔

بدائع کی عبارت ملاحظہ ہو:

أما الصنف الأول فميقاتهم ما وقت لهم رسول الله ﷺ لا يجوز لأحد منهم أن يجاوز ميقاتهم إذا أراد الحج أو العمرة إلا محرما.

ولنا ما روى عن النبي ﷺ أنه قال ألا إن مكة حرام منذ خلقها الله تعالى لم تحل لأحد قبلي ولا تحل لأحد بعدي. وإنما أحلت لي ساعة من نهار ثم عادت حراما إلى يوم القيامة. والاستدلال به من ثلاثة أوجه: أحدها بقوله ﷺ ألا إن مكة حرام والثاني بقوله لا تحل بعدي. والثالث بقوله ثم عادت حراما إلى يوم القيامة مطلقا من غير فصل.

و روى عن ابن عباسؓ عن النبي ﷺ أنه قال لا يحل دخول مكة بغير إحرام ولأن هذه بقعة شريفة لها قدر وخطر عند الله تعالى فالدخول فيها يقتضي التزام عبادة إظهارا لشرفها على سائر البقاع.

وأهل مكة بسكناهم فيها جعلوا معظمين لها بقيامهم بعمارتها و سدانتها و حفظها و حمايتها فلذلك أبيح لهم السكنى (بدائع ۲/۱۶۴)

مذکورہ بالا بدائع کی عبارت سے پتہ چلا کہ صورت مسئولہ میں بلا احرام باندھے آگے گذرنا ہر ایک کے

لئے ممنوع ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ کی دلیل کہ انه تجوز السكنى بمكة من غير إحرام الخ ۔ یعنی یہ کہ جب مکہ میں رہنا اہل مکہ کے لئے بغیر احرام کے جائز ہے تو دخول مکہ بغیر احرام تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کا عالی فرمان ہے: سن لو! کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے مکہ مکرمہ (کعبۃ اللہ) بنایا ہے تب سے وہ حرمت والا ہے، نہ تو وہ مجھ سے پہلے والوں کے لئے حلال رہا اور نہ ہی میرے بعد والوں کے لئے، ہاں! چند ساعت کے لئے وہ میرے لئے حلال ہوا تھا پھر وہ قیامت تک کے لئے حرام ہو گیا۔ اس روایت سے تین طریقوں سے استدلال کیا جاتا ہے: اولاً یہ کہ حضور اقدس ﷺ نے لفظ الا کے ذریعہ سے فرمایا: "الا إن مكة حرام"۔ دوسرا یہ کہ میرے بعد بھی وہ کسی کے لئے حلال نہ ہوگا۔ تیسرا یہ کہ میرے لئے کچھ ساعت کے لئے حلال ہوا تھا (ضرورۃً) پھر وہ قیامت تک کے لئے حرام ہو گیا، معلوم ہوا کہ اس کی حرمت ابدی ہے۔

دوسری دلیل حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: دخول مکہ بلا احرام جائز نہیں ہے۔ اور وجہ بھی اس کی ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ ایک مبارک جگہ ہے، اللہ رب العزت کے نزدیک اس کی قدر و منزلت ہے، لہذا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ حج یا عمرہ کی عبادت کے التزام کے ساتھ ہو تا کہ روئے زمین کی تمام جگہوں کے مقابلہ میں اس کے شرف کا اظہار ہو لہذا بلا احرام میقات سے گذر کر حرم میں داخل ہونا جائز نہیں۔

لہذا سوال مذکور کا جواب یہی ہوگا کہ جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات یا اور کسی مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم مکی کی حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ احرام کے ساتھ ہی میقات سے آگے بڑھیں۔

۲۔ صورت مسئولہ کے بارے میں حضرت مفتی شفیع صاحبؒ جواہر الفقہ میں رقم طراز ہیں:

مسئلہ: کوئی مکہ المکرمہ اور حدود حرم کا رہنے والا اگر حدود حرم سے باہر آفاق میں کسی وجہ سے چلا جائے تو اب اس کا حکم بھی آفاقی کے مانند ہوگا، اگر وہ وہاں سے مکہ مکرمہ یا حدود حرم میں جانے کے قصد سے حدود مواقیت کے اندر آئے گا تو اس پر لازم ہے کہ میقات یا محاذات میقات سے احرام باندھ کر آئے، بغیر احرام کے داخل ہونا آفاق میں جانے کے بعد اس کے لئے بھی جائز نہیں (جواہر الفقہ ۱/۳۹۲۔۳۹۳)۔

لہذا ٹیکسی ڈرائیور وغیرہ کے لئے جو بار بار مکہ مکرمہ، جدہ، مدینۃ المنورہ کے درمیان آمد و رفت کرتے ہیں اسی طرح تجارتی سامان لانے لے جانے والے ملازمین، تجارتی کمپنیوں کے ایجنٹوں کو حدود حرم کے اندر باہر آمد و رفت کرنی ہوتی ہے ایسے لوگوں کے لئے بھی ہر بار میقات میں داخل ہوتے وقت احرام باندھنا ضروری ہے، وہ اس سے مستثنیٰ نہیں۔

رہ گیا سوال یہ کہ اس میں دقت و حرج ہے تو حرج کی وجہ سے احکام میں جو فرق آتا ہے اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہاں کوئی نص نہ ہو اور یہاں نص موجود ہے دخول مکہ بلا احرام جائز نہیں۔ الاشباہ میں ہے: "المشقة والحرج انما يعتبران عند عدم النص (الاشباہ ص۸۳)

اور الاشباہ میں اسی قاعدہ کے فائدہ نمبر ایک کے تحت لکھا ہے:

المشاق على قسمين. مشقة لا تنفک عنها العبادة غالبا۔ اس کے جزئیات بیان فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

فلا أثر لها فی إسقاط العبادات۔ اوردوسری "مشقة تنفک عنها العبادات" غالباً" اس کے دودرجے ذکر کئے ہیں مشقة عظيمة فادحة فهي موجبة للتخفيف، مثلا إذا لم يأمن للحج طريق إلا من البحر و كان الغالب عدم السلامة لم يجب الثانی مشقة خفيفة. فهو لا أثر له ولا الالتفات إليه. لان تحصيل مصالح العبادات أولى من دفع هذه المفسدة التی لا أثر لها (الاشباہ ۸۲)۔

لہذا مذکورہ بالا شکل کو مشقت کی قسم اول میں شمار کیا جائے گا کہ "لا تنفک عنها العبادات غالباً فلا أثر لها فی إسقاط العبادات۔ لہذا ایسا احرام حدود میقات سے تجاوز کرنے سے دم لازم ہوگا۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع وقران کی گنجائش ہے یانہیں:

مکی اور حدود حرم میں رہنے والوں کے لئے تمتع وقران کی گنجائش نہیں ہے۔ (عمدۃ الفقہ ص ۲۸۹، کتاب الحج)۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحبؒ معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں: اسلام سے پہلے عرب اہل جاہلیت کا خیال یہ تھا کہ جب حج کے مہینے شروع ہوجائیں یعنی ماہ شوال شروع ہوجائے تو ان ایام میں حج وعمرہ کو جمع کرنا سخت گناہ ہے، اس آیت کے آخری حصہ میں ان کے اس خیال کی اصلاح اس طرح کردی گئی کہ حدود میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے تو حج وعمرہ دونوں کو اشہر حج میں جمع کرنا ممنوع رکھا گیا کیونکہ انکو اشہر حج کے بعد دوبارہ عمرہ کے لئے سفر کرنا مشکل نہیں، لیکن حدود میقات کے باہر سے آنے والوں کے لئے جمع کرنا جائز قرار دیا گیا کہ دور دراز سے مستقل عمرہ کے لئے سفر کرنا ان کے لئے آسان نہیں (معارف القرآن ۱/۴۲۶)۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کرسکتا ہے یانہیں؟ اس کا حکم یہ ہے کہ آفاقی حاجی عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے مزید عمرے کرسکتا ہے۔ عمدۃ الفقہ میں لکھا ہے: "یہ جو عمدۃ المناسک میں مذکور ہے کہ تمتع کرنے والا تمتع کا عمرہ ادا کرلینے اور اس کے احرام سے فارغ ہونے کے بعد حج سے پہلے اور عمرے نہ کرے"۔ شارح اللباب ملاعلی قاریؒ نے کہا ہے کہ یہ اس بناء پر کہا گیا ہے کہ مکی کو صرف عمرہ سے بھی منع کیا گیا ہے، لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ مکی تمتع اور قران سے منع کیا گیا ہے عمرہ اس کے لئے ممنوع نہیں ہے، اور یہ متمتع تو آفاقی ہے جو کہ عمرہ سے منع نہیں کیا گیا ہے، لہٰذا اس کے لئے تکرار عمرہ جائز ہے، کیونکہ عمرہ بھی طواف ہی کی طرح ایک مستقل عبادت ہے۔

دوسری بات یہ کہ ہمارے تمام اصحاب کے نزدیک ایام مخصوصہ کے علاوہ باقی تمام سال میں عمرہ کرنا بلا کراہت جائز ہے، اور اس بارے میں مکی اور آفاقی میں کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ بحر میں اس کی صراحت ہے (عمدۃ الفقہ ص ۲۹۲، کتاب الحج، اور دیکھئے: منحۃ الخالق ۲/۳۹۳)۔

لہذا جو جاہل معلمین ایسے متمتع آفاقی کو جو اپنے ساتھ ہدی نہیں لایا اس کو حج سے پہلے عمرہ کرنے سے منع

کرتے ہیں یہ صحیح مذہب کے خلاف ہے، اور وہ آفاقی حاجیوں کو ایک ایسی عظیم عبادت سے محروم کرنے کا سبب بنتے ہیں جو ان کو اپنے ممالک میں میسر نہیں آسکتی، اور اکثر ان کے پاس حج کے بعد وقت اتنا تنگ ہوتا ہے کہ عرفات و منیٰ سے مکہ مکرمہ واپس آنے کے بعد ان کو عمرہ کرنا ممکن نہیں ہوتا (کذا فی عمدۃ الفقہ ۴/۲۹۲، کتاب الحج)۔

لہذا خلاصہ یہ ہوا کہ تمتع کرنے والا حاجی عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کے احرام سے قبل دوسرے نفلی عمرے کرسکتا ہے۔

۶۔ الف: عمل رمی میں نیابت کا مسئلہ:

رمی کی صحت کے لئے آٹھ شرائط ہیں:

(۱) کنکریوں کو پھینکنا (جمرات پر رکھ دینا نہیں) صرف جمرات پر رکھ دینے سے رمی ادا نہیں ہوگی۔

(۲) ہاتھ سے رمی کرنا، کمان یا پاؤں سے رمی کرنا جائز نہیں۔

(۳) کنکری کا جمرات سے متصل یا قریب گرنا، اگر دور گرے تو جائز نہیں ہوگا۔

(۴) کنکری کا پھینکنے والے کے عمل سے گرنا، اگر کنکری کسی کی پشت پر ٹھہر گئی اور اس کی حرکت سے گری تو رمی درست نہ ہوگی، اعادہ واجب ہوگا۔

(۵) ساتوں کنکریوں کو علیحدہ علیحدہ مارنا، اگر دفعۃً واحدۃً سات ماردی تو ایک ہی شمار ہوگی، نیز یہ مکروہ بھی ہے اور اعادہ بھی واجب ہے۔

(۶) کنکریوں کا جنس زمین سے ہونا، یعنی جس سے تیمم درست ہے اس سے رمی بھی درست ہے۔

(۷) رمی کے وقت کا ہونا، قبل الوقت رمی جائز نہیں۔

(۸) رمی خود کرنا، قادر ہونے کے باوجود بلا عذر رمی میں نیابت جائز نہیں، البتہ عذر کی وجہ سے نیابت درست ہے، لہذا کسی مریض کی طرف سے اس کے حکم سے یا غشی والے کی طرف سے اس کے امر سے یا امر کے بغیر، یا نا سمجھ بچہ یا نیم پاگل یا مجنوں کی طرف سے رمی میں نیابت جائز ہے۔

ب: رمی میں نیابت کے لئے مریض سے مطلق طور پر ہر مریض مراد نہیں ہے، بلکہ مریض کی حد یہ ہے کہ اگر مریض ایسا ہو کہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تب اس کی نیابت میں دوسرا رمی کرسکتا ہے، وہ سوار ہو کر بھی رمی نہ کرسکتا ہو یا یہ کہ اس کے لئے سواری میسر نہ ہو اور رمی کرنے سے اس کو اندیشہ ضرر ہو، لہذا اگر مریض کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو یا کمزور ہونے کے باوجود سواری میسر ہے اور اس کو شدید ضرر کا بھی اندیشہ نہیں ہے اور نہ ہی مرض کی زیادتی اور دیر میں صحت یاب ہونے کا خوف ہے تو ایسے شخص کی طرف سے رمی میں نیابت جائز نہیں، لیکن کوئی سواری یا اٹھانے والا نہ ملے تو رمی میں نیابت جائز ہوگی۔

معلوم ہوا کہ یہ حکم عام نہیں ہے بلکہ معذور کے لئے ہے، اور مرد و عورت دونوں کے لئے ہے، لیکن عورت کے لئے رات میں رمی کرنا بہتر ہے لہذا عورت کو بھی بلا عذر رمی میں نیابت نہیں کروانی چاہئے۔

اور فقہاء نے تو عورت، بیمار وضعفاء کے لئے ہجوم کے خوف کو عذر قرار دیتے ہوئے قربانی کے دن طلوع سے قبل رمی کر لینے کو یا پہلے تین دن رات تک رمی کو مؤخر کرنے کو اور چوتھے دن زوال سے قبل رمی کر لینے کو جائز کہا ہے، ان کی طرف سے نیابت کو عدم ضرورت کی وجہ سے جائز نہیں کہا گیا، ہاں اگر یہ لوگ ہجوم کے خوف کی وجہ سے خود رمی نہیں کر سکتے تو ان پر فدیہ لازم ہوگا۔ (عمدۃ الفقہ ۴/۲۳۵ تا ۲۳۰)

۷۔ سعودیہ میں مقیم غیر ملکیوں کی حالت احرام میں گرفتاری کا حکم:

حصر کا معنی مفردات القرآن للراغب میں یہ ہے: الحصر والإحصار المنع من طريق البيت. فالإحصار يقال في المنع الظاهر كالعدو والمنع الباطن كالمرض والحصر لا يقال إلا في المنع الباطن (مفردات)۔

اور شرعاً حصر کا معنی وقوف عرفہ اور طواف زیارت سے روکنا ہے۔ البحر میں احصار کی یہ تعریف ہے:

وفي الشريعة هو منع الوقوف والطواف (البحر الرائق ۳/۷۵)۔

اور احصار کے آٹھ اسباب عمدۃ الفقہ میں مذکور ہیں جن کو اختصار سے ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) کسی مسلمان یا کافر دشمن کا حج سے روکنا، اور اس راستہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ ہو یا یہ کہ راستہ تو ہو لیکن اس میں ضرر کا معتبر وجہ کا اندیشہ ہو یا دوسرا راستہ طویل ہو۔

(۲) کسی ایسے درندہ کا اندیشہ ہو جس کے دفع کرنے سے عاجز ہو۔

(۳) قید ہونا یا بادشاہ کا منع کرنا، اگرچہ منع کرنا احرام باندھ لینے کے بعد ہو۔

(۴) ہڈی ٹوٹ جانا یا تنا لنگڑا ہو جانا کہ سفر نہ کر سکے۔

(۵) پیدل یا سواری پر چلنے کی وجہ سے مرض کی زیادتی کا ظن غالب ہو۔

(۶) عورت کے محرم یا شوہر کا راستہ میں فوت ہو جانا جبکہ مکہ مکرمہ وہاں سے مسافت سفر یا اس سے دور ہو۔

(۷) نفقہ کا ہلاک ہو جانا، لیکن اگر وہ سفر کے خرچ کے بغیر پیدل چلنے پر قادر ہے مثلاً یہ کہ وہ مکہ مکرمہ یا عرفات کے قریب ہے تو وہ محصر نہیں، اور اگر وہ پیدل چلنے پر قادر نہیں تو وہ محصر ہے۔ اس کو اس حالت میں احرام سے باہر ہونا جائز ہے، ورنہ پیدل چلے اور لوگوں سے سوال کرے۔

(۸) سواری کے جانور کا ہلاک ہو جانا، بشرطیکہ وہ پیدل چلنے پر قادر نہ ہو اور نہ اس کے پاس جانور خریدنے کا نفقہ ہو۔

(۹) احرام باندھنے کے بعد شروع ہی سے پیدل چلنے سے عاجز ہونا جبکہ اس کو صرف نفقہ پر قدرت ہو، سواری کے جانور کی قدرت نہ ہو، اس وقت وہ محصر شمار ہوگا۔

(۱۰) مکہ مکرمہ یا عرفات کا راستہ بھول جانا، لیکن اگر وہ کسی ایسے شخص کو پائے جو اس کو راستہ بتا دے تو وہ محصر نہیں ہوگا۔

(۱۱) شوہر کا زوجہ کو نفل حج یا واجب بغیر و یا عمرہ سے روکنا جبکہ زوجہ کی اجازت کے بغیر احرام باندھا ہو، بخلاف فرض حج کے۔

(۱۲) احرام باندھنے کے بعد عورت پر عدت طلاق واجب ہو تا خواہ وہ مقیم ہو یا مسافر اور خواہ وہ مکہ مکرمہ میں ہو یا اس سے باہر، اور اگرچہ اس کے ساتھ محرم بھی ہو اس پر واجب ہے کہ جہاں اس پر عدت طلاق واقع ہوئی وہیں رات بسر کرے، پس اگر وہ مکہ مکرمہ میں ہے تو عرفات کے لئے نہ جائے اور وقوف عرفات کے بعد جب حلال ہونا چاہے تو جب چاہے عمرہ کے افعال ادا کر کے حلال ہو جاوے (عمدة الفقہ ۶۱۰/۴ احصار کا بیان)۔

لہذا صورت مسئولہ میں کوئی شخص اس طرح پکڑا جائے گا وہ محصور کے حکم میں ہوگا۔

اب رہ گیا ان کے احرام کھولنے کا مسئلہ: احصار کا حکم یہ ہے کہ اگر احرام باندھنے کے بعد وقوف عرفہ سے قبل یہ صورت پیش آئی ہے تب تو وہ محصر شمار ہوگا، اور اگر اس نے وقوف عرفہ کر لیا تھا اس کے بعد پکڑا گیا تو محصر نہ ہوگا۔ لہذا جو شخص وقوف عرفہ سے قبل پکڑا گیا اس کا حکم یہ ہے کہ وہ احرام کھولے بغیر اپنی جگہ (جدہ وغیرہ) واپس آ جاوے اور احرام کی حالت میں رہے یہاں تک کہ وہ رکاوٹ دور ہو جائے، اس کے بعد اگر اس کو کسی طریقے سے حج مل سکتا ہے تو افعال حج ادا کر کے حلال ہو جائے۔ اور اگر اس کو حج نہ مل سکے تو حج فوت ہو جانے والے شخص کی طرح عمرہ ادا کر کے حلال ہو جائے، اس پر ہدی واجب نہیں ہے۔

اور اگر ایسی صورت میسر نہ ہو کہ وہ عمرہ یا حج کے افعال ادا کر سکے، بلکہ اس کا احصار برابر باقی رہا تو اگر اس نے صرف حج یا صرف عمرہ کا احرام باندھا ہو تو اس پر واجب ہے کہ کسی کو ایک ہدی یا اس کی قیمت دے کر حرم بھیجے تاکہ اس قیمت سے وہاں ہدی خریدے اور اس کی طرف سے حدود حرم میں جا کر ہدی ذبح کرے۔

اور اگر محصر کو قربانی کا جانور نہ مل سکے یا اس کی قیمت میسر نہ ہو یا کوئی ایسا شخص نہ مل سکے جس کے ہاتھ ہدی کا جانور بھیج سکے تو وہ میسر آنے تک احرام کی حالت میں رہے گا، جب میسر ہو جاوے تو وہ اس کے ذریعہ احرام سے حلال ہو جائے یا مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام سے حلال ہو جائے۔

لیکن اگر کوئی شخص ہمیشہ اسی حالت پر رہا کہ نہ وہ مکہ مکرمہ جانے پر قادر ہے اور نہ ہی ہدی روانہ کرنے پر قادر ہے تو وہ ہمیشہ احرام ہی میں رہے گا جب تک کہ وہ قادر نہ ہو جائے، یہ ہمارے طرفین کا ظاہری مذہب ہے، امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر اس کے پاس ہدی نہ ہو تو ہدی کی قیمت کے مطابق غلہ صدقہ کر دے اور ہر مسکین کو نصف صاع دے، اور اگر اس کے پاس غلہ بھی نہ ہو تو ہر نصف صاع کے بدلہ ایک روزہ رکھے اور پھر حلال ہو جائے، امام ابو یوسفؒ نے امالی میں کہا ہے کہ یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے کہ اس میں بہت بڑی تنگی سے نجات مل جاتی ہے، لہذا ضرورت کے وقت اس پر عمل کی گنجائش ہے۔ (عمدة الفقہ ۶۱۲/۴)۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب کے وجوب اور سنت کا اختلاف:

اس باب میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ان افعال ثلاثہ میں ترتیب مسنون ہے، واجب نہیں،

اور اس کے ترک کی وجہ سے دم واجب نہیں ہوتا، یہی ہمارے صاحبین کا مسلک ہے، امام مالکؒ کے یہاں بھی بعض میں ترتیب واجب ہے، اور امام احمدؒ کے یہاں اگر عمداً ترتیب ترک کردے تو دم واجب ہوگا سہواً ترک ہونے سے دم واجب نہ ہوگا، اور حضرت امام اعظمؒ کے یہاں عمداً و سہواً دونوں صورتوں میں دم واجب ہوگا۔

علامہ کشمیریؒ نے العرف الشذی (۱/۱۸۲) میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی اس حدیث "ان رجلا سأل رسول الله ﷺ قال حلقت قبل ان اذبح فقال اذبح ولا حرج وسأله آخر فقال نحرت قبل ان ارمی فقال ارم ولا حرج (ترمذی شریف ۱/۱۸۲) کی تشریح میں لکھی عبارت سے یہ پتہ چلا کہ احناف کے یہاں ترتیب واجب ہوگی، اور ان تینوں افعال میں تقدیم و تاخیر کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔ رہ گیا یہ سوال کہ مذبح اور قیام گاہ کی دوری کی وجہ سے عورتوں اور ضعفاء کا مذبح جانا دشوار ہے اس لئے وہ ترتیب کو ترک کردے یہ درست نہیں، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کسی ایک دیندار، متقی پرہیزگار آدمی کو وکیل بنادیا جائے کہ ہماری طرف سے قربانی کردے، اور وہ وکیل جب قربانی سے فارغ ہوجاوے تو فوراً مطلع کردے تاکہ وہ اپنے باقی ماندہ افعال سے فارغ ہوجاوے۔ لہذا ایسے اعذار جن کا بدل ممکن ہو اس میں کسی واجب کو چھوڑنا جائز نہیں، عذر کی وجہ سے واجب چھوڑ سکتے ہیں۔

كذا في الشامية من اللباب لو ترك شيئا من الواجبات بعذر لا شئ عليه على ما في البدائع.

اور اعذار سے مراد وہ اعذار ہیں جو منجانب اللہ ہوں جیسے مرض (كذا في الشامية) اور ازدحام، مذبح وغیرہ کا دور ہونا مراد نہیں۔

۹۔ حج بدل میں تمتع کا حکم:

یہ بات تو ظاہر ہے کہ عبادت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) محض مالی عبادت جیسے زکوۃ، صدقۂ فطر، عشر وغیرہ، (۲) محض بدنی عبادات جیسے نماز، روزہ، اعتکاف، قرأت قرآن وغیرہ، (۳) وہ عبادات جو مالی اور بدنی دونوں سے مرکب ہوں جیسے حج۔

پہلی قسم میں محض مالی عبادات اس میں مکلف کی طرف سے قدرت و عجز یعنی اختیار و اضطرار دونوں حالتوں میں نیابت جاری ہوسکتی ہے، یعنی خواہ وہ خود اس کے ادا کرنے پر قادر ہو یا نہ ہو اپنے نائب کے ذریعہ ادا کی جاسکتی ہے۔ اور محض بدنی عبادات میں کسی بھی حالت میں نیابت جاری نہیں ہوسکتی، چنانچہ نسائی شریف کی روایت ہے: لا يصوم احد عن احد ولا يصلي احد عن احد (اخرجہ النسائی عن ابن عباس)۔

اور جو بدنی اور مالی سے مرکب عبادت ہے اگر وہ واجب ہے جیسے حج فرض یا حج منذور، تو اس میں صرف عجز کی وجہ سے نیابت جاری ہوسکتی ہے نہ کہ حالت قدرت میں، اور اس میں بھی شرط یہ ہے کہ وہ عذر تا موت قائم رہے، اس لئے کہ حج تمام عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔

اور فقہاء کرام نے حج فرض و واجب کی نیابت کے جواز کے لئے ۲۰ شرائط ذکر کئے ہیں، اگر ان میں سے ایک بھی شرط فوت ہو تو حج بدل ادا نہ ہوگا، اور منجملہ ان ۲۰ شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ آمر کی مخالفت نہ ہو۔

یعنی جب تک آمر مامور کو حج قران یا تمتع کی اجازت نہ دے مامور کو حج قران یا تمتع ادا کرنا جائز نہ ہوگا، اگر بلا اجازت حج کرے گا تو حج بھی آمر کا نہ ہوگا بلکہ مامور کا ہوگا اور اس صورت میں مامور پر ضمان لازم آئے گا۔ شامی میں باب الحج عن الغیر کے تحت لکھا ہے: الرابع الامر ای بالحج فلا یجوز حج غیرہ بغیر اذنہ (شامی ۲/ ۲۵۹)

(الف) اب رہ گیا سوال یہ کہ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج بدل کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۱) کا جواب درمختار کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اجازت سے قران وتمتع کرنا جائز ہے۔

و دم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا فيضمن (درمختار ۲/ ۲۶۷، ۲۶۸)۔

(ب) دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا آمر کی صریح اجازت ضروری ہے؟

اس کا جواب نظام الفتاوی میں ہے کہ اگر آمر نے قران اور تمتع کی اجازت دے دی ہے خواہ مجملا ہی دی ہو مثلا یوں طور کہ تم کو اختیار ہے کہ میری طرف سے جس طرح چاہو حج بدل کرآؤ تو اس صورت میں مامور کو قران و تمتع کرنا جائز ہوگا، لیکن دم قران وتمتع وجنایت مامور کے ذمہ رہے گا، مامور کو اپنے ذاتی مال سے ادا کرنا ضروری ہوگا (نظام الفتاوی/ ص ۱۱۱)۔

(ج) رہ گیا سوال کہ غالب ظن کی کیا حیثیت ہے؟

تو الاشباہ میں لکھا ہے:

أما أكبر الرأي و غلبة الظن فهو الطريق الراجح إذا أخذ به القلب وهو المعتبر عند الفقهاء كما ذكره اللامشي في أصوله . و غالب الظن عندهم ملحق باليقين وهو الذي يبتنى عليه الأحكام يعرف ذلك من تصفح كلامهم في الأبواب. صرحوا في نواقض الوضوء بأن الغالب كالمتحقق. و صرحوا في الطلاق بأنه إذا ظن الوقوع لم يقع وإذا غلب على ظنه وقع (الاشباہ/ ص ۳۷)۔

معلوم ہوا کہ فقہاء کے یہاں اس کا اعتبار ہوتا ہے اور اس کو یقین کا درجہ حاصل ہے، لہذا جب آمر کی طرف سے ظن غالب اجازت کا ہے تو تمتع وقران کی گنجائش ہوگی۔

(د) رہ گیا یہ مسئلہ کہ باذن آمر و بلا اذن آمر کی صورت میں دم قران وتمتع کا حکم یہ ہے کہ بدون اذن آمر کی صورت میں تو پورے مال حج کا ضمان مامور پر ہوگا، اور اذن آمر کی صورت میں دم قران وتمتع مامور کے ذمہ ہوگا جیسے کہ اوپر کی صراحت سے معلوم ہوا۔

(ھ) حج بدل کرنے والے کو آمر کی اجازت سے تمتع کی گنجائش ہے لہذا اس کے جواب کی ضرورت نہ رہی۔

(و) حج عن المیت کی صورت میں تمتع کا مسئلہ، اس کی کئی صورتیں ہیں مثلا:

۱۔ میت پر حج فرض نہیں تھا اور حج کی وصیت کی، اور حقوق مقدمہ کی ادائیگی کے بعد تہائی ترکہ کی مقدار اتنی ہے کہ میت کے مکان سے نہ کسی راستہ ہی سے حج بدل کرایا جا سکتا ہے، اور ایسا کرنا ورثاء کی قدرت میں بھی ہو تو ورثاء کو ایسا کرنا ضروری ہے، اور اس حج بدل کرنے والے مامور کے لئے قران و تمتع کی اجازت نہ رہے گی، اور موصی کے ورثاء کی اجازت قران و تمتع کے لئے کافی نہ ہوگی۔

۲۔ اگر میت پر حج فرض نہ ہو اور اس نے حج کی وصیت کی ہو، یا وصیت تو کی ہو مگر حقوق مقدمہ واجبہ کی ادائیگی کے بعد اتنی مقدار بھی مال نہ چھوڑا ہو جس سے حج کمی ہی کبھی، کی جاوے، اس صورت میں کسی وارث پر حج بدل کرانا ضروری نہیں، اگر حج بدل کرادے تو کرا سکتا ہے بلکہ مستحسن ہے، اور اس میں قران و تمتع دونوں کر سکتا ہے۔

۳۔ اور اگر وصیت تو کی ہے لیکن ترکہ بالکل نہ چھوڑا ہو کہ کمی حج بھی ہو سکے، یا ترکہ کافی چھوڑا ہے لیکن وصیت نہیں کی تو اگر چہ اس پر فرض حج باقی رہا ہو مگر اس صورت میں ورثاء پر کسی قسم کا حج کی یا میقاتی کرانا ضروری نہ رہے گا، البتہ اگر ورثاء اپنی طرف سے تبرع کر دیں تو بہتر و احسن ہوگا، اور اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہو تو کرانا چاہئے (اور اس میں بھی تمتع و قران کی گنجائش ہوگی) (عمدۃ الفقہ)۔

۱۰۔ ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کا حکم:

طواف زیارت کو ایام قربانی سے موخر کرنے میں کراہت اور دم کا وجوب اس صورت میں ہے کہ طواف زیارت کو بلا عذر موخر کردے، لیکن اگر عذر کی وجہ سے موخر ہو جاوے تو کچھ واجب نہیں، یہاں تک کہ اگر کسی عورت کو ایام نحر سے قبل حیض شروع ہوا اور ایام نحر گذرنے تک وہ حیض کی حالت میں رہی تو تاخیر کی وجہ سے اس پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔

لہذا صورت مسئولہ میں بھی حیض اور نفاس والی عورت طواف زیارت نہ کر سکے تو اس پر بھی دم کا وجوب اس وقت ہوگا جبکہ وہ امکان کے باوجود تاخیر کرے، لہذا اگر کوئی حیض والی عورت قربانی کے آخری دن میں غروب سے قبل ایسے وقت حیض سے پاک ہوئی کہ ایسے وقت میں وہ غسل کے لوازمات مثلاً غسل کر کے مسجد الحرام میں آ کر طواف زیارت پورا یا اکثر حصہ ادا کر سکے لیکن اس کے باوجود اس نے ایسا نہ کیا تو اس پر دم تاخیر واجب ہوگا، اور اگر حیض سے پاک ہونے کے بعد اس کو اس قدر وقت نہ ملا تو اس پر طواف زیارت نہ کرنے سے کچھ بھی واجب نہیں۔

منسک ابن امیر الحاج میں لکھا ہے کہ اگر کوئی قافلہ واپس لوٹنے کا ارادہ کرے اور اس قافلہ کی کوئی عورت حیض سے پاک نہ ہوئی ہو اور وہ فتویٰ دریافت کرے کہ وہ طواف زیارت کرے یا نہ کرے؟ اور اس حالت میں طواف زیارت ادا کرنے سے اس کا حج ادا ہوگا یا نہیں؟ تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس کو کہا جائے کہ تیرے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، اس کے باوجود اگر تو داخل ہوگئی اور طواف زیارت کر لیا تو گنہگار ہوگی اور تیرا طواف صحیح ہوگا، اور تجھ پر ایک بدنہ (سالم اونٹ یا گائے) ذبح کرنا واجب ہوگا، یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے، عورت اس مسئلہ میں حیران و پریشان ہو جاتی ہے۔ شامی کی عبارت ملاحظہ ہو:

نقل بعض المحشين عن منسک ابن امير الحاج لو هم الركب على القفول ولم

تطهر فاستفتت هل تطوف أم لا. قالوا يقال لها لا يحل لك دخول المسجد وإن دخلت و طفت أثمت و صح طوافك وعليك ذبح بدنة. و هذه المسئلة كثيرة الوقوع يتحير فيها النساء (شامی ۲/۱۹۸)۔

جاننا چاہئے کہ حدث اکبر یعنی حیض ونفاس کی حالت میں مسجد میں جانا سخت گناہ ہے اور اس حالت میں مسجد جا کر بیت اللہ شریف کا طواف کرنا تو اور سخت گناہ ہے، اس لئے اس پر اس طواف کا اعادہ کرنا یا سالم اونٹ یا گائے ذبح کرنا واجب ہے، اور کفارہ دینے کے باوجود اس گناہ سے توبہ کرنا ضروری ہے، اس لئے حیض یا نفاس والی عورت کو اپنے اوپر سے فرض اتارنے اور پوری طرح حلال ہونے کے لئے جان بوجھ کر ایسا ناجائز اور حرام فعل کرنا نہایت قبیح ہے، اس کو چاہئے کہ پاک ہونے تک وہاں ٹھہرے اور شرعی حکم کے مطابق پاک ہو کر طواف زیارت کر کے حج پورا کرے۔ محض سستی اور سہولت پسندی کی وجہ سے ہرگز حالت حیض میں طواف زیارت نہ کرے۔ آج کل جہازوں کی کثرت ہے اور کوشش کر کے جہازوں میں بعد کی تاریخوں میں نشست تبدیل کرائی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے ایسی حالت میں طواف زیارت کر لیا تو حکماً اس کا حج پورا ہو جائے گا وہ احرام سے حلال ہو جائے گی اور اس پر سالم اونٹ یا گائے کا ذبح کرنا واجب ہوگا لیکن جان بوجھ کر ایسی حالت میں طواف زیارت کرنے کا حکم اور فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ اور ایسی صورت میں یہ نیت اور ارادہ کرنا کہ بعد میں جزا اور فدیہ دے کر سبکدوش ہو جائیں گے ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے یہ گناہ فدیہ سے معاف نہیں ہوگا۔

لیکن سوال کے مطابق اس کا رکنا کسی طرح بھی ممکن نہ ہو، حکومت کی طرف سے پابندی عائد ہو، اور اس کی اور اس کے محرم کی روانگی کی تاریخ تبدیل نہ ہو سکتی ہو اگر وہ ایسے حالات میں ہے تو مجبوراً طواف زیارت کر لے گی اور کفارہ ادا کر دے گی، تو حضرت امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق اس کا حج پورا ہو جائے گا، احرام سے حلال ہو جائے گی اور بدنہ واجب ہوگا، لیکن یہ معاملہ متعلقہ عورت اور اس کے قافلہ پر موقوف ہے کہ وہ خود اس کا فیصلہ کریں کہ ان کو ٹھہرنا ممکن ہے یا نہیں۔

اس خلاصہ سے سوال کے پہلے تینوں اجزاء کا حکم واضح ہو گیا کہ مذکورہ اعذار اگر یقینی ہوں تو مجبوراً ناپاکی کی حالت میں طواف کر لے، اس صورت میں رکن کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گا، توبہ لازم ہوگی اور ایک بدنہ ذبح کرنا لازم ہوگا۔

اور سوال کی چوتھی شق کہ دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ میں ہونا ضروری ہے یا اپنے مقام پر بھی کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدود حرم میں دم کو ذبح کرنا بالاتفاق شرط ہے خواہ وہ ہدی شکرانہ (قران وتمتع) کی ہو یا سزا کی ہو سب کا یہی حکم ہے (عمدۃ الفقہ، ص ۶۰۱، کتاب الحج)

۱۱- سفرِ حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو وہ ایام عدت میں عمرہ وحج ادا کرے یا نہیں؟

شامی میں احصار کے بیان میں لکھا ہے: ومنها العدة فلو أهلت بالحج فطلقها زوجها و لزمتها

العدة صارت محصرة ولو مقيمة ار ـــ المرأة معها محرم (شامی ۲؍۳۱۰)۔

ایسی عورت کے لئے حکم یہ ہے کہ ممکن ہو تو ایک سال رہ کر حج کر کے آئے یا آئندہ سال حج کے لئے واپس جائے، اور اگر عذر شرعی کی وجہ سے نہ جا سکے تو حج بدل کی وصیت کر جائے یہ اصل مسئلہ ہے، (بعد چند سطور کے فرماتے ہیں) لیکن اس مسئلہ میں اس وقت بڑی ہی مشکل پیش آئے گی جب عورت اپنے خاوند کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ہو اور اس کا خاوند اس کو وہاں طلاق دے دے اور وہ عورت عرفات نہ جائے، یہ عورت بھی اسی طرح معذور گنی جانی چاہئے، جیسے جنگل وغیرہ میں اقامت مشکل ہو تو مکہ معظمہ چلے جانے کا جواز ہے تو اب اس حالت میں عرفات میں جانے کا جواز ہو سکتا ہے ورنہ اس کو نہایت ہی مشکل پیش آئے گی، اگر وہ افعال عمرہ بجا لا کر حلال ہو گئی تو پھر حج کی قضا لازم ہوگی پھر اس کے لئے وہاں رہنا یا واپس آنا نہایت دشوار ہوگا۔

کسی معتبر کتاب میں اس کے متعلق جواز کی گنجائش نظر سے گذری تھی لیکن اب بہت تلاش کرنے سے بھی نہیں ملی غالباً کبیری میں نہیں یہ عبارت تھی (عمدۃ الفقہ ص [illegible] کتاب الحج)۔

۱۲۔ حج کو سفر کرنے والا ایام حج یعنی ۸ ذی الحجہ سے اتنی دیر قبل مکہ مکرمہ پہنچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ۱۵ یوم قیام سے قبل ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں اور وہ منیٰ چلا جاتا ہے تو اب اس کو مسافر شمار کیا جائے یا مقیم؟ جبکہ پہلے دونوں آبادیاں الگ الگ تھیں مگر اب مکہ مکرمہ شہر پھیلتے ہوئے منیٰ کی آبادی سے متصل ہو گیا، اس کا حکم یہ ہے کہ دیکھا جاوے کہ اگر مکہ مکرمہ سے منیٰ تک مسلسل عمارات نہیں بلکہ بقدر (غلوہ ۱۲۰ تا ۱۳۷ میٹر) یا اس سے زائد خلا ہے یا درمیان میں زرعی اراضی ہے تو یہ مستقل آبادی شمار ہوگی۔

عبارات فقہ میں اتصال آبادی کا کوئی معیار نظر سے نہیں گزرا، بظاہر اس کا مدار روایت ظاہرہ پر ہے یعنی دیکھنے میں اتصال نظر آئے مگر وجود مزارع یا قدر غلوہ بہر کیف موجب انقطاع ہے، کیونکہ فناء مصر صحت جمعہ میں اگر چہ مطلقاً بحکم مصر ہے مگر حکم قصر میں وجود مزارع یا قدر غلوہ الحاق بالمصر سے مانع ہے، البتہ فصل مذکور کے باوجود اگر عام عرف میں دو مقام ایک ہی شہر کے دو محلے سمجھے جاتے ہوں تو حکم اتحاد ہوگا (احسن الفتاوی ۴؍۷۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مکۃ المکرمہ اور منیٰ کے درمیان کم از کم قدر غلوہ کا فاصلہ تو ضرور ہے، اور عرف میں بھی دونوں کو مستقل آبادی سمجھا جاتا ہے، لہٰذا مذکور حاجی منیٰ میں رہتے ہوئے بھی مسافر ہی ہوگا۔

۱۳۔ بلاد عرب اور حرمین میں امام کے پیچھے وتر ادا کرنے کا مسئلہ بہت ہی اہم ہے، اگر جماعت کے ساتھ وتر نہ پڑھے تو بہت ہی برا معلوم ہوتا ہے اور اگر پڑھے تو دو سلام سے پڑھنا لازم آتا ہے، اس صورت میں یہ کرے کہ امام کے ساتھ پہلی دو رکعت میں نفل کی نیت کرے ۔۔۔، جب امام تیسری رکعات کے لئے کھڑا ہو تو اس [illegible] بھی دو رکعت نفل کی نیت سے کھڑا ہو اور امام کے سلام کے بعد مسبوق کی طرح اپنی ایک رکعت پڑھ لے، اور الگ سے اپنی جماعت کر لے تا کہ دونوں محظورات سے محفوظ ہو (نظام الفتاوی [illegible])۔

☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند اہم مسائل

مفتی شکیل احمد سیتاپوری
دار العلوم الاسلامیہ۔ بستی

۲،۱۔ عن جابر ان النبی ﷺ دخل یوم فتح مكة وعليه عمامة سوداء بغير إحرام . (رواه مسلم والنسائی)۔

وعن انس ان النبی ﷺ دخل مكة عام الفتح وعلى رأسه المغفر ، قال مالک ولم يكن رسول الله ﷺ يومئذ محرماً (رواه احمد والبخاری)۔

پہلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں فتح مکہ کے دن بغیر احرام کے داخل ہوئے درانحالیکہ آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں فتح مکہ کے سال اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر مبارک پر خود یعنی لوہے کی ٹوپی تھی، امام مالک فرماتے ہیں کہ اس دن رسول اللہ ﷺ محرم نہیں تھے۔

یہ دونوں حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں حرب کے لئے بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے۔

یہاں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قتال کا جواز تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جواز قتال کا اختصاص تسلیم ہے، لیکن دخول بلا احرام کا جواز تو مختص نہیں تھا کیونکہ اس اختصاص پر کوئی نص وارد نہیں، لہٰذا یہ جواز امت کے لئے بھی ثابت ہوگا، علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

والحديثان تدلان على جواز دخول مكة للحرب بغير إحرام ، وقد اعترض عليه بأن القتال في مكة خاص بالنبي ﷺ ، ويجاب بأن غاية ما في هذا الحديث اختصاص القتال به ﷺ وأما جواز المجاوزة فلا (نیل الاوطار ۳۰۰/۴)۔

آگے چل کر امام شوکانی لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں مسلمان مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے آتے جاتے رہتے تھے اور کہیں منقول نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کو احرام باندھے رہنے کا حکم دیا ہو، جیسے حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ کہ انہوں نے میقات کے اندر نیل گائے کا شکار کیا اور وہ بغیر احرام کے تھے اور حج سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک مقصد کے تحت بھیجا تھا چنانچہ انہوں نے میقات کو بغیر احرام کے پار کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس عمل پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، نیز جب تک دلیل نہ قائم ہو، براءت اصلیہ کے استصحاب کی رو سے عدم وجوب احرام برقرار رہے گا۔

وقد كان المسلمون في عصره ﷺ يختلفون إلى مكة لحوائجهم ولم ينقل انه أمر احدا منهم باحرام كقصة الحجاج بن علاط وكذلک قصة أبي قتادة لما عقر حمار الوحش

داخل الميقات وهو حلال، وقد كان أرسله لغرض قبل الحج فجاوز الميقات لا بنية الحج ولا العمرة فقرره ﷺ لا سيما مع ما يقضي بعدم الوجوب من استصحاب البراءة الأصلية إلى أن يقوم دليل ينقل عنها (نیل الاوطار ۴/۳۰۱)۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تخریج کی ہے کہ "لا يدخل أحد مكة بغير إحرام إلا الحطابين والعمالين وأصحاب منافعها" یعنی احرام کے حکم سے مزدور پیشہ لوگ اور جن کو مکہ مکرمہ معیشت کے لئے بار بار آنا پڑتا ہے وہ مستثنیٰ ہیں، نیز امام مالک موطا میں لائے ہیں کہ "إن ابن عمر جاوز الميقات غير محرم" یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما میقات سے بغیر احرام کے گذرے۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۷۳ میں ہے:

من كان يتكرر دخوله كالحطاب والحشاش والصياد والسقاء والبريد ونحوهم، يجوز دخوله بغير نسك لما روى ابن عباس "لا يدخل أحد مكة إلا محرما ورخص للحطابين" ولأن في إيجاب الإحرام على هؤلاء مشقة.

ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ جو شخص مکہ مکرمہ میں قتال مباح کے لئے یا کسی خوف کی بنا پر یا حاجت مکررہ کی وجہ سے جیسے گھسیارے، لکڑہارے اور اناج اور سبزی لانے والے یا وہ جن کا ایسا پیشہ ہے جس کی وجہ سے انہیں بار بار آنا جانا پڑتا ہے، یہ لوگ اگر مکہ مکرمہ میں داخل ہوں تو ان کے ذمہ احرام نہیں ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں حلال ہونے کی صورت میں داخل ہوئے اور آپ کے سر مبارک پر خود تھا، اسی طرح آپ کے اصحاب میں سے کوئی احرام میں نہیں تھا، ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اگر ان کے ذمہ احرام لازم کر دیا جائے جنہیں بار بار آنا پڑتا ہے تو وہ زندگی بھر احرام ہی میں رہیں گے، اس لئے حرج کی بنا پر احرام ساقط ہو جائے گا، امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں:

من يدخلها لقتال مباح أو من خوف أو لحاجة متكررة كالحشاش والحطاب وناقل الميرة والفيح ومن كانت له ضيعة يتكرر دخوله وخروجه إليها فهؤلاء لا إحرام عليهم لأن النبي ﷺ دخل يوم الفتح مكة حلالاً وعلى رأسه المغفر وكذلك أصحابه ولم نعلم أحداً منهم أحرم يومئذ ولو أوجبنا الإحرام على كل من يتكرر دخوله أفضى إلى أن يكون جميع زمانه محرماً فسقط للحرج وبهذا قال الشافعي (المغنی ۳/۲۶۸)۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی، حافظ ابن کثیر نے امام ابن جریر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ مکی کے لئے تمتع نہیں ہے۔

البتہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مکی کے لئے یہ حیلہ نکالا تھا کہ وہ باہر چلا جائے اور حرم سے کافی دور جا کر عمرہ کا احرام باندھے، شیخ ابن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ جن کے اہل و عیال مکہ مکرمہ میں رہتے ہیں، وہ چاہے مسافت قصر کی مسافت طے کر کے مکی ہی رہے گا، اور "أهله حاضري المسجد الحرام" میں شمار ہوگا اور

اس کو تمتع کا حق حاصل نہیں ہوگا، وقولہ تعالی:

"ذلک لمن لم یکن أهله حاضری المسجد الحرام" قال ابن جریر واختلف أهل التاویل فیمن عنی بقوله (لمن لم یکن أهله حاضری المسجد الحرام) بعد إجماع جمیعهم علی أن أهل الحرم معنیون به وأنه لا متعة لهم. وقال قتادة ذکر لنا أن ابن عباسؓ کان یقول یا أهل مکة لا متعة لکم أحلت لأهل الآفاق وحرمت علیکم إنما یقطع أحدکم وادیا أو قال یجعل بینه وبین الحرم وادیا ثم یهل بعمرة. (ابن کثیر ۱/۲۳۵-۲۳۶)۔

امام ثعالبی نے بھی "ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" میں ذلک کا مشار إلیہ رخصت تمتع کو قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہی راجح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ لمن کا لفظ اور خاص کر لام مکسور رخصت ہی کے موقع پر استعمال ہوتا ہے:

تکون الإشارة إلی التمتع وحکمه فکان الکلام ذلک الترخیص لمن لم، ویتأید هذا بقوله (لمن لم) لأن اللام أبداً إنما تجیء مع الرخص (الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن للثعالبی)۔

۴۔ سوال دوم کے جواب میں اس کی وضاحت کی جاچکی ہے کہ احرام کی پابندی اسی کے لئے ہے جو حج اور عمرہ کے ارادہ سے آرہا ہے، جو حج اور عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا وہ بغیر احرام کے آسکتا ہے، اس پر احرام واجب نہیں ہے، سوال چہارم میں صورت مسئلہ یہ ہے کہ کوئی اشہر حج میں میقات سے باہر گیا اور وہ اس سال حج کا ارادہ بھی رکھتا ہے وہ واپسی میں میقات پر پہونچ کر کیا کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بغیر احرام کے مکہ آجائے، پھر جب حج کے لئے احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو اسی میقات پر جاکر احرام باندھے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اس پر دم نہیں آئے گا۔

لو جاوز الشخص میقاتاً من المواقیت الخمسة یرید الحج أو العمرة بغیر إحرام ثم عاد قبل أن یحرم وأحرم من المیقات وجاوزه محرماً لا یجب علیه دم بالإجماع لأنه لما عاد إلی المیقات قبل أن یحرم وأحرم التحقت تلک المجاوزة بالعدم وصار هذا ابتداء إحرام منه (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۳/۷۶)۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے دوسرا عمرہ کرسکتا ہے، حنفیہ ایام تشریق کے سوا ہر تاریخ میں اور ہر روز عمرہ کی اجازت دیتے ہیں، امام شوکانی نے باب باندھا ہے "جواز العمرة فی جمیع السنة" اس کے تحت روایت لائے ہیں۔ عن علی رضی اللہ عنہ قال فی کل شہر عمرة (رواہ الشافعی)۔

باب اور اس کے تحت روایت کا حاصل یہ ہے کہ عمرہ پورے سال اور ہر مہینہ میں ہوسکتا ہے، حیاۃ القلوب فی زیارۃ المحبوب جو فارسی زبان میں حنفیہ کے نزدیک مناسک پر عمدہ ترین کتاب ہے اور جس کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنے اہتمام میں شائع کروایا تھا اس میں ہے: وقت جواز عمره ایام سال تمام است إلا آنکه مکروه است تحریماً این شاء إحرام عمره در ایام خمسه أعنی روز عرفه

روز عید نحر و أیام تشریق ثلاثہ بعد از عید نحر واما اگر ادا کرد عمرہ دریں ایام خمسہ باحرام سابق مکروہ نباشد کذا فی البحر العمیق (ص/۲۳۰)۔

لیکن بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ طواف کعبہ عمرہ سے افضل ہے، چنانچہ اسی کتاب میں ہے: مسئلہ اختلاف کردہ اند علما، درانکہ عمرہ افضل است از طواف کعبہ در اوقات جواز عمرہ یا آنکہ طواف افضل است از عمرہ و شیخ ابن حجر مکی گفتہ کہ معتمد آن ست کہ عمرہ افضل است از طواف، شیخ علی قاری گفتہ کہ اظہر آنست کہ طواف افضل است بواسطہ بودن او مقصود بذات ومشروعیت او در جمیع حالات (ص/۲۳۶)۔

۶۔ نیز القلوب فی زیارۃ المحبوب (ص/۲۱۳) میں ہے: "چہارم آنکہ رمی نماید بنفس خود پس جائز نباشد دروے نیابت باوجود قدرت وجائز است در وقت عجز پس مغمیٰ علیہ ومریض کہ استطاعت رمی نہ دارند جائز است رمی دیگرے برائے ایشان بطریق نیابت۔

یعنی رمی کی چوتھی شرط یہ ہے کہ بذات خود رمی کرے، لہذا قدرت کے باوجود اس میں نیابت جائز نہیں ہے، اور عدم قدرت کے وقت جائز ہے، لہذا بے ہوش اور وہ بیمار جو رمی کی استطاعت نہیں رکھتا، ان کے حق میں جائز ہے کہ کوئی دوسرا ان کی طرف سے نائب ہو کر رمی کرے" وتجوز الإنابة فی الرمی لمن عجز عن الرمی بنفسه لمرض أو حبس أو کبر سن أو حمل المرأة" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۳/۱۹۳)، جو بذات خود رمی سے قاصر ہو وہ نائب بنا سکتا ہے مثلاً بیمار، قیدی، کبیر السن اور حاملہ عورت۔

إذا کان الرجل مریضاً أو محبوساً أو له عذر جاز أن یستنیب من یرمی عنه (المغنی ۳/۲۹۰)۔

بیمار اور قیدی اور معذور کے لئے نائب بنانا جائز ہے۔

جمرات پر ازدحام کثیر دیکھنے کے بعد یہ بات دل میں آتی ہے کہ "أو له عذر" کی فہرست میں وہ شخص بھی آجاتا ہے جو نہایت ناتواں ہے، اگرچہ سن رسیدہ نہیں ہے اور اسے قوی اندیشہ ہے کہ میں بھیڑ کی دھکا پیل کا تحمل نہ کرسکوں گا اور مجمع کے پیروں تلے روندا جاؤں گا، یا وہ شخص جو انتہائی ضعیف القلب اور مجمع کثیر سے گریزاں طبیعت کا حامل ہے اور اسے قوی اندیشہ ہے کہ وہ غیر معمولی اختلاج میں مبتلا ہو جائے گا۔

لیکن کسل اور آرام پسندی کی بنا پر استنابت ہرگز جائز نہیں ہے، بیمار اور معذور کے حق میں بھی بعض مالکیہ کا قول ہے کہ وہ نائب مقرر کرنے کی صورت میں دم ادا کریں۔

۷۔ سعودیہ عربیہ میں رہنے والے غیر ملکیوں کو سرکاری اجازت نہ لینے کی وجہ سے اگر حالت احرام میں گرفتار کرلیا جائے تو وہ محصر ہیں، ان کے لئے حکم یہ ہے کہ حرم میں اونٹ یا گائے یا بکری کی ہدی ذبح کریں اور خود نہ ذبح کرسکیں تو کسی کو نائب بنا کر ذبح کرنے کی تاریخ اور وقت مقرر کرلیں، اس وقت کے گذر جانے کے بعد حلق کروائیں اور حلال ہو جائیں اور آئندہ عمرہ اور حج کی قضا کریں، "فإن أحصرتم فما استیسر من الهدی ولا تحلقوا

رؤوسکم حتی یبلغ الهدی محله" اس کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابوالسعود حنفی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والمراد کل منع من عدو أو مرض أو غیرهما عند أبی حنیفة رضی الله عنه لما روی عن النبی ﷺ من کسر أو عرج فعلیه الحج من قابل، ومعنیٰ "فما استیسر من الهدی" أن المحرم إذا أحصر وأراد أن یتحلل تحلل بذبح هدی تیسر علیه من بدنة أو بقرة أو شاة وعندنا یبعث به إلی الحرم ویجعل للمبعوث بیده یوم إمارة فإذا جاء الیوم وظن أنه ذبح تحلل. (تفسیر ابی السعود ۱/۲۰۶)۔

۸۔ مؤطا امام محمد (ص ۲۲۹) میں "باب من قدم نسکاً قبل نسک" کے تحت وارد ہے:

ان رسول الله ﷺ وقف للناس عام حجة الوداع یسألونه فجاءه رجل فقال یا رسول الله لم أشعر فنحرت قبل أن أرمی قال: ارم ولا حرج، وقال آخر یا رسول الله لم أشعر فحلقت قبل أن أذبح قال: اذبح ولا حرج، فما سئل رسول الله ﷺ عن شیء یومئذ قدم ولا أخر إلا قال افعل ولا حرج.

قال محمد وبالحدیث الذی روی عن النبی ﷺ نأخذ أنه قال لا حرج فی شیء من ذلک وقال أبو حنیفة رحمه الله لا حرج فی شیء من ذلک ولم یر فی شیء من ذلک کفارة إلا فی خصلة واحدة المتمتع والقارن إذا حلق قبل أن یذبح قال علیه دم وأما نحن فلا نری علیه شیئاً.

یعنی رسول اللہ ﷺ لوگوں کی خاطر حجۃ الوداع میں ایک جگہ ٹھہر گئے تاکہ لوگ آ کر مسائل دریافت کر لیں تو ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول میں نہیں جان سکا اور میں نے رمی سے پہلے ذبح کر دیا تو آپ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں اب رمی کر لو، دوسرے نے کہا اے اللہ کے رسول میں نہیں سمجھ سکا میں نے ذبح کرنے سے پہلے حلق کروا لیا آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں اب ذبح کر لو، اس دن کسی شی کی بھی تقدیم وتاخیر کے بارے میں آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے یہی فرمایا کہ کوئی مضائقہ نہیں اب کر لو۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی حدیث کو ہم لیتے ہیں کہ اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس تقدیم وتاخیر میں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ اس میں کوئی کفارہ یا دم ہے، لیکن ایک صورت ہے کہ متمتع اور قارن جب ذبح کرنے سے پہلے حلق کروا لیں تو ان کے نزدیک اس پر دم عائد ہوتا ہے، لیکن ہم اس پر کسی چیز کو عائد نہیں کرتے، مؤطا کے محشی عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے "تحسن" یعنی ہم کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: أنا وأبو یوسف وغیرهما۔

یعنی ترتیب کے عدم وجوب کے قائل صرف صاحبین ہی نہیں اور دیگر ائمہ احناف بھی ہیں، امام شوکانی نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور قائلین وجوب ترتیب کے ایک ایک جز کا معقول جواب دیا ہے، عجیب اتفاق ہے کہ اس مسئلہ میں امام اعظم رحمہ اللہ یکہ وتنہا کھڑے ہیں، کوئی مسلک ان کا ہمنوا نہیں حتی کہ صاحبین اور دیگر ائمہ احناف بھی ان کے ساتھ نہیں ہیں (نیل الاوطار ۵/۷۳-۷۷)۔

امام ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں کہ رمی، حلق، ذبح، طواف اور سعی میں جس کو چاہیں آپ مقدم کر دیں اور جس کو چاہیں مؤخر کر دیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے:

وجائز في رمي الجمرة والحلق والنحر والذبح وطواف الإفاضة والطواف بالبيت والسعي بين الصفا والمروة أن تقدم أيها شئت على أيها شئت لا حرج في شيء من ذلك (المحلی ۵/۱۹۱)۔

۹۔ حج بدل کرنے والے کو اگر مستنیب نے کسی خاص قسم کے ساتھ پابند نہیں کیا ہے تو وہ المعروف کالمشروط کے تحت تمتع پر محمول ہوگا، اور حج بدل آج کل اسی طرح مروج ہے، دم تمتع اور اگر مستنیب نے قران کا حکم دیا ہے تو دم قران آمر کے مال میں لازم ہوگا، نائب کے مال میں نہیں، ہاں اگر آمر نے صراحۃً تمتع یا قران سے منع کر دیا ہے تو دم نائب کے مال سے ادا کیا جائے گا:

ودم المتعة والقران إن أذن له في ذلك على المستنيب لأنه إذن في سببهما وإن لم يؤذن له فعليه (المغنی ۳/۲۳۲)۔

میت کی طرف سے حج تمتع کیا جا سکتا ہے۔ متى توفي من وجب عليه الحج ولم يحج وجب أن يخرج عنه من جميع ماله ما يحج به عنه ويعتمر (المغنی ۳/۲۴۴)۔

۱۰۔ عورت نے طواف زیارت نہیں کیا اور وہ حائضہ یا نفساء ہوگئی اور انتظار کی گنجائش نہیں ہے تو وہ غسل کرے اور پائجامے کے نیچے لنگوٹ باندھے، پھر طواف کرے اور سعی بین الصفا والمروۃ کرے اور بدنہ ذبح کرے یعنی پانچ سال کا اونٹ یا دو سال کی گائے۔

وإذا اضطرت المرأة اضطراراً شديداً لمغادرة مكة قبل انتهاء مدة الحيض أو النفاس ولم تكن قد طافت طواف الإفاضة فتغتسل وتشد الحفاظ الموضوع في أسفل البطن شداً محكماً ثم تطوف بالبيت سبعاً طواف الإفاضة ثم تسعى بين الصفا والمروة سبعاً وعليها ذبح بدنة (وهي ما أتم خمس سنين من الإبل أو أتم سنتين من البقر) وذلك تقليداً للحنفية الذين يقولون بصحة الطواف حينئذ مع الحرمة و وجوب إهداء البدنة (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۳/۶۲۳)۔

۱۱۔ عورت کے شوہر کا سفر حج میں اگر انتقال ہو جائے تو اگر وہ اپنے گھر سے قریب ہے تو واپس آجائے اور اگر بعید ہے اور مکہ مکرمہ سے قریب ہے تو پہلے حج کرے، پھر عدت گذارے، شوہر کی وفات ادائیگی حج سے مانع نہیں ہوگی۔

وإذا خرجت للحج فتوفي زوجها وهي قريبة رجعت لتعتد في منزلها وإن تباعدت مضت في سفرها (المغنی ۳/۲۴۱)۔

یعنی اگر اعتکاف منذور میں ہو اور شوہر کا انتقال ہو جائے تو امام مالک اور ربیعۃ الرائی کے نزدیک وہ اپنا اعتکاف پورا کرے، اعتکاف سے فارغ ہونے کے بعد عدت گذارے، اس لئے کہ اعتکاف منذور بھی واجب ہے، اور شوہر کے گھر عدت گذارنا بھی واجب ہے، اور صورت یہ ہے کہ وہ اعتکاف شوہر کے مکان کے سوا کسی دوسرے مکان

میں گئے ہوئے ہے، یہاں دو واجب متعارض ہو گئے لہذا جو پہلے واجب ہوا وہ پہلے ادا کیا جائے گا، اسی طرح حج کا مسئلہ ہے، حج پہلے واجب ہوا عدت بعد میں واجب ہوئی لہذا حج پہلے ادا کیا جائے گا۔

قال ربيعة ومالك وابن المنذر: إن المعتكفة إذا توفي زوجها تمضي في اعتكافها حتى تفرغ منه ثم ترجع إلى بيت زوجها فتعتد فيه لأن الاعتكاف المنذور واجب والاعتداد في البيت واجب فقد تعارض واجبان فيقدم أسبقهما (المغنی ۲۰۷/۳)۔

☆☆☆☆☆

بعض مسائل حج وعمرہ

مفتی عزیز الرحمن، بجنور

دخول مکہ بلا احرام:

احرام حج وعمرہ کے لئے ایسا ہی ہے جیسا کہ نماز کے لئے تکبیر تحریمہ، لیکن بلا حج اور عمرہ کی نیت سے کسی دوسری ضرورت سے مکہ معظمہ میں بلا احرام کے داخلہ میں ہمارے اور دیگر ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ دونوں فریق کا استدلال احادیث سے ہے۔ ہمارے نزدیک حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے:

لاتجاوزوا المیقات بغیر احرام (بلا احرام کے میقات سے تجاوز نہ کرو)۔

اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے جبکہ حضرات شوافع نے حضرت انسؓ کی وہ روایت نقل کی ہے جس میں مذکور ہے:

ان النبی ﷺ دخل مکۃ یوم الفتح وعلی راسہ المغفر۔

نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر پر خود موجود تھا۔

قال الطیبی دل علی جواز الدخول بغیر احرام لمن لایرید النسک وھذا اصح قول الشافعی (مرقاۃ ۵/۸۵)۔

طیبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس شخص کے لئے جس کا مناسک ادا کرنے کا ارادہ نہ ہو بغیر احرام کے (مکہ میں) دخول کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ امام شافعی کا صحیح قول ہے۔

علماء احناف نے اس بارے میں ایک حیلہ نقل کیا ہے کہ اگر کوئی آفاقی داخل میقات بستان بنی عامر میں کسی کام سے جائے اور اس کا ارادہ حج یا عمرہ کا نہ ہو تو وہ مکہ معظمہ میں کسی دوسری ضرورت سے بلا احرام کے داخل ہو سکتا ہے اس حیلہ کو در مختار میں اور ہدایہ میں اور مناسک ملا علی قاری میں بھی نقل کیا گیا ہے لیکن اس حیلہ کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے، امام یوسف نے پندرہ دن کے قیام کی قید لگائی ہے:

وعن ابی یوسف لو نوی الاقامۃ خمسۃ عشر یوماً فالجواب علی ما ذکر یعنی ان نوی ان یقیم بہ خمسۃ عشر یوما جاز لہ ان یدخل مکۃ بغیر احرام لانہ صار وطنا لہ

امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ اگر اس نے پندرہ دن قیام کرنے کی نیت کرلی تو پھر جواب وہی ہوگا جو اوپر ذکر کیا گیا یعنی اگر اس نے مکہ میں پندرہ دن کے قیام کی نیت کرلی تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہو جائے اس لئے کہ مکہ اس کے لئے اب بحیثیت وطن ہو گیا۔

لیکن دوسرے حضرات نے اس قید کا انکار کیا ہے۔

سواء نوى الإقامة خمسة عشر يوماً أو لم ينو (البنايه ۲/۱۵۸۲، مطبوعہ نولکشور)۔

خواہ پندرہ دن کے قیام کی نیت کرے یا نہ کرے۔

اس سے حیلہ جواز اور رخصت کا پہلو نمایاں ہو رہا ہے۔ اور موجودہ زمانہ میں ضرورت اور حرج کی وجہ سے اسی کو اصولاً ترجیح دیا جائے۔

وقال أبو عمر لا أعلم خلافاً بين فقهاء الأمصار في الحطابين ومن يدمن الاختلاف إلى مكة ويكثره في اليوم والليلة أنهم لا يؤمرون بذلك لما عليه فيه المشقة (فتح الملہم ۳/۳۱۲)۔

ابو عمر کہتے ہیں کہ لکڑیاں جمع کرنے والے اور جو مکہ ہمیشہ اور کثرت سے آتے جاتے رہتے ہیں ان کے سلسلہ میں مصری فقہاء کے درمیان کسی اختلاف کا مجھے علم نہیں ہے۔

علامہ ابو عمر بن عبد البر نے یہ تاثر دیا ہے کہ حج اور عمرہ کے علاوہ دوسری ضروریات سے آفاقی حضرات جو بار بار آتے جاتے رہتے ہیں بربنائے مشقت ان پر احرام نہیں ہے، لیکن ہمارے مشائخ میں سے حضرت شیخ الہند بربنائے علت تعظیم بقعہ مبارک اس صورت میں بھی احرام کو کہا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ:

۱۔ بہر صورت احرام باندھ کر مکہ معظمہ میں داخل ہونا چاہئے خواہ حج و عمرہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔

قال محمد في الأصل أما إذا أراد الآفاقي وفي الخانية ومن كان خارج الميقات، دخول مكة فينبغي له أن يحرم من الميقات بحج أو عمرة سواء دخل مكة مريداً للنسك أو دخلها الحاجة من الحوائج (التاتارخانیہ ۲/۴۷۵)۔

امام محمد سے کتاب الاصل میں منقول ہے کہ جب آفاقی نے ارادہ کیا، اور خانیہ میں ہے کہ وہ شخص جو میقات سے باہر ہے اور وہ مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ میقات سے ہی حج یا عمرہ کا احرام باندھے خواہ وہ مکہ میں مناسک ادا کرنے کے ارادہ سے داخل ہو یا اپنی کسی ضرورت کے لئے داخل ہو۔

۲۔ وعند الشافعي إنما يلزمه الإحرام إذا أراد دخول مكة للحج أو للعمرة أما إذا كان لأمر آخر فلا يلزمه الإحرام ومن كان أهله في الميقات أو داخل الميقات جاز له دخول مكة بغير إحرام لحاجة من الحوائج وكذا من كان أهل مكة خرج منها لحاجة له نحو أن يحتطب وما أشبهه جاز له أن يدخلها بغير إحرام (۲/۴۷۵)۔

امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ اگر وہ حج یا عمرہ کے لئے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اس پر احرام باندھنا لازم ہے، لیکن اگر کسی دوسرے کام کا ارادہ ہو تو پھر احرام لازم نہیں ہے، اور جس کے گھر والے میقات کے پاس یا میقات کے اندر ہوں تو اس کے لئے کسی ضرورت کی خاطر بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا جائز ہے، اور اسی طرح اہل مکہ میں سے کوئی اپنی ضرورت کے لئے مکہ سے باہر نکلے مثلاً ... تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ پھر بغیر احرام

کے مکہ میں داخل ہو جائے۔

میرے نزدیک امام محمد کے قول میں مشقت کی قید اور در مختار اور ہدایہ میں حیلہ بستان بنی عامر سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ علامہ ابن عبدالبر نے علت مشقت کو جو ملحوظ رکھا ہے اس کی بنا پر بلا احرام کے داخلہ کو رات دن کی آمد و رفت میں دیگر ضروریات کے لئے ترجیح حاصل ہونا چاہیے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۔ کسی جگہ حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کا میقات حرم ہی ہے، اپنے میقات سے باہر جائے گا اور آئے گا کہ حج کا ارادہ اس نے ساقط نہ کیا ہوگا تو اس کو دم ادا ہی کرنا پڑے گا جیسا کہ سوال کی عبارت میں ہے، اگر یہ دم سے بچنا چاہتے ہیں تو باہر سے باہر احرام باندھ کر عرفات چلے جائیں۔

فعلى من كان حنفيا منهم أن يحرم بالحج قبل أن يدخل الحرم وإلا فعليه دم لمجاوزة الميقات بغير إحرام .... إلى قوله..... إذا أحرم هؤلاء مكة كما هو معتادهم وتوجهوا إلى عرفة ينبغي أن يسقط غرم دم المجاوزة لوصولهم أول الحل ملبين لأنه عود منهم إلى ميقاتهم مع الإحرام والتلبية وذلك المسقط لدم المجاوزة . اللهم إلا أن يقال لا يعد هذا عوداً منهم إلى الميقات لأنهم لم يقصدوا العود إليه لتلافي ما لزم بالمجاوزة بل قصدوا العرفة ولم أجد من تعرض لذلك، والله اعلم . (ارشاد الساری ۱/۵۸)۔

اہل مکہ میں سے جو حنفی ہے اس پر یہ ہے کہ وہ حرم میں داخل ہونے سے پہلے حج کا احرام باندھ لے ورنہ بغیر احرام کے میقات کو پار کرنے کی وجہ سے اس پر دم لازم آئے گا........ اور اگر ان لوگوں نے مکہ میں احرام باندھا جیسا کہ عام طور پر وہ کرتے ہیں اور عرفہ چلے گئے تو ان کے تلبیہ کرتے ہوئے حل میں پہونچنے کے بعد دم تجاوز کا فدیہ ساقط ہو جائے گا اس لئے کہ یہ عمل احرام اور تلبیہ کے ساتھ میقات کی طرف ان کا لوٹنا ہے اور یہ چیز دم تجاوز کو ساقط کر دیتی ہے۔

۴۔ ترتیب افعال یوم النحر :

اعلم أن الترتيب بين الرمي و الذبح والحلق للقارن والمتمتع واجب عند أبي حنيفة وسنة عندهما وكذا تخصيص الذبح بأيام النحر ، وأما تخصيص الذبح بالحرم فإنه شرط .

جاننا چاہئے کہ قارن اور متمتع کے لئے رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک سنت ہے، اور اسی طرح ذبح کو ایام النحر کے ساتھ خاص کرنا بھی ہے۔ لیکن ذبح کو حرم کے ساتھ خاص کرنا تو یہ شرط ہے۔

والترتيب بين الحلق والطواف ليس بواجب وكذا بين الرمي والطواف ، فما قيل إن الترتيب بين الرمي والحلق والطواف واجب ليس بصحيح (مرقاۃ ۵/۳۹۳)۔

حلق اور طواف کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے اور اسی طرح رمی اور طواف کے درمیان بھی، اور یہ جو کہا گیا ہے کہ رمی، حلق اور طواف کے درمیان ترتیب واجب ہے صحیح نہیں ہے۔

اس باب میں متعدد احادیث ہیں اور شراح احادیث نے اس مسئلہ پر بہت طویل کلام کیا ہے۔

وروی عن ابن عباس من قدم شیئاً علی شیء فعلیه دم وبه قال سعید بن جبیر وذهب الشافعی وصاحبا ابی حنیفة وجمهور السلف والعلماء وفقهاء اصحاب الحدیث الی عدم وجوب الترتیب بین الوظائف المذکورة (فتح الملہم ج ۳، ص ۳۳۲)۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جس نے کسی کو کسی پر مقدم کر دیا تو اس پر دم ہے، اور سعید بن جبیر بھی اسی کے قائل ہیں، لیکن امام شافعی، صاحبین، جمہور علماء سلف اور محدثین فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ مذکورہ وظائف کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ کا مستدل یہ آیت مبارکہ ہے: "ویذکروا اسم الله فی ایام معلومات علی ما رزقهم من بهیمة الانعام فکلوا منها واطعموا البائس الفقیر ثم لیقضوا تفثهم ولیوفوا نذورهم ولیطوفوا بالبیت العتیق"۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس نص سے ترتیب واجب ہے جبکہ حضرات صاحبین اس آیت اور دوسری احادیث سے ترتیب کو مسنون قرار دیتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس طویل حدیث جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے بارے میں ہے ذکر فرمانے کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

ثم اوحی الله الی محمد ان اتبع ملة ابراهیم حنیفاً وقد اتبع محمد ﷺ ملة ابراهیم کما امره الله تعالی فادی المناسک حسبما کان ابراهیم اداها وقال خذوا عنی مناسککم وقال الزموا مشاعرکم فانکم علی ارث من ارث ابیکم ابراهیم کما قال الله تعالی ملة ابیکم ابراهیم وهذا کله یدل علی وجوب المتابعة بین النبیین (فتح الملہم ج ۳، ص ۳۳۲)۔

پھر اللہ تعالی نے محمد ﷺ کے پاس وحی بھیجی کہ "آپ ملت ابراہیم حنیفا کی اتباع کیجئے" تو محمد ﷺ نے ملت ابراہیمی کی اتباع کی جیسا کہ اللہ تعالی نے آپ کو حکم دیا تھا، آپ نے مناسک حج اسی کے مطابق ادا کیے جیسا ابراہیم نے ادا کیا تھا، اور فرمایا "خذوا عنی مناسککم" تم لوگ مجھ سے اپنے مناسک حاصل کرو، اور فرمایا کہ اپنے مشاعر پر رہو، تم تمہارے باپ ابراہیم کی وراثت میں ملے ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: "ملة ابیکم ابراہیم" اور یہ تمام چیزیں ان دونوں نبیوں کی اتباع کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔

بہر حال حنفیہ کے یہاں مسئلہ مختلف فیہ ہے، حضرات صاحبین سنیت کے قائل ہیں اور امام اعظم وجوب کے، اس لئے ضرورت کے وقت احتیاط اور حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے حکم دینا چاہئے جیسے کہ دم اور عدم دم کا، واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

حج میں نیابت:

حج چونکہ ایک مرکب عبادت ہے جو مال اور بدن دونوں سے ادا کی جاتی ہے اس لئے حضرات حنفیہ کے

نزدیک اس میں نیابت جائز ہے۔

اس باب میں دو حدیث ہیں ایک امرأۃ من خثعم والی اور دوسری أتی رجل النبی ﷺ والی، ان دونوں کو مشکوٰۃ شریف نے روایت کیا ہے، ان دونوں احادیث سے حضرات فقہاء نے متعدد احکامات استنباط کئے ہیں مثلاً حج بدل جس کی طرف سے کیا جا رہا ہے وہ قریبی رشتہ دار یعنی لڑکا ہے یا غیر ہے، مرنے والے نے وصیت کی ہے یا نہیں، یا اگر آمر ہے تو وہ کون سے حج کا امر کر رہا ہے۔ اس باب میں حج بدل کرنے والا مامور اور کرانے والا آمر کہلاتا ہے، ظاہر ہے اس بارے میں حج بدل کرنے والے کا اپنا اختیار نہیں ہے۔ وہ ویسا ہی کر سکتا ہے جیسا کہ اس کو حکم دیا گیا ہے، اگر اس کے خلاف کرے گا تو مال کا ضامن ہوگا۔

حج کے اقسام میں تین قسم کے حج ہیں، افراد، تمتع اور قران۔ پہلے اور تیسرے حج میں احرام اور اس کی پابندیاں مسلسل چلتی ہیں جبکہ تمتع میں درمیان میں احرام سے باہر آنے کا موقع ملتا ہے، فائدہ اس میں یہ ہے کہ ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ دونوں ادا کئے جاتے ہیں۔ آمر چونکہ عام طور سے مطلقاً حج کو بھیجتا ہے اس کو قید نہیں کرتا، مامور اپنی سہولت کے لئے یا فضیلت کے لئے تمتع یا قران کرتے ہیں اس لئے حضرات فقہاء نے فرمایا ہے۔

الف۔ إذا أمرہ غیرہ بالإفراد بحجۃ أو عمرۃ فقرن فھو مخالف ضامن فی قول أبی حنیفۃؒ وقال أبو یوسف ومحمد یجزئ عن الآمر استحسانا۔

اگر کسی اور نے اس کو افراد حج یا عمرہ کا حکم دیا اور اس نے قران کر لیا تو وہ خلاف ورزی کرنے والا قرار پائے گا، اور امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق ضامن ہوگا، امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ حکم دینے والے کی طرف سے استحساناً یہ عمل کافی ہو جائے گا۔

ب۔ ولو أمرہ بالحج فاعتمر ثم حج من مکۃ فھو مخالف فی قولھم وفی الخانیۃ لا یجوز ذلک عن حجۃ الإسلام عن نفسہ (التاتارخانیۃ ۲/۵۳۶)۔

اور اگر اس کو حکم دیا تھا حج کا اور اس نے عمرہ کر لیا پھر مکہ سے حج کیا تو سب کے نزدیک خلاف ورزی کرنے والا ہوگا، اور خانیہ میں ہے کہ ذاتی فریضہ حج کی صورت میں یہ جائز نہ ہوگا۔

ج۔ یصیر مخالفاً للقران أو التمتع (درمختار ۲/۲۳۸)۔

قران یا تمتع کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا۔

درمختار میں قران کے بارے میں استحسان کی قید کو ملحوظ نہیں رکھا۔ جبکہ استحساناً قران جائز ہے کیونکہ اس میں حج ادا ہو جاتا ہے اگرچہ دم قران مامور پر ہی ہوتا ہے۔

حج تمتع کے بارے میں ملا علی قاری نے المناسک میں بیان کیا ہے کہ اگر حج تمتع آمر کی اجازت سے بھی کیا ہے تب بھی حج ادا نہ ہوگا اگرچہ ضمان مامور پر نہ ہوگا، ہمارے مشائخ میں سے حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی عدم جواز ہی کو کہا ہے (ارشاد الساری ص ۲۸۷-۲۹۰)۔

ہمارے مشائخ نے تمام امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر حال میں عدم جواز کا حکم دیا ہے۔ رہا دشواریوں کا پیش آنا اس کے کوئی معنی نہیں ہیں، اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ مسئلہ مذکورہ میں جب اصل کی اجازت ہی سے کچھ نہیں بنتا تو وارث وغیرہ کی اجازت کوئی معنی نہیں رکھتی، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

طواف زیارت اور حائضہ:

الف: طواف زیارت حج کا رکن ہے بغیر اس کے حج مکمل نہیں ہوتا، اگرچہ وقوف عرفات جو حج کا رکن اول ہے اس کے مقابلہ میں طواف زیارت کم اہم ہے۔

طواف الزيارة يسمى طواف الركن والإفاضة وطواف الحج وطواف الفرض وطواف يوم النحر لكون وقوعه فيه أفضل وهو ركن لا يتم الحج إلا به لكنه دون الركن الأعظم وهو الوقوف بعرفة لفوات الحج بدونه بخلاف الطواف فإنه مستدرك بأدائه في وقته الموسع إلى آخر عمره أو يلزم بدنة بفوته عند موته إن أوصى بإتمام الحج (مناسک ملا علی قاری/۲۹۱)۔

ب۔ اس کے بعد معلوم ہے کہ طواف البیت کو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الطواف بمنزلة الصلاة إلا أن الله أباح فيه النطق فمن نطق فلا ينطق إلا بخير رواه الحاكم في المستدرك والطبراني وفي رواية الطواف بالبيت صلوة إلا أن الله أباح فيه الكلام.

طواف نماز کے درجہ میں ہے، مگر اللہ نے اس میں گفتگو کرنے کی اجازت دی ہے، تو جو کوئی گفتگو کرے تو بھلی بات کرے۔

ج۔ ملا علی قاری نے واجبات طواف میں ذکر کیا ہے:

ترجمہ: یعنی وہ افعال جن کے بغیر طواف درست ہے اور ان کے ترک کی وجہ سے دم کے ذریعہ تلافی کی جائے گی، دو ہیں: پہلا حدث اکبر و اصغر سے طہارت ہے، یعنی ان دونوں میں کفارہ اور اثم کے اعتبار سے تفریق کی صورت ... میں اپنی قول۔ جبکہ طواف تمام شرائط کے اعتبار سے نماز کی طرح ہے، آپ کے استثنائی عمل کے ساتھ یعنی ترک استقبال اور جواز مشی وغیرہ، پھر جب ثابت ہوگیا کہ نجاست حکمیہ ... پاکی ضروری ہے تو اگر اس نے نجاست حکمیہ سے طاہر نہ ہونے کی حالت میں طواف کیا تو ہمارے نزدیک درست ہے، اور امام احمد کے نزدیک اس کے لئے یہ جائز نہیں، اور وہ گنہگار ہوگا اور اس پر اعادہ واجب ہے، اور اعادہ نہ کرنے کی صورت میں جزا، یہی حکم ہر اس واجب کا ہے جسے ترک کر دیا گیا ہو۔ (مناسک/۳۲)۔

د۔ فصل في محرماته الطواف اى جنس الطواف حال كون الطائف جنبا أو حائضا أو نفساء حرام أشد حرمة إلى قوله ولا مفسد الطواف انما مبطله ...... (مناسک/۱۱۲)۔

محرمات طواف کے سلسلے میں ایک فصل، جنس طواف حالت جنابت یا حالت حیض و نفاس میں سخت حرام ہے......

ھـ روی عنه أن عليه صدقة فلو أنه لم يعد الطواف حتی رجع إلی أهله فعليه إن كان جنبا بدنة وإن كان محدثا فعليه شاة (التاتارخانیہ)۔

ان سے روایت ہے کہ اس کے ذمہ صدقہ ہے، تو اگر اس نے طواف کا اعادہ نہیں کیا اور اپنے گھر واپس چلا گیا تو جنبی ہونے کی صورت میں اس کے ذمہ ایک بدنہ ہے اور محدث ہونے کی صورت میں بکری۔

وفی الهداية لو رجع إلی أهله وقد طاف جنبا عليه أن يعود وإن لم يعد بعث بدنة اجزاه إلا أن الأفضل العود (التاتارخانیہ ۲/۵۱۷)۔

اور ہدایہ میں ہے کہ اگر وہ گھر واپس ہو گیا اور اس نے حالت جنابت میں طواف کر لیا تھا تو اسے واپس آنا ہوگا، اور اگر واپس نہیں آیا اور ایک بدنہ بھیج دیا تو بھی کافی ہے، اگرچہ واپسی ہی بہتر ہے۔

و۔ ولو انقطع دمها ای دم الحائض بدواء أولا أی لا بدواء أولم ينقطع، أی بالكلية فاغتسلت أولا أی أوما اغتسلت وطافت ثم عاد دمها فی أيام عادتها، يصح الطواف ولزمها بدنة وكانت عاصية أی تنبين لدخول المسجد ونفس الطواف وعليها أن تعيده طاهرة من الحدثين فإن إعادته سقط ما وجب ای من البدنة وعليها التوبة ....

اور اگر حائضہ کا خون دوا کے ذریعہ یا بغیر دوا کے رک گیا یا بالکلیہ نہیں رکا، پھر اس نے غسل کیا یا نہ کیا اور طواف کر لیا، پھر اس کے معمول کے دنوں میں اس کا خون عود کر آیا تو ایسی صورت میں طواف درست ہوگا اور اس پر بدنہ لازم ہوگا، اور وہ دو وجوہ سے گنہگار ہوگی: ایک تو دخول مسجد کی وجہ سے اور دوسرے نفس طواف کی وجہ سے، اور اس پر لازم ہے کہ دونوں حدثوں سے پاک حالت میں طواف کا اعادہ کرے، تو اگر اس نے اعادہ کر لیا تو واجب شدہ بدنہ ساقط ہو جائے گا، اور اس پر معصیت سے توبہ لازم ہے۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے طواف زیارت کی رکنیت اور اس کے ترک پر یا حالت جنابت یا حیض میں کرنے کی برائی اور معصیت اور جرمانہ ثابت ہے کہ طواف دوبارہ کرنا ہوگا یا بدنہ ادا کرنا ہوگا، اس کے بغیر چھٹکارا نہیں، اگر ممکن نہ ہو تو اس کے اہتمام کی وصیت کرنی لازم ہے، بہر صورت ادائیگی ضروری ہے۔ آسان صورت یہی ہے کہ ان ایام میں یا تو انتظار کرنا چاہیے یا انجکشن کے ذریعہ خون بند کر لینا چاہیے۔ انتظار کی صورت میں سعودی انتظامیہ اور ہندوستانی سفارت خانہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند حل طلب مسائل

محمد ابوالحسن علی
دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ۔ گجرات

۱۔ حج یا عمرہ کی نیت کئے بغیر حدودِ حرم میں داخلہ:

احناف کے نزدیک حج وعمرہ کے علاوہ تجارت اور دیگر حاجات کے لئے بھی حدودِ حرم میں داخل ہونے کے لئے میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے۔ حضرت امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے نزدیک بغیر احرام کے دخول جائز ہے، البتہ امام شافعیؒ سے عدم جواز کی روایت بھی مشہور ہے، بعض علماء نے تو جمہور فقہاء ومحدثین کا مسلک عدم جواز کا ثابت کیا ہے، البتہ امام مالکؒ وشافعیؒ سے جواز کی روایت بھی نقل کی گئی ہے۔

دلائلِ احناف:

آیت کریمہ: لتدخلن المسجد الحرام إن شاء الله آمنين محلقين رؤوسكم و مقصرين۔ امام شافعیؒ اس آیت سے عدم جواز ثابت کرتے ہوئے تفصیلی گفتگو فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام ہمیشہ احرام کے ساتھ تشریف لائے ہیں، کسی بھی نبی کے بارے میں بغیر احرام کے آنا ثابت نہیں ہے اور نہ آپ ﷺ (سوائے فتح مکہ مکرمہ کے) بغیر احرام کے داخل ہوئے ہیں۔ ان دلائل کی وجہ سے ہم نے یہ کہا ہے کہ سنت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں یہی ہے کہ بندے بغیر احرام کے داخل نہ ہوں، اور ہم نے اپنے علماء سے سنا ہے کہ اگر کسی نے بیت اللہ کی منت مانی تو اس کو حج یا عمرہ کے احرام کے ساتھ آنا ضروری ہے۔

امام شافعیؒ اس کی وجہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انہوں نے ان ہی دلائل کی وجہ سے احرام کی شرط لگائی جو میں نے ذکر کی، اور حق تعالیٰ نے بھی دخولِ حرم کی کیفیت ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

لقد صدق الله رسوله الرؤيا بالحق لتدخلن المسجد الحرام الخ..... قال الشافعیؒ فدل على وجه دخوله للنسک وفى الأصل وعلى رخصة الله تعالى فى الحرب و عفوه فيه عن النسک.

آگے اور وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس آیت میں دلالت ہے اس بات کی طرف کہ مکہ مکرمہ اور دوسرے شہروں میں فرق ہے کہ تمام بلاد اس بات میں یکساں ہیں کہ وہاں بغیر احرام کے داخل ہوتے ہیں اور مکہ مکرمہ اس بات میں منفرد ہے کہ وہاں بغیر احرام کے داخل نہیں ہوسکتے ہیں (کتاب الام ۲/۱۴۱)۔

اس روایت سے اور اس کے بعد والی طویل عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ احناف کی طرح عدم جواز ہی کے قائل ہیں۔ کیونکہ آگے جو عبارت جواز پر دلالت کرتی ہے اس میں بھی استثنائی شکلیں ہیں، مثلاً لکڑی چننے والے، ضرورت مند لڑائی سے بچنے والے وغیرہ کے لئے تاویل کی ہے اور وہ بھی خود حضرت امام شافعیؒ کا قول نہیں بلکہ آپ کے ساتھیوں کا قول نقل کیا ہے۔

إلا أن من أصحابنا من يخص للحطابين، ومن دخلها أياما لمنافع أهلها والكسب لنفسه ورأيت أحسن مايحمل هذا القول إلى أن انتياب هؤلاء مكة انتياب كسب لا انتياب تبرر، وأن ذلك متتابع كثير متصل فكانوا يشبهون المقيمين فيها.

آگے علامہ ذکر کی کہ یہ غلام ہوں گے جو حج کے سلسلے میں غیر ماذون ہوں گے۔ پس جبکہ فرض حج غلام سے ساقط ہو سکتا ہے تو احرام بھی ساقط ہو جائے گا (حوالہ بالا ۱۲۱/۴) مگر ہمارے بعض ساتھی لکڑی چننے والوں اور اس میں اس کے باشندوں کے فائدے کے لئے اور اپنی کمائی کے لئے داخل ہونے والوں کے لئے تخصیص کرتے ہیں، میرا خیال ہے کہ اس قول کا سب سے بہتر محمل یہ ہے کہ ان لوگوں کا مکہ آنا کسب کی خاطر ہے، نہ کہ عبادت کی خاطر، اور یہ پیہم، کثرت سے اور بار بار پیش آتا ہے تو یہ لوگ وہاں کے مقیم باشندوں کے مشابہ ہو گئے۔

وفي المنهاج للنووي من قصد مكة غير محرم لاشك أنه يستحب له أن يحرم بحج أو عمرة: وفي قول يجب إلا أن يتكرر دخولها بحطاب و صياد: وفي المغني قال أحمدؒ لا يدخلها أحد بغير إحرام و عنه ما يدل على أن الإحرام مستحب (النہایہ شرح الہدایہ ۳۲/۳)۔

امام نووی کی کتاب "المنہاج" میں ہے: جس نے احرام کے بغیر مکہ کا قصد کیا تو کوئی شک نہیں کہ اس کیلئے حج یا عمرہ میں احرام باندھنا مستحب ہے، اور ایک قول کے مطابق واجب ہے، مگر یہ کہ بار بار داخل ہونا پڑتا ہو، جیسے لکڑی چننے والے اور شکاری کے لئے، اور مغنی میں ہے امام احمد نے فرمایا: بغیر احرام کے کوئی اس میں داخل نہ ہوگا اور ان ہی سے ایک روایت ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ احرام مستحب ہے۔

نیز احادیث کا عموم "لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما" (ہدایہ) کوئی شخص احرام کے بغیر میقات سے آگے نہ بڑھے۔ "لا يجاوز الوقت إلا بإحرام" (مصنف ابن ابی شیبہ، طبرانی) اسی طرح مسند شافعی میں ہے: حضرت عبداللہ بن عباسؓ میقات سے بغیر احرام کے گذرنے والوں کو واپس کرتے تھے، یہی روایت حضرت ابن عباسؓ سے ابن ابی شیبہ اور اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں ذکر کی ہے۔ (إعلاء السنن ۱۸/۱۰) وكذا في الفتح لابن الهمام۔ یہ تمام روایات منطوق اس روایت کے مفہوم مخالف سے استدلال میں اولیٰ ہوں گی جس روایت میں احرام کے لئے حج و عمرہ کا لفظ صراحتاً مذکور ہے، جبکہ اس روایت میں یہ تحقیق بھی باقی ہے کہ وہ راوی کا کلام ہے، یا آپ ﷺ کا کلام ہے، بعض حضرات نے اس کو راوی کا کلام مانا ہے کہ حدیث مرفوع نہیں ہے، نیز حدیث شریف کے مرفوع تسلیم کرنے کے بعد بھی احادیث منطوق کے مقابلہ میں مخالف مفہوم قابل اعتبار نہ ہوگا۔

احناف کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ احرام مقام کی عظمت و شرافت کے پیش نظر ہے اور وہ علت باقی ہے، لہٰذا احرام لازمی ہوگا، حاجی و غیر حاجی اس میں برابر ہیں (فتح القدیر ۲/۳۳۶-۳۳۷)۔

علامہ کاسانیؒ آپ کی حدیث شریف "ألا إن مكة حرام منذ خلقها الله تعالى لم تحل لأحد قبلي ولا تحل لأحد بعدي إنما أحلت لي ساعة من نهار ثم عادت حراما إلى يوم القيامة (الحديث)۔

خبردار مکہ حرام ہے اس وقت سے جب اللہ نے اس کو پیدا کیا تھا، مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا، صرف میرے لئے دن کے ایک وقت میں حلال کیا گیا اور پھر قیامت تک کے لئے اس کی حرمت واپس ہوگئی۔

سے تین طرح استدلال کرتے ہیں۔(۱) الا إن مكة حرام (۲) لا تحل لأحد بعدی (۳) ثم عادت حراما إلى يوم القيامة مطلقا من غير فصل " سے "اور: روى ابن عباسؓ عن النبی ﷺ أنه قال لا يحل دخول مكة" بغير احرام" سے بھی (آپ ﷺ نے فرمایا: بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا جائز نہیں) (بدائع ۲/۱۶۳)۔

اسی طرح کے دلائل تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں مذکور ہیں۔ البتہ اس میں ابن عباسؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے: "لا يدخل احد مكة إلا باحرام (الحديث) (تبیین الحقائق ۲/۸) اعلاء السنن میں الفاظ ہیں: لا يتجاوز أحد المواقيت إلا بإحرام۔ بیہقی کے الفاظ: لا يدخل احد مكة إلا محرما ہیں (اعلاء السنن ۱۰/۱۰)۔

مجوزین کے دلائل:

حدیث شریف کے الفاظ "لمن كان يريد الحجة والعمرة" سے معلوم ہوا کہ حج وعمرہ کے علاوہ کے ارادے سے آنے والے کیلئے احرام کی ضرورت نہیں ہے، حدیث ابن عباسؓ "انه عليه الصلوة والسلام قال: فهن اى هذه المواضع لهن اى لأهل هذه المواضع و لمن اتى عليهن من غير أهلهن لمن كان يريد الحجة والعمرة (الحدیث متفق علیہ)۔

آپ ﷺ نے فرمایا ان مقامات اور ان کے باشندوں کیلئے اور ان مقامات کے باشندوں کے علاوہ ان لوگوں کیلئے جو حج اور عمرہ کے ارادے سے یہاں آئیں۔

(۲) وفى مسلم والنسائى: أنه عليه الصلوة والسلام دخل يوم الفتح مكة و عليه عمامة سوداء بغير إحرام" آپ ﷺ نے حج وعمرہ کے علاوہ بوقت فتح مکہ احرام نہیں باندھا تھا (فتح القدیر ۲/۳۳۹)۔

مسلم اور نسائی میں ہے کہ آپ ﷺ مکہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر مبارک پر کالی پگڑی تھی اور آپ بغیر احرام کے تھے۔

(۳) حدیث ابن عباسؓ "لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما" میں ایک راوی خصیف کو بعض نے ضعیف کہا ہے۔ قال الحافظ فى الدراية: وفيه خصيف إلى اخره۔

مجوزین کے دلائل پر گفتگو:

اعلاء السنن میں اس کا جواب دیتے ہوئے نقل کیا گیا ہے: قلت فماله؟ وهو حسن الحديث على الأصل الذى أصلناه غير مرة قال ابن معين لا بأس به وقال مرة ثقة وقال ابن سعيد "كان ثقة" (میں کہتا ہوں: پھر کیا بات ہے؟ وہ اس اصول کے اعتبار سے جس کو ہم ایک سے زائد بار بنا چکے ہیں، حسن الحدیث کے درجہ میں ہے۔ ابن معین کہتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ بھی کہتے ہیں ثقہ ہے۔ اور ابن سعید کہتے ہیں، وہ ثقہ تھے۔ (کذا

فی المجمع بیب ۳/۲۴۳-۱۴۴) وأخرجه البیهقی بلفظ: لا یدخل أحد مكة إلا محرما قال الحافظ وإسناده جيد (نیل الاوطار ۴/۱۸، اعلاء السنن ۱۰/۱۷۱)۔

اور بیہقی نے ان الفاظ میں اس حدیث کی تخریج کی ہے، کوئی شخص مکہ میں داخل نہ ہو مگر حالت احرام میں، حافظ کہتے ہیں: اس حدیث کی سند عمدہ ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی تضعیف کے سلسلہ میں حافظ ابن حجرؒ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: قلت قد ضعفه البعض ووثقه جماعة وأخرجه ابن عدی من وجهين ضعيفين وأخرجه الشافعیؒ عن ابن عباسؓ بإسناد صحيح جيد. لكنه موقوف قلت فهذا الموقوف الصحيح يشعر بصحة مرفوع ضعيف (فتح الملہم ۳/۲۱۲)۔

میں کہتا ہوں: بعض نے اس کو ضعیف کہا ہے اور بعض نے ثقہ، اور ابن عدی نے دو ضعیف طرق سے اس حدیث کی تخریج کی ہے، اور امام شافعی نے ابن عباسؓ سے اس حدیث کی تخریج کی ہے صحیح اور عمدہ سند کے ساتھ، لیکن وہ موقوف ہے، میں کہتا ہوں: یہ صحیح موقوف روایت ضعیف کی مرفوع روایت کی صحت کا پتہ دیتی ہے۔

(۱) دلیل اول کا جواب گذر چکا ہے۔

(۲) فتح مکہ والی روایت کا جواب قائلین عدم جواز یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ کیلئے اس وقت کے ساتھ مختص ہے حکم عام نہیں ہے جیسا کہ روایت کے الفاظ خود دلالت کرتے ہیں۔ لا تحل لأحد قبلی ولا لأحد بعدی۔ نیز دوسری روایت صحیح بخاری کی جس میں آپ ﷺ نے فرمایا فإن ترخص أحد لقتال رسول الله ﷺ فيها فقولوا إن الله تعالى أذن لرسول الله ﷺ ولم يأذن لكم فدل على عدم جواز قياس غيره عليه۔

تو اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کے قتال سے رخصت حاصل کرنے لگے تو کہہ دو کہ اللہ تعالی نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی تم کو اجازت نہیں دی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے علاوہ کو آپ ﷺ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔

وقال محمدؒ فی الموطا: إن النبی ﷺ دخل مكة حين فتحها غير محرم ولذلك دخل وعلى رأسه مغفر وقد بلغنا أنه حين أحرم من حنين قال هذه العمرة لدخولنا مكة بغير إحرام يعنی يوم الفتح فكذلك الأمر عندنا من دخل مكة بغير إحرام فلا بد له من أن يخرج فيهل بعمرة أو بحجة لدخول مكة بغير إحرام وهو قول ابی حنيفةؒ والعامة من فقهائنا (ص ۲۲۱) قلت وبلاغات المجتهد حجة لا سيما عند أصحابه وأتباعه فهذا خلاصة الكلام، قاطعة لعرق النزاع (اعلاء السنن ۱۰/۱۸، بدائع ۲/۱۶۴، فتح القدیر ۲/۳۲۶)۔

امام محمد موطا میں فرماتے ہیں: آپ ﷺ فتح مکہ کے وقت مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہوئے، اسی وجہ سے آپ ﷺ اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ ﷺ کے سر پر خود تھا، ہمیں روایت پہونچی ہے کہ آپ ﷺ نے حنین سے

احرام باندھا، فرمایا: یہ عمرہ مکہ میں ہمارے بغیر احرام دخول کے لئے ہے، یعنی فتح مکہ کے روز، یہی معاملہ ہمارے نزدیک ہے، جو شخص بغیر احرام مکہ میں داخل ہوا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ نکلے، پھر حج یا عمرہ کی تلبیہ پڑھے، مکہ میں بغیر احرام داخل ہونے کے لئے یہ امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: مجتہد کے اجتہادات حجت ہیں، خصوصاً اس کی پیروی کرنے والوں اور اس کے متبعین کے نزدیک، یہی خاتمہ کلام ہے اور نزاع کو ختم کرنے والا ہے۔

امام مالک کا بھی صحیح قول عدم جواز کا ہے نیز زعم ابن عبد البر أن أكثر الصحابة والتابعين على القول بالوجوب" (تنظیم الاشتات ۳/۱۹۸) ابن عبد البر کے خیال میں بھی اکثر صحابہ و تابعین کا قول وجوب کا ہے۔

مذکورہ نقلیہ و عقلیہ دلائل کے پیش نظر، نیز حضرت امام شافعی و امام مالکؒ سے بھی عدم جواز کی روایت کے منقول ہونے کی وجہ سے احناف ہی کے قول کو ترجیح دی جانی چاہئے۔

۲۔ احناف کا مسلک اس سلسلہ میں وہی ہے جو جواب نمبر ایک میں مذکور ہے، البتہ رفع حرج و دفع مشقت کے لئے حضرت امام شافعی و امام مالکؒ کے قول کے مطابق جیسی ڈرائیور، ملازمین اور تجارتی کمپنی کے ایجنٹ وغیرہ جن کو بار بار حدود حرم میں آمد و رفت کرنی ہوتی ہے، بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی اجازت ہونی چاہئے۔

کتب احناف میں بھی میقات کے اندر رہنے والے حضرات کے لئے بغیر احرام داخل ہونے کی اجازت کو حاجت و ضرورت پر محمول کیا ہے، ہدایہ میں ہے: (ومن كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته) لأنه يكثر دخوله مكة وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بين، فصار كأهل مكة حيث يباح لهم الخروج منها ثم دخولها بغير إحرام لحاجتهم بخلاف ما إذا قصد أداء النسك لأنه يتحقق أحيانا فلا حرج (ہدایہ مع الفتح ۲/۳۴۷)۔

(اور جو میقات کے اندر رہنے والا ہو اس کے لئے جائز ہے کہ ضرورت کی بناء پر مکہ میں بغیر احرام داخل ہو) اور ہر مرتبہ احرام کو واجب کرنے میں واضح حرج ہے، تو یہ مکہ کے باشندوں کی طرح ہو گیا جن کے لئے ضرورت کی بناء پر اس سے بغیر احرام نکلنا اور اس میں داخل ہونا جائز قرار دیا گیا ہے، برخلاف اس کے کہ اگر عبادت کی ادائیگی کی نیت سے داخل ہوا ہو، اس لئے کہ اس کا تحقق کبھی کبھی ہوتا ہے، لہذا کوئی حرج نہیں۔

عنایہ میں لکھا ہے: "والأصل أنه ﷺ رخص للحطابين دخول مكة بغير إحرام (عنایہ مع الفتح ۲/۳۴۶)۔

اصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے لکڑی چننے والوں کے لئے بغیر احرام مکہ میں داخل ہونے کی رخصت دی ہے۔

علامہ عینی بنایہ شرح ہدایہ میں روایت ذکر کرتے ہیں: روی عن ابن عباسؓ أنه عليه الصلاة والسلام رخص للحطابين أن يدخلوها بغير إحرام والظاهر أنهم لا يجاوزون الميقات (بنایہ ۳/۳۳، فدل أنه من كان داخل الميقات)۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے لکڑی چننے والوں کو بغیر احرام داخل ہونے کی رخصت دی

ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ وہ میقات سے آگے نہ بڑھیں۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ خارج میقات سے بغیر احرام کے دخول کے عدم جواز کی وجہ ذکر کرتے ہوئے علامہ شوکانیؒ کے جواب میں عدم حرج ہی ذکر کرتے ہیں:

قال الشوكاني وقد كان المسلمون في عصره ﷺ يختلفون إلى مكة لحوائجهم ولم ينقل أنه أمر احدا منهم بإحرام لقصة الحجاج بن علاء، وكذلك قصة ابي قتادة لما عقر حمار الوحش داخل الميقات وهو حلال فجاوز الميقات لا بنية الحج ولا العمرة فقرره ﷺ، قلت إن أراد اختلاف من هو داخل الميقات إلى مكة لحوائجهم فلا يرد علينا لجواز دخولهم مكة بلا إحرام عندنا وإن أراد اختلاف من خارج الميقات فغير مسلم فإن المواقيت بعيدة عن مكة بمراحل ولا تتعلق الحوائج الانسانية والمدنية إلا بمصر قريب وتعلقها بالمصر البعيد نادر.

شوکانی کہتے ہیں: بے شک مسلمان نبی ﷺ کے عہد میں اپنی ضروریات کے لئے مکہ آتے جاتے تھے، اور یہ منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے ان میں سے کسی کو احرام کا حکم دیا ہو، جیسے حجاج بن علاء کا قصہ، اسی طرح ابو قتادہ کا قصہ جب انہوں نے میقات کے اندر میقات سے تجاوز کر کے حلال ہونے کے بعد بغیر حج وعمرہ کی نیت کے جنگلی گدھے کو ذبح کر دیا تھا تو نبی ﷺ نے ان کے اس عمل پر سکوت فرمایا تھا، میں کہتا ہوں: اگر مکہ آنے جانے سے مراد ان کا آنا جانا ہے جو اپنی ضروریات کے لئے وہاں آتے جاتے ہیں اور وہ میقات کے اندر ہیں تو اس صورت میں ہم پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ ہمارے نزدیک بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے، اور اگر ان کی آمد ورفت مراد ہے جو میقات سے خارج ہوں تو یہ تسلیم نہیں، اس لئے کہ مواقیت، مکہ سے کئی منزل دور ہیں، اور انسانی اور تمدنی ضروریات قریب کے شہر ہی سے متعلق ہوتی ہیں، اور دور کے شہر سے ان کا تعلق شاذ ونادر ہوتا ہے۔

الغرض فقہاء احناف نے اہل حل کے لئے بغیر احرام کے دخول کی وجہ حوائج ضروریہ اور دفع مشقت کو قرار دیا ہے اور گذشتہ زمانوں میں حوائج ووسائل محدود تھے جبکہ آج کے ترقی یافتہ دور میں پوری دنیا سمٹ کر ایک شہر بن گئی ہے۔

نیز احناف کے اصول میں "المشقة تجلب التيسير" اور "الحرج مدفوع" وغیرہ سے اس کی گنجائش نکلتی ہے، لہذا میقات سے تجاوز کرنے کے بعد بھی اشد ضرورت اور کثرت سفر والوں کو تو گنجائش دی جائے، مگر جو لوگ بہت کم سفر کرتے ہوں وہ اس گنجائش سے فائدہ نہ اٹھائیں کیونکہ میقات سے احرام کے ساتھ گذرنے کی روایات بہت موکدہ مسلسل ہیں جن کا لحاظ کرنا چاہئے، جیسا کہ جواب نمبر ایک میں کسی قدر اس کی تفصیل گذر چکی۔

۳۔ مکی کا تمتع اور قران کرنا:

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: وليس لأهل مكة تمتع ولا قران وإنما لهم الإفراد خاصة خلافا للشافعيؒ والحجة عليه قوله تعالى "ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" (سورہ بقرہ ۱۹۶) ولأن شرعتهما للترفه بإسقاط إحدى السفرتين وهذا في حق الآفاقي ومن كان داخل الميقات وهو

بمنزلة المكي حتى لا يكون له متعة ولا قران (ہدایہ ۱؍کتاب الحج ص ۲۶۳)۔

اہل مکہ کے لئے نہ تمتع ہے اور نہ قران، بلکہ ان کے لئے صرف افراد ہے، بہ خلاف امام شافعیؒ کے سورہ بقرہ کی اس آیت سے ان کے خلاف دلیل لی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے: ”یہ (رعایت) ان لوگوں کے لئے ہے جن کے اہل وعیال مسجد حرام کے پاس رہنے والے نہ ہوں“ اور اس لئے کہ اس کی مشروعیت ترفہ کے لئے دونوں سفروں میں سے کسی ایک کے اسقاط پر ہے، یہ دور کے رہنے والے (آفاقی) کے حق میں ہے، جو میقات کے اندر ہو وہ مکی کے درجہ میں ہے، یہاں تک کہ اس کے لئے نہ تمتع ہوگا اور نہ قران۔

درمختار میں ہے: والمكي ومن في حكمه يفرد فقط ولو قرن أو تمتع جاز وأساء وعليه دم جبر ولا يجزيه الصوم ولو معسرا.

مکی اور جو اس کے حکم میں ہے صرف افراد کرے گا اور اگر اس نے قران یا تمتع کرلیا تو جائز ہے اور اس نے غلط کیا اور اس کے ذمہ تلافی کا دم لازم ہوگا اور اس کے لئے روزہ کافی نہ ہوگا اگرچہ وہ تنگدست ہی ہو۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: هذا ما دام مقيما فإذا خرج إلى الكوفة وقرن صح بلا كراهة لأن عمرته وحجته ميقاتيان فصار بمنزلة الآفاقي: قال المحبوبي هذا إذا خرج إلى الكوفة قبل أشهر الحج وأما إذا خرج بعدها فقد منع من القران فلا يتغير بخروجه من الميقات. وإنما قيد بالقران لأنه لو اعتمر هذا المكي في أشهر الحج من عامه لا يكون متمتعا لأنه ملم بأهله بين النسكين حلالا إن لم يسق الهدي وكذا إن ساق الهدي لا يكون متمتعا (شامی ۲؍۲۱۴)

یہ اس وقت ہے جب وہ مقیم ہو، تو اگر وہ کوفہ کی طرف نکل گیا اور اس نے قران کرلیا تو درست ہے، بغیر کسی کراہت کے اس لئے کہ اس کا عمرہ اور حج دونوں میقات سے جڑے ہوئے ہیں، تو یہ آفاقی کی طرح ہوگیا، محبوبی کہتے ہیں: یہ اس وقت ہے جب اشہر حج سے پہلے کوفہ کی طرف نکل گیا ہو اور اگر اس کے بعد نکلے تو اسے قران سے روکا جائے گا، لہٰذا وہ میقات سے نکلنے کی وجہ سے متغیر نہ ہوگا، اور قران کی قید اس لئے ہے کہ اگر اس مکی نے اسی سال اشہر حج میں عمرہ کیا تو وہ متمتع نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ دو عبادتوں کے درمیان اپنے گھر والوں میں جاکر آرام کرکے حلال ہوگیا، اگرچہ ہدی ساتھ نہیں لے گیا، اور اسی طرح اگر لے گیا تو وہ متمتع نہ ہوگا۔

حاصل یہ کہ علامہ شامیؒ کی تحقیق (بحوالہ مبسوط) کے مطابق یہ لوگ قران کرسکتے ہیں، تمتع نہیں کرسکتے، قران کے لئے البتہ یہ شرط ہے کہ وہ اگر اشہر حج سے پہلے میقات سے باہر (کوفہ وغیرہ) گیا تو حکم آفاقی ہونے کی وجہ سے قران صحیح ہے اور اگر اشہر حج میں گیا تو اب قران سے بھی روکا جائے گا۔

اور تمتع کے سلسلہ میں یہ وضاحت ہے کہ اگر متمتع عمرہ سے فارغ ہوکر اپنے گھر چلا گیا اور ساتھ میں ہدی نہیں لایا تو تمتع باطل ہے، کیونکہ اس نے دو عبادتوں کے درمیان اپنے گھر والوں میں جاکر آرام وراحت حاصل کرلی اور اس سے تمتع باطل ہوجاتا ہے“ كذا روي عن عدة من التابعين ”امام طحاویؒ نے احکام القرآن میں حضرت سعید بن

المسیبؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، مجاہدؒ اور ابراہیم نخعیؒ سے روایت کی ہے کہ متمتع عمرہ سے فراغت کے بعد اگر گھر لوٹ جائے تو اس کا تمتع باطل ہو جاتا ہے، البتہ حضرت حسنؒ کے نزدیک وہ متمتع باقی رہتا ہے (بنایہ شرح ہدایہ ۳۳۹) فقہائے کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی نے تمتع یا قران کیا تو بکراہت تحریمہ صحیح ہو جائے گا اور اس پر دم شکر کے بجائے دم جبر واجب ہے، البتہ اور خود نہیں کھا سکتا، مگر علامہ شامیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صحت مع کراہت تحریمہ صرف قران کے لئے ہے، اور مکی کا تمتع منعقد ہی نہیں ہوتا اس لئے تمتع کی صورت میں دم جبر واجب نہیں، البتہ بطلان تمتع سے بطلان حج کا وہم نہ ہو، علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں: واما عمرۃ پس منعقد نمی شود اصلا در حق او الی قولہ ولہذا لازم نہ باشد بروے دم در یں صورت زیرا کہ دم از لوازم تمتع است، چوں منتفی گشت ملزوم منتفی گشت لازم او (حیاۃ القلوب ص ۶۸، بحوالہ احسن الفتاوی ۴/۵۱۵)۔

اور جہاں تک عمرہ کا تعلق ہے تو وہ اس کے حق میں بالکل منعقد نہیں ہوگا، الی قولہ۔ اسی لئے اس صورت میں اس پر دم واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ دم تمتع کے لوازم میں سے ہے، اور جب ملزوم منتفی ہو گیا تو اس کا لازم منتفی ہو جائے گا۔

مکی کو تمتع و قران سے منع کرنے کی وجہ عند الاحناف مطول بعلت ہے، اسی وجہ سے وہ علت (الترفہ بإسقاط إحدى السفرتين) ختم ہونے کی صورت میں (مثلا مکی کے میقات کی طرف سفر کر کے واپسی میں) قران کرنا صحیح ہو جاتا ہے" لأن عمرته و حجته ميقاتيان فصار بمنزلة الآفاقي" علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: ولعل وجهه ان القران المشروع ما يكون بإحرام واحد للحج والعمرة معا والإلمام الصحيح ما يكون بين إحرام العمرة وإحرام الحج وهكذا يكون في التمتع دون القران، فمن هذا قلنا إن تمتع المكي باطل دون قرانه. وهذا قول ثالث لم أر من صرح به لكن يدل عليه تصريح البدائع بعدم تصور تمتع المكي (شامی ۲/۲۱۴)۔

غالبا اس کی صورت یہ ہے کہ مشروع قران وہ ہے جو حج اور عمرہ کے لئے ایک ساتھ احرام باندھنے کے ساتھ ہو، اور المام صحیح وہ ہے جو عمرہ کے احرام اور حج کے احرام کے درمیان ہو، اور یہ تمتع میں ہوتا ہے، قران میں نہیں، اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ مکی کا تمتع باطل ہے اس کا قران نہیں، یہ تیسرا قول ہے، میں نے اس کی صراحت کرنے والا نہیں پایا، لیکن اس پر بدائع کی وہ تصریح دلالت کرتی ہے جو مکی کے تمتع کے عدم تصور سے متعلق ہے۔

دوسری جگہ تفصیل گفتگو کرتے ہوئے حاکم کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں:

وإذا خرج المكي إلى الكوفة لحاجة فاعتمر فيها من عامه وحج لم يكن متمتعا وإن قرن من الكوفة كان قارنا. وعلى هذا فقول المتون ولا تمتع ولا قران لمكي معناه نفي المشروعية والحل ولا تنافي في عدم التصور في أحدهما دون الآخر والقرينة على هذا تصريحهم بعده لبطلان التمتع بالإلمام الصحيح فيما لو عاد المتمتع إلى بلده وتصريحهم في باب إضافة الإحرام بأنه إذا قرن ولم يرفض شيئا منها أجزأه (شامی ۲/۲۱۵، فتح القدیر ۳/۱۷-۱۹-۱۵)۔

اور جب مکی کسی ضرورت کے لئے کوفہ کی طرف نکلے اور اسی سال عمرہ اور حج کرے تو وہ متمتع نہ ہوگا اور اگر

اس نے کوفہ سے قران کیا تھا تو قارن ہوگا۔ اسی وجہ سے متون کے اس قول: مکی کے لئے نہ تمتع ہے نہ قران، اس کا مفہوم مشروعیت اور حلت کی نفی ہے .... اس کا قرینہ اس کے بعد ان کی تصریح ہے، جو امام صحیح سے متعلق تمتع کے بطلان کے سلسلہ میں ہے، اس صورت میں جب متمتع اپنے شہر کی طرف لوٹ گیا ہو، اور اضافۂ احرام کے باب میں ان کی یہ تصریح کہ جب اس نے قران کیا ہو اور ان میں سے کسی چیز کو رد نہ کیا ہو تو اس کے لئے کافی ہو جائے گا۔

الغرض علامہ ابن ہمامؒ وعلامہ شامیؒ کے طویل محققانہ کلام کا حاصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمتع وقران سے مکی کو روکا جائے" ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام سے ابن ہمام بہت خوش اسلوبی کے ساتھ مکی کو روکتے ہیں) اسی لئے احناف کا مسلک یہی ہے کہ مکی کو قران وتمتع سے روکا جائے، روایت الـمام وعدم الـمام کی قید سے اور اس پر دم جبر کے وجوب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ قران وتمتع کرلے تو ادا ہو جائے گا، اور پھر تمتع کے سلسلہ میں بقول علامہ شامیؒ بحوالہ بدائع صاحب بدائع حاکم کی تصریح کے مطابق ان کا تمتع ہی ادا نہیں ہو رہا ہے، نیز قران کا صحیح ہونا اور تمتع کا صحیح نہ ہونا بھی تمتع کے ادا نہ ہونے کی طرف مشیر ہے۔

۴۔ ماقبل کی طویل گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مکی کا تمتع ہی باطل ہے تو ملزوم کے باطل ہونے سے بقول علامہ سندھیؒ لازم یعنی دم جبر بھی باطل ہو جائے گا۔ لہذا سوال میں مذکور صورت میں اس کا میقات سے احرام باندھ کر عمرہ کرنے سے اس پر دم جبر لازم نہیں ہوگا، اور ظاہر اچاہے اس کو تمتع کہا جائے لیکن وہ صحیح نہ ہوگا، نیز تمتع وقران سے بلا رادہ (اور وہ بھی معلول بعلت) روکا ہے اور مذکورہ صورت میں اضطرارا اس کو عمرہ کرنا لازم آتا ہے، علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

وقد يقال إنه لا يتعلق به خطاب المنع مطلقا بل مادام بمكة فإذا خرج إلى الآفاق التحق بأهله لما عرف أن كل من وصل إلى مكان صار ملحقا بأهله كالآفاقي إذا قصد بستان بني عامر حتى جاز له دخول مكة بلا إحرام و غير ذلك، وأصل هذه الكلية الإجماع على أن الآفاقي إذا قدم بعمرة في أشهر الحج إلى مكة كان إحرامه بالحج من الحرم وإن لم يقم بمكة إلا يوما واحدا فإطلاق المصنف حينئذ هو الوجه (فتح القدير ۳/۱۵-۱۴)۔

اور کہا جاتا ہے کہ اس سے مطلقا ممانعت کا خطاب متعلق نہیں ہے، بلکہ اس صورت سے متعلق ہے جب وہ مکہ میں ہو، اگر وہ آفاق کی طرف نکل گیا تو وہاں کے باشندوں سے ملحق ہو گیا، اس لئے کہ معروف ہے کہ جو کسی جگہ پہونچ گیا تو وہ وہاں کے باشندوں سے ملحق ہو گیا، جیسے آفاقی جب وہ بنی عامر کے باغ کا قصد کرے یہاں تک کہ اس کیلئے مکہ میں بغیر احرام داخل ہونا جائز ہے وغیرہ ذلک۔ اس کلیہ کی بنیاد یہ اجماع ہے کہ آفاقی جب اشہر حج میں عمرہ کی نیت سے مکہ آئے تو اس کا احرام حج حرم سے ہوگا، اگرچہ مکہ میں صرف ایک ہی روز قیام کرے، اس وقت مصنف کے اپنے کلام کو مطلق رکھنے کا مطلب ہوگا کہ انہوں نے ایک صورت مراد لی ہے۔

ان دونوں مثالوں اور قاعدے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ میقات سے باہر جانے کی وجہ سے مکی ہی

نہیں رہا بلکہ آفاقی ہو گیا، اور آفاقی کے لئے تمتع یا قران کرنا بلا کراہت جائز ہے، لہذا اب اس پر دم جبر کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جواب ۵۔ حج کا احرام باندھنے سے پہلے متمتع کیلئے مزید عمرہ کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ جن ایام میں عمرہ کرنے سے روکا گیا ہے وہ ایام تشریق و یوم ترویہ ہیں۔ حضرت شیخ زکریا فرماتے ہیں:

وعند أبي حنيفة تكره العمرة في خمسة أيام يوم عرفة والنحر وأيام التشريق وقال أبو يوسف يكره في أربعة أيام، عرفة، أيام التشريق، انتهى، وفي شرح المهذب مذهبنا أنه لا يكره تكرار العمرة في السنة بل يستحب وبه قال أبو حنيفة وأحمد و جمهور العلماء من السلف والخلف (حجۃ الوداع ۲۱۳)۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک پانچ دنوں میں عمرہ مکروہ ہے، یوم عرفہ، یوم النحر، ایام تشریق اور امام ابو یوسف کا قول ہے کہ چار دنوں میں مکروہ ہے، یوم عرفہ اور ایام تشریق، شرح مہذب میں ہے، ہمارا مسلک یہ ہے کہ ایک سال میں عمرہ کی تکرار مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے، ابو حنیفہ احمد اور جمہور علماء سلف و خلف کا قول یہی ہے

راجح قول یہی ہے کہ متمتع آفاقی یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق کے علاوہ باقی دنوں میں نفلی عمرہ بدون حرج کر سکتا ہے (غنیۃ المناسک) مصنف ارشاد الساری شیخ عبدالغنی تحریر فرماتے ہیں: کہ ناواقف متمتع حجاج کو جاہل معلم نفلی عمرہ سے روکتے ہیں۔ یہ حالت بے قریب ناواقف حجاج کی کہ ایسی عبادتوں سے محروم رہتے ہیں، جس کو وہ لوگ اپنے وطن میں نہیں کر سکتے، ایک بڑی عبادت سے محروم رہتے ہیں (۱۹۳) لہذا عمرہ کرنے میں حرج نہیں، جائز ہے، احقر کا عمل یہی ہے (عبدالرحیم فتاوی رحیمیہ ۷؍۷۸)۔

۶۔ مرد، عورت، بیمار، ضعیف سب خود اپنے ہاتھ سے رمی کریں، کسی کو نائب بنا کر رمی کرانا بغیر عذر شرعی جائز نہیں ہے، اور عذر معتبر صرف ایسی بیماری یا کمزوری ہے جس کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہو، یا جمرات تک سوار ہو کر پہنچنے میں بھی سخت تکلیف ہو، یا مرض کے شدت اختیار کرنے کا قوی اندیشہ ہو، یا پیدل چلنے پر قدرت نہیں اور سواری ملتی نہیں، ایسا شخص معذور ہے، وہ اپنی طرف سے دوسرے آدمی کو نائب بنا کر رمی کرا سکتا ہے (غنیۃ ۱۰۰ بحوالہ احکام حج مفتی شفیع صاحب)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: تجوز الإنابة في الرمي لمن عجز عن الرمي بنفسه لمرض أو حبس أو كبر سن أو حمل المرأة فيصح للمريض بعلة لا يرجى زوالها قبل انتهاء وقت الرمي وللمحبوس و كبير السن والحامل أن يوكل عنه من يرمي عنه الجمرات كلها ويجوز التوكل عن عدة أشخاص على أن يرمي الوكيل عن نفسه أولا كل جمرة من الجمرات الثلاث (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳؍۱۹۳)۔

رمی میں ان کے لئے جو مرض یا حبس یا بڑھاپے اور اگر عورت ہو تو حمل کی وجہ سے خود سے رمی کرنے سے معذور ہوں، نیابت جائز ہے، چنانچہ مریض کے لئے کسی ایسی بیماری کی بنا پر نیابت جائز ہے، جس کے ختم ہونے کی

امید ری کے وقت کے ختم ہونے سے پہلے نہ ہو مجبوں، کبیر السن اور حاملہ کے لئے یہ صورت ہے کہ ان کی طرف سے ایسے لوگوں کو وکیل بنایا جائے گا جو ان کی طرف سے رمی کریں، کئی اشخاص کی طرف سے بھی توکیل جائز ہے بشرطیکہ وکیل سب سے پہلے اپنی طرف سے تینوں کنکریاں مارلے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: ومن کان مریضاً لا یستطیع الرمی یوضع فی یدہ و یرمی بھا او یرمی عنہ غیرہ و کذا المغمی علیہ (فتح القدیر ۲/۲۹۸)۔

اور جو مریض ہو اور رمی پر قادر نہ ہو اس کے ہاتھ میں کنکریاں رکھی جائیں گی اور وہ خود سے رمی کرے گا یا اس کی طرف سے کوئی دوسرا رمی کرے گا، یہی صورت بیہوش آدمی کے لئے بھی ہے۔

بدائع میں ہے: وسواء رمی بنفسہ أو بغیرہ عند عجزہ عن الرمی بنفسہ کالمریض الذی لا یستطیع الرمی فوضع الحصی فی کفہ فرمی بھا او رمی عنہ غیرہ لأن أفعال الحج تجری فیھا النیابۃ کالطواف والوقوف بعرفۃ و مزدلفۃ . واللہ اعلم (بدائع الصنائع ۲/۱۳۷)۔

رمی چاہے خود سے کرے یا مجبوری کی وجہ سے اپنی طرف سے دوسرے سے کرائے دونوں حکماً برابر ہیں، اس کی مثال اس مریض کی سی ہے جو رمی پر قادر نہ ہو تو اس کی ہتھیلی میں کنکری رکھ دی جائے اور وہ اس سے رمی کرے یا اس کی طرف سے کوئی اور رمی کرے، اس لئے کہ اعمال حج میں نیابت جاری ہوتی ہے۔ جیسے طواف، وقوف عرفہ اور مزدلفہ۔

عالمگیری میں ہے: مریض لا یستطیع الرمی توضع الحصاۃ فی یدہ لیرمی بہ او یرمی عنہ غیرہ بأمرہ کذا فی محیط السرخسی (۱/۲۳۶)۔

مریض جو رمی کی استطاعت نہ رکھتا ہو، اس کے ہاتھ میں کنکری رکھ دی جائے گی، تاکہ وہ اس سے رمی کرے یا اس کی طرف سے اس کے حکم سے کوئی اور رمی کرے۔

معلم الحجاج میں ہے: رمی کے بارے میں وہ شخص مریض ومعذور سمجھا جائے گا جو کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف کا اندیشہ ہو، اگر سوار ہو کر جمرات تک آ سکتا ہے اور مرض کی زیادتی اور تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے تو اس کو خود رمی کرنا ضروری ہے دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر سواری یا کوئی شخص اٹھانے والا نہ ہو تو معذور ہے دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے (معلم الحجاج ۱۸۲-۱۸۱)۔

نیابت کے لئے محض ازدحام عذر نہیں، لہذا جو لوگ دس ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے زوال تک ازدحام کی وجہ سے رمی نہ کرسکیں اور زوال کے بعد یا غروب آفتاب کے بعد رمی کرنے پر قادر ہوں ان کے لئے کسی کو نائب بنا کر رمی کرانا جائز نہیں، وہ گیارہ ذی الحجہ کی صبح سے پہلے خود رمی کریں۔

البتہ ازدحام مکروہ اوقات میں رمی کی گنجائش وجواز کے حق میں عذر ہے، لہذا اس کی وجہ سے مکروہ اوقات میں عورت، بیمار اور ضعیف آدمی کے لئے رمی کرنا درست اور جائز ہے۔

لیکن نیابت کا عذر نہ ہونے کی صورت میں محض ازدحام کی وجہ سے کوئی رمی نہیں کرے گا، تو اس پر دم واجب ہوگا، چاہے ایک دن کی رمی نہ کرے یا تینوں دنوں کی رمی نہ کرے، دم ایک ہی واجب ہوگا۔ وہ روایات جن سے مکروہ اوقات میں ضعفاء اور عورتوں کے حق میں فقہائے کرام نے گنجائش نکالی ہے ابن ہمام نے نقل کی ہیں:

(۱) قال الطحاوی حدثنا ابن ابی داؤد قال حدثنا المقدمی حدثنا فضیل بن سلیمان حدثنا موسی بن عقبة اخبرنا کریب عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ کان یأمر نساءه و ثقله صبیحة جمع أن یفیضوا مع أول الفجر بسواد ولا یرموا الجمرة إلا مصبحین.

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی عورتوں کو حکم دیتے تھے۔ جمع کی صبح کو کہ ابتدائے فجر کے اندھیرے ہی میں افاضہ کرلیں اور رمی نہ کریں مگر صبح کے وقت۔

(۲) کان رسول الله ﷺ یقدم ضعفاء اهله بغلس و یأمرهم أن لا یرموا الجمرة حتی تطلع الشمس.

رسول اللہ ﷺ اپنے گھر والوں میں سے کمزوروں کے پاس اندھیرے ہی میں آتے اور انہیں حکم دیتے تھے کہ وہ رمی نہ کریں یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔

صاحب ہدایہ نے شوافع کی موید ایک روایت ذکر کی ہے: إن النبی ﷺ رخص للرعاء أن یرموا لیلا.

بے شک نبی ﷺ نے چرواہوں کو رخصت دی کہ وہ رات ہی میں رمی کرلیں۔

ابن ہمام دار قطنی سے ضعیف سند کے ساتھ اس میں زیادتی نقل کرتے ہیں:

وأیة ساعة شاء وأمن النهار. و حمله المصنف علی اللیلة الثانیة و الثالثة لما عرف أن وقت الرمی کل یوم إذا دخل من النهار إمتدا إلی آخر اللیلة التی تتلو ذلک النهار فیحمل علی ذلک (فتح القدیر ۲/۵۰۰)۔

اور دن کے جس حصے میں چاہیں۔ مصنف نے اس کو دوسری اور تیسری رات پر محمول کیا ہے، اس لئے کہ معلوم ہے کہ ہر روز رمی کا وقت دن کے دخول سے اس دن کے بعد میں آنے والی رات کے آخری حصہ تک ممتد ہوتا ہے تو اس کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔

(۷) احصار: سعودی میں رہنے والے غیر ملکیوں کو حالت احرام میں حرم سے واپس کرنا۔

احصار کے سلسلے میں فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے، امام شافعی کے نزدیک احصار صرف دشمن ہی سے ہوگا، بیماری وغیرہ سے نہیں ہوگا۔ قلت وهذا قول مالک والشافعی وإسحاق وأحمد فی روایة (ہدایہ ۳/۳۸۶)۔

اور احناف کے نزدیک ہر وہ شخص جو احرام باندھے پھر اس کو احرام کے مقتضیات پر عمل کرنے سے روکا جائے، دشمن، بیماری، قید، عضو کا ٹوٹ جانا، یا اس کے علاوہ کوئی بھی مانع ہو۔ وفی عرف الشرع هو اسم لمن أحرم ثم منع عن المضی فی موجب الإحرام سواء کان المنع من العدو أو المرض أو الحبس أو

الكسر أو العرج وغيرها من الموانع من إتمام ما أحرم به حقيقة أو شرعاً وهذا قول أصحابنا وقال الشافعي" لا إحصار إلا من عدو (بدائع ۲ر۱۷۵، بنایہ ۳ر۳۸۶) اس عموم کی وجہ سے عندالاحناف سعودی میں رہنے والے غیر ملکی کو روکنا بھی احصار میں سے شمار کیا جائے گا۔

البتہ اگر قارن، یا مفرد طواف، یا وقوف دونوں میں سے کسی ایک پر قادر ہے تو محصر نہ ہوگا، اگر وقوف عرفہ کر لیا اور طواف زیارت سے روک دیا گیا تو اس کا حج ہو گیا، بال منڈوا کر احرام کھول دے، لیکن جب تک طواف نہ کرے گا عورت حلال نہ ہوگی، اور طواف زیارت جب چاہے کر سکتا ہے، لیکن ایام نحر گذرنے کے بعد کرے گا تو ایک دم تاخیر کا واجب ہوگا اور اگر صرف وقوف سے روکا گیا تو جب تک حج کا وقت باقی ہے انتظار کرنا چاہیے جب حج فوت ہو جائے تو عمرہ کے افعال کر کے حلال ہو جائے۔

الغرض احصار میں عرفات اور طواف دونوں سے یا رکن عمرہ یعنی طواف سے روکنا ضروری ہے۔ احصار کے بہت سارے اسباب کتب فقہ میں مذکور ہیں، ان میں بادشاہ کا منع کرنا بھی ہے جو غیر ملکی پر صادق آتا ہے۔

محصر کا حکم:

جب اسباب احصار میں سے کوئی سبب کسی میں پایا جائے تو وہ شرعاً محصر ہوگا، اس کو اولاً اس مانع کے زوال کا انتظار کرنا ہے، اور حج، یا عمرہ کرنا ہے اور اگر مانع دور ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے، مثلاً حکومت نے واپس ہی کر دیا تو اب اگر صرف حج، یا صرف عمرہ کا احرام باندھا ہے تو کسی شخص کو ایک دم، یا دم کی قیمت دے دے تاکہ وہ حرم میں جا کر ذبح کر دے اور تاریخ اور وقت متعین کر دے۔

محصر کو احرام کھولنے کے واسطے بال کٹانے یا منڈوانے کی شرط نہیں ہے، ذبح کے وقت مقرر پر صرف ذبح ہی سے حلال ہو جائے گا البتہ منڈوانا مستحسن ہے، اب اگر قارن ہے تو دو دم واجب ہوں گے۔

اگر وقت مقررہ سے پہلے حلال ہو گیا یعنی وقت مقررہ سے پہلے کوئی فعل موجب جنایت کر لیا یا معلوم ہوا کہ ذبح حرم میں نہیں ہوا ہے تو کفارہ جنایت واجب ہوگا۔

دم احصار ایام نحر میں ذبح کرنا شرط نہیں، البتہ حرم میں ذبح ہونا شرط ہے (بدائع ۲ر۱۷۹) اور احصار دور ہونے کے بعد اس کی قضاء کرنا لازم ہے، اور یہ وجوب قضا ہر محصر پر ہے، خواہ حج فرض ہو یا نفل، اپنا حج ہو یا حج بدل، حج صحیح ہو یا فاسد، دم احصار کے بدلہ میں روزہ رکھنا یا صدقہ دینا کافی نہیں۔ مذہب مشہور یہی ہے، لیکن امام ابو یوسف" سے ایک روایت ہے کہ اگر ہدی نہ ملے تو اس کی قیمت لگا کر ہر مسکین کو نصف صاع صدقہ دے دیا جائے، اگر صدقہ بھی نہ دے سکتا ہو تو ہر نصف صاع کے بدلہ ایک روزہ رکھ کے پھر حلال ہو جائے، ضرورت شدیدہ کے وقت اس پر عمل کی گنجائش ہے۔

احصار کے دو حکم اصلی ہیں: (۱) احرام سے حلال ہونے کے جواز کی شکلیں (۲) وجوب قضاء فالإحصار يتعلق به أحكام لكن الأصل فيه حكمان أحدهما جواز التحلل عن الإحرام والثاني وجوب قضاء (بدائع ۲ر۱۷۷، بنایہ ۳ر۳۸۶-۳۹۳)۔

۸۔ متمتع وقارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، جبکہ دیگر ائمہ، نیز صاحبین کے نزدیک سنت ہے، تفصیل مذاہب یہ ہیں: امام صاحبؒ اور امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق واجب ہے، اور امام شافعیؒ کے دوسرے قول کے مطابق مستحب ہے، اگر نحر پر حلق کو مقدم کیا تو جائز ہے اور کوئی چیز واجب نہیں ہوگی" ھذا عند الشافعیؒ وکذا عند الصاحبین" اور اگر رمی پر حلق کو مقدم کیا تو امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے نزدیک دم لازم ہوگا۔ امام احمدؒ کے نزدیک کسی کو بھی کسی پر مقدم کیا سہواً یا جہالت کی وجہ سے تو کوئی چیز واجب نہیں اور عمداً کیا ہے تو امام احمدؒ کے نزدیک وجوب کے سلسلے میں دو روایتیں ہیں، اور امام صاحبؒ کے نزدیک سہو وجہالت وعمد سب صورتوں میں تقدیم وتاخیر کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔ (البنایہ شرح ہدایہ ۳؍۲۹۵)۔

وجوب ترتیب کے دلائل ذکر کرتے ہوئے علامہ ظفر احمد عثمانیؒ روایت کے الفاظ یوں نقل کرتے ہیں:

عن انسؓ أن النبی ﷺ أتی منی فأتی الجمرۃ ورماھا ثم أتی منزلہ بمنی فنحر ثم قال للحلاق خذ وأشار إلی جانبہ الأیمن، ثم الأیسر أخرجہ الخمسۃ (ہدایہ ۱۹۸)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ منی آئے اور جمرہ آئے اور وہاں رمی کی، پھر منی میں اپنی قیام گاہ پر آئے اور قربانی کی پھر نائی سے کہا اپنے دائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے اسے لو پھر اسی طرح بائیں طرف کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

اس حدیث شریف میں "الفاء" اور "ثم" کا استعمال ہوا ہے اور اصول کی کتابوں میں ان کو ترتیب کے لئے مانا گیا ہے، جس سے ان افعال کا مرتب ہونا ثابت ہوتا ہے، اور کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے۔ کہ آپ ﷺ نے اولاً جمرہ کی رمی فرمائی، پھر ذبح، پھر حلق فرمایا: اور آپ ﷺ نے فرمایا: خذوا عنی مناسککم"۔ مجھ سے اپنے مناسک سیکھ لو۔ لہذا یہ تینوں کی ترتیب پر دلالت کرتا ہے اور جب تک کوئی دلیل عدم وجوب پر دلالت نہ کرے ترتیب ثابت رہے گی، غرض جو روایت عدم ترتیب کے قائلین ذکر کرتے ہیں جس میں آپ ﷺ سے ایک صحابیؓ نے آکر عرض کیا کہ میں نے ذبح سے پہلے حلق کرلیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اذبحوا ولا حرج" پھر دوسرے صحابی نے آکر عرض کیا میں نے رمی سے پہلے ذبح کرلیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "ارم ولا حرج" (متفق علیہ) دوسری روایت میں اسی طرح کے تقدیم وتاخیر والے اعمال کے سوال کے جواب میں ہر مرتبہ میں افعلوا ولا حرج علیکم فرمایا تو ان روایات میں گناہ کی نفی ہے کیونکہ یہ عمل نسیاناً غیر شعوری طور پر ہوا تھا۔ اس کی دلیل ابوداؤد کی روایت کے الفاظ میں ہے۔ "لا حرج لا حرج إلا علی رجل اقترض عرض رجل مسلم فھو ظالم فذلک الذی حرج وھلک (۲؍۱؍۱؍۲۸۳)۔

کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں، مگر اس شخص پر جس نے کسی مسلمان کے ناموس پہ دست درازی کی تو وہ ظالم ہے تو ایسا آدمی حرج میں پڑا اور ہلاک ہوگیا۔

یہ حدیث صراحۃً اثم کی نفی کرتی ہے اور دم اور اعادہ کا ذکر نہ ہونا عدم وجوب پر دلیل نہیں ہے، کیونکہ اسی

روایت کے ایک راوی حضرت ابن عباسؓ عدم ترتیب کی صورت میں دم لازم کرتے ہیں اور اباحت کے معنی مراد نہیں لیتے، نیز حدیث شریف میں طواف سے قبل سعی کرنے کے سلسلہ میں بھی "فلا حرج" کا لفظ ہے، حالانکہ تمام علماء کا طواف سے پہلے سعی کے باطل ہونے پر اتفاق ہے، اور طواف کے بعد اس کا اعادہ لازمی ہے، لہذا نفی حرج سے نفی اثم مراد لیا جائے نہ کہ نفی اعادہ اور نفی دم مراد ہوگا۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کا کثرت سے تقدیم وتاخیر کے سلسلہ میں سوال کرنا ہی حضرات صحابہ کرامؓ کے نزدیک اس کے واجب ہونے کی دلیل ہے، اس کے جواب میں آپ ﷺ کا "فلا حرج" فرمانا ان کو تسلی دینے کے لئے تھا نہ کہ وجوب دم کی نفی کے لئے، کیونکہ حضرات صحابہ کرامؓ کی یہ شان تھی کہ غیر واجبی چیز کے بارے میں کثرت سے سوال کیا کرتے (اعلاء السنن ۱۰/۱۶۰)۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے: من قدم شيئا من حجه أو أخره فليهرق لذلك دما، وهذا سند صحيح على شرط مسلم (الجوہر النقی ۱/۳۳۷) وقال الحافظ في الدراية (ص ۲۰۸) اخرجه ابن أبي شيبة بإسناد حسن وأخرجه الطحاوي من وجه آخر أحسن منه عنه اه قلت والأحسن من الحسن لا يكون إلا صحيحا فما له لا يصححه (اعلاء السنن ۱۰/۱۵۹)۔

جس نے اپنے حج میں سے کسی چیز کو مقدم یا موخر کیا تو وہ ایک دم ادا کرے، یہ سند اور مسلم کی شرط کے مطابق صحیح حدیث ہے، اور حافظ نے درایہ میں کہا: ابن ابی شیبہ نے بہتر سند کے ساتھ اس کی تخریج کی، اور طحاوی نے اس سے بہتر ایک دوسری سند سے اس کی تخریج کی، میں کہتا ہوں: جو حدیث حسن سے بھی احسن ہو وہ صحیح ہوتی ہے، پھر کیا چیز مانع ہے کہ اس کو صحیح نہ کہا جائے۔

ابن ہمامؒ امام صاحب کی طرف سے "افعل ولا حرج" کے جواب میں اسی طرح نفی اثم وفساد مراد لیتے ہیں اور اس کو ابتدائے اسلام کے واقعات میں شمار کرتے ہیں:

وإنما عذرهم بالجهل لأن الحال كان إذ ذلك في ابتداء، وإذا احتمل كلا منهما (الترتيب مسنون أو واجب) فالاحتياط اعتبار التعيين والأخذ به واجب في مقام الاضطراب فيتم الوجه لأبي حنيفةؒ ويؤيده ما نقل عن ابن مسعودؓ من قدم نسكا على نسك فعليه دم بل هو دليل مستقل عندنا.

ابن ہمامؒ آیت کریمہ سے بھی لطیف طریقہ سے استدلال کرتے ہیں۔ وأما الاستدلال به لالة قوله تعالى "فمن كان مريضا او به اذى من رأسه ففدية. فان إيجاب الفدية للحلق قبل أوانه حالة العذر لوجب الجزاء فمع عدم العذر بطريق الأولى (فتح القدیر ۳/۶۳،۶۲)۔

ان کا عذر ناواقفیت کی وجہ سے ہے، اس لئے کہ یہ حال اس کی ابتدا میں تھا، اور جب دونوں میں سے ہر ایک (ترتیب واجب ہے یا مسنون) کا احتمال ہو تو احتیاطاً اعتبار تعیین میں ہے، اور اس کو اخذ کرنا مقام اضطراب میں واجب ہے، جس سے امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی ہی دلیل فراہم ہوتی ہے اور اسکی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن

مسعودؓ سے مروی ہے: جس نے کسی نسک کو کسی نسک پر مقدم کیا تو اس کے ذمہ ایک دم ہے بلکہ وہ ہمارے نزدیک مستقل دلیل ہے۔

اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس قول کی دلالت سے استدلال کا تعلق ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) تو جو کوئی مریض ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ روزہ، یا صدقہ یا قربانی کا فدیہ دے" تو قبل از وقت حلق کرانے کی وجہ سے فدیہ کا ایجاب عذر کی حالت ہے جس سے جزا واجب ہوتی ہے، تو عدم عذر کی صورت میں تو بدرجہ اولی واجب ہوتی ہے۔

علامہ عینیؒ "فلا حرج" کے جواب میں فرماتے ہیں:

قلت إنه متروك الظاهر لأنه لا يدل على القضاء أيضا و يجوز أن يكون السائل مفردا و تقديم الذبح على الرمي لا يوجب عليه شيئا وفي المستصفى كان هذا في ابتداء الإسلام حين لم يستقر أفعال المناسك. ولأن نفي الحرج لا يقتضي انتفاء الكفارة كما لو تطيب أو خاف من عدو (البنايہ ج۴ ص۲۹۶)۔

میں کہتا ہوں: یہ متروک الظاہر ہے، اس لئے کہ یہ قضا پر بھی دلالت نہیں کرتا، اور جائز ہے کہ سائل مفرد ہو، نیز یہ کہ رمی پر ذبح کی تقدیم کی وجہ سے کچھ واجب بھی نہیں ہوتا، اسی طرح مستصفی میں ہے، یہ ابتدائے اسلام میں تھا، جب مناسک کے افعال پوری طرح ثابت نہیں ہوئے تھے۔ اور اس لئے کہ نفی حرج انتفاء کفارہ کی مقتضی نہیں ہے جیسا کہ اگر کسی نے خوشبو استعمال کر لیا، یا دشمن سے خائف ہوا۔

حاصل یہ کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول دلائل کے اعتبار سے قوی ہے، اور حضرات صاحبینؒ، نیز دیگر ائمہ کرامؒ "فلا حرج" والی روایات کثیرہ کی بنیاد پر ترتیب کی سنیت کے قائل ہیں، ابن ہمامؒ بھی امام صاحبؒ کی دلیل نقل کرتے ہوئے صاحبینؒ کے قول کو احتمال کے درجہ میں صحیح قرار دیتے ہیں۔

آج کل اژدحام اور قربانی میں پریشانی، نیز قربان گاہ کا دور ہونا، دھوپ کا شدید ہونا، معقول شخص کا بطور نائب نہ مل سکنا، جو قربانی کر سکے، نیز قربان گاہ میں شدید اژدحام کا ہونا، حکومت کے ادارے کو خود حنبلی یا غیر مقلد ہونے کی وجہ سے ترتیب کا قائل نہ ہونا عوام کا اس مسئلے سے ناواقف ہونا (جو وجوب کی نفی نہیں کرتا) لیکن کثرت ابتلاء عمر کو یسر میں تبدیلی کا باعث ہوتا ہے) اور پریشان کن عذر واقعی کی بنا پر حضرات صاحبینؒ کے قول پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جو حضرات اس ترتیب کو قائم رکھ سکتے ہیں اور کسی مشقت شدیدہ کے بغیر اپنے کسی ایک آدمی کو وکیل بنا کر قربان گاہ وہ پہنچا سکتے ہیں ان کو ترتیب پر عمل کرنا چاہئے "فلا حرج" کے الفاظ نبوی ﷺ تو دلالت کرتے ہیں کہ افضل تو ترتیب ہی ہے۔

۹۔ حج بدل کرنے والے کا تمتع کرنا:

حج بدل کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ آمر کی مخالفت نہ کرے، شامی میں ہے:

الرابع عشر عدم المخالفة فلو أمره بالإفراد فقرن أو تمتع ولو للميت لم يقع عنه ويضمن النفقة (۳۶۰/۲) درمختار میں ہے: و دم القران أو التمتع على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا

فيصير مخالفا فيضمن ۔ علامہ شامی اس کی وجہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے مامور بہ کو ادا نہیں کیا، کیونکہ آمر نے صرف حج کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ اس کے علاوہ کا، پس اس نے آمر کے امر کی مخالفت کی، لہٰذا وہ ضامن ہے۔ اور محیط میں یہ بھی اضافہ ہے کہ عمرہ آمر کی طرف سے ادا نہ ہوگا کیونکہ اس نے عمرہ کا حکم ہی نہیں دیا، پس گویا اس نے حج تو آمر کی طرف سے کیا اور عمرہ اپنی طرف سے کیا اور یہ مخالفت ہوگی، ولو أمره بالحج فاعتمر ثم حج من مكة فهو مخالف لأنه مأمور بحج ميقاتي ولو أمره بالعمرة فاعتمر ثم حج عن نفسه لم يكن مخالفا بخلاف ما إذا حج أولا ثم اعتمر (۴/۲۹۶، ۲/۶۸۰، ۱۶۷) يصير مخالفا بالقران أو التمتع كما مر (۲/۴۹۶)

چودہویں شرط عدم مخالفت: تو اگر آمر نے افراد کا حکم دیا اور اس نے قران یا تمتع کرلیا چاہے کسی مرحوم شخص ہی کی طرف سے، یہ اس کی طرف سے نہ واقع ہوگا اور نفقہ کا ضامن ہوگا، اور قران وتمتع کا دم حاجی پر ہوگا اگر اسے آمر نے قران یا تمتع کا حکم دیا ہو ورنہ وہ مخالفت کرنے والا ہوگا، پس وہ ضامن ہوگا، اور اگر اس کو حکم دیا حج کا تو اس نے عمرہ کرلیا، پھر مکہ سے حج کرلیا تو وہ مخالفت کرنے والا ہے اس لئے کہ وہ مامور ہے حج میقاتی کا، اور اگر اسے عمرہ کا حکم دیا تو اس نے عمرہ کیا پھر اپنی طرف سے حج کیا تو وہ مخالفت کرنے والا نہ ہوگا، برخلاف اس کے جب وہ پہلے حج کرے پھر عمرہ کرے، تو وہ قران یا تمتع کی وجہ سے مخالفت کرنے والا ہوگا، جیسا کہ گذر چکا۔

فقہائے کرام کی عبارات کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ قران وتمتع یا عدم جواز مخالفت آمر کی بنیاد پر ہے۔ اور فقہی عبارات میں اگرچہ قران کا ہی ذکر ہے تمتع کا ذکر نہیں ہے لیکن علت چونکہ ایک ہی ہے (یعنی عدم مخالفت) لہٰذا بعض فقہاء نے دونوں کو یکساں شمار کیا ہے، البتہ اکثر فقہائے کرام نے صرف قران کا جواز ثابت کیا ہے۔ اور تمتع کو اجازت کے باوجود ناجائز قرار دیا ہے، اس سلسلہ میں قاضی خاں کی ایک عبارت پر فقہائے کرام میں کافی بحث ہوچکی ہے۔ قاضی خاں کی عبارت یہ ہے:

وقال الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضلؒ إذا أمر غيره بأن يحج عنه ينبغي أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول حج عني بهذا المال كيف شئت حجة وإن شئت حجة وعمرة وإن شئت قرانا والباقي من المال مني لك وصية كي لا يضيق الأمر على الحاج ولا يجب عليه رد ما فضل إلى الورثة.

شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضل نے فرمایا: جب کسی اور نے اس کو اپنی طرف سے حج کرنے کا حکم دیا تو چاہئے کہ معاملہ مامور کے سپرد کردیا جائے تو وہ کہے میری طرف سے اس مال سے تم جس طرح چاہو ایک حج یا اگر چاہو تو ایک حج اور عمرہ کرلو اور اگر چاہو تو قران، اور باقی مال میری طرف سے تمہارے لئے وصیت ہے، تاکہ حاجی کو دشواری پیش نہ آئے اور جو کچھ بچ رہ جائے وہ ورثہ کی طرف اس کو لوٹانا نہ پڑے۔

عبارت کے ظاہر سے حج کی تینوں اقسام کا جواز معلوم ہوتا ہے بلکہ آپ نے آمر کو ہدایت فرمائی کہ ایک

مامور کو عام اجازت دے دے تاکہ اس کو اعمال حج میں تنگی و دشواری پیش نہ آئے۔

اور نیابت خود دلالت کرتی ہے کہ جو امور آمر کے لئے جائز ہوں وہ مامور کے لئے بھی جائز ہونے چاہئیں بصرف قران کا باذن آمر جائز ہونا اور تمتع کا جائز نہ ہونا اس کی کوئی فقہی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

مانحن میں شامی کی عبارت سے تمتع و قران کا جو فرق معلوم ہوتا ہے کہ قران میں حج و عمرہ دونوں آمر کی میقات سے ہوتے ہیں اور تمتع میں حج آمر کی میقات سے ادا نہیں ہوتا، لیکن اس میں بھی جب علت مخالفت آمر معلوم ہوتی ہے تو اب اجازت سے وہ علت بھی باقی نہیں رہے گی۔

لیکن کتب فقہ میں باذن آمر تمتع کے جواز کی صریح عبارات مذکور نہیں ہیں لہذا فقہائے کرام نے تمتع کے عدم جواز ہی کو ذکر کیا ہے لیکن اس زمانہ میں حج و عمرہ میں حکومتوں کی پابندیوں، اور طول احرام کے باعث اگر کسی پر احرام طویل میں واجبات احرام کی پابندی مشکل نظر آئے یا ایام حج کے بالکل قریب سفر کرنے سے کوئی عذر مانع ہو تو اس کے لئے تمتع کر لینے کی بھی اجازت ہے۔

(ب) آمر کی صریح اجازت کے بغیر حج تمتع نہیں کر سکتا ہے، البتہ آمر چونکہ اکثر جاہل ہوتے ہیں ان کو اس سلسلہ کا کوئی علم نہیں ہوتا ہے نہ وہ اقسام حج کا علم رکھتے ہیں نہ فرق جانتے ہیں اگر ان کو فرق سمجھایا جاوے اور اس کی دشواریوں کا پتہ چل جائے تو ضرور وہ تمتع کی صراحت کریں گے لہذا کچھ فقہائے عصر نے عرفاً آمر کی طرف سے تمتع و قران ودم شکر کا اذن ثابت سمجھا ہے، اور وہ صراحۃً اذن کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں، پھر بھی صراحۃً اذن حاصل کر لینا بہتر ہے۔

(د) کتب فقہیہ کی صراحت کے اعتبار سے مامور نے افراد کے بجائے تمتع کیا تو آمر کی مخالفت کی صورت میں ضمان واجب ہوتا ہے اور حج مامور کا ہوگا، اسی طرح اگر قران کر لیا تو بھی مخالف ہوگا اور ضمان دینا ہوگا، البتہ قران آمر کی اجازت سے کرنا جائز ہے، لیکن دم قران اپنے پاس سے دینا ہوگا آمر کے روپے سے دینا جائز نہیں، اور تمتع کرنا اجازت سے بھی جائز نہیں اگر اجازت سے تمتع کرے گا تو مامور پر کوئی ضمان واجب نہ ہوگا لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔

لیکن جیسا کہ ماتحن میں تمتع کی گنجائش کا ذکر کیا گیا اس اعتبار سے تمتع باذن الآمر کی صورت میں دم تمتع حج بدل کرنے والے کے مال سے لازم ہوگا، شامی میں درمختار کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے: ودم القران والتمتع والجناية على الحاج" إن أذن له، الآمر بالقران والتمتع والا فيصير مخالفا فيضمن . قوله على الحاج اى المامور اما الأول فلأنه وجب شكرا على الجمع بين النسكين و حقيقة الفعل منه وإن كان الحج يقع عن الآمر لأنه وقوع شرعي لا حقيقي وأما الثانى فباعتبار أنه تعلق بجنايته أفاده فى البحر (شامی ۲/ ۲۶۸)۔

اور دم قران و تمتع اور جنایت حاجی کے ذمہ ہے، اگر آمر نے اس کو قران اور تمتع کا حکم دیا ہو، ورنہ وہ مخالفت کرنے والا ہوگا، پس ضامن ہوگا، ان کے قول حاجی کے ذمہ کا مفہوم مامور ہے، جہاں تک پہلے کا تعلق ہے تو اس وجہ سے کہ وہ شکرانہ واجب ہوا، دو نسک کے درمیان جمع کرنے کی وجہ سے، اور حقیقۃً فعل تو اسی کی طرف سے ہے، اگرچہ حج

آمر کی طرف سے واقع ہو رہا ہے، اس لئے کہ وقوع شرعی وقوع حقیقی نہیں، رہا دوسرا تو اس اعتبار سے ہے کہ وہ اس کی جنایت سے متعلق ہے۔

باذن الامر کی صورت میں علامہ شامی کے قول کے اعتبار سے تو ماموری پر دم آئے گا۔

کنز الدقائق میں ہے: ودم الاحصار علی الآمر و دم القران و دم الجناية على المأمور ۔علامہ زیلعی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: والمأمور هو المختص بهذه النعمة لأن حقيقة الفعل عنه. أما إذا فعل بغير إذن فقد صار مخالفا فيضمن النفقة (تبیین الحقائق ۸۶/۲)۔

دم احصار آمر کے ذمہ ہے، اور دم قران اور دم جنایت مامور کے ذمہ ہے، اور مامور اس نعمت کے ساتھ مختص ہے، اس لیے کہ حقیقۃً فعل اسی کی طرف سے ہے۔ رہا اس وقت کا معاملہ جب اس نے بغیر اجازت کیا تو وہ مخالفت کرنے والا ہوا، پس وہ نفقہ کا ضامن ہوگا۔

بدون اذن الآمر تو فقہاء کے قول کے مطابق حج کرنا ہی صحیح نہیں ہے اس صورت میں تو نفقہ کا ذمہ دار ہوگا،

(وإلا فيصير مخالفا فيضمن) هذا القول أبي حنيفة و وجهه أنه لم يأت بالمأمور به لأنه أمره بسفر يصرفه إلى الحج لا غير فقد خالف أمر الآمر فتضمن (بدائع) زاد في المحيط لأن العمرة لاتقع عن الآمر لأنه ما أمره بها فصار كأنه حج عنه واعتمر لنفسه فيصير مخالفا (شامی ۲۶۷/۲)۔

یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے مامور بہ کو انجام نہیں دیا، اس لئے کہ آمر نے اس کو ایسے سفر کا حکم دیا تھا جو اسے صرف حج کی طرف پھیرتا ہو تو اس نے آمر کی مخالفت کی، لہذا وہ ضامن ہوگا، محیط میں اضافہ ہے: اس لئے کہ عمرہ آمر کی طرف سے واقع نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ اس نے اس کو اس کا حکم نہیں دیا ہے، تو ایسا ہی ہوا گویا اس نے اس کی طرف سے حج کیا اور اپنے لئے عمرہ کیا تو وہ مخالفت کرنے والا ہوگا۔

لہذا اس صورت میں تو بدرجہ اولیٰ مامور کے مال سے ہی دم تمتع لازم ہوگا۔

(ھ) اس دشواری کا حل یہی ہے کہ آمر کی اجازت سے تمتع کی گنجائش دی جائے۔

(و) حج عن المیت کی صورت میں تفصیل یہ ہے کہ جس پر حج فرض ہوا اگر اس نے مرتے وقت وصیت کی ہو کہ میری طرف سے حج تمتع کرانا تو ایسی صورت میں حج تمتع کرنے سے آمر کی جانب سے حج ہو جائے گا۔

ورثاء کی اجازت سے تمتع کرنے کی صورت میں مامور کیلئے روپیہ واپس کرنا لازم نہیں ہے، لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا اور اگر میت نے باوجود حج فرض ہونے کے وصیت نہیں کی ہے، اور اس کی طرف سے اس کے بیٹے وغیرہ بطور احسان کے خود یا کسی دوسرے کو بھیج رہے ہیں تو اب تمتع، قران وغیرہ حج کرا سکتے ہیں، اب اجازت وعدم اجازت کی کوئی شرط نہیں لازم ہوگی، بلکہ اور بھی بہت سی وہ شرطیں لازم نہیں ہوں گی جو آمر کی طرف سے بھیجنے کی شکل میں لازم ہوتی ہیں۔

اور اگر والدین یا کسی میت پر حج فرض نہیں تھا اور بیٹا صاحب حیثیت ہونے کی وجہ سے خود یا کسی کو بھیج رہا ہے تو اس کو حج بدل تو نہیں کہیں گے، کیونکہ خود ان پر حج فرض نہ تھا، لیکن ایصال ثواب کے لئے ایسا کرنا مستحب ہے،

اس صورت میں بھی بیٹا تمتع وغیرہ کوئی بھی حج کی نیت سے بھیج سکتا ہے، اس شکل میں بھی حج بدل کی تمام (یعنی بیسوں) شرطوں کا لحاظ ضروری نہیں ہے، مکہ مکرمہ سے بھی یہ حج کرا سکتے ہیں اور تمتع کی بھی گنجائش ہے۔

۱۰۔ ہمارے نزدیک (یعنی احناف) طہارت جواز طواف کے لئے شرط نہیں ہے، اور نہ فرض ہے، بلکہ واجب ہے، مولانا بنوریؒ معارف السنن میں فرماتے ہیں: قال شیخنا وقد أفتی الحافظ ابن تیمیة للمرأة التی لا تستطیع البقاء بعد الحج ولم تطف للإفاضة بأنها تطوف طواف الإفاضة فی حال طمثها و تهرق الدم و تحل علی مذهب أبی حنیفة۔

ہمارے شیخ نے فرمایا: اور حافظ ابن تیمیہؒ نے اس عورت کے حق میں فتویٰ دیا ہے جو حج کے بعد نہ ٹھہر سکتی ہو اور طواف افاضہ نہ کر سکتی ہو کہ وہ حالت حیض میں طواف افاضہ کرلے اور دم ادا کردے، اور امام ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق حلال ہو جائے۔

مولانا بنوریؒ (۲۲۵/۲۶) فتاویٰ ابن تیمیہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں خلاصہ: إن من حاضت قبل طواف الإفاضة فعلیها أن تحتبس حتی تطهر و تطوف إذا أمکن ذلک، هذا إذا کانت الطرق آمنة والبقاء متیسر من جهة الأمر والقافلة ثم ذکر و اما هذه الاوقات فکثیر من النساء لا یمکنهن الإحتباس لوجوه فهذه المسئلة عمت بها البلوی فهذه تطوف وهی حائض و تجبر بدم أو بدنة علی مذهب أبی حنیفةؒ وأحمد فی إحدی الروایتین عنه إلی آخر ماقال (معارف السنن ۵۹۲/۶، فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۶/۲۵-۲۲۴)۔

جو طواف افاضہ سے پہلے حائضہ ہو جائے تو اس پر ضروری ہے کہ طاہرہ ہونے اور طواف کرنے تک ٹھہرے اگر ممکن ہو تو، یہ اس وقت ہے جب راستے پر امن ہوں اور آمر و قافلہ کی طرف سے ٹھہرنا آسان ہو، پھر انہوں نے ان اوقات کا ذکر کیا ہے، چنانچہ بہت سی عورتیں کئی وجوہ سے نہیں ٹھہر سکتی ہیں، تو یہ مسئلہ عموم بلوی سے تعلق رکھتا ہے تو وہ حالت حیض میں طواف کرے گی اور امام ابوحنیفہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کے مسلک کے مطابق ایک دم یا بدنہ دے گی۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: فأما الطهارة عن الحدث والجنابة والحیض والنفاس فلیست بشرط لجواز الطواف ولیست بفرض عندنا بل واجبة حتی یجوز الطواف بدونها (۱۲۹/۲) وقد روی عن ابن عباسؓ أنه قال البدنة تجب فی الحج فی موضعین أحدهما إذا طاف جنبا والثانی إذا جامع بعد الوقوف وإذا لم تکن الطهارة من شرائط الجواز فإذا طاف وهو محدث أو جنب وقع موقعه حتی لو جامع بعده لا یلزمه شیء لأن الوطی لم یصادف الإحرام لحصول التحلل بالطواف، هذا إذا طاف بعد أن حلق أو قصر ثم جامع (بدائع ۱۲۹/۲)۔

جہاں تک طہارت عن الحدث اور جنابت اور حیض و نفاس کا تعلق ہے تو وہ جواز طواف کے لئے شرط نہیں

ہے اور نہ ہمارے نزدیک فرض ہے حتی کہ اس کے بغیر جائز ہے۔ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: حج میں دو موقعوں پر بدنہ واجب ہوتا ہے، ایک اس وقت جب حالت جنابت میں طواف کرلیا ہو، دوسرے اس وقت جب وقوف کے بعد جماع کرلیا ہو، اور جب طہارت شرائط جواز میں سے نہیں ہے تو اگر اس نے حالت جنابت یا حدث میں طواف کرلیا تو وہ اپنے محل میں واقع ہوا، یہاں تک کہ اگر اس کے بعد جماع کرلیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے، اس لئے کہ وہ احرام سے مصادف نہیں ہوئی طواف سے تحلل کے حصول کی وجہ سے، یہ اس صورت میں ہے جب حلق، یا قصر کے بعد طواف کیا ہو، پھر جماع کیا ہو۔

مذکورہ عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ احناف کے یہاں طہارت فرض نہیں ہے، لہذا:

(الف) انتہائی مجبوری کی حالت میں (سوال میں مذکور مجبوریوں کے علاوہ بھی) جب ایام حیض کے ختم ہونے تک قیام مشکل ہو تو بدرجہ مجبوری ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرنے کی گنجائش ہے۔

(ب) رکن ادا ہو گیا لیکن دم (بدنہ) واجب ہوگا، عند الاحناف احکام شرعیہ اپنی ممانعت کے باوجود مشروعیت کا تقاضا کرتے ہیں۔

لہذا بقول علامہ کشمیری اور علامہ ابن تیمیہؒ نیز صاحب بدائع کے تفریعی جزئیات کے بموجب رکن ادا ہو جائے گا لیکن بقول ابن عباس بدنہ واجب ہوگا۔

(ج) بکرا کافی نہ ہوگا بلکہ بدنہ واجب ہوگا، کیونکہ طواف زیارت فرض ہے، لہذا اس کو بے وضو کیا تو بکرا اور ناپاکی (جنابت وحیض ونفاس) کی حالت میں کیا تو بدنہ واجب ہوگا، علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

غیر أنه إن كان محدثا فعليه شاة وإن كان جنبا فعليه بدنة لأن الحدث يوجب نقصانا يسيرا فتكفيه الشاة لجبره كما لو ترك شوطا وأما الجنابة فإنها توجب نقصانا متفاحشا لأنها أكبر الحدثين فيجب لها أعظم الجابرين وقد روي عن ابن عباسؓ أنه قال البدنة تجب في الحج في موضعين أحدهما إذا طاف جنبا والثاني إذا جامع بعد الوقوف (بدائع ۲/۱۲۹)۔

ہاں مگر یہ کہ محدث ہو تو اس کے ذمہ ایک بکری ہے اور اگر جنبی ہو تو بدنہ، اس لئے کہ حدث معمولی نقصان کا موجب ہے، تو اس کی تلافی کیلئے بکری کافی ہے، جیسا کہ ایک شوط چھوڑ دینے کی صورت میں ہے، جہاں تک جنابت کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک نقصان متفاحش کا موجب ہے اس لئے کہ وہ اکبر الحدثین ہے تو اس کے لئے اعظم الجابرین واجب ہوگا۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا بدنہ حج میں دو موقعوں پر واجب ہوتا ہے، ایک اس صورت میں جب حالت جنابت میں اس نے طواف کیا ہو، دوسرے اس صورت میں جب وقوف کے بعد جماع کیا ہو۔

(د) جتنے مسائل میں دم واجب ہونے کا ذکر ہے، ان سب میں ضروری ہے کہ جانور حدود حرم کے اندر ذبح کیا جائے۔ حرم سے باہر ذبح کرنا کافی نہیں، اور ذبح شدہ جانور کا صدقہ کرنا لازم ہے، اس میں خود کھانا، یا اغنیاء کو کھلانا جائز نہیں، دم جنایت کی قیمت دینا جائز نہیں، جانور کی قربانی حرم میں کرنا واجب ہے، البتہ جہاں دم اور

اطعام میں اختیار دیا ہے اس میں دم کی قیمت ادا کرنے سے ادائیگی ہو جائے گی، اگر مفلسی کے سبب دم، یا صدقہ میسر نہ ہو تو یہ کفارہ اس کے ذمہ واجب رہتا ہے، جب میسر ہو ادا کرے، یہ حکم بلا عذر کی شکل میں ہے، اور اس کو روزہ رکھنے کا اختیار نہیں ہے، بلکہ کفارہ ہمیشہ باقی رہے گا، لیکن اگر عذر سے جنایت کا ارتکاب کیا ہے تو دم اور صدقہ کے بجائے تین روزے بھی کافی ہیں۔ (احکام حج ص۱۰۵ بحوالہ زبدۃ) جزاء جنایات اور کفارات کا فوراً ادا کرنا واجب نہیں ہے، مگر افضل ہے کہ جلد ادا کرے، مرنے سے پہلے ادا نہ کرسکا تو وصیت کرنا واجب ہے (معلم الحجاج ۲۱۹، احکام الحج بحوالہ زبدہ ص۱۰۸، اور دیکھئے بدائع ۲/۲۲۳)۔

۱۱۔ عورت کے لئے وجوب حج کے شرائط مردوں سے دو اعتبار سے مخالف ہیں (۱) محرم کا ہونا (۲) عدت کا نہ ہونا، علامہ کاسانی بدائع میں تحریر فرماتے ہیں: وإذا خرج مع امرأته مسافرا فطلقها في بعض الطريق أو مات عنها فإن كان بينها وبين مصرها الذي خرجت منه أقل من ثلاثة أيام و بينها و بين مقصدها ثلاثة أيام فصاعدا رجعت إلى مصرها لأنها لو مضت لاحتاجت إلى إنشاء سفر وهي معتدة ولو رجعت ما احتاجت إلى ذلك فكان الرجوع أولى وإن كان بينها و بين مصرها ثلاثة أيام فصاعدا وبينها و بين مقصدها أقل من ثلاثة أيام فإنها تمضي لأنه ليس في المضي إنشاء سفر وفي الرجوع إنشاء سفر و المعتدة ممنوعة عن السفر (۲/۲۵۷)

اور جب اپنی بیوی کے ساتھ سفر کرتا ہوا نکلا، پھر اس نے راستہ میں اسے طلاق دے دی، یا اس کو چھوڑ کر مر گیا تو اگر اس عورت کے درمیان اور اس شہر کے درمیان جہاں سے وہ نکلی ہے تین دنوں سے کم مدت کی مسافت ہے اور اس کے درمیان اور اس کی منزل کے درمیان تین یا اس سے زائد دنوں کی دوری ہے تو وہ اپنے شہر واپس آ جائے گی، اس لئے کہ اگر جانے کو جاری رکھے گی تو وہ نئے سفر کے آغاز کی محتاج ہوگی جبکہ وہ معتدہ ہے، اور گھر واپس آ جائے گی تو اسے اس کی ضرورت پیش نہ آئے گی، لہذا رجوع ہی اولی ہے، اور اگر اس کے درمیان اور اس کے شہر کے درمیان تین دنوں سے زائد کی مدت کی مسافت ہے اور اس کے درمیان اور اس کے منزل کے درمیان تین دنوں سے کم مدت کی مسافت ہے تو وہ سفر جاری رکھے گی، اس لئے کہ سفر جاری رکھنے میں انشائے سفر نہیں ہے اور رجوع میں انشائے سفر ہے اور معتدہ کو سفر سے روکا گیا ہے۔

اگر شوہر نے سفر میں طلاق بائن دی یا اس کی موت واقع ہو گئی تو جس طرف مدت سفر کم ہو ادھر جائے جس طرف مدت زیادہ ہو ادھر نہ جائے، کیونکہ عدت میں سفر سے اس کو روکا گیا ہے اور یہ انشاء سفر کے حکم میں ہوگا۔ اگر ایک طرف مدت سفر کی مسافت سے کم ہے تو عورت اسی طرف لوٹ جائے جدھر مدت کم ہو، امام صاحب کی یہ روایت ہے کہ اگر دونوں کے درمیان میں مدت سفر کی مسافت ہے اور شہر میں ہے تو اس کو اسی شہر میں عدت گذارنا چاہئے۔ چاہے محرم بھی ساتھ میں موجود ہو، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر محرم موجود ہو تو عدت ختم کرنے سے پہلے بھی اس کو شہر سے نکلنا جائز ہے۔

اور اگر کسی گاؤں یا جنگل میں عدت لازم ہوگئی اور وہاں جان و مال کا خطرہ ہے تو اس جگہ سے کسی ایسے گاؤں یا شہر میں جانا کہ جہاں امن ہو جائز ہے، لیکن امام صاحبؒ کے نزدیک پھر اس جگہ سے بلا عدت ختم کیے جانا جائز نہیں ہے اگرچہ محرم بھی موجود ہو اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر محرم موجود ہو تو جا سکتا ہے (بدائع ۳/۲۰۰)۔

عورت کے لئے محرم ہی کی طرح عدت سے فراغت بھی وجوب حج کے شرائط میں سے ہے، اسی لئے امام صاحب محرم کی موجودگی میں بھی عدت اسی شہر میں ختم کرنے کا حکم فرماتے ہیں، لیکن آج کل احوال بدل گئے ہیں، حکومت کے قانون پھر عورت کا تنہا سفر کرنا وغیرہ بے شمار پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، لہٰذا جب وہ مکہ مکرمہ پہنچ گئی ہے تو بہتر یہی ہے کہ حج ادا کرے ویسے بھی ہمارے یہاں بغیر محرم و عدت میں حج ادا کرنے والی عورت عام احوال میں سخت گنہگار ہوتی ہے لیکن اس کا حج ادا ہو جاتا ہے، یہ اجازت نہیں بلکہ مجبوری کی وجہ سے گنجائش (علی اصول مذہب الامام) ہے۔

۱۴۔ منیٰ کے سلسلہ میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: (واذا نوى المسافر ان يقيم بمكة ومنى خمسة عشر يوما لم يتم الصلوة) لأن اعتبار النية في موضعين يقتضي اعتبارها في مواضع وهو ممتنع لأن السفر لا يعرى عنه إلا إذا نوى المسافر ان يقيم بالليل في أحدهما فيصير مقيما بدخوله فيه لأن إقامة المرأ مضافة إلى مبيته (ہدایہ مع فتح القدیر ۲/۳۳)

اور جب مسافر یہ نیت کرے کہ مکہ اور منیٰ میں پندرہ دن ٹھہرے گا تو اتمام صلوٰۃ نہ کرے گا، اس لئے کہ دو مقامات پر نیت کا اعتبار کئی مقامات میں اس کے اعتبار کا مقتضی ہے، اور یہ ممنوع ہے، اس لئے کہ سفر اس سے خالی نہیں ہوتا۔ ہاں اگر مسافر یہ نیت کرے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک مقام پر رات میں قیام کرے گا تو اس میں داخل ہونے سے وہ مقیم ہو جائے گا۔ اس لئے کہ آدمی کی اقامت اس کے رات گزارنے کی جگہ میں شامل کی جاتی ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ صلوٰۃ الجمعہ کے سلسلہ میں شیخینؒ اور امام محمدؒ کے اختلاف کو ذکر کرتے ہوئے شیخین کی دلیل: ولهما أنها تتمصر في أيام الموسم "پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے منیٰ کے عارضی مصر ہونے کی دلیل ذکر کی ہے۔ یہ نہیں کہا کہ منیٰ مکہ کے فناء میں سے ہے "دون التعليل بأن منى من فناء مكة لأنه فاسد لأن بينهما فرسخين وتقدير الفناء بذلك غير صحيح.

وہ ایام حج میں مصر کے حکم میں ہو جاتا ہے، بغیر اس علت کے کہ منیٰ مکہ کی مسلمہ آبادیوں میں سے ہے اور یہ غلط ہے، کیونکہ مکہ اور منیٰ کے درمیان دو فرسخ کا فاصلہ ہے، اور اس طرح مسلمہ آبادی کو متعین کرنا درست نہیں ہے۔

نیز امام محمدؒ کی عبارت جو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے اس کو بھی ابن ہمام نے ذکر کرتے ہوئے دونوں کو الگ مقام قرار دیا ہے: معلوم اعتبارهما شرعا موضعين۔ (فتح القدیر ۲/۵۲، تبیین الحقائق ۲۲۰، بدائع ۱/۹۸، بنایہ عینی ۳/۵۲، ۳۷، ۳۶)۔

لہٰذا اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دونوں شرعاً دو الگ الگ مقامات ہیں۔

کچھ حضرات نے منیٰ میں جواز جمعہ پر دلیل قائم کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ (جس کو اگرچہ محققین: ابن

امام محمد صاحب ہدایہ نے رد کیا ہے) کہ شیخین کے نزدیک منیٰ مکہ مکرمہ کے توابع میں سے ہے: وقال بعض مشائخنا إن الخلاف بين أصحابنا في هذا بناء على أن المنى من توابع مكة عندهما و عند محمد ليس من توابعها و هذا غير سديد لأن بينهما أربعة فراسخ و هذا قول بعض الناس في تقدير التوابع فأما عندنا فبخلافه على مامر

اور ہمارے بعض مشائخ کا کہنا ہے کہ ہمارے اصحاب کے درمیان اس بنیاد پر اختلاف ہے کہ منیٰ شیخین کے نزدیک مکہ کے توابع میں سے ہے اور امام محمد کے نزدیک توابع مکہ میں سے نہیں ہے، اور یہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان چار فرسخوں کی مسافت ہے، یہ توابع کی تقدیر میں بعض لوگوں کا قول ہے، ہمارے نزدیک اس کے خلاف معاملہ ہے جیسا کہ گزر چکا۔

اصل وجہ یہ ہے کہ شیخین کے نزدیک منیٰ ایام حج میں شہر کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، جبکہ عرفات کی یہ حیثیت نہیں ہے، امام محمد تحدید کے وجوب کے سقوط کو دلیل بناتے ہیں، والصحيح ان الخلاف فيه بناء على أن المصر الجامع شرط عندنا إلا أن محمدا يقول إن المنى ليس بمصر جامع بل هي قرية فلا تجوز الجمعة بها كما لا تجوز بعرفات (بدائع ۱/۲۶۰)۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ اس امر میں اختلاف اس بنیاد پر ہے کہ مصر جامع ہمارے یہاں قیام جمعہ کے لئے شرط ہے، البتہ امام محمد کہتے ہیں کہ منیٰ مصر جامع نہیں ہے بلکہ صرف ایک قریہ ہے، لہذا اس میں جمعہ جائز نہیں ہوگا، جس طرح عرفات میں جائز نہیں ہے۔

فقہائے متقدمین کی عبارات کا حاصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے منیٰ میں اقامت کو اقامت مکہ مکرمہ شمار نہیں کیا، بلکہ اس کو مستقل مکان شمار کرتے ہوئے دونوں کی اقامت کے پندرہ روز کو اقامت شرعی نہیں سمجھا ہے، بلکہ اس کو مسافرت ہی سمجھا ہے، البتہ اس میں جمعہ کے صحیح ہونے کے سلسلے میں بعض فقہائے کرام نے (ما قبل میں) (بدائع کا حوالہ گزر چکا ہے) منیٰ کو فنائے مکہ میں شمار کیا ہے علامہ عینی فرماتے ہیں: ولأن منى من أفنية مكة و توابعها لأنها في الحرم و توابع الشئ يقوم مقام ذلك الشئ و أما عرفات فإنها من الحل وليست من فناء مكة و بينها و بين مكة أربعة فراسخ (۳/۵۵)۔

اور اس لئے کہ منیٰ مکہ کی مسلّم آبادیوں اور اس کے توابع میں سے ہے، اس لئے کہ وہ حرم میں ہے، اور کسی چیز کے توابع اصل چیز کے قائم مقام ہوتے ہیں، جہاں تک عرفات کا تعلق ہے تو وہ حل میں سے ہے، اور وہ مکہ کے فناء میں سے نہیں ہے، اس کے درمیان اور مکہ کے درمیان چار فرسخوں کی مسافت ہے۔

اگرچہ علامہ عینی نے صاحب ہدایہ کی دو جگہ کو مقام اقامت ٹھہرانے والی عبارت میں مکہ مکرمہ اور منیٰ کو علیحدہ علیحدہ مقامات شمار کیا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ فقہاء کرام نے منیٰ کو فنائے مکہ میں سے شمار نہیں کیا ہے، لیکن سب کے نزدیک علت اس کا

فا نے مکہ میں سے نہ ہوتا تھا، اب جبکہ مکہ مکرمہ کی آبادی اور منیٰ کی آبادی متصل ہو گئی ہے تو وہ علت نہیں رہی جس کی بنیاد پر
دونوں علیحدہ موضع سمجھے گئے تھے لہذا اب دونوں کو ایک موضع سمجھتے ہوئے اقامت سفر میں دونوں کو شمار کیا جانا چاہیے۔

پھر بھی اس سلسلہ میں سعودی حکام، یا وہاں کے منتظمین حضرات سے اس کی تحقیق کرلی جائے کہ وہاں کے
بلدیہ کے اعتبار سے دونوں کا حکم کیا ہے، کیونکہ بظاہر ابھی بھی دونوں کے درمیان کچھ فاصلہ ضرور نظر آتا ہے، لیکن اب
تو ترقیہ کے طور پر بھی لوگ دور دور تک مکانات بناتے ہیں اور ایک ہی شہر اپنے رقبہ کے اعتبار سے دور تک پھیلا ہوا ہوتا
ہے لہذا اس سلسلہ میں مسئلہ کا مدار وہاں کے ذمہ داروں سے تحقیق پر منحصر رہے گا۔

۱۳۔ وتر کی نماز کا مسئلہ:

درمختار میں ہے: و مخالف کشافعی لکن فی وتر البحر إن تیقن المراعاة لم یکره أو
عدمها لم یصح وإن شک کره، علامہ شامی "لکن فی وتر البحر" کے تحت فرماتے ہیں: هذا هو
المعتبر لأن المحققین جنحوا إلیه و قواعد المذهب شاهدة علیه و قال کثیر من المشائخ إن
کان عادته مراعاة مواضع الخلاف فجاز وإلا فلا. ذکره السندی المتقدم ذکره. قلت وهذا بناء
علی أن العبرة لرأی المقتدی وهو الأصح و قیل لرأی الإمام وعلیه جماعة.

اگر اسے مراعات کا تیقن ہو تو مکروہ نہیں، یا عدم مراعات کا تیقن ہو تو درست نہیں، اور اگر شک ہو تو مکروہ ہے۔ یہی
معتبر ہے اس لئے کہ محققین اسی کی طرف مائل ہیں اور مذہب کے اصول اس پر شاہد ہیں اور بہت سے مشائخ کا کہنا ہے کہ اگر اس
کی عادت مواضع اختلاف کی رعایت کرنا ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ سندی نے اسے بیان کیا ہے، میں کہتا ہوں: یہ اس بنا پر ہے
کہ اعتبار مقتدی کی رائے کا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے اور کہا گیا ہے کہ اعتبار امام کی رائے کا ہے اور یہ ایک جماعت کا مذہب ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اگر وہ نماز کے فرائض و شرائط و ارکان کی رعایت کرتا ہے تو اس کے پیچھے اقتداء کرنا صحیح ہے
چاہے وہ واجبات و سنن کی رعایت نہ کرتا ہو (کما ظهر من سیاق کلام البحر) علامہ شامی حلبیہ کے حوالے سے اسی طرح
ذکر کرتے ہیں: فیجوز مالم یعلم منه ما یفسد الصلوة علی اعتقاد المقتدی علیه الإجماع إنما اختلف الکراهة۔

تو جائز ہے جب تک کوئی ایسی چیز نہ جانی جائے جو مقتدی کے اعتقاد کے مطابق مفسد صلاۃ ہو، اس پر
اجماع ہے، اختلاف تو کراہت میں ہے۔

علامہ بیری نے اگرچہ انفراد کو افضل کہا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ مسلک غیر والا امام اپنی نماز
میں ایسے کام کرے گا جس کا اعادہ ہمارے نزدیک واجب ہوگا یا مستحب ہوگا۔ لیکن ان کے علاوہ نے اس کو رد کیا ہے،
شوافع کے نزدیک بھی غیر کی اقتداء ان شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔

وإن الانفراد أفضل لو لم یدرک إمام مذهبه (۳۱/۱)۔

اور انفراد افضل ہے، اگر اپنے مسلک کے امام کو نہ پائے۔

شیخ مسندی شاگرد ابن ہمام بھی فرماتے ہیں: الاحتیاط فی عدم الاقتداء به ولو مراعیا۔

اور احتیاط اس کی اقتداء نہ کرنے میں ہے، اگرچہ وہ رعایت کرنے والا ہو۔

علامہ شامیؒ آخری فیصلہ کی بات بیان فرماتے ہیں کہ میرا دل اس طرف مائل ہے اگر وہ فرائض کی رعایت کرتا ہے تو اس کی اقتداء مکروہ نہیں ہے: لأن كثيرا من الصحابة والتابعين كانوا أئمة مجتهدين وهم يصلون خلف إمام واحد مع تباين مذاهبهم (۱/۳۱۷)۔

اس لئے کہ بہت سے صحابہ اور تابعین ائمہ مجتہدین تھے، اور وہ اختلاف مسالک کے باوجود ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

در مختار میں وتر کے بیان میں ہے کہ وتر میں اقتداء صحیح ہے۔ (اس کے علاوہ میں بدرجہ اولیٰ صحیح ہے) جب تک مقتدی کے اعتقاد کے مطابق فساد ظاہر نہ ہو، البتہ آگے عبارت میں ہے (بشافعیؒ) مثلا (لم يفصله بسلام لا إن فصله (على الأصح) فيهما للاتحاد وإن اختلف الاعتقاد (۱/۴۹۳)۔

مثلاً کسی (شافعی) کی اقتداء (جس نے سلام سے فصل نہ کیا ہو) اس لئے کہ اس کا فعل (زیادہ صحیح قول کے مطابق) ان دونوں میں اتحاد کیلئے ہے، اگرچہ اعتقاد مختلف ہو۔

یعنی اگر سلام سے فصل کرتا ہے تو اقتداء صحیح نہیں ہے۔

وفي اشتراط عدم فصله خلافا لما في الإرشاد من أنه لا يجوز أصلا بإجماع أصحابنا لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل وخلافا لما قاله الرازي من أنه يصح وإن فصله ويصلي معه بقية الوتر لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده وهو مجتهد فيه (۱/۴۹۳)۔

اور اس کے عدم فصل کے اشتراط کی صورت میں، برخلاف اس کے جو ارشاد میں ہے: یعنی یہ کہ اصلاً ہی جائز نہیں ہمارے اصحاب کے اتفاق سے، اس لئے کہ یہاں اقتداء مفترض خلف المتنفل ہے، اور برخلاف رازی کے قول کے یعنی یہ کہ صحیح ہے اگرچہ اس نے فصل کیا ہو اور اس کے ساتھ بقیہ وتر پڑھ بھی ہو، اس لئے کہ اس کے نزدیک اس کے امام نے خروج بالسلام نہیں کیا اور یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔

حاصل کلام یہ کہ فصل سلام کی صورت میں ائمہ احناف میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک پھر بھی اقتداء صحیح ہے اور بعض کے نزدیک اقتداء مفترض بالمتنفل نیز سلام کا قاطع صلوۃ ہونا (مقتدی کے اعتقاد میں) ان علتوں کی وجہ سے اقتداء صحیح نہیں ہے، اس شکل میں اب اگر حرم شریف کے کسی حصہ میں حنفیوں کی علیحدہ جماعت کا امکان ہو اور حکومتی رکاوٹ نہ آتی ہو تو افضل یہ ہے کہ علیحدہ جماعت سے وتر پڑھی جائے ورنہ حرم شریف کے احترام اور ثواب کو مدنظر رکھتے ہوئے بہتر یہ ہے کہ امام حرم کے پیچھے ہی نماز پڑھے۔ لیکن یہ صرف حرم محترم کے ساتھ مشروط رکھا جائے دوسری جگہوں میں انفرادی ہی پڑھی جائے، کیونکہ قواعد مذہب اس کی اجازت نہیں دیتے، البتہ اختلاف فقہاء اور حنفیت کی مظلومیت نے اس مسئلہ میں رخصت کا پہلو بھی باقی رکھا ہے۔

☆☆☆☆☆

حج کے بعض غور طلب مسائل اور ان کا شرعی حکم

مولانا اعجاز احمد قاسمی
دملہ، مدھوبنی، بہار

ا۔ دخول حرم کے لئے احرام کی شرط:

آفاقی (میقات سے باہر رہنے والے لوگ) اور ملحق بالآفاقی (حرمی اور حلی جب میقات سے باہر چلے جائیں) حج وعمرہ کے ارادہ سے نہیں بلکہ تجارت، زیارت، ملاقات وغیرہ کی نیت سے حرم مکہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو احناف کی رائے یہ ہے کہ اس شخص کے لئے بلا احرام میقات سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔ درمختار کی عبارت ہے:

و حرم تاخیر الإحرام عنها ای کلها لمن ای الآفاقی قصد دخول مکة یعنی الحرم و لو لحاجة غیر الحج (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/۱۵۸)۔

میقات سے بلا احرام آگے بڑھنا آفاقی کے لئے جو مکہ یعنی حرم میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے خواہ حج کے علاوہ کسی اور ضرورت سے ہو حرام ہے۔

الآفاقی إذا انتهی إلیها علی قصد دخول مکة علیه أن یحرم قصد الحج أو العمرة أو لم یقصد عندنا (ہدایہ ۱/۲۱۲)۔

مکہ میں داخل ہونے کے ارادہ سے آفاقی جب میقات تک پہونچے تو اس پر واجب ہے کہ وہ احرام باندھ لے اس کا ارادہ حج یا عمرہ ہو یا نہیں احناف کے نزدیک۔

حضرت امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ حج وعمرہ کی نیت سے مکہ میں داخل ہونے والے آفاقی پر ہی میقات سے احرام باندھنا واجب ہے، مگر ان دونوں کے علاوہ کسی اور نیت سے قاصد مکہ کے لئے میقات سے احرام واجب نہیں ہے۔ امام شافعی کی دلیل مسلم ونسائی شریف کی وہ روایت ہے جس میں راوی نے بیان کیا ہے کہ اللہ کے رسول فتح مکہ کے دن مکہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر مبارک پر کالی پگڑی تھی اور آپ بغیر احرام کے تھے۔

إنه علیه السلام دخل یوم الفتح و علیه عمامة سوداء بغیر إحرام (بحوالہ فتح القدیر ۳/۳۳۲)۔

لیکن اس روایت سے حضرت امام شافعی کا استدلال اس لئے درست نہیں ہے کہ یہ اسی ساعت کے ساتھ خاص تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مکہ حرام ہے مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے بصرف میرے لئے دن کے اس ساعت میں حلال تھا پھر حرمت لوٹ آئی۔

صاحب فتح لکھتے ہیں:

کان مختصا بتلک الساعة بدلیل قوله علیه الصلاة و السلام فی ذلک الیوم مکة حرام لم تحل لأحد قبلی و لا لأحد بعدی و إنما حلت لی ساعة من نهار ثم عادت حراما (فتح القدیر ۳/۳۳۲)

دوسری طرف مصنف ابن ابی شیبہ میں عبداللہ ابن عباس کی ایک روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: لا یجاوز الوقت إلا باحرام و کذلک رواہ الطبرانی.

کوئی شخص بلا احرام میقات سے آگے نہ بڑھے، اور یہ روایت مطلق ہے، قاصد حج، عمرہ وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ وما رواہ الشافعیؒ کلام الراوی و کلام الشارع أرجح من کلام الراوی.

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ: لأن وجوب الإحرام لتعظیم هذه البقعة الشریفة فیستوی فیه الحاج والمعتمر وغیرهما (ہدایہ ۱؍۲۱۳) احرام کا وجوب اس موضع محترم کی تعظیم کی خاطر ہے تو اس میں حاج، معتمر، زائر اور تاجر سب برابر ہیں۔

۲۔ معذور کا حکم:

باوجودیکہ احرام کی شرط عام ہے، ہر قاصد مکہ کے لئے میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے اور یہی قول ارجح اور مفتی بہ ہے، مگر بعض خاص حالات میں جس کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے (وسائل آمدورفت کی کثرت بغرض تجارت وملازمت بار بار مکہ آمدورفت بالخصوص ڈرائیوروں اور ایجنٹوں کی روزانہ کئی بار میقات سے باہر جانے اور آنے کی ضرورت وغیرہ) حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور غرض سے مکہ بار بار آنے والے حضرات کے لئے بلا احرام دخول کی گنجائش ہے۔ ہر بار احرام باندھنے اور ارکان عمرہ کی ادائیگی کے بعد حلال ہونے پر پابند کرنے میں تضیق بین اور حرج لازم ہے۔ احرام کا وجوب ان حالات میں وقت طلب بھی ہوگا اور دقت طلب بھی، وہیں المشقة تجلب التیسیر، والضرر یزال جیسے اصول شرعیہ اور لا یکلف الله نفسا إلا وسعها، یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر جیسے نصوص شرعیہ کی روشنی میں شرعی حدود کے اندر امت کو حرج وتنگی سے بچانا عین مزاج شریعت ہے۔

احناف نے حرج وتنگی کی بنا پر ہی غیر آفاقی کے لئے حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور نیت سے حدود حرم میں داخل ہونے کے لئے احرام کی شرط نہیں لگائی ہے، ورنہ تعظیم بقعہ شریفہ ہر ایک کے لئے برابر ہے۔

ہدایہ میں ہے: لأن یکثر دخوله مکة وفی إیجاب الإحرام فی کل مرة حرج بین فصار کأهل مکة حیث یباح لهم الخروج منها ثم دخولها بغیر إحرام لحاجتهم.

اس لئے کہ ان کا مکہ میں داخل ہونا کثرت کے ساتھ ہوتا ہے اور احرام کے ہر بار واجب کرنے میں حرج بین ہے، جیسے اہل مکہ کہ ان کے لئے مکہ سے نکلنا اور داخل ہونا حاجت کی وجہ سے بلا احرام جائز ہے، ماحصل یہ ہوا کہ تنگی اور حرج ہی اصل بنیاد ہے جس کی وجہ سے مکی حرمی اور حلی کے لئے بلا احرام دخول کی اجازت دی گئی، اور نئی زمانہ تیز رفتار سواریوں کی وجہ سے جتنی مسافت ہفتوں اور مہینوں میں طے کی جاتی تھی اب گھنٹوں میں طے کی جارہی ہے اور اس کی ضرورت خاص ڈرائیوروں اور ایجنٹوں اور تاجروں کے لئے عام ہے اور ایک دن میں کئی بار ان کو آنا اور جانا پڑتا ہے، پس یہ میقات کے اندر رہنے والوں کی طرح ہوگئے کہ ان کا دخول بکثرت ہوتا ہے اور ہر بار احرام باندھنے میں حرج وتنگی ہے۔

لیکن وہ لوگ جن کا بار بار مکہ آنا جانا نہیں ہوتا، وہ کبھی کبھار مکہ آتے ہیں، ہفتہ دو ہفتہ مہینہ دو مہینہ میں

آتے ہیں، خواہ ان کا ارادہ حج وعمرہ کا نہ ہو، میقات سے احرام باندھ کر آگے بڑھنا ضروری ہوگا۔ اس لئے کہ ان حضرات کے لئے کوئی حرج اور تنگی کا باعث نہیں ہے۔

لأنہ یتحقق أحیانا فلا حرج ۔ خلاصہ کلام یہ کہ اصلاً کسی آفاقی کے لئے بلا احرام میقات سے آگے بڑھنا جائز نہیں ہے (خواہ اس کا ارادہ عمرہ وحج کا نہ ہو) ہاں وہ لوگ جن کے لئے تنگی اور دشواری ہے ان کے لئے بلا احرام دخول مکہ درست ہے، یہ خروج من الحد حسب نہیں ہے بلکہ تغیر حکم بتغیر علت کے قبیل سے ہے۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع اور قران:

عام کتب فقہ میں لکھا ہے کہ مکی کا تمتع اور قران بکراہت تحریمہ صحیح ہے۔ گویا فعل تمتع اور قران تو درست ہو جائے گا مگر کراہت تحریمی کی وجہ سے بجائے دم شکر کے دم جبر واجب ہوگا، اس لئے وہ خود اس کو نہیں کھا سکتا۔ در مختار میں ہے:

والمکی ومن فی حکمہ یفرد فقط ولو قرن أو تمتع جاز وأساء وعلیہ دم جبر (درمختار علی ہامش رد المحتار ۲/۲۰۲)۔

مکی اور جو مکی کے حکم میں ہے صرف افراد کریں گے اگر انہوں نے تمتع یا قران کیا تو جائز ہو جائے گا مگر گنہگار ہوگا اور اس پر دم جبر واجب ہوگا۔ مگر علامہ شامی کی تحقیق بدیع یہ ہے کہ کراہت تحریمی کے ساتھ صحت کا حکم صرف قران کے لئے ہے تمتع کے لئے نہیں، اس لئے مکی کا تمتع منعقد ہی نہیں ہوتا وہ فاسد اور باطل ہے، شامی میں ہے:

أقول قد کنت کتبت علی ہامشہا بحثا حاصلہ أنہم صرحوا بأن عدم الإلمام شرط لصحۃ التمتع دون القران وأن الإلمام الصحیح مبطل للتمتع دون القران ومقتضی ہذا أن تمتع المکی باطل لوجود الإلمام الصحیح بین إحرامیہ سواء ساق الہدی أو لا لأن الآفاقی إنما یصح إلمامہ إذا لم یسق الہدی وحلق لأنہ لا یبقی العود إلی مکۃ مستحق علیہ والمکی لا یتصور منہ عدم العود إلی مکۃ لکونہ فیہا إلی أن قال بخلاف القران فإنہ یتصور منہم لأن عدم الإلمام فیہ لیس بشرط (رد المحتار ۲/۲۰۳)۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے شرنبلالیہ کے حاشیہ پر تحریر کر دیا ہے کہ فقہاء نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ تمتع کی صحت کے لئے عدم المام کی شرط ہے نہ کہ قران کی صحت کے لئے، اور یہ کہ المام صحیح مبطل تمتع ہے نہ کہ مبطل قران، جس کا تقاضا یہ ہے کہ احرام حج وعمرہ کے درمیان المام صحیح کے پائے جانے کی وجہ سے مکی کا تمتع باطل ہو خواہ اس نے سوق ہدی کیا ہو یا نہیں۔ آفاقی کے لئے المام کی صحت کے لئے عدم سوق ہدی اور حلق کی شرط اس لئے ہو کہ اب اس پر مکہ لوٹنا واجب نہ رہا، اور مکی سے عدم عود الی مکہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ وہ مکہ میں موجود ہے (تو اس کے لئے سوق وعدم سوق سے مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا) برخلاف قران کے کہ مکیوں سے قران کا تصور ممکن ہے اس لئے کہ قران میں عدم المام کی شرط نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ بات مسلم ہے کہ تمتع کی صحت کے لئے عدم المام کی شرط ہے۔ آفاقی کا الما م جو

منعقد نہیں ہے اس وقت صحیح ہوتا ہے جب سوق ہدی نہ کیا ہو، اس لئے کہ اگر سوق کر چکا ہے تو ایام نحر میں ذبح کے لئے رجوع اس کے لئے ضروری رہتا ہے جس کی وجہ سے عمرہ و حج سے حلال نہیں ہوا، لہٰذا مکی سے عدم سوق ہدی کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ وہ مکہ میں موجود ہے یعنی اس کا المام بہر حال صحیح ہے اور المام صحیح تمتع کو باطل کر دیتا ہے ثابت ہوا کہ مکی کا تمتع باطل ہے مگر قران اس لئے درست ہے کہ اس کی صحت کے لئے عدم المام کی کوئی شرط نہیں ہے اور کراہت اس لئے کہ دونوں احراموں میں سے کسی ایک میں اس نے قصور و خلل پیدا کیا۔

لأنہ إن جمع بینھما فی الحرم فقط أخل بشرط إحرام العمرة فإن میقاتہ الحل وإن أحرم بھما من الحل فقد أخل بمیقات الحجة لأن میقاتھا الحرم (شامی ۲/۲۰۳)۔

اس لئے کہ اگر اس نے دونوں نسک کو صرف حرم کے احرام کے ذریعہ ادا کیا تو اس نے عمرہ کے احرام میں خلل پیدا کیا اس لئے کہ اس کا میقات حل ہے، اور اگر دونوں کو ادا کیا ہے احرام حل سے تو اس نے حج کے احرام میں خلل پیدا کیا جس کا میقات حرم ہے، جس خلل کی وجہ سے اس پر دم واجب ہوگا۔

۳۔ اشہر حج میں قاصد حج مکی کا میقات سے احرام باندھنا:

اس بات کے واضح ہو جانے کے بعد کہ تمتع مکی باطل ہے اور قران بکراہت درست ہے ایسے مکی کے لئے جو اشہر حج میں میقات سے باہر جا رہا ہے اور اسی سال حج کا ارادہ بھی ہے سوال میں موجود شکل کا حکم یہ ہے کہ وہ عمرہ کا احرام باندھ کر میقات سے آگے بڑھے تاکہ بلا احرام تجاوز عن المیقات کے وبال سے بچ سکے اور بعد کو ان عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حلال ہو جائے اور پھر اسی سال حج کے احرام سے حج ادا کرے تو ایسی صورت میں اس کا تمتع نہیں ہو سکے گا چونکہ بین النسکین المام صحیح پایا جا رہا ہے، اور دم جبر صحت کی فرع ہے، اور جب تمتع صحیح نہیں تو دم جبر بھی واجب نہیں۔ لأن إیجاب دم الجبر فرع الصحة (شامی) حیات القلوب میں علامہ محمد ہاشم السندی فرماتے ہیں کہ تمتع کے باطل ہونے سے حج کا باطل ہونا لازم نہیں آتا، وہ فرماتے ہیں:

وصحیح آنست کہ قران در مکی منعقد میشود ولہذا واجب می شود بروے دم جبر تلاجنایت بہ شکر چنانکہ در حق آفاقی واما عمرہ پس منعقد نمی شود اصلا در حق او (الی قولہ) وبہذا لازم نباشد بروے دم درین صورت زیرا کہ دم از لوازم تمتع است و چون منتفی گشت ملزوم منتفی گشت لازم او (حیاۃ القلوب ص ۶۸ بحوالہ احسن الفتاوی)۔

اور صحیح یہ ہے کہ قران مکی کے حق میں منعقد ہو جاتا ہے اسی لئے اس پر دم جبر واجب ہوتا ہے نہ کہ دم شکر جیسا کہ آفاقی کے حق میں، اور رہا عمرہ تو وہ اس کے حق میں بالکل منعقد ہی نہیں ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے اس پر اس صورت میں دم نہیں ہے، اس لئے کہ دم لوازم تمتع میں سے ہے، اور جب ملزوم منتفی ہو گیا تو اس کا لازم بھی منتفی ہو گیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ مکی عمرہ کا احرام باندھ کر آتا ہے تو اس کا نہ تمتع ہوتا ہے تاکہ دم جبر واجب ہو اور نہ بلا احرام میقات سے تجاوز کرتا ہے تاکہ اس کی وجہ سے دم واجب ہو۔

۵۔ متمتع عمرہ کے بعد مزید عمرہ نہیں کرسکتا:

متمتع آفاقی عمرہ تمتع سے فارغ ہوجانے کے بعد حج ادا کرنے سے پہلے مزید عمرے نہیں کرسکتا اس لئے کہ وہ شخص عمرہ سے حلال ہونے کے بعد مکہ میں مقیم ہوگیا اور بحکم مکی وہاں موجود ہے، اور مکی کے لئے حکم یہ ہے کہ اشہر حج میں کوئی عمرہ نہیں کرسکتا اگر وہ اسی سال حج کا ارادہ رکھتا ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

وصرح في اللباب بانه لا يعتمر اي بناءً على انه صار في حكم المكي وان المكي ممنوع من العمرة في أشهر الحج وان لم يحج وهو الذى حط عليه كلام الفتح و خالفه في البحر وغيره بانه ممنوع منها إن حج من عامه (شامی ۲/۲۰۷)۔

لباب میں اس بات کی تصریح ہے کہ وہ اب مزید عمرے نہیں کرے گا اس لئے کہ وہ مکی کے حکم میں ہوگیا، اور اشہر حج میں مکی کو عمرہ سے روک دیا گیا ہے گو وہ حج کا ارادہ نہیں رکھتا، یہ فتح کے کلام کا خلاصہ ہے، اور بحر وغیرہ میں اس کی مخالفت کی گئی ہے کہ عمرہ سے مکی کو اس وقت روکا جائے گا جب وہ اسی سال حج کرنا چاہتا ہو۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

والا فلا منع للمكي عن العمرة المفردة في أشهر الحج إذا لم يحج تلك السنة ومن خالف فعليه البيان (شامی ۲/۱۵۶)۔

اگر اسی سال حج کا ارادہ نہ ہو تو مکی کو عمرہ مفردہ سے اشہر حج میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور جو اس کی مخالفت کرے تو اس پر بیان واجب ہے۔

اور صورت مسئول میں اسی سال وہ حج کا ارادہ رکھتا ہے اس لئے کوئی عمرہ نہیں کرسکتا۔ عمرہ تمتع سے فارغ ہونے کے بعد اب صرف حج کا احرام باندھے گا، اس بیچ جتنا طواف چاہے کرسکتا ہے۔

۶۔ رمی جمرات میں نیابت:

محل رمی انتہائی محدود اور وقت بھی تنگ ہے، دوسری طرف لوگوں کی غیر معمولی کثرت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے یہ وظیفہ انتہائی دشوار ہوگیا ہے، خاص کر بوڑھوں، عورتوں اور مریضوں کے لئے اور بھی جان لیوا اور سخت تکلیف دہ ہے، احداث مرض یا ازدیاد مرض کا باعث ہوجاتا ہے، ان حالات میں معذورین کے لئے فقہاء نے رمی میں نیابت کو جائز قرار دیا ہے۔

وتجوز اي النيابة في الرمي عند العذر (تحفۃ المناسک فی بغیۃ المناسک، ص ۱۰۰)۔

یعنی رمی میں بوقت عذر نیابت جائز ہے۔ زبدۃ المناسک میں ہے کہ جو شخص کھڑا ہوکر نماز نہیں پڑھ سکتا یا جمرات تک پیدل یا سوار ہوکر پہونچنے میں سخت تکلیف ہو یا مرض کے پیدا ہوجانے یا بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہو تو وہ معذور ہے محض آرام پسندی اور سہولت کی خاطر کسی دوسرے کو رمی کا نائب اور وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔ اگر محض کسل کی بناء پر بلا عذر شرعی رمی میں نائب بنایا اور نائب نے رمی کیا تو یہ دی آمر کی جانب سے نہیں ہوئی، اس لئے کہ ایسے شخص کے لئے نیابت جائز ہی نہیں ہے، اور اس پر ترک رمی کی وجہ سے دم جبر واجب ہوگا۔ خوف ازدحام ان لوگوں کے لئے

عذر بن سکتا ہے جن کے بارے میں غالب گمان یہ ہو کہ وہ بھیڑ سے اپنا متاثر ہو جائے گا کہ یا تو مرض پیدا ہو جائے گا یا مرض بڑھ جائے گا، یا وہ سخت جسمانی اذیت میں مبتلا ہو جائے گا یا بھیڑ کی صعوبت کو جھیل نہیں سکے گا جیسے کہ وہ عورت، بوڑھا اور کمزور انسان جو کہ پیدل یا سوار جمرات تک جا سکتا ہے مگر جمرات تک پہنچنے میں دشواریوں اور صعوبتوں کو بھیڑ کی وجہ سے غالباً نہیں برداشت کر سکتا تو ان حضرات کے لئے بھی رمی میں نیابت جائز ہے۔

واما ترك الواجبات بعذر فلا شيء عليه لم مؤاخذتهم بالعذر ما كان من الله تعالى فلو كان من العباد فليس بعذر (إلى قوله) بخلاف إذا منعه خوف الزحام فإنه من الله فلا شيء عليه (غنیۃ الناسک ص ۱۳۶)۔

واجبات کا ترک عذر کی وجہ سے ہو تو اس پر کچھ نہیں ہے پھر عذر سے مراد وہ ہے جو منجانب اللہ ہو، پس اگر منجانب العباد ہو تو وہ عذر نہیں ہے۔ (الی ان قال) برخلاف اس صورت کے کہ جب اس کو خوف ازدحام روک دے تو وہ من جانب اللہ ہے، پس اس پر کچھ واجب نہیں۔ پس خوف ازدحام ان لوگوں کے لئے عذر ہے جو غالب گمان میں بھیڑ کی وجہ سے سخت تکلیف اور ناقابل برداشت جسمانی اذیت میں مبتلا ہو سکتے ہیں، جیسے بوڑھے اور عورتیں وغیرہ۔ مگر وہ لوگ جو جسمانی اعتبار سے کافی تندرست و توانا ہیں جن کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ وہ عام حالات میں بھیڑ کی وجہ سے ناقابل برداشت اذیت اور سخت تکلیف میں مبتلا نہیں ہوں گے بالعموم تو ایسے حضرات کے لئے محض امکان کی وجہ سے ازدحام عذر نہیں ہوگا۔ کمزوروں، عورتوں، بوڑھوں کے حق میں ازدحام کے عذر ہونے کی وجہ سے نیابت کی گنجائش کے باوجود بہتر یہ ہے کہ یہ حضرات رات کے وقت رمی کر لیں، اس وقت بھیڑ نہیں ہوتی تو یہ وقت رمی کا مکروہ وقت ہے، مگر مجبوروں کے لئے یہ کراہت بھی ختم ہو جائے گی۔

۷۔ سعودیہ میں رہنے والے غیر ملکی کا بلا اجازت حج کا احرام باندھنا:

سعودی عرب میں رہنے والے غیر ملکیوں کو حج کرنے کی حکومت سے اجازت لینی پڑتی ہے، یہ ایک ملکی قانون ہے جس سے قانون و انتظام میں سہولت ہے اس جیسے قانون عام انسانوں اور حجاج کرام کے مفاد ہی کی خاطر ہوتے ہیں لہذا اس کی رعایت اخلاقاً و شرعاً ہر شخص پر واجب ہے۔ اگر کسی نے بلا اجازت حکومت احرام باندھ لیا اور وہ قانونی زد میں آ گیا اور اس کو واپس کر دیا گیا تو وہ محصر کی طرح ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ وہ فوراً حلال ہو جائے اس کا تحلل من الاحرام ذبح پر موقوف نہیں رہے گا، وہ حلال ہو جانے کے بعد قربانی کا جانور کسی کی معرفت مکہ بھیج دے۔ اگر محرم بالحج تھا تو اس پر آئندہ سال حج و عمرہ دونوں واجب ہوگا، اور اگر وہ محرم بالعمرہ تھا تو صرف عمرہ واجب ہوگا۔
علامہ شامیؒ نے ایک ضابطہ لکھا ہے وہ فرماتے ہیں:

اعلم أن كل من منع عن المضي في موجب الإحرام تحقق الحصر فإنه يتحلل بغير الهدي فإذا أحرمت المرأة أو العبد بلا إذن الزوج أو المولى فلهما أن يحللاهما في الحال ولا يتوقف على ذبح وعلى المرأة أن تبعث الهدي أو ثمنه إلى الحرم وعليها إن كان إحرامها بحج حج و

عمرة ... وإن لعمرة فعمرة (شامی ۲/ ۳۲۸)۔

جان لو کہ جو شخص احرام کے بعد مکہ جانے سے روک دیا گیا حق عبد کی وجہ سے تو وہ بغیر ہدی کے حلال ہو جائے گا، پس کوئی عورت یا غلام بلا اذن زوج یا مولی احرام باندھ لے تو ان دونوں کو حق ہے کہ دونوں کو فوراً حلال کر دیں اور تحلل ذبح پر موقوف نہیں رہے گا اور عورت پر واجب ہوگا کہ ہدی یا اس کی قیمت حرم بھیج دے اور اس پر حج اور عمرہ واجب ہوگا اگر اس کا احرام حج تھا اور عمرہ واجب ہوگا اگر اس کا احرام عمرہ کا تھا۔ صورت مسئولہ میں بھی شخص مذکور حق عبد کی وجہ سے ارکان سے روک دیا گیا ہے، اس لئے کہ ملکی قانون مفاد عامہ اور حجاج کی سہولت کی خاطر ہے تا کہ نظم و انتظام میں کسی طرح کی کوئی دشواری پیش نہ آئے، پس ملکی قانون کی وجہ سے بلا اجازت حج کا احرام باندھنا اس عورت اور غلام کے احرام باندھنے کی طرح ہے جو بلا اجازت زوج و مولی احرام باندھ لے اور پھر مولی اور شوہر کی ممانعت کے بعد اسے احرام کھول دینا پڑے۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب:

رمی، ذبح اور حلق کے درمیان حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ترتیب واجب ہے اور ترک واجب موجب دم ہوتا ہے۔ حضرات صاحبینؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ترتیب واجب نہیں بلکہ وہ فقط مستحب ہے جس کے ترک سے دم واجب نہیں ہوتا ہے۔ پہلا قول ارجح اور دلیل کے اعتبار سے مضبوط ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اثر "من قدم نسكا على نسك لزمه دم" اور جناب کریم ﷺ کا قول "خذوا عني مناسككم" وغیرہ وجوب کے لئے مفید ہے۔ اور دوسرے قول کا مستدل "لم اشعر حلقت قبل أن أذبح" کے جواب میں قول رسول "افعل ولا حرج" ہے، مگر اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ "ولا حرج" میں حرج منفی سے مراد اثم کی نفی ہے اسلئے کہ راوی کے قول میں "لم اشعر" کا لفظ موجود ہے، انہوں نے عذر پیش کیا کہ مناسک کی ضروریات کو نہ جاننے کی وجہ سے ذبح سے پہلے حلق کروالیا۔ تو اس کے جواب میں اللہ کے رسول ﷺ نے عذر کو قبول کرتے ہوئے فرمایا "افعل ولا حرج"۔

صاحب بحر کی تحریر ہے: والمراد بالحرج المنفي الإثم بدليل أنه قال لم اشعر فعذرهم لعدم العلم بالمناسك (بحر الرائق ۳/ ۲۲)۔

لہذا قول اول متفق ہے، لیکن فی زمانہ سواری کی عدم سہولت، گرمی کی شدت اور بے پناہ ہجوم کی وجہ سے نیابت عام اور شائع ہو چکی ہے۔ حجاج عام طور پر قربانی کی رقم ان اداروں کے حوالے کر کے فارغ ہو جاتے ہیں جو حجاج کی طرف سے نیابۃً قربانی کا نظم کرتے ہیں، اور وہ لوگ ترتیب کا خیال نہیں رکھ پاتے ہیں یا وہ لوگ خود ترتیب کے قائل نہیں ہیں جس کی وجہ سے عام طور پر رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب نہیں رہ پاتی ہے۔ ان حالات میں حاجی کو چاہئے کہ اگر وہ مذبح تک جا کر قربانی کر سکتا ہے تو ترتیب کا لحاظ کرتے ہوئے مناسک ادا کرے، اگر گرمی کی شدت، اژدحام، سواری کی عدم سہولت اور طبیعت کی گھبراہٹ وغیرہ کی وجہ سے خود مذبح جا کر قربانی کرنا انتہائی مشکل اور سخت

تکلیف دہ ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ خود منیٰ تک جائے گا تو مذکورہ حالات میں وہ ذہنی اور جسمانی اضطراب کا شکار ہوگا تو وہ ان حالات میں رمی میں نائب بنا سکتا ہے۔ نیابت کے بعد اگر ترتیب قائم نہیں رہ پاتی ہے تو اول تو ترک کی بنیاد پر ترتیب واجب فی نفسہ ہے لیکن اعذار مذکورہ کی وجہ سے (خصوصاً ضعیفوں، عورتوں اور کمزوروں کے لئے) ترک واجب سے نہ تو کوئی دم واجب ہوگا اور نہ ہی وہ مرتکب اثم ہوگا۔ جیسا کہ صحابی نے عدم علم کا عذر بیان کرتے ہوئے کہا (قطع نظر اس کے کہ عدم علم عذر ہے یا نہیں اگرچہ آپ اور کہاں) تو رسول اکرم ﷺ نے عذر کو قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ "لا حرج" جس سے ثابت ہوا کہ عذر کی وجہ سے ترک واجب موجب دم اور اثم نہیں ہے۔

اما ترك الواجبات بعذر فلا شيء عليه (الى ان قال) واذا منعه خوف الزحام فانه من الله فلا شيء عليه (غنیۃ المناسک ص ۱۳۸)۔

واجب کا ترک اگر عذر کی وجہ سے ہو تو تارک پر کچھ واجب نہیں ہے اور جب کسی کے لئے ازدحام کا خوف کسی واجب کے ترک کا ذریعہ بن جائے تو ازدحام کی من جانب اللہ ہے اس لئے اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔

۹۔ حج بدل میں تمتع کا حکم:

(الف) آمر نے مامور کو قران و تمتع کی اجازت صراحۃً دے دی ہو یا اس کو اختیار کلی دے دیا ہو کہ جس طرح چاہو حج کرلو تو اجازت کے بعد قران اور تمتع اگرچہ جائز ہو جائے گا لیکن دم قران اور تمتع خود مامور کے ذمہ واجب ہوگا وہ اس کو اپنے ذاتی مال سے ادا کرے گا اس لئے کہ اس کو اداء نسکین سے مامور نے توفیق حاصل کیا لہذا اس کے شکریہ میں اس کو دم دینا چاہئے۔

قال الشامي: فلانه وجب شكرا على الجمع بين النسكين و حقيقة الفعل منه وان كان الحج يقع عن الآمر (ردالمحتار علی الدر المختار ۲/۲۵۴) وفي الدر المختار: و دم القران والتمتع والجناية على الحاج ان اذن له الآمر بالقران والتمتع (حوالہ سابق)۔

دم قران اور دم تمتع اسی طرح دم جنایت حج کرنے والے پر واجب ہوگا اگر آمر نے تمتع اور قران کی اجازت دی ہو۔

(ب) آمر نے مامور کو تمتع اور قران کی نہ تو صراحتاً اجازت دی اور نہ دلالتاً اجمالاً تو مامور کے لئے تمتع اور قران کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ اگر بلا اذن آمر تمتع کرتا ہے تو وہ تمتع آمر کا نہ ہوگا اور نہ ہی حج آمر کا ہوگا وہ سفر مامور کا اپنا سفر مانا جائے گا اور اخراجات سفر مامور کے ذمہ ہوں گے اور اگر اس نے آمر کی رقم صرف کردی ہے تو وہ مامور کے ذمہ واجب الاداء ہوگی۔ "والا فیصیر مخالفا فیضمن" کے تحت علامہ شامی ضمان کی وجہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں

وجهه انه لم يأت بالمأمور به لانه امره بسفر يصرفه الى الحج لا غير فقد خالف امر الآمر فيضمن (حاشیہ شامی ۲/۲۵۴)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے مامور بہ کا انجام نہیں دیا اس لئے کہ اس کو ایسے سفر کا حکم دیا تھا جس کو حج کے لئے

ہی صرف کیا جاتا تو کہ اس کے علاوہ کے لئے تو اس نے تمتع اور قران کر کے امر آمر کی مخالفت کی پس وہ ضامن ہوگا۔

(ج) مامور کو آمر نے صراحتاً تمتع کی اجازت تو نہیں دی مگر ظن غالب ہے کہ وہ اجازت دے دے گا، اور اس نے تمتع کر لیا، بعد میں اس نے اجازت دے دی تو حج آمر کی جانب سے ہوگا اور دم شکر مامور پر واجب ہوگا۔ اسی طرح اجازت صراحتاً نہیں مگر دلالۃً مل گئی تو دلالت کا حکم صراحت کی طرح ہوگا۔ فی زماننا عام طور پر حج تمتع معروف ہے، افراد اور قران شاذ ہے۔ پس لوگوں کا عام معمول (عرف) آمر کی طرف سے تمتع کا اذن ہے پس دلالت عرفی کی وجہ سے صراحت اذن کی ضرورت نہیں رہی۔ صراحتاً اذن لے لینا بہتر ہے۔

(د) اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ باذن الآمر تمتع کی صورت میں دم شکر آمر کے مال میں واجب نہ ہوگا بلکہ یہ دم مامور پر واجب ہوگا۔

لانہ وجب شکرا علی الجمع بین النسکین و حقیقۃ الفعل منہ (شامی) ہاں اگر بخوشی دم شکر خود ہی مال سے ادا کر دے تو جائز ہے مگر اس پر حق نہیں ہے، اور اگر آمر کی صراحتاً اور دلالۃً اجازت کے بغیر مامور نے تمتع کیا تو دم تمتع کے ساتھ تو حج کا خرچ بھی تمتع پر لازم ہوگا، اور حج بھی آمر کا نہ ہوگا۔

(ہ) حج عن المیت کے سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ اگر آمر پر حج فرض تھا اور اس کا وصیت کے بعد انتقال ہو گیا اور بعد ادائیگی دیون وغیرہ کل متروکہ کا تہائی حج کے خرچ کے لئے کافی ہے تو اس کا متعین کردہ شخص حج کرے گا ورنہ ورثہ کے لئے ضروری ہے کہ کسی کو آمر کی طرف سے حج کے لئے بھیجیں۔ وصیت آمر نے کی مگر متروکہ کے تہائی کے ذریعہ گھر سے مکہ تک یہ حج کرانا ممکن نہیں تو جہاں سے وہ رقم کافی ہو سکتی ہو تو ورثہ کے لئے وہاں سے کسی کو بھیجنا ضروری ہوگا۔ ورثاء اپنی طرف سے کچھ مال ملا کر گھر سے ہی کسی کو بھیج دیں تو زیادہ بہتر ہے، مذکورہ بالا صورتوں میں تمتع یا قران درست نہیں، افراد ہر حال میں ضروری ہے۔ میت نے اگر وصیت کی مگر اس نے کوئی ترکہ نہ چھوڑا اتنا بھی نہیں کہ کسی کے ذریعہ حج کرایا جاسکے، یا مال بہت چھوڑا مگر وصیت نہیں کی تو ورثہ پر کسی قسم کا کوئی حج کرانا ضروری نہیں، اگر وہ حج کرا دیں تو زیادہ بہتر ہے۔ اگر آمر پر حج فرض نہیں تھا مگر حج کرانے کی وصیت فرمادی اور تہائی مال اخراجات حج کا متحمل ہے تو تمتع اور قران کی اجازت نہیں رہے گی، اور اگر تہائی کافی نہیں ہے تو ایسی صورت میں حج بدل کرانا ضروری نہیں ہے اور اگر کرا دے کا تو لائق تحسین عمل ہے، ایسی صورت میں حج تمتع اور قران دونوں کرا سکتا ہے (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/۳۳۸-۳۳۹)۔

۱۰۔ حیض ونفاس کی حالت میں طواف زیارت:

حیض ونفاس کی وجہ سے ایام نحر میں عورت طواف نہیں کر سکی اور ایام نحر کے بعد پاک ہوئی اور طواف کی گنجائش ہے تو طواف کر لینا چاہئے، طواف کی قضا کے بعد مافات کی تلافی ہو جائیگی لہذا کوئی دم واجب نہیں۔ اور اگر طواف کرنے کا موقع نہیں مل سکا اور دیر تک رہنا پایا اور ساتھیوں کے چھوٹ جانے کی وجہ سے مکہ میں پاکی کا انتظار کرنا مشکل ہو گیا اور وہ وطن لوٹ آئی اور پاکی یا ناپاکی کسی حالت میں بھی طواف نہ کر سکی تو جب تک جدید احرام کے ساتھ طواف نہیں کرے گی احرام حج سے باہر نہ ہوگی۔

(الف) وہ عورت جس کے لئے مکہ میں رو کر انتظار ممکن نہ رہا اور اس کے لئے سفر ناگزیر ہو گیا اور فی زمانہ واپس لوٹ کر آنا مزید دشواری اور پریشانی کا باعث ہے، فتنہ کا مسئلہ ہے، قانونی دشواریاں ہیں، ذی رحم کا ساتھ رہنا ضروری ہے وغیرہ ذلک تو ان حالات میں، حالت ناپاکی طواف کر لینے میں گو دخول مسجد اور طواف بلا طہارت کا وزر آتا ہے (جس کی تلافی ہو سکتی ہے) لیکن وطن سے لوٹ کر دوبارہ مکہ آنے کی شدید ترین دشواریوں سے (جو بسا اوقات ممکن نہ ہو سکے گا) بچ جائے گی، لہذا حیض ونفاس والی عورت کو اھون البلیتین کو اختیار کرتے ہوئے اسی حالت میں طواف کر لینا چاہئے۔

(ب) حالت حیض میں طواف کر لینے سے رکن ادا ہو جاتا ہے گو یہ ادا ناقص ہے جس کی تلافی ذبح بدنہ سے ہو جائے گی اور نقص عظیم کی تلافی کے لئے بکرا کافی نہیں ہے۔ مبسوط السرخسی کی عبارت ہے:

وان لم يرجع إلى مكة فعليه بدنة لطواف الزيارة وعلى الحائض مثل ذلك (مبسوط السرخسی ۴/۴۰)۔

حالت جنابت میں طواف کر لینے کے بعد اعادہ کے لئے مکہ لوٹ نہ سکا تو اس پر بدنہ واجب ہوگا۔ اور حائضہ پر اسی کے مثل واجب ہے۔

صاحب ہدایہ کی رائے یہ ہے کہ وطن واپس چلے جانے کے بعد طواف کے لئے لوٹنا افضل ہے جس کے بعد ذبح بدنہ کی ضرورت نہیں رہے گی مگر بعث دم بھی کافی ہو جائے گا۔ مگر اس زمانہ میں خاص کر عورتوں کے لئے سفر کی پیچیدگیوں اور قانونی دشواریوں اور کثرت اخراجات وغیرہ جیسے اعذار کی وجہ سے بدنہ کا بھیج دینا زیادہ بہتر اور راجح ہوگا۔ صاحب محیط نے بعث دم کو ہی افضل بتایا ہے:

وفي الهداية أن العود إلى الإعادة أفضل وفي المحيط أن بعث الدم أفضل (البحر الرائق ۳/۲۰)۔

حالت حیض میں طواف کرنے سے دوسرا نقص مسجد حرام میں بلا طہارت داخل ہونے کی وجہ سے آیا جس کی تلافی دم سے نہ ہو گی اس پر اثم آئے گا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ اس کے لئے مسجد میں داخل ہونا حرام ہے داخل ہوگی وہیں دوار تکاب حرام کی وجہ سے متصف بالاثم ہوگی۔ دم کے ذریعہ ارکان حج کی ادائیگی میں نقص کی تلافی ہو سکتی ہے اثم کی نہیں۔ علامہ شامی نے کسی مفتی کا فتوی تحریر فرمایا ہے:

إن دخلت وطفت أثمت وصح طوافك فعليك ذبح بدنة (شامی ۲/۱۸۳)۔

اگر تو مسجد میں داخل ہوئی اور تو نے طواف کر لیا تو گنہگار ہو گی البتہ تیرا طواف صحیح ہو گیا اور تجھ پر بدنہ کا ذبح واجب ہو گیا۔ اور گناہ کی تلافی توبہ سے ہو سکتی ہے لہذا ذبح بدنہ کے ساتھ رفع اثم کے لئے عورت کو توبہ بھی کرنا ہوگا۔

(د) دم کی ادائیگی مکہ (حرم) میں ضروری ہے یہ دم جنایت ہے اور دم جنایت موقت بالمکان ہے۔

(و) يتعين (الحرم) لا منى للكل" کے تحت علامہ شامی فرماتے ہیں:

بيان لكون الهدى مؤقتا بالمكان سواء كان دم شكر أو دم جناية لما تقدم أنه اسم لما

يهدى من النعم إلى الحرم (شامی ۲/۲۵۷)۔

یہ ہدی کے موقت بالمکان ہونے کا بیان ہے خواہ وہ دم شکر ہو یا دم جنایت، اس وجہ سے جو گذر چکا کہ ہدی نام ہے اس جانور کا جس کو حرم کی جانب بھیجا جائے۔

فقہی عبارات میں "بعث دم" کا لفظ ملتا ہے جس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ بدنہ کا حرم کی جانب بھیجنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے جزائے صید کے متعلق فرمایا ہے "هديا بالغ الكعبة" ہدی کو کعبہ بھیجنا چاہیے۔

۱۱۔ سفر حج میں محرم عورت کے شوہر کا انتقال:

ایسی عورت جس کا شوہر سفر میں انتقال کر گیا یا اس کے شوہر نے اس کو طلاق دے دی، اس طرح اس پر شرعاً عدت واجب ہو گئی۔ اب ایام عدت میں عورت کے لئے ارکان حج کی ادائیگی درست نہیں ہے، عدت میں محرم کے ساتھ بھی عرفات جانے کی اجازت نہیں ہے۔ "عدت" وفات کے بعد فوراً شروع ہو جاتی ہے اس لئے اسے مؤخر نہیں کیا جا سکتا۔ ابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق والوفاة (شامی ۲/۸۳۹)۔

عدت کی ابتداء طلاق میں طلاق کے بعد اور وفات میں وفات کے بعد شروع ہو جاتی ہے۔ اب اگر مکہ معظمہ میں محرم کے ساتھ عدت پوری کرنا ممکن ہو تو وہیں پوری کرے ورنہ وطن واپس لوٹ آئے۔

منها العدة فلو أهلت بالحج فطلقها زوجها ولزمتها العدة صارت محصرة ولو مقيمة او مسافرة معها محرم (شامی ۲/۲۳۹)۔

محصر کی صورتوں میں سے ایک عدت ہے، اگر عورت نے حج کا احرام باندھا پھر اس کے شوہر نے اس کو طلاق دے دی اور اس پر عدت لازم ہو گئی تو وہ محصر ہے اگرچہ مقیم ہو یا ایسی مسافرہ ہو کہ اس کے ساتھ محرم بھی ہو۔

ثابت ہوا کہ کسی بھی حال میں ایام عدت میں ارکان حج ادا نہیں کر سکتی۔ آئندہ سال حج کرنا ممکن ہو تو کرے گی۔ بالفرض آئندہ سال کسی وجہ سے حج کرنا ممکن نہ ہو سکے تو وصیت کر جائے۔

۱۲۔ منیٰ مکہ کا ایک حصہ ہے:

حج کا سفر کرنے والا اتنی مدت قبل مکہ پہونچا کہ ۱۵ ایام سے پہلے ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں اور وہ منیٰ چلا جاتا ہے تو ایسی صورت میں بھی وہ شخص مقیم رہیگا، اس پر مسافرت کے احکام جاری نہ ہوں گے، اگر ارکان حج کی ادائیگی کے لئے مکہ اور منیٰ میں کم از کم پندرہ یوم رہنا ہو گیا ہو، اس لئے کہ منیٰ فناء مکہ میں سے ہے اور وہ حرم کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "هديا بالغ الكعبة" کعبہ سے مراد منیٰ ہے اس لئے کہ وہ مکہ کے تابع ہے، اسی وجہ سے ہدایا اور ضحایا مکہ میں نہیں بلکہ منیٰ میں ذبح کئے جاتے ہیں، جیسا کہ ہدایہ کے حاشیہ پر ہے۔

إن منى من فناء مكة فإنه من الحرم قال الله تعالى هديا بالغ الكعبة سماه باسم الكعبة تبعا له لما أن الهدايا والضحايا لا تنحر بمكة بل بمنى فدل ذلك على أنه في حكمها (علی ہامش الہدایہ ۱/۱۹۸)۔

عبارات مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ منیٰ مکہ کا ایک حصہ ہے، لہذا ان دونوں جگہوں میں ۱۵ یوم قیام ہو جاتا ہے تو وہ مقیم ہو جائیگا، بالخصوص ایام حج میں منیٰ مکہ سے اتنا جڑ جاتا ہے کہ دونوں آبادی تقریباً ایک ہو جاتی ہے۔

۱۳۔ سعودی میں مقیم احناف کے لئے وتر میں امام کی اقتداء:

حنفی حضرات اگر مکہ میں امام کی وتر میں اقتداء کریں اپنی نماز الگ شروع کریں تو یہ صورت اچھی معلوم نہیں ہوتی، اس لئے اپنی نماز وتر جہاں مناسب ہو پڑھ لیں، مگر امام کی اقتداء صوری ترک نہ کریں، اگر جماعت میں شریک ہوتے ہیں تو رکعت نفل کی نیت کر کے شریک ہو جائیں، دو رکعت پر جب امام سلام پھیرے تو یا اپنی نماز ختم کر دیں، اور مستقل دو رکعت نفل کی نیت سے اگلی ایک رکعت میں شامل ہو جائیں، امام ایک رکعت پر سلام پھیر دے تو یہ دوسری رکعت مسبوق کی طرح پوری کرلیں۔

☆☆☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند حل طلب مسائل

محمد قمر الزماں ندوی
پرتاپ گڈھ (یوپی)

اسلام ایک مکمل دین اور کامل دستور العمل ہے، زندگی کے تمام شعبوں میں انسانوں کی کامل رہنمائی کرتا ہے، اور یہ آخری شریعت ہے جس میں قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل و مشکلات کا شرعی حل موجود ہے، اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے۔

"الیوم أکملت لکم دینکم وأتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دینا"

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی شریعت کے بنیادی سرچشموں (قرآن وحدیث) میں موجود احکام و تعلیمات کثیر ہونے کے باوجود محدود ہیں، دنیا کے تمام ممالک میں اور قیامت تک ہر زمانے میں پیش آنے والے تمام مسائل و مشکلات کا حل قرآن وحدیث میں صراحتاً ذکر نہیں ہے، زندگی کا کارواں رواں دواں ہے، ہر زمانے میں بہت سے نئے مسائل سامنے آتے ہیں، جو امت مسلمہ کے علماء و فقہاء سے جواب کے طالب ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اسلام کو آخری دین بنایا، اس لئے کتاب وسنت میں ایسے اصول و کلیات بیان فرما دیئے جو قیامت تک پیش آنے والے حوادث و مسائل میں امت مسلمہ کی کامل رہنمائی کر سکتے ہیں، کتاب وسنت میں جو اسلامی شریعت کا بیش قیمت سرمایہ موجود ہے اس کی روشنی میں امت مسلمہ کے فقہاء و مجتہدین نے ہر دور کے نت نئے مسائل کا حل تلاش کیا، ان کے بارے میں احکام شریعت سے پردہ اٹھایا، اور اسلامی شریعت کی برتری اور جاودانی کا روشن ثبوت مہیا کیا۔

بیسویں صدی کے اختتام میں نئے مسائل کے حل میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے جو بیڑا اٹھایا ہے اور جس ذمہ داری کو اپنے کندھے پر لیا ہے، یقیناً وہ قابل ستائش اور لائق تحسین ہے، امسال اکیڈمی کی جانب سے حج وعمرہ کے نئے مسائل، بیع بالتقسیط اور اوقاف کے چند نئے مسائل سے متعلق جو سوالات موصول ہوئے ہیں، ان سوالوں کے جوابات قدیم وجدید کتب فقہ کے حوالے سے دئے جا رہے ہیں۔

۱۔ حرم کی میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے، کہ احرام باندھ کر ہی میقات کے اندر داخل ہو، چاہے وہ حج کی نیت کرے یا نہ کرے، اور اگر کوئی شخص بغیر احرام باندھے حرم کے اندر داخل ہو گیا تو اس پر حج اور عمرہ کرنا ضروری ہو گیا، احناف کے تمام فقہاء کا یہی مسلک ہے، چنانچہ ہندیہ میں ہے:

ولا یجوز للآفاقی أن یدخل مکة بغیر إحرام نوی النسک أو لا فلو دخلها فعلیه حجة وعمرة کذا فی المحیط للسرخسی۔

آفاقی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر احرام کے مکہ کے اندر داخل ہو خواہ وہ حج کا ارادہ رکھتا ہو یا نہیں تو اگر وہ داخل ہو گیا تو اس پر حج اور عمرہ کا کرنا ضروری ہوگا۔ (اسی طرح محیط کے اندر ہے)

خانیہ میں ہے:

الآفاقی ومن كان خارج الميقات إذا قصد مكة لحجة أو عمرة أو لحاجة لا يجاوز الميقات إلا محرما.

آفاقی یا وہ شخص جو میقات سے باہر ہو جب وہ مکہ مکرمہ کا قصد حج یا عمرہ کے لئے کرے یا کسی ضرورت کے لئے تو وہ میقات سے بغیر احرام کے تجاوز نہ کرے۔

اگر کوئی شخص بغیر احرام کے مکہ اور حرم میں داخل ہو گیا تو اس پر حج اور عمرہ واجب ہو گیا، فتاویٰ خانیہ میں ہے۔

ولو جاوز الآفاقي الميقات بغير إحرام كان عليه حجة أو عمرة (فتاویٰ خانیہ)۔

اگر آفاقی میقات میں بغیر احرام کے داخل ہو گیا تو اس پر حج یا عمرہ لازم ہو گیا۔

شافعیہ: البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کی نیت سے حرم مکی میں داخل ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہو، لیکن جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم مکی کے حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو ان کے لئے احرام کا باندھنا ضروری نہیں ہے، چنانچہ صاحب تاتارخانیہ مسلک شافعیؒ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

إنما يلزم الإحرام إذا أراد دخول مكة للحج أو للعمرة أما إذا كان للآخر فلا يلزم.

بے شک احرام تو اس پر لازم ہے، جو حج یا عمرہ کے ارادے سے مکہ میں داخل ہو اگر کسی اور وجہ سے داخل ہو تو اس پر لازم نہیں۔

مالکیہ: مالکیہ کے یہاں بھی میقات سے گزرنے کے لئے احرام کا باندھنا ضروری ہے، اگر بدون احرام مکہ کے اندر داخل ہو گیا تو اس پر دم لازم ہوگا۔

قالوا متى مر بميقات من هذه المواقيت وجب عليه الإحرام منه فإن جاوزه بدون إحرام لزمه دم. (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۵۷۹)۔

فقہاء مالکیہ کہتے ہیں جو کوئی ان میقات سے گزرے تو اس پر احرام ضروری ہے اگر بغیر احرام کے گزر گیا تو دم لازم ہو جائے گا۔

حنابلہ امام شافعیؒ کی طرح امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اگر حج اور عمرہ کے ارادے سے مکہ جا رہا ہے، تو احرام باندھنا ضروری ہے اور اگر کسی اور مقصد سے جا رہا ہے تو احرام ضروری نہیں۔

ولكل من مر بها أو حاذاها فمن مر بميقات منها قاصدا النسك وجب عليه الإحرام منه ولا يجوزه بدون إحرام (الفقہ علی المذاہب الاربعہ)۔

تو ہر وہ شخص جو اس جگہ سے گزرے یا اس کا سامنا ہو حج کی نیت سے تو اس پر احرام وہاں سے واجب ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ بغیر احرام کے گذرے۔

آخری بات:- جو لوگ حدود میقات سے باہر رہتے ہیں، اسی طرح اہل مکہ جو بغرض تجارت یا ملازمت کسی مجبوری سے حدود میقات سے باہر بار بار آتے جاتے ہیں تو ایسے لوگوں کا اصل حکم یہی ہے کہ جب بھی یہ لوگ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی نیت سے میقات سے آگے بڑھیں تو ان پر حج یا عمرہ کا احرام لازم ہے لیکن ڈرائیور اور تجارتی اغراض سے روز مرہ آنے جانے والوں کے لئے ہر بار احرام باندھنے میں حرج اور مشقت ہے، اس لئے دفع حرج اور رفع مشقت کے لئے امام شافعی کے قول کے مطابق بغیر احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی گنجائش ہے۔

۲۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور میں تیز رفتار تجارتی سرگرمیوں اور وسائل آمد و رفت کی کثرت اور سہولت کی وجہ سے اہل مکہ کا حدود حرم سے باہر جا کر پھر مکہ مکرمہ واپس آنا اور مدینہ منورہ کے باشندوں کا مختلف اغراض سے بار بار مکہ مکرمہ آنا ہوتا ہے، مثلاً ٹیکسی ڈرائیور بار بار مکہ، جدہ اور مدینہ کے درمیان آمد و رفت کرتے رہتے ہیں، اسی طرح تجارتی سامان لانے لے جانے والے ملازمین اور تجارتی کمپنیوں کے ایجنٹوں کو بار بار حدود حرم کے اندر باہر آمد و رفت کرنی ہوتی ہے، اگر ایسے لوگوں کو ہر بار میقات میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھنے کو لازم قرار دیا جائے خواہ حج یا عمرہ کی نیت ہو یا نہ ہو تو یقیناً ان لوگوں کو دقت و پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا، چونکہ شریعت اسلامی میں حرج کو قابل دفع سمجھا گیا ہے، اس لئے امام شافعی کے قول کو سامنے رکھتے ہوئے فتویٰ دیا جا سکتا ہے، ان کے نزدیک اگر حج یا عمرہ کی نیت سے حدود حرم میں داخل ہونا ہے تو احرام شرط ہے ورنہ احرام باندھنا ضروری نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو جنہیں تقریباً روزانہ دن میں کئی کئی بار ایک سے زائد مرتبہ تجارت، ملازمت یا دوسرے مقاصد سے حرم کی کے اندر آمد و رفت کرنی ہوتی ہے، ایسے لوگوں کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے، چنانچہ ہندیہ میں اس کی واضح دلیل موجود ہے۔

ومن كان داخل الميقات كالبستاني له أن يدخل مكة لحاجة بلا إحرام إلا إذا أراد النسك فالنسك ... إلا بالإحرام ولا حرج له.

تو جو شخص داخل میقات ہے جیسے بستانی تو اس کے لئے کسی ضرورت کے تحت بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا درست ہے، مگر جب حج کا ارادہ ہو تو اس صورت میں بغیر احرام کے نہ گزرے، ہاں ایسی کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

آگے مزید صراحت ہے۔

وكذلك المكي إذا خرج إلى الحل للاحتطاب أو الاحتشاش ثم دخل مكة يباح له الدخول بغير إحرام وكذا الآفاقي إذا صار من أهل البستان۔ (الفتاوى الهندية ۱/۲۲۱)۔

اسی طرح مکی اگر حل کی طرف لکڑی اور گھاس کے لئے جائے تو اس کے لئے مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا مباح ہے اسی طرح آفاقی جب وہ اصحاب بستان میں سے ہو گیا ہو۔

سے زیادہ مکلف نہیں بناتا ہے(۱)، لئے مخصوص حالات میں اور مخصوص اشخاص کے لئے مخصوص صورتوں میں نیابت کی اجازت دی جاسکتی ہے، چنانچہ فقہاء نے مریض اور معذوروں کے لئے اس کی اجازت دی ہے، چنانچہ عالمگیری میں ہے،

مریض لا یستطیع الرمی أو توضع الحصاۃ فی کفه لیرمی به یرمی عنه غیرہ بأمرہ کذا فی المحیط للسرخسی (فتاوی ہندیہ ۱/۲۳۶)۔

ایسا مریض جو رمی کی استطاعت نہ رکھتا ہو یا "رمی" کے لئے اپنی ہتھیلی میں کنکری نہ اٹھا سکتا ہو تو اس کے بدلے دوسرا "رمی" کرے گا۔

(ب)۔ "رمی" میں اگر نیابت ہو سکتی ہے تو صرف مریض یا معذور کے لئے یا ہر شخص کے لئے؟

"رمی" میں نیابت ہر شخص کے لئے جائز نہیں صرف مریض یا معذور کے لئے نیابت ہو سکتی ہے، محض ازدحام کے خوف سے نائب بنانا احقر کے نزدیک درست نہیں۔

معذوروں کی حد کیا ہے؟

فقہ کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "رمی" میں معذوری کی حد یہ ہے کہ وہ شخص بالکل نحیف، کمزور اور معذور ہو خود سے پتھر اٹھا کر پھینکنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو یا عمر اتنی زیادہ ہو کہ اس کے لئے "رمی جمرات" کے لئے جانا مشکل ہو جائے تو اس صورت میں نیابت جائز ہے، اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ غالب گمان یہ ہو کہ اگر "رمی جمرات" کے لئے نکلے گا تو واپس لوٹنا مشکل ہو جائے گا، محض ازدحام کے خوف سے نائب بنانا درست نہیں ہے، فقہاء لکھتے ہیں:۔

"مریض لا یستطیع الرمی أو توضع الحصاۃ فی کفه لیرمی به"

ترجمہ: ایسا مریض جو نہ "رمی" کی استطاعت رکھتا ہو اور نہ خود سے رمی کے لئے ہتھیلی میں کنکری اٹھانے پر قادر ہو۔

غور طلب امور:

واقعہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں حجاج کی اتنی کثرت ہو گئی ہے اور "رمی" کی جگہ انتہائی محدود ہے اور نص شرعی سے "رمی جمرات" کے لئے جو وقت ہے وہ نا کافی ہے، اور اتنے محدود وقت میں ایک زبردست مجمع جہاں کئی لاکھ لوگ جمع ہوں، اس عمل کو پورا کرنا ممکن نہیں ہے، اگرچہ "رمی جمرات" کے وقت کی تحدید نص سے ثابت ہے، لیکن اس سلسلے میں احقر کی ایک رائے ہے کہ اگر نص معلول بالعلۃ ہو تو "رمی جمرات" کے وقت میں توسیع کی گنجائش ہونی چاہئے، تاکہ بہتر طریقے سے "رمی جمرات" کی ادائیگی ہو سکے ورنہ حکومت وقت کو چاہئے کہ ہر ملک سے اتنے ہی لوگوں کو حج کی اجازت دے جتنے میں آسانی سے یہ عمل ہو جائے۔

۷۔ سعودی عربیہ میں جو لوگ غیر ملک کے رہتے ہیں ان کے لئے بھی حکومت سے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے، اگر کوئی شخص بغیر حکومت کی اجازت کے عمرہ یا حج کا احرام باندھ لے اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیا

جائے تو ایسے لوگ بھی محصر کے حکم میں ہوں گے۔ چنانچہ خانیہ میں ہے:

المحصر من احرم ثم منع عن مضي في موجب الإحرام سواء كان المنع من العدو أو المرض أو الحبس أو القيد سواء كان من المسلم أو الكافر أو غيرها من الموانع من إتمام ما احرم به حقيقة أو شرعا وهذا قول أصحابنا كذا في البدائع.

محصر وہ ہے جس نے احرام باندھا ہو پھر وہ موجب احرام کے پورا کرنے سے روک دیا گیا ہو چاہے یہ روکنا دشمن کی طرف سے ہو، مرض کی وجہ سے ہو یا قید کی وجہ سے ہو، مسلم کی طرف سے ہو یا کافر کی طرف سے ہو یا اس کے علاوہ احرام کے پورا کرنے سے حقیقتاً یا شرعاً کوئی مانع ہو یہ ہمارے اصحاب کا قول ہے اسی طرح بدائع میں بھی ہے۔ (خانیہ)

محصر کا احرام کب ختم ہوگا؟ اگر اس نے صرف حج کا یا صرف عمرہ کا ارادہ کیا ہے تو قربانی کی قیمت دے کر حلال ہو جائے، اگر قران یعنی حج و عمرہ دونوں کی نیت کی ہے اور احرام باندھا ہے تو دو قربانیوں کی قیمت دے، ایام نحر میں قربانی ضروری نہیں ہے، بعد میں بھی قربانی کر سکتا ہے، جب یہ وقت مقرر گزر جائے تو احرام کھول دے سر منڈوانا ضروری نہیں، مستحب ہے پھر اس پر آئندہ سال قضا واجب ہے، اگر صرف حج کا ارادہ کیا تھا تو حج کی قضا واجب ہے، اگر عمرہ کی نیت کی تھی تو عمرہ کی قضا اور اگر دونوں کی نیت کی تھی تو دونوں کی۔

۸۔ تمتع اور قران کے لئے "رمی" "ذبح" اور "حلق" کے درمیان امام ابو حنیفہؒ کے قول پر جو مفتیٰ بہ ہے ترتیب لازم ہے اس کے ترک سے دم واجب ہو جاتا ہے۔ "کافی" میں ہے۔

ويجب تقديم الرمي على الحلق للمفرد وغيره وتقديم الرمي على الذابح أو الذبح على الحلق بغير المفرد والحاصل إنما يجب الثلثة الرمي ثم الذبح ثم الحلق لكن المفرد لا ذبح عليه فيجب عليه الترتيب بين الرمي والحلق فقط.

تو رمی کا مقدم کرنا حلق پر مفرد اور غیر مفرد کے لئے واجب ہے رمی کا مقدم کرنا ذبح پر اور ذبح کا حلق پر غیر مفرد کے لئے واجب ہے، خلاصہ کلام یہ کہ تینوں "رمی" پھر ذبح اور پھر حلق یہ واجب ہیں لیکن مفرد پر ذبح نہیں تو اس پر ترتیب واجب ہے رمی اور حلق کے درمیان۔

ترتیب کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کی تفصیلات:

ترتیب کے سلسلے میں ائمہ اربعہ میں صرف امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ترتیب واجب ہے اور اس کے ترک پر دم لازم ہے لیکن ائمہ ثلاثہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ترتیب سنت ہے اور مستحسن ہے، خود صاحبینؒ ترتیب کو سنت قرار دیتے ہیں۔ الفقہ علی المذاہب الاربعہ "الحج" اور المغنی میں تفصیل موجود ہے۔

غور طلب مسئلہ:

حقیقت یہ ہے کہ اگر ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہونے پر دم لازم قرار دیا جائے تو دور حاضر میں اس ترتیب کی رعایت میں دشواری یہ ہے کہ حجاج کی بے پناہ کثرت، موسم کی شدت، قیام گاہ اور منیٰ کی دوری اور سواری

مامور پر نفقۂ حج کا ضمان عائد ہوگا۔

فلو أمر غيره بالإفراد فحج عنه الغائب قارنا أو متمتعا لم يقع عنه يضمن النفقة التي صرفت له (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۹۳۶)

اگر اس نے دوسرے کو حج افراد کا حکم دیا تو اس نے حج قران کرلیا یا تمتع ادا کیا تو اس کی جانب سے ادا نہیں ہوگا اور نفقہ کا ضامن ہوگا جو کچھ خرچ کیا گیا ہے۔

(ج) آمر نے تمتع کی صریح اجازت نہیں دی لیکن حج بدل کرنے والے کا گمان ہے کہ آمر اس کی اجازت دے دے گا اس کے باوجود تمتع کرنا اس کے لئے بہتر نہیں ہے، البتہ بعض فقہاء اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔

(د) باذن الآمر یا بدون اذن الآمر تمتع کرنے کی صورت میں دم تمتع آمر کے مال میں لازم نہیں ہوگا، بلکہ حج بدل کرنے والے کے مال میں دم لازم ہوگا، لیکن اگر آمر دم تمتع بھی ادا کرنے کی اجازت دے دے خواہ یہ اجازت صراحۃً ہو یا دلالۃً تو اس صورت میں دم تمتع آمر کے مال سے ادا کیا جائے گا، البتہ بدون اذن الآمر کی شکل میں تمتع کرنے کی صورت میں دم تمتع ہر حال میں مامور کے ذمہ لازم آئے گا۔

والأصل فيه أن كل دم يجب على المأمور بالحج يكون على الحاج لأنه سببه وأما هدي الإحصار فعلى المنيب لأن الإحصار لا اختيار للمأمور فيه (الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

اس میں اصل یہ ہے کہ ہر دم جو مامور پر حج میں واجب ہو تو وہ حج کرنے والے پر ہوگا اس لئے [illegible] سبب ہے، بہر حال ہدی احصار وہ آمر پر لازم ہوگا اس لئے کہ احصار میں اس کا کچھ دخل نہیں ہے یعنی [illegible]۔

(ھ) اگر حج بدل کرنے والے کے لئے آمر کی طرف سے تمتع کی گنجائش نہ ہو تو اس صورت میں حج بدل کرنے والے پر حج افراد ہی کرنا جائز ہے، صورت مسئلہ میں جو تفصیل ہے اس کے حل کی صورت یہ ہے کہ حج بدل کرنے والا آمر سے تمتع کی اجازت لے ورنہ پھر اس کے لئے تمتع کی گنجائش نہیں ہوگی، موجودہ دور میں [illegible] کے لئے آمد و رفت عام طور پر ہوائی جہاز ہی سے ہوتی ہے جس میں طویل عرصہ احرام کی پابندیوں کو برداشت نہیں [illegible] ہے اس لئے اس [illegible] اور مشقت کے تحت تمتع کی اجازت دینا [illegible] نہیں ہے۔

(و) حج من المیت کی صورت میں تمتع کی گنجائش نہیں ہے، لیکن اگر آمر نے [illegible] وصیت [illegible] کہ حج تمتع ہی کیا جائے تو حج تمتع کی گنجائش ہے، اسی طرح حج جو عوض کا وصی حج بدل کرنے والے [illegible] دے دے تو پھر وہ تمتع کر سکتا ہے، بہر حال ان تمام صورتوں میں تمتع کے مقابلے میں [illegible] کو فقہاء نے [illegible] قرار دیا ہے [illegible] جہاں اس کا معلوم ہوتا ہے کہ حج بدل میں آمر کی اجازت سے قران اور تمتع دونوں جائز ہیں اور بعض فقہاء متاخرین نے اس کو اختیار بھی کیا ہے، مگر ملا علی قاری اور حضرت گنگوہی کا فتوی اس سے مختلف ہے، وہ تمتع کو باذن آمر بھی جائز قرار نہیں دیتے ہیں، لہذا اس صورت میں احتیاط لازم ہے [illegible] ممکن ہو حج بدل میں افراد یا قران کیا جائے تمتع نہ کرے۔

غور طلب امور:

لیکن ان تمام تفصیلات اور حالات کو سامنے رکھتے ہوئے احقر کی رائے ہے کہ اگر حج بدل کرنے والے کو ضرورت سے زیادہ پہلے جانے کی مجبوری ہو اور احرام طویل میں واجبات احرام کی پابندی مشکل نظر آئے خصوصاً جب حکومت کی طرف سے پابندیاں سخت ہوں اور حج اور عمرہ کرنے میں آدمی آزاد نہ ہو تو اس کے لئے تمتع کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

۱۰۔ اگر زیارت طواف سے قبل کسی عورت کو حیض آجائے، جس کی وجہ سے وہ عورت طواف زیارت نہ کر سکی تو اس صورت میں ایسی تدبیر اختیار کرنا ضروری ہے جس سے وہ پاک ہونے کے بعد طواف زیارت کرکے ہی مکہ مکرمہ سے واپس ہو سکے، جیسے ٹکٹ اور ویزا کی تاریخ بڑھانا یا حج کمیٹی سے روانگی کو موخر کروانا وغیرہ اور اگر کوئی ایسی صورت ممکن نہ ہو سکے اور دوبارہ وطن سے واپسی بھی مشکل ہو اور وہ حالت حیض ہی میں طواف زیارت کرلے تو اگرچہ وہ گنہگار ہوگی لیکن اس کا یہ طواف زیارت شرعاً معتبر ہو جائے گا، اور وہ پوری طرح حلال ہو جائے گی مگر اس پر ایک بدنہ لازم ہوگا اور اگر قربانی نہیں کی جاسکی اور وہ کسی بھی موقع پر طواف زیارت کا اعادہ کرلے تو بدنہ کا وجوب اس سے ساقط ہو جائے گا۔

سوالوں کے جوابات:

(الف) اگر کوئی عورت طواف زیارت سے پہلے ناپاک ہو جائے، تو اس کے لئے ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت درست نہیں ہے اگر جان بوجھ کر ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرلے تو وہ گنہگار ہوگی، لیکن اگر نہ جانتے ہوئے وہ حالت حیض ہی میں طواف زیارت کرلے تو وہ اس صورت میں بھی گنہگار ہوگی البتہ رکنیت ادا ہو جائیگی۔

(ب) اس نے اگر ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرلیا تو شرعاً یہ معتبر ہو جائے گا، اور رکن بھی ادا ہو جائیگا، حالت حیض میں طواف زیارت کرنے کی وجہ سے وہ گنہگار ہوگی اس پر دم لازم ہوگا۔

(ج) اگر ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرلیا، تو اس صورت میں دم لازم ہونے کی وجہ سے بدنہ کا ذبح کرنا ضروری ہے بکرا ذبح کرنا کافی نہ ہوگا۔

(د) دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ اور حدود حرم میں ضروری ہے حرم مکہ سے باہر اور اپنے مقام پر ادا کرے تو درست نہیں ہوگا۔

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں اگر کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو کیا وہ ایام عدت میں حج و عمرہ ادا کر سکتی ہے، اس سلسلے میں تفصیلات حسب ذیل ہیں کہ اگر احرام باندھنے سے پہلے شوہر کا انتقال ہو گیا تو اب وہ عمرہ و حج ادا نہیں کر سکتی کیوں کہ عورت کے لئے محرم کا ہونا ضروری ہے اور اس مقام پر رات کا گزارنا ضروری ہے، لیکن اگر وہ حج اور عمرہ کے لئے احرام باندھ چکی ہے، اور شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس صورت میں وہ محصر کے حکم میں ہوگی اب وہ عمرہ و حج ادا نہیں کر سکتی۔

لیکن اگر عورت حدود حرم کے اندر کسی ایسی جگہ پر مقیم ہے، اور وہیں اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو وہ عورت

اسی مقام پر عدت گزارے گی، اس صورت میں اس کے لئے گنجائش ہے کہ دن میں حج کے اعمال ادا کرے اور رات میں اسی مقام پر عدت گزارے۔

وإذا أحرمت ولا زوج لها ومعها محرم فمات محرمها وإن أحرمت ولا محرم معها ولكن معها زوجها فمات زوجها فإنها محصرة هكذا في البدائع.

اگر کسی عورت نے احرام باندھا اس کے ساتھ اس کا شوہر نہ تھا یا اس کے ساتھ محرم تھا لیکن محرم کا انتقال ہو گیا، یا اس کے ساتھ شوہر تھا لیکن وہ مر گیا تو وہ محصر ہو جائے گی اسی طرح بدائع میں ہے۔

۱۲۔ اگر حج کا سفر کرنے والا ایام حج یعنی سات آٹھ ذی الحجہ سے اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہنچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ۱۵ پندرہ یوم سے پہلے ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں وہ منی چلا جاتا ہے تو وہ مقیم ہوگا یا نہیں؟ جب کہ دونوں آبادیاں الگ الگ تھیں مگر اب مکہ شہر پھیلتے ہوئے منی کے آبادی کے متصل ہو گیا ہے، صورت مسئولہ میں حج کا سفر کرنے والا مسافر ہی رہیگا مقیم نہیں ہوگا، کیوں کہ اب بھی مکہ اور منی کی آبادی متصل نہیں ہے بلکہ دونوں میں فاصلہ قائم ہے، احقر نے اس سلسلے میں کئی مستند علماء سے دریافت کیا ان کے ذریعہ معلوم ہوا کہ منی اور مکہ شہر میں اب بھی فاصلہ باقی ہے۔

۱۳۔ رمضان میں جو لوگ عمرہ کے لئے جاتے ہیں، نیز سعودیہ وغیرہ میں مقیم احناف کے لئے ایک مسئلہ وتر میں اقتداء کا ہے کہ بلاد عرب میں عموماً وتر کی تینوں رکعات فصل کے ساتھ یعنی دو رکعات پر سلام کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، تو اب دو ہی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اپنے مذہب کی رعایت میں مسجد حرمین کی جماعت کو چھوڑ کر اپنا آدمی وتر کی نماز تنہا ادا کرے، یہ صورت مناسب معلوم نہیں ہوتی ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ امام کی اقتداء میں وتر کو ادا کرے تو مذکورہ خرابی لازم آتی ہے، کہ امام فصل کے ساتھ وتر ادا کرتے ہیں۔ تو کیا اسکی گنجائش ہے کہ جماعت و مجمع کی رعایت میں وہ امام مسجد کی اقتداء کرے؟

جواب: صورت مسئولہ میں فقہ حنفی کی رو سے کسی حنفی کے لئے ایسے امام کی اقتداء جو وتر کی تینوں رکعات میں فصل کے ساتھ یعنی دو رکعت پر سلام کے ساتھ فصل کے ساتھ ادا کرتے ہیں، درست نہیں ہے، کیوں کہ احناف کے یہاں تنہا نماز درست نہیں، تنہا ایک رکعت والی نماز کو کہتے ہیں، اور ایک رکعت والی کوئی نماز احناف کے یہاں مشروع نہیں۔

غور طلب مسئلہ:

لیکن اس سلسلے میں خاکسار کے نزدیک مناسب صورت معلوم یہ ہوتی ہے کہ امام کی اقتداء ہی میں وتر ادا کرے، تا کہ اجتماعیت اور مجمع کی رعایت ہو سکے، لیکن جب تنہا ادا کرے تو اس صورت میں کافی انتشار اور بدنظمی پیدا ہوتی ہے اس لئے اس صورت میں اسکی اجازت دی جانی چاہئے کہ وتر میں امام مسجد کی اقتداء کرے کیوں کہ رمضان المبارک میں وتر کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہی مستحب و مسنون ہے، لہذا اس سلسلہ میں تشدد اور بیجا سختی مناسب نہیں۔

☆☆☆☆☆

حج و عمرہ کے مسائل کا حل

عبدالسلام ابوہریرہ سلفی

جامعہ سلفیہ، بنارس

۱۔ واضح ہو کہ جو لوگ حج یا عمرہ کا ارادہ نہ رکھتے ہوں بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم کی کی حدود میں داخل ہونا چاہتے ہوں، ان کے لئے احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہونا ضروری نہیں ہے۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں یہ باب باندھا ہے "باب دخول الحرم و مكة بغير إحرام" یعنی مکہ اور حرم میں بغیر احرام کے داخل ہونے کا باب۔

اس باب کے تحت امام بخاری نے دو حدیثوں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے: "عن أنس بن مالك أن رسول الله ﷺ دخل عام الفتح وعلى رأسه المغفر، فلما نزعه جاء رجل فقال إن ابن أخطل متعلق بأستار الكعبة فقال اقتلوه" جس سال مکہ فتح ہوا رسول اکرم ﷺ خود پہنچے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے، یعنی فتح مکہ کے موقع پر نبی آخر الزماں ﷺ بغیر احرام باندھے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

نیز اسی باب کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اثر بھی موجود ہے کہ: "ودخل ابن عمر حلالا وإنما أمر النبي ﷺ بالإهلال لمن أراد الحج والعمرة ولم يذكر للحطابين وغيرهم" یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ بلا احرام باندھے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور سید المرسلین حضرت محمد ﷺ نے احرام کا حکم انہی لوگوں کو دیا جو حج اور عمرہ کے ارادے سے آئیں اور لکڑہاروں وغیرہ کیلئے ایسے حکم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ (صحیح بخاری ۱/۲۴۹)

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: "هن لهن ولمن أتى عليهن من غير أهلهن لمن كان يريد الحج والعمرة" (متفق علیہ) اس حدیث اور اس معنی کی متعدد حدیثوں کا مفاد یہی ہے کہ جو حج و عمرہ کے ارادے سے مکہ معظمہ میں داخل ہوں انہی کے لئے احرام باندھنا ضروری ہے۔

سید سابق "فقہ السنہ" میں لکھتے ہیں: "يجوز دخول مكة بغير إحرام لمن لم يرد حجا ولا عمرة، سواء أكان دخوله لحاجة تتكرر كالحطاب والحشاش والسقاء والصياد وغيرهم أم لم تتكرر كالتاجر والزائر وغيرهما سواء أكان آمنا أم خائفا" (فقہ السنہ ۵/۱۳۰ دار البیان، کویت)۔

اور امام نووی شرح مسلم میں رقم طراز ہیں: "في حديث الباب دليل لمن يقول بجواز دخول مكة بغير إحرام لمن لم يرد نسكا سواء كان دخوله لحاجة تتكرر أم لم يتكرر" (صحیح مسلم مع النووی ۱/۴۳۷، اور تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فتح الباری ۴/۵۰، ۵۹، ۵۲ مرعاۃ المفاتیح بشرح مشکاۃ المصابیح ۶/۲۳۴-۲۳۶)۔

۲۔ سوال نمبر ۲ کا تعلق پہلی شق سے ہے، اس کی تفصیل جواب نمبر ۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ مکہ والوں کے لئے حج تمتع اور قران کرنا درست نہیں۔ قرآن مجید کی سورہ بقرہ میں ارشاد باری ہے:

فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام في الحج و سبعة إذا رجعتم تلك عشرة كاملة ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام (سورہ بقرہ/۱۹۶)۔

یعنی جو تم میں حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے یعنی حج تمتع کرے تو جو قربانی میسر ہو کرے اور جس کو قربانی نہ ملے وہ ایام حج میں تین روزے رکھے اور سات روزے جب واپس ہو جائے یہ پورے دس دن ہوئے۔ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل وعیال مکہ میں نہ رہتے ہوں یعنی یہ حکم آفاقیوں کے لئے (مکہ کے علاوہ والوں کے لئے) ہے نہ کہ مکہ میں مقیم اشخاص کے لئے۔

تفسیر فتح القدیر میں علامہ شوکانی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں: "الإشارة بقوله "ذلك" قيل هي راجعة إلى التمتع، فتدل على أنه لا متعة لحاضري المسجد الحرام كما يقول أبو حنيفة وأصحابه" (فتح القدیر للشوکانی ۱/۱۹۷) یعنی آیت میں مذکور "ذلک" کا مشار الیہ "تمتع" ہے جو مکی کے لئے حج تمتع کے عدم جواز پر دلیل ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا کہنا ہے۔

تفسیر طبری میں حضرت ابن عباسؓ، قتادہ، عطاء اور ربیع وغیرہ کے اقوال بہت ہی صراحت کے ساتھ مذکور ہیں، ہم یہاں صرف حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کرتے ہیں، تفصیل کے لئے ہمارے محوّل مقامات کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

إن ابن عباس كان يقول: يا أهل مكة إنه لا متعة لكم أحلت لأهل الآفاق و حرمت عليكم، إنما يقطع أحدكم واديا أو قال يجعل بينه و بين الحرم واديا ثم يهل بعمرة" (تفسیر طبری ۲۵۶،۲۵۵/۱)۔

یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اس بارے میں فتویٰ حرمت کا ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے: "و ذلك إشارة إلى التمتع والقران للغريب عند أبي حنيفة وأصحابه، لا متعة ولا قران لحاضري المسجد الحرام عندهم و من فعل ذلك كان عليه دم جناية لا يأكل منه، لأنه ليس بدم تمتع" (تفسیر قرطبی ۴۰۳/۲)۔

اور اسی نوع کی بات صاحب تفسیر المنار نے مذکورہ آیت کے ضمن میں لکھی ہے (دیکھئے تفسیر المنار ۲۲۳/۲)۔

تفسیر ابن کثیر میں اہل حاضری المسجد الحرام کے لئے حج تمتع نہ کرنے پر اجماع مذکور ہے:

"بعد إجماع جميعهم على أن أهل الحرم معنيون به وأنه لا متعة لهم" (تفسیر ابن کثیر ۳۰۷/۱) یعنی اس پر تو اجماع ہے کہ حرم والے تمتع نہیں کر سکتے۔

حافظ ابن کثیر اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے امام شافعی کا مذہب ابن جریر کے حوالے سے لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں:

واختار ابن جرير في ذلك مذهب الشافعي أنهم أهل الحرم و من كان منه على

مسافة لا يقصر فيها الصلاة، لأن من كان كذلك يعد حاضراً لا مسافراً" (تفسیر ابن کثیر ۱/۳۰۸)۔

یعنی امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اہل حرم اور جو اتنے فاصلے پر ہوں کہ وہاں کی لوگوں کے لئے نماز قصر کرنا جائز نہ ہو ان سب کے لئے یہی حکم ہے، اس لئے کہ سب حاضر کہے جائیں گے، ان کے علاوہ مسافر۔

صحیح بخاری میں "باب قول الله عز و جل ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" کے تحت ایک طویل حدیث میں یہ الفاظ منقول ہیں: "فإن الله أنزله في كتابه و سنة نبيه ﷺ وأباحه للناس غير أهل مكة قال الله تعالى ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" (صحیح بخاری مع الفتح ۳/۳۳۶)۔

یعنی اللہ تعالی نے یہ حکم اپنی کتاب میں اتارا اور اس کے پیغمبر نبی آخر الزماں ﷺ نے اس کو جاری کیا، اور مکہ والوں کے سوا اور لوگوں کے لئے یہ جائز رکھا، کیونکہ اللہ تعالی خود فرماتا ہے یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں۔

سید سابق "فقہ السنۃ" میں اس طویل حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "وفي هذا الحديث دليل على أن أهل الحرم لا متعة لهم ولا قران وأنهم يحجون حجا مفردا ويعتمرون عمرة مفردة، وهذا مذهب ابن عباس وأبي حنيفة لقول الله تعالى "ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" (فقہ السنۃ ۵/۸۲)۔

عین الہدایہ میں ہے: "وليس لأهل مكة تمتع ولا قران وإنما لهم الإفراد خاصة" (عین الہدایہ ۱/۱۳۳۰) یعنی اہل مکہ کے واسطے تمتع اور قران نہیں ہے ان کے لئے صرف حج افراد خاص ہے۔ اور آگے چل کر صفحہ ۱۳۳۱ پر لکھتے ہیں: "ومن كان داخل المواقيت فهو بمنزلة المكي حتى لا يكون له متعة ولا قران" اور جو میقات کے اندر رہتے ہوں وہ مکی لوگ ہیں، ان کے واسطے تمتع اور قران نہیں ہے۔

اور مصنف ابن ابی شیبہ میں مجاہد، عروہ، طاؤس، میمون اور امام زہری جیسے اجلۂ تابعین کے آثار موجود ہیں جو اہل مکہ کے لئے حج تمتع کے عدم جواز پر دال ہیں (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۸۸، ۸۹)۔

۴۔ ہمارے لئے عمل یہی ہے "ممن أراد الحج والعمرة" اس کی تفصیل جواب (نمبر ۱) میں ملاحظہ فرمائیں۔

۵۔ ذخیرۂ کتب حدیث میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا جس کو حجۃ الوداع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور اس میں تقریباً ایک لاکھ صحابہ کرام کا جم غفیر بھی موجود تھا، لیکن اتنی بڑی جمعیت کے باوجود نہ تو کسی صحابی نے مزید عمرہ کیا اور نہ ہی آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا، اگر مزید عمرہ کرنا مسنون و مستحب اور افضل ہوتا تو ترک مزید عمرہ پر سب متفق و متحد نہ ہوتے، اور نہ ہی کسی بھی حدیث یا نص صریح سے مزید عمرے کا ثبوت ملتا ہے۔ ہاں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں یہ منقول ہے کہ سفر واحد میں دو عمرہ کیا یعنی پہلا والا عمرہ

یعنی حیض آنے کی وجہ سے باطل ہو گیا تھا اس لیے رسول اکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن کے ساتھ مقام تنعیم بھیج کر دوبارہ عمرہ کرنے کا حکم دیا۔

علامہ ابن قدامہ "المغنی" میں لکھتے ہیں: "وقد اعتمر النبی ﷺ اربع عمر فی اربع سفرات لم یزد فی کل سفرة علی عمرة واحدة ولا أحد ممن معه، ولم یبلغنا أن أحدا منهم جمع بین عمرتین فی سفر واحد معه إلا عائشة حین حاضت فأعمرها من التنعیم، لأنها اعتقدت أن عمرة قرانها بطلت، ولهذا قالت یا رسول الله یرجع الناس بحج و عمرة وأرجع أنا بحجة فأعمرها لذلک، ولو کان فی هذا فضل لما اتفقوا علی ترکه (مغنی ۲۲۶/۳، ۲۲۷)۔

لیکن صحابہ کرام اور تابعین عظام اور جمہور علماء کے آثار و اقوال تکرار عمرہ یعنی مزید عمرہ کے استحباب پر دال ہیں، المغنی لابن قدامہ میں ہے: ولا بأس أن یعتمر فی السنة مرارا، روی ذلک عن علی وابن عمر وابن عباس وأنس و عائشة وعطاء و طاؤس و عکرمة و الشافعی (مغنی ۲۲۶/۳)۔

اور شرح مہذب میں امام نووی رقمطراز ہیں: "فی مذاهبهم فی تکرار العمرة فی السنة، مذهبنا انه لا یکره ذلک بل یستحب، وبه قال أبو حنیفة واحمد و جمهور العلماء ومن السلف والخلف" اہ (کتاب المجموع شرح المہذب ۱۴۴/۷، ۱۴۵)۔

اور حافظ ابن حزم نے "المحلی" میں اکثار عمرہ کو مستحب قرار دیتے ہوئے عدم جواز کے قائلین پر بلیغ انداز میں تردید کی ہے، لکھتے ہیں:

والحج لا یجوز إلا مرة فی السنة وأما العمرة فنحب الإکثار منها لما ذکرنا من فضلها.......واحتج من کره ذلک بأن رسول الله ﷺ لم یعتمر فی عام إلا مرة واحدة قلنا : لا حجة فی هذا لأنه إنما یکره ما حض علی ترکه وهو علیه السلام لم یحج مذ هاجر إلا حجة واحدة، ولا اعتمر مذ هاجر إلا ثلاث عمر فیلزمکم أن تکرهوا الحج إلا مرة فی العمر وأن تکرهوا العمرة إلا ثلاث مرات فی الدهر، وهذا خلاف قولکم و قد صح أنه کان علیه السلام یترک العمل وهو یحب أن یعمل به مخافة أن یشق علی أمته أو أن یفرض علیهم (محلی لابن حزم ۶۸/۷، ۶۹)۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ کا کوئی کام کرنا یا نہ کرنا ہی جواز یا عدم جواز کی دلیل ہے تو رسول اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد ایک حج اور تین عمرے کئے، پس ایک حج اور تین عمروں سے زائد کرنا کسی بھی شخص کے لیے پوری زندگی میں جائز نہیں، لہذا صحیح بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کام کو مستحب اور بہتر سمجھتے ہوئے بھی ترک کر دیا محض اس خوف سے کہ یہ امر میری امت کے لئے دشوار اور مشکل بن جائے یا ان کے لئے فرض یا واجب قرار دے دیا جائے۔

اور صاحب "مرعاة" شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ مبارکپوری بغیر کسی پہلو کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "قلت: قد ذهب إلی جواز تکرار العمرة واستحباب الإکثار منها الشافعی وأبو حنیفة

وكرهه مالك إلا مرة في سنة وأحمد في دون عشرة أيام كما تقدم في كلام ابن قدامة، ويؤيده ما أخرجه الشافعي عن أنسؓ أنه كان إذا حمم رأسه خرج فاعتمر (مرقاة المفاتیح ۶/۱۹۸)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ آدمی کی اپنی صوابدید پر ہے چاہے تو مزید عمرہ کرے یا نہ کرے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شفاء الغرام ۱/۱۷۹،۱۸۰، الایضاح رص ۴۲۱، القری لقاصد أم القری ر۲۹۷، ۲۹۸، زاد المعاد ۲ر۹۲۔۹۵، فتح الباری ۵/۲۳۲، نیل الاوطار للشوکانی ۵ر۷، المسلک المتقسط رص ۳۸، فتاوی ابن تیمیہ ۲۶/۲۵، ۲۶۸، ۲۷۱، الدراری شرح الدرر البہیہ ۱ر۱۶۷، حجۃ النبی ﷺ للعلامۃ احمد عبد الغفور عطار ۳۶۸،۳۶۹)۔

۶۔ رمی جمرات میں کسی غیر معذور شخص کی (یعنی محض آرام پسندی وکسل پسندی وسستی اور تساہل برتنے والے شخص کی) نیابت درست اور جائز نہیں ہے بلکہ صرف معذور اور مریض ہی کی نیابت ہو سکتی ہے۔

کتاب المجموع شرح المہذب میں یہ عبارت منقول ہے:

من عجز عن الرمي بنفسه لمرض مايوس أو غير مايوس، جاز أن يستنيب من يرمي عنه لأن وقته مضيق (مجموع ۸/۱۷۵)۔

اور علامہ ابن قدامہ ''مغنی'' میں لکھتے ہیں: ''إذا كان الرجل مريضا أو محبوسا أو له عذر جاز أن يستنيب من يرمي عنه'' (مغنی لابن قدامہ ۳/۴۹۰) یعنی چاہے کوئی مرد ہو یا عورت عمل رمی میں اس کی نیابت اسی صورت میں درست ہو سکتی ہے جبکہ وہ مریض ہو یا محبوس ہو یا معذور ہو۔

اور معذوروں کی جانب سے رمی جمار کرنے کے متعلق سنن ابن ماجہ میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے: ''عن جابرؓ قال: حججنا مع رسول الله ﷺ ومعنا النساء والصبيان، فلبينا عن الصبيان ورمينا عنهم'' (سنن ابن ماجہ ۲ر۱۰۱۰، حدیث ۳۰۳۸، کتاب المناسک، باب الرمی عن الصبیان، مکتبہ علمیہ بیروت)۔

راوی حدیث حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حج کیا اور ہمارے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے، پس ہم نے بچوں کی جانب سے تلبیہ پکارا اور رمی جمار کیا۔

اور عالم عرب کے مفتی اعظم علامہ شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز اپنی کتاب ''التحقیق والایضاح'' میں لکھتے ہیں:

''ويجوز للعاجز عن الرمي لمرض أو كبر سن أو حمل أن يوكل من يرمي عنه لقول الله تعالى '' فاتقوا الله ما استطعتم''هؤلاء لا يستطيعون مزاحمة الناس عند الجمرات وزمن الرمي يفوت ولا يشرع قضاؤه فجاز لهم أن يوكلوا بخلاف غيره من المناسك (التحقیق والایضاح لکثیر من مسائل الحج والعمرۃ علی ضوء الکتاب والسنۃ ۶۵۔۶۶)۔

یعنی بیمار یا بڑھاپے یا حمل کے سبب اگر رمی سے عاجز ہوں تو انہیں دوسروں کو رمی کے لئے اپنا وکیل بنانا جائز ہے، کیونکہ ارشاد الٰہی ہے "اللہ سے ڈرو اپنی استطاعت کے مطابق" اور ان کا لوگوں کے ہجوم میں جمرات تک پہونچنا اور کنکریاں مارنا ممکن ہی نہیں، اور رمی کا ایک خاص وقت ہے اور اس کی قضا بھی نہیں، پس ایسی صورت میں اس قسم کے افراد کے لئے کسی کو یہ کام سونپنا درست ہوا برخلاف دوسرے اعمال حج کے۔

آدمی کی اپنی صوابدید یہ ہے کہ خلوص دل سے یہ فیصلہ کرلے کہ حقیقۃً اور واقعۃً رمی جمار کی استطاعت نہیں یعنی ہم اس پر قادر نہیں، شریعت میں اس کی کوئی حد متعین نہیں کی گئی ہے۔

محض ازدحام اور بھیڑ کے خوف سے نائب بنانا درست نہیں ہے کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی آخر الزماں ﷺ کی معیت میں تقریباً ایک لاکھ سے زائد حجاج کرام موجود تھے تو کیا ازدحام اور بھیڑ نہیں تھی؟ اس لئے یہ حکم صرف معذوروں ہی کے لئے ہے۔

۷۔ غیر ملکی حضرات جو سعودی عرب میں مقیم ہوں حج کرنے کے لئے حکومت سے اجازت لینا جب ضروری ہے جیسا کہ استفتاء سے ظاہر وعیاں ہے تو بلا اجازت حکومت سعودیہ حج وعمرہ کا احرام باندھ لینا اپنے آپ پر ظلم کرنے کے مترادف ہے، سعودی عربیہ میں مقیم غیر ملکی لوگوں کو چاہئے کہ حکومت سے اجازت ومنظوری لینے کے بعد ہی حج وعمرہ کا احرام باندھیں۔

اس کے بعد واضح ہو کہ حکومت سعودیہ کی اجازت طلبی کے بغیر احرام باندھ لیا اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیا گیا یعنی جب احرام باندھ چکا ہے تو محصر کے حکم میں ہے "فقہ السنہ" میں سید سابق رقم طراز ہیں:

وذهب أكثر العلماء، منهم الأحناف وأحمد إلى أن الإحصار يكون من كل حابس يحبس الحاج عن البيت من عدو أو مرض يزيد بالانتقال أو الحركة، أو خوف، أو ضياع النفقة، أو موت محرم الزوجة في الطريق، وغير ذلك من الأعذار المانعة، حتى أفتى ابن مسعود رجلا لدغ بأنه محصر واستدلوا بعموم قوله تعالى "فإن أحصرتم" وإن سبب نزول الآية إحصار النبي ﷺ بالعدو، فإن العام لا يقتصر على سببه، وهذا أقوى من غيره من المذاهب (فقہ السنہ ۲۶۰/۵)۔

احرام ختم کرنے کی صورت یہ ہے، صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

"عن ابن عباسؓ إنما البدل على من نقض حجه بالتلذذ، فأما من حبسه عذر أو غير ذلك فإنه يحل ولا يرجع وإن كان معه هدى وهو محصر نحره إن كان لا يستطيع أن يبعث وإن استطاع أن يبعث به لم يحل حتى يبلغ الهدى محله (صحیح بخاری ۲۴۳/۱، باب من قال لیس علی المحصر بدل)۔

حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ قضا اس پر لازم ہے جو عورت سے صحبت کر کے اپنا حج توڑ ڈالے لیکن جس کو کوئی عذر ہو جائے، دشمن روک دے یا کچھ اور۔ تو وہ احرام کھول ڈالے اور قضا نہ کرے، اور اگر اس کے ساتھ قربانی ہو اور اس کو حرم میں نہ بھیج سکے تو وہیں نحر کردے، اور اگر حرم تک بھیج سکتا ہے تو جب تک قربانی وہاں نہ پہونچ جائے احرام نہیں کھول سکتا۔

اور امام مالک وغیرہ کا کہنا ہے کہ جب حج کرنے والا محصر ہو گیا تو جہاں کہیں چاہے قربانی کر دے اور سر منڈوالے، اس پر قضا لازم نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نے نحر کیا اور وہیں سر مونڈوا دیا، اور اس میں سے کسی کو قضا کا حکم نہیں دیا۔

اور اگر احرام کے وقت "اللهم محلي حيث حبستني" کی شرط لگا رکھی ہے تو اس پر نہ دم ہے اور نہ ہی روزہ ہے۔ جیسا کہ سید سابق نے حدیث ضباعہ بنت زبیر کے ضمن میں یہ صراحت کی ہے: "إذا اشترطه في إحرامه فله أن يتحلل وليس عليه دم ولا صوم" (فقہ السنہ ۲۶۳/۵)۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: صحیح بخاری مع الفتح ۴/۴۔۸، صحیح مسلم مع النووی ۳۸۵/۱)۔

۸۔ جس مسئلے میں ارشادات نبویہ کتب حدیث میں صراحت کے ساتھ منقول ہوں اس امر اور معاملہ میں حدیث نبوی ہی کو اپنانا چاہئے، ائمہ کے مسالک اور اقوال الرجال کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے۔

دسویں ذی الحجہ یوم النحر کو متمتع اور قارن کے لئے افضل یہ ہے کہ حاجی پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرے پھر جانور ذبح کرے، پھر حلق یا تقصیر کروائے، لیکن اگر ترتیب میں فرق آ جائے تب بھی کوئی مضائقہ وقباحت اور حرج کی بات نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

صحیح مسلم میں امام مسلم نے یہ باب باندھا ہے "باب جواز تقديم الذبح على الرمي والحلق على الذبح وعلى الرمي و تقديم الطواف عليها كلها" یعنی رمی، قربانی اور حلق کی تقدیم وتاخیر کرنے کے جواز کا باب۔ اس باب کے ضمن میں کئی حدیثیں لائے ہیں لیکن ہم صرف ایک ہی حدیث پر اکتفا کرتے ہیں، تفصیل کے لئے ہماری محولہ کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں: "عن ابن عباسؓ أن النبي ﷺ قيل له في الذبح والحلق والرمي والتقديم والتأخير فقال لا حرج"۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے قربانی، حلق اور رمی میں تقدیم وتاخیر کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: صحیح بخاری مع الفتح ۳/۵۶۸، صحیح مسلم مع النووی ۱/۴۲۱، نیل الاوطار للشوکانی ۱۵۲/۵، ۱۵۵، التحقیق والایضاح لکثیر من مسائل الحج والعمرۃ للشیخ ابن باز ص ۳۲)۔

۹۔ شریعت میں عرف کا اعتبار ہے جب شرط نہیں لگائی گئی ہے تو حج تمتع کر سکتا ہے۔

(الف) آمر کو خود متعین کرنا چاہئے۔

(ب) عرف عام کی بنیاد پر کر سکتا ہے اور افضل بھی حج تمتع کرنا ہے۔

(ج) حج بدل کرانے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہدایت کرے۔

(د) سب آمر کے ذمے ہے یعنی تمام کا تمام خرچ۔

(ھ) آمر نے اجازت نہیں دی ہے تو مشکل کو جھیلے، دوسری بات یہ کہ آمر کو حج بدل کرانے والے پر احسان کرتے ہوئے سہولت اور نرمی ہی کے پہلو کو اپنانا چاہئے۔

(د) افضل ہونے کی وجہ سے تمتع کی گنجائش ہے۔

۱۰۔ اس قسم کی حائضہ ونفساء عورتوں کے لئے ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرنے کی گنجائش ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جب حیض وغیرہ آنے کا خطرہ ہو تو دوا یا انجکشن حفظ ماتقدم کے طور پر استعمال کرلیں۔

دوسری بات یہ کہ اس قسم کی عورتوں کا مکہ مکرمہ میں ٹھہر کر پاکی کا انتظار کرنا یا اپنے وطن واپس آکر دوبارہ پھر طواف زیارت کے لئے جانا بہت ہی دشوار، مشکل اور ناقابل عمل فعل ہے، اس لئے ایسی عورتوں کا طواف افاضہ کرلینا ہی صحیح اور درست ہے۔

حافظ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم وغیرہ نے بہت ہی صراحت کے ساتھ جواز کا فتویٰ صادر فرمایا ہے، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"ومن المعلوم ان الصلوات هي أكبر الواجبات على الإطلاق و تجب في اليوم والليلة خمس مرات، وأجمع العلماء على اشتراط الطهارة لها و تباح بل تجب للحاجة لعادم الطهورين فيصلي بغير وضوء ولا تيمم ويصلي إلى غير القبلة للضرورة ويصلي العريان عند عدم ما يستر به عورته ونحو ذلك مما أجمع العلماء على جواز فعله للضرورة و طواف الحائض أولى بالجواز من هذا كله (القول بجواز طواف الحائض لشیخ الاسلام ابن تیمیہ ص ۳۵)۔

اور صفحہ ۵۵ پر خلاصہ کلام اور اپنا فیصلہ لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"والحاصل ان القول بان هذه المرأة العاجزة عن الطهر ترجع محرمة، أو تكون كالمحصر، أو يسقط عنه الطواف الفرض أو الحج كله أو تلزم بالتخلف عن رفقتها والجلوس بمكة حتى تطهر وتطوف كل هذه الأقوال مخالفة لأصول الشرع مع أني لم أعلم إماما من الأئمة صرح بشيء منها في هذه الصورة" (القول بجواز طواف الحائض ص ۵۵)

حافظ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی عبارت کا مفاد یہ ہے کہ نماز جیسی اہم، عظیم بالشان اور عظیم ترین عبادت معذور و مجبور قسم کے لوگ بغیر وضو، بغیر تیمم اور برہنگی و ننگے ہونے کی حالت میں ادا کرسکتے ہیں، یعنی مجبوری و معذوری کی بناء پر تمام علماء اسلام نے اس کے جواز کا حکم دیا ہے، تو اسی طریقے سے حائضہ اور نفساء عورت بھی طواف افاضہ بحالت مجبوری کرسکتی ہے، اس کے جواز میں کسی قسم کا شبہ نہیں بلکہ یہ مسئلہ جواز کا زیادہ مستحق و حقدار ہے۔ (تفصیل کے لئے "اعلام الموقعین لابن قیم" ملاحظہ فرمائیں)۔

۱۱۔ سفر حج و عمرہ میں جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا، ایسی عورت بصورت مجبوری حج و عمرہ ادا کرسکتی ہے، کیونکہ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ عورت کو مستقر ہی میں عدت گزارنی ہے، دوسری بات یہ کہ وطن آنے کے لئے ذو محرم بھی ہونا چاہئے، تو اس صورت میں اگر عورت کسی محرم کی معیت میں گھر واپس آسکتی ہے تو لوٹ آنا ہی اولیٰ اور افضل ہے، ورنہ کارواں اور قافلے کے ساتھ حج و عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد ہی واپس آکر عدت گذارے۔

علامہ ابن قدامہ "المغنی" میں لکھتے ہیں: "قال الإمام احمد: وإذا خرجت للحج فتوفي زوجها وهي قريبة رجعت لتعتد في منزلها وإن تباعدت مضت في سفرها" (مغنی ۲۱۳/۳)۔

امام السنۃ امام احمد بن حنبل کا فتویٰ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جب عورت رخصت سفر باندھ چکی اور سفر حج و عمرہ میں نکل چکی اور اسی حالت سفر میں شوہر کا انتقال ہو گیا تو اگر وہ ابھی گھر سے قریب ہی ہے تو لوٹ آئے ورنہ اپنے سفر کو جاری وساری رکھے اور حج و عمرہ کرے۔

اور "مواہب الجلیل" میں یہ عبارت ہے: قال المالكية: إذا خرجت مع زوجها لحج الفريضة فمات أو طلقها في ثلاثة أيام أو نحوها إنها ترجع إذا وجدت ثقة ذا محرم أو ناسا لأباس بهم، وإن بعدت أو كانت أحرمت أو أحرمت بعد الطلاق أو الموت، وسواء أحرمت بفرض أو نفل أو لم تجد رفقة ترجع معهم فإنها تمضي (مواہب الجلیل ۵۲۶/۲)۔

۱۲۔ آبادی الگ الگ ہی مانی جائے گی گرچہ متصل ہو جائے، جب حج پر جا رہا ہے تو مکہ سے نکل حاجی ہونے کی بناء پر قصر کرے گا، خواہ مکی ہو یا غیر مکی۔

۱۳۔ ہر وہ انسان جو اپنے آپ کو شریعت مطہرہ اور ملت بیضاء کا پابند اور اس کے نافذ وصادر کئے ہوئے احکام کے مطابق عمل کرنے کا دعویدار ہو، اس کو ہر وقت ہر جگہ (خواہ بلاد عرب میں ہو یا کہیں بھی) اور زندگی کے ہر موڑ پر کتاب وسنت یعنی قانون الٰہیہ اور فرمان نبویہ ہی کو اپنانا چاہئے، اور نصوص شرعیہ کے مقابلے میں اپنے مذہب ومسلک اور امام وپیر اور بزرگ کی رعایت اور ان کا پاس ولحاظ کئے بغیر کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔

اس کے بعد واضح ہو کہ بہت ساری احادیث صحیحہ کے مجموعہ سے تین رکعت وتر پڑھنے کی دو صورتیں مستفاد ہوتی ہیں:

پہلی صورت: دو رکعت پر قعدہ کرکے سلام پھیر دیا جائے اور دوسرے تحریمہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر قعدہ کرکے سلام پھیر دیا جائے۔

صحیح بخاری میں ہے: "صلاة الليل مثنى مثنى فإذا أردت أن تنصرف فاركع ركعة توتر لك ما صليت" (صحیح بخاری مع فتح الباری ۴۷۸/۲) یعنی رات کی نماز دو دو رکعت پڑھی جائے پھر جب اس نماز کا سلسلہ ختم کرنا چاہو تو ایک رکعت آخر میں پڑھ لو۔ یہ ایک رکعت آخر والی نماز تمہاری پڑھی ہوئی تمام سابقہ نمازوں کو وتر بنا دے گی۔

"صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ" کا مطلب یہ ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیر دے، اور یہی صورت جو آدمی تین رکعت وتر پڑھنی چاہے، وہ دو رکعت پر سلام پھیر کر پھر تیسری رکعت پڑھے یعنی تین رکعت والی نماز وتر دو سلام اور دو قعدہ کے ساتھ پڑھی جائے۔

دوسری صورت: ایک سلام اور ایک ہی قعدہ سے تینوں رکعت پڑھے، کیونکہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

"عن عائشة قالت كان النبي ﷺ يوتر بثلاث لا يقعد إلا في آخرهن" (سنن بیہقی ۳/۲۸، ۲۷، واخرجہ الحاکم کمافی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ۳/۲۸۳، ۲۸۴)۔

یعنی رسول اکرم ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے (صرف آخری رکعت میں قعدہ کرتے) اس کے پہلے دوسری رکعت میں قعدہ نہیں کرتے تاکہ نماز مغرب سے اس کی مشابہت نہ ہو کیونکہ تین رکعت وتر کو مغرب کی طرح پڑھنے سے خود جناب رسول اللہ ﷺ نے ممانعت کردی ہے (ملاحظہ ہو مرقاۃ المفاتیح ۳/۲۸۴، ۲۸۵)۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ کے مسائل اور ان کا شرعی حل

سید اسرار الحق سبیلی، حیدرآباد

حج ایک اہم اسلامی فریضہ ہے، آج کے دور میں ذرائع حمل ونقل کی جتنی سہولت ہوگئی ہے، اتنے ہی لوگوں کی آمدورفت کی کثرت اور بھیڑ کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوگئے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ موجودہ حالات کے تناظر میں حج وعمرہ کے پیچیدہ مسائل کا جائزہ لیا جائے، اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کا مناسب حل پیش کیا جائے، تا کہ حجاج کرام کا حج شریعت کے مطابق ہو، اور بہت حد تک انہیں تنگی وحرج سے بچایا جاسکے۔

میقات سے گذرنا:

حنفیہ کے نزدیک آفاقی کے لئے جو مکہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں، میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے، چنانچہ علامہ برہان الدین مرغینانی کہتے ہیں:

ثم الآفاقي إذا انتهى إليها (الميقات) على قصد دخول مكة، عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد عندنا (ہدایہ مع فتح القدیر ۲/۲۵-۴۲۶ باب الاحرام)۔

آفاقی جب مکہ میں داخل ہونے کے ارادہ سے میقات پہونچے، تو اس پر احرام باندھنا ضروری ہے، خواہ اس کا ارادہ حج وعمرہ کا ہو یا نہ ہو۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک اگر براہ راست مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ نہ ہو اور میقات کے بعد حدود حرم سے پہلے کسی شہر کا قصد کرے، تو میقات سے بغیر احرام باندھے گذرنا جائز ہے، اسی طرح مکہ میں داخل ہونے کے لئے اس کو احرام باندھنے کی ضرورت نہیں۔

الآفاقي إذا جاوز الميقات لا يريد دخول مكة وإنما أراد موضعا آخر وراء الميقات خارج الحرم، فله أن يدخلها بغير إحرام، ... ثم إذا وصل ذلك المكان يدخل مكة بغير إحرام (الفتاوی التاتارخانیہ ۲/۴۷۷، الفصل الرابع فی بیان مواقیت الاحرام)۔

ائمہ ثلاثہ کا مسلک:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر حج وعمرہ مقصود نہ ہو تو احرام ضروری نہیں، فقہاء مالکیہ میں علامہ احمد دردیر لکھتے ہیں:

ولا دم عليه في تركه ولو صرورة، إن لم يقصده حال مجاوزته الميقات بدخوله مكة نسكا بحج أو عمرة بأن قصد بدخوله التجارة مثلا (الشرح الکبیر ۲/۲۵ مع حاشیہ الدسوقی)۔

احرام نہ باندھنے والے پر دم واجب نہیں، اگرچہ اس آدمی نے کبھی حج نہ کیا ہو، جبکہ میقات سے گذرتے وقت مکہ میں حج یا عمرہ کا ارادہ نہ کیا ہو، بلکہ تجارت وغیرہ کا ارادہ ہو۔

شوافع کے نزدیک بھی احرام باندھنا محض مستحب ہے، چنانچہ علامہ یحییٰ بن شرف نووی بیان کرتے ہیں:

من أراد دخول الحرم لحاجة لا تتكرر كالتجارة، والزيارة، وعيادة المريض، قد ذكرنا أن الأصح عندنا أنه يستحب له الإحرام، ولا يجب سواء قربت داره من الحرم أم بعدت، وبه قال ابن عمر (المجموع شرح المہذب ۱۶/۷)۔

جو کبھی کبھار ضرورت کی بنا پر حرم میں داخل ہونے کا ارادہ کرے، جیسے تجارت، زیارت اور مریض کی عیادت وغیرہ، تو ہمارے یہاں صحیح تر مذہب یہ ہے کہ ایسے شخص کے لئے احرام باندھنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے، خواہ حرم مکی سے اس کا گھر نزدیک ہو یا دور، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اسی کے قائل ہیں۔

فقہ حنبلی کے ترجمان علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ لکھتے ہیں:

المكلف الذي يدخل لغير قتال ولا حاجة متكررة فلا يجوز له تجاوز الميقات غير محرم، وبه قال أبو حنيفة وبعض أصحاب الشافعي، وقال بعضهم لا يجب الإحرام عليه، وعن أحمد ما يدل على ذلك (المغنی ۳/۱۷)

وہ مکلف شخص جو نہ تو جنگ اور نہ بار بار پیش آمدہ حاجت کی خاطر حرم میں داخل ہونا چاہتا ہو، اس کے لئے بغیر احرام میقات سے گزرنا جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور کچھ شوافع اسی کے قائل ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ایسے آدمی پر احرام واجب نہیں، امام احمد سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔

حنفیہ کے دلائل:

علامہ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں یہ حدیث نقل کی ہے:

حدثنا أبو بكر قال: حدثنا عبد السلام بن حرب عن خصيف بن سعيد بن جبير أن النبي ﷺ قال: لا يجاوز أحد الوقت إلا المحرم (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۵۲)۔

آپ ﷺ نے فرمایا سوائے محرم کے کوئی میقات سے نہ گزرے۔

امام شافعی نے اپنی مسند میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا یہ عمل نقل کیا ہے۔

أخبرنا ابن عيينة عن عمرو عن أبي الشعثاء أنه رأى ابن عباسؓ يرد من جاوز الميقات غير محرم (مسند امام شافعی، مصنف ابن ابی شیبہ، بحوالہ فتح القدیر ۲/۴۲۶)۔

ابوشعثاء نے سیدنا ابن عباسؓ کو دیکھا کہ جو بغیر احرام کے میقات سے آگے بڑھتا آپ اس کو لوٹا دیتے۔

اور اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں ابن عباسؓ کا یہ اثر نقل کیا ہے:

أخبرنا فضيل بن عياض عن أبي سليم عن عطاء عن ابن عباسؓ قال: إذا جاوز الوقت فلم يحرم حتى دخل مكة، رجع إلى الوقت فأحرم، وإن خشي إن رجع إلى الوقت، فإنه يحرم ويهريق لذلك دما (مسند اسحاق بن راہویہ بحوالہ فتح القدیر ۲/۴۲۶)۔

سیدنا ابن عباس نے فرمایا جو شخص بغیر احرام میقات سے بڑھ گیا ہو اور مکہ پہنچ گیا ہو تو وہ میقات لوٹ آئے اور احرام باندھ لے۔ اگر میقات سے لوٹنے میں حج فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو وہیں احرام باندھ لے اور دم ادا کرلے۔

عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال: هذه مكة حرمها الله عز وجل يوم خلق السماوات والأرض، لم تحل لأحد قبلي ولا لأحد بعدي، وإنما أحلت لي ساعة من نهار (سنن نسائی ۲۱۱/۵، باب تحل القتال في الحرم)۔

آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس مکہ کو زمین و آسمان کی پیدائش کے دن سے حرام قرار دیا، مجھ سے پہلے اور نہ میرے بعد کسی کیلئے حلال قرار دیا گیا، البتہ صرف میرے لئے دن کے ایک پہر میں حلال قرار دیا گیا۔

جمہور کے دلائل:

عن جابر أن رسول الله ﷺ دخل مكة وقال قتيبة: دخل يوم فتح مكة وعليه عمامة سوداء بغير إحرام (صحیح مسلم ۴۳۹/۱)۔

جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور آپ کے سر پر کالا عمامہ تھا، اور بغیر احرام کے تھے۔

عن أنس بن مالك أن النبي ﷺ دخل مكة عام الفتح وعلى رأسه مغفر (مسلم ۴۳۹/۱)۔

سیدنا انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کے سر پر خود تھی۔

أن ابن عمر دخل مكة بغير إحرام: عبداللہ بن عمر بغیر احرام مکہ میں داخل ہوئے۔

دلائل کا جائزہ:

اگر احناف اور جمہور کے دلائل پر غور کیا جائے تو کئی اعتبار سے جمہور کے دلائل قابل ترجیح معلوم ہوتے ہیں:

حنفیہ جو کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے میقات سے بغیر احرام گزرنے سے منع فرمایا ہے (لا يجاوز الوقت إلا بإحرام) اس حکم کو عام نہیں کہہ سکتے، کیونکہ میقات کے اندر رہنے والے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، کسی حدیث میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ میقات سے باہر کے تمام لوگوں کیلئے احرام باندھ کر گزرنا ضروری ہے، اس لئے ایسی احادیث کو حج و عمرہ کرنے والوں کے حق میں مانا جاسکتا ہے، چنانچہ اس متفق علیہ روایت میں آپ نے میقات کی تحدید کرتے ہوئے حج و عمرہ کا ارادہ رکھنے والوں کی صراحت کی ہے:

عن ابن عباسؓ أن النبي ﷺ وقت لأهل المدينة ذا الحليفة، ولأهل الشام الجحفة، ولأهل نجد قرن المنازل ولأهل اليمن يلملم، هن لهن ولمن أتى عليهن من غيرهن ممن أراد الحج أو العمرة، ومن كان دون ذلك فمن حيث أنشأ حتى أهل مكة من مكة. (بخاری ۲۰۷/۱)۔

سیدنا ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اہل مدینہ کی میقات ذوالحلیفہ، اہل شام کی جحفہ، اہل نجد کی قرن منازل، اور اہل یمن کی میقات یلملم مقرر کی، اور فرمایا: ان لوگوں کی میقات ہے اور ان کی بھی جو دوسری جگہ سے

میقات سے گزریں، وہ حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں، اور میقات کے اندر رہنے والے جہاں سے چاہیں احرام باندھیں، اور اہل مکہ مکہ سے احرام باندھیں گے۔

علامہ محمد بن اسماعیل صنعانی نے بھی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حج و عمرہ کا ارادہ نہ رکھنے والوں کے لئے احرام کو غیر واجب قرار دیا ہے:

وفي قوله: "ممن أراد الحج أو العمرة" ما يدل أنه لا يلزم الإحرام إلا من أراد دخول مكة لأحد النسكين، فلو لم يرد ذلك جاز له دخولها من غير إحرام (سبل السلام ۲/۱۸۷)۔

۲۔ حرم مکی میں بار بار آنا جانا:

جو لوگ میقات کے اندر یا میقات کے باہر رہتے ہیں اور ان کو بار بار تجارت، ملازمت وغیرہ کے لئے حرم کی آنا جانا پڑتا ہے، ان کیلئے احرام باندھ کر میقات میں داخل ہونا اور بار بار عمرہ کرنا ضروری نہیں ہوگا، چنانچہ آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے لکڑی چننے والوں کو بغیر احرام کے حرم میں آنے کی اجازت دی ہے۔

انہ رسول اللہ ﷺ رخص للحطابین دخول مکۃ بغیر إحرام.

اس لئے کہ جس علت کی بنا پر اہل مکہ اور میقات کے اندر رہنے والوں کیلئے مکہ میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھنا ضروری نہیں، وہ علت (حرج و مشقت) یہاں بھی پائی جاتی ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ کی بیان کردہ علت پر غور کیا جائے:

ومن كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته لأنه يكثر دخوله مكة وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بين فصار كأهل مكة حيث يباح لهم الخروج منها ثم دخولها بغير إحرام لحاجتهم، بخلاف ما إذا قصد أداء النسك، لأنه يتحقق أحيانا فلا حرج (الہدایہ مع الفتح ۲/۳۳۷)

جو لوگ میقات کے اندر ہوں ان کے لئے ضرورت کی خاطر بغیر احرام مکہ میں داخل ہونے کی اجازت ہے، اس لئے کہ ان کا اکثر مکہ آنا ہوتا ہے، ہر مرتبہ احرام کو واجب کرنے میں بہت تنگی ہے، گویا یہ اہل مکہ کی طرح ہیں، کہ ان کو ضرورت کے تحت مکہ سے نکلنا اور بغیر احرام داخل ہونا مباح ہے، لیکن جب وہ ادائیگی حج کا ارادہ کریں (تو احرام ضروری ہے) اس لئے کہ حج کبھی کبھی کیا جاتا ہے، اس میں کوئی تنگی کی بات نہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حرج و مشقت کی وجہ سے احرام باندھنا ضروری نہیں رہتا، صورت مسئولہ میں حرج بدرجہ اتم موجود ہے۔

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

فالحاصل أن المذهب أنه لا يجب الإحرام لدخول مكة على من دخل مكة لتجارة ونحوها مما لا يتكرر، ولا على من يدخل لمتكرر كالحطاب والبريد ونحوه (المجموع ۷/۱۶)۔

خلاصہ یہ کہ جو لوگ کبھی کبھار تجارت وغیرہ کے لئے مکہ میں داخل ہوں یا بار بار داخل ہوں، جیسے لکڑہارا اور ڈاک رساں وغیرہ، ان کے لئے مکہ میں داخل ہونے کے لئے احرام ضروری نہیں۔

اور علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

من بد خلها لقتل مباح أو من خوف أو لحاجة متكررة كالحشاش والحطاب و ناقل الميرة والفيح، ومن كانت له ضيعة يتكرر دخوله و خروجه إليها، فهؤلاء لا إحرام عليهم (المغنی ۱۱۶/۳)۔

مکہ میں جو مباح قتل، خوف یا بار بار کی ضرورت کی وجہ سے داخل ہو، جیسے گھاس بیچنے والا لکڑہارا اور سامان پھیری کرنے والا وغیرہ، اور جس کا سامان مکہ میں ہو، جس کی وجہ سے بار بار مکہ میں جانا ہو تو ایسے لوگوں کے لئے احرام ضروری نہیں۔

فی زمانہ بڑھتے ہوئے تجارتی روابط اور تیز رفتار ذرائع مواصلات کی وجہ سے ہر بار مکہ آنے والوں کو احرام وعمرہ کا مکلف قرار دینا سخت حرج ومشقت کا باعث ہے اس لئے ائمہ ثلاثہ کی رائے پر عمل کرنا مناسب نظر آتا ہے۔

۳۔ اہل مکہ کا حج تمتع یا قران:

اہل مکہ اور جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہیں، ان کے لئے حج تمتع اور قران کرنے کی گنجائش ہے، لیکن مکروہ ہے۔

والمكي و من في حكمه يفرد فقط، ولو قرن أو تمتع جاز وأساء (الدر المختار ۵۶۷/۳، لوایہ مع الفتح ۱۱/۳)۔

مکہ والے اور جو ان کے حکم میں ہیں، صرف حج افراد کریں گے، اگر انہوں نے حج قران یا تمتع کیا تو جائز ہے، لیکن گناہ ہے۔

۴۔ اہل مکہ کے قارن پر دم کا وجوب:

یہاں دو مسئلے توجہ طلب ہیں: اول یہ کہ مکہ اور اس کے اطراف رہنے والے اگر حج تمتع یا قران کرلیں، تو ان پر دم واجب ہوگا یا نہیں؟ دوسری بات یہ کہ مکہ اور میقات کے اندر رہنے والے لوگ اگر حج کے مہینوں میں میقات سے باہر گئے، تو کیا ان کے لئے احرام باندھ کر ہی میقات سے گزرنا ضروری ہوگا؟

حنفیہ کے نزدیک اہل مکہ اور میقات کے اندر رہنے والے متمتع اور قارن پر دم واجب ہوگا، چنانچہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

فالحاصل أن المكي إذا أحرم بعمرة في أشهر الحج، فإن كان من نيته الحج من عامه، فإنه يكون آثما لأنه عين التمتع المنهي عنه لهم، فإن حج من عامه لزمه دم جناية لا دم شكر (البحر الرائق ۳۹۳/۲)۔

خلاصہ یہ کہ جب مکہ میں رہنے والا حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھے، تو اگر اسی سال اس کا ارادہ حج کا ہو تو گنہگار ہوگا، کیونکہ اس نے تمتع کو متعین کر دیا، جس سے اہل مکہ کو روکا گیا ہے، چنانچہ اگر اس نے اسی سال حج کیا، تو دم جنایت لازم ہوگا نہ کہ دم شکر۔

البتہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دم واجب نہیں، چنانچہ مالکیہ کا مذہب منقول ہے:

قال ابن القاسم وقال مالک: فمن تمتع من أهل مكة في أشهر الحج أو قرن فلا هدي عليه (المدونۃ الکبری ۱/۳۰۰)۔

ابن قاسم کہتے ہیں: امام مالک نے فرمایا اہل مکہ کے جو لوگ حج کے مہینوں میں تمتع کریں یا قران کریں تو ان پر ہدی واجب نہیں۔

فقہ شافعی کے اہم ترجمان علامہ نووی لکھتے ہیں:

إذا خرج المكي إلى بعض الآفاق لحاجة، ثم عاد و احرم بالعمرة منه أو من ميقات و حج من عامه فلا دم عليه (المجموع ۷/۱۸۳)۔

مکہ کا رہنے والا جب کسی کام سے باہر گیا، پھر لوٹتے وقت وہاں سے یا میقات سے احرام باندھ لیا اور اسی سال حج کیا، تو ہمارے نزدیک اس پر دم واجب نہیں۔

اور فقہ حنبلی کے ترجمان علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

ومن شرط وجوب الدم عليه (المتمتع) أن لا يكون من حاضري المسجد الحرام في جمهور العلماء (المغنی ۳/۲۲۳)۔

متمتع پر دم واجب ہونے کے لئے جمہور علماء کے نزدیک شرط ہے کہ وہ مسجد حرام کے قریب رہنے والا نہ ہو۔

دلائل پر نظر:

حنفیہ کے استدلال کے مطابق "ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" کا تعلق تمتع اور قران سے ہے، شریعت نے آسانی کی خاطر تمتع اور قران کی اجازت دی ہے، اور اس آسانی کی ضرورت صرف آفاقی کو ہے، اہل مکہ کو نزدیکی کی وجہ سے پہلے ہی سے آسانی حاصل ہے، لہذا تمتع یا قران کی ممانعت کے باوجود ان کو حج تمتع یا حج قران کرنے کی وجہ سے بطور جنایت دم دینا پڑے گا (دیکھئے: البحر الرائق ۲/۳۹۳، ہدایہ ۱/۲۱۳، العنایہ ۲/۱۳)۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اہل مکہ و غیر اہل مکہ سب کے لئے جائز ہے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ حج کے مہینہ میں عمرہ کرنے کو حرام سمجھتے تھے، تو قرآن پاک نے " فمن تمتع بالعمرة إلى الحج" کہہ کر تمتع اور قران کی اجازت دی، اور تمتع و قران کرنے والوں کے قربانی یا روزہ کو واجب قرار دیا، اور "ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" سے اہل مکہ اور ان کے اطراف کے لوگوں کو قربانی یا روزہ سے مستثنی قرار دیا۔ (دیکھئے: المغنی ۳/۲۲۵)۔

دوسری بات یہ ہے کہ اہل مکہ اگر کسی ضرورت سے حج کے مہینوں میں میقات سے باہر گئے اور اسی سال ان کو حج کرنے کا ارادہ ہے، لیکن ابھی حج کا وقت آنے میں بہت دیر ہے، ایسی صورت میں ان کو احرام باندھ کر میقات سے گزرنے کا پابند کرنا، جبکہ بار بار ان کو میقات سے باہر جانے کی ضرورت پڑتی ہے، بہت دشواری اور تنگی کی بات ہوگی، فقہاء احناف نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر حج کے ارادہ سے مکہ میں داخل ہو رہا ہو تو احرام باندھنا ضروری ہوگا، اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگر فی الحال حج کا ارادہ ہو تب تو احرام باندھنا ضروری ہوگا، لیکن اگر کچھ دنوں بعد حج کا ارادہ ہو تو احرام ضروری نہ ہو، جیسے میقات کے اندر رہنے والا اگر اسی سال حج کا ارادہ رکھتا ہو، لیکن ابھی کسی دوسرے کام سے حرم میں داخل ہو تو اس کے لئے بغیر احرام حرم میں داخل ہونا درست ہوگا، چنانچہ فقہاء کی عبارت پر غور فرمائیں:

وحل لأهل داخلها يعني لكل من وجد في داخل المواقيت دخول مكة غير محرم، مالم يرد نسكا للحرج كما لو جاوزها حطابو مكة (الدر المختار ۲/۴۸۳_۴۸۲)۔

میقات کے اندر رہنے والے لوگوں کے لئے مکہ میں بغیر احرام تنگی کی وجہ سے جائز ہے، جب تک کہ حج کا ارادہ نہ کریں، جیسا کہ مکہ کے لکڑہاروں کو بغیر احرام میقات سے آگے بڑھنے کی اجازت ہے۔

اور علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

ومن كان داخل الميقات، له أن يدخل مكة لحاجته... بخلاف ما إذا قصد أداء النسك لأنه يتحقق أحيانا فلا حرج (الہدایہ ۱/۲۶۷)۔

جو لوگ میقات کے اندر ہوں ان کے لئے کسی کام سے مکہ میں بغیر احرام داخل ہونا جائز ہے... لیکن جب حج کا ارادہ ہو تو جائز نہیں، اس لئے کہ یہ کبھی کبھار کیا جاتا ہے، اس وقت کوئی پریشانی کی بات نہیں۔

۵۔ تمتع کرنے والے آفاقی کا مزید عمرہ کرنا:

حج تمتع کرنے والے آفاقی شخص کو تمتع کا عمرہ کرنے کے بعد اور حج سے پہلے یعنی آٹھویں ذی الحجہ سے پہلے تک مزید عمرے کرنے کی گنجائش ہوگی، اس لئے کہ متمتع پہلا عمرہ اور حلق یا قصر کرنے کے بعد حلال ہو جاتا ہے، حلال شخص کے لئے مزید عمرے کی گنجائش ہے، اور مزید یہ کہ وہ آفاقی بھی ہے، اس کو بار بار عمرہ کا موقع نہیں مل سکتا، بہت سے حاجی ایسے بھی ہوتے ہیں، جو ایام حج سے بہت پہلے حرام آ جاتے ہیں، اور ۱۳ر ذی الحجہ کو ان کی فلائٹ ہوتی ہے، علامہ ابن عابدین شامی نے درمختار باب التمتع میں متمتع کے ارکان عمرہ ادا کرنے کے بعد حلال ہونے کے ذیل میں لکھا ہے:

أفاد أنه يفعل ما يفعل الحلال، فيطوف بالبيت ما بدا له، ويعتمر قبل الحج (رد المحتار ۲/۵۶۴)۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ متمتع وہ کام کر سکتا ہے جو حلال (غیر محرم) شخص کرتا ہے، چنانچہ وہ جتنا چاہے طواف کرے، اور حج سے پہلے عمرہ کرے۔

اور علامہ داؤد بن یوسف لکھتے ہیں:

لا بأس بالعمرة في السنة كلها ما خلا خمسة يوم عرفة ويوم النحر وأيام التشريق (فتاوی ہندیہ ۱/۵۸)۔

پانچ دن: یوم الاضحیٰ اور ایام التشریق کے سوا پورے سال عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۶۔رمی جمرات کی نیابت:

جمرات پر کنکری خود سے مارنے کے بجائے دوسرے کو نائب بنانا درست ہے، لیکن نائب بنانا اسی وقت درست ہوگا، جبکہ کوئی عذر ہو، مثلاً کنکری مارنے والا بیمار ہو، یا سن رسیدہ ہو، یا اگر کنکری مارنے میں لگ جانے سے طواف زیارت فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو، کمزور اور عورتوں کے لئے بھیڑ کی وجہ سے رمی کے لئے دوسرے کو نائب بنانا درست ہوگا، البتہ جو لوگ تندرست ہیں، ان کے لئے بغیر عذر دوسرے سے رمی کرانا درست نہیں ہوگا، چنانچہ علامہ علاؤ الدین کاسانی لکھتے ہیں:

سواء رمى بنفسه أو رمى لغيره عند عجزه عن الرمي بنفسه (بدائع الصنائع ۲/۱۳۷)۔

چاہے خود رمی کرے، یا خود سے عاجز ہونے کی صورت میں دوسرے سے رمی کرائے۔

اور شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں:

لأنه فيما يعجز يستعين بغيره ، وإن رمى عنه أجزاه ، بمنزلة المغمى عليه، فإن النيابة تجري في النسك كما في الذبح (المبسوط ۴/۶۹)۔

جو کام خود نہیں کیا جا سکتا اس میں دوسرے سے مدد لی جا سکتی ہے، لہذا اگر دوسرے نے اس کی طرف سے رمی کر دی، تو کافی ہو جائے گی، جیسے کوئی بے ہوش ہو جائے کیونکہ حج میں نیابت جائز ہے، جیسے ذبح میں جائز ہے۔

آج کل ذبح میں جتنی دشواری نہیں ہوتی، اتنی دشواری رمی میں ہوتی ہے اس لحاظ سے معمولی عذر کی بنا پر بھی نیابت جائز ہونی چاہئے، لیکن جن لوگوں کو کوئی عذر نہ ہو، محض جلدی اپنے گھر جانے کے لئے کسی کو نائب بنا کر منیٰ سے رخصت ہونا جائز نہیں ہوگا۔

۷۔حالت احرام میں گرفتاری:

جو لوگ بلا اجازت حج کا احرام باندھیں اور حکومت ان کو گرفتار کر لے، ایسے لوگ "محصر" کے حکم میں ہوں گے، چنانچہ علامہ عالم بن العلا دہلوی لکھتے ہیں:

المحصر هو الممنوع عن الوصول الى بيت الله تعالى بعد الإهلال بحجة أو عمرة ، وفي الخانية لمرض أو عدو كافر أو مسلم (فتاوی تاتارخانیہ ۲/۵۳۵)۔

"محصر" ایسا آدمی ہے، جس کو حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد بیت اللہ جانے سے روک دیا گیا ہو، فتاوی خانیہ میں ہے کہ مرض کی وجہ یا دشمن کی وجہ سے رکنے کی نوبت آئی ہو، خواہ دشمن کافر ہو یا مسلمان۔

ایسے محصر شخص کے لئے حالت احرام سے نکلنے کے لئے حرم ہدی بھیجنی پڑے گی، جب اس کو معلوم ہو جائے

کہ ہدی ذبح ہوگئی ہوگی تو احرام سے حلال ہوجائے، ایسے شخص پر حلق یا قصر ضروری نہیں، مگر کرلے تو بہتر ہے۔

۸۔ رمی، ذبح اور حلق کی ترتیب:

حج تمتع اور قران کرنے والوں کے لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رمی جمار، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک سنت ہے:

ومن أخر الحلق حتى مضت أيام النحر فعليه دم عند أبي حنيفة، وكذلك لو أخر الزيارة عنده، وقالا: لاشئ عليه، وكذلك الخلاف في تأخير الرمي وفي تقديم نسك على نسك، كالحلق قبل الرمي ونحر القارن قبل الرمي والحلق (اللباب ۲۱۰/۱)

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ترتیب مسنون ہے، چنانچہ علامہ شیخ محمد عرفہ الدسوقی لکھتے ہیں:

ترجمہ: پھر ذبح کے بعد حلق مستحب ہے، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ترتیب مستحب ہے، اور حلق تو فی نفسہ واجب ہے، جاننا چاہئے کہ یوم النحر میں جو افعال کئے جاتے ہیں، اور وہ رمی، پھر ذبح اور پھر حلق ہیں، ان تینوں چیزوں کے درمیان ترتیب مقصود ہونے پر علماء کا اتفاق ہے، اور ذبح کے بعد حلق مستحب ہونے میں قارن اور مفرد کے درمیان کوئی فرق نہیں (حاشیہ دسوقی علی الشرح الکبیر ۴۶/۲)۔

اور علامہ نووی لکھتے ہیں:

وأما الأعمال المشروعة يوم النحر فهي أربعة: رمي جمرة العقبة، ثم ذبح الهدي، ثم الحلق، ثم الذهاب إلى مكة لطواف الإفاضة وهي على هذا الترتيب مستحبة، فلو خالف فقدم بعضها على بعض جاز وفاته الفضيلة (کتاب الایضاح فی مناسک الحج والعمرۃ ۳۱۱)۔

دسویں ذی الحجہ کو جو کام کئے جاتے ہیں، وہ چار ہیں: جمرہ عقبہ کی رمی، پھر ذبح، پھر حلق اور پھر مکہ جاکر طواف افاضہ کرنا، یہ اسی ترتیب کے ساتھ مستحب ہے، اور اگر اس کے خلاف کیا، اور کسی کو پہلے اور کسی کو بعد میں کردیا تو جائز ہے لیکن فضیلت حاصل نہیں ہوئی۔

اور ابن قدامہ لکھتے ہیں:

وفي يوم النحر أربعة أشياء: الرمي، ثم النحر، ثم الحلق، ثم الطواف والسنة ترتيبها هكذا، فإن النبي ﷺ رتبها كذلك (المغنی ۴۳۰/۳)۔

عیدالاضحیٰ کے دن چار کام ہیں: رمی، پھر قربانی، پھر حلق اور پھر طواف، یہ ترتیب اسی طور پر مسنون ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اسی ترتیب سے کیا ہے۔

آج کل حج میں جس قدر بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے، اور ہر ایک کا ذبح تک پہونچنا آسان نہیں ہوتا، اس لحاظ سے صاحبین اور جمہور فقہاء کے قول کو اختیار کرلینا چاہئے، اس وجہ سے بھی کہ صاحبین اور جمہور کا مسلک حدیث سے صراحۃً ثابت ہے، صاحب شریعت نے صاف طور پر تقدیم و تاخیر کی وجہ سے کوئی چیز لازم نہیں کی ہے، چنانچہ حضرت

وسلم وغیرہ کی روایت ہے:

عن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ أن رسول الله ﷺ: وقف فی حجة الوداع، فجعلوا یسألونه، فقال رجل: لم أشعر، فحلقت قبل أن إذبح قال: إذبح، ولا حرج فجاء آخر فقال: لم أشعر فنحرت قبل أن أرمی، قال ارم ولا حرج، فما یسئل یومئذ عن شئ قدم ولا أخر إلا قال: افعل ولا حرج (بخاری ۱/۲۳۲)۔

۹۔ حج بدل کے احکام:

ایک آدمی نے کسی کو حج بدل کے لئے بھیجا، اور اس نے حج افراد، تمتع یا قران کی صراحت نہیں کی، تو عرف کا لحاظ کرتے ہوئے اور "المعروف عرفا کالمشروط شرطا" کے قاعدہ کے مطابق اس حج کو "حج تمتع" شمار کیا جاسکتا ہے، اس لئے آج کل بیشتر لوگ بڑے پیمانے پر حج تمتع کرتے ہیں، صاحب فتاوی تاتارخانیہ کی مذکورہ ذیل عبارت سے اس مسئلہ پر روشنی حاصل کی جاسکتی ہے:

ولو أمره بالحج مطلقا فحج المأمور ماشیا فهو مخالف، لأن مطلق الأمر بالحج فیما بین العباد ینصرف إلی ما فرض الله تعالی علی عباده وذلک الحج راکبا (تاتارخانیہ ۲/۵۴۶)۔

اگر آمر نے مطلق حج کا حکم دیا، اور حج بدل کرنے والے نے پیدل حج کیا تو اس نے خلاف ورزی کی، اس لئے حج کا مطلق حکم لوگوں کے معاشرہ میں اس طرف محمول کیا جائے گا، جو اللہ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے، وہ سواری کے ساتھ حج کرنا ہے۔

(الف) حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کرسکتا ہے، علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

و دم القران والتمتع والجنایة علی الحاج إن أذن له الآمر بالقران و التمتع (الدرالمختار ۴/۳۲)۔

اگر آمر نے قران اور تمتع کی اجازت دی تو قران اور تمتع کی قربانی اور دوسری جنایت کا خرچ حج کرنے والے کے ذمہ ہوگا۔

(ب) حج تمتع کرنے والا آمر کی صریح اجازت کے بغیر تمتع کرسکتا ہے، علامہ عالم بن علاء انصاری دہلوی لکھتے ہیں:

وإذا أمر غیره بالإفراد بحجة فقرن، فهو مخالف ضامن فی قول أبی حنیفة، وقال أبو یوسف و محمدؒ یجزئ عن الآمر استحسانا و هذا الخلاف فیما إذا قرن عن الآمر (فتاوی تاتارخانیہ ۲/۵۴۶)۔

اگر آمر نے صرف حج یا عمرہ کا حکم دیا اور مامور شخص نے قران کرلیا تو وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خلاف ورزی کرنے والا اور ضامن ہوگا، امام ابویوسف اور امام محمدؒ کہتے ہیں: بطور استحسان آمر کی طرف سے قران جائز ہو

جائے گا، جبکہ اس نے آمر ہی کی طرف سے قران کیا ہو۔

(ج) آمر کی طرف سے حج تمتع کی صریح اجازت نہیں ملی، لیکن حج بدل کرنے والے کا غالب گمان ہے کہ آمر اس کی اجازت دے دیتا، تو تمتع کر سکتا ہے۔

(د) حج تمتع کرنے والا آمر کی اجازت سے تمتع کر رہا ہو یا اس کی اجازت کے بغیر، دونوں صورتوں میں قربانی حج کرنے والے کے مال سے کی جائے گی، چنانچہ صاحب درمختار فرماتے ہیں:

و دم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا فيضمن (الدرالمختار ۲/۳۲)۔

قران اور تمتع کا دم اور دوسرے جنایت حاجی کے مال سے لازم ہوگی، اگر آمر نے قران یا تمتع کی اجازت دی ہو، ورنہ وہ خلاف کام کرنے والا اور ضامن ہوگا۔

(ہ) حج بدل کرنے والا میت کی طرف سے حج کرے، یا زندہ آدمی کی طرف سے، دونوں کا حکم برابر ہے، فلو امرہ بالافراد فقرن او تمتع ولو للميت (ردالمحتار ۲/۱۷)، لہذا اگر تاتارخانیہ کی عبارت کے مطابق صاحبین کے استحسان والے قول پر عمل کیا جائے (تاتارخانیہ ۲/۵۳۶) تو مردہ و زندہ دونوں اس میں شامل ہوں گے، اور دونوں کی طرف سے بغیر اجازت تمتع کرنا صحیح ہوگا۔

۱۰۔ طواف زیارت کے وقت ناپاکی کا حکم:

(الف) جو عورت یوم النحر سے لے کر گھر واپس ہونے تک ناپاکی کی حالت میں رہی، اور اس کے لئے پاکی کی حالت کا انتظار قانونی یا معاشی مجبوری کی وجہ سے ممکن نہیں، ایسی عورت ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کر سکتی ہے۔

(ب) ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرنے سے حج کا رکن ادا ہو جائے گا۔

(ج) ناپاکی کی حالت میں طواف کرنے اور اس کی قضا نہ کرنے کی صورت میں بدنہ (بڑا جانور) ذبح کرنا ضروری ہوگا۔

چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

نقل بعض المحشين عن منسک ابن أمير الحاج: لو هم الركب على القفول ولم تطهر، فاستفتت هل تطوف أم لا؟ قالوا: يقال لها: لا يحل لک دخول المسجد وإن دخلت و طفت أثمت و صح طوافک و عليک ذبح بدنة، وهذه مسألة كثيرة الوقوع يتحير فيها النساء (ردالمحتار ۳/۵۳۹)۔

کچھ محشیوں نے ابن امیر حاج سے نقل کیا ہے کہ قافلہ والوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا، اور عورت پاک نہیں ہوئی، اس نے فتوی مانگا کہ کیا وہ طواف کر سکتی ہے یا نہیں؟ اس سے کہا گیا: ایسی عورت کے لئے مسجد میں داخل ہونا

جائز نہیں، اگر اس نے مسجد میں داخل ہو کر طواف کرلیا تو گنہگار ہوگی، اور اس کا طواف درست ہو جائے گا، اور بدنہ ذبح کرنا ضروری ہوگا۔ یہ مسئلہ عورتوں کو بہت پیش آتا ہے جس سے وہ پریشان ہو جاتی ہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اس مسئلہ پر کافی تفصیل سے بحث کی ہے، چنانچہ ان کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

فهذه "المسألة" التى عمت بها البلوى فهذه إذا طافت وهي حائض و جبرت بدم او بدنة، اجزاها ذلك عند من يقول: الطهارة ليست شرطا، كما تقدم فى مذهب ابى حنيفة و احمد فى إحدى الروايتين (مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۲۶ر۲۲۵)۔

یہ مسئلہ ابتلاء عام کی شکل اختیار کرگیا ہے، چنانچہ ایسی عورت اگر ناپاکی کی حالت میں طواف کرلے اور دم یا بدنہ کی قربانی دے دے تو ان لوگوں کے نزدیک جائز ہے جو کہتے ہیں: طواف کیلئے طہارت شرط نہیں، جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے، اور امام احمد سے ایک روایت ایسی ہی منقول ہے۔

(د) ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرنے پر جو بدنہ لازم ہوگا، اس کی ادائیگی حرم کے حدود میں ہی کی جائے گی، علامہ سرخسی کے مطابق:

و جميع ما يجب من الدماء يختص جوازها بالحرم باتفاق بين العلماء (المبسوط ۴ر۵۳۶)

باتفاق علماء تمام واجب قربانیوں کی ادائیگی صرف حرم میں ہی جائز ہوگی۔

۱۱۔ سفر حج میں شوہر کا انتقال:

حج یا عمرہ کے سفر میں کسی عورت کا شوہر انتقال کرجائے تو اس کی تین حالت ہوگی:

(۱) جس جگہ شوہر کا انتقال ہوا ہے وہاں سے عورت کا گھر سفر شرعی سے کم ہو تو وہ اپنے گھر لوٹ آئے۔

(۲) اگر مقام وفات اور گھر کے درمیان سفر شرعی (۴۸ میل ر ۸۹ کلومیٹر) یا اس سے زیادہ کا فاصلہ ہو، اور وہاں سے مکہ مکرمہ سفر شرعی سے کم ہو، تو عورت اپنا سفر جاری رکھے اور حج کرلے۔

(۳) لیکن اگر مقام وفات سے گھر اور مکہ مکرمہ دونوں سفر شرعی کی دوری پر ہو، اور وہ جگہ شہر ہو تو عورت وہاں سے نہ نکلے، بلکہ وہیں عدت گزارے، اگر اس کا محرم موجود ہو تب بھی امام اعظمؒ اس عورت کو نکلنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں، جبکہ صاحبین محرم کے ساتھ اس کو سفر حج کی اجازت دیتے ہیں۔

اور اگر صحرا یا گاؤں میں شوہر کا انتقال ہوا ہو، اور وہ جگہ جانی و مالی اعتبار سے مامون نہ ہو، تو عورت وہاں سے مامون جگہ میں جاکر عدت گزار سکتی ہے، لیکن وہاں سے کہیں نکل نہیں سکتی ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک عورت محرم کے ساتھ نکل کر حج کرسکتی ہے (فتاوی تاتارخانیہ ۲ر۴۳۵، المغنی ۳ر۲۴۱، ۷ر۵۳۱)۔

امام طحاوی نے اس مسئلہ میں صاحبین کی رائے کو ترجیح دی ہے:

وقال أبو يوسف و محمد. إذا كان معها ذو محرم فلا باس أن تخرج فى عدتها، لأنها ليست فى منزلها، وبه نأخذ (مختصر الطحاوی ر ۲۱۹)۔

۱۲۔ مکہ اور منیٰ میں اقامت کی نیت:

یہ حقیقت ہے کہ آج منیٰ مکہ مکرمہ کی آبادی سے بالکل قریب ہوگیا ہے، اس لئے اگر آج کل مکہ اور منیٰ میں مجموعی طور پر پندرہ دن رہنے کی نیت ہو تو پوری نماز (اتمام) پڑھی جائے۔

فقہاء نے اتمام سے جو منع کیا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں منیٰ مکہ کی آبادی سے بہت دور تھا، چنانچہ صاحب فتاویٰ سراجیہ لکھتے ہیں:

رجل قدم بمكة حاجا في عشرة الأضحى وهو يريد أن يقيم بها سنة، فإنه يصلي ركعتين، حتى يرجع من منى، لأن نية الإقامة الحال لا يعتبر بها، لأنه يحتاج إلى أن يخرج إلى منى لقضاء المناسك، فصار بمنزلة نية الإقامة في غير موضعها (الفتاوی السراجیہ:۱۱)۔

لیکن یہ بات نہیں رہی، منیٰ کا شمار اب شہر مکہ میں ہی ہوتا ہے۔

۱۳۔ دو سلام سے وتر پڑھنے والے کی اقتداء:

سعودی عرب وغیرہ کے علاقے جہاں تمام مساجد میں وتر دو سلام سے پڑھی جاتی ہے، ایسی مساجد میں اور خصوصاً حرمین شریفین میں امام کے ساتھ دو سلام سے وتر پڑھ لینا بہتر ہوگا، اس لئے کہ اختلافی مسائل میں نماز پڑھانے والے کے مسلک کے مطابق نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، امام ابو بکر جصاص رازی نے شوافع کے پیچھے وتر کی نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

لا يجوز اقتداء الحنفي بمن يسلم من الركعتين في الوتر وجوزه أبو بكر الرازي ويصلي معه بقية الوتر، لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده، وهو مجتهد فيه، كما لو اقتدى بإمام قد رعف (البحر الرائق ۲؍۴۲)۔

حنفی کی اقتداء ایسے امام کے پیچھے جو وتر کی دو رکعت پر سلام پھیرتا ہے، جائز نہیں، امام ابو بکر رازی نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ یہ امام حنفی کے خیال کے مطابق سلام کی وجہ سے نماز سے باہر نہیں ہوا، اور یہ مسئلہ اجتہادی ہے، جیسا کہ نکسیر پھوٹنے والے امام کی اقتداء کے بارے میں اختلاف ہے۔

خلاصۂ بحث

۱۔ تجارت، ملاقات وغیرہ کی غرض سے مکہ جانے والوں کے لئے میقات سے احرام باندھ کر گذرنا ضروری نہیں ہونا چاہئے۔

۲۔ اہل مکہ کا حدود میقات سے باہر جانے کے بعد دوبارہ احرام باندھ کر مکہ آنا ضروری نہیں۔

۳۔ مکہ میں مقیم لوگ حج تمتع یا قران کر سکتے ہیں، لیکن مکروہ ہے۔

۴۔ مکہ میں رہنے والے جو لوگ اسی سال حج کا ارادہ رکھتے ہوں، اور وہ حج کے مہینے میں میقات سے باہر

گئے ہوں ان کے لئے احرام باندھ کر مکہ آنا ضروری نہیں جب کہ فی الحال ان کا حج کا ارادہ نہ ہو۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی پہلا عمرہ کرنے کے بعد حج سے پہلے مزید عمرے کر سکتا ہے۔

۶۔ (الف) رمی جمار دوسرے کی طرف سے کی جا سکتی ہے۔

(ب) عورت اور کمزور لوگوں کے لئے اژدہام کے وقت دوسرے سے رمی کرانی درست ہے۔

۷۔ بغیر اجازت حج کرنے والے اگر احرام کی حالت میں گرفتار ہو جائیں تو وہ "محصر" کے حکم میں ہوں گے، وہ کسی کے ذریعہ حرم میں قربانی کرا کر احرام سے نکل جائیں گے۔

۸۔ متمتع اور قارن کیلئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب کے بارے میں صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے مسلک والے قول کو اختیار کر لینا چاہئے۔

۹۔ حج بدل کو عموماً حج تمتع تصور کیا جا سکتا ہے۔

(الف) حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے۔

(ب) حج بدل کرنے والا آمر کی صریح اجازت کے بغیر بھی تمتع کر سکتا ہے۔

(ج) آمر کی صریح اجازت نہیں ملی، لیکن ظن غالب ہے کہ آمر اس کی اجازت دے دیتا تو حاجی تمتع کر سکتا ہے۔

(د) حج کرنے والا آمر کی اجازت سے تمتع کرے یا بغیر اجازت، دونوں صورتوں میں دم تمتع حاجی کے مال سے لازم ہوگا۔

(ھ) حج بدل کرنے والے کو آمر کی اجازت یا بغیر اجازت دونوں صورتوں میں حج تمتع کی گنجائش ہے۔

(ز) میت کی طرف سے حج بدل کرنے میں بھی تمتع کیا جا سکتا ہے۔

۱۰۔ (الف) مجبوری کی صورت میں عورت ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کر سکتی ہے۔

(ب) ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرنے سے رکن حج ادا ہو جائے گا۔

(ج) ناپاکی میں طواف زیارت کرنے سے بدنہ لازم ہوگا۔

(د) بدنہ ضرور حرم میں ہی ذبح کیا جائے گا۔

۱۱۔ سفر حج میں شوہر کا انتقال ہو جائے اور محرم ساتھ نہ ہو تو عورت حج و عمرہ کر سکتی ہے، جبکہ مقام وفات سے مکہ مسافت شرعی (۷۸ کلو میٹر) سے کم نہ ہو۔

۱۲۔ مکہ مکرمہ میں ۱۵ دن قیام سے پہلے منیٰ چلا جانا ہو، تو مکہ و منیٰ میں مجموعی طور پر ۱۵ دن یا اس سے زیادہ قیام ہو تو ایسا شخص مقیم کے حکم میں ہوگا۔

۱۳۔ دو سلام سے وتر پڑھنے والے امام کے پیچھے وتر کی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ کے چند جدید مسائل اوران کا شرعی حل

مولانا ابوبکر قاسمی

شکر پور بھروارہ، دربھنگہ

حج مذہب اسلام کا ایک اہم رکن ہے، اس کا منکر اسی طرح کافر ہے جس طرح نماز وروزہ کی فرضیت کا منکر کافر ہے، قرآن وحدیث میں حج کی بہت تاکید آئی ہے، بلکہ مسند دارمی میں ایک حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہوجائے اور اس کے لئے حج کرنے سے کوئی چیز مانع نہ ہو لیکن پھر بھی وہ شخص حج نہ کرے تو ایسا شخص چاہے تو یہودی بن کر مرے یا نصرانی بن کر مرے (مشکوۃ ۱؍۲۲۲) ظاہر ہے کہ اس حدیث پاک میں اس شخص کے لئے کس قدر وعید شدید ہے جو حج کے اپنے اوپر فرض ہوجانے کے باوجود اس کو انجام نہ دے، اسی لئے علمائے اسلام نے حج اور عمرہ کے مسائل کو خصوصی اہمیت دی ہے، اور اس موضوع پر مستقل کتابیں اور رسائل تصنیف کئے ہیں۔

ا۔ حج وعمرہ کے ارادہ کے بغیر بدون احرام کے حرم مکی میں داخل ہونے کا شرعی حکم:

اس میں تو کسی امام کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے حرم مکی میں داخل ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہو، البتہ جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتے ہیں بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد کے لئے حرم مکی یا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں، کیا ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں؟ تو اس سلسلے میں فقہاء مجتہدین کے درمیان اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکہ مکرمہ یا حرم مکی میں داخل ہونے والے ہر شخص پر احرام باندھنا واجب ہے، خواہ وہ حج وعمرہ کے ارادہ سے مکہ میں داخل ہو یا اس کے علاوہ کسی اور نیت سے مکہ میں داخل ہو، چنانچہ عمدۃ الاحکام کی شرح تیسیر العلام میں ہے:

اختلفوا في وجوبه على من أراد الدخول بغير نسك كدخوله لتجارة أو سكن او غير ذلك فذهب الأئمة الثلاثة ابو حنيفة ومالك واحمد إلى وجوب الإحرام على من دخله سواء كان لنسك او غيره (تیسیر العلام شرح عمدۃ الاحکام لعبداللہ بن عبدالرحمن بن صالح آل بسام ۱؍۳۶۸)۔

لیکن حضرت امام شافعیؒ کا مشہور قول، امام مالک کی ایک روایت، داؤد ظاہری، ابن حزم، امام زہری، حسن بصری اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ جو شخص مکہ میں حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور نیت سے داخل ہو تو اس پر احرام باندھنا واجب نہیں ہے، ابن مفلح نے فروع میں امام احمد کی اسی روایت کو ظاہر روایت قرار دیا ہے۔

وذهب الإمام الشافعي في المشهور عنه إلى جواز الدخول بلا إحرام لمن لم يرد الحج أو العمرة وهو مذهب الظاهرية ونصره ابن حزم في المحلى وهو رواية الإمام أحمد، اختارها شيخ الإسلام ابن تيمية وأبو البقاء بن عقيل قال ابن مفلح في الفروع وهي ظاهرة (حوالہ بالا، نیز

دیکھئے فتح الباری ۳؍۵۱۷)۔

حاشیہ بخاری میں امام شافعیؒ کا قول وجوب احرام کا نقل کیا گیا ہے (حاشیہ بخاری ۱؍۲۴۹) لیکن تیسیر العلام اور فتح الباری کے حوالے سے جو اوپر امام شافعیؒ کا قول نقل کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاشیہ بخاری میں امام شافعیؒ کا مشہور قول جو وجوب احرام کا مطلقاً نقل کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

جو ائمہ مکہ میں دخول کے لئے مطلقاً وجوب احرام کے قائل ہیں ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) قال اللہ تعالیٰ لقد صدق اللہ رسوله الرؤيا بالحق لتدخلن المسجد الحرام إن شاء اللہ آمنين محلقين رؤوسكم ومقصرين (سورہ فتح ۲۷)

امام شافعیؒ نے کتاب الام میں جہاں میقات سے بغیر احرام کے مجاوزت کی ممانعت کو ثابت کیا ہے وہیں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دخول حرم کے طریقہ کو بیان فرمایا ہے (کتاب الام ۲؍۱۴۱)۔

(۲) روى ابن ابى شيبة والطبرانى عن ابن عباسؓ مرفوعا لايجاوز أحد الميقات إلا محرما قال الحافظ وفى اسناده ضعيف قلت قد ضعفه البعض و وثقه جماعة وأخرجه ابن عدى من وجهين ضعيفين وأخرجه الشافعىؒ عن ابن عباسؓ باسناد صحيح جيد لكنه موقوف قلت فهذا الموقوف الصحيح يشعر بصحة مرفوع ضعيف (فتح الملہم ۳؍۲۱۲، بحوالہ احسن الفتاوی ۴؍۵۴۱، حاشیہ مشکوۃ ۱؍۲۲۱)۔

(۳) أخرجه البيهقى بلفظ لايدخل احد مكة إلا محرما قال الحافظ واسناده جيد (اعلاء السنن ۱۰؍۱۲، نیل الاوطار ۳؍۱۸، بحوالہ احسن الفتاوی ۴؍۵۴۱، تیسیر العلام ۱؍۴۸۶، شرح معانی الآثار للطحاوی ۱؍۳۶۱، باب دخول الحرم هل يصلح بغیر احرام)۔

اور جن حضرات علماء وفقہاء نے حاجی ومعتمر کے علاوہ دیگر اشخاص کے لئے بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونے کو جائز قرار دیا ہے ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) عن ابن عباس أن النبى ﷺ وقت لأهل المدينة ذالحليفة ولأهل الشام الجحفة ولأهل نجد قرن المنازل ولأهل اليمن يلملم هن لأهلهن ولكل آت أتى عليهن من غيرهن من أراد الحج والعمرة فمن كان دون ذلك حيث انشأ حتى أهل مكة من مكة (بخاری شریف ۱؍۲۰۷، مسلم ۱؍۳۷۵، مشکوۃ ۱؍۲۲۱)

قال الحافظ بن حجر فى الفتح فيه دلالة على جواز دخول مكة بغير إحرام (فتح الباری ۳؍۴۵۲)۔

(۲) عن جابر بن عبدالله الانصارى أن رسول الله ﷺ دخل مكة وقال قتيبة دخل يوم فتح مكة وعليه عمامة سوداء بغير إحرام (مسلم شریف ۱؍۴۳۹)۔

(۳) مالک عن نافع أن عبدالله بن عمر أقبل من مكة حتى إذا كان بقديد جاءه خبر من

المدینة ثم رجع فدخل مکة بغیر احرام (موطا امام مالک، جامع الحج ص ۱۶۵)۔

یہاں تک دونوں فریق کے دلائل بیان کئے گئے۔ اگر ان دلائل کو غور سے پڑھا جائے تو ہر ایک کا جواب ممکن ہے، مثلاً جو لوگ وجوب احرام کے قائل ہیں ان کی پہلی دلیل اپنے مدعا میں واضح نہیں ہے، دوسری دلیل واضح ہے لیکن قدرے کمزور ہے، تیسری دلیل اگرچہ اس کی سند جید ہے لیکن ظاہر ہے کہ حضرات حنفیہ نے اس حدیث کے عام حکم وجوب احرام سے حل میں رہنے والے کو خاص کیا ہے، اور اس کے لئے بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونے کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

ومن کان داخل المیقات له أن یدخل مکة بغیر إحرام لحاجته لأنه یکثر دخوله مکة وفی إیجاب الإحرام فی کل مرة حرج بین فصار کأهل مکة حیث یباح لهم الخروج منها ثم دخولها بغیر إحرام لحاجتهم بخلاف إذا قصد أداء النسک لأنه یتحقق أحیانا فلا حرج (ہدایہ ۱/۲۳۵)۔

نیز جب قائلین وجوب نے تیسری حدیث کو قیاس کے ذریعہ غیر اہل حل کے لئے مخصوص قرار دیا ہے تو بدرجہ اولیٰ ان کی دوسری دلیل کو عدم وجوب کے قائلین کی پہلی دلیل کے ذریعہ حج و عمرہ کرنے والوں کے ساتھ مخصوص قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور عدم وجوب احرام کے قائلین نے جو دلائل اپنے مدعا کے ثبوت میں پیش کئے ہیں ان کا جواب یہ ہے کہ اس میں حدیث کے مفہوم مخالف سے استدلال کیا گیا ہے جبکہ قرآن و حدیث میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے، خصوصاً اس صورت میں جبکہ وہ مفہوم منطوق کے خلاف ہو، نیز معارضہ کے وقت منطوق کو ترجیح دی جاتی ہے، علاوہ ازیں ارادۂ نسک سے ارادۂ حرم مراد ہے، کیونکہ دونوں کے درمیان تلازم ہے، چنانچہ جس طرح نسک کی عظمت کے پیش نظر احرام ضروری ہے اسی طرح حرم کی عظمت بھی احرام کا متقاضی ہے، نیز اس حدیث میں میقات کا بیان کرتے ہوئے حج و عمرہ کے ارادہ کا ذکر کرنا اس بات پر متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ مسلمان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ جب وہ حرم میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو ضرور اس کا ارادہ حج یا عمرہ کرنے کا ہونا چاہئے، اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر بغیر احرام کے حرم میں داخل ہونا حضور پاک ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا، اب کسی شخص کے لئے بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا جائز نہیں، چنانچہ موطا امام مالک کے حاشیہ میں ہے:

وأجاب من منعه عن دخوله ﷺ بغیر إحرام بکونه من خصائصه ﷺ (موطا امام مالک ص ۱۶۵)۔

اور حضرت امام محمدؒ نے تو موطا محمد میں ذکر کیا ہے کہ حضور پاک ﷺ فتح مکہ کے موقع پر جو بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے اس کے عوض جعرانہ سے احرام باندھ کر عمرہ کیا تھا (موطا امام محمد ص ۲۲۱)۔

اور عدم وجوب احرام کے قائلین کی تیسری دلیل کا جواب علمائے احناف کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ مقام قدید جہاں سے ابن عمرؓ فتنہ کی خبر سن کر بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہو گئے تھے، وہ مکہ اور میقات کے درمیان واقع ہے۔

وتأویله عند الحنفیة أن قدیدا وقع بین المیقات ومکة (حاشیہ موطا امام مالک جامع الحج ص ۱۶۵)۔

الغرض یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس کے پڑھنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ مکہ میں بغیر حج و عمرہ کے

ارادہ سے داخل ہونے والے شخص کے متعلق وجوب احرام اور عدم وجوب کے قائلین کی طرف سے جو دلائل دیے گئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا جو جواب دیا گیا ہے اس کے پس منظر میں کسی فریق کے قول کو بالکل بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی کسی فریق کے دعوی کو زیادہ قوی قرار دیا جا سکتا ہے، البتہ امام شافعی نے کتاب الام میں لکھا ہے کہ بغیر احرام کے میقات سے تجاوز ممنوع ہے، حضرات انبیاء حج کرتے ہوئے حرم کی تعظیم میں ننگے پاؤں اور پیدل چل کر آیا کرتے تھے، اور کسی نبی سے منقول نہیں ہے کہ وہ بیت اللہ میں بغیر احرام کے داخل ہوئے ہوں اور نہ ہی یہ گزشتہ امتوں سے منقول ہے، اور خود حضور ﷺ فتح مکہ کے علاوہ جب بھی مکہ میں داخل ہوئے تو احرام کے ساتھ داخل ہوئے، اور حضرات علماء نے کہا ہے کہ جو شخص بیت اللہ پہونچنے کی نذر مانے تو اس پر لازم ہے کہ حج و عمرہ کا احرام باندھ کر آئے، اور کسی عالم سے میں نے اس کے خلاف نہیں سنا، اور خود اللہ تعالی نے حرم میں داخل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے احرام کے سر منڈانے اور حلق و قصر کرانے کا تذکرہ فرمایا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ احرام کی حالت میں یا نسک کرنے کے ارادے سے حرم میں داخل ہونے کا طریقہ کیا ہے، البتہ لڑائی کی حالت میں احرام کی حالت میں داخل ہونا معاف کر دیا گیا ہے (کتاب الام ۲/۱۴۱)۔

حضرت امام شافعی کے مندرجہ ارشاد کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں دخول کے لئے وجوب والے قول کو راجح ہونا چاہیے، چنانچہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاوی میں وجوب احرام کے دلائل اور حضرت امام شافعی کے مندرجہ قول کو نقل کرنے کے بعد عدم وجوب احرام کے قائلین کے دلائل کا تفصیلی جواب دیتے ہوئے بدون ارادہ نسک کے بھی دخول حرم پر وجوب احرام کے قول کو ترجیح دی ہے (احسن الفتاوی ۴/۵۳۶-۵۴۵)، یاد رہے کہ فتح مکہ کے موقع پر بغیر احرام کے مکہ میں حضور پاک ﷺ کی خصوصیت منصوص ہے، جیسا اوپر عرض کیا گیا، اور اصل جو لوگ غیر حاجی وغیر معتمر کے لئے مکہ میں داخل ہوتے ہوئے وجوب احرام کے قائل نہیں ہیں ان کا کہنا ہے کہ:

احرام بذات خود مقصود نہیں ہے بلکہ ادائے نسک کے لئے ہے، لہذا جو شخص بدون ارادہ نسک کے حرم میں داخل ہونا چاہتا ہے اس کے حق میں حرم و دیگر مقام برابر ہے، لہذا اس کے لئے بغیر احرام کے حرم میں داخل ہونا جائز ہے، لیکن قائلین وجوب کا کہنا ہے کہ حرم قابل احترام اور بابرکت جگہ ہے اور اس میں دخول کے لئے احرام کا وجوب تعظیم ہی کے پیش نظر ہے، لہذا اس حکم میں تاجر و حاجی وغیرہ سب برابر ہوں گے۔

لأن وجوب الإحرام لتعظيم هذه البقعة الشريفة فيستوي فيه التاجر والمعتمر وغيرهما (شامی ۲/۱۵۱، ہدایہ ۱/۲۳۴) ومن قال بعدم وجوب الإحرام فهم يقولون: لأن الإحرام غير مقصود لعينه بل لأداء النسك به وهذا الرجل غير قاصد أداء النسك فكان الحرم في حقه كسائر البقاع فكان له أن يدخلها بغير إحرام (المبسوط ۴/۱۶۷)۔

راقم سطور کی ناقص رائے یہ ہے کہ حرم کا شمار شعائر اللہ میں ہوتا ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم کا خود اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے، اور ایک جگہ ارشاد فرمایا:

ومن يعظم شعائر الله فإنها من تقوى القلوب (سورۃ الحج/۳۲)۔

لہٰذا اس حکم خداوندی کے پیش نظر حرم میں داخل ہوتے وقت حرم کی تعظیم کا تقاضا ہے کہ احرام کا التزام کیا جانا چاہئے، چنانچہ خود حضرت امام شافعیؒ وغیرہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ میقات سے باہر رہنے والے لوگوں میں سے کسی شخص کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہو، اگر کوئی شخص اس کے خلاف کرے گا تو گناہ گار ہوگا لیکن اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا، البتہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسے شخص پر وجوب دم کے ساتھ حج یا عمرہ کرنا واجب ہوگا۔

لا يصلح لأحد كان منزله وراء الميقات إلى الأمصار أن يدخل مكة إلا بإحرام فإن لم يفعل أساء ولا شيء عليه عند الشافعي وأبي ثور وعند أبي حنيفة عليه حجة وعمرة (حاشیہ بخاری ۱/۲۳۹)۔

بغیر ارادہ نسک کے مکہ میں داخل ہونے کی صورت میں احرام باندھنے نہ باندھنے کے سلسلہ میں حضرات فقہاء کا جو اختلاف نقل کیا گیا وہ صرف وجوب وعدم وجوب کا ہے، ورنہ حرم مکہ میں داخل ہوتے ہوئے مطلقاً احرام کی مشروعیت پر تمام علماء کا اتفاق ہے، چنانچہ تیسیر العلام میں ہے:

أجمع العلماء على مشروعية الإحرام لمن أراد دخول الحرم سواء كان دخوله لنسك أو غيره (تیسیر العلام ۱/۳۸۵)۔

۲۔ بار بار آنے جانے والوں کے لئے بلا احرام میقات سے تجاوز کرنے کا شرعی حکم:

اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کے اقوال کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام فقہی مذاہب میں ایسے لوگوں کے لئے گنجائش ہے خصوصاً ڈرائیور، اور تجارتی اغراض سے روزمرہ آنے جانے والے لوگ جن کے لئے ہر بار احرام باندھنے میں حرج ومشقت ہے، اس لئے مذکورہ اشخاص سے دفع حرج اور رفع مشقت کرتے ہوئے ان کو بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی شرعاً گنجائش ہے (بحث ونظر: شمارہ ۳۲، صفحہ ۱۰۳)۔

چنانچہ صاحب ہدایہ وغیرہ فقہائے احناف نے حرج ومشقت ہی کے سبب حل میں رہنے والے لوگوں کو بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونے کو جائز قرار دیا ہے، البتہ اگر مذکورہ اشخاص حج وعمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں تو اس صورت میں ان کے لئے احرام باندھ کر جانا واجب ہوگا۔

ومن كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته لأنه يكثر دخوله مكة وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بين فصار كأهل مكة حيث يباح لهم الخروج منها ثم دخولها بغير إحرام لحاجتهم بخلاف إذا قصد أداء النسك لأنه يتحقق أحيانا فلا حرج (ہدایہ ۱/۲۳۵، ومثلہ فی فتاوی رحیمیہ ۵/۲۲۵)۔

وقال الإمام البخاري في صحيحه عند ذكر دخول الحرم ومكة بغير إحرام ودخل ابن عمر حلالا وإنما أمر النبي ﷺ بالإهلال لمن أراد الحج والعمرة ولم يذكره للحطابين

وغیرهم (بخاری ۱/۲۰۶).

وقال ابن حجر في فتح الباري: وليس يشكر دخوله خلاف من قال والأولى بعلم الوجوب والمشهور عن الأئمة الثلاثة الوجوب، وفي رواية عن كل منهم لا يجب وجزم الحنابلة باستثناء ذوي الحاجات المتكررة واستثنى الحنفية من كان داخل الميقات (فتح الباري ۳/۷۷).

س- اہل مکہ اور داخل میقات والوں کے لئے اشہرِ حج میں عمرہ کرنے کا حکم:

مکہ میں یا داخل میقات میں مقیم حضرات خواہ وہ وہیں کے باشندہ ہوں یا اشہرِ حج سے پہلے وہاں آ کر مقیم ہونے کے بعد مقیم ہو گئے ہوں، یہ سب حضرات اگر حج کا ارادہ رکھتے ہوں تو اسی سال ان کے لئے اشہرِ حج آ جانے کے بعد عمرہ کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر اس سال حج کا ارادہ نہ ہو تو اشہرِ حج میں بھی یہ حضرات عمرہ کر سکتے ہیں، البتہ ایام تشریق میں عمرہ کرنا کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے، ہاں جس شخص کا حج فوت ہو گیا ہو وہ ایام تشریق میں بھی عمرہ کر کے احرام سے حلال ہو سکتا ہے (معلم الحجاج ص ۲۰۵، مسائل عمرہ)۔

زبدۃ المناسک میں ہے:

مسئلہ: مکہ والوں کو اور جو شخص مکہ والوں کے حکم میں ہے یعنی داخل میقات رہنے والا (یا عین میقات پر رہنے والا) ہے، اور جو شخص کہ اشہرِ حج کے پہلے سے مقیم مکہ ہے، جیسے کہ آفاقی اشہرِ حج سے پہلے حلال ہو کر مکہ میں رہا اور پھر اس پر اشہرِ حج آ گئے ان کو عمرہ کرنا اشہرِ حج میں مکروہ ہے جو کہ اسی سال حج کرتا ہے، اور اگر اس سال حج نہ کرے تو عمرہ اشہرِ حج میں کرنا ان سب کو مکروہ نہیں (زبدۃ المناسک ۱/۱۵۵، بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۵/۲۲۴)۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے: اگر اس سال حج کا ارادہ ہے تو عمرہ کرنا مکروہ ہے اگر حج کا ارادہ نہیں تو مکروہ نہیں (حوالہ بالا)۔

شامی میں ہے:

يزاد على الأيام الخمسة ما في اللباب وغيره من كراهة فعلها في أشهر الحج لأهل مكة ومن بمعناهم أي من المقيمين ومن في داخل الميقات لأن الغالب عليهم أن يحجوا في سنتهم فيكونوا متمتعين وهم عن التمتع ممنوعون وإلا فلا منع للمكي عن العمرة المفردة في أشهر الحج إذا لم يحج في تلك السنة ومن خالف فعليه البيان شرح اللباب ومثله في البحر (رد المحتار ۲/۱۹۵).

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکی کے لئے حج قران یا تمتع کی شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟ تو اس مسئلہ میں مناسک کی عام کتابوں میں تحریر ہے کہ مکی نے تمتع یا قران کیا تو کراہت تحریمیہ کے ساتھ ہو جائے گا، اور اس پر دم شکر کے بجائے دم جبر واجب ہے، اس لئے اس سے وہ خود نہیں کھا سکتا، چنانچہ در مختار میں ہے:

(والمكي ومن في حكمه يفرد فقط) ولو قرن أو تمتع جاز وأساء وعليه دم

جبر (درمختار مع رد المحتار ۲/ ۳۶۴)۔

مگر علامہ شامیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ حکم صحت مع الکراہت آخر یہ صرف قران کے لئے ہے، مکی کا تمتع منعقد ہی نہیں ہوتا اس لئے تمتع کی صورت میں دم جبر واجب نہیں، البتہ یہاں بطلان تمتع سے بطلان حج کا لازم نہ ہونا چاہئے۔

۴۔ مکی یا مکہ میں مقیم آفاقی اگر حج کا ارادہ رکھتا ہو، اور پھر اشہر حج میں سفر کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

اس مسئلہ میں حضرات فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں حقیر کی ناقص رائے یہ ہے کہ اگر حج کے ایام قریب ہوں، اور ان حضرات کو چاہئے کہ میقات سے گذرتے وقت حج افراد کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوں، کیونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکہ میں مقیم آفاقی اگرچہ اشہر حج میں مکہ کرمہ سے باہر آفاق میں چلا جائے لیکن پھر بھی وہ حکم مکی باقی رہتا ہے، اور ظاہر ہے کہ مکی کے لئے تمتع و قران جائز نہیں ہے، اس لئے ایسا شخص میقات سے گزرتے ہوئے فقط حج کا احرام باندھ کر مکہ کرمہ میں داخل ہو، کیونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہی مفتی بہ ہے، البتہ اگر حج کے ایام بعید ہوں اور حج کا احرام باندھ کر میقات سے مکہ آنے کی صورت میں اطالہ احرام کی گنجائش ہے، تو اس صورت میں شخص مذکور کے لئے حضرات صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے تمتع کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ حضرات صاحبین کے نزدیک مکہ میں مقیم آفاقی کے اشہر حج میں میقات سے باہر آفاق میں جانے کی صورت میں وہ شخص بحکم آفاقی ہو جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ آفاقی کے لئے حج تمتع کرنا جائز ہے، یاد رہے کہ مندرجہ صورت میں مطلقاً حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول مفتی بہ ہے، لیکن دور حاضر کے حالات کے پیش نظر چونکہ مکہ میں مقیم آفاقی کو دقت و پریشانی ہو سکتی ہے اس لئے مذکورہ تفصیل کے مطابق اس کے لئے عمل کرنے کی گنجائش ہے، چنانچہ مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاوی میں لکھا ہے: "اگر (کوئی آفاقی) شوال شروع ہو جانے کے بعد مکہ کرمہ سے آفاق میں گیا تو عند الصاحبین تمتع و قران کر سکتا ہے، عند الامام یہ شخص بھی بحکم مکی ہے، اس لئے تمتع و قران نہیں کر سکتا، اسی پر فتوی ہے، لہذا افراد کرے، البتہ حکومت کے تحت مجبور ہو اور اطالہ احرام مشکل ہو تو تمتع کی گنجائش ہے۔"

وأما الآفاقي (إلى قوله) وإذا خرج إلى الآفاق قبل أشهر الحج فإن مكث بها حتى دخل أشهر الحج فهو كالمكي بالاتفاق أو فيها فكالمكي عند أبي حنيفة إلا أن يعود إلى أهله ... كالآفاقي عندهما كبير (غنیہ ص ۲۱۲، احسن الفتاوی ۴/ ۵۱۳)۔

مندرجہ بالا سطور میں جو حکم مکہ میں مقیم آفاقی کے سلسلہ میں بیان کیا گیا تقریباً وہی حکم مکی کے لئے ہے کہ اگر کوئی مکی حج کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کو کسی ضرورت سے اشہر حج میں آفاق جانے کی ضرورت پیش آ گئی تو وہ شخص میقات سے گذرتے ہوئے صرف حج کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہو، اور حج کر کے حلال ہو جائے، لیکن ظاہر ہے کہ ایسا اس وقت ممکن ہے جبکہ حج کے ایام قریب ہوں، لیکن اگر حج کے ایام قریب نہ ہوں اور پہلے سے حج کا احرام باندھنے کی صورت میں احرام کے طویل ہونے کے سبب وہ شخص تنگی اور پریشانی میں مبتلا ہو سکتا ہو تو اس کو چاہئے کہ میقات سے

گذرتے ہوئے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوا اور عمرہ کے افعال ادا کر کے حلال ہوجائے، اور جب حج کے ایام قریب ہوں تو پھر حج کا احرام باندھ کر حج کر لے، اور اس پر اس صورت میں دم واجب نہ ہوگا، کیونکہ مکی کا تمتع منعقد نہیں ہوتا، اس لئے اگر چہ بظاہر یہاں اس کا حج تمتع کی شکل میں نظر آتا ہے لیکن تمتع صحیح نہ ہونے کے سبب تمتع کی صورت میں اس پر دم جبر واجب نہ ہوگا، اور بطلان تمتع سے یہاں پر بطلان حج کا وہم نہیں ہونا چاہئے۔

لأن الأول لا يستلزم الثاني فقال الطحاوي فرقتنا من قول أبي حنيفة وأصحابه على أن المكي لا متعة ولا شيء عليه فيها (اختلاف العلماء ۲/۱۹۶)۔

شیخ محمد ہاشم سندھیؒ نے حیات القلوب میں لکھا ہے:

لازم نباشد بروے دم دریں صورت زیرا کہ دم از لوازم تمتع است وچوں مکی گشت لازم مکی گشت لازم (حیات القلوب، ص ۲۸، بحوالہ احسن الفتاوی ۴/۵۱۵)۔ أو قال في البحر المختار والمكي ومن في حكمه يفرد فقط، وفي رد المحتار لو اعتمر هذا المكي في أشهر الحج من عامه لا يكون متمتعا لأنه ملم بأهله بين النسكين (رد المحتار ۲/۲۰۳)

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی عمرہ سے فراغت کے بعد حج سے قبل مزید عمرہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

حج تمتع کرنے والا آفاقی عمرہ سے فراغت کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے جتنے عمرے کرنا چاہے کر سکتا ہے، البتہ ہر عمرہ الگ الگ احرام باندھ کر کیا جائے، اور جب ایک عمرہ کے افعال پورے کر لئے جائیں تو اس کے بعد دوسرے عمرے کا احرام باندھا جائے ایک احرام کے ساتھ ایک سے زیادہ عمرہ نہیں کیا جا سکتا، نیز ایک عمرہ کا طواف وسعی کرنے کے بعد جب تک بال اتار کر احرام نہ کھولا جائے دوسرے عمرے کا احرام باندھنا بھی جائز نہیں (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴/۹۱)۔

چنانچہ معلم الحجاج میں مسائل تمتع کے تحت یہ مسئلہ مندرج ہے۔

مسئلہ: متمتع ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ حج سے پہلے کر سکتا ہے (معلم الحجاج، ص ۲۲۱)۔

۶۔ رمی میں نیابت کی شرط:

یہ صحیح ہے کہ حجاج کی غیر معمولی کثرت اور رمی جمرات کی جگہ کے انتہائی محدود ہونے کی وجہ سے رمی جمرات کا عمل خصوصاً بوڑھوں کے لئے اسی طرح مریضوں اور معذوروں کے لئے خاصا دشوار ہوگیا ہے، لیکن محض حجاج کی کثرت لوگوں کے ازدحام اور رمی جمرات کی جگہ کی تنگی کے سبب کسی شخص کو رمی جمرات میں نیابت کی اجازت نہیں دی جا سکتی خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو مریض ومعذور نہ ہونے کے باوجود محض کسل مندی اور آرام پسندی کی وجہ سے کسی دوسرے شخص کو رمی کے لئے بھیج دیتے ہیں، چنانچہ مفتی رشید احمد صاحب نے رمی میں جواز نیابت کی شرط کی بابت احسن الفتاوی میں ذیل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

سوال: ایک شخص کے پاؤں میں چوٹ آ گئی جس کی وجہ سے وہ نقل وحرکت سے بالکل معذور ہوگیا، اس

لئے اس نے اپنی رمی دوسرے شخص سے نیابۃً کرائی، اور کوئی دوسرا محرم مرد نہ ہونے کی وجہ سے اپنی بیوی اور لڑکی کی طرف سے بھی کسی دوسرے مرد سے رمی کرائی تو کیا تینوں کی رمی صحیح ہوگئی۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر سوار ہو کر بھی جمرات تک نہ جا سکتا ہو یا سواری یا کوئی اٹھا کر لے جانے والا نہ ملے تو اس کی رمی ہوگئی، بیوی اور لڑکی کی طرف سے نیابۃً رمی صحیح نہیں، جمرات تک جانے کے لئے محرم کا ساتھ ہونا ضروری تھا اس لئے ان پر دم واجب ہے۔ (احسن الفتاوی ۴/۵۲۲)۔

رمی میں نیابت والے مسئلہ کو حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ نے معلم الحجاج میں تفصیل سے لکھا ہے، جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے، حضرت مفتی صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ:

(رمی کے صحیح ہونے کی دس شرائط میں سے چھٹی شرط) خود رمی کرنا (ہے) کسی دوسرے سے بلا عذر یا وجود قادر ہونے کے رمی کرانی جائز نہیں، البتہ اگر مریض کسی دوسرے کو حکم دے، یا کوئی مجنون و بے ہوش ہو یا بچہ ہو اور دوسرا شخص اس کی طرف سے رمی کرے تو جائز ہے، اور افضل یہ ہے کہ کنکری اس شخص کے ہاتھ پر رکھ دی جائے، اور اس کو وہ خود پھینک دے، مریض کی طرف سے رمی کے لئے اس کا حکم شرط ہے، اور بے ہوش وغیرہ کے لئے حکم شرط نہیں۔ مسئلہ رمی کے بارے میں وہ شخص مریض اور معذور سمجھا جائے گا کہ جو کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف کا اندیشہ ہو، اگر سوار ہو کر جمرات تک آ سکتا ہے، اور مرض کی زیادتی اور تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے تو اس کو خود رمی کرنی ضروری ہے، دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں، ہاں اگر سواری یا کوئی شخص اٹھانے والا نہ ہو، تو معذور ہے دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے۔ مسئلہ: جو شخص دوسرے کی طرف سے رمی کرے اول اس کو اپنی سات کنکریاں پوری کرنی چاہئیں، اس کے بعد دوسرے کی طرف سے مارے، اگر اس طرح رمی کی کہ ایک کنکری اپنی طرف سے ماری اور اس کے بعد دوسری دوسرے کی طرف سے تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے، اور گیارہویں، بارہویں، تیرہویں کو اول تینوں جمرات کی رمی اپنی طرف سے کرے، اس کے بعد تینوں کی رمی دوسرے کی طرف سے کرے۔

مسئلہ: اگر معذور کا عذر دوسرے سے رمی کرانے کے بعد رمی کے وقت میں زائل ہو گیا تو دوبارہ خود رمی کرنا ضروری نہیں ہے۔ مسئلہ: معتوہ (کم عقل) مجنون بچہ اور بے ہوش اگر بالکل رمی نہ کریں تو ان پر فدیہ واجب نہیں، البتہ اگر مریض رمی نہ کرے گا تو ترک رمی کی جزا واجب ہوگی (معلم الحجاج: شرائط رمی، ص ۱۸۵)۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر عورت ازدحام کی وجہ سے رمی جمار نہ کر سکے تو کیا اس کی طرف سے دوسرا شخص رمی کر سکتا ہے تو اس سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب نے فتاوی رحیمیہ میں لکھا ہے:

ازدحام کی وجہ سے دوسرا شخص رمی نہیں کر سکتا، خود کنکری مارے، نہ مار سکے تو دم واجب ہوتا ہے، رات کے وقت ازدحام نہیں ہوتا، رات کو موقع پا کر رمی کرے مگر یہ مکروہ وقت ہے، لیکن معذورین اور عورتوں کے لئے ازدحام کی وجہ سے رات کو بلا کراہت درست ہے (فتاوی رحیمیہ ۵/۲۳۵، ۲۳۶)۔

اسی طرح احسن الفتاوی میں ہے کہ: ''عورتوں، مریضوں، ضعیفوں کے لئے بوقت شب رمی بلا کراہت

جو کر سکتا ہے۔" (احسن الفتاویٰ ۴/۵۲۴)۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے آپ کے مسائل اور ان کا حل میں رات کے وقت رمی کرنے کے سلسلے میں لکھا ہے: طاقتور مردوں کو رات کے وقت رمی کرنا مکروہ ہے، البتہ عورتیں اور کمزور مرد اگر عذر کی بنا پر رات کو رمی کریں تو ان کے لئے نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴/۱۳)۔

منتخبات نظام الفتاویٰ جلد اول میں ہے:

جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو یا جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف ہو یا مرض بڑھ جانے کا یا مرض پیدا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو تو وہ معذور ہے (زبدۃ المناسک باقل کن الصیاب ص ۱۶۵) اگر معذور کا عذر دوسرے سے رمی کرانے کے بعد رمی کے رہتے ہوئے زائل ہو جائے تو بھی دوبارہ خود رمی کرنا ضروری نہیں رہتا (زبدۃ المناسک ص ۱۶۲، بحوالہ منتخبات نظام الفتاویٰ ۱/۱۵۰)

غنیہ میں ہے: وتجوز ای النیابۃ فی الرمی عند العذر (غنیہ ص ۹۰، تفصیل کے لئے دیکھئے: جسم ص ۲/۱۶۹، مختصر اختلاف العلماء ۲/۱۶۱)

اخرج ابن ماجہ عن جابر قال حججنا مع رسول اللہ ﷺ ومعنا النساء والصبیان فلبینا عن الصبیان ورمینا عنہم (ابن ماجہ باب الرمی عن الصبیان ۲/۲۱۸، حدیث ۳۰۳۸، ترمذی ۱/۱۸۵)۔

قال فی معارف السنن ولعل الرمی عن الصبیان محمول علی غیر الممیز واما الممیز یعلم ماھیۃ الرمی ویمکنہ ولو بالعسر فیرمی عن نفسہ ولا یجزیٔ الرمی عنہ (معارف السنن ۶/۳۱۵، ۳۱۶)

کیا ازدحام کے وقت خواتین کی کنکریاں دوسرا مار سکتا ہے؟

سوال: کیا خواتین خود کنکری مارنے کے بجائے دوسروں سے کنکریاں مروا سکتی ہیں۔

الجواب: رات کے وقت رش نہیں ہوتا، عورتوں کو اس وقت رمی کرنا چاہئے، خواتین کی جگہ دوسرے کا رمی کرنا صحیح نہیں، البتہ اگر کوئی ایسا مریض ہو کہ رمی کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کی جگہ رمی کرنا جائز ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴/۱۳)۔

حکومت کی اجازت کے بغیر احرام باندھنے والا شخص اگر روک دیا جائے تو وہ محصر ہے:

سعودی عرب میں رہنے والے غیر ملکیوں کے لئے اگر وہاں کی حکومت نے حج کے انتظام کو درست رکھنے کے لئے حکومت سے اجازت لینے کو ضروری قرار دیا ہے تو ایسی صورت میں جو لوگ حج یا عمرہ ادا کرنا چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ حکومت سے اجازت لینے کے بعد ہی حج و عمرہ کے لئے جائیں، اگر کسی نے حکومت کی اجازت کے بغیر حج وعمرہ کا احرام باندھ لیا اور حکومت نے حالت احرام ہی میں اس کو پکڑ کر واپس کر دیا تو ایسا شخص شرعاً محصر کے حکم میں ہے، چنانچہ معلم الحجاج میں احصار کے اسباب میں بادشاہ کے منع کرنے کو ذکر کیا ہے (معلم الحجاج ص ۲۷۲) لہٰذا ایسے شخص کو چاہئے کہ اگر وہ حج افراد کا یا عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہو تو ایک بکری یا اس کی قیمت اور اگر حج قران کا احرام باندھ رکھا ہو تو

وہ بکری یا اس کی قیمت سے بکری خرید کر حرم میں بھیجوا دے، اور جس شخص کے ذریعہ حرم میں بکری یا اس کی قیمت بھیجوائے اس کو ایک وقت متعین کرکے کہہ دے کہ فلاں وقت تک اس کی طرف سے بکری کی قربانی کر دی جائے، یا خود ہی حرم شریف پہونچ کر محصر اپنی قربانی کو ذبح کرے کیونکہ دم احصار والی قربانی کے ذبح کرنے کے بعد ہی محصر احرام سے حلال ہوتا ہے، بغیر دم احصار ذبح کئے ہوئے محصر احرام سے حلال نہیں ہو سکتا، چنانچہ قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الهدی محله (البقرۃ/۱۹۶)۔

اس آیت قرآنی سے معلوم ہوا کہ محصر بغیر جانور ذبح کئے ہوئے احرام سے حلال نہیں ہو سکتا، بلکہ حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ جب تک محصر دم احصار کو ذبح نہ کرے اس وقت تک وہ محصر ہی رہے گا، اگر اس اثناء میں اس نے ممنوعات احرام میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرلیا تو اس پر وہ چیز واجب ہوگی جو محرم پر اس کے ارتکاب سے واجب ہوتی ہے جبکہ وہ محرم غیر محصر ہو، یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب محصر جانور ذبح کر دے تو کیا اس کے بعد اس پر احرام سے حلال ہونے کے لئے حلق یا قصر واجب ہے یا واجب نہیں ہے تو اس سلسلہ میں حضرات طرفین کے نزدیک اس پر حلق یا قصر واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

واما الحلق فلیس بشرط للتحلیل فی قول ابی حنیفة و محمدؒ وان حلق فحسن کذا فی البدائع (فتاویٰ عالمگیری ۱/۲۵۵)۔

اور بعض حضرات علماء نے لکھا ہے کہ محصر پر سر منڈانے کا عدم وجوب اس صورت میں ہے جبکہ احصار حل میں ہو، اور اگر حرم میں احصار ہو تو حضرات طرفین کے نزدیک بھی احرام سے حلال ہونے کے لئے حلق واجب ہوگا (دیکھئے: رد المحتار ۲/۲۵۴)۔

یہاں پر یہ بات اچھی طرح یاد رہے کہ اگر محصر حج کا احرام باندھے ہوئے تھا احصار کے سبب اس کو حج سے رکنا پڑا اور پھر اسی سال اس کو حج کرنے کا موقع مل گیا تو اس پر صرف حج واجب ہے، اور اگر محصر کو اس سال حج کا موقع نہیں مل سکا تو اس پر آئندہ سال ایک حج اور ایک عمرہ واجب ہے، اور اگر محصر عمرہ کا احرام باندھے ہوا تھا تو اس پر صرف ایک عمرہ واجب ہے، اور اگر حج قران کا احرام باندھے ہوا تھا اور اسی حالت میں محصر ہو گیا تو اس پر دو عمرہ اور ایک حج واجب ہے، حضرت مفتی رشید احمد مدظلہ نے احصار کے مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے احسن الفتاویٰ میں لکھا ہے:

اگر اس نے (محصر نے) صرف حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہے تو ایک قربانی کی قیمت بھیج دے، اور اگر قران یعنی حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہے تو دو قربانیوں کی قیمت بھیجے اور دن مقرر کرے کہ فلاں دن فلاں وقت یہ قربانی میری طرف سے حرم میں ذبح کی جائے تو یہ ضروری نہیں کہ یہ قربانی ایام نحر (۱۰،۱۱،۱۲) ذی الحجہ ہی میں کی جائے، بلکہ اس سے قبل یا بعد بھی کی جا سکتی ہے، جب یہ مقرر وقت گزر جائے احرام کھول دے، سر منڈانا ضروری نہیں مستحب ہے، بعض نے صرف حرم میں احصار کی صورت میں سر منڈانا واجب قرار دیا ہے، قول وجوب احوط اور عدم وجوب ارجح ہے، پھر اس پر آئندہ سال قضا واجب ہے اگر صرف عمرہ کا احرام تھا تو صرف عمرہ کی قضا واجب ہے، اور اگر صرف حج کا احرام تھا تو حج و عمرہ دونوں واجب

ہیں، اور حج و عمرہ دونوں کا احرام تھا تو ایک حج اور دو عمرے قضا میں واجب ہیں (احسن الفتاوی ۴/۵۰۹)۔

کنز الدقائق کے حاشیہ میں ہے:

الإحصار وهو لغة المنع...... وفي الشرع منع عن الوقوف والطواف والأولى أن يعرف الإحصار بأنه منع المحرم عن المضي على إتمام أفعال ما أحرم لأجله (حاشیہ کنز الدقائق رص ۹۳)۔

احصار لغت میں رکنے کو کہتے ہیں اور شریعت میں احصار وقوف عرفہ اور طواف سے رکنے کا نام ہے، اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ احصار کی تعریف اس طرح کی جائے کہ محرم کا اس کام کے پورا کرنے سے رک جانا ہے، جس کا اس نے احرام باندھا تھا۔

وفي قواعد الفقه الإحصار في اللغة المنع والحبس وفي الشرع هو المنع عن المضي في أفعال الحج والعمرة بعد الإحرام سواء كان بعدو أو بالحبس أو بالمرض أو هو عجز المحرم عن الطواف والوقوف (قواعد الفقہ رص ۱۶۲)۔

احصار کی مندرجہ تعریف سے معلوم ہوا کہ حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والا شخص اگر اپنے ارادہ کی تکمیل سے روک دیا جائے تو وہ محصر ہو جاتا ہے۔

۸۔ متمتع وقارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق میں ترتیب کا حکم:

دسویں ذی الحجہ کو حاجی چار کام کرتا ہے: (۱) رمی (کنکری مارنا)، (۲) قربانی (قارن اور متمتع کے لئے)، (۳) حلق یا قصر، (۴) طواف زیارت۔ حضور پاک ﷺ سے ان چاروں افعال کا باترتیب کرنا ثابت ہے، چنانچہ حضرت جابرؓ کی طویل حدیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے (مسلم ۱/۳۹۹، ابوداؤد ۱/۲۶۴، و ترمذی ۳/۱۴۶)، اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان چاروں کاموں کے درمیان ترتیب واجب ہے یا نہیں تو اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اس سلسلہ میں تین روایات مروی ہیں:

(۱) شروع کے تین کاموں میں ترتیب واجب ہے، اور اس ترتیب کے عامداً یا ناسیاً یا جاہلاً ترک کرنے پر دم واجب ہے، البتہ طواف زیارت کو بقیہ مناسک یا ان میں سے کسی پر مقدم کرنے پر کوئی دم نہیں ہے، چنانچہ مبسوط سرخسی میں ہے:

من قدم نسكا على نسك كان حلق قبل الرمي أو نحر القارن قبل الرمي أو حلق قبل الذبح فعليه دم عند أبي حنيفة (مبسوط ۴/۴۱، ۴۲)۔

مبسوط کی اس عبارت میں مطلقاً فساد ترتیب سے دم کا حکم لگایا گیا ہے، اور فساد ترتیب عام ہے، خواہ عامداً ہو یا ناسیاً یا جاہلاً۔

(۲) حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ عمداً فساد ترتیب سے دم کا وجوب ہوگا، جاہلاً یا ساہیاً یا ناسیاً فساد ترتیب سے کوئی دم واجب نہ ہوگا، چنانچہ امام محمدؒ نے کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہی

مذہب نقل کیا ہے:

عن أبي حنيفة في الرجل يجهل وهو حاج فيحلق رأسه قبل أن يرمي الجمرة أنه لا شيء عليه (کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ، باب الذی یجہل فیحلق ۲/۳۲۷)

(۳) حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تیسری روایت یہ ہے کہ فسادِ ترتیب خواہ جاہلاً ہو یا ناسیاً ہو یا عامداً کسی بھی صورت میں دم واجب نہیں ہے، البتہ اگر قارن یا متمتع نے حلق قبل النحر کرلیا ہو تو صرف اس صورت میں دم کا وجوب ہوگا، اور اس صورت میں بھی عامداً یا ناسیاً یا جاہلاً یا ساہیاً کی کوئی تصریح نہیں ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ متمتع اور قارن نے اگر حلق قبل النحر کرلیا تو بہر صورت دم واجب ہوگا، خواہ یہ فسادِ ترتیب عامداً ہو یا ناسیاً ہو یا جاہلاً ہو۔ چنانچہ امام محمدؒ نے موطا میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

وقال أبو حنيفة لا حرج في شيء من ذلك ولم ير في شيء من ذلك كفارة إلا في خصلة واحدة المتمتع والقارن إذا حلق قبل أن يذبح قال عليه دم (موطا محمد، باب من قدم نسکا قبل نسک، ص ۲۳۵)۔

حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلی نے موطا محمد کے حاشیہ التعلیق الممجد میں موطا کی مندرجہ عبارت کے تحت لکھا ہے کہ "إلا في خصلة واحدة" میں حصر غیر حقیقی ہے (حاشیہ موطا محمد المعروف بہ التعلیق الممجد، ص ۲۳۵) لیکن مذکورہ حصر کو حضرت مولانا عبدالحئی صاحب نوراللہ مرقدہ کا حصر غیر حقیقی کہنا ظاہر کے خلاف ہے، نیز تکلف سے خالی نہیں ہے (حاشیہ درس ترمذی ۳/۱۵۲)۔

یہاں تک حضرات امام ابوحنیفہؒ کے تین اقوال نقل کیے گئے، عام کتب حنفیہ میں حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک پہلی روایت کے مطابق نقل کیا گیا ہے، اور اسی پر فتوی بھی ہے (کمافی اللباب فی شرح الکتاب للمیدانی ۱/۲۰۶)۔

اور مندرجہ بالا مسئلہ میں حضرات صاحبین سے دو روایتیں مروی ہیں:

(۱) جامع صغیر کی شرح میں صدر الشہیدؒ نے لکھا ہے کہ حضرات صاحبین کے نزدیک اگر قارن نے حلق قبل الذبح کرلیا ہو تو اس پر ایک دم جنایت واجب ہے (منحۃ الخالق علی البحر الرائق لابن عابدین، باب الجنایات ۳/۲۴)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین کے نزدیک ترتیب کے ٹوٹنے پر دم واجب ہوگا، یا کم از کم قارن کے حلق قبل الذبح کرلینے کی صورت میں دم کا وجوب ہوگا، اور جامع صغیر میں بھی قارن کے حلق قبل الذبح کرلینے کی صورت میں حضرات صاحبین کا قول وجوبِ دم کا منقول ہے، کہ اس پر ایک دم واجب ہوگا (جامع صغیر، ص ۱۳۳، باب فی الحلق والتقصیر) اگرچہ اس کے دم جنایت ہونے کی صراحت نہیں ہے۔

(۲) لیکن مبسوط سرخسی میں صاحبین کا مسلک لا یلزمہ الدم بالتقدیم والتاخیر بیان کیا گیا ہے (مبسوط ۴/۴۲، باب الطواف) یعنی مناسک اربعہ میں تقدیم وتاخیر اور فسادِ ترتیب سے کچھ واجب نہ ہوگا، چنانچہ خود امام محمدؒ نے موطا میں اپنا مسلک ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

قال محمد بالحديث الذي روي عن النبي ﷺ ناخذ انه قال: لا حرج في شئ من ذلک (الی قوله) واما نحن فلانری علیه شیئا ۱۵ (مؤطا محمد رص ۲۳۵)۔

اور علامہ ابن الہمام نے بھی فتح القدیر میں صاحبین کا مسلک یہی نقل کیا ہے کہ:

والدم الذي يجب عندهما دم القران ليس غير لا للحلق قبل أوانه (فتح القدیر ۲/۲۸۵، باب الجنایات)۔

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں حضرات صاحبین کے نزدیک راجح یہی ہے کہ ترتیب کے ٹوٹنے سے دم واجب نہیں ہے، امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس نے حلق کو رمی پر مقدم کیا تو اس پر دم ہے، لیکن اگر حلق کو نحر پر مقدم کیا یا نحر کو رمی پر مقدم کیا تو کچھ واجب نہیں، اور اگر طواف زیارت کو رمی پر مقدم کیا تو درست نہ ہوگا لہذا اس کو چاہئے کہ پہلے رمی کرے پھر نحر کرے، پھر طواف زیارت دوبارہ کرے (المغنی ۳/۴۲۸)۔

لہذا دور حاضر کے حالات میں تمتع وقارن حجاج ازدحام یا دیگر پریشان کن اعذار کے پیش نظر اگر رمی، ذبح اور حلق میں ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو ان کے لئے عدم وجوب دم کے سلسلہ میں صاحبین کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے (تجویز ۳ چھٹا فقہی اجتماع ادارہ مباحث فقہیہ جمعیت علماء ہند، بحوالہ بحث ونظر شمارہ ۳۳، نظام الفتاوی ۱/۱۵۷)۔

۹- حج بدل میں تمتع وقران کا حکم:

حج بدل میں افراد بہتر ہے، لیکن اگر آمر حج بدل میں تمتع وقران کی اجازت دیدے تو یہ بھی جائز ہے، اور اجازت کے لئے صراحۃً اجازت دینا ضروری نہیں ہے بلکہ دلالۃً اجازت بھی کافی ہے، لہذا اگر دور حاضر میں معروف حج تمتع ہو اور اس صورت میں کسی کو حج بدل کے لئے بھیجا اب اگر اس نے آمر کی بغیر صریح اجازت کے عرف کے سبب حج بدل میں تمتع کرلیا تو شرعاً ایسا کرنا جائز ہے، البتہ صراحۃً اجازت حاصل کرلینا زیادہ بہتر ہے۔

چنانچہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاوی میں حج بدل میں تمتع وقران کا شرعی حکم تحریر فرماتے ہوئے لکھا ہے:

سوال: حج بدل کرنے والا قران کرے یا تمتع یا افراد، بینوا توجروا۔

جواب: اس کو افراد کرنا چاہئے، آمر کی اجازت سے تمتع وقران بھی کرسکتا ہے، مگر دم شکر مامور پر ہوگا اگر آمر بخوشی دم شکر کی قیمت ادا کردے تو جائز ہے، اس زمانہ میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع وقران ودم شکر کا اذن ثابت ہوتا ہے، اس لئے صراحۃً اذن ضروری نہیں، مگر صراحۃً اذن حاصل کرلینا بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالی اعلم (احسن الفتاوی ۴/۵۱۳)۔

حضرت مفتی صاحب موصوف کے مندرجہ فتوی سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ حج بدل میں آمر کی اجازت سے تمتع وقران دونوں جائز ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ دم شکر مامور پر واجب ہوگا، ہاں اگر آمر بخوشی دم شکر کی قیمت ادا کردے تو جائز ہے، نیز اس دور میں حج بدل میں تمتع وقران کے جواز کے لئے آمر کی صراحۃً اجازت ضروری نہیں ہے،

بلکہ اس زمانہ میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع وقران اور دم شکر کا اذن ثابت ہوتا ہے، تاہم سفر شروع کرتے ہوئے مامور کو خود چاہئے کہ آمر سے حج بدل میں تمتع وقران کی صراحۃً اجازت حاصل کرلے تاکہ آگے چل کر کوئی اشتباہ پیش نہ آئے، اور خود آمر کو بھی چاہئے کہ مامور کی اجازت دیدے کہ یہ مال لیجئے اور آپ جس طرح حج کرنا پسند کیجئے اور مناسب سمجھئے میری جانب سے حج بدل کرلیجئے، اور حج کے بعد جو مال باقی رہے آپ اس کو اپنے استعمال میں رکھ لیجئے، میں نے آپ کو اس کا بخوشی مالک بنادیا ہے، اب اس صورت میں مامور کو مکمل اختیار ہوجائے گا کہ وہ جس طرح چاہے حج کرے۔

یہاں پر یہ بات ملحوظ رہے کہ اوپر جو کچھ درج کیا گیا ہے کہ حج بدل میں مامور آمر کے دلالۃً اذن سے تمتع اور قران دونوں کرسکتا ہے، اس سلسلے میں اکابر علماء کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ ملا علی القاری، صاحب غنیہ، نیز اکابر علمائے دیوبند میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری صاحب بذل نے حج بدل میں آمر کی اجازت کے باوجود تمتع کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، ہاں حج بدل میں آمر کی اجازت سے قران کرنے کو سب نے جائز کہا ہے، لیکن دلائل میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آمر کی اجازت سے حج بدل میں جس طرح قران جائز ہے اسی طرح تمتع کا جواز بھی راجح ہے فتاویٰ قاضی خاں میں امام ابوبکر محمد بن الفضل کا جو کلام منقول ہے اس کا ظاہر یہی ہے کہ آمر کی اجازت سے مامور کے لئے حج کی تینوں قسمیں (افراد، تمتع اور قران سب جائز ہیں، بلکہ ان کی ہدایت یہ ہے کہ آمر کو چاہئے کہ مامور کو عام اجازت دیدے تاکہ اس کو عمل میں کوئی تنگی اور دشواری پیش نہ آئے۔ (فتاویٰ قاضی خاں ا؍۳۰۷)۔

اسی طرح غنیۃ الناسک میں ہے:

زاد فی اللباب یوافقہ مافی البحر وغیرہ من جواز التمتع حق الآمر إذا کان بأمرہ. اھ(غنیہ رص۱۸۲)۔

نیز غنیۃ الناسک میں ہے: لو أمرہ بالتمتع علی القول بجواز النیابة فیہ (غنیہ رص۱۷۹، بحوالہ جواہر الفقہ ا؍۵۱۲، ۵۱۳)۔

مندرجہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ باذن الآمر حج بدل میں تمتع جائز ہے، علاوہ ازیں جب عجز کے وقت شریعت نے حج میں نیابت کو جائز قرار دیا ہے، اور حج بدل کو مشروع قرار دیا تو اب جس طرح خود آمر کے لئے حج کی تینوں قسمیں جائز ہیں، اسی طرح آمر کے حکم سے مامور کے لئے بھی بوقت عجز آمر حج کی تینوں قسموں کی اجازت ہوگی، اب اگر کوئی کہے کہ تمتع کی صورت میں حج میقاتی نہیں ہو پاتا ہے، ہاں عمرہ میقاتی ہوتا ہے، لہذا حج بدل میں تمتع کی اجازت مامور کو نہیں دی جاسکتی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب خود آمر حج تمتع کرتے تو اس وقت بھی یہ صورت پیش آتی ہے، لیکن اس کے باوجود اس کے لئے حج تمتع کو جائز قرار دیا گیا ہے، لہذا مامور کے لئے بھی آمر کی اجازت سے حج بدل میں تمتع کی شرعاً گنجائش ہوگی۔

مگر چونکہ معاملہ ادائے فرض کا ہے اس لئے احتیاط لازم ہے، جہاں تک ممکن ہو حج بدل میں افراد یا قران کیا

جائے تمتع نہ کیا جائے، البتہ دور حاضر میں آدمی حج وعمرہ کرنے کے سلسلہ میں آزاد نہیں ہے کہ جب اور جس وقت چاہے حج کے لئے چلا جائے، اور طول احرام سے بچنے کے لئے ایام حج کے بالکل قریب سفر شروع کرے بلکہ ہر طرف سے حکومت کی پابندیاں شدید ہوتی ہیں، اس لئے اگر کسی حج بدل کرنے والے کو وقت سے زیادہ پہلے جانے کی مجبوری ہو اور احرام طویل میں واجبات کی پابندی مشکل نظر آئے تو اس کے لئے تمتع کر لینے کی بھی گنجائش ہے (مستفاد از جواہر الفقہ ۱؍۵۱۹)۔

مندرجہ ذیل تفصیلات کی روشنی میں سوال میں پوچھے گئے اجزاء کے جوابات ذیل میں بالترتیب لکھے جاتے ہیں:

(الف) حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے، البتہ دم تمتع خود اس کے ذمہ واجب ہوگا (فتاویٰ رحیمیہ ۳؍۱۲۰، ۸؍۳۱۳)۔

شامی میں ہے:

ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع (قوله على الحاج) اى المامور أما الأول فلأنه وجب شكرا على الجمع بين النسكين (رد المحتار ۲؍۲۶۷-۲۶۸)۔

(ب) حج بدل کرنے والوں کو اگر آمر کی طرف سے حج تمتع کرنے کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو تو کر سکتے ہیں ورنہ نہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ حج کرنے سے پہلے تمتع کرنے کی صریح اجازت حاصل کر لی جائے (احسن الفتاویٰ ۴؍۵۱۳)

(ج) اگر مامور نے آمر سے حج تمتع کرنے کی صریح اجازت نہیں لی، لیکن اس کو ظن غالب ہو کہ اگر وہ اس سلسلہ میں آمر سے اجازت لیتا یا اس سے دریافت کرتا تو وہ اسے تمتع کرنے کی اجازت دیدیتا تو اس صورت میں وہ حج بدل میں تمتع کر سکتا ہے۔

(د) حج بدل میں تمتع کرنے کی صورت میں دم تمتع مامور یعنی حج بدل کرنے والے کے مال میں واجب ہوگا، اگرچہ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت ہی سے تمتع کیوں نہ کر رہا ہو، البتہ اگر آمر بخوشی دم شکر کی قیمت ادا کردے تو جائز ہے، اور اگر مامور بدون اذن الآمر حج بدل میں تمتع کرے گا تو اس صورت میں خود حج ہی آمر کا نہ ہوگا بلکہ مامور کا ہوگا، اس لئے مامور ہی پر دم تمتع کا وجوب ہوگا، البتہ اس صورت میں مامور پر آمر کے پیسے کو خرچ کر دینے کا ضمان واجب ہوگا (منتخبات نظام الفتاویٰ ۱؍۱۵۰)۔

شامی میں ہے:

ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا فيضمن (شامی ۲؍۲۶۷)۔

(ھ) اگر حج بدل کرنے والا مامور آمر کی اجازت سے حج بدل میں تمتع کرے تو اس صورت میں جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اگرچہ بعض علماء کا اختلاف ہے، لیکن چونکہ دلائل کی قوت کی وجہ سے مجوزین کا قول راجح

ہے کہ حج بدل میں آمر کی اجازت سے حج کی تینوں قسمیں جائز ہیں، البتہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مامور حج بدل میں حج افراد کرے، لیکن اگر حکومت کے نظم ونسق اور قانون کے تحت ایام حج سے بہت پہلے حج کا سفر کرنا پڑے اور مامور کے لئے طویل عرصہ تک احرام کی پابندیوں کو جھیلنا انتہائی دشوار ہو تو اس صورت میں مامور کے لئے حج بدل میں تمتع کر لینے کی بلاشبہ گنجائش ہے (جواہر الفقہ ۱/۵۱۳)۔

(د) حج بدل اگر میت کی طرف سے کیا جارہا ہو، میت نے حج کی وصیت کی ہو اور خود میت نے مال بھی چھوڑا ہو نیز میت ہی نے حج بدل میں تمتع کرنے کی مامور کو اجازت بھی دے دی ہو، تب تو تمتع جائز ہے، لیکن اگر میت نے اجازت نہیں دی، تو اس صورت میں مامور پر صرف حج افراد کا احرام باندھ کر حج کرنا لازم ہوگا، اگر مامور اس کے خلاف کرے گا تو اسے تاوان دینا ہوگا، چنانچہ فتاویٰ شامی میں ہے:

الرابع عشر عدم المخالفة فلو أمره بالإفراد فقرن أو تمتع ولو للميت لم يقع عنه ويضمن النفقة (شامی ۲/۶۰۲)۔

البتہ اگر حج بدل کی میت نے وصیت نہیں کی، یا وصیت کی لیکن مال نہیں چھوڑا، اور اس صورت میں میت کے ورثا اپنے مال سے کسی کو میت کی طرف سے حج بدل کے لئے بھیج رہے ہوں، اور انہوں نے حج بدل کرنے والوں کو تمتع وقران کی اجازت دیدی ہو تو جائز ہے (منتخبات نظام الفتاویٰ ۱/۱۵۲)۔

علامہ سرخسی نے مبسوط میں لکھا ہے:

وهدى المتعة عليه في ماله وكذلك إن أمره بالقران رجل واحد لأن الهدى نسك وسائر المناسك على الحاج فكذا هذا النسك (مبسوط ۴/۱۵۸)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حج بدل کے لئے جو شخص کسی کو بھیج رہا ہو اس کی اجازت سے مامور کے لئے حج بدل میں تمتع وقران جائز ہے۔

۱۰۔ اس سوال میں جن مشکلات کا ذکر کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ دور حاضر میں عورتوں کو بسا اوقات ایسی مشکلات پیش آجاتی ہیں، تو اس سلسلہ میں اس مشکل کا کوئی صریح حل بالاستقلال عام طور سے کتب فقہ حنفی میں درج نہیں ہے، البتہ علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کا یہ حل نکالا ہے کہ ایسی عورت ناپاکی ہی کی حالت میں طواف زیارت کر لے، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق بدنہ کی قربانی کر کے اس کی تلافی کر لے (مستفاد از درس ترمذی ۳/۲۱۸)۔

چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ کا ایک مفصل فتویٰ مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ میں حسب ذیل الفاظ کے ساتھ مندرج ہے:

الحمدلله، العلماء لهم في الطهارة هل هي شرط في صحة الطواف؟ قولان مشهوران أحدهما إنها شرط وهو مذهب مالك والشافعي وأحمد في إحدى الروايتين، والثاني ليست بشرط وهو مذهب أبي حنيفة وأحمد في الرواية الأخرى. فعند هؤلاء، لو طاف جنبا أو محدثا أو حاملا للنجاسة أجزأه الطواف وعليه دم لكن اختلف أصحاب أحمد هل هذا مطلق في

حق المعذور الذي نسي الجنابة؟ وأبو حنيفة يجعل الدم بدنة إذا كانت حائضا أوجب فهذه التي لم يمكنها أن تطوف إلا حائضا أولى بالعذر فإن الحج واجب عليها ولم يقل أحد من العلماء إن الحائض يسقط عنها الحج وليس من أقوال الشريعة أن تسقط الفرائض للعجز عن بعض ما يجب فيها كما لو عجز عن الطهارة في الصلاة. فلو أمكنها أن تقيم بمكة حتى تطهر وتطوف وجب ذلك بلا ريب فأما إذا لم يمكن فإن أوجب عليها مرة ثانية كان أوجب عليها سفرا ن للحج بلا ذنب وهذا بخلاف الشريعة، ثم هي أيضا لا يمكنها أن تذهب إلا مع الركب وحيضها في الشهر كالعادة فهذا لا يمكنها أن تطوف طاهرا ألبتة، وأصول الشريعة مبنية على أن ما عجز عنه العبد من شروط العبادات يسقط عنه كما لو عجز المصلي عن ستر العورة واستقبال القبلة أو تجنب النجاسة وكما لو عجز الطائف أن يطوف بنفسه راكبا وراجلا فإنه يحمل ويطاف به. ومن قال إنه يجزئها الطواف بلا طهارة إن كانت غير معذورة مع الدم كما يقوله من يقوله من أصحاب أبي حنيفة وأحمد فقولهم لذلك من العذر أولى و أحرى. وأما الاغتسال فإن فعلته فحسن كما تغتسل الحائض والنفساء للإحرام. والله أعلم (مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۲۶/۲۲۳، ۲۲۴ نیز دیکھئے: بدائع ۲/۱۹۰، شامی ۲/۱۹۹)۔

مندرجہ تفصیل کی روشنی میں سوال میں پوچھے گئے اجزاء کے جوابات یہ ہیں:

(الف، ب) حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت کا حکم:

اگر طواف زیارت سے قبل کسی عورت کو حیض آجائے تو اس پر ایسی تجویز اختیار کرنا ضروری ہے جس سے وہ پاک ہونے کے بعد طواف زیارت کرکے ہی مکہ مکرمہ سے واپس ہوسکے جیسے ٹکٹ اور ویزا کی تاریخ بڑھانا یا حج کمیٹی سے روانگی کو موٴخر کرانا وغیرہ اور اگر کوئی ایسی صورت ممکن نہ ہوسکے اور دوبارہ وطن سے واپسی بھی مشکل ہو اور وہ حالت حیض ہی میں طواف زیارت کرلے تو اگرچہ گنہگار ہوگی لیکن اس کا یہ طواف زیارت شرعاً معتبر ہوجائے گا، اور وہ پوری طرح حلال ہوجائے گی مگر اس پر ایک بدنہ یعنی بڑے جانور کی قربانی جنایت میں لازم ہوگی اور اگر قربانی نہیں کی جاسکی اور وہ کسی بھی موقع پر طواف زیارت کرلے تو بدنہ کا وجوب اس سے ساقط ہوجائے گا۔ (تجویز ۵ چھٹا فقہی اجتماع ادارہ مباحث فقہیہ جمعیت علماء ہند بحوالہ بحث ونظر ص ۱۰۵ شمارہ ۳۲)۔

(ج) حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت کرنے سے بدنہ کا وجوب:

اگر کسی عورت نے مندرجہ اعذار کی بنا پر حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت کیا تو اس پر بدنہ کا وجوب ہوگا، بکرا ذبح کرنا کافی نہ ہوگا، بدنہ گائے یا اونٹ کو کہتے ہیں۔

قال في الهندية: ولو طاف طواف الزيارة محدثا فعليه شاة وإن كان جنبا فعليه بدنة (ہندیہ ۱/۲۴۵)۔

وفی فتح القدیر لو طافت المرأۃ للزیارۃ حائضا فھو کطواف الجنب سواء (فتح القدیر ۲/۲۶۳)۔

اگر دوران حمل عورت کو خون آجائے یا عورت حالت استحاضہ میں ہو ان دونوں صورتوں میں وہ طواف زیارت کر سکتی ہے (موطا امام محمد ص ۲۲۳ باب المستحاضۃ، فقہ السنہ ص ۲۵۸)۔

(د) حالت حیض میں طواف زیارت کرنے کی صورت میں جو دم واجب ہوتا ہے اس کو کہاں ذبح کیا جائے:

حالت حیض میں طواف زیارت کرنے کی صورت میں جو بدنہ واجب ہوتا ہے اس کا حدود حرم میں ذبح ہونا ضروری ہے، اگر خود سے وہاں جا کر بدنہ کو ذبح نہ کر سکے تو کسی کے ذریعہ وہاں جانور بھیجوا کر اس کے واسطے سے ذبح کروائے، ہدایہ میں ہے:

ولا یجوز ذبح الھدایا إلا فی الحرم (ہدایہ ۱/۳۰۱، مختصر اختلاف العلماء ۲/۲۳۲)۔

ایام حج کے دوران ارکان حج وعمرہ کی ادائیگی کی نیت سے حیض ونفاس روکنے والی دوا کا استعمال کرنا:

اگر کوئی عورت حج کے لئے مکہ گئی، اور اس کے پاس وقت کم ہو، دوسری طرف اس کو ایام حج میں حیض آنے کا خطرہ ہو جس کے سبب طواف زیارت نہ کر سکنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں کیا عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ ایام حج میں حیض ونفاس روکنے والی دوا استعمال کرے، تو اس سلسلہ میں حضرات علماء وفقہاء کے اقوال کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مانع حیض ونفاس دوا عورت کے لئے مضرت نہ ہو تو وہ اسے ایام حج کے دوران استعمال کر سکتی ہے، چنانچہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ نے لکھا ہے کہ:

اگر کوئی تدبیر ایام کے روکنے کی ہو سکتی ہے تو پہلے اس سے اس کا اختیار کر لینا جائز ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴/۱۲۸، ۲۱/۳)۔

اسی طرح حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم لاجپوری نے بھی ایام حج کے دوران مانع حیض دوا استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، چنانچہ حضرت نے فتاوی رحیمیہ جلد ششم میں لکھا ہے:

اگر وقت کم ہو، اور طواف زیارت کا وقت نہ مل سکتا ہو، اور باوجود کوشش کے حکومت سے مہلت ملنے کا امکان نہ ہو تو استعمال کی گنجائش ہے، مگر صحت پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہے، اور اس کا مشاہدہ بھی ہے، اس لئے حتی الامکان استعمال نہ کرے، الا یہ کہ بالکل ہی مجبور ہو جائے (فتاوی رحیمیہ ۶/۳۰۲)۔

حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب ہی نے ایک دوسرے فتوی میں مانع حیض دوا استعمال کرنے کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ اگر عورت کے لئے مانع حیض دوا کا استعمال مضرنہ ہو، عورت اسے برداشت کر سکتی ہو اور اس کا تجربہ بھی ہو تو دوا مانع حیض استعمال کرنے کی صورت بھی اختیار کی جا سکتی ہے (حوالہ بالا ۹/۸۲)۔

حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب ہی نے ایک دوسرے فتوی میں مانع حیض دوا استعمال کرنے کے سلسلہ میں

لکھا ہے کہ اگر عورت کے لئے مانع حیض دوا کا استعمال مضرنہ ہو، عورت اسے برداشت کرسکتی ہو اور اس کا تجربہ بھی ہو تو دوا مانع حیض استعمال کرنے کی صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے (حوالہ بالا ۹/۲۷۹)۔

حالت حیض میں طواف وداع کا حکم:

حیض ونفاس کی وجہ سے عورت سے طواف وداع ساقط ہو جاتا ہے (مسلم ۱/۴۲۷، ودرس ترمذی ۳/۲۱۶)۔

اگر دوران طواف حیض آجائے تو عورت کیا کرے:

اگر کوئی عورت طواف زیارت کررہی تھی اور اسی درمیان اس کو حیض آ گیا تو ایسی صورت میں اگر عورت کے لئے پاکی کی حالت میں طواف کرنا ممکن ہو تو طواف کو مؤخر کردے اور اگر اس کو موقع نہ ہو تو پھر اسے چاہئے کہ اپنے طواف کے عمل کو پورا کرلے اور اس صورت میں اگر طواف کا اکثر شوط حالت حیض میں ادا ہوا ہو تو بدنہ واجب ہے اور اگر اقل شوط حالت حیض میں ادا ہوا ہے تو ایک بکری حرم میں ذبح کے لئے بھیجے۔ فتاوی عالمگیری الباب الثامن فصل پنجم میں ہے:

ولو طاف طواف الزيارة محدثا فعليه شاة، وإن كان جنبا فعليه بدنة، وكذا لو طاف أكثره جنبا أو محدثا (عالمگیری ۱/۲۴۵) ولو طاف أقله جنبا ورجع إلى أهله يجب الدم وتجزيه الشاة (حوالہ بالا ۱/۲۴۶) وحكم الحيض مثل حكم الجنابة فافهم.

طواف زیارت میں نیابت کا حکم:

طواف زیارت خود کرنا فرض ہے، اگرچہ اس کو کوئی شخص یا سواری اٹھائے ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس میں نیابت جائز نہیں ہے، ہاں بیہوش کے لئے طواف زیارت میں نیابت درست ہے (زبدۃ المناسک ۱/۱۸۰)۔

شامی میں ہے:

وكونه اى طواف الزيارة بنفسه ولو محمولا فلايجوز النيابة إلا للمغمى عليه (شامی ۲/۱۹۸، بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۵/۲۲۸)۔

اگر طواف زیارت میں نیابت جائز ہوتی تو حائضہ عورت کو بھی اس کی اجازت دی جاسکتی تھی کہ وہ کسی کے ذریعہ اپنا طواف زیارت کروالے لیکن شرعاً ایسا کرنا جائز ہی نہیں ہے۔

۱۱۔ اگر سفر حج یا عمرہ میں کسی عورت کے خاوند کا انتقال ہو جائے تو وہ کیا کرے؟

اگر کسی خاتون کے شوہر کا انتقال سفر حج یا عمرہ شروع کرنے سے پہلے ہو جائے یا شوہر نے اس کو طلاق دیدیا ہو تو اس کے لئے عدت گزارنا واجب ہے، اور سفر کا آغاز کرکے حج یا عمرہ کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ مؤطا امام مالک میں ہے کہ:

عن سعيد بن المسيب أن عمر بن الخطاب كان يرد المتوفى عنهن أزواجهن من البيداء يمنعهن الحج (مؤطا امام مالک ص ۲۱۷)۔

امام محمدؒ نے مؤطا محمد میں مذکورہ روایت کو بیان فرمانے کے بعد لکھا ہے:

قال محمد: وبهذا نأخذ وهو قول أبي حنيفة والعامة لا ينبغي لامرأة أن تسافر في عدتها حتى تنقضي من طلاق أو موت. اھ (موطا امام محمد: باب المرأۃ تسافر قبل انقضاء عدتہا ص ۲۶۴)۔

دراصل عدت کا آغاز تو طلاق و وفات کے بعد ہی ہو جاتا ہے اگرچہ عورت کو اس کا علم نہ ہو، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

ابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق وفي الوفاة عقيب الوفاة فإن لم تعلم بالطلاق والوفاة حتى مضت مدة العدة فقد انقضت عدتها (عالمگیری ۱/۵۳۱، ۵۳۲، در مختار مع الرد ۲/۶۶۶، ہدایہ ۲/۴۲۵)۔

نیز حج کا تو بدل ممکن ہے لیکن عدت کا بدل ممکن نہیں ہے، لہذا جب عورت حالت عدت میں ہو تو اس کے لئے سفر کا آغاز کسی طرح جائز نہیں ہے، اسی طرح اگر کسی عورت نے حج کا احرام باندھ لیا پھر اس کے بعد اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا، یا اس کے شوہر نے اسے طلاق دیدی، تو یہ عورت حضرات فقہاء کی تصریحات کے مطابق محصرہ ہو جائے گی کیونکہ حضرات فقہا نے احصار کے اسباب میں عدت کو بھی شمار کیا ہے، چنانچہ شامی باب الاحصار میں ہے:

منها العدة فلو أهلت بالحج فطلقها زوجها ولزمتها العدة صارت محصرة ولو مقيمة أو مسافرة معها محرم (شامی ۲/۲۵۳)۔

لہذا مذکورہ عورت پر واجب ہے کہ وہ دم احصار قربان کر کے احرام سے حلال ہو کر عدت گزارے، شامی میں ہے:

لوفات زوجها أو محرمها في الطريق فلا تحلل إلا بالهدي. اھ (حوالہ بالا)۔

لیکن دور حاضر میں چونکہ حکومت کا قانون نہایت سخت ہے، اور حج کے اخراجات ناقابل برداشت ہوتے ہیں، نیز عورت کے لئے فی الفور گھر لوٹنا بھی آسان نہیں ہے، اس لئے اگر عورت حج یا عمرہ مکمل کر کے گھر لوٹے، تو اس صورت میں اگرچہ عورت گناہگار ہوگی، لیکن اس کا حج ادا ہو جائے گا، چنانچہ ارشاد الساری الی مناسک القاری میں ہے:

وإن حجت وهي في العدة جاز حجها وكانت عاصية (ارشاد الساری ص ۳۹، بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۵/۲۳۸)۔

یہاں پر یہ بات پیش نظر رہے کہ عورت کے لئے وجوب ادائے حج کی شرائط مرد ہی کے مثل ہے البتہ عورتوں کے سلسلے میں دو اور شرطیں ہیں: (۱) ایک شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ شوہر یا کوئی محرم ہو، (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عورت معتدہ نہ ہو یعنی عدت سے خالی ہو۔ چنانچہ فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

والمرأة في وجوب الحج عليها كالرجل غير أن لها شرطين شابة أو عجوز، أحدهما أن يكون خروجها مع زوجها أو مع ذي رحم محرم، والشرط الثاني أن تكون خالية من العدة عدة وفاة كانت أو عدة طلاق والطلاق بائن أو رجعي (فتاوی تاتارخانیہ ۲/۴۳۶، ومثلہ فی الدر المختار مع ۱۵۹)۔

پہلی شرط کی دلیل مصنف ابن ابی شیبہ کی یہ روایت ہے:

ذی بعضاً فاقہ ۔ المعجم الوسیط رص ٦٦٠) یعنی تین یا چار سو ذراع کا فاصلہ نہ ہو (احسن الفتاوی ۴/ ۷۳) اور یہاں مکہ، منیٰ اور عرفات کے درمیان آبادی کے بڑھنے کے باوجود اس قدر فاصلہ پایا جاتا ہے۔

لہٰذا ایام حج کے دوران مکہ مکرمہ میں پندرہ دن اقامت کی نیت کر کے رہنے والا شخص مقیم نہ ہوگا بلکہ مسافر ہی رہے گا (مستفاد از فتاوی رحیمیہ ۱/ ۲۳۷، تفصیل کے لئے دیکھئے: معراج الدرایہ، فتاوی عالمگیری ۱/ ۱۴۰، مبسوط ۱/ ۲۳۶، ورد المحتار ۱/ ۵۸۱)۔

۱۳۔ حنفی مقتدی کا دو سلام سے نماز وتر پڑھانے والے امام کی اقتدا کرنا:

احناف میں سے جو لوگ رمضان میں عمرہ کرتے ہیں، یا سعودیہ عربیہ میں مقیم ہیں، وہ لوگ اگر نماز وتر ایسے امام کی اقتداء میں ادا کریں جو عموماً وتر کی تین رکعات فصل کے ساتھ یعنی دو رکعت پر سلام پھیرنے کے ساتھ پڑھاتے ہوں تو شرعاً ایسے امام کی اقتداء جائز ہے، کیونکہ ایک سلام سے یا دو سلام سے تین رکعت نماز وتر پڑھنے پڑھانے کا حضرات ائمہ کے درمیان مجتہد فیہ ہے، دوسری طرف تمام ائمہ برحق ہیں، اس لئے تمام ائمہ کو برحق ماننے کے باوجود صرف اپنے مذہب کی رعایت میں مسجد حرمین کی جماعت کو چھوڑ کر نماز وتر تنہا ادا کرنا مناسب نہیں ہے۔

وقال أبو بكر الرازي يجوز اقتداء الحنفي بمن يسلم على الركعتين في الوتر يقنت في الوتر: لأن إمامه لايخرج بسلامه عنده :لأنه مجتهد فيه كمالو اقتدى بإمام قدر عف وهو يعتقد أن طهارته باقية (حاشیہ ہدایہ ۱/ ۱۴۵)۔

رہا یہ شبہ کہ اس صورت میں اگر نماز وتر جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے تو امام وتر کو فصل کے ساتھ پڑھتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ مجتہد فیہ معاملہ میں اس قسم کا فصل گوارا کیا جا سکتا ہے، علاوہ ازیں ہر امام نے اپنے مسلک کی تائید میں حدیث و آثار سے استدلال کیا ہے، اور ہر فریق کی پیش کردہ حدیث صحیح بھی ہے، اس لئے اس مسئلہ میں کسی امام کے مسلک کو غلط بھی نہیں کہا جا سکتا، چنانچہ حضرت مولانا محمد تقی صاحب نے ترمذی شریف کی شرح درس ترمذی میں وتر سے متعلق احادیث و مسائل اور اختلاف فقہاء کو شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد آخر میں ذکر کیا ہے کہ:

وتر کی روایات ذخیرہ حدیث کی مشکل ترین روایات میں سے ہیں، اور ائمہ مجتہدین کے مذاہب میں سے کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو ان تمام روایات پر بلا تکلف منطبق ہو جائے، ہر مذہب کو کسی نہ کسی روایت میں خلاف ظاہر توجیہ کرنی پڑتی ہے، جہاں تک رکعات وتر کے درمیان فصل کے مسئلہ کا تعلق ہے تو مجموعی طور پر روایات حدیث کو دیکھنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روایات حدیث میں فصل اور عدم فصل دونوں طریقوں کی گنجائش موجود ہے (درس ترمذی ۲/ ۲۳۲، ۲۳۳) لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ نے عدم فصل والی روایت کو اختیار فرمایا کیونکہ وہ قواعد کلیہ کے مطابق ہے۔

مندرجہ تفصیلات کی روشنی میں راقم سطور کے نزدیک فصل کے ساتھ نماز وتر کو ادا کرنے والے امام کی اقتداء میں ماہ رمضان میں ادا کرنا جائز ہے، البتہ بعض علماء نے ایسی صورت میں اقتداء کو ناجائز کہا ہے، چنانچہ اسی بنیاد پر

حضرت مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ نے منتخبات نظام الفتاوی میں حنفی مقتدیوں کو اپنی نماز وتر الگ جماعت کرکے ادا کرنے کا فتوی دیا ہے۔ سوال و جواب کی عبارت حسب ذیل ہے:

سوال: رمضان المبارک میں شافعی حضرات وتر باجماعت ادا کرتے ہیں، اور دو رکعت ایک سلام سے اور ایک رکعت دوسرے سلام سے تو کیا ان کی اقتدا حنفی کر سکتے ہیں؟

جواب: حنفی حضرات اپنی جماعت وتر بعد میں جہاں مناسب ہو علیحدہ کریں، اگر ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہونا ہی پڑے تو دو رکعت نفل کی نیت کرکے شریک ہوں اور دوسری رکعت کے سلام پر اپنی یہ نماز ختم کر دیں، اور پھر مستقل دو رکعت نفل کی نیت کرکے شریک جماعت ہو جائیں اور جب امام سلام پھیرے تو اپنی ایک رکعت مثل مسبوق کے پوری کر لیں۔ (منتخبات نظام الفتاوی ار۸۵، ۸۶)۔

جہاں حضرت مفتی نظام الدین صاحب نے نماز وتر کی جماعت علیحدہ کرنے کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے، اس پر عمل جہاں مشکل ہے وہیں اتحاد مسلم، اخوت دینی اور مزاج شریعت کے خلاف بھی ہے، اور ایسے نازک حالات میں کسی خاص فقہی مسلک پر جمود و اصرار مناسب نہیں ہے، اگرچہ عبادت میں احتیاط کا تقاضا ہے کہ نماز وتر تینوں رکعت بغیر کسی فصل کے ادا کیا جائے، تاہم کتب حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث موجود ہے:

كان رسول الله ﷺ يفصل بين الوتر والشفع بتسليمة ويسمعناها (آثار السنن ۲ر۲۰، قال النیموی رواہ احمد باسناد قوی)

اس لئے اگر اس حدیث نبوی کے پیش نظر فصل کے ساتھ نماز وتر ادا کرنے والے امام کی اقتداء میں باجماعت نماز وتر ادا کرنے کو جائز قرار دیا جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے۔

☆☆☆☆☆

حج و عمرہ کے چند مسائل

مولانا منظور احمد القاسمی

مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور اعظم گڈھ

۲/۱۔ جو لوگ حدود میقات کے باہر رہنے والے ہیں اور حج یا عمرہ کی نیت کے بغیر مکہ مکرمہ یا حرم مکی کی حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں مثلاً تجارت و ملاقات کی غرض سے یا کسی اور مقصد سے، یا وہ اہل مکہ جو حدود میقات سے باہر آ کر حج یا عمرہ کی نیت کے بغیر حرم میں داخل ہونا چاہتے ہیں، تو ایسے لوگوں کے حکم کے بارے میں فقہاء مجتہدین کے درمیان دو طرح کے مسلک پائے جاتے ہیں: ایک مسلک تو یہ ہے کہ ان کے لئے بھی احرام باندھنا ضروری ہے، بغیر احرام باندھے میقات سے آگے بڑھنا جائز نہیں ہے، اور یہ ائمہ احناف کا مسلک ہے جو تمام کتب حنفی میں مذکور ہے۔ اور دوسرا مسلک یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے بغیر احرام کے حرم مکی میں داخل ہونے کی اجازت ہے، اور یہ مسلک حضرات شوافع کا ہے۔

فقہاء احناف کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں مطلقاً بغیر احرام باندھے حرم میں داخل ہونے کی ممانعت ہے، ان میں سے دو حدیث علامہ کاسانی نے (بدائع الصنائع ۲/۱۶۴) پر نقل کی ہیں:

عن النبی ﷺ أنه قال ألا إن مكة حرام منذ خلقها الله تعالى لم تحل لأحد قبلی و لا تحل لأحد بعدی و إنما أحلت لی ساعة من نهار ثم عادت حراما إلی يوم القيامة۔

اور دوسری حدیث: روی عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ لا يحل دخول مكة بغير إحرام.

نیز علامہ ابن الہمام صاحب فتح القدیر نے بھی چند احادیث نقل کی ہیں جن میں سے دو حدیث میں نقل کرتا ہوں:

عن ابن عباسؓ أن النبی ﷺ قال لا يجاوز الوقت إلا بإحرام وعن أبی الشعثاء أنه رأى ابن عباسؓ يرد من جاوز الميقات غير محرم (فتح ۲/۳۳۵)۔

فقہاء احناف کے عقلی دلائل بھی ہیں، وہ یہ کہ حرم مکی کی شرافت اور اس کا تقدس متقاضی ہے کہ جب بھی اس میں دخول ہو تو عبادت احرام کے ساتھ ہو تاکہ بہ نسبت دوسری جگہوں کے اس کی عظمت و شرافت کا اظہار ہو، نیز وجوب احرام اس جگہ مبارک کی تعظیم کے پیش نظر ہے، اس لئے اس سلسلہ میں وہ لوگ جو حج و عمرہ کے ارادہ سے حرم مکی میں داخل ہو رہے ہیں یا حج و عمرہ کی نیت کے بغیر کسی اور ضرورت سے داخل ہو رہے ہیں برابر ہیں، جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے:

لأن هذه بقعة شريفة لها قدر و خطر عند الله تعالى فالدخول فيها يقتضی التزام عبادة إظهارا لشرفها على سائر البقاع (۲/۱۶۴)۔

اور ہدایہ (۱/۲۳۵) پر ہے: ولأن وجوب الإحرام لتعظيم هذه البقعة فيستوی فيه الحاج و

المعتمر وغيرهما. (وہکذا فی البحر الرائق ۲/۳۱۹)۔

حضرات شوافع کی دلیل وہ دو حدیث ہیں جنہیں علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں اور امام نووی نے المجموع شرح المہذب میں نقل کیا ہے:

لأن النبي ﷺ دخل يوم فتح مكة حلالا وعلى رأسه المغفر. وقد روى الترمذي بإسناده أن النبي ﷺ دخل يوم فتح مكة وعلى رأسه عمامة سوداء وقال حديث حسن صحيح (فتح ۲/۳۳۵، المجموع ۷/۱۰-۱۱)۔

حضرات شوافع کی عقلی دلیل یہ ہے کہ چونکہ احرام کی مشروعیت حج وعمرہ کے لئے ہوئی ہے، اس لئے جب ان دونوں میں سے کسی ایک کی نیت ہوگی تو احرام واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ (حاشیہ ہدایہ ۱/۲۳۵)۔

اب رہی بات دلائل کی ترجیح کی تو عام حالت میں احناف کے دلائل قوی اور راجح ہیں، کیونکہ حضرات شوافع کی مستدل حدیث کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ فتح مکہ کے روز تھوڑی دیر کے لئے حرم میں بغیر احرام کے داخل ہونا آپ ﷺ کے لئے حلال کر دیا گیا تھا اس لئے آپ ﷺ بغیر احرام کے داخل ہوئے تھے جیسا کہ اس بات کی تائید "إنما أحلت لي ساعة من نهار ثم عادت حراما إلى يوم القيامة" (الحدیث) سے ہو رہی ہے۔

لیکن مسئلہ یہاں پر عام حالت کا نہیں ہے بلکہ اس خاص حالت کا ہے جو لوگ حدود میقات سے باہر رہتے ہیں اور بغرض تجارت وملازمت یا کسی اور ضرورت سے بار بار اور آئے دن انہیں حرم میں داخل ہونا پڑتا ہے، یا اسی طرح سے وہ اہل مکہ جو بغرض تجارت وملازمت یا کسی اور ضرورت کے پیش نظر بار بار حدود میقات سے باہر آتے جاتے ہیں، تو ایسی حالت میں حضرات شوافع کے مسلک پر بربنائے ضرورت ودفع حرج عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک تو وہ حدیث قابل غور ہے جسے کفایہ، المغنی اور المجموع میں نقل کیا گیا ہے جو حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے، اس میں حطابین کو بغیر احرام کے حرم میں داخل ہونے کی رخصت دی گئی ہے:

روى ابن عباس انه قال لا يدخل مكة إلا محرما ورخص للحطابين. وفي الكفاية انه ﷺ رخص للحطابين دخول مكة بغير إحرام.

چنانچہ اسی حدیث کی روشنی میں المغنی میں یہ مسئلہ ہے کہ من يدخلها لقتال مباح أو من خوف أو لحاجة كالحطاب والحشاش وناقل الميرة والفيج ومن كانت له ضيعة يتكرر دخوله وخروجه إليها فلا إحرام عليهم.

پھر آگے فرماتے ہیں: لأنا لو أوجبنا على من يتكرر دخوله أفضى إلى أن يكون في جميع زمنه محرما فسقط للحرج۔ اور المجموع شرح المہذب میں ہے: وان كان دخوله لحاجة تتكرر كالحطابين والصياد بن جاز بغير نسك لحديث ابن عباس ولأن في إيجاب الإحرام على هؤلاء مشقة.

دوسری بات یہ قابل غور ہے کہ حدود میقات میں رہنے والوں کے لئے بغیر حج وعمرہ کی نیت کے اپنی کسی ضرورت کے پیش نظر بغیر احرام کے حرم میں داخل ہونا خود احناف کے نزدیک بھی جائز ہے، اور اس کی دلیل میں وہی حدیث ذکر کی گئی ہے جس میں حطابین کو رخصت مل گئی ہے۔ چنانچہ صاحب کفایہ نے تحریر فرمایا ہے: (ومن كان داخل الميقات) ظاهر والأصل انه ﷺ رخص للحطابين دخوله مكة بغير إحرام۔ اور اس کی علت حضرات احناف بھی یہی بیان کرتے ہیں کہ چونکہ حدود میقات میں رہنے والوں کے لئے بار بار حرم میں آنے جانے کی ضرورت پیش آتی ہے اس لئے دفع حرج اور رفع مشقت کے واسطے ان کو اجازت ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

لأنه يكثر دخوله مكة وفى إيجاب الإحرام فى كل مرة حرج بين (کذا فی بدائع الصنائع ۲؍ ۱۶۷)۔

لہٰذا جس علت کی بنیاد پر حطابین وصیادین وحشاشین نیز داخل میقات رہنے والوں کو بغیر احرام کے دخول حرم کی اجازت دی گئی ہے فی زمانہ وہی علت ان لوگوں کے حق میں بھی پائی جاتی ہے جو حدود میقات کے باہر رہنے والے ہیں یا اہل مکہ ہیں اور انہیں بار بار میقات سے باہر آنے اور حرم میں داخل ہونے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

اس لئے سوال نمبر (۱) ونمبر (۲) میں جن لوگوں کے بارے میں مسئلہ دریافت ہے ایسے لوگوں کے لئے بہتر اور عزیمت یہ ہے کہ جب بھی حدود حرم میں داخل ہوں تو احرام باندھ کر داخل ہوں لیکن اگر اس عزیمت میں حرج، تنگی ومشقت محسوس کریں تو بربنائے دفع حرج ورفع مشقت بغیر احرام کے داخل ہونے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، نیز حضرات شوافع کے مذہب میں چونکہ مطلقاً جواز بھی ہے، اس توافق سے بھی وسعت ہوئی۔

۳۔ مکہ مکرمہ میں مقیم شخص کے لئے اشہر حج شروع ہونے کے بعد عمرہ کرنا ائمہ احناف کے نزدیک مکروہ ہے، یعنی مکہ والوں کو اور جو لوگ اہل مکہ کے حکم میں ہیں ان کے لئے تمتع وقران مکروہ ہے اگر کریں گے تو دم جبر لازم ہوگا جیسا کہ تمام حنفی کتب فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ احناف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول "ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" ہے اور احناف ذلک کا مشار الیہ تمتع قرار دیتے ہیں۔ فدلت الآية أن التمتع مشروع لمن كان من أهل الآفاق۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ان لوگوں کے لئے تمتع وقران درست ہے لیکن دم واجب نہیں ہے، اور حضرات شوافع بھی اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں جو آیت احناف کی مستدل ہے لیکن یہ حضرات آیت میں ذلک کا مشار الیہ تمتع نہیں بلکہ ہدی قرار دیتے ہیں۔ حتى يصح تمتع المكي ومن بمعناه۔ لیکن علامہ عینیؒ نے احناف کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے حضرات شوافع کے استدلال کا جواب دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

وإنما قلنا إن ذلك إشارة إلى التمتع لأن موضوعه فى كلام العرب للبعيد والقرآن نزل على لسانهم والذى ذكره الخصم أنه إشارة إلى الهدى غير موجه لأنه خالف ما استعمله العرب والذى ذكره قريب لا يصلح حقيقة له والتمتع المفهوم من قوله فمن تمتع يصلح ذلك فصار إليه لأن العمل إذا أمكن بالحقيقة لا يصار إلى المجاز بالاتفاق فتكون الآية حجة عليه (البنایہ ۳؍ ۲۲۵)۔

اس لئے احناف کے نزدیک مسئلہ یہی ہے کہ مکہ والے کی اور جو لوگ اہل مکہ کے حکم میں ہیں ان کے لئے تمتع وقران مکروہ ہے، چنانچہ زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک میں بھی یہی ہے، مسئلہ: مکی کو اور داخل میقات رہنے والے کو (خواہ عین میقات پر رہتا ہو) اور جو کوئی پہلے اشہر حج سے مکہ میں حلال ہو کر رہتا ہے اس کو تمتع جائز نہیں ہے۔ (ص ۳۰۸)۔

۴۔ صورت مسئولہ میں مکہ مکرمہ میں مقیم حنفیوں کے لئے (جبکہ وہ اسی سال حج کا ارادہ رکھتے ہوں) یہ مشکل ضرور ہے کہ اگر اشہر حج میں وہ میقات سے باہر جاتے ہیں اور پھر بغیر احرام کے مکہ میں آتے ہیں تو احناف کے نزدیک بلا احرام میقات سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ایک ممنوع صورت کا ارتکاب لازم آئے گا اور دم دینا پڑے گا، اور اگر احرام کے ساتھ میقات میں داخل ہوتے ہیں تو احرام سے حلال ہونے کے لئے انہیں ارکان عمرہ ادا کرنے ہوں گے اور چونکہ اسی سال حج بھی کرنے کا ارادہ ہے تو حج کرنے کی صورت میں تمتع ہو جانے کی وجہ سے دم جنایت لازم ہوگا اور اس صورت میں بھی ممنوع کا ارتکاب لازم آئے گا۔ اور اگر ان دونوں ممنوع صورتوں سے بچنے کے لئے اہل مکہ کو پابند کیا جائے کہ اشہر حج شروع ہونے کے بعد میقات سے باہر نہ جائیں تنگی و دشواری کی بات ہے، کیونکہ اشہر حج کا عرصہ خاصا طویل ہے اور اہل مکہ خصوصاً موجودہ زمانے میں اپنی مختلف ضرورتوں کی بنا پر میقات کے باہر جانے پر مجبور ہوتے ہیں، اس لئے تیسری صورت اختیار کرنے میں تو انتہائی دشواری ہے، اور رہی پہلی دونوں صورتیں تو ان میں ممنوع کا ارتکاب لازم آرہا ہے۔

لہذا اگر ارکان حج کی ادائیگی کا زمانہ قریب ہے یعنی احرام کی پابندیاں اتنی طویل مدت نہ ہوں کہ اس پر ناقابل برداشت حرج لازم آئے تو اسے چاہئے کہ حج کا احرام باندھ کر داخل حرم ہو اور اسی احرام سے حج ادا کرے۔ اور اگر مدت اتنی طویل ہے کہ احرام کی پابندیاں اس کے لئے باعث حرج ہوں گی تو دفع حرج کے لئے بغیر احرام کے حرم میں داخل ہونے کا مسئلہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اس پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ حرم کے تقدس اور دلائل کی قوت کو پیش نظر رکھتے ہوئے امکان بھر اس کی کوشش کرے کہ بغیر احرام کے داخل نہ ہو۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں خود احناف کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک میں ہے: اس میں اختلاف ہے، ملا سندھی نے مناسک المتوسط میں لکھا ہے کہ یہ متمتع حج سے پہلے دوسرا عمرہ نہ کرے، اور ملا علی قاری نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی بنا اس پر ہے کہ مکی کو مفرد عمرہ بھی اشہر حج میں ممنوع ہے (جیسا کہ ابن الہمام کا مذہب ہے) حالانکہ مکی کو فقط تمتع وقران ممنوع ہے، اور یہ متمتع آفاقی ہے اس کو عمرہ کرنا منع نہیں بلکہ تکرار عمروں کا اس کو جائز ہے کیونکہ یہ مستقل عبادات ہے مثل طواف کے، اس سے معلوم ہوا کہ جو آفاقی اشہر حج میں آ کر عمرہ کر چکا تو اس کا تمتع اس عمرہ سے منعقد ہوا پھر اس کے بعد مکہ میں رہ کر دوسرا عمرہ کیا تو وہ مفرد ہوا اور مفرد عمرہ مکی کے لئے ... سال میں کرنا جائز ہے سوائے پانچ دن کے۔

اور علامہ ابن الہمام اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آفاقی جب عمرہ سے حلال ہو کر مکہ میں رہا تو یہ بعض احکام میں اب مکی کا حکم رکھتا ہے، اب اگر حج سے پہلے دوسرا عمرہ ادا کرے گا تو یہ دوسرا عمرہ اشہر حج میں کرنا اس لئے ممنوع ہوگا کہ اس نے مکہ والوں کے حکم میں ہو کر اشہر حج میں باوجود حج کا ارادہ رکھتے ہوئے یہ عمرہ کیا ہے پس اس کو مفرد و عمرہ نہ کہا جائے گا۔

عام طور سے فقہاء احناف نے حضرت ملا علی قاری کی تحقیق کو ترجیح دی ہے، چنانچہ حضرت مفتی سعید احمد صاحب نے معلم الحجاج میں اور محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی نے رہبر حجاج میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ محدث کبیر الاعظمی فرماتے ہیں: "جس نے تمتع کے ارادہ سے عمرہ کا احرام باندھا وہ عمروں سے فارغ ہو کر زمانہ قیام مکہ میں حج سے پہلے مزید عمرے بھی کر سکتا ہے، ملا علی نے المسلک المتقسط ص ۱۹۳ میں، اور علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں لکھا ہے یہ مبسوط، بحر الرائق اور علامہ قاسم وغیرہم کے حوالہ سے اس کے جواز کی تصریح کی ہے۔ (رہبر حجاج ص ۳۳)۔

اس تحقیق کی رو سے تمتع کرنے والا آفاقی جو ایام حج سے بہت پہلے مکہ مکرمہ پہونچ گیا اور حج کے بعد فورا اس کی روانگی ہے حج کے بعد عمرہ کرنے کا اسے موقع نہیں مل سکتا ہے تو وہ مزید عمروں کے ثواب سے محروم نہ ہوگا، البتہ جسے ایام حج کے بعد بھی کچھ دنوں تک مکہ مکرمہ میں رہنے کا موقع مل رہا ہے تو اس کے لئے انسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج سے پہلے مزید عمرہ کرنے کے بجائے طواف کی کثرت کرے اور حج کے بعد عمروں کا اہتمام کرلے۔

۶۔ الف: رمی جمار چونکہ واجب ہے اس لئے بغیر عذر عمل رمی میں کوئی دوسرا نیابت نہیں کر سکتا ورنہ بسبب جنایت دم لازم آئیگا جیسا کہ تمام کتب فقہ وفتاوی میں مصرح ہے۔

ب: البتہ عذر کی وجہ سے نیابت درست ہے اور اس پر دم لازم نہ ہوگا۔ لو ترک شیئا من الواجبات بعذر لا شیٔ علیہ (شامی باب الجنایات، وکذا فی البحر)۔

اب رہی یہ بات کہ اس معذوری کی کیا حد ہے تو اس سلسلہ میں زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ص ۱۸۶ پر بیان کردہ حد واضح معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے: "مسئلہ: جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف ہوتی ہو تو وہ معذور ہے، اگر اس کو آنے میں مرض بڑھ جانے کا اندیشہ یا تکلیف نہ ہو تو اب اس کو خود آ کر رمی کرنی ضروری ہے اور دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں ہے، ہاں اگر سواری یا اٹھانے والا نہ ہو تو معذور ہے اور معذور دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ محض ازدحام کے خوف سے نائب بنانا درست ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ محض ازدحام کا خوف عذر نہیں ہے، اس لئے محض ازدحام کے خوف سے عورت یا ضعفاء کو نائب بنا کر دوسروں سے رمی کرانا درست نہیں ہے۔ چنانچہ زبدۃ المناسک میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے: "اور عورت کو یہ جائز نہیں کہ فقط ازدحام کی وجہ سے اس کی طرف سے نیابتا رمی کرائی جائے سوائے کسی اور عذر و بیماری وغیرہ کے جس کی وجہ سے وہ خود رمی نہ کر سکتی ہو۔ نیز شرح لباب میں ہے:

والرجل والمرأة في الرمي سواء إلا أن رميها في الليل أفضل فلا تجوز النيابة عن المرأة بغير عذر (زبدة/ص۱۸۳)۔

لہذا عورتیں اور ضعفاء رات میں رمی کرلیا کریں گو کہ اقویاء کے لئے یہ وقت مکروہ ہے لیکن معذورین اور عورتوں کے لئے ازدحام کی وجہ سے بلا کراہت درست ہے، بارھویں تاریخ کو بعد فجر قبل طلوع آفتاب یہ لوگ رمی کر لیں ان کے لئے یہ وقت مکروہ نہیں (ہکذا زبدۃ وفتاوی رحیمیہ وغیرہ) عذر مذکور کے بغیر یہ لوگ عمل رمی میں کسی دوسرے کو نائب نہ بنائیں۔

۷۔ سعودیہ عربیہ میں رہنے والے غیر ملکیوں میں سے جو لوگ حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں اور انہیں حالت احرام میں پکڑ کر واپس کردیا جاتا ہے وہ لوگ محصر کے حکم میں ہیں، کیونکہ فقہاء احناف کے نزدیک جو محصر کی تعریف ہے وہ ان پر صادق آرہی ہے:

المحصر من أحرم ثم منع عن مضي في موجب الإحرام سواء كان المنع من العدو أو المرض أو الحبس أو الكسر أو القرح أو غيرها من الموانع من إتمام ما أحرم به حقيقة أو شرعا (فتاوی ہندیہ)۔

لہذا ان لوگوں کو بھی احرام سے نکلنے کی وہی ساری شرطیں ملحوظ رکھنی ہوں گی جو تمام کتب فقہ وفتاوی میں مذکور ہیں، یعنی اولا محصر موانع کے زوال کا انتظار کرے اگر مانع زائل ہوجائے تو جاکر حج یا عمرہ کرلے ورنہ حرم میں ہدی بھیج کر اور ذبح کرواکے حلال ہوجائے، اگر ہدی کے ذریعہ حلال ہوا ہے اور اس نے حج افراد کا احرام باندھا تھا تو پھر اسے آئندہ سال ایک حج وعمرہ قضا کرنا ہوگا، اور اگر وہ صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا تو صرف عمرہ کی قضا ہے، اور اگر اس نے حج قران کا احرام باندھا تھا تو وہ ہدی بھیج کر ذبح کرائے اور پھر اسے قضاء ایک حج اور دو عمرہ لازم ہوگا۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ترتیب واجب ہے ترک ترتیب سے دم لازم ہوتا ہے اور یہی مفتی بہ قول ہے۔ جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک یہ ترتیب سنت ہے اور ترک سنت سے دم واجب نہیں ہوا کرتا ہے اس لئے ان کے نزدیک ترک ترتیب سے دم لازم نہیں ہوگا۔

فتاوی کے اصول کے مطابق صورت مسئولہ میں امام صاحب کے مفتی بہ قول ہی پر عمل ہونا چاہئے، قول مرجوح اور دوسرے ائمہ کے قول کو اختیار کرنے کا جواز سمجھ میں نہیں آتا، کیونکہ اس سلسلہ میں جس دشواری اور مشقت کا نام لیا جاتا ہے وہ سفر حج کے لوازم میں سے ہے، وہ ناقابل تحمل نہیں ہے، بس صرف اتنی بات ہے کہ لوگوں کو احرام کھولنے کی جلدی ہوتی ہے، طبیعتوں کو عبادت کی پابندیاں گراں گذرتی ہیں اس لئے چاہتے ہیں کہ جلد از جلد احرام سے آزاد ہوجائیں، انہیں احرام ہی بھاری معلوم ہوتا ہے، اگر پابندیوں کو توڑنے کا یہی رجحان اور انداز رہا تو کل کو یہ بھی سوال اٹھ سکتا ہے کہ احرام میں بہت حرج ہے اس لئے بغیر احرام ہی حج ہونا چاہئے، مثلاً تھوڑا سا صبر کریں شام کے وقت رمی کریں پھر ذبح وحلق کریں یا ضعفاء وعورتیں رات میں رمی کریں (کیونکہ ان کو اس کی اجازت ہے) پھر دوسرے روز

ذبح وحلق یا قصر کریں تو جس مشقت و دشواری کو سوال میں ذکر کر کے مسئلہ دریافت کیا گیا ہے تجربہ ہے کہ وہ مشقتیں و دشواریاں نہیں پیش آئیں گی اور رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب بھی باقی رہ سکتی ہے۔ بہرکیف متمتع اور قارن رمی، ذبح اور حلق میں ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو مفتی بہ قول کے مطابق دم لازم ہوگا۔

۹۔ حج بدل کے مسائل پر غور کرتے وقت یہ بات ضرور پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اس کے سلسلہ میں جو شرطیں اور پابندیاں عائد کی گئی ہیں ان کا تعلق خصوصیت کے ساتھ اس حج بدل سے ہے جو واقعی حج فرض کا بدل اور اس کی شرائط کے ساتھ ہو، اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص پر حج فرض ہوا اور وہ اپنی معذوری کی وجہ سے حج نہیں کر سکتا تو اپنے خرچ سے دوسرے کو حج کے لئے بھیجے یا اگر وہ فوت ہو چکا ہے اور اس نے اتنا مال چھوڑا ہے کہ اس کے تہائی حصہ سے حج کرایا جائے تو ان دونوں صورتوں میں حج بدل کی پابندیاں اور شرطیں قابل لحاظ ہیں، کیونکہ اس سے فریضہ کی ادائیگی متعلق ہے۔

اور آج کل جس حج بدل کا عموماً رواج ہے وہ حج بدل بالمعنی المذکور نہیں ہوتا، بلکہ یا تو نفلی حج بدل ہوتا ہے یا ایصال ثواب کے لئے ہوتا ہے، اس میں حج بدل کی تمام شرطوں کا لحاظ رکھنا اتنا اہم نہیں ہے جتنا حج فرض میں ہے۔ اور حج بدل بالمعنی المذکور چونکہ خال خال واقع ہوتا ہے اس لئے اس میں شرطوں کا لحاظ کچھ دشوار نہیں ہے۔ اب بھی ایسے ذرائع ہیں کہ آدمی صرف افراد کا احرام باندھ کر حج کی قریبی تاریخوں میں جا سکتا ہے تو ان ذرائع کو استعمال کرنا ہی بہتر ہے نہ یہ کہ حج بدل کے شرائط کو تبدیل کریں۔

(الف، ج) کیا حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے؟ تو اس سلسلہ میں خود احناف کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ جواہر الفقہ میں مفتی محمد شفیع صاحب نے سارے اختلافات مع دلائل جمع کر دیئے ہیں، اور پھر آخر میں ایک اعتدال کی راہ نکالی ہے اور وہی بہتر ہے اسی پر عمل کرنا چاہئے۔ وہ فرماتے ہیں: "معاملہ ادائے فرض کا نازک ہے اس لئے احتیاط لازم ہے جہاں تک ممکن ہو حج بدل میں افراد یا قران کیا جائے تمتع نہ کریں لیکن اس زمانہ میں حج و عمرہ کرنے میں عام آدمی آزاد نہیں کہ جب اور جس وقت چاہیں جا سکیں اور طول احرام سے بچنے کے لئے ایام حج کے بالکل قریب سفر کریں، ہر طرف حکومتوں کی پابندیاں شدید ہیں اس لئے کسی حج بدل کرنے والے کو وقت سے زیادہ پہلے جانے کی مجبوری ہو اور احرام طویل میں محظورات احرام کی پابندی مشکل نظر آئے تو اس کو تمتع کر لینے کی گنجائش ہے۔" نیز صاحب فتاویٰ رحیمیہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ صورت مذکورہ میں حج کے لئے جائے تو بہتر یہی ہے کہ صرف حج کا احرام باندھے اور موانع و دشواریوں کے پیش نظر قران یا تمتع کرنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

(ب) محققین کی رائے کے مطابق عام حالات میں (یعنی حج کو افراد کرنے میں کوئی دشواری و مشکل نہ ہو) حج بدل کرنے والے کو آمر کی اجازت سے بھی تمتع کرنا جائز نہیں، اگر تمتع اجازت سے کرے گا تو گو ضمان نہ ہوگا لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا، امام ابن ہمام، ملا علی قاری نے شرح لباب میں اور حضرت

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے زبدۃ المناسک میں عدم جواز ہی کو اختیار کیا ہے، اور حضرت الاستاذ مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنیؒ بھی عدم جواز ہی کا فتوی دیتے تھے (حاشیہ معلم الحجاج رص ۲۹۴) جب اجازت کے بعد بھی تمتع کرنا درست نہیں ہے تو بغیر اجازت کے کیسے درست ہوسکتا ہے الا یہ کہ ایسی دشواری وقانونی مشکل ہو جسے مفتی محمد شفیعؒ کے حوالے سے اوپر لکھا جاچکا ہے۔

(ج) اس شق کا جواب (الف) اور (ب) میں ہوگیا ہے۔

(د) اگر حج بدل کرنے والا مجبوراً تمتع کررہا ہے اور آمر کی طرف سے اس کی اجازت بھی ہے تو اس صورت میں دم تمتع آمر کے مال میں لازم ہوگا، ور حقیقت اس سلسلہ میں اصل بات یہی ہے کہ آمر سے دم تمتع کے سلسلہ میں صریح اجازت وعدم اجازت معلوم کرلی جائے بس اتنا اگر کرلیا جائے تو پھر معاملہ آسان ہے کہ دم تمتع کس کے مال میں لازم ہوگا۔

(و) حج من المیقات کی صورت میں بھی مذکورہ دشواریوں کے پیش نظر تمتع کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

۱۰۔ الف: صورت مسئولہ میں اولاً تو عورت پر یہ بہت ضروری ہے کہ ایسی کوشش وتدبیر کرے کہ جس سے وہ پاک ہونے کے بعد طواف زیارت کرکے ہی مکہ مکرمہ سے واپس جائے، اور یہ صورت کچھ زیادہ مشکل نہیں (کچھ مشکلات تو حج کے لوازم میں سے ہیں) مسئلہ صرف حیض سے متعلق ہے اور اس کی مدت پھر زیادہ نہیں ہے تھوڑی سی کوشش سے موقع مل جاتا ہے، مسلمانوں کی حکومت ہے معاملہ اتنا دشوار نہیں ہے جتنا سوال سے ظاہر ہورہا ہے، اس لئے اس مسئلہ میں مجبوری کا نام لے کر گناہ کی اجازت نہیں دی جائے گی ورنہ سہولت پسند طبیعتیں معمولی معمولی اعذار کو بہانہ بنا کر ارتکاب گناہ پر جری ہوجائیں گی، جیسا کہ عموماً دیکھا جارہا ہے کہ جن جگہوں پر مجبوری کا نام لے کر لوگوں نے سہولت پیدا کردی ہے وہاں کھلم کھلا گناہوں کا ارتکاب ہورہا ہے، حج میں اس کا مشاہدہ بہت ہوتا ہے اس لئے مجبوری کا نام لے کر ایک بڑے گناہ کی اجازت ہرگز نہیں ہونی چاہئے، بلکہ یہ اس پر محمول کردیا جائے کہ باوجود کوششوں کے اگر کوئی صورت نہ بن پڑے تو، وہاں کے مقامی علماء سے مسئلہ پوچھ کر عمل کریں۔

(ب) اگر کوئی صورت نہ بن پڑے اور مقامی علماء نے کسی کو حالت حیض میں طواف زیارت کرنے کی اجازت دے دی تو اس صورت میں رکن ادا ہوجائے گا، طواف زیارت شرعاً معتبر سمجھا جائے گا اور وہ مکمل طور پر حلال ہوجائے گی، اور اس پر دم لازم ہوگا:

ولو فعلته كانت عاصية معاقبة و تحل به من إحرامها بطواف الزيارة و عليها بدنة كطواف الجنب (البحر الرائق: باب الحیض ار۱۹۷)۔

البتہ وہ اگر قربانی نہیں کرسکی اور وہ کسی بھی موقع پر طواف زیارت کا اعادہ کرلیا تو دم کا وجوب ساقط ہوجائے گا۔ (زبدۃ المناسک رص ۳۷۰)۔

(ج) بدنہ لازم ہوگا (شامی، بحر، ہدایہ، زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک)۔

(۱) دم کی ادائیگی حرم میں ضروری ہے خارج از حرم نہیں (شامی، ہدایہ وغیرہ)۔

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو وہ ایام عدت میں عمرہ و حج ادا کر سکتی ہے یا نہیں؟
تو اس سلسلہ میں شامی و تاتار خانیہ و ہندیہ وغیرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت محصرہ کے حکم میں ہے لہٰذا اگر ممکن ہو تو ایک سال رہ کر حج کر کے آئے یا آئندہ سال حج کے لئے واپس جائے اور اگر عذر شرعی کی وجہ سے نہ جا سکے تو حج بدل کی وصیت کر جائے، اور اسی طرح اگر عمرہ کا احرام تھا جب بھی اگر ممکن ہو تو عمرہ کر کے ہی واپس ہو بعد عدت کے۔
لیکن در حقیقت آج کل قانونی دشواریوں اور حکومت کی پابندیوں کے باعث اس پر عمل کرنا خاصا دشوار ہے، اس لئے زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک میں تحریر کردہ مسئلہ پر عمل بہتر معلوم ہوتا ہے، چنانچہ اس میں ہے: "تو یہ بھی اسی طرح معذور بھی جائے جیسے بداوی وغیرہ میں جہاں اقامت مشکل ہو تو مکہ مکرمہ چلے جانے کا جواز ہے تو اب اس حالت میں عرفات پر حج کرنے کو جائے تو عذر ہو سکتا ہے ورنہ اس کو نہایت ہی مشکل پیش آئے گی، اگر افعال عمرہ بجالا کر حلال ہوگی تو پھر حج کے لئے قضا کرنی لازم ہو جائے گی۔ پھر اس کے لئے وہاں رہنا یا واپس آنا نہایت دشوار ہے (ص ۳۶)۔
لہٰذا سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو جائے اور اوپر مذکورہ صورت نہ بن پڑے تو اسے ایام عدت میں محض حج و عمرہ کے ضروری افعال کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے مزید اسے دوسرے افعال مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ جانا جائز نہیں ہے۔

۱۲۔ سفر شرعی طے کر کے حاجی مکہ مکرمہ اس وقت پہونچا کہ مکہ مکرمہ میں ۱۵ یوم قیام سے قبل ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں تو اس صورت میں وہ اس وقت تک مسافر رہے گا جب تک کہ منیٰ و عرفات سے واپس نہ آ جائے اور پھر وہ ۱۵ یوم ٹھہرنے کی نیت نہ کر لے۔ لہٰذا ایسی صورت میں اگر مکہ مکرمہ پہونچتے ہی اقامت کی نیت کر لی تو یہ نیت لغو اور غیر معتبر ہو گی۔ اور اگر ایام حج شروع ہونے سے ۱۵ یوم قبل مکہ مکرمہ پہونچا اور ان ایام میں وہیں اقامت کی نیت کر لی تو وہ مقیم ہوگا۔

إن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر ونوى الإقامة نصف شهر لا يصح لأنه لابد له من الخروج إلى عرفات فلا يتحقق الشرط (بحر ۲/۱۳۲)۔

اور رہی یہ بات کہ اب مکہ مکرمہ شہر پھیل کر منیٰ کی آبادی سے متصل ہو گیا ہے تو پھر بھی چونکہ عرفاً دونوں آبادیاں جدا جدا اور دونوں مستقل آبادی گنی جاتی ہیں، بلکہ شرعاً بھی دونوں آبادیاں الگ اور ہر ایک مستقل آبادی ہے جیسا کہ لیالی رمی میں منیٰ ہی میں رہنے کا حکم ہے منیٰ میں رات نہ گذارنا بلکہ کہیں اور مثلاً مکہ وغیرہ میں رات گذارنا مکروہ ہے۔ اور اسی طرح سے یہ بھی مسئلہ ہے کہ اپنا سامان ومتاع سفر وغیرہ پہلے ہی مکہ بھیج دینا اور خود منیٰ میں رہنا مکروہ ہے، لہٰذا ان دونوں مسئلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً بھی مکہ مکرمہ اور منیٰ دونوں الگ الگ مقصود آبادیاں ہیں ورنہ لیالی رمی کو مکہ مکرمہ میں گذارنا اور اسی طرح سے خود منیٰ میں رہتے ہوئے مکہ مکرمہ سامان وغیرہ بھیج دینا مکروہ نہ ہوتا۔
اس لئے آبادی کے متصل ہو جانے سے حکم میں فرق نہیں ہوگا وہی حکم ہوگا جو پہلے تھا ورنہ تو آبادی ایک ماننے کی صورت میں لیالی رمی کو مکہ مکرمہ میں گذارنا اور خود منیٰ میں رہتے ہوئے سامان مکہ مکرمہ میں بھیج دینے کا مسئلہ بھی سامنے آئے گا۔

۱۳۔ جو شافعی امام تین رکعات وتر کو دو سلام سے پڑھتا ہے اس کی اقتداء حنفیوں کو کرنی چاہیے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں شافعی امام کا مواضع خلاف میں احتیاط کی شرط کے باوجود خود فقہاء احناف میں دو طرح کے مسلک ہیں۔ ایک مسلک تو یہ ہے کہ اقتداء درست ہے جیسا کہ علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں، اور مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی نے ہدایہ کے حاشیہ میں اور صاحب بحر نے البحر الرائق میں امام ابو بکر الرازی کا قول نقل کیا ہے:

وقال أبو بكر الرازي يجوز اقتداء الحنفي بمن يسلّم على الركعتين في الوتر يقنت في الوتر لأن إمامه لايخرج بسلامه عنده لأنه مجتهد فيه.

اور دوسرا مسلک یہ ہے کہ اقتداء درست نہیں ہے، چنانچہ طحطاوی، درمختار، شامی، محیط، فتح اور بحر میں عدم اقتداء کا قول ہے اور اسی کو صحیح اور اصح قرار دیا ہے۔ جیسا کہ طحطاوی کی عبارت ہے:

صحة الاقتداء إذا كان يحتاط في مواضع الاختلاف كأن يجدد الوضوء بخروج نحو دم إلى قوله وأن لايقطع وتره بسلام على الصحيح (ص ۳۱۲)۔

اور بحر میں ہے: فمراده من الأول هو قوله في شروط الاقتداء بالشافعي ولا يقطع وتره بالسلام هو الصحيح (۳۹/۲) اور درمختار میں ہے: صح الاقتداء فيه بشافعي لم يفصله بسلام على الأصح.

نیز جنہوں نے جواز کا فتویٰ دیا ہے وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ شافعی امام وتر مطلق کی نیت کرے، وتر تطوع یا مسنون کی نیت نہ کرے۔

اور چونکہ اس بات کی رعایت کہ امام مطلق وتر کی نیت کرتا ہے یا وتر تطوع و مسنون کی، قدرے دشوار ہے اس لئے بھی عدم جواز کا قول ہی زیادہ صحیح ہے، چنانچہ صورت مسئولہ میں ایسے امام مسجد کی اقتداء نہ کی جائے۔

☆☆☆☆☆

مسائل حج و عمرہ

محمد اسعد اللہ قاسمی میرٹھی، ٹانڈہ، رامپور

ا۔ آفاقی کا بلا احرام دخول مکہ:

جو لوگ مکہ مکرمہ کے باشندے نہیں ہیں اور نہ ہی حل کے رہنے والے ہیں، بلکہ میقات سے باہر کے آفاقی لوگ ہیں، اگر وہ تجارتی اغراض سے، یا اور کسی غرض سے مکہ مکرمہ جانا چاہتے ہیں تو ان کے لئے میقات سے احرام باندھ کر گذرنا واجب اور ضروری ہے، خواہ ان کا حج وعمرہ کا ارادہ ہو، یا نہ ہو بہر حال ان پر لازم ہے، بلا احرام ایسے لوگوں کے لئے بھی مکہ مکرمہ میں داخل ہونا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے اگر میقات سے بلا احرام تجاوز کرے گا تو جرمانہ کے طور پر دم دینا لازم اور ضروری ہوگا، فقہاء کرام فرماتے ہیں:

لو أراد بهذه المواقيت دخول مكة لا يجوز له أن يجاوزها الا محرما سواء أراد بدخول مكة للنسك من الحج أو العمرة او التجارة أو حاجة أخرى عندنا (بدائع الصنائع ۱۶۴/۲)۔

اگر کسی کا میقات سے تجاوز کر کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا ارادہ ہو تو اس کے لئے احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھنا جائز ہے، خواہ اس کا ارادہ دخول مکہ مکرمہ سے حج وعمرہ کا ہو، یا تجارت، یا اور کسی ضرورت سے ہو یہ ہمارے (احناف کے) نزدیک ہے۔

البتہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ میں حج وعمرہ کے ارادہ سے نہیں جاتا، بلکہ کسی تجارتی غرض، یا اور کسی غرض سے مکہ مکرمہ جاتا ہے تو ایسے شخص کے لئے احرام باندھ کر میقات سے گذرنا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی اس پر جرمانہ میں کوئی دم لازم ہوگا۔

وقال الشافعي إن دخلها النسك وجب عليه الإحرام وإن دخلها لحاجة جاز دخوله من غير إحرام وجه قوله انه تجوز السكنى بمكة من غير إحرام فالدخول أولى لأنه دون السكنى (بدائع الصنائع ۱۶۴/۲)۔

اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر حج وعمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوتا ہے تو اس کے لئے احرام ضروری ہے، اور اگر کسی دوسری ضرورت سے داخل ہوتا ہے تو بلا احرام داخل ہونا جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں بلا احرام سکونت جائز ہے تو پھر بدرجہ اولی دخول جائز ہوگا۔

من يدخلها لقتال مباح أو من خوف أو لحاجة متكررة كالحشاش والحطاب وناقل الميرة والفيج ومن كانت له ضيعة يتكرر دخوله و خروجه إليها فهؤلاء لا إحرام عليهم (إلى قوله) ولو أوجبنا الإحرام على كل من يتكرر دخوله أفضى أن يكون جميع زمانه محرما فسقط للحرج و بهذا قال الشافعي (المغني لابن قدامہ ۲۲۷/۳)۔

جو شخص مکہ مکرمہ میں مباح قتال، یا خوف، یا اور کسی ایسی ضرورت سے داخل ہوتا ہے جو ضرورت بار بار ہوتی ہے، جیسے کہ گھاس کاٹنے والا، لکڑی چننے والا، غلہ وغیرہ کو منتقل کرنے والا۔ یا ایسا شخص کہ جس کا کھیت وغیرہ ہو اور اس کو بار بار آنے جانے کی ضرورت پڑتی ہو تو ان لوگوں پر احرام باندھنا لازم نہیں ہے (الی قولہ) اگر ہم احرام کو ہر ایسے شخص پر واجب کر دیں جو بار بار آتا جاتا ہو تو وہ ہر وقت محرم ہی رہے گا لہذا یہ حرج کی بناء پر ساقط کر دیا گیا اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں۔

(الحاصل) جو آفاقی حضرات بار بار تجارتی اغراض سے ڈرائیور ہونے کی بنا پر مکہ مکرمہ جاتے ہیں، احناف کے یہاں ایسے لوگوں پر بھی احرام ضروری ہے، لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک گنجائش ہے، لہذا ایسے حضرات کے لئے دفع مشقت کی خاطر امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرنے کی گنجائش ہے" ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے چھٹے اجتماع منعقدہ ۱۶/۱۷/۱۸ ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ بمقام شیخ الہند ہال دیوبند میں دفع مشقت کی خاطر امام شافعیؒ کے مسلک کو اختیار کیا گیا ہے۔

۲۔ مکی کا میقات سے باہر بار بار جانے کی وجہ سے احرام:

جو لوگ مکہ مکرمہ کے باشندے ہیں مگر وہ تجارتی اغراض، یا اور کسی ضرورت سے بار بار میقات سے باہر جاتے ہیں اور پھر مکہ مکرمہ واپس ہوتے ہیں اور ان لوگوں کا حج وعمرہ کا ارادہ بھی نہیں ہے تو بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کو میقات سے احرام باندھنا واجب ہوگا، ورنہ جرمانہ میں ایک دم لازم ہوگا۔

المکی إذا خرج منها وجاوز الميقات لا يحل له العود بلا إحرام لكن إحرامه من الميقات (شامی ۲/۱۶۹)۔

مکی جب مکہ مکرمہ سے باہر جائے اور میقات سے بھی تجاوز کر جائے تو اس کے لئے بغیر احرام کے لوٹنا جائز نہیں ہے، لیکن احرام میقات سے ہی باندھنا پڑے گا۔

امام شافعیؒ کے یہاں مکی کے بارے میں بھی گنجائش ہے اور احناف کے نزدیک مکی کو بھی احرام باندھنا ضروری ہوگا، لہذا اس مسئلہ میں بھی امام شافعیؒ کے مسلک پر دفع مشقت کی خاطر عمل کرنے کی گنجائش ہے اور اس مسئلہ میں بھی ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' کے تحت اجتماع میں عمل کی گنجائش دی گئی ہے، اور اسی کو دفع مشقت کی خاطر اختیار کیا گیا ہے۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع وقران کا کیا حکم ہے؟

مکی حضرات کے لئے احناف کے نزدیک تمتع وقران صحیح نہیں ہے، بلکہ مکی کے لئے صرف حج افراد ہی مشروع ہے، اور عمرہ ایام حج کے علاوہ دوسرے ایام میں کرنا ہوگا، لیکن اگر کوئی مکی حج تمتع یا قران کر لیتا ہے تو کراہت کے ساتھ اس کا حج ہو جاتا ہے اور اس پر دم جبر لازم ہوتا ہے، یہ دم شکر نہیں ہے بلکہ دم شکر کے علاوہ ہے، چنانچہ فقہاء کرام فرماتے ہیں:

والمكي ومن في حكمه يفرد فقط ولو قرن أو تمتع جاز وأساء وعليه دم جبر (درمختار ۲/۲۱۳، ومنحۃ الخالق علی البحر ۲/۳۶۵، ۳۶۶)۔

مکی اور میقاتی کے حکم میں ہیں ان پر صرف حج افراد ہے، اگر وہ قران یا تمتع کرلیں گے تو کراہت کے ساتھ جائز ہوگا اور ان پر دم جبر لازم ہوگا۔

البتہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مکی کے لئے حج تمتع کرنا بھی جائز ہے، اور تمتع یا قران کرلینے کی وجہ سے ان کے نزدیک دم جبر بھی لازم نہیں ہے۔

وقال الشافعي لهم التمتع والقران ولكن لا دم عليهم (كفاية على الفتح ۲/۳۲۸، ومثلہ فی الزیلعی ۲/۴۸)۔

اور امام شافعی نے فرمایا کہ ان کو تمتع اور قران کرنا بھی جائز ہے اور ان پر دم جبر بھی نہیں ہے۔
مکی کے لئے علی الاطلاق امام شافعی کے مسلک پر عمل کی عند الاحناف گنجائش نہیں۔

۴۔ مکی کے لئے اشہر حج میں سفر میں جا کر واپسی میں کیا حکم ہے؟

مکی کے لئے عند الاحناف حج افراد ہی مشروع ہے، تمتع و قران مکی کے لئے درست نہیں ہیں، البتہ امام شافعی کے نزدیک مکی کے لئے تمتع اور قران کی بھی اجازت ہے۔

اب جو مکی حضرات ایسے ہیں کہ وہ حج کا ارادہ رکھتے ہیں اور پھر کسی غرض ضروری کی بنا پر وہ اشہر حج میں میقات سے باہر جاتے ہیں تو اب ایسے لوگوں کے لئے کہ جن کا ارادہ حج کا ہے، تمام ہی ائمہ کے نزدیک ان کو میقات سے احرام باندھنا ضروری اور لازم ہے، بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے، لہذا ایسے حضرات کے لئے بغیر احرام کے دخول مکہ کرنے کی اجازت اور گنجائش نہیں دی جا سکتی، کیونکہ سبھی ائمہ اس پر متفق ہیں کہ ایسے لوگوں کے لئے احرام باندھنا ضروری ہے، اب صرف یہی صورت رہ جاتی ہے کہ مکی کے لئے عند الاحناف تمتع و قران کی گنجائش نہیں اور عند الشوافع تمتع و قران کی گنجائش ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

(ولا تمتع ولا قران لمكي ومن يليها) وهم أهل داخل المواقيت إلى الحرم وقال الشافعي لهم التمتع والقران لقوله تعالى فمن تمتع بالعمرة (الآية) فيدخل تحتها كل أحد من أهل مكة وغيرهم (زیلعی ۲/۴۸، ومثلہ فی الکفایۃ علی الفتح ۲/۳۲۸)۔

(تمتع اور قران مکی کے لئے اور جو میقات کے درمیان رہنے والے ہیں ان کے لئے مشروع نہیں ہے، اور امام شافعی نے فرمایا کہ ان کے لئے بھی تمتع اور قران کی اجازت ہے، اللہ تعالیٰ کے قول "فمن تمتع" (الآیۃ) کی وجہ سے، کیونکہ اس کے تحت اہل مکہ اور غیر اہل مکہ سب ہی داخل ہیں۔

لہذا ایسی مجبوری کی حالت میں مشقت اور دشواری کو دفع کرنے کی خاطر امام شافعی کے مسلک کے مطابق مکی کے لئے تمتع کی اجازت دی جائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ احناف کے نزدیک اگر کوئی مکی تمتع یا قران کرلیتا ہے تو اس کا تمتع و قران جائز ہے، لیکن مکروہ ہے اور اس پر دم جبر بھی لازم ہے۔

والمكي ومن في حكمه يفرد فقط ولو قرن أو تمتع جاز وأساء وعليه دم جبر وفي

الشامي: اي صح مع الكراهة للنهي عنه (الدر مع الرد ۲/۲۱۶)۔

اور مکی اور جو مکی کے حکم میں ہیں ان پر صرف حج افراد ہے، اگر تمتع یا قران کرلیں گے تو جائز ہوگا اور برا ہوگا اور جرمانہ میں دم جبر بھی لازم ہوگا، اور شامی میں ہے کہ کراہت کے ساتھ ممانعت کی وجہ سے ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ احناف بھی مکی کیلئے تمتع وقران کے کسی نہ کسی درجہ میں صحیح ہونے کے قائل ہیں اگر چہ کراہت کے ساتھ ہی ہے، اور دم جبر بھی ہے (فتاوی)۔

۵۔آفاقی متمتع کے لئے اشہر حج میں تکرار عمرہ کا حکم:

جو آفاقی شخص تمتع کر رہا ہے اور عمرہ سے فارغ ہو جاتا ہے اس کے بعد پھر وہ عمرہ بار بار کرتا رہتا ہے تو اس کے لئے کثرت سے عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلا کراہت درست ہے، اور جو اس کا سب سے آخری عمرہ ہوگا اسی عمرہ کے ذریعہ اس کا تمتع ہو جائے گا، جو لوگ حج سے پہلے عمرہ کو صحیح نہیں کہتے ان کا قول اس سلسلے میں مفتی بہ نہیں ہے بلکہ مفتی بہ قول یہی ہے کہ تکرار عمرہ بلا کراہت درست ہے۔ چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں:

وهذا المتمتع آفاقي غير ممنوع من العمرة فجاز له تكرارها لأنها عبادة مستقلة أيضا كالطواف (منحة الخالق ۲/۳۶۶)۔

اور یہ آفاقی متمتع ہے عمرہ سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے، اس کے لئے عمرہ کا تکرار جائز ہے، اس لئے کہ طواف کی طرح یہ بھی مستقل عبادت ہے۔

یہ عبارت اس سلسلہ میں بالکل صریح ہے اور عمرہ کے مستقل الگ عبادت ہونے کا اس عبارت سے پتہ چل رہا ہے۔

۶۔رمی جمرات میں نیابت کا مسئلہ:

جو شخص صحیح سلامت اور تندرست ہو اور وہ اپنا کسی کو رمی میں نائب بنا تا ہے ازدحام کی بناء پر، تو ایسے شخص کی طرف سے رمی میں نیابت جائز نہ ہوگی، اور نہ ہی جو نیابت کے ذریعہ رمی ہوئی ہے وہ اس کی طرف سے شمار ہوگی، بلکہ ایسے شخص کو از خود جا کر رمی کرنا ضروری ہے۔

السادس: ان يرمي بنفسه فلا تجوز النيابة فيه عند القدرة (غنية الناسك ۱۰۰)۔

چھٹے یہ کہ خود جا کر رمی کرے کیونکہ قدرت کے باوجود رمی میں نیابت جائز نہیں ہے۔

اسی طرح اگر تندرست عورت رمی میں اپنا نائب بناتی ہے تو اس کے لئے بھی نائب بنانا جائز نہیں ہے، اور ازدحام، کوئی عذر شرعی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے نیابت جائز ہو جائے، بلکہ اگر عورت بھیڑ کی وجہ سے خوف کرتی ہے تو رات میں رمی کرنا اس کے لئے جائز ہے بلکہ عورت کے لئے رات میں ہی رمی کرنا افضل ہے، فقہاء فرماتے ہیں:

الرجل والمرأة في الرمي سواء إلا أن رميها في الليل أفضل فلا تجوز النيابة عن المرأة بغير عذر (غنية الناسك ۱۰۰)۔

عورت اور مرد رمی کے سلسلے میں یکساں ہیں، مگر عورت کا رات میں رمی کرنا افضل ہے اور عورت کی طرف

سے بلا عذر کے نیابت جائز نہیں، البتہ جو شخص مریض ہو، یا انتہائی عمر رسیدہ اور کمزور ہو کہ اس سے جمرات تک پہونچنا دشوار اور وقت طلب ہے تو ایسا شخص اگر کسی کو نائب بنا دے اور وہ شخص اس مریض یا کمزور کی طرف سے رمی کر دے تو یہ جائز اور درست ہے، چنانچہ فقہاء کرام فرماتے ہیں۔

ومن كان مريضا لا يستطيع الرمي يوضع الحصى في يده ويرمي بها أو يرمي عنه غيره وكذا المغمى عليه (فتح القدير ۲/۳۹۲، بحوالہ بدائع ۲/۱۳۷)۔

اور جو شخص مریض ہو جس کو رمی کی استطاعت نہ ہو تو اس کے ہاتھ میں کنکری رکھی جائے اور اس سے رمی کرائی جائے، یا کوئی دوسرا شخص رمی کر دے، یہی حکم اس کا ہے جس کو غشی طاری ہو۔

۷۔ سعودیہ میں رہنے والے غیر ملکی کے حج میں حکومت کی طرف سے رکاوٹ:

جو لوگ سعودیہ کے باشندے نہیں ہیں بلکہ دوسرے کسی ملک کے باشندے ہیں لیکن بغرض تجارت یا ملازمت، ویزا کے ساتھ سعودیہ میں رہتے ہیں تو ایسے لوگوں کو حج کے لئے حکومت سے اجازت لینا پڑتی ہے، اور جو لوگ بغیر اجازت لئے چوری چھپے حج کے لئے جاتے ہیں بسا اوقات حکومت ان کو پکڑ لیتی ہے اور حج سے روک کر واپس بھیج دیتی ہے، پھر اس سال ان کو حج کا موقع نہیں ملتا ہے تو ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہوں گے، اب امام ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق ان کے حلال ہونے کی یہ صورت ہے کہ وہ اپنی ہدی حرم بھیجیں گے اور جو وقت طے ہوا ہے اس وقت وہ ہدی حرم میں ذبح کر دی جائے گی اور وقت مقررہ میں جب ذبح ہو جائے گی تو اس کے بعد یہ حضرات حلال ہو جائیں گے اور پھر آئندہ سال ان کو حج کرنا لازم ہوگا اور ساتھ میں عمرہ بھی ادا کرنا پڑے گا۔

إذا أحصر المحرم فمنعه من المضي جاز له التحلل ويقال له ابعث شاة تذبح في الحرم وواعد من تبعثه بيوم بعينه يذبح فيه ثم تحلل (اوجز المسالك ۷/۵۵)۔

جب محرم کو آگے جانے سے روک دیا جائے تو اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے، اور اسے یہ کہا جائے گا کہ ایک بکری حرم میں بھیج دو جہاں ذبح کی جائے گی اور وہ دن طے کر لیا جائے کہ جس دن اس کو ذبح ہونا ہے، پھر وہ حلال ہو جائے گا۔

نیز امام ابوحنیفہؒ کے مسلک میں اگر ہدی کو حرم نہیں بھیجتا ہے تو پھر وہ محرم ہی رہے گا، خواہ اس طرح سے کتنے ہی سال گذر جائیں لیکن وہ بغیر ہدی کے حرم بھیجے حلال نہیں ہو سکتا، یا پھر اس کو خود جا کر ارکان عمرہ ادا کرنے ہوں گے اس کے بعد وہ حلال ہوگا۔

البتہ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر ہدی نہیں ملتی ہے تو لوگوں سے معلومات کر کے ہدی کی قیمت اندازے سے لگوائی جائے پھر اس سے غلہ خرید کر نصف نصف صاع ایک ایک مسکین کو دیا جائے اور اگر اس کے پاس روپے وغیرہ نہیں ہیں تو پھر نصف صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے اور جتنے نصف صاع اس قیمت کے اندر بنتے ہیں اتنے ہی روزے اس کو رکھنے پڑیں گے، جب وہ روزے مکمل کر لے گا تو پھر وہ حلال ہو جائے گا۔

وروى عنه إن لم يجد هديا قوم الهدى طعاما فيتصدق على كل مسكين نصف صاع وان لم يكن عنده طعام صام لكل نصف صاع يوما فيتحلل به (اوجز المسالک ۷/۵۸)۔

امام شافعیؒ کا مسلک اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جہاں احصار ہوا ہے وہیں ہدی ذبح کر دے منحر بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وينحر موضع الحصر عند الإمام الشافعي وهو رواية أخرى للإمام أحمد المختار في فروعه (اوجز المسالک ۷/۵۷)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک جہاں حصر ہوا ہے وہیں ہدی ذبح کر دی جائے گی، اور یہی امام احمدؒ کی ایک روایت ہے جو ان کے فروعی مسائل میں مختار روایت ہے۔

اس دور میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر عمل تو بہت دشوار اور مشکل ہے، کہاں سے وہ ہدی خریدے اور کہاں سے ایسے شخص کو پکڑے جو اس کو حرم میں لے جا کر ذبح کرے، ایسی حالت میں اب یا تو امام ابو یوسفؒ کی مرجوح روایت پر عمل کرے، یا پھر عدول عن المذہب کرے، لیکن جب مذہب کے اندر مرجوح روایت موجود ہے تو اس کے لئے عدول عن المذہب تو ہو نہیں سکتا، اب یہی شکل رہ جاتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی مرجوح روایت پر دفع مشقت کی بنا پر عمل کی اجازت دی جائے تو مناسب ہے، اس کی وجہ سے ایسے لوگوں کی پریشانی دفع ہو سکتی ہے۔

۸۔ رمی، ذبح، حلق، طواف کے درمیان ترتیب کا مسئلہ:

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک۔ رمی۔ ذبح۔ حلق۔ اور طواف کے درمیان ترتیب قائم رکھنا مسنون ہے اگر ان میں سے کسی ایک کو آگے پیچھے کر دے گا تو اس کی وجہ سے جرمانہ میں کوئی دم لازم نہیں ہوگا، صرف سنت کا ترک لازم آئے گا اور فضیلت سے محروم رہے گا۔

ففي المغني: في يوم النحر أربعة أشياء: الرمي ثم النحر ثم الحلق ثم الطواف والسنة ترتيبها هكذا (إلى قوله) في قول كثير من أهل العلم منهم الحسن... والشافعي وإسحاق (اوجز المسالک ۸/۱۵۰)۔

مغنی میں ہے: یوم النحر میں چار کام ہیں، (۱) رمی (۲) نحر (۳) حلق (۴) طواف اور سنت اسی ترتیب سے ہے (الی قولہ) بہت سے اہل علم قول میں، ان میں حسن بصری کے ہیں ...... اور شافعی اور اسحاق ہیں۔

إذا حلق قبل أن يذبح لا شيء عليه وهو نص الحديث و نقله ابن عبد البر عن الجمهور وإليه ذهب أبو يوسف و محمد صاحبا أبي حنيفة فالترتيب واجب عند أبي حنيفة و لكنه في الثلاثة الأول و مسنون عند الجمهور (معارف السنن ۶/۲۱۱)۔

جب ذبح سے پہلے حلق کر دے تو اس کے ذمہ کچھ نہیں ہے، اور یہ نص حدیث ہے اور اسی کو ابن عبد البر نے جمہور سے نقل کیا ہے، اور اسی طرف امام ابو یوسفؒ و محمدؒ گئے ہیں جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ پس ترتیب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے لیکن پہلی تین میں (رمی۔ ذبح۔ حلق) اور جمہور کے نزدیک مسنون ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک رمی کو حلق اور طواف سے مقدم کرنا تو واجب ہے لیکن اس کے علاوہ مندوب ہے لہٰذا اگر کوئی شخص رمی سے قبل حلق یا طواف کرے گا تو جرمانہ میں دم لازم ہوگا۔ اور اگر طواف کو حلق سے، یا حلق کو نحر سے مقدم کرے تو اس کی وجہ سے جرمانہ لازم نہ ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک رمی، نحر، حلق کے درمیان ترتیب قائم رکھنا واجب ہے، طواف وجوب سے مستثنیٰ ہے لہٰذا اگر کوئی طواف ان تینوں سے مقدم کرے گا تو اس کی وجہ سے جرمانہ لازم نہیں ہوگا۔

وأما عند الحنفية فقال ابن عابدين ان الطواف لا يجب ترتيبه على شئ من الثلاثة وإنما يجب ترتيب الثلاثة الرمي ثم الذبح ثم الحلق (اوجز المسالک ۸/۱۵۱، معارف السنن ۶/۲۱۱)۔

اور احناف کے نزدیک تو علامہ ابن عابدین شامی نے کہا کہ طواف کی ترتیب واجب نہیں ہے بلکہ ترتیب صرف تین کے درمیان ہوگی: (۱) رمی (۲) ذبح (۳) حلق۔

(الحاصل) ان مذکورہ عبارات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ترتیب واجب ہے اور اس کے ترک سے دم بھی لازم ہے۔ اب اس دور میں حجاج اپنی سہولت کی بنا پر ذبح کے روپے [illegible] ادارہ والوں کو دیدیتے ہیں جو ذبح کے کام پر مامور ہیں، اور وہ اپنے مسلک کے مطابق ترتیب مسنون ہونے کی وجہ سے ترتیب قائم نہیں رکھتے، ایسی صورت میں جب حجاج ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو دفع مشقت کی بنا پر صاحبینؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے۔ "ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند" کے چھٹے اجتماع میں صاحبینؒ کے مسلک پر دشواری کی وجہ سے عمل کی گنجائش دی گئی ہے۔

۹۔ حج بدل میں تمتع یا قران کرنے کا حکم:

حج بدل کا اصل حکم تو یہی ہے کہ آمر کی طرف سے مامور حج افراد ادا کرے لیکن اگر آمر خود ہی تمتع یا قران کی اجازت دیتا ہے تو پھر مامور کے لئے تمتع یا قران بھی درست ہے، لیکن دم تمتع، دم قران، دم جنایت حج بدل کرنے والے پر ہوگا آمر پر نہ ہوگا۔

ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع (درمختار ۲/۶۰۷، وشامی البحر ۳/۱۶)

اور دم قران، دم تمتع، دم جنایت حج کرنے والے پر ہوگا اگر حج بدل کرنے والے کو آمر نے قران اور تمتع کی اجازت دی ہے۔

اور اگر آمر اپنی رضامندی سے حج بدل کرنے والے کو بکری کی قیمت ادا کردے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔ (احسن الفتاوی ۴/۵۴۳)۔

آمر کی صریح اجازت کے بغیر حج بدل میں تمتع دم کا حکم:

آج کل عام طور پر لوگ حج تمتع ہی کرتے ہیں، حج افراد شاذ و نادر ہی کرتے ہیں [illegible]

کو حج بدل کے لئے بھیجے تو عرفاً تمتع یا قران ہی مراد ہوتا ہے پس بغیر صریح اجازت کے تمتع و قران کرنا درست ہے، اگر چہ صراحۃً اجازت لے لینا بہتر ہے، اسی طرح آج کل آمر کی طرف سے دم شکر کی بھی عرفاً اجازت ہے، اور اگر آمر دم شکر کی قیمت سے انکار کرے تو مجبوراً مامور اپنے مال سے ادا کرے (احسن الفتاوی ۴/۵۲۳)۔

المعروف عرفا کالمشروط شرعا (الاشباہ والنظائر ۱/۱۵۶)۔

عرفاً جو معروف ہو وہ شریعت میں مشروط کے مانند ہے۔ "ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند" کے چھٹے اجتماع میں حج بدل کرنے والے کے لئے عرفاً تمتع کی اجازت دی گئی۔

حج عن المیت کی صورت میں تمتع کا حکم:

حج عن المیت کی صورت میں بھی اصل حکم یہی ہے کہ حج افراد کیا جائے، جیسا کہ آمر نے حکم دیا ہے، مگر اس زمانہ میں چونکہ تمام ہی لوگوں کا تقریباً عرف یہی ہے کہ حج تمتع کرتے ہیں، لہذا حج عن المیت کی صورت میں بھی تمتع کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

حالت حیض میں طواف زیارت:

طواف زیارت ایسا رکن ہے کہ اس کے لئے پاکی شرط ہے، ناپاکی کی حالت میں طواف کرنا جائز نہیں ہے، لہذا اگر کسی عورت کو طواف زیارت سے قبل حیض شروع ہو جائے تو اس کے لئے طواف کو موخر کرنا جائز ہے اور جرمانہ بھی نہیں ہے، نیز اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسی تدابیر اختیار کرے کہ وہ طواف زیارت کر کے ہی واپس ہو لیکن اس دور میں ویزا وغیرہ بڑھانا ناممکن ہے، ایسی صورت میں اگر کوئی عورت حالت حیض میں ہی طواف زیارت کر لے گی تو اس کا طواف درست ہو جائے گا، لیکن جرمانہ میں ایک اونٹ، یا گائے، بھینس کی قربانی لازم ہوگی، اور یہ قربانی حدود حرم میں کرنا لازم ہے اور اگر حیض کی حالت میں طواف زیارت کر لینے کے بعد اس نے قربانی نہیں کی اور پھر کسی وقت پاکی کی حالت میں طواف کر لیتی ہے تو اس قربانی کا وجوب بھی ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

لو هم الركب على القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف أم لا؟ قالوا يقال لها لا يحل لك دخول المسجد وإن دخلت وطفت أثمت وصح طوافك و عليك ذبح بدنة وهذه مسئلة كثيرة الوقوع يتحير فيها النساء (رد المحتار ۲/۱۹۹)۔

اگر ہم سفر لوگ واپسی کا ارادہ کریں اور عورت پاک نہیں ہوئی تو اب وہ پوچھتی ہے کہ کیا وہ طواف کرے گی یا نہیں؟ فقہاء نے کہا اس سے کہا جائے گا تیرے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے اگر داخل ہو کر طواف کرے گی تو گنہگار ہوگی اور طواف صحیح ہو جائے گا اور بدنہ کی قربانی لازم ہوگی اور یہ ایسا کثیر الوقوع مسئلہ ہے کہ جس میں عورتیں حیران ہیں۔

"ادارۃ المباحث الفقہیہ" کے چھٹے اجتماع میں اس مسئلہ کا بھی یہی حل نکالا گیا ہے کہ وہ حالت حیض میں ہی طواف کرے اور جرمانہ میں ایک بدنہ (اونٹ یا گائے) کی قربانی کردے۔

دوا کے ذریعہ حیض روک کر طواف زیارت:

اگر کوئی عورت حالت حیض میں یا حالت حیض سے قبل مانع حیض دوا استعمال کرتی ہے اور اس کی وجہ سے اس کا حیض رک جاتا ہے اور پھر وہ طواف زیارت کر لیتی ہے تو اس کا طواف بلا کراہت درست ہو جائے گا اور جرمانہ بھی لازم نہ ہوگا۔ (مستفاد از فتاوی رحیمیہ ۳۰۴/۶، ایضاح المناسک ص ۱۰۸)۔

۱۱۔ عورت کے شوہر یا محرم کا سفر حج میں انتقال ہو جائے تو کیا کرے؟

اگر سفر حج میں کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو ایسی صورت میں ہمارے سامنے فقہاء کرام کی بیان کردہ کئی شکلیں آتی ہیں:

شکل ۱۔ سفر حج میں عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے، خواہ وہ عورت اس وقت شہر میں ہو یا کسی دیہات جنگل وغیرہ میں، وہ بہر صورت اس کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر اس عورت کا گھر اور جہاں یہ حادثہ پیش آیا ہے ان دونوں کے درمیان مدت سفر سے کم ہو، اسی طرح حادثہ کی جگہ اور مکۃ المکرمہ کے درمیان مدت سفر سے کم ہو تو اس عورت کے لئے اختیار ہے کہ اگر وہ حج کرنا چاہتی ہے تو حج کرے اور اگر گھر واپس ہونا چاہتی ہے تو گھر واپس ہو جائے، اس کے لئے کوئی ایک جانب لازم نہیں ہے اور اس کے ساتھ محرم بھی ضروری نہیں۔

شکل ۲۔ جہاں شوہر کا انتقال ہوا ہے اس جگہ اور عورت کے گھر دونوں کے درمیان مدت سفر یا اس سے زائد کی مسافت ہے تو بھی عورت کو اختیار ہے کہ اگر وہ جا کر حج کرنا چاہے تو حج کر لے اور اگر وہیں سے گھر واپس ہونا چاہے تو گھر واپس ہو جائے، اس صورت میں بھی کوئی محرم ساتھ ہو یا نہ ہو لیکن یہ واقعہ دیہات وغیرہ میں پیش آیا ہو۔

شکل ۳۔ شوہر کا انتقال دیہات وغیرہ میں نہیں ہوا بلکہ کسی شہر میں ہوا ہے اور عورت کے گھر اور مکۃ المکرمہ کے درمیان مدت سفر کی مسافت ہے، یا اس سے زائد ہے تو اس سلسلے میں احناف کے مابین اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ عورت اس شہر سے نہیں نکلے گی بلکہ اسی شہر میں عدت پوری کرے گی، خواہ اس کے ساتھ کوئی ذی رحم محرم بھی موجود ہو، اور صاحبینؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ذی رحم محرم موجود ہے تو پھر وہ شہر سے نکل کر اس محرم کے ساتھ حج کر سکتی ہے، بغیر محرم کے نہیں جائے گی بلکہ وہیں رہے گی۔

شکل ۴۔ شوہر کا انتقال ایسی جگہ ہوا ہے جہاں سے اس کے مکان کی دوری مدت سفر سے کم ہے اور مکۃ المکرمہ کی دوری مسافت سفر ہے، یا اس سے زائد ہے، تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ وہ گھر واپس ہو جائے گی حج کے لئے نہیں جائے گی، یہ گویا ایسے ہی ہے کہ وہ اپنے شہر کے اندر ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ چلی جائے۔

شکل ۵۔ شوہر کا انتقال ایسی جگہ ہوا ہے جہاں سے مکۃ المکرمہ مدت سفر سے کم کی دوری پر ہے اور اس کا مکان مدت سفر کی مسافت پر ہے یا اس سے زائد ہے، تو ایسی صورت میں وہ حج کرنے کے لئے چلی جائے گی اور حج کے فرائض وواجبات مکمل طور سے ادا کرے گی، خواہ محرم ہو یا نہ ہو، فقہاء نے اس قید کی صراحت نہیں کی۔

(الحاصل) ان پانچ شکلوں میں سے شکل اول، شکل ثانی اور شکل خامس میں تو کوئی مشقت اور پریشانی

نہیں ہے، اس کو حج کر کے ہی واپس گھر لوٹنا چاہئے، حج سے پہلے نہیں لوٹنا چاہئے۔

شکل ثالث میں احناف کا اختلاف ہے، محرم ہونے کی صورت میں امام ابو یوسف وامام محمدؒ کے قول پر دفع مشقت کے لئے اگر اجازت دی جائے تو مناسب اور بہتر ہے۔

شکل رابع میں حج کی کسی کے یہاں گنجائش نہیں ہے، نیز شکل ثالث میں محرم نہ ہونے کی صورت میں اور شکل رابع میں اگر حج فرض ہے تو پھر بغیر محرم کے حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ کی رائے کے مطابق اگر اجازت دے دی جائے تو پھر اس کی وجہ سے ایسی عورت کو کافی سہارا مل سکتا ہے اور وہ اپنا فریضہ حج ادا کر سکتی ہے، چنانچہ علامہ کشمیریؒ عرف الشذی کے اندر "باب کراهية أن تسافر المرأة وحدها" کے تحت فرماتے ہیں:

واعلم أن الحديث في السفر في غير سفر الحج (إلى قوله) والمحقق أن يدار الأمر على الفتنة وعدمها ويحول الأمر إلى رأى من ابتلى به ولا يكون فيه تحديد الأيام وهذا ما تحقق لي من المذهب وإن لم يصرح به أحد (عرف الشذی علی الترمذی ۱/۲۲۱)۔

اور جان لو کہ حدیث سفر کے بارے میں ہے، سفر حج کے بارے میں نہیں (الی قولہ) اور تحقیق یہ ہے کہ معاملہ کا مدار فتنہ ہونے اور فتنہ نہ ہونے پر ہے اور معاملہ کو اس کی طرف پھیر دیا جائے گا جو اس میں مبتلا ہے، اور اس میں ایام کی تحدید نہیں ہے اور یہ وہ تحقیق ہے جو مجھے مذہب سے معلوم ہوتی ہے، اگرچہ اس کی کسی نے صراحت نہیں کی۔

علامہ انورشاہ صاحب کشمیریؒ کی رائے سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ حکم مذہب کا ہی ہے اگرچہ مذہب کے کسی عالم نے اس کی صراحت نہیں کی۔

۱۴۔ سفر حج میں منیٰ کے اندر قصر کا حکم ہے یا نہیں؟

منیٰ میں حاجی کے لئے جو نماز قصر کرنے کا حکم ہے اس کی علت عند الاحناف سفر میں ہونا ہے حج میں ہونا نہیں ہے، امام شافعی وامام احمد بن حنبلؒ بھی اسی کے قائل ہیں، البتہ امام مالکؒ یہ فرماتے ہیں کہ منیٰ میں نمازوں کا قصر حج کی بنا پر ہے سفر کی بنا پر نہیں، اسی وجہ سے امام مالکؒ کے نزدیک حج کے موقع پر کی بھی جب منیٰ جائے گا تو اس کو وہاں قصر نماز ادا کرنی ہوگی اتمام نہیں کرے گا۔

اب بات یہ رہ جاتی ہے کہ اس دور میں ترقیات کر لینے کی وجہ سے مکۃ المکرمہ اور منیٰ دونوں کی آبادی مل گئی ہے اور ان دونوں مقامات کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے تو کیا صورت مسئولہ کے اعتبار سے اس کو قصر کرنا ہوگا یا اتمام؟

اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ مکۃ المکرمہ اور منیٰ کی آبادی مل جانے کے باوجود دونوں شہر الگ الگ حکم میں ہیں دونوں کے نام بھی مختلف ہیں، لہذا مسافر حج کے لئے منیٰ کے اندر قصر کرنا ضروری ہوگا، اتمام صلوۃ درست نہیں، عرف میں بھی دونوں کو الگ الگ ہی سمجھا جاتا ہے، اس سلسلے میں فقہاء کرام فرماتے ہیں:

وإن كانا مصرين نحو مكة ومنى أو الكوفة والحيرة أو قريتين أو أحدهما مصر والآخر قرية لا يصير مقيما لأنهما مكانان متباينان حقيقة وحكما (بدائع الصنائع ۱/۹۸)۔

اور اگر دو شہر ہوں جیسے مکۃ المکرمہ اور منیٰ ہے یا کوفہ اور حیرہ ہے، یا دو دیہات ہوں، یا ایک شہر ہو دوسرا دیہات تو وہ مقیم نہیں ہوگا اس لئے کہ دونوں جگہیں حقیقۃً وحکماً الگ الگ ہیں۔

(الحاصل) مسافر حاجی کے لئے منیٰ کے اندر قصر ہے اتمام درست نہیں، اور جو مسافر حاجی نہیں ہے بلکہ قریب کا ہی رہنے والا ہے تو اس کے لئے اتمام ضروری ہوگا قصر درست نہیں، نیز جو مسافر حج کرنے والا ہے وہ منیٰ کے اندر ہی نہیں رہے گا بلکہ اس کو عرفات، مزدلفہ وغیرہ بھی جانا ہوگا تو اس کے لئے اتمام صلوٰۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

رمضان المبارک میں شافعی امام کی اقتداء میں حنفی کا وتر:

اگر کوئی شخص رمضان المبارک کے مہینے میں حجاز مقدس کا سفر بغرض عمرہ یا اور کسی ضرورت سے کرتا ہے اور حجاز مقدس میں اکثر مساجد میں دوسرے مسلک کے لوگ امام ہوتے ہیں اور وہ حضرات وتر دو سلام کے ساتھ پڑھتے ہیں، بایں طور کہ پہلے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دینگے اس کے بعد ایک رکعت الگ سلام سے پڑھیں گے، اور احناف کے نزدیک وتر ایک سلام سے پڑھنا واجب ہیں، ایسی حالت میں اگر کوئی حنفی مسلک کا آدمی شافعی امام کے پیچھے یا حنبلی امام کے پیچھے اقتداء کرے تو اس حنفی شخص کی شافعی امام کے پیچھے وتر میں اقتداء درست نہ ہوگی یہی صحیح قول ہے جبکہ وہ دو سلام سے وتر پڑھائے۔

فظهر بهذا أن مذهب الصحيح صحة الاقتداء بالشافعي في الوتر إن لم يسلم على رأس الركعتين وعدمها إن سلم (البحر الرائق ۲/۳۹، ومثلہ فی الزیلعی ۱/۱۷۱)۔

البتہ امام ابوبکر رازی اور ابن وہبان کا قول یہ ہے کہ حنفی کا اقتداء کرنا ایسے شافعی کے پیچھے جو دو سلام سے وتر پڑھائے درست ہے، لیکن حنفی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرے گا بلکہ تین پر ہی سلام پھیرے گا۔

نعم لو اقتدى حنفي بشافعي في الوتر وسلم ذلك الشافعي الامام على الشفع الاول على وفق مذهبه ثم أتم الوتر صح وتر الحنفي عند أبي بكر الرازي وابن وهبان (معارف السنن ۴/۲۷۰، مثلہ فی البحر ۲/۳۹)۔

(الحاصل) ہمارے سامنے دو عبارتیں آئیں احناف کے نزدیک تو اقتداء صحیح نہیں ہے، اور ابن وہبان اور ابوبکر رازی شافعی کے نزدیک صحیح ہے، ایسی صورت میں یہ بات تو بالکل مسلم ہے کہ مسجد حرام اور مسجد نبوی ان دونوں مسجدوں کا ثواب تمام مساجد سے بڑھا ہوا ہے، جیسا کہ احادیث نبویہ میں وارد ہے اور دوسری مساجد کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہے، دوسری طرف جماعت سنت مؤکدہ ہے اور اس کا بھی بڑا ثواب ہے، لہٰذا مسجد حرام و مسجد نبوی میں جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے حنفی کو شافعی کی اقتداء کرنے کی امام ابوبکر رازی اور ابن وہبان کے قول کے مطابق اجازت دی جائے تو مناسب اور بہتر ہے، اور حجاز مقدس کی دیگر مساجد کے بارے میں یہی معمول رکھا جائے کہ حنفی کی اقتداء شافعی کے پیچھے وتر میں درست نہیں ہیں جبکہ وہ شافعی امام دو رکعت پر سلام پھیرتا ہو اور اگر تین رکعت پر ہی سلام پھیرتا ہے تو پھر بلا کراہت ہر جگہ درست ہے۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ سے متعلق چند اہم مسائل

مولانا محمد سعید الرحمٰن قاسمی

امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ

ا۔ بلا احرام حرم مکی میں دخول کا حکم:

جو لوگ حج یا عمرہ کے علاوہ تجارت یا ملاقات یا کسی دوسرے مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم مکی کی حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے احرام باندھ کر حرم مکی یا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی دو رائیں ہیں:

جمہور فقہاء امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ اس بات کے قائل ہیں کہ آفاقی کے لئے حج وعمرہ کے علاوہ کسی بھی دوسرے مقصد سے حرم مکی یا مکہ مکرمہ میں دخول کیلئے احرام باندھنا واجب ہے۔ بغیر احرام باندھے ہوئے میقات سے تجاوز جائز نہیں ہے۔ چنانچہ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

إذا أراد وا دخول الحرم لحاجة أخرى غير النسك فجمهور الفقهاء والحنفية والمالكية والحنابلة وهو قول عند الشافعية يرون وجوب الإحرام عليهم بأحد النسكين ولا يجوز لهم مجاوزة الميقات بغير إحرام (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۷/۱۸۷)۔

امام شافعیؒ کا دوسرا قول جو ان کے [illegible] ہے وہ یہ ہے کہ آفاقی شخص جبکہ وہ حج وعمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو احرام میقات سے تجاوز کر سکتا ہے، اس پر احرام باندھنا واجب نہیں ہے، البتہ ایسے شخص کیلئے احرام باندھنا مستحب ہے۔ "المحلی" میں ہے:

فمن مر على أحد هذه المواقيت وهو لا يريد حجا ولا عمرة فليس عليه أن يحرم (المحلی ۷/۹۳)۔

نیز الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

وفي قول آخر للشافعية وهو المشهور عندهم أنه يجوز دخول الحرم للآفاقي أيضا بغير إحرام لكنه مستحب له أن يحرم (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۷/۱۸۷)۔

جمہور کی دلیل:

ان حضرات کی دلیل نقلی حضور اقدس ﷺ کا ارشاد "لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما" ہے، یعنی کوئی شخص میقات سے بلا احرام تجاوز نہ کرے، اور ان کی دلیل عقلی یہ ہے کہ وجوب احرام اس مقدس جگہ کی تعظیم کی جہت سے ہے، [illegible] حج وعمرہ [illegible] اور اس میں حاجی و غیر حاجی سب برابر ہیں۔

ہدایہ میں ہے:

الآفاقی إذا انتهی إلیها علی قصد دخول مکة علیه أن یحرم قصد الحج أو العمرة أو لم یقصد عندنا لقوله علیه السلام لا یجاوز أحد المیقات إلا محرما ولأن وجوب الإحرام لتعظیم هذه البقعة الشریفة فیستوی فیه الحاج والمعتمر وغیرهما (ہدایہ ۱/۲۳۵، فتح القدیر ۲/۳۲۷)۔

امام شافعیؒ کی دلیل:

امام شافعیؒ کی دلیل حضور اقدس ﷺ کا عمل ہے کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر بغیر احرام باندھے حرم مکی میں داخل ہوئے تھے، اگر حج وعمرہ کے علاوہ دوسرے مقصد سے دخول کے لئے بھی احرام باندھنا واجب ہوتا تو آپ ﷺ بغیر احرام باندھے داخل نہیں ہوتے، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حج وعمرہ کے علاوہ دوسرے مقصد سے داخل ہونے کیلئے احرام باندھنا واجب نہیں ہے۔

لأن النبی ﷺ دخلها یوم الفتح بغیر احرام (شرح فتح القدیر ۲/۳۲۷)۔

قول راجح: راقم الحروف کے نزدیک جمہور فقہاء کرام کا قول راجح ہے، اور اس کی دو وجہیں ہیں: ایک تو یہ کہ امام شافعیؒ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیت تھی، اور یہ ان کی خصوصیت ہونا خود نبی کریم ﷺ کے فرمان سے ثابت ہوتا ہے، جو انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے خطبہ میں فرمایا تھا کہ بیشک مکہ حرام ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جس دن سے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا، اس دن سے حرام قرار دیا گیا، اور مجھ سے پہلے کسی کیلئے حلال نہیں کیا گیا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے، اور میرے لئے بھی دن کے چند لمحے کیلئے حلال کیا گیا۔ پھر قیامت تک کیلئے اس کی حرمت لوٹ آئی، یہ پوری تفصیل شرح فتح القدیر میں موجود ہے۔

اور ترجیح کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء کرام کی دلیل قولی حدیث ہے اور امام شافعیؒ کی دلیل فعلی حدیث ہے، اور اصول حدیث کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ جب قولی وفعلی حدیث میں تعارض ہو تو قولی حدیث کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا آفاقی جو حج وعمرہ کے علاوہ دوسرے مقصد سے حرم مکی یا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتا ہو، اس کیلئے بھی احرام باندھنا واجب ہے، بلا احرام باندھے داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

علامہ شامیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "رد المحتار" میں رقم طراز ہیں:

(قوله مرید مکة) ای ولو لغیر النسک کتجارة ونحوها (رد المحتار ۲/۱۵۴)۔

۲۔ ٹیکسی ڈرائیور یا ایجنٹ یا تاجر کے لئے بلا احرام حدود حرم میں داخلہ کا حکم:

کتب فقہ میں یہ جزئیہ صراحتاً مذکور ہے کہ لکڑی چننے والا یا گھاس کاٹنے والا حدود حرم میں بلا احرام داخل ہو سکتا ہے، اس کے لئے شرعاً اس کی اجازت ہے، اس لئے کہ اگر اس کی اجازت نہیں دی جاتی تو تنگی اور حرج لازم آتا، کیونکہ ان لوگوں کو بار بار حدود حرم کے اندر باہر آمد ورفت کرنی پڑتی ہے، لہٰذا فقہاء کرام نے "الحرج مرفوع" اور "الضرر یزال" (الاشباہ والنظائر ۱/۱۳۹) کے اصول کے تحت ان لوگوں کے لئے بلا احرام حرم مکی میں داخلہ کی اجازت دی

ہے، چنانچہ درمختار میں ہے:

"حل لا هل داخلها ..... دخول مكة غير محرم مالم يرد نسكا للحرج كما لو جاوز ها حطابو مكة (درمختار ۲/ ۱۵۵)۔

نیز فتاوی کی مشہور کتاب الفتاوی الہندیہ میں ہے:

وكذلك المكي إذا خرج الى الحل للاحتطاب أو الاحتشاش ثم دخل مكة يباح له الدخول بغير إحرام (الفتاوی الہندیہ ۱/ ۲۲۱)۔

لہذا میری ناقص رائے میں جن فقہاء کے یہاں حدود حرم میں بلا احرام داخل ہونا جائز نہیں ہے، ان کے نزدیک بھی فقہ کے مسلمہ اصول "الحرج مرفوع" و "الضرر يزال" اور "الضرورات تبيح المحظورات" کے تحت ٹیکسی ڈرائیور جو بار بار مکہ، جدہ، مدینہ کے درمیان آمدورفت کرتے ہیں، اسی طرح تجارتی سامان لانے اور لے جانے والے ملازمین اور تجارتی کمپنیوں کے وہ ایجنٹ جنھیں بار بار حدود حرم کے اندر باہر آمدورفت کرنی پڑتی ہے، اگر ان کو احرام باندھنے کا پابند کیا جائے تو تکلیف مالایطاق لازم آئے گا، اور لوگ دقت و پریشانی میں مبتلا ہوں گے اس لئے ان لوگوں کو بھی لکڑی چننے والے اور گھاس کاٹنے والے کی طرح مستثنیٰ قرار دینا چاہئے اور ان کے لئے ضرورۃً بلا احرام حدود حرم میں داخلہ کی اجازت ہونی چاہئے۔

۳۔ مکی کے لئے عمرہ:

ایسے مکی کے لئے جو اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہو اشہر حج میں عمرہ کرنا مکروہ ہے۔ جیسا کہ علامہ محمد بن عابدین اپنی شہرۂ آفاق کتاب "ردالمحتار" میں تحریر فرماتے ہیں:

يزاد على الأيام الخمسة ما في اللباب وغيره من كراهة فعلها في أشهر الحج لأهل مكة ومن بمعناهم اى من المقيمين ومن في داخل الميقات لأن الغالب عليهم ان يحجوا في سنتهم فيكونوا متمتعين وهم عن التمتع ممنوعون والا فلا منع للمكي عن العمرة المفردة في أشهر الحج إذا لم يحج في تلك السنة (ردالمحتار ۲/ ۱۵۲)۔

نیز علامہ ابن نجیم "البحر الرائق" میں لکھتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ مکی جب اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھے تو اگر اس کی نیت اسی سال حج کرنے کی ہے تو گنہگار ہوگا، اس لئے کہ یہ عین تمتع ہے جس سے منع کیا گیا ہے، اگر اس سال حج کرے گا تو دم جنایت لازم آئیگا (البحر الرائق ۲/ ۳۹۳)۔

اور عصر حاضر کے ممتاز عالم دین حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوری صاحب اپنی کتاب "فتاوی رحیمیہ" میں لکھتے ہیں، اہل مکہ جو حج کا ارادہ رکھتے ہوں ان کے لئے اس سال عمرہ کرنا مکروہ ہے، اگر حج کا ارادہ نہیں تو مکروہ نہیں (فتاوی رحیمیہ ۵/ ۲۲۲)۔

۴۔ سوال میں مذکور شخص متمتع نہیں ہوگا، اس لئے کہ متمتع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حج وعمرہ دونوں ایک

ہی سفر میں کیا جائے، اور دونوں کے درمیان المام صحیح نہ کرے، اور جب مکی نے المام صحیح کر لیا ہو اور پھر حج کر رہا ہو تو وہ متمتع نہیں کہلائے گا، اور مذکورہ مکی شخص ایک ممنوع شئی کا ارتکاب کرنے والا نہیں کہلائے گا اور عمرہ کرنے کی وجہ سے اس پر دم جنایت لازم نہیں ہوگا، اس سلسلہ میں ہدایہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

المکی إذا خرج إلی الکوفة و أحرم بعمرة و ساق الهدی حیث لم یکن متمتعا لأن العود هناك غیر مستحق علیه فصح إلمامه (ہدایہ ۱/۲۹۳، نیز دیکھئے: رد المحتار ۲/۱۹۷)۔

مکی کے لئے تمتع اور قران کی گنجائش نہیں ہے۔ لیس لأهل مکة تمتع و قران و إنما لهم الإفراد خاصة (الفتاوی الہندیہ ۱/۲۳۹)۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فراغت کے بعد مزید عمرے کر سکتا ہے یا نہیں؟

تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے قبل مزید عمرے کر سکتا ہے، شرعاً بلا کراہت جائز و درست ہے، چنانچہ یہ مسئلہ غنیۃ المناسک میں صراحۃً مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو عبارت:

ویعتمر قبل الحج ما شاء الله أما فی اللباب و لا یعتمر قبل الحج فغیر صحیح لأنه بناء علی أن المکی ممنوع من العمرة المفردة وهو خلاف مذهب أصحابنا جمیعا لأن العمرة جائزة فی جمیع السنة بلا کراهة إلا فی خمسة أیام لا فرق فی ذلك بین المکی و الآفاقی (غنیۃ المناسک، ص ۱۱۵)۔

یعنی حج سے پہلے جتنا عمرہ کرنا چاہے کرے، بہر حال لباب میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ حج سے پہلے عمرہ نہ کرے یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو مکی کیلئے صرف عمرہ بھی ممنوع ہوگا، حالانکہ یہ قول ہمارے تمام اصحاب کے خلاف ہے، اس لئے کہ عمرہ پانچ ایام کے علاوہ پورے سال میں بلا کراہت جائز ہے، اور اس میں مکی اور آفاقی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

نیز مفتی عبد الرحیم صاحب کا بھی فتوی جواز کا ہے، چنانچہ وہ فتاوی رحیمیہ میں اس طرف کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"راجح قول یہی ہے کہ اشہر حج میں متمتع آفاقی یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق کے علاوہ باقی دنوں میں نفل عمرہ بدون حرج کر سکتا ہے (غنیۃ المناسک) مصنف ارشاد الساری شیخ عبد الغنی تحریر فرماتے ہیں کہ: ناواقف متمتع حجاج کو جاہل معلم نفل عمرہ سے روکتے ہیں یہ غلط ہے، غریب ناواقف حجاج اس کی عبادت سے محروم رہتے ہیں، لہذا عمرہ کرنے میں حرج نہیں، جائز ہے، احقر کا عمل یہی ہے (فتاوی رحیمیہ ۲/۷۰)۔

۶۔ رمی میں نیابت سے متعلق احکام:

(الف) عمل رمی میں ایک شخص دوسرے کی نیابت کر سکتا ہے، یہ شرعاً جائز و درست ہے۔

(ب) عمل رمی میں نیابت صرف مریض اور معذور کے حق میں ہے، ہر شخص کیلئے نیابت جائز نہیں ہے۔

مریض اور معذور سے مراد ایسا شخص ہے جو خود سے رمی کی استطاعت و قدرت نہ رکھتا ہو، چنانچہ علامہ ابن نجیم "البحر

الرائق" میں اور علامہ ابن ہمام "شرح فتح القدیر" میں تحریر فرماتے ہیں:

ومن کان مریضا لا یستطیع الرمی یوضع الحصی فی یدہ و یرمی بها او یرمی عنه غیرہ (البحر الرائق ۲/۳۷۵، شرح فتح القدیر ۲/۳۹۸)۔

ازدحام کی وجہ سے نیابت جائز ہے یا نہیں؟

ازدحام عذر ہے یا نہیں؟ اور اس کی وجہ سے عمل رمی میں نیابت جائز ہے یا نہیں؟ اس کا حکم معلوم کرنے سے پہلے ایک مسئلہ ذہن نشین کر لینا چاہئے: جو علامہ ابن نجیم مصری نے "البحر الرائق" میں تحریر فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر عورت ازدحام کی وجہ سے وقوف مزدلفہ چھوڑ دے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر عورت ازدحام کی وجہ سے رمی چھوڑ دے تو اس صورت میں بھی اس پر کچھ واجب نہ ہو۔

ان المرأة لو ترکت الوقوف بالمزدلفة لأجل الزحام لا یلزمها شئ فینبغی أنها لو ترکت الرمی له لا یلزمها شئ والله سبحانه تعالی أعلم (البحر الرائق ۲/۳۷۶)۔

گویا انہوں نے ازدحام کو عذر تسلیم کیا ہے، اس لئے کہ ترک واجب اگر عذر کی وجہ سے ہو تبھی کچھ واجب نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ کتب فقہ میں صراحۃ مذکور ہے:

(قوله لا شئ علیه) وکذا کل واجب إذا ترک لعذر لا شئ علیه (رد المحتار ۲/۱۷۶)۔

اور علامہ شامی نے محیط کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ازدحام مطلقاً عذر ہے، یہ کوئی صرف عورت کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اطلاق کی وجہ سے اس میں مرد بھی شامل ہوں گے، یعنی اگر مرد بھی ازدحام کی وجہ سے رمی نہ کر سکے تو اس پر بھی کچھ واجب نہیں ہے، عبارت ملاحظہ ہو:

"ولم یقید فی المحیط خوف الزحام بالمرأة بل أطلقه فشمل الرجل (رد المحتار ۲/۱۷۸)۔

لہٰذا مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں راقم الحروف کی ناقص رائے یہ ہے کہ جب ازدحام کی وجہ سے رمی ساقط ہو جاتی ہے تو اس کی وجہ سے خواہ مرد ہو یا عورت نیابت بدرجہ اولی جائز و درست ہونی چاہئے۔

۷۔ حکومت کسی کو حج سے روک دے تو وہ محصر ہے یا نہیں؟

حکومت اگر کسی شخص کو ارکان حج ادا کرنے سے روک دے تو ایسا شخص محصر ہوگا یا نہیں؟ اس کو جاننے سے پہلے احصار کی لغوی و شرعی تعریف کا جاننا ضروری ہے۔ احصار کے لغوی معنی روکنے کے ہیں: "الإحصار هو لغة المنع (در مختار ۲/۲۳۳)۔

احصار کی شرعی تعریف:

محرم کا وقوف اور طواف سے کسی عذر شرعی کی وجہ سے رک جانا۔

وفی الشرع عبارة عن منع المحرم عن الوقوف والطواف بعذر شرعی (الجوہرۃ النیرۃ ۱/۱۸۰)۔

فتاوی کی مشہور کتاب "الفتاوی الہندیہ" میں اس کی تعریف بہت واضح الفاظ میں کی گئی ہے۔ محصر وہ ہے

جس نے احرام باندھا ہو پھر احرام کی وجہ سے جو چیزیں واجب ہوتی ہیں ان کی ادائیگی سے روک دیا گیا ہو، خواہ یہ رکنا دشمن یا مرض یا قید کر لینے یا زخم یا اعضاء کے ٹوٹ جانے یا کسی اور وجہ سے ہو۔

المحصر من احرم ثم منع عن مضى فى موجب الإحرام سواء كان المنع من العدو أو المرض أو الحبس أو الكسر أو القرح أو غيرها (الفتاوى الهنديہ ۱/۲۵۵)۔

مذکورہ بالا تعریف سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ احرام باندھنے کے بعد ارکان کی ادائیگی سے روک دیا جانا خواہ کسی بھی وجہ سے ہو محصر کہلائے گا۔ لہذا صورت مسئولہ میں سعودیہ عربیہ میں مقیم غیر ملکی جو حکومت کی اجازت کے بغیر حج و عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں پکڑ لئے جانے پر حکومت اسے واپس بھیج دیتی ہے، تو ایسے لوگ بھی محصر کے حکم میں داخل ہیں، ان پر محصر کے احکام جاری ہوں گے۔

محصر کا حکم:

ایسا شخص جو حج یا عمرہ کی ادائیگی سے روک دیا گیا ہو اس کے احرام کے ختم کرنے کی صورت یہ ہے کہ وہ شخص کسی کی معرفت ہدی، یا اس کی قیمت بھیج دے اور یہ ہدایت کردے کہ اس کو فلاں دن ذبح کر دینا، تو جس دن وہ جانور ذبح کر دیا جائے گا اس کے بعد یہ شخص حلال ہو جائے گا (دیکھئے فتاوی ہندیہ ۱/۲۵۵)۔

۸۔ رمی، ذبح اور حلق کے درمیان قارن و متمتع کے لئے ترتیب کا حکم:

قارن اور متمتع کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے یا مسنون؟ اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی دو رائیں ہیں: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور علماء کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ان کے درمیان ترتیب واجب ہے، ان میں تقدیم و تاخیر کی وجہ سے دم لازم آئے گا، اور امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اسحقؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک ان چیزوں کے درمیان ترتیب مسنون ہے، ان میں تقدم و تاخر کی وجہ سے دم لازم نہیں ہوگا۔

اعلم أن الترتيب بين الرمى والذبح والحلق للقارن والمتمتع واجب عند ابى حنيفة وسنة عندهما (مرقاة المفاتيح ۳/۲۳۳)۔

امام ابوحنیفہؒ و دیگر حضرات کی دلیل:

ان حضرات کی دلیل حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے، انہوں نے فرمایا کہ جو شخص ایک نسک کو دوسرے نسک پر مقدم کرلے اس پر دم واجب ہے۔

ولأبى حنيفة حديث ابن مسعودؓ قال من قدم نسكا على نسك فعليه الدم (شرح فتح القدير ۳/۶۲)۔

مذکورہ صورت میں دم کا واجب ہونا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے اس لئے کہ ترک واجب ہی سے دم لازم ہوتا ہے، اگر مذکورہ چیزوں کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہوتی تو تقدم و

تاخیر کی وجہ سے دم کے وجوب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

امام شافعیؒ وغیرہ کی دلیل:

ان حضرات کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے، جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ لوگوں کی وجہ سے منیٰ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور لوگ آپ سے سوال کر رہے تھے، اتنے ہی میں ایک شخص آیا اور کہا میں نے رمی سے پہلے نحر کر لیا تو اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا تم کرو، کوئی حرج نہیں ہے۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص أنه ﷺ وقف للناس بمنى يسألونه فجاء رجل وقال نحرت قبل الرمي فقال عليه الصلاة والسلام افعل ولا حرج (حوالہ مذکور)۔

نبی کریم ﷺ کا "افعل ولا حرج" فرمانا دلیل ہے اس بات کی کہ ان امور کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے، اگر ترتیب واجب ہوتی تو آپ ﷺ "لا حرج" کا جملہ استعمال نہیں فرماتے۔

"افعل ولا حرج" سے امام شافعیؒ کا استدلال ان چیزوں کے درمیان ترتیب کے مسنون ہونے کا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں جو "لا حرج" استعمال ہوا ہے، اس سے مراد گناہ ہے کفارہ نہیں اور ضرورۃ گناہ کی نفی سے کفارہ کی نفی لازم نہیں آتی، جیسا کہ یہ مسئلہ محقق ہے کہ اگر کسی شخص نے تکلیف کی وجہ سے اپنے سر کا حلق کرا لیا تو اس پر کفارہ واجب ہے، البتہ وہ گنہگار نہیں ہوگا۔

ولا حجة لهم في الحديث لأن قوله لا حرج المراد منه الإثم لا الكفارة وليس من ضرورة انتفاء الإثم انتفاء الكفارة ألا ترى أن الكفارة تجب على من حلق رأسه لأذى به ولا إثم عليه (بدائع الصنائع ۲/۱۵۸)۔

لیکن حالات کے پیش نظر سوال میں مذکور دشواریوں اور مجبوریوں میں اس کے وجوب کا فتویٰ دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا، ورنہ لوگ بہت زیادہ حرج و تنگی میں مبتلا ہو جائیں گے، لہٰذا حالات کے پیش نظر فقہ کے مسلمہ اصول "الحرج مرفوع" "الضرر یزال" کی روشنی میں میری ناقص رائے یہ ہے کہ صاحبین کے قول پر عمل کی گنجائش ہونی چاہئے۔

۹۔ صورت مسئولہ میں آج کے اس دور میں جبکہ معروف حج تمتع ہے اور افراد و قران شاذ و نادر ہے کسی کو حج بدل کے لئے بھیجنا عرفاً حج تمتع تصور نہیں کیا جائے گا، اور اس کیلئے تمتع کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ تمتع کے جائز ہونے کے لئے صریح اجازت ضروری ہے، محض عرف کافی نہیں ہے۔

(الف) حج بدل کرنے والا تمتع کر سکتا ہے یا نہیں؟

حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے، شرعاً جائز و درست ہے، اور ایسا ہی رجحان حضرت مفتی محمد شفیعؒ کا ہے، چنانچہ وہ اپنی کتاب "جواہر الفقہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

اجازت آمر کے ساتھ قران اور تمتع جائز ہونا چاہئے (جواہر الفقہ ۱/۵۱۰)۔

نیز موجودہ دور کے ممتاز عالم دین اور فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب بھی اس کے جواز کے قائل ہیں، چنانچہ وہ نظام الفتاوی میں اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اگر آمر محجوج عنہ نے قران یا تمتع کی اجازت دیدی ہے، خواہ مجملا ہی دی ہو مثلاً یوں طور کہ تم کو اختیار ہے میری طرف سے جس طرح چاہو حج بدل کرآؤ تو اس صورت میں مامور کو حج تمتع و قران دونوں کرنا جائز رہے گا۔ (منتخبات نظام الفتاوی ۱۵۱/۱)۔

(ب) صریح اجازت کے بغیر حج تمتع:

حج بدل کرنے والا آمر کی صریح اجازت کے بغیر حج تمتع نہیں کرسکتا ہے، البتہ اگر اجازت اجمالاً ہو، یایں طور کہ آمر حج بدل کرنے والے سے یہ کہے کہ تم کو اختیار ہے، جس طرح چاہو میری طرف سے حج بدل کرسکتے ہو یا اس طرح کا کوئی جملہ استعمال کرے، تو پھر مامور کیلئے حج تمتع کی اجازت ہوگی۔

(ج) ظن غالب کو اجازت کا درجہ حاصل ہوگا یا نہیں؟

ظن غالب کو صریح اجازت کا درجہ نہیں دیا جاسکتا ہے، لہذا محض ظن غالب کی وجہ سے حج بدل کرنے والا تمتع نہیں کرسکتا ہے، یہ از روئے شرع جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ تمتع کے لئے صریح اجازت ضروری ہے، جب تک صراحتاً اس کی اجازت نہ ہو حج تمتع کرنا جائز نہیں ہوسکتا ہے۔

(د) باذن الآمر یا بدون اذن الآمر کی صورت میں دم کس پر ہوگا:

کتب فقہ میں یہ مسئلہ صراحتاً مذکور ہے کہ باذن الآمر تمتع کرنے کی صورت میں دم تمتع حج بدل کرنے والے پر لازم ہے اس کو اپنے مال سے ادا کرنا پڑے گا نہ کہ آمر کے مال سے۔

و دم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع (الدر المختار على هامش رد المحتار ۲۴۷/۲)۔

اور جب باذن الآمر کی صورت میں دم تمتع حج بدل کرنے والے پر لازم ہے تو بدون اذن الآمر کی صورت میں بدرجہ اولی دم تمتع اس پر لازم ہوگا۔ گویا حج بدل کرنے والا باذن الآمر یا بدون اذن الآمر تمتع کرے دونوں صورتوں میں حج بدل کرنے والے پر ہی دم لازم ہوگا۔ اور وہ اپنے مال سے ادا کرے گا۔

(ھ) سوال ۹ کے "الف" کے جواب میں یہ مسئلہ لکھا جاچکا ہے کہ حج بدل کرنے والے کے لئے آمر کی اجازت سے تمتع جائز ہے، تو پھر اس میں جو سوال ذکر کیا گیا ہے، اس کے جواب کی حاجت ہی باقی نہیں رہتی۔

(و) حج عن المیت کی صورت میں تمتع کا حکم:

حج عن المیت کی صورت میں تمتع کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ:

۱۔ اگر میت پر حج فرض تھا اور اس نے حج بدل کی وصیت کردی تھی اور اس کا تہائی ترکہ بعد ادائیگی حقوق

متقدمہ علی الارث میت کے مکان سے حج بدل کے لئے کافی ہے۔

۲۔ وصیت تو کی لیکن تہائی ترکہ بعد ادائیگی حقوق متقدمہ علی الارث مکان میت سے حج کے لئے کافی نہیں ہے، البتہ خارج میقات سے بھیجنے کے لئے کافی ہے اور خارج میقات سے بھیجنا ورثاء کی قدرت میں ہے یا مذکورہ صورت میں ورثاء اپنے ذاتی مال سے کسی کو میت کے مکان سے حج بدل کیلئے بھیج دے۔

۳۔ اگر میت پر حج فرض نہیں تھا لیکن اس نے حج بدل کرانے کی وصیت کردی اور تہائی ترکہ بعد ادائیگی حقوق متقدمہ علی الارث اتنا ہے کہ میت کے مکان سے نہ کسی راستہ ہی کے کسی حصہ سے حج بدل میقاتی کرایا جاسکتا ہے اور وہ ورثاء کی قدرت میں بھی ہو۔

مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں مامور کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش نہیں ہے، مامور قران یا تمتع نہیں کرسکتا ہے۔

(۴) اگر میت پر حج فرض نہیں تھا، اور نہ ہی اس نے حج کی وصیت کی یا وصیت تو کی مگر تہائی ترکہ کی مقدار بعد ادائیگی حقوق متقدمہ علی الارث اتنی ہے جس سے میت کی طرف سے حج مکی ہی کروایا جاسکتا ہے اور ایسا کرانا ورثاء کی قدرت میں بھی ہو۔

(۵) اگر میت پر حج فرض نہیں تھا اور نہ ہی اس نے حج کی وصیت کی یا وصیت تو کی مگر تہائی ترکہ بعد ادائیگی حقوق متقدمہ علی الارث اتنی نہیں ہے جس سے میت کی طرف سے حج مکی ہی سہی کرایا جاسکے، اور ایسی صورت میں ورثاء اپنی ذاتی رقم سے حج بدل کرادیں۔ تو ان تمام صورتوں میں مامور کے لئے قران وتمتع کی گنجائش ہے (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے منتخبات نظام الفتاوی ۱/۱۵۲،۱۵۱)۔

۱۰۔ طواف زیارت سے قبل عورت کو حیض یا نفاس آجائے تو کیا کرے؟

(الف) اگر کسی عورت کو طواف زیارت سے قبل حیض یا نفاس آجائے تو وہ طواف زیارت نہ کرے، بلکہ پاکی کا انتظار کرے جب پاک ہوجائے تو اس کے بعد طواف زیارت کرے، یہ مسئلہ کتب الفقہ میں بالکل مصرح ہے۔

البتہ اگر عورت کے لئے اتنی دیر انتظار کرنا ناقابل عمل ہو خواہ ویزا نہیں بڑھ پا رہا ہو، یا جہاز کی تاریخ میں تبدیلی نہیں ہو پارہی ہو یا نفقہ ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کا مکہ مکرمہ میں ٹھہر کر انتظار کرنا دشوار کن ہو، نیز اگر بغیر ارکان ادا کئے اپنے وطن واپس چلی آتی ہے تو دوبارہ آنے کی استطاعت نہیں ہے، یا کوئی قانونی رکاوٹیں حائل ہیں تو ایسی صورت میں اس کو پابند کرنا کہ حیض ونفاس سے پاکی حاصل کرنے کے بعد ہی طواف زیارت کرے، یہ عورت کو اپنی وسعت سے زیادہ کا مکلف بنانا ہے، حالانکہ اللہ تعالی کسی انسان کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا ہے۔ لہذا صورت مسئولہ میں میرا خیال یہ ہے کہ مذکورہ مجبوریوں میں عورت کے لئے حالت حیض ونفاس میں قرآن کریم کی آیت "لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعھا" (سورہ بقرہ ۲۸۶) اور فقہاء کرام کے مسلمہ اصول

"الضرورات تبيح المحظورات" اور "الضرر يزال" کی روشنی میں طواف زیارت کی اجازت ہونی چاہئے، اور اس صورت میں عورت گنہگار بھی نہیں ہوگی۔

(ب) ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرنے سے رکن ادا ہوگا یا نہیں؟

ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرنے سے رکن ادا ہو جائے گا، البتہ دم لازم آئے گا، یہ جزئیہ کتب فقہ میں صراحتاً مذکور ہے، چنانچہ علامہ ابن ہمام "شرح فتح القدیر" میں تحریر فرماتے ہیں:

فإن طافت كانت عاصية مستحقة لعقاب الله تعالى ولزمها الإعادة فإن لم تعده كان عليها بدنة وتم حجها (شرح فتح القدیر ۳/۳۳، البحر الرائق ۲/۳۹۸)۔

یعنی اگر عورت حالت حیض میں طواف زیارت کر لیتی ہے تو گنہگار ہوگی اور اس کا اعادہ لازم ہوگا، اگر اس کا اعادہ نہیں کرتی ہے تو بدنہ لازم ہوگا اور اس کا حج مکمل ہو جائے گا۔

(ج) کیا دم میں بدنہ ہی لازم ہوگا؟

دم میں بدنہ ہی ذبح کرنا ہوگا بکرا کافی نہیں ہوگا، جیسا کہ یہ مسئلہ شرح فتح القدیر میں مذکور ہے:

"والشاة جائزة في كل شيء إلا في موضعين من طاف طواف الزيارة جنبا ومن جامع بعد الوقوف بعرفة فإنه لا يجوز فيها إلا بدنة (شرح فتح القدیر ۳/۱۶۱)۔

یعنی دو جگہوں کے علاوہ تمام میں بکری کافی ہے، اور وہ دو جگہیں یہ ہیں: جس نے طواف زیارت حالت جنابت میں کیا ہو، اور جس نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا ہو، پس ان دونوں صورتوں میں بدنہ کے علاوہ دوسری چیز جائز نہیں ہے۔

(د) کیا دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ میں ضروری ہے؟

دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ میں ہی ضروری ہے، حرم مکہ سے باہر اپنے مقام پر ادا نہیں کیا جا سکتا ہے، شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوگی، چنانچہ علامہ قرطبی "الجامع لاحکام القرآن" میں آیت قرآنی "هديا بالغ الكعبة" (سورہ مائدہ ۹۵) کی پوری تفسیر بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

أما الهدى فلا خلاف أنه لا بد له من مكة (الجامع لاحکام القرآن ۶/۳۱۶) یعنی اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہدی کے لئے مکہ مکرمہ ضروری ہے۔

۱۱۔ دوران سفر شوہر کا انتقال ہو جائے تو حج وعمرہ کا حکم:

اگر عورت نے اپنے خاوند کے ساتھ سفر حج وعمرہ شروع کیا اور دوران سفر شوہر نے اس کو طلاق دیدی یا اس کا انتقال ہو گیا تو اب وہ عورت کیا کرے گی، آیا اپنے وطن واپس آ جائے گی یا سفر حج وعمرہ جاری رکھے گی، اس سلسلہ میں تاتارخانیہ میں تفصیل یہ ذکر کی گئی ہے:

۱۔ جہاں شوہر کا انتقال ہوا ہے یا جس جگہ اسے طلاق دی گئی ہے، وہاں سے اس کے وطن کی مسافت سفر

شرعی (۴۸ میل، ۷۷ کیلو میٹر) سے کم ہے تو وہ اپنے وطن لوٹ آئے گی۔

ج۔ اگر اس کے وطن کی مسافت اس جگہ سے سفر شرعی کی مسافت سے زیادہ ہے اور اس جگہ سے مکہ کی مسافت سفر شرعی کی مسافت سے کم ہے تو وہ اپنا سفر حج جاری رکھے۔ اگر دونوں طرف سے سفر شرعی کی مسافت ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے جس جگہ اس کے خاوند کا انتقال ہوا ہے یا جس جگہ اس کو طلاق دی گئی ہے وہ شہر ہے تو اس صورت میں ایسی عورت کا حکم کیا ہوگا، اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ دوران عدت اس کے لئے اس جگہ سے نکلنا دونوں جانب میں سے کسی جانب بھی جائز نہیں ہے، خواہ محرم کے ساتھ یا بلا محرم، صاحبین امام ابو یوسف و امام محمد فرماتے ہیں کہ محرم کے ساتھ نکلنا جائز ہے اور مطلق نکلنے کا جملہ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ خواہ وطن کی طرف لوٹے یا سفر حج جاری رکھے دونوں جائز ہے۔ البتہ بلا محرم نکلنا بالاتفاق جائز نہیں ہے، دوسری صورت اگر وہ جگہ جہاں شوہر کا انتقال ہوا ہے یا جس جگہ طلاق دی گئی ہے جنگل یا دیہات ہے جہاں عورت کو اپنی جان و مال کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں عورت کو اختیار ہے چاہے تو وہاں سے اپنا سفر جاری رکھے یہاں تک کہ امن کی جگہ پہونچ جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ موضع امن پہونچنے کے بعد عدت گذرنے سے پہلے سفر جائز نہیں ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ محرم کے ساتھ جا سکتی ہے (تاتارخانیہ ۲/۴۳۹)۔

ان تمام تفصیلات کی روشنی میں یہ امر ثابت ہوا کہ اگر کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ایسی جگہ ہو جائے جہاں سے وطن کی مسافت سفر شرعی سے کم ہو تو ایسی صورت میں عورت وطن لوٹ آئے، اس کے لئے سفر کو جاری رکھنا جائز نہیں ہے، اور اگر وہاں سے مکہ کی مسافت سفر شرعی سے کم ہے تو اپنا سفر جاری رکھے، اور اگر کسی ایسی جگہ انتقال ہوا جہاں سے وطن اور مکہ دونوں طرف کی مسافت سفر شرعی کی مسافت ہے، تو جہاں شوہر کا انتقال ہوا ہے اگر وہ شہر ہے اور اس کے ساتھ کوئی محرم نہیں ہے، تو بالاتفاق سفر جاری رکھنا جائز نہیں ہے، اس پر اسی جگہ عدت گذارنا لازم ہے، اور اگر وہ جگہ جنگل یا دیہات ہے جہاں جان و مال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے یا وہ جگہ شہر ہے اور دونوں صورتوں میں اس کے ساتھ محرم موجود ہے تو ایسی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت موضع امن پہونچ کر سفر روک دے جبکہ جنگل اور دیہات میں، اور اگر شہر میں ہو تو سفر جائز نہیں ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک سفر جائز ہے۔ مذکورہ صورت میں میری ناقص رائے میں مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین کے قول پر فتوی دیا جانا چاہئے اور اس کے لئے سفر حج و عمرہ جاری رکھنے کی اجازت ہونی چاہئے، جیسا کہ خود امام طحاویؒ نے صاحبین کے قول کو راجح قرار دیا ہے، اور اس حالت میں جو عورت حج کرے گی اس کا حج ادا ہو جائے گا، البتہ گنہگار ہوگی۔

وان حجت وهي في العدة جاز حجها و كانت عاصية (ارشاد الساری الی مناسک ۳۹)۔

۱۴۔ حج کا سفر کرنے والا مکہ میں پندرہ دن قیام سے پہلے منیٰ چلا جائے تو مقیم ہوگا یا نہیں؟

چونکہ مکہ اور منیٰ دونوں الگ الگ مستقل آبادیاں ہیں، اگرچہ آبادیاں پھیلتے پھیلتے دونوں متصل ہوگئی ہیں

تو ایسی صورت میں جب تک کہ کسی ایک جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت نہ ہو اس وقت تک آدمی وہاں مقیم نہیں ہو سکتا ہے، لہذا صورت مسئولہ میں حج کا سفر کرنے والا مسافر شخص مکہ مکرمہ میں پندرہ یوم قیام سے پہلے ہی منیٰ چلا جاتا ہے تو وہ مقیم نہیں ہوگا بلکہ مسافر ہی رہے گا اور اس پر مسافر کے احکام جاری ہوں گے (درمختار ۱/۵۲۸)۔

۱۳۔ حنفی مقتدی کے لئے حرم میں وتر باجماعت کا حکم:

وتر کی تین رکعت نماز ایک سلام سے پڑھی جائے یا دو سلام سے، اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک وتر کی نماز ایک سلام سے پڑھی جائے گی، البتہ دیگر ائمہ کرام کے نزدیک وتر کی تین رکعت نماز دو سلام سے پڑھی جائے گی۔

جمہور ائمہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ وہ وتر کی تین رکعات نماز دو سلاموں سے پڑھا کرتے تھے، اور اس عمل کو نبی کریم ﷺ کی طرف سے منسوب فرماتے تھے۔

إنه كان يفصل بين شفعه و وتره بتسليمة وأخبر ابن عمر أن النبي ﷺ كان يفصل ذلك (آثار السنن)

اور حنفیہ کے مذکورہ مسئلہ کی بنیاد (حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث ہے) وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز وتر کی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

إن رسول الله ﷺ وسلم كان لا يسلم في ركعتي الوتر (نسائی شریف ۱/۲۴۸)۔

نیز صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت جن میں حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت انس، حضرت ابی ابن کعب جیسے جلیل القدر صحابی ایک سلام سے تین رکعات پڑھنے کے قائل تھے، حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت پر عمل دو وجہ سے راجح معلوم ہوتا ہے: ایک تو یہ کہ دو سلام سے پڑھنے والی روایت صرف عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، جبکہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت ایک سلام سے پڑھنے کی قائل تھی، دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی نماز گھر پر ادا فرمایا کرتے تھے، اور گھر کے حالات کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے زیادہ کون جان سکتا ہے، لہذا نبی ﷺ کے وتر کے بارے میں حضرت عائشہ سے زیادہ کون واقفیت رکھ سکتا ہے۔ البتہ حرم میں وتر پڑھنے والے حنفی شخص کے لئے میری رائے میں جماعت کی فضیلت اور خود حرم میں نماز پڑھنے کی فضیلت کی وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام مسجد کی اقتداء میں، جماعت کے ساتھ وتر کی نماز ادا کرے، اس صورت میں فصل کے ساتھ وتر پڑھنے کی گنجائش ہونی چاہئے اور بعد میں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے۔ ورنہ جماعت اور حرم میں نماز پڑھنے کی فضیلت سے محروم ہونا لازم آئے گا، جو بہت بڑی بدنصیبی کی بات ہوگی۔

☆☆☆☆☆

حج کے مسائل واحکام

محمد اشتیاق عالم علیمی

امارت شرعیہ، پٹنہ

۱۔ تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حج یا عمرہ کی نیت سے حرم مکی میں داخل ہونے والے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہو، البتہ وہ لوگ جو حج وعمرہ کا ارادہ نہیں رکھتے، بلکہ کسی دوسرے مقصد سے حرم مکی کے حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں، مثلاً تجارت، ملاقات، زیارت، وغیرہ تو کیا ان حضرات کے لئے بھی ضروری ہے کہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں یا بغیر احرام کے بھی حدود حرم میں داخل ہو سکتے ہیں؟

اس سلسلہ میں ائمہ کرام کے مذاہب مختلف ہیں۔

جمہور فقہاء امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ، یہ حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ آفاقی شخص کے لئے مطلقاً حرم مکی میں داخل ہونے کے لئے احرام ضروری ہے، بغیر احرام باندھے ہوئے میقات سے تجاوز جائز نہیں ہے۔ چنانچہ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

إذا أرادوا دخول الحرم لحاجة أخرى غير النسك فجمهور الفقهاء والحنفية والمالكية والحنابلة و هو قول عند الشافعية يرون وجوب الإحرام عليهم بأحد النسكين ولا يجوز لهم مجاوزة الميقات بغير إحرام (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۸۷/۲)۔

جب آفاقی شخص کسی دوسری غرض سے حج یا عمرہ کے علاوہ حرم مکی میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو جمہور فقہاء، حنفیہ، مالکیہ حنابلہ اور شافعیہ کے ایک قول کے مطابق احرام باندھنا ضروری ہے بغیر احرام کے میقات سے آگے گذرنا جائز نہیں۔

امام شافعیؒ کا دوسرا قول جس کو ہو المشہور عندہم سے بیان کیا گیا ہے کہ آفاقی شخص بغیر احرام کے بھی حرم میں داخل ہو سکتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ احرام باندھ کر ہی حرم میں داخل ہو۔

وفي قول آخر للشافعية وهو المشهور عندهم أن يجوز دخول الحرم للآفاقي أيضا بغير إحرام لكنه يستحب له أن يحرم (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۸۷/۲)۔

امام شافعیؒ کے دوسرے قول کے مطابق آفاقی کے لئے جائز ہے کہ بغیر احرام کے بھی حرم میں داخل ہوں لیکن مستحب یہ ہے کہ احرام باندھ لے۔

ہدایہ میں حنفیہ کا مسلک اس طرح مذکور ہے:

الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد عندنا لقوله لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما ولأن وجوب الإحرام لتعظيم هذه البقعة

الشريفة فيستوي فيه الحاج او المعتمر وغيرهما (ہدایہ ۱/۲۳۵)۔

آفاقی جب مکہ معظمہ کے پاس پہنچ جائے اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا ارادہ ہو تو اس پر ہمارے نزدیک احرام باندھنا واجب ہے حج یا عمرہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو، بوجہ نبی کریم ﷺ کے فرمانے کے کہ "میقات سے آگے کوئی نہ بڑھے مگر احرام کی حالت میں" اور اس وجہ سے بھی کہ احرام کا وجوب اس مقدس سرزمین کی تکریم کی غرض سے ہے، وہیں اس میں تمام لوگ برابر ہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

لا يجوز للآفاقي ان يدخل مكة بغير إحرام نوى النسک أو لا ولو دخلها فعليه حجة أو عمرة كذا في محيط السرخسي في باب دخول مكة بغير إحرام (فتاوی ہندیہ ۱/۲۲۱)۔

آفاقی کے لئے بغیر احرام مکہ معظمہ میں داخل ہونا جائز نہیں ہے نسک کی نیت کرے یا نہ کرے، اور اگر داخل ہو گیا تو اس پر حج یا عمرہ لازم ہوگا محیط سرخسی میں ایسا ہی مذکور ہے: مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونے کے باب میں۔

ان حضرات کی دلیل حضور اکرم ﷺ کا فرمان: "**لا يجاوز احد الميقات**" میقات سے کوئی شخص بغیر احرام کے نہ گذرے، نیز ان حضرات کی عقلی دلیل بھی ہے، وہ یہ کہ احرام باندھنے کا وجوب اس مبارک جگہ کی تعظیم و تکریم ہے نہ کہ حج و عمرہ، اور اس میں تمام لوگ برابر ہیں۔

لنا: قوله عليه الصلاة والسلام لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما ولأن وجوب الإحرام لتعظيم هذه البقعة الشريفة لا لأنه شرط للحج (العنایہ ۲/۳۲۷)۔

ہماری دلیل: حضور ﷺ کا فرمان کہ میقات سے کوئی آگے تجاوز نہ کرے مگر احرام باندھ کر، اور نیز احرام باندھنے کا وجوب اس مقدس جگہ کی تعظیم میں ہے، نہ اس لئے کہ احرام حج کے لئے شرط ہے۔

امام شافعی کی دلیل حضور اقدس ﷺ کا عمل ہے کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر بغیر احرام باندھے حرم مکی میں داخل ہوئے تھے اگر کسی اور مقصد سے حج و عمرہ کے علاوہ داخل ہونے کے لئے بھی احرام باندھنا ضروری ہوتا تو آپ ﷺ بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہوتے۔ یہ دلیل ہے کہ حج و عمرہ کے علاوہ دوسرے مقصد سے داخل ہونے کے لئے احرام باندھنا واجب نہیں۔

لأن النبي ﷺ دخلها يوم الفتح بغير إحرام (العنایہ مع شرح فتح القدیر ۳/۲۲۶)۔

نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے موقع سے بغیر احرام کے داخل ہوئے۔

ہماری دلیل دو وجہوں سے راجح ہے:

(۱) ایک دلیل وجہ وہ ہے جو اصول حدیث کی کتابوں میں ہے کہ جہاں قولی و فعلی حدیث میں تعارض ہو تو قولی حدیث کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، اور ہماری دلیل قولی ہے، اور امام شافعی کی دلیل حضور ﷺ کا عمل ہے، جو حدیث فعلی ہے۔

(۲) ترجیح کی دوسری وجہ جس کو علامہ ابن الہمام صاحب "فتح القدیر" نے اپنی شہرہ آفاق کتاب فتح القدیر

میں ذکر کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا فتح مکہ کے موقع پر احرام نہ باندھنا اور بغیر احرام کے حرم مکی میں داخل ہونا یہ حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے تھا۔ جیسا کہ خود آپ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر اپنے خطبہ مبارکہ میں فرمایا تھا۔

ان مكة حرام و انما أحلت لى ساعة من نهار ثم عادت حراما إلى يوم القيمة (العنایہ مع شرح فتح القدیر ۲/ ۴۲۷)۔

بیشک مکہ حرام ہے (محترم) اور میرے لئے دن کے تھوڑے وقت میں حلال کیا گیا، پھر اس کی حرمت قیامت تک جوں کی توں لوٹ آئی۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور ﷺ کے لئے اس خاص موقع سے بغیر احرام کے دخول کو حلال کر دیا، پھر ہمیشہ کے لئے اس کو ختم کر دیا۔ پوری تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (شرح فتح القدیر ۲/ ۴۲۷)۔

۲۔ اس سلسلہ میں اصل مذہب یہ تو یہی ہے کہ خارج میقات شخص کے لئے دخول مکہ کے لئے احرام باندھنا ہر حال میں لازم و ضروری ہے، جیسا کہ تمام تر تفصیلات اوپر مذکور ہو چکی۔

البتہ صاحب فتح القدیر نے مذکورہ تفصیلات ذکر کرنے کے بعد ایک قاعدہ ذکر کیا ہے۔ جس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ضرورۃً بلا احرام حرم میں داخل ہونے کی گنجائش ہے۔

والأصل انه عليه الصلاة والسلام رخص للحطابين دخول مكة بغير إحرام (شرح فتح القدیر ۲/ ۴۲۷)۔

نبی کریم ﷺ نے لکڑی چننے والے کے لئے رخصت دی ہے کہ بغیر احرام مکہ معظمہ میں داخل ہوں، نیز فقہ کی کتابوں میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ گھاس کاٹنے والا لکڑی چننے والا حدود حرم میں بلا احرام داخل ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے شرعاً اس کی اجازت ہے، اور اس کی علت یہ ذکر کی گئی ہے کہ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو حرج و تنگی لازم آئے گی، حالانکہ شریعت نے پریشانی و تنگی کو ختم کر دیا ہے۔ لہذا صورت مسئولہ میں ایسے شخصوں کے لئے جن کو بار بار حرم کے اندر آمد و رفت کرنی پڑتی ہے ان سے حرج و تنگی ختم کر کے بغیر احرام کے دخول کی گنجائش ہوگی۔

نیز فقہاء کرام کے اصول "الضرر يزال" و "الحرج مرفوع" (الاشباہ والنظائر ۱۳۹) کے تحت بھی دخول کی گنجائش ہونی چاہئے، اور ایسے موقع پر دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہونی چاہئے، ارشاد ربانی ہے "ما جعل عليكم في الدين من حرج" (القرآن) اور فرمان رسول ﷺ ہے کہ دین میں آسانی و سہولت ہے، چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وكذلك المكي إذا خرج إلى الحل للاحتطاب أو الاحتشاش ثم دخل مكة يباح له الدخول بغير إحرام (الفتاوى الہندیہ ۱/ ۲۲۱)۔

کی شخص جب حل کی طرف نکل جائے لکڑی اکٹھا کرنے کے لئے یا گھاس گڑھنے کے لئے، پھر مکہ میں داخل ہو تو اس کے لئے بغیر احرام کے داخل ہونا مباح ہے۔

۳۔ مکہ مکرمہ میں مقیم شخص کے لئے عمرہ کرنا اسی وقت صحیح و درست ہے جب اسی سال حج کا ارادہ و قصد نہ رکھتا ہو، اگر اسی سال حج بیت اللہ کا قصد ہے تو پھر ایسی صورت میں عمرہ کرنا اس کے لئے مکروہ ہوگا۔ شامی میں ہے:

ویزاد علی الأیام الخمسة ما فی اللباب وغیرہ من کراھة فعلھا فی أشھر الحج لأھل مکة ومن بمعناھم أی من المقیمین ومن فی داخل المیقات لأن الغالب علیھم أن یحجوا فی سنتھم فیکونوا متمتعین وھم عن التمتع ممنوعون وإلا فلا منع للمکی عن العمرة المفردة فی أشھر الحج إذا لم یحج فی تلک السنة ومن خالف فعلیه البیان (ردالمحتار ۲/۱۵۲)۔

ایسا ہی رجحان علامہ ابن نجیم مصری کا بھی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ اپنی مایہ ناز کتاب البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں تحریر فرماتے ہیں:

فالحاصل أن المکی إذا أحرم بعمرة فی أشھر الحج فإن کان من نیته الحج من عامه فإنه یکون آثما لأنه عین التمتع المنھی عنه لھم فإن حج من عامه لزمه دم جنایة (البحر الرائق ۲/۳۹۳)۔

مکی شخص جب اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھ لے اگر اسی سال حج کی نیت ہو تو گنہگار ہوگا کیونکہ یہ تمتع ہے جس سے مکی کو منع کیا گیا ہے اگر اسی سال حج کر لیا تو دم لازم ہوگا۔

فتاوی رحیمیہ میں زبدۃ المناسک کے حوالے سے اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ زبدۃ المناسک میں ہے، مسئلہ: مکہ والوں کو اور جو شخص مکہ والوں کے حکم میں ہے، یعنی داخل میقات رہنے والا (یا بین میقات پر رہنے والا) اور جو شخص کہ پہلے اشہر حج سے مقیم مکہ ہے (جیسے آفاقی اشہر حج سے پہلے حلال ہو کر مکہ میں رہا ہو، پھر اس پر اشہر حج آ گئے) ان کو عمرہ کرنا اشہر حج میں مکروہ ہے جو کہ اسی سال حج کرنا چاہے، اور اگر اس سال حج نہ کرے تو عمرہ اشہر حج میں کرنا ان سب کو مکروہ نہیں (زبدۃ المناسک نقلاً عن فتاوی رحیمیہ ۱/۲۵۵)۔

خلاصہ یہ کہ مکی اور داخل میقات شخص کے لئے صرف حج افراد کی گنجائش ہے، تمتع اور قران کی صورت میں دم جنایت لازم ہوگا۔ درمختار میں ہے:

والمکی ومن فی حکمه یفرد فقط ولو قرن أو تمتع جاز وأساء وعلیه دم جبر (درمختار مع الشامی ۲/۲۰۷)۔

مکی اور جو شخص مکی کے حکم میں ہو وہ صرف حج افراد کرے، اگر تمتع یا قران کیا تو کراہت کے ساتھ جائز ہوگا اور اس پر دم جنایت واجب ہوگا۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: فتاوی ہندیہ ۱/۲۳۹، ہدایہ ۱/۲۶۳، رحیمیہ ۵/۲۲۳)۔

۴۔ صورت مسئولہ میں شخص مذکور متمتع نہیں ہوگا، کیونکہ تمتع کے لئے ضروری ہے کہ حج و عمرہ دونوں ایک ہی سفر میں کرے اور دونوں کے مابین المام صحیح نہ کرے اور جب کسی مکی نے المام صحیح کر لیا، پھر حج کر رہا ہے تو یہ متمتع نہیں ہوگا، اور ایسا مکی شخص نہ ممنوع کا مرتکب بھی نہ ہوگا اور عمرہ کرنے کی صورت میں اس پر دم جنایت بھی لازم نہ ہوگا۔ صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں۔

المكي إذا خرج إلى الكوفة وأحرم بعمرة و ساق الهدي حيث لم يكن متمتعا لأن العود هناك غير مستحق عليه فصح إلمامه (ہدایہ ۱/۲٦٣)۔

کی جب کوفہ کی طرف خروج کرے اور عمرہ کا احرام باندھے اور ہدی بھی لے جائے تو اس صورت میں یہ تمتع نہیں ہوگا اسلئے کہ اس موقع سے لوٹنا غیر مستحق ہے پس اس کا المام صحیح پایا گیا۔ علامہ شامی رقم طراز ہیں:

إنما قيد بالقران لأنه اعتمر هذا المكي في أشهر الحج في عامه لا يكون متمتعا لأنه ملم بأهله بين النسكين حلالا إن لم يسق الهدي و كذا إن ساق الهدي لا يكون بخلاف الآفاقي إذا ساق الهدي ثم ألم بأهله محرما كان متمتعا لأن العود مستحق عليه فيمنع صحة إلمامه و أما المكي فالعود غير مستحق عليه وإن ساق الهدي فكان إلمامه صحيحا فلذلك لم يكن متمتعا كذا في النهاية في المبسوط (ردالمحتار ۲/۱۹۷)۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے قبل مزید عمرہ کرسکتا ہے بصرف پانچ دن نہیں کرسکتا ان ایام میں جس کو ایام تشریق کہتے ہیں، اگر کرے گا تو مکروہ ہوگا۔ چنانچہ غنیۃ المناسک میں یہ جزئیہ صراحۃ موجود ہے۔

ويعتمر قبل الحج ماشاء الله أما في اللباب ولا يعتمر قبل الحج فغير صحيح لأنه بناء على أن المكي ممنوع من العمرة المفردة وهو خلاف أصحابنا جميعا لأن العمرة جائزة في جميع السنة بلا كراهة إلا في خمسة أيام لا فرق في ذلك بين المكي والآفاقي (غنیۃ المناسک ۱۱۵)۔

حج سے پہلے جتنا عمرہ کرنا چاہے اللہ توفیق دے کرسکتا ہے، اور لباب میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ حج سے پہلے عمرہ نہ کرے یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ مکی کے لئے عمرہ کے ممنوع ہونے والی بات اس بات پر مبنی ہے کہ اس کے لئے تنہا صرف عمرہ کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے جبکہ یہ بات بھی ہمارے جملہ ائمہ کی تصریح کے خلاف ہے، کیونکہ عمرہ پانچ ایام کے علاوہ پورے سال بلا کراہت صحیح ہے اور اس میں مکی اور آفاقی کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔

نیز فتاوی رحیمیہ میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے جیسا کہ فتاوی رحیمیہ میں اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں مفتی عبدالرحیم صاحب مدظلہ نے فرمایا (فتاوی رحیمیہ ۲/۲۰۷)۔

٦۔ عمل رمی میں ایک شخص دوسرے شخص کی نیابت کرسکتا ہے۔ شرعاً اس کی گنجائش ہے۔ يجوز فيها عند الجمهور النيابة عند العجز والضرورة (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۳۸)۔

جائز ہے نائب بنانا عذر اور ضرورت کے وقت، جمہور کے نزدیک معلم الحجاج میں ایسا ہی مذکور ہے (معلم الحجاج نقلا عن فتاوی رحیمیہ ۵/۲۳۰)۔

(ب) نیابت رمی میں صرف مریض یا معذور کے لئے ہے، بغیر عذر نائب بنانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ فعل رمی واجب ہے اور واجب کو بغیر عذر ترک کرنا یا اس کا نائب بنانا صحیح نہیں۔

تجوز النيابة في الرمي عند العذر (غنیۃ الناسک ۱۰۰) عذر کے وقت رمی میں نیابت جائز ہے۔

معذوری کی حد یہ ہے کہ ایسا شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو، یا بے ہوش ہو گیا ہو یا جمرات تک جانے کی طاقت وقدرت نہ ہو یا مریض ہو۔

وحد المريض بحيث يصلي جالسا لأنه لا يستطيع الرمي راكبا ولا محمولا إما لأنه تعذر عليه الرمي أو يلحقه بالرمي ضرر (ايضا)۔

مریض کی حد یہ ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو اس لئے کہ سوار ہو کر رمی کرنے کی طاقت نہ ہو اور نہ اٹھا کر یا اس پر رمی معذر ہو گئی ہو یا رمی کرنے میں اس کو ضرر لاحق ہو۔

ان حضرات کے لئے دو صورتیں ہیں (۱) یا تو ان سے خود رمی کروائی جائے جس کی شکل یہ ہو کہ ان کے ہاتھ میں کنکری رکھی جائے اور ان سے پھینکوایا جائے یا کوئی دوسرا شخص ان کی نیابت کرے۔

وفي الفتح ومن كان مريضا لا يستطيع الرمي يوضع في يده ويرمي بها أو يرمي عنه غيره وكذا المغمى عليه ورمي بحصاتين إحداهما لنفسه والأخرى للآخر جاز ويكره (شرح فتح القدیر ۲/۴۹۸)۔

فتح میں ہے کہ وہ شخص جو مریض ہو اور رمی کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو اس کے ہاتھ میں کنکر رکھا جائے اور اس کے ہاتھ سے پھینکوایا جائے یا کوئی دوسرا اس کی جانب سے پھینک دے، اسی طرح بے ہوش شخص، اور دو کنکری مارے گا ایک اپنی طرف سے اور دوسری دوسرے کے لئے تو بھی جائز ہے، اسی طرح کا مسئلہ بحرالرائق ۲/۳۷۵۔ ۶۷، الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳/۱۲۹، نظام الفتاویٰ ۱/۱۴۰ میں موجود ہے۔

البتہ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ازدحام عذر ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں کئی رائیں سامنے آتی ہیں، کچھ رائے ازدحام کے عدم عذر پر دال ہے۔ وہیں کچھ اہم رائیں بھی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ازدحام عذر ہے مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری اس سلسلے میں رقم طراز ہیں: کہ صحیح قول یہ ہے کہ ازدحام عذر نہیں، اگر ازدحام ہو تو ان کے نزدیک رات کو موقع پا کر رمی کرے، گو یہ وقت مکروہ ہے لیکن معذورین اور عورتوں کے لئے رات کو ازدحام کی وجہ سے بلا کراہت درست ہے (فتاویٰ رحیمیہ ۵/۲۳۶)۔

لیکن موجودہ ازدحام کی وجہ سے یہ رائے درست نہیں معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ شامی، بحر وغیرہ کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان حضرات نے ازدحام کو عذر تسلیم کیا ہے، چنانچہ البحرالرائق میں یہ جزئیہ موجود ہے:

أن المرأة لو تركت الوقوف بالمزدلفة لأجل الزحام لا يلزمها شئ فينبغي أنها لو تركت الرمي له لا يلزمها شئ والله سبحانه تعالى أعلم (البحرالرائق ۲/۳۷۵)۔

کہ اگر عورت ازدحام کی وجہ سے وقوف مزدلفہ چھوڑ دے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر عورت ازدحام کی وجہ سے رمی چھوڑ دے تو اس صورت میں بھی اس پر کچھ واجب نہ ہو۔

نیز کتب فقہ میں یہ مسئلہ صراحۃً موجود ہے:

(قولہ لا شئی علیہ) وکذا کل واجب إذا ترک لعذر لا شئ علیہ

کسی واجب کو عذر کی وجہ سے چھوڑنے کی صورت میں کچھ نہیں ہوتا ہے۔

اور علامہ شامیؒ نے تو محیط کے حوالے سے ازدحام کو مطلقاً عذر مانا ہے، کیونکہ صاحب محیط نے مطلقاً ازدحام کو عذر تسلیم کیا ہے۔

اور قاعدہ ہے "المطلق یجری علی إطلاقہ" کہ مطلق ہر فرد کو شامل ہوتا ہے۔ لہذا اس اطلاق کی وجہ سے مرد بھی شامل ہوں گے یعنی اگر مرد بھی ازدحام، بھیڑ و بھاڑ کی وجہ سے رمی نہ کر سکے تو کسی کو اپنا نائب بنا دے، چنانچہ علامہ شامی رقم طراز ہیں:

ولم یقید فی المحیط خوف الزحام بالمرأۃ بل أطلقہ فشمل الرجل (رد المحتار ۲/۵۱۷)۔

محیط میں ازدحام کے خوف کو عورت کے ساتھ مقید نہیں کیا بلکہ اس کو مطلق رکھا ہے تو اس صورت میں مرد کو بھی شامل ہوگا۔

لہذا صورت مسئولہ میں مذکورہ بالا عبارتوں کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ازدحام کی وجہ سے نائب بنانا صحیح ہے، کیونکہ ازدحام بھی تمام اعذار کی طرح ایک عذر ہے۔

اور اس میں مرد و عورت سب برابر ہیں، البتہ مناسب یہ ہے کہ اختلاف سے بچتے ہوئے محتاط طریقہ اختیار کرے اور ہر ممکن سعی کرے کہ رمی خود کرے کسی کو نائب نہ بنائے، کیونکہ واجب ہے اور واجب کا بلا عذر ترک یا نیابت صحیح نہیں۔

۷۔ ایسے لوگ جو حالت احرام میں کسی مجبوری کی بناء پر پکڑ کر واپس بھیج دیے جائیں تو کیا وہ لوگ محصر کے حکم میں ہوں گے یا نہیں؟ اس کو سمجھنے کے لئے اور ایسے لوگوں کے حکم کے جاننے کے لئے پہلے احصار کے لغوی و اصطلاحی معنی کو سمجھیں۔

احصار کے لغوی معنی منع کرنے اور روکنے کے ہیں۔ الإحصار ھو لغۃً المنع (الفتاوی الہندیہ ۱/۲۳۲)۔

احصار کے اصطلاحی و شرعی معنی۔

وفی الشرع عبارۃ عن منع المحرم عن الوقوف والطواف لعذر شرعی (الجوہرۃ النیرۃ ۱/۱۸۰)۔

شریعت میں احصار کا مطلب محرم کا عذر شرعی کی بناء پر وقوف عرفہ اور طواف سے رک جانا۔

فتاوی ہندیہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے:

المحصر من أحرم ثم منع عن مضی فی موجب الإحرام سواء کان المنع من العدو أو المرض أو الحبس أو الکسر أو القرح أو غیرھا (الفتاوی الہندیہ ص ۲۵۵)۔

محصر وہ شخص ہے، جس نے احرام باندھا ہو، پھر احرام کی وجہ سے جو چیزیں واجب ہوتی ہیں ان کی ادائیگی سے روک دیا گیا ہو، خواہ یہ رکنا دشمن، بیماری، قید کر لئے جانے یا کسی اعضاء کے ٹوٹنے یا اور کسی وجہ سے ہو۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایسا شخص جو ارکان حج کی ادائیگی سے روک دیا جائے یا کسی مجبوری یا معذوری کے پیش آنے کی وجہ سے وہ خود رک جائے، ایسا شخص شرعاً محصر ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں وہ لوگ جو حکومت سے اجازت لئے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں اور پھر حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیئے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہوں گے، اور ان پر احصار کے احکام جاری ہوں گے۔

محصر کا حکم:

محصر شخص کا حکم یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص کے واسطے سے ہدی یا اس کی قیمت بھیج دے اور اس کو ایک دن متعین کر کے بتلا دے کہ فلاں دن میری جانب سے ذبح کردے، تو جس دن وہ جانور ذبح کر دیا جائے گا اس دن محصر شخص حلال ہو جائے گا، جب تک وہ ذبح نہ کرے گا اس وقت تک حلال نہ ہوگا۔

اما حکم الاحصار فهو أن يبعث بالهدى أو بثمنه يشترى به هديا أو يذبح عنه ومالم يذبح لا يحل وهو قول عامة العلماء .ويجب أن يواعد يوما معلوما يذبح عنه فيحل بعد الذبح ولا يحل قبله (فتاویٰ ہندیہ ۱/۲۵۵)۔

احصار کا حکم یہ ہے کہ محصر شخص ہدی یا اس کی قیمت کہ ہدی خریدا جاسکے بھیج دے، اور اس شخص کی جانب سے ذبح کرے اور جب تک ذبح نہ کرے گا حلال نہیں ہوگا، اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ اور واجب ہے کہ ایک متعین دن کا وعدہ کروالے کہ اس روز ذبح کردے، پس حلال ہو جائے گا ذبح کے بعد۔ ذبح سے قبل حلال نہ ہوگا۔

رمی وذبح، حلق کے مابین ترتیب کا حکم:

متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے یا سنت، اس بارے میں فقہاء حضرات کے دو گروہ ہیں۔

ایک گروہ ترتیب کا وجوب کے قائل ہے۔ اس میں امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور علماء کی ایک جماعت ان حضرات کے ساتھ ہے، ان فقہاء کرام کا کہنا ہے کہ ترتیب مذکورہ بالا امور میں واجب ہے، اور جب واجب ہے تو تقدیم وتاخیر سے دم لازم ہوگا۔

إعلم أن الترتيب بين الرمي والذبح والحلق للقارن والمتمتع واجب عند ابي حنيفةؒ و سنة عندهما (مرقاۃ المفاتیح ۳/۲۳۲)۔

یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ رمی، ذبح اور حلق کے درمیان قارن اور متمتع کے لئے ترتیب واجب ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ کے یہاں سنت ہے۔

دوسری جماعت جس میں امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور اسحاق بن راہویہ اور صاحبینؒ بھی شامل ہیں ان حضرات فقہاء کے نزدیک امور مذکورہ کے مابین ترتیب واجب نہیں بلکہ سنت ہے، لہذا بصورت تقدیم وتاخیر دم لازم نہ ہوگا، چنانچہ ملاعلی قاری نے "مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ" میں دونوں مسلکوں کو واضح انداز میں ذکر فرمایا ہے۔

قال الطیبیؒ افعال یوم النحر اربعۃ، رمی العقبۃ ثم الذبح ثم الحلق ثم طواف الافاضۃ فقیل هذا الترتیب سنۃ وبه قال الشافعیؒ و احمد بن حنبل و اسحاق لهذا الحدیث فلا یتعلق بترکه الدم وقال ابن جبیر انه واجب والیه ذهب جماعۃ من العلماء و به قال ابو حنیفۃ ومالک (مرقاۃ المفاتیح ۳/۲۳۲)۔

یوم نحر کے چار افعال ہیں، جمرہ عقبہ کی رمی، اس کے بعد ذبح، پھر حلق، پھر طواف افاضہ، امام شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ نے ان افعال کے درمیان ترتیب کو مسنون گردانا ہے، پس تقدیم وتاخیر کی صورت میں دم متعلق نہ ہوگا، اور ابن جبیر نے کہا کہ ترتیب امور مذکورہ اربعہ کے مابین واجب ہے، اور یہی مسلک امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل:

ان حضرات ائمہ کی دلیل حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی وہ روایت ہے جس میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک نسک کو دوسرے نسک پر مقدم کردے تو اس پر دم واجب ہوگا۔

ولابی حنیفۃ حدیث بن مسعودؓ قال من قدم نسکا علی نسک فعلیه دم (فتح القدیر ۳/۶۴)۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث جس میں حضور ﷺ نے فرمایا جس نے ایک نسک کو دوسرے نسک پر مقدم کردیا اس پر دم لازم ہوگا۔

امام شافعیؒ وغیرہ کی دلیل:

ان حضرات کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی روایت ہے، جس میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ منیٰ میں لوگوں کی وجہ سے وقوف فرمائے ہوئے تھے اور صحابہ کرامؓ آپ ﷺ سے سوال کررہے تھے اور مسئلہ دریافت کررہے تھے اسی اثناء میں ایک صحابی تشریف لائے اور انہوں نے اپنا حال ذکر کیا کہ میں نے رمی سے پہلے نحر کرلیا تو اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "افعل ولا حرج" کہ تم کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ انه ﷺ وقف للناس بمنیٰ یسألونه فجاء رجل وقال نحرت قبل الرمی فقال علیه الصلاۃ والسلام افعل ولا حرج (فتح القدیر ۳/۶۴)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ لوگوں کے واسطے منیٰ میں ٹھہرے اور لوگ آپ ﷺ سے سوال کررہے تھے، اسی درمیان ایک آدمی آیا اور آپ ﷺ سے پوچھا کہ میں نے رمی سے پہلے نحر کرلیا، آپ ﷺ نے فرمایا کرو کوئی حرج نہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا "افعل ولا حرج" فرمانا سنت کی دلیل ہو سکتی ہے دلیل وجوب نہیں، باوجود یہ کہ

احناف کا مفتی بہ قول وجوب ترتیب کا ہے لیکن دور حاضر میں اس کی رعایت میں حرج عظیم ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ (الآیۃ)

اور حدیث میں ہے "الدین یسر" دین میں آسانی وسہولت ہے سختی نہیں، ان روایات کے پیش نظر اور امت کو دشواری وپریشانی سے بچانے کے لئے حنفیہ کے قول مرجوح کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

ایسا ہی رجحان حضرت مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم کا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں، کہ ذبح میں نیابت کا رواج عام اور شائع ہے، جیسا کہ آپ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب "بین الرمی والذبح والحلق" گرچہ واجب فی نفسہ ہے، لیکن عذر شرعی کی وجہ سے چھوٹ جائے تو اس پر دم جنایت وغیرہ لازم نہ آئے گا، بلکہ ادائیگی حج بلا کراہت ہوجائیگی (نظام الفتاوی ۱؍۱۵۷)۔

۹۔ کسی شخص کو حج بدل کے لئے بھیجا عرفاً حج تمتع تصور کیا جائے گا، چونکہ آج کل عام طور سے حج تمتع رائج وشائع ہے اور عرف کے سلسلہ میں مسلمہ قاعدہ ہے: المعروف کالمشروط۔

(الف) حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کرسکتا ہے، جیسا کہ مفتی شفیع احمد صاحب کی ایک عبارت سے مفہوم ہوتا ہے، چنانچہ وہ اپنی کتاب "جواہر الفقہ" میں تحریر فرماتے ہیں اجازت آمر کے ساتھ قران اور تمتع جائز ہونی چاہئے (جواہر الفقہ ۵۱۰)۔

نیز ایسا ہی رجحان مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ العالی کا معلوم ہوتا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نظام الفتاوی ۱؍۱۵۱)۔

(ب) آمر کی اجازت سے حج بدل کرنے والا حج تمتع کرسکتا ہے، خواہ اذن آمر صراحۃً ہو، یا اجمالاً، بصورت دیگر گنجائش نہ ہوگی۔ نظام الفتاوی میں ہے۔ اگر محجوج عنہ نے قران یا تمتع کی اجازت دے دی، خواہ اجمالاً ہی دی ہو مثلاً بایں طور کہ تم کو اختیار ہے کہ میری طرف سے جس طرح چاہو حج بدل کرآؤ تو اس صورت میں مامور کو حج تمتع وقران دونوں کرنا جائز رہے گا (نظام الفتاوی ۱۵۱)۔

بلکہ مناسب یہ ہے کہ حج بدل کرنے والے کو پورا اختیار دے دے کہ جس طرح تم چاہو کرو حج تمتع یا حج قران، تاکہ حج بدل کرنے والے شخص کو پریشانیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

وينبغي أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول حج عني بهذا المال كيف شئت ان شئت حجة وإن شئت حجة و عمرة وإن شئت قرانا والباقي من المال وصية كيلا يضيق الأمر على الحاج (قاضی خان علی الہندیہ ۱؍۳۰۷)۔

اور مناسب یہ ہے کہ معاملہ کو مامور کو سپرد کردے اور کہہ دے کہ تم میری طرف سے اس مال کے بدلہ جس طرح چاہو حج کرو، اگر چاہو تو حج کرو، یا حج وعمرہ کرو، اور اگر چاہو قران کرو، اور باقی مال کی وصیت کردے، تاکہ حج

بدل کرنے والا ضیق میں پڑے۔

(ج) ظن غالب کو یقین کا درجہ دیا جاتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں حج بدل کرنے والے کا ظن غالب ہے کہ آمر سے حج تمتع کی اجازت لیتا تو آمر اجازت دے دیتا تو اس صورت میں حج بدل کرنے والا تمتع کرنے کا مجاز ہوگا۔

(د) باذن آمر تمتع کرنے سے حج آمر کی جانب سے ہوگا اور عمرہ مامور کا ہوگا اور مامور کو دم تمتع اپنے مال سے دینا ہوگا۔

دم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا فيضمن (درمختار علی ہامش رد المحتار ۲/ ۲۴۴)۔

قران، تمتع اور جنایت کا دم حج کرنے والے پر ہوگا، اگرچہ قران، تمتع کی اجازت دے دی ہو، ورنہ مخالف آمر شمار ہوگا اور مامور مال کا ضامن ہوگا۔

اور اگر آمر اجازت نہ دے پھر بھی تمتع کرے تو اس صورت میں آمر کی مخالفت کی وجہ سے حج بھی مامور کی جانب سے ادا ہوگا اور مامور مال کا ضامن ہوگا۔

ولو أمره بالإفراد فقرن أو تمتع ولو للميت لم يقع عنه ويضمن النفقة (ایضا ۲۴۳)۔

اور اگر آمر نے مامور کو حج افراد کا حکم دیا تھا مگر اس نے قران یا تمتع کرلیا گرچہ میت کے لئے کیا ہو، پھر بھی میت کی جانب سے واقع نہ ہوگا اور مامور مال کا ضامن ہو

(ھ) اس شق کا جواب تفصیل کے ساتھ اوپر ہو چکا کہ آمر کی اجازت سے تمتع کی گنجائش ہے اور اس مسئلے کو دلیل کے اعتبار سے راجح قرار دیا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (جواہر الفقہ)۔

(و) حج عن المیت کی صورت میں تمتع کی گنجائش ہے، ویسے اس سلسلے میں قدرے تفصیل ہے۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب نے اپنی کتاب میں پانچ صورتیں ذکر کی ہیں، بعض میں مامور کو تمتع یا قران کی گنجائش ہے اور بعض میں تمتع، قران کی گنجائش نہیں، طوالت کی غرض سے ان تمام شکلوں کو نقل نہیں کیا جارہا ہے (نظام الفتاوی ۲/ ۱۵۸، ملاحظہ ہو)۔

۱۰- طواف زیارت سے قبل عورت کو حیض آجائے تو وہ کیا کرے۔

(الف) اگر کسی عورت کو طواف زیارت سے قبل حیض یا نفاس آجائے تو وہ طواف زیارت نہ کرے کیونکہ طواف زیارت مسجد میں ادا کیا جاتا ہے اور حائضہ کو مسجد میں داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

لأن الطواف في المسجد والحائض ممنوعة عن دخوله (فتح القدیر ۲/ ۳۳)۔

- بلکہ پاکی کا انتظار کرے، پاک ہوجانے کے بعد طواف زیارت کرے البتہ اگر کسی عورت کے لئے

نا قابل برداشت ہو، خواہ کسی مجبوری کی بناء پر ہو تو اس صورت میں " الضرورات تبیح المحظورات " کے قاعدہ کے تحت طواف زیارت کی اجازت ہونی چاہئے اور اس صورت میں عورت گنہگار بھی نہ ہوگی۔

حیضها لا یمنع نسکا إلا الطواف ولا شئ بتاخیره إذا لم تطهر إلا بعد أیام النحر فلو طهرت فیها بقدر أکثر الطواف لزمها الدم بتاخیره (درمختار ۲/۱۹۰)۔

عورت کا حیض صرف مانع طواف ہے اور اس کے موخر کرنے سے کچھ لازم نہ آئے گا، جب ایام نحر تک پاک نہ ہو، اگر ایام نحر میں اکثر طواف کے مقدار پاک ہو جائے تو طواف کے موخر کرنے کی صورت میں دم لازم ہوگا۔

(ب) ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت سے رکن ادا ہو جائے گا مگر گنہگار ہوگی اور اعادہ لازم ہوگا، بصورت عدم اعادہ ایک بدنہ دینا پڑے گا اور حج ادا ہو جائے گا۔

فإن طافت کانت عاصیة مستحقة لعقاب الله تعالی و لزمها الإعادة فإن لم تعده کان علیها بدنة وتم حجها (فتح القدیر ۳/۴۳)

پس اگر بحالت حیض طواف کر لیا تو گنہگار ہوگی اور اللہ کے عتاب کا مستحق ہوگی اور اعادہ لازم ہوگا اگر اعادہ نہ کیا تو اس پر بدنہ واجب ہوگا اور اس کا حج مکمل و تام ہو جائے گا۔

(ج) حالت حیض میں طواف زیارت کرنے کی صورت میں بکرا کافی نہ ہوگا بلکہ بدنہ ذبح کرنا لازم ہوگا۔

والشاة جائزة فی کل شئ إلا فی موضعین من طاف طواف الزیارة جنبا و من جامع بعد الوقوف بعرفة فإنه لا یجوز فیها إلا بدنة (فتح القدیر ۳/۱۶۱)۔

بکری دو جگہوں کے علاوہ ہر چیز میں (۱) جنبی شخص بحالت جنابت طواف زیارت کرے (۲) وقوف عرفہ کے بعد جماع کرے، ان دونوں صورتوں میں بدنہ واجب ہوگا۔

(د) دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ میں ضروری ہے حرم مکہ سے باہر یا اپنے مقام پر ادا نہیں ہوگا، چنانچہ صاحب الجامع الأحکام القرآن "هدیا بلغ الکعبة" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

أما الهدی فلا خلاف أنه لا بد من مکة، لقوله تعالی هدیا بلغ الکعبة.

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ہدی کی ادائیگی مکہ مکرمہ ہی میں ہوگی، باری تعالی کے ارشاد: " هدیا بلغ الکعبة " کی وجہ سے۔

۱۱۔ دوران سفر شوہر کا انتقال ہو جائے تو حج و عمرہ کا حکم۔

کسی عورت نے اپنے شوہر کے ساتھ سفر حج و عمرہ شروع کیا، پھر کسی وجہ سے اسی حالت میں اس کے شوہر نے اس کو طلاق دے دی یا خاوند کا انتقال ہو گیا تو اب اس صورت میں عورت کیا کرے؟ آیا وطن واپس آ جائے، یا اپنا سفر جاری رکھے تو اس سلسلہ میں تاتارخانیہ اور مختصر الطحاوی میں یہ تفصیل ذکر کی گئی ہے:

۱۔ اگر جہاں سے اس کے شوہر کا انتقال ہوا ہے وہاں سے اس کے وطن کی مسافت سفر شرعی ۴۸ میل سے کم ہے تو وہ اپنے وطن واپس آ جائے۔

۲۔ اور اگر اس کے وطن کی مسافت اس جگہ سے سفر شرعی کی مسافت سے زیادہ ہے اور مکہ معظمہ کی دوری کم ہے تو وہ اپنا حج جاری رکھے۔

۳۔ اگر اس جگہ سے دونوں جانب سفر شرعی کی مسافت ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: جہاں سے اس کے شوہر کا انتقال ہوا ہے وہ شہر ہے تو اس میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ بحالت عدت اس کے لئے خروج کسی جانب جائز نہیں، خواہ محرم کے ساتھ یا بلا محرم۔ بعد انقضاء عدۃ نکل سکتی ہے۔

من خرج بزوجته من بلده يريد الحج بها فمات عنها في بلد من البلد ان و بينها و بين بلدها الذي خرجت ثلثة أيام فصاعدا فانها تخرج ما كانت في عدتها فلا بأس أن يخرج إذا انقضت عدتها وهذا قول أبي حنيفة" (مختصر الطحاوی ۲۱۹)۔

جو شخص اپنے شہر سے اپنی بیوی کے ساتھ حج کے ارادے سے نکلا اور وہ شخص کسی شہر میں مر گیا اور اس عورت اور اس کے شہر کے مابین جہاں سے وہ نکلی ہے تین دن، یا اس سے زیادہ کا فاصلہ ہے تو عدت میں نکل سکتی ہے اور کوئی حرج نہیں کہ عدت کے ختم ہونے کے بعد خروج کرے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں محرم کے ساتھ نکلنا جائز ہے، اور اسی قول کو علامہ طحاویؒ نے راجح قرار دیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ شہر جنگل یا دیہات جہاں ہوا سے اپنی جان و مال کا خطرہ در پیش ہو تو ایسی صورت میں عورت مختار ہوگی کہ اپنا سفر جاری رکھے یہاں تک کہ موضع امن کو پہنچ جائے، حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ موضع امن پہنچ جانے کے بعد عدت گذرنے سے قبل سفر جائز نہیں، امام صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ محرم کے ساتھ سفر کر سکتی ہے۔

مذکورہ پوری تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: تاتارخانیہ ۲/۴۳۶، مختصر الطحاوی ۲۱۹، خلاصہ یہ کہ عدت کی حالت میں حج کرنا جائز ہے لیکن گنہگار ہوگی۔

وإن حجت وهي في العدة جاز حجها و كانت عاصية (ارشاد الساری الی مناسک الملاعلی قاری ۳۹)۔

اگر عورت نے بحالت عدت حج کیا تو اس کا حج ادا کرنا جائز ہوگا اور گنہگار ہوگی۔

۱۴۔ چونکہ منیٰ اور مکہ دونوں مستقل آبادیاں ہیں، گو بڑھتے بڑھتے دونوں مل گئی ہیں تو ایسی صورت میں جب تک کسی ایک جگہ پندرہ دن، یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت نہ ہو اس وقت تک آدمی وہاں مقیم نہیں ہو سکتا ہے، لہذا صورت مسئولہ میں مسافر شخص مکہ مکرمہ میں پندرہ یوم قیام سے قبل منیٰ چلا جاتا ہے تو وہ مقیم نہیں ہوگا بلکہ مسافر ہی شمار کیا جائے۔

أو ينوي.....إقامة نصف شهر ...بموضع واحد صالح لها....فيقصر إن نوى الإقامة

في اقل منه اى من نصف شهر او نوى فيه لكن في غير صالح كبحر او جزيرة او نوى فيه لكن بموضعين مستقلين كمكة و منى (درمختار ۱/۵۲۸)۔

۱۳۔ حرم میں وتر کی نماز:

نماز وتر ایک سلام سے ادا کی جائے یا دو سلام سے اس میں شدید اختلاف ہے: حنفیہ کے نزدیک نماز وتر ایک سلام سے پڑھی جاتی ہے، البتہ دوسرے حضرات کے یہاں وتر کی تین رکعت فصل کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، دو رکعت ایک سلام سے پھر ایک رکعت مستقل طور پر پڑھی جاتی ہے۔ اور ہر ایک کے اپنے اپنے دلائل ہیں۔

جمہور ائمہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فعل ہے کہ وتر دو سلام سے پڑھتے تھے اور اپنے اس عمل کا انتساب حضور اکرم ﷺ کی طرف کیا کرتے تھے۔

انه كان يفصل بين شفعة و وتره بتسليمة واخبر ابن عمر أن النبي ﷺ كان يفصل ذلك (آثار السنن بحوالہ معارف السنن شرح ترمذی)۔

نبی اکرم ﷺ شفع اور اس کے وتر کے درمیان فصل کرتے تھے۔

اور حنفیہ کی دلیل حضرت عائشہؓ کی روایت ہے:

أن رسول الله ﷺ كان لا يسلم في ركعتي الوتر (نسائی شریف ۱/۲۴۸)۔

رسول اللہ ﷺ وتر کی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

نیز صحابہ کی ایک بڑی تعداد جس میں حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ شامل ہیں یہ حضرات بھی ایک ہی سلام سے تینوں رکعتیں پڑھتے تھے۔

نیز حضرت عائشہؓ کی روایت کو ترجیح مزید اس وجہ سے بھی ہے کہ حضور ﷺ وتر کی نماز گھر میں پڑھا کرتے تھے اور حضرت عائشہؓ سے زیادہ گھر کی واقفیت کون رکھتا تھا۔

البتہ حرم میں وتر پڑھنے والے حنفی شخص کے لئے باوجودیکہ ہمارا مسلک وصل کے ساتھ پڑھنے کا ہے لیکن جماعت کی فضیلت اور خود حرم میں نماز پڑھنے کی فضیلت کی بناء پر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص مذکور امام حرم کی اقتداء کرے اور فصل کے ساتھ وتر پڑھے۔ جب گنجائش سمجھ میں آتی ہے تو بعد میں اعادہ کی بھی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ کے مسائل

سراج الدین قاسمی
گرمی سلیم پور، مرادآباد

۱۔ حج وعمرہ کی نیت کے بغیر حدود حرم میں داخلہ:

اگر حج یا عمرہ کی نیت سے کوئی شخص حدود حرم میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو باتفاق فقہاء کرام میقات سے احرام باندھنا اس شخص کے لئے ضروری ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کی نیت سے نہیں بلکہ اپنی کسی اور غرض سے مثلاً سیاحت، ملاقات، تجارت وغیرہ سے حدود حرم میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اب میقات سے اس شخص کے لئے احرام باندھنا ضروری ہے کہ نہیں؟ اس سلسلہ میں حضرات ائمہ کرام کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی میقات سے احرام باندھ کر داخل ہونا ضروری ہے، امام شافعیؒ کا ایک قول یہی ہے لیکن ان کا راجح ترین قول یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس شخص کو میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں ہے۔

۲۔ کثرت آمد و رفت کی وجہ سے احرام کی پابندی سے مستثنیٰ:

صورت مسئولہ میں امام شافعیؒ کے مذہب کی بنیاد پر تو کوئی دقت اور پریشانی ہے ہی نہیں کیونکہ ان کے نزدیک صرف حج یا عمرہ کے لئے احرام ضروری ہے، لیکن امام ابوحنیفہ وغیرہ حضرات کے مذہب کی بناء پر پریشانی یہ ہے کہ اگر ہر مرتبہ احرام باندھتے ہیں تو احرام باندھنا اور پھر اس احرام کو کھولنے کے لئے ارکان عمرہ ادا کرنا یہ بڑا مشکل مسئلہ بن جائے گا جبکہ دن میں بار بار حدود حرم آنا جانا ہوتا ہے، اور اگر احرام نہیں باندھتے ہیں تو پھر بغیر احرام حدود حرم میں داخلہ کی وجہ سے ہر بار دم جنایت لازم ہوگا، یہ بھی ایک بہت بڑی پریشانی ہے، لہذا ایسی صورت حال میں عدول عن المذہب یعنی امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے ایسے حضرات کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے اور احرام نہ باندھنے کی گنجائش دی جا سکتی ہے۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع یا قران:

اہل مکہ اور داخل میقات رہنے والے حضرات اگر حج تمتع یا قران کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کر سکتے ہیں اور دم جنایت بھی نہیں ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان حضرات کو تمتع یا قران کرنے کی اجازت نہیں ہے صرف حج افراد ہی کر سکتے ہیں، لیکن اگر اس کے باوجود یہ حضرات تمتع یا قران کر لیتے ہیں تو پھر احناف کے مفتی بہ قول پر یہ تمتع یا قران جائز تو ہو جائے گا لیکن اس تمتع یا قران کے کرنے کی

وجہ سے گناہ ہوگا اور دم جنایت لازم ہوگا۔

۴۔ اہل مکہ کی ایک مشکل کا شرعی حل:

احناف کے مذہب پر اشہرِ حج شروع ہو جانے کے بعد اس مکی آدمی کے واسطے پریشانی ہے جو اسی سال حج بھی کرنا چاہتا ہے، پریشانی یہ ہے کہ اب یہ آدمی اگر اپنی کسی ضرورت سے مکہ سے باہر جا کر واپس آئے گا تو احرام باندھ کر آنا ضروری ہے، پھر اس احرام کے کھولنے کے لئے اس کو ارکان عمرہ ادا کرنا پڑیں گے تو اب اس کا ہونے والا حج تمتع ہو جائے گا جو ممنوع ہے، جس کی وجہ سے دم جنایت لازم ہوگا اور اگر احرام نہیں کھولتا ہے تو اس کا ہونے والا حج قران ہو جائے گا جو کہ ممنوع ہے، نیز اس صورت میں حالت احرام میں باقی رہنے کی وجہ سے اور مزید پریشانیاں سامنے آجائیں گی، اور اگر بغیر احرام کے مکہ میں آتا ہے تب بھی بغیر احرام کے دخول حرم کی وجہ سے دم جنایت لازم ہوگا، اور اس کو پابند کرنا کہ اشہرِ حج شروع ہونے کے بعد حج کرنے تک مکہ سے باہر نہ جائے یہ تکلیف ما لا یطاق ہے جو کہ درست نہیں ہے، لہٰذا ان تمام مشکلات اور پریشانیوں کا شرعی حل صرف یہ ہے کہ عدول عن المذہب کیا جائے یعنی امام شافعی کے مذہب کو اختیار کیا جائے۔

لیکن اب اس کی دو شکلیں ہیں: ایک تو یہ ہے کہ امام شافعی کے مذہب کے مطابق مکی کے لئے حج تمتع و قران کی اجازت دے دی جائے، دوسری شکل یہ ہے کہ بغیر احرام کے دخول کی اجازت دیدی جائے۔

خاکسار کے نزدیک دوسری شکل کو اختیار کرنا زیادہ مناسب اور سہل معلوم ہوتا ہے، کیونکہ پہلی شکل کے مطابق اجازت دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ اب جب بھی یہ مکی آدمی مکہ سے باہر آ کر مکہ میں داخل ہوگا تو احرام باندھنا ضروری ہوگا اور پھر ارکان عمرہ ادا کرنے ہوں گے جس کے لئے کچھ نہ کچھ وقت ضرور درکار ہوگا، پھر اس کا حج تمتع یا قران ہو جائے گا اور اس پر دم شکر واجب ہوگا۔

اور اگر دوسری شکل کو اختیار کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اس مکی آدمی کو باہر سے مکہ آتے وقت بغیر احرام کے آنے کی اجازت ہے تو اس میں کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا ہے۔

بہرحال صورت مسئولہ میں امام شافعی کے مذہب پر احرام نہ باندھنے کی گنجائش دی جائے گی۔

۵۔ آفاقی متمتع حج کے احرام سے پہلے مزید عمرے کرسکتا ہے:

صحیح بات یہ ہے کہ حج سے پہلے مزید عمرے کرسکتا ہے جتنے چاہے کرسکتا ہے اور اس کے حج تمتع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، چنانچہ اگر ایک کے بعد دوسرا عمرہ کرلیا تو دوسرے کے ذریعہ تمتع درست ہو جائے گا اور اگر دوسرے کے بعد تیسرا عمرہ کرلیا تو تیسرے کے ذریعہ تمتع ہو جائے گا یعنی جو عمرہ حج سے متصل ہوگا اسی کے ذریعہ تمتع درست ہو جائے گا۔

۶۔ رمی جمرات میں نیابت:

(الف) واضح رہے کہ فی نفسہ رمی جمرات میں نیابت درست ہے۔

(ب) یہ نیابت ہر شخص کے لئے جائز نہیں ہے بلکہ صرف مجبور و مریض کے لئے درست ہے، اور صرف ازدحام اور بھیڑ کا ہونا جس کی وجہ سے کچھ پریشانی آتی ہے، صحیح سالم خاص طور سے نوجوانوں کے لئے عذر و مجبوری نہیں کہلائے گی بلکہ اس عذر و مجبوری کا معیار یہ ہے کہ اگر مقام رمی پر رمی جمرات کی جائے تو جان کا خطرہ ہو یا ایمان کا خطرہ ہو جیسے کہ کوئی بوڑھا ہے یا اپاہج ہے کہ اگر وہ مقام پر جا کر رمی کرتا ہے تو ازدحام کی وجہ سے خطرہ ہے کہ یہ صاحب واپس ہی نہ آپائیں گے بلکہ ہو سکتا ہے کہ جان سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں۔ اسی طریقہ سے عورت کہ وہ ازدحام کے باوجود رمی جمرات تو کر سکتی ہے لیکن اس کو اپنے ایمان کا خطرہ ہے تو ایسی حالت میں نیابت درست ہے، محض کسل اور سستی کی وجہ سے نیابت جائز نہیں ہے۔

۷۔ حکومت کی اجازت کے بغیر احرام باندھنا اور حالت احرام میں گرفتاری:

سعودیہ میں مقیم غیر ملکی جو حکومت کی اجازت کے بغیر احرام باندھ کر حکومت کی گرفت میں آگیا اور اس کو واپس کر دیا گیا تو وہ احصار کی دو قسموں میں سے دوسری قسم میں داخل ہوگا، کیونکہ اس کو جو احصار پیش آیا ہے وہ اللہ کے حق کی وجہ سے نہیں بلکہ بندہ کے حق یعنی حکومت وقت کے حق کی وجہ سے پیش آیا ہے، بایں طور کہ حکومت نے اجازت نہیں دی تھی اور اس نے احرام باندھ لیا تو اب حکومت کو معلوم ہوا تو اس نے اس کو روک دیا اور پھر اس کو روکنے کا پورا حق حاصل ہے، جیسا کہ عورت اور غلام اپنے شوہر یا آقا کی اجازت کے بغیر احرام باندھ لیں اور ان کو روک دیا جائے۔

چنانچہ اب یہ محصر فی الفور بغیر ہدی کے احرام کھول دے گا، یعنی الحال حلال ہونے کے لئے ہدی ضروری نہ ہوگا، نیز حلق و تقصیر بھی ضروری نہ ہوگا، البتہ اگر کرائے گا تو بہتر ہوگا اور اس پر دم احصار ضرور آئے گا جو بعد میں کبھی بھی ادا کر دے گا۔

نیز احصار ختم ہو جانے کے بعد اس محصر پر قضا بھی ضروری ہوگی، اگر اس نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا تو صرف عمرہ کی قضا کرے گا، اور اگر حج کا احرام باندھا تھا تو ایک حج اور ایک عمرہ کی قضا ہوگی، اور اگر یہ قارن تھا تو ایک حج اور دو عمرے کی قضا ضروری ہوگی۔

اور احصار ختم ہو جانے کے بعد اگر حج کا وقت باقی ہے اور یہ محصر اسی سال حج کرنا چاہتا ہے تو پھر اسی سال حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے گا اور صرف حج ادا کرے گا، عمرہ ضروری نہ ہوگا، نیز اب قضا کی نیت بھی ضروری نہ ہوگی۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب:

موجودہ زمانہ میں حجاج کرام کی غیر معمولی کثرت و ازدحام، موسم کی شدت، مذبح کی دوری، سواری کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے عموماً سب کے لئے اور خصوصاً کمزوروں کے لئے مذبح جا کر از خود قربانی کرنا بہت مشکل ہو چکا ہے تو عام طور پر ایسا کیا جاتا ہے کہ دوسروں کو قربانی کرنے کی ذمہ داری سپرد کر دی جاتی ہے اور قربانی کا وقت مقرر کر کے بتا دیا جاتا ہے، لیکن دوسرے حضرات اس مقررہ وقت کا یا تو لاابالی پن کی وجہ سے خیال نہیں کرتے یا ان کے مسلک کے اعتبار سے تقدیم و تاخیر درست ہوتی ہے تو اس وجہ سے یہ حضرات قربانی کو موخر کر دیتے ہیں جبکہ ادھر

قیام گاہ پر اس مقررہ وقت کی وجہ سے حاجی یہ سمجھ کر کہ قربانی ہو چکی ہے حلق کرا لیتے ہیں حالانکہ قربانی ابھی نہیں ہوئی ہوتی ہے بلکہ بعد میں ہوتی ہے تو اب ایسی شکل میں احناف کے مفتی بہ اور راجح قول کے اعتبار سے دم واجب ہوتا ہے جس کی وجہ سے حرج شدید لازم آتا ہے۔

لہٰذا اس مجبوری و پریشانی کے پیش نظر احناف کے قول مرجوح یعنی امام صاحب ہی کی ایک روایت اور حضرات صاحبین و دیگر ائمہ ثلاثہ کے قول کو اختیار کر لینے کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے اور ترتیب کے ترک پر دم کے عدم وجوب کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔

۹۔ حج بدل میں تمتع وقران:

صورت مسئولہ کا حکم یہ ہوگا کہ آج کے دور میں جبکہ حج تمتع کا رواج پڑ چکا ہے اور افراد یا قران بہت کم ہو چکا ہے، کسی کو حج بدل کے لئے بھیجنا عرفاً تمتع ہی تصور کیا جائے گا۔

(الف) آمر کی اجازت سے حج بدل کرنے والا حج تمتع کر سکتا ہے۔

(ب) حج بدل کرنے والا آمر کی صریح اجازت کے بغیر (کنایۃً اجازت کے ساتھ) حج تمتع کر سکتا ہے۔

(ج) آمر سے مامور نے صریح اجازت نہیں لی لیکن حج بدل کرنے والا یہ غالب گمان رکھتا ہے کہ آمر اس کی اجازت دے دیگا اور دیدیتا ہے تو تمتع کر سکتا ہے (مستفاد احسن الفتاویٰ ۴/۵۲۳)۔

(د) بعض فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دم تمتع اگر بخوشی ادا کرے تو پھر یہ دم آمر پر ہی آئے گا، اسی طریقہ سے تمتع کی اجازت کے ساتھ ساتھ اگر آمر مامور کو دم تمتع خود ادا کرنے کی بھی اجازت دیدیتا ہے تب بھی دم تمتع آمر پر ہی آئے گا پھر یہ اجازت آمر نے صراحۃً دی ہو یا کہ عرفاً و کنایۃً اجازت ہر دو شکلوں میں دم تمتع آمر ہی کے مال میں سے دیا جائے گا جیسا کہ آج کل تمتع کا رواج ہو چکا ہے تو عرفاً آمر کی طرف سے دم تمتع کی بھی اجازت سمجھی جائے گی۔

الاشباہ میں ہے: لأن المعروف كالمشروط (الاشباہ والنظائر ۱/۱۵۶)۔

(ہ) اس سلسلہ میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر میت نے وصیت ہی حج تمتع کی کی تھی اور اس کے ثلث مال میں اس کی وسعت بھی ہے تو حج عن المیت میں حج تمتع ہی کرنا ضروری ہوگا۔

اور اگر وصیت تو تمتع کی نہیں کی البتہ موصی کو تمتع کی اجازت دے دی تھی تو تب بھی تمتع کی اجازت ہوگی، اسی طرح اگر صراحۃً اجازت تو میت نے نہیں دی تھی لیکن عرف و رواج حج تمتع ہی کرنے کا ہو تو وہاں پر بھی حج عن المیت میں تمتع کی گنجائش ہوگی، یعنی حج عن المیت کا حکم اس سلسلہ میں حج بدل کی طرح ہوگا کیونکہ حج عن المیت حج بدل ہی کی ایک شکل ہے۔

۱۰۔ حیض یا نفاس کی حالت میں طواف زیارت کا حکم:

(الف) اس عورت کے لئے گنجائش ہے کہ اسی حالت میں طواف زیارت کرے، ضابطہ مشہور ہے:

الضرورات تبیح المحظورات۔

(ب) ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرنے سے رکن ادا ہو جائے گا البتہ گناہ ہوگا جس کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔

(ج) دم میں بدنہ یعنی بڑا جانور ذبح کرنا ہوگا، بکری یا بکرا کافی نہیں ہوگا۔

(د) اور دم کی ادائیگی مکہ ہی میں ضروری ہے، کما قال الزیلعی: کل دم یجب علی الحاج یختص بالحرم لقوله تعالى هديا بالغ الكعبة و لا تحلقوا رؤوسكم الآية (زیلعی ۲؍۹۰)۔

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں اگر شوہر کا انتقال ہو جائے:

تمام تفصیلات دیکھنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مقام وفات سے اگر مکہ مسافت سفر سے کم اور گھر مسافت سفر پر ہو یا دونوں کم کم ہوں تو باتفاق حنفیہ عدت ہی میں حج یا عمرہ کرنے کی اجازت ہے، اور اگر دونوں مسافت سفر پر ہوں تو پھر امام صاحب کے نزدیک اجازت مطلقاً نہیں اور صاحبین کے نزدیک محرم کے ساتھ ہونے پر اجازت ہے ورنہ تو نہیں۔

اسی کے ساتھ یہ بات پیش نظر رہے کہ اگر اس سال یہ خاتون حج یا عمرہ نہ کر پائے جس کا احرام باندھ کر چکی تھی تو آئندہ اس کی قضا ضروری ہوگی۔

۱۲۔ مکہ اور منٰی دونوں جگہ پندرہ یوم قیام کی نیت سے مقیم ہوگا کہ نہیں؟

صورت مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ مکہ اور منٰی کی آبادی اگر اتنی متصل ہو چکی ہے کہ مذکورہ مقدار سے کم فاصلہ باقی ہے تو یہ آدمی مقیم ہو جائے گا اور اگر اتنی مقدار سے زائد فاصلہ ہے تو یہ آدمی مقیم نہیں بلکہ مسافر شمار ہوگا۔

۱۳۔ وتر کی نماز میں شافعی المسلک امام کی اقتداء کا مسئلہ:

صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ جماعت وتر میں کے ثواب کو پانے کے واسطے ابوبکر رازی کی روایت اور دیگر روایات پر عمل کرتے ہوئے شافعی المسلک امام کی یہاں پر اقتدا کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حج وعمرہ کے مسائل

مولانا عبدالرشید القاسمی، رجوپور

۱۔ فقہائے احناف اس پر متفق ہیں کہ آفاقی کو بلا احرام جانا جائز نہیں خواہ حج یا عمرہ یا ضرورت متکررہ یا غیر ضرورت متکررہ کے لئے جانا چاہے۔

۲۔ فقہائے احناف متفق ہیں کہ میقات سے باہر رہنے والے کو بلا احرام مکہ اور حدود حرم میں جانا جائز نہیں، چاہے ضرورت متکررہ ہو یا غیر ضرورت متکررہ ہو، اور اہل میقات کے لئے ضرورت متکررہ کی وجہ سے بلا احرام جانا جائز ہے۔

دلائل: جناب رسول کریم ﷺ نے حطابین اور اصحاب فواکہ وغیرہ کو بلا احرام جانے کی اجازت فرمائی ہے کیوں کہ ان لوگوں کو احرام باندھنے میں مشقت اور حرج ہے اور حرج ومشقت میں ڈالنا شریعت کے منافی ہے۔

نیز جناب رسول کریم ﷺ نے حضرت معاذ سے فرمایا "یسروا ولا تعسروا" آسانی پیدا کرنا اور مشقت میں نہ ڈالنا۔

حضرت امام شافعی کا ایک قول جس کو علامہ نووی اور علامہ سید سابق اور حضرت شیخ الحدیث رحمہم اللہ نے مفتی بہ بتلایا ہے، نیز امام مالک کی ایک روایت اور امام احمد ابن حنبل اور سفیان ثوری اور صاحبین اور امام ابوحنیفہ اور فقیہ ابواللیث اور امام ابوعمرو کے بقول فقہاء امصار میں کچھ اختلاف نہیں، اور حضرت شہاب زہری، حسن بصری، ابن وہب، داؤد ابن علی اور اہل ظاہر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا مذہب یہ ہے کہ میقات سے باہر رہنے والے کو رات دن میں بکثرت ضرورت متکررہ کی بناء پر بلا احرام مکہ جانا جائز ہے۔

ان تمام جلیل القدر ائمہ کے دلائل یہ ہیں:

(۱) جناب رسول کریم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں تشریف لائے اس حال میں کہ آپ کے سر مبارک پر کالا عمامہ تھا، دوسری روایت میں ہے کہ آپ کے سر مبارک پر مغفر تھا، یہ دلیل فقہاء احناف کی دلیل سے علیحدہ ہے۔

(۲) جناب رسول اللہ ﷺ نے مواقیت کو انھیں لوگوں کے لئے مقرر فرمایا ہے جو ان سے حج یا عمرہ کی نیت سے گذریں، لہٰذا اس صورت میں احرام کا باندھنا واجب ہوگا اور جو حج یا عمرہ کی نیت سے ان مواقیت سے نہ جائے بلکہ کسی ضرورت کی بناء پر جائے تو بلا احرام جانا جائز ہو۔

(۳) جناب رسول اللہ ﷺ نے حطابین اور اصحاب فواکہ اور غلہ وغیرہ لے جانے والے کے لئے بلا احرام داخل ہونے کی اجازت دی ہے کیونکہ ان پر احرام کا واجب کرنا حرج عظیم اور مشقت میں ڈالنا ہے۔

لہٰذا فقہائے احناف کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ اہل مواقیت کو اسی دلیل اور علت کی بناء پر بلا احرام جانے کی اجازت دی گئی ہے، قابل غور طلب بات یہ ہے کہ فقہائے احناف کی جو علت ہے وہی علت بقیہ تمام ائمہ کی بھی ہے، لہٰذا علت اور دلیل ثالث دونوں مشترک ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ احناف نے حطابین کی جو اجازت دی ہے اس میں اہل مواقیت کو مستثنیٰ کر دیا ہے، اور مستثنیٰ کی وجہ بھی یہ ہے کہ اہل مواقیت ہی کو بکثرت مکہ میں جانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

لہذا صورت مسئولہ نمبر (۱) میں جن ضرورتوں کو بیان کیا گیا ہے مثلاً تجارت، ملاقات وغیرہ، اور صورت مسئولہ نمبر (۲) میں جن ضرورتوں کو بیان کیا گیا ہے ان کے اندر بعینہ یہی علتیں پائی جارہی ہیں، اور بقیہ ائمہ خصوصاً حضرت امام شافعی کے مطابق دلیل اور علت یہ عام ہے، چاہے میقات کا باشندہ ہو یا مکہ کا یا میقات کے اندر یا باہر کا یا کسی اور شہر کا، جب ضرورت متکرر ہ پائی جائے گی تو اس صورت میں بلا احرام مکہ اور حدود حرم میں جانا جائز ہے، لہذا ٹیکسی ڈرائیور، ٹینکر ڈرائیور، ملازمین اور تجارتی کمپنیوں کے ایجنٹوں وغیرہ کو بلا احرام جانا جائز ہے۔

نیز سوال نمبر (۱) میں ملاقات یا تجارت کی غرض سے جانے کی بات کہی گئی ہے، لہذا حضرات شوافع کے نزدیک احرام باندھنا مستحب ہے، اور امام مالک اور احمد ابن حنبل کے نزدیک احرام ضروری ہے۔

لہذا اگر صرف ملاقات یا کبھی کبھار تجارت کے لئے جاتا ہے تو بلا احرام جانا جائز نہیں ہے۔ اور سوال نمبر (۲) میں جو ضرورتیں بیان کی گئی ہیں ان میں بلا احرام جانا جائز ہے۔

اجازت کی حد یہ ہے کہ ڈرائیور، ایجنٹ اور ملازم حضرات دن میں تین یا چار چکر لگائیں یا روزی آمد ورفت کریں یا ہر دوسرے دن آئیں، ان شکلوں میں بلا احرام مکہ اور حدود حرم میں داخل ہونا جائز ہے، اور اگر ہفتہ میں ایک مرتبہ یا پندرہ روز وغیرہ کے بعد جانے کی ضرورت پڑتی ہے تو بلا احرام جانا جائز نہیں، کیوں کہ اس صورت میں حرج اور مشقت نہیں ہے، اور جناب رسول اللہ ﷺ نے بلا احرام جانے کی اجازت فرمائی ہے اس میں [illegible]

۳۔ امام اعظم اور بعض تابعین کے نزدیک تمتع صرف آفاقیوں کے لئے جائز ہے، مکی اور جو مکی کے حکم میں ہیں ان کے لئے تمتع کی اجازت نہیں بلکہ فقہائے احناف نے تو اس گنجائش کو بھی خارج از امکان کردیا کہ حدود میقات کے اندر تک رہنے والوں کے لئے بھی تمتع کی اجازت نہ ہوگی، اور امام شافعیؒ کے نزدیک تمتع مکی اور غیر مکی سب کے لئے جائز ہے۔

آیت مذکورہ "ذلک لمن لم یکن ...... الآیۃ" کی تفسیر میں اختلاف ہوا ہے، ذلک کا مشار الیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "قرآن تمتع" ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "ذلک" کا اشارہ وجوب قربانی ہے، نیز حاضری المسجد الحرام سے مراد امام اعظم کے نزدیک مکہ اور جوار مکہ اور حدود میقات کے اندر تک رہنے والے ہیں، اور امام شافعی کے نزدیک حاضری المسجد الحرام سے مراد مکہ سے قصر نماز کی مسافت تک رہنے والے ہیں۔

لہذا یہ ایک امر مجتہد ہے یعنی مکہ مکرمہ میں مقیم شخص کے لئے سہولت کی اجازت دی جائے، وہ یہ ہے کہ مکی اور مقیم شخص کے لئے تمتع کی گنجائش ہے اگر تمتع کرنا چاہے تو کرسکتا ہے لیکن اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ تمتع نہ کرے اس لئے کہ تمتع کی معنی فائدہ اٹھانے کے ہیں، اور اصطلاح فقہ میں تمتع کہتے ہیں دو افعال کو ایک ہی سفر میں ادا کرنا، لہذا آفاقی کے لئے تمتع جائز ہے بلا کسی اختلاف کے مگر مکی اور مقیم شخص کے لئے تمتع کی گنجائش ہے۔

(۱) یہ بات واضح ہے کہ مسلک احناف میں تمتع صرف آفاقیوں کے لئے ہے مکی اور مقیم شخص کے لئے تمتع کی اجازت نہیں بلکہ فقہائے احناف نے تو اس گنجائش کو بھی خارج از امکان کردیا کہ حدود میقات کے اندر تک رہنے والوں کو بھی تمتع کی اجازت نہیں۔

(۲) آیت مذکورہ کی تفسیر میں اختلاف ہوا ہے، امام اعظم کے نزدیک "ذلک" کا مشار الیہ قرآن تمتع ہے، اور

امام شافعی کے نزدیک "ذٰلک" کا اشارہ وجوب قربانی ہے۔

(۳) حاضری المسجد الحرام سے مراد حنفی کے نزدیک مکہ ، جوار مکہ اور حدود میقات کے اندر تک رہنے والے ہیں، اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک حاضری المسجد الحرام سے مراد مکہ سے قصر مسافت تک رہنے والے ہیں۔

(۴) "ولیس لاھل مکۃ تمتع ولا قران وانما لھم الافراد خاصۃ" تمام کتب حنفیہ کا متن یہی ہے اس متن میں تین احتمال ہیں:

پہلا احتمال یہ ہے کہ مکی اور مقیم شخص کے لئے تمتع اور قران جائز نہیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ مکی اور مقیم شخص اشہر حج میں مطلقاً عمرہ نہ کریں۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ مکی اور مقیم شخص نے تمتع کر لیا تو جائز ہے مگر تمتع کی فضیلت سے محروم رہیں گے۔

۵۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال. استدلال تو وہی صحیح ہے جس میں احتمال نہ ہو اور جب احتمال ہو گیا تو استدلال باطل ہو جائے گا، پھر یہ احتمال حضرات فقہاء نے پیدا کئے ہیں جن کی دقیقہ نظری اہل دنیا کو مسلم ہے پھر اگر باطل نہ کہا جائے تو کم از کم استدلال مضبوط نہیں رہے گا۔

(۶) علامہ ابن امام کے بھی دو قول ہیں قول اول جواز کا اور قول ثانی عدم جواز کا، لہذا مشہور قول اور راجح عدم جواز کا ہے اور مرجوح اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ مکی اور مقیم شخص کو تمتع کی اجازت ہے۔

(۷) لہذا سوال نامے میں جس تنگی اور دشواری کی بات کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اشہر حج میں مکہ مکرمہ میں مقیم شخص کو پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں اور ان پریشانیوں کو دور کیا جا سکتا ہے ائمہ ثلاثہ اور غیر مفتی بہ اقوال پر عمل کر کے لہذا مکی اور مقیم شخص کے لئے تمتع اور قران کی گنجائش ہے۔

۳۔ حنفی مقیم کا اشہر حج میں میقات سے باہر جانا:

مکہ مکرمہ میں مقیم جو حضرات حج کا ارادہ رکھتے ہیں اگر وہ اپنی کسی ایسی ضرورت سے اشہر حرم میں میقات کے باہر گئے جس میں تکرار پائی جاتی ہو مثلاً ڈرائیور یا ملازمت یا ایجنٹ کے قبیل سے ہو پھر وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے لگے تو یہ ان کے حق میں ناقابل تحمل مشقت موجود ہے اور چونکہ ان حضرات کو اسی سال حج بھی کرنا ہے لہذا ان حضرات کو امام شافعی کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے یعنی بلا احرام مکہ میں واپس بھی آ جائیں اور تمتع بھی کر لیں، جواز کی تفصیلات سوال نمبر (۱،۲،۳) میں گذر چکی ہیں لہذا بلا کسی کراہت کے واپس آنا جائز ہے، اور اس اجازت کی اصل علت مشقت اور حرج ہے، اور مشقت و حرج کی بناء پر حضرت امام شافعی نے اجازت دی ہے۔

امام دار الہجرۃ امام مالک" کے نزدیک بھی بلا احرام داخل ہونے کی اجازت ہے فرماتے ہیں کہ کوئی مکہ سے نکلا اور قریب کی جگہ سے ضرورت پوری کر کے لوٹ آیا تو بلا احرام مکہ جانا جائز ہے۔

لہذا مکہ میں مقیم حنفیوں کے لئے جو مشکل بیان کی گئی ہے اس میں کثرت دخول اور ضرورت متکررہ اور حرج و مشقت پائی جا رہی ہے اس بناء پر اس کے لئے امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک بلا احرام میقات سے واپس آنا اور مکہ میں جانا اور تمتع یا قران کرنا جائز ہے کیونکہ احرام کی صورت میں اس شخص پر ناقابل تحمل مشقت اور حرج ہے۔

۵۔ امام بخاریؒ نے بخاری میں "باب من اعتمر قبل الحج" قائم کیا ہے اور کتب حنفیہ میں مفتی بہ قول یہی ہے کہ سال کے سوائے پانچ دنوں کے تمام دنوں میں عمرہ کرنا جائز ہے، نیز حضرات شوافع اور حنابلہ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے بلکہ شوافع کے نزدیک تو یہ بھی جائز ہے کہ اگر کوئی شخص ایک دن میں کئی بار عمرہ کرے تو جائز ہے۔ احناف اور شوافع اور حنابلہ کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ جس میں آپ نے حضور اکرم ﷺ کے حکم سے ایک ماہ میں دومرتبہ عمرہ کیا، نیز صحیحین کی دو حدیثیں اور ہیں: اعتمر ﷺ اربع عمر الخ. العمرة إلى العمرة، یہ اور بات ہے کہ دلیلوں میں سب سے قوی دلیل حدیث عائشہ ہے، اور دوسرے دلائل اتنے واضح نہیں ہیں لہٰذا تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج سے پہلے جمہور کے نزدیک مزید عمرہ کرسکتا ہے پوری پوری گنجائش ہے۔

۶۔ الف: عمل رمی میں دوسرے شخص کو نائب بنا سکتے ہیں۔

ب: رمی میں نیابت صرف مریض اور معذورین اور ازدحام کے خوف سے ہو سکتی ہے محض کسل اور آرام پسندی کی وجہ سے نائب بنانا جائز نہیں ہے۔

۷۔ سوالنامہ میں سعودی عرب میں رہنے والے غیر ملکیوں کے لئے بھی حج کرنے کی حکومت سے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے اور بعض لوگ حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرے کا احرام باندھ لیتے ہیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دئے جاتے ہیں، اس پریشانی کا ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا ایسے لوگ بھی اصحاب میں سے عبداللہ ابن مسعود، ابن عباس، زید ابن ثابت اور تابعین میں سے عطاء، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری نیز فقہائے احناف کے نزدیک محصر کے حکم میں ہیں، کیونکہ علامہ ابن ہمام اور علامہ شامی وغیرہ نے یوں فرمایا ہے: أي السلطان إذا منعه من مقصده فهو محصر" یعنی جب بادشاہ اس شخص کو اس کے مقصد سے روک دے تو محصر ہو گیا لہٰذا غیر ملکیوں کو حکومت جو بلا اجازت ہونے کی بناء پر روک دیتی ہے تو یہ محصر کے حکم میں ہے (فتح القدیر ۳/۱۲۵) نیز اختلاف مسالک میں یہ بات گذر چکی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اسباب احصار مختلف ہیں ان میں سے سبب عدو بھی ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی سبب احصار عدو ہے، لہٰذا حکومت کا غیر ملکیوں کو حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دینا یہ متفقہ سبب ہے، اب رہا مسئلہ کہ یہ کیسے ختم ہوگا تو احناف کے نزدیک حل یہ ہے کہ حرم میں ہدی بھیج دے اور ذبح کا وقت متعین کرلے، نیز اسی وقت میں حلال ہو جائے اور شوافع کے نزدیک مسئلہ آسان ہے کہ وہیں ذبح کرے حلق یا قصر بھی کرائے، لیکن اگر کوئی اس صورت میں ہو کہ نہ ہدی بھیج سکتا ہے اور نہ ہدی کا انتظام کرسکتا ہے، تو اس صورت میں امام ابو یوسف کے مسلک پر عمل کرے گا کہ صرف حلق کرا کر حلال ہو جائے گا اور آئندہ سال قضاء کرے گا۔

۸۔ کیا ترتیب بین الرمی والذبح والحلق واجب ہے:

پہلے مذاہب اربعہ ملاحظہ فرمائیں۔

مذہب امام ابو حنیفہ:

امام اعظم کے نزدیک ترتیب واجب ہے اور اس ترتیب کے عمداً یا سہواً یا جہلاً ترک کرنے پر دم واجب ہے البتہ طواف زیارت کسی پر مقدم کرنے کی وجہ سے کوئی دم نہیں ہے۔

امام سرخسی اپنی مشہور کتاب مبسوط سرخسی میں مسلک امام اعظم کی یوں ترجمانی فرماتے ہیں:

من قدم نسکاعلی نسک کان حلق قبل الرمی أو نحر القارن قبل الرمی أو حلق قبل الذبح فعلیه دم عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ (مبسوط سرخسی ۴/۴۱-۴۲)۔

مذہب امام مالکؒ:

اگر قارن نے حلق کو رمی پر مقدم کیا تو دم واجب ہے لیکن اگر حلق کو نحر پر مقدم کیا یا نحر کو رمی پر مقدم کیا تو کچھ واجب نہیں، اور اگر طواف زیارت کو رمی پر مقدم کیا تو درست نہ ہوگا لہٰذا پہلے رمی کرے پھر نحر کرے پھر طواف زیارت۔

فإذا قدم الا فاضة علی الرمی أجزأ طوافه و بهذا قال الشافعی و قال مالک لا تجوز الإفاضة و الرمی ثم لینحر ثم لیفض (المغنی ۳/۴۲۸)۔

مذہب شافعیہ وحنابلہ:

حضرات شوافع اور حنابلہ کی راجح روایت یہ ہے کہ رمی، قربانی اور حلق کا وقت یوم النحر کے نصف لیل سے ہو جاتا ہے، لیکن سنت رمی کو مقدم کرنا ہے پھر قربانی پھر حلق پھر طواف افاضہ۔

وقال الشافعیة والحنابلة فی الراجح من الروایتین عندهم یدخل وقت الرمی و الذبح والحلق بنصف لیلة النحر لکن السنة تقدیم الرمی فنحر فحلق فالطواف إلافاضة (الفقہ الاسلامی ۳/۲۰۹)۔

۹۔ الف۔ حج بدل کرنے والے کو جب تک آمر حج قران یا تمتع کی اجازت نہ دیدے مامور کو حج قران یا تمتع کرنا جائز نہ ہوگا۔

ب۔ حج بدل کرنے والے کو آمر نے قران اور تمتع کی اجازت دیدی ہے خواہ اجمالاً ہی دی ہو مثلاً بایں طور کہ تم کو اختیار ہے کہ میری طرف سے جس طرح چاہو حج بدل کرآؤ تو اس صورت میں مامور کو حج تمتع اور قران دونوں کرنا جائز رہےگا۔

ج۔ مامور نے تمتع کی صریح اجازت نہیں لی لیکن حج بدل کرنے والے کا ظن غالب ہے کہ آمر اس کی اجازت دیدیگا تو تمتع کرنا جائز ہے۔

د۔ باذن الآمر یا بدون اذن الآمر تمتع کرنے کی صورت میں دم تمتع کے بارے میں فرق ہے۔ اگر آمر نے صرف تمتع کی اجازت دی ہے تو دم تمتع مامور کے مال میں سے ہوگا اور اگر دم تمتع کی بھی اجازت دی تو دم تمتع آمر کے مال میں سے ہوگا۔

ھ۔ اگر حج بدل کرنے والے کے لئے آمر کی اجازت سے بھی تمتع کی گنجائش نہ ہو تو بھی حج بدل کرنے والا تمتع کرسکتا ہے کیونکہ آج حکومت کے قوانین شدید تر ہیں ہر شخص سفر کا خود مجاز نہیں ہے پھر احرام کی پابندیوں کا جھیلنا انتہائی دشوار ہے لہٰذا بلا اجازت آمر تمتع کرنے کی گنجائش ہے۔

و۔ حج من المیقات کی صورت میں تمتع کی گنجائش دو حال سے خالی نہیں:

ا۔ اگر وصیت کی ہے مگر تہائی ترکہ بعد ادائیگی حقوق میت کے مکان سے کافی نہ ہو تو خارج میقات سے بھیجنا کافی ہوگا، نیز جس حج کی وصیت کی ہے مامور پر وہی لازم ہوگا۔

۲۔ ہاں اگر ورثاء اپنے ذاتی مال سے تبرع کے طور پر حج بدل کرا رہے ہیں تو ورثاء کی اجازت سے تمتع کی گنجائش ہوگی چونکہ اس زمانے میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع کا اذن ثابت ہے اس لئے صراحتاً اذن ضروری نہیں۔

۱۰۔ کیا حالت حیض میں طواف زیارت کی گنجائش ہے:

اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ طواف زیارت حج کا رکن ہے بلا اس کے حج ادا نہیں ہوگا کیوں کہ ارشاد باری ہے "ولیطوفوا بالبیت العتیق" امام عبدالبر نے فرمایا کہ حج کے فرائض میں سے طواف زیارت ایک فرض ہے، علماء کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

الف۔ حائضہ اور نفساء کے لئے اجازت ہے کہ ناپاکی کی حالت ہی میں طواف زیارت کرلیں، کیونکہ شریعت اسلامیہ آسانی پیدا کرنا چاہتی ہے نہ کہ دشواری۔

ب۔ حائضہ اور نفساء نے ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرلیا تو رکن ادا ہو جائے گا اور دم لازم ہوگا جیسا کہ حضرات فقہاء نے صراحت کی ہے۔

ج۔ نیز یہ دم جو لازم ہوگا وہ بدنہ یعنی اونٹ، گائے، بھینس وغیرہ ہوگی، بکرا کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

د۔ اور اس دم کی ادائیگی حرم میں ضروری ہے، حرم مکہ سے باہر اگر کہیں دم دیا گیا ہے تو وہ ادا نہیں ہوگا۔

۱۱۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ باب الاحصار میں سے ایک مسئلہ عدت بھی ہے کہ اگر کسی عورت نے حج کا احرام باندھا پھر شوہر نے طلاق دیدی جس سے عدت لازم ہوگئی لہٰذا اب وہ عورت محصرہ کے حکم میں ہوگی اگرچہ وہ مقیمہ ہو یا مسافرہ، نیز اس کے ساتھ کوئی محرم بھی ہو، صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ "او موت محرم" یعنی کوئی عورت کہ اس کا شوہر سفر حج میں انتقال کرگیا تو وہ محصرہ ہوگئی، اب اس کے وطن اور مکہ کے درمیان مسافت سفر کم ہے تو وہ عمرہ کرکے واپس ہو جائے گی اور اگر زیادہ ہے تو وہ محصرہ ہو جائے گی۔

لہٰذا ایسی عورت کے لئے ممکن ہو تو ایک سال رک کر آئے یا آئندہ سال واپس جائے، اگر عذر شرعی کی وجہ سے نہ جاسکے تو حج بدل کی وصیت کرجائے، مگر چونکہ آج کے احوال میں حکومت کے قوانین سخت ہوگئے ہیں اور بہت سی ناقابل برداشت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لہٰذا شوہر کے انتقال کے وقت مکہ معظمہ میں ہو تو عرفات نہ جائے بلکہ افعال عمرہ ادا کرکے حلال ہو جائے اور حلال ہونے کے بعد واپس چلی آئے اور آئندہ سال جاکر قضا کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسافت قصر یا اس سے زائد کا سفر عورت کو بغیر محرم کے یا شوہر کے کرنا جائز نہیں ہے یہ عام اور مطلق ہے، سفر حج میں جانے والی عورت کے لئے بھی ہے، لہٰذا سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو وہ ایام عدت میں عمرہ اور حج ادا کرسکتی ہے، چونکہ آٹھ ذی الحجہ کو جو مناسک حج ادا کرنے کے لئے جانا پڑیگا وہ مسافت قصر سے بہت کم ہوگا اور مخالفت والا حکم جو حدیث پاک سے منقول ہے لاگو نہ ہوگا، کیونکہ منیٰ کا سفر ہوگا تو وہ صرف چار میل کا ہوگا پھر منیٰ، عرفات، مزدلفہ کا سفر ہوگا وہ آٹھ نو میل سے زیادہ کا نہ ہوگا، اسی طرح حدود حرم کے ہر

مقام سے کہیں سے بھی مسافت قصر نہ ہوگی، لہذا اگر عورت مکہ یا جوار مکہ میں ہے اور وہاں شوہر کا انتقال ہوا ہے تو اس کے لئے حج اور عمرہ کرنا جائز ہے کیونکہ اگر روک دیا جائے گا تو وہ بہت سی پریشانیوں میں مبتلا ہو جائے گی، اور اگر عورت مسافت قصر کا سفر یا اس سے زائد کا سفر طے کر کے حج ادا کرے گی تو بھی فریضۂ حج بکراہت ادا ہو جائے گا۔

۱۲۔ کیا منیٰ میں قصر ہے یا اتمام؟

جمہور ائمہ کے نزدیک منیٰ میں قصر سفر کی بناء پر جائز ہے، طے یہ کرنا ہے کہ منیٰ مکہ سے کتنی مسافت پر ہے معلوم ہوا کہ منیٰ چار میل کی دوری پر ہے، لہذا احناف کا اصول یہ ہے کہ اگر پندرہ روز یا اس سے زائد کسی آبادی میں اقامت کی نیت کر لی ہے تو قریب کی آبادی میں قصر نہیں کر سکتا ہے۔ قریب سے مراد اتنی دوری ہے کہ جتنے میں قصر کی اجازت نہ ہو، اور منیٰ مکہ سے چار میل پر ہے، لہذا منیٰ عرفات اور مزدلفہ اور پھر منیٰ میں حاجی کے لئے قصر جائز نہیں ہے اور اگر مکہ میں پندرہ روز قیام نہیں کیا ہے تو ان مذکورہ مقامات پر قصر کرنا جائز ہے، اور ابھی یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ مکی اور جوار مکہ کے باشندوں کے لئے منیٰ میں قصر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حضور نے جو قصر کیا تھا وہ سفر کی بنا پر تھا، اور مکی اور جوار مکہ کے باشندے منیٰ سے قریب ہیں، معلوم ہوا کہ قصر کی علت شرعی بعد ہے، مکی اور جوار مکہ کے لئے یہ شرعی بعد نہیں پایا جاتا ہے، لہذا جو حاجی ایام حج سے پندرہ روز قبل مکہ میں قیام کر چکا ہے وہ مکی کے حکم میں ہے، اسی بنا پر منیٰ وغیرہ میں قصر کی اجازت نہیں ہے، اور اگر پندرہ یوم سے قبل ہی وہ منیٰ چلا جاتا ہے تو چونکہ وہ مسافر شرعی ہے لہذا قصر کرے گا، اور احناف کے اصول کے مطابق جب قریب کی آبادی میں قصر کی اجازت نہیں ہے تو دونوں کے ایک ہو جانے کی بناء پر کیونکر اجازت ہوگی۔ نیز مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص چار روز کہیں قیام کرلے تو نماز پوری پڑھے گا، لہذا چار روز سے قبل کوئی حاجی منیٰ چلا جائے تو قصر کرے گا یہی احناف کا بھی فتویٰ ہے۔

۱۳۔ علامہ ابن ہمام حنفیہ کے ترجمان اور قول راجح اور مفتی بہ کے امین ہیں فرماتے ہیں کہ جماعت اور مجمع کی رعایت میں حنفی مقتدی کے لئے شافعی امام کے پیچھے وتر کی نماز میں دو وجہ سے اقتداء جائز نہیں ہے۔

ایک تو یہ کہ فقہاء احناف کا اس پر اجماع ہے کہ فرض پڑھنے والے کے لئے نفل پڑھنے والے کے پیچھے اقتداء جائز نہیں ہے، اور وتر میں دو مسئلے بنیادی پیش آتے ہیں:

(۱) فقہاء احناف کے نزدیک وتر کی نمازوں میں فصل جائز نہیں ہے، نیز حضرات شوافع کے یہاں عملاً فصل ضروری ہے، بغیر فصل کے کوئی امام اور مقتدی ان کے یہاں وتر کی نماز نہیں پڑھتا ہے۔

(۲) احناف کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے اور شوافع وغیرہ کے نزدیک وتر کی نماز نفل ہے، لہذا شافعی امام بہ نیت نفل امامت کرے گا اور حنفی مقتدی بہ نیت واجب پڑھے گا، اور عملی اعتبار سے احناف کے نزدیک وتر کی نماز واجب بمعنی فرض ہے، لہذا حرمین میں حنفی مقتدی کے لئے بالکل گنجائش نہیں ہے کہ وہ امام اور جماعت اور مجمع کی رعایت میں شافعی امام کے پیچھے اقتداء کریں، کیوں کہ اس میں مذکورہ بالا دونوں خرابیاں پیدا ہوں گی، لہذا حنفی مقتدیوں کو تراویح کے بعد علیحدہ ہو کر منفرداً یا جماعۃً وتر کی نماز پڑھنی ہوگی۔

☆☆☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند حل طلب مسائل

مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مبارکپور اعظم گڑھ

۲،۱۔ آفاقی یعنی میقات سے باہر رہنے والا اگر حدود حرم میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ حج و عمرہ یعنی جیسا موقع ہو، کا احرام باندھ کر حدود حرم میں داخل ہو۔ خواہ حرم میں داخل ہونے کا مقصد حج و عمرہ ہو یا تجارت و ملاقات، یا ان کے علاوہ کوئی اور مقصد ہو۔

ہدایہ میں ہے:

ثم الآفاقی إذا انتهی إلیها علی قصد دخول مكة علیه أن یحرم قصد الحج أو العمرة أو لم یقصد (ہدایہ ۱؍۱۱۲)۔

پھر آفاقی جب اس تک دخول مکہ کے قصد سے پہونچ جائے تو اس پر واجب ہے احرام باندھنا، خواہ قصد حج کا ہو یا عمرہ کا، یا ان دونوں کا قصد نہ ہو۔

امام شافعی کے نزدیک احرام حج و عمرہ کے ارادہ رکھنے والوں کے ساتھ مخصوص ہے، لہذا وہ اس شخص کو بغیر احرام حدود حرم میں داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں جو حج و عمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو، بلکہ اس کی غرض دخول مکہ سے تجارت ہو، یا ملاقات، یا محض سیر و تفریح۔

ان کا استدلال فتح مکہ کے واقعہ سے ہے کہ خود حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ اس کا جواب احناف کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ یہ حضور ﷺ کے خصوصیات میں سے ہے۔ اور اس دن کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسا کہ فتح مکہ کے خطبہ میں خود آپ ﷺ نے صراحت کردی ہے:

إن مكة حرام حرمها الله تعالی یوم خلق السموات والأرض وإنها لم تحل لأحد بعدی وإنما أحلت لی ساعة من نهار ثم عادت حراما إلی یوم القیامة (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۲؍۳۳۵)۔

بے شک مکہ محترم ہے اللہ نے اس کو اسی دن سے محترم بنایا ہے جس دن آسمان و زمین کو پیدا فرمایا، اور وہ میرے بعد کسی کے لئے حلال نہیں بے شک اس کو میرے لئے دن کے ایک ساعت میں حلال کیا گیا، پھر اس کی حرمت قیامت تک کے لئے لوٹ آئی۔

دلائل کے اعتبار سے حنفیہ کا مسلک بالکل قوی اور مضبوط ہے، جیسا کہ دلائل کی تفصیلات سے قدرے وضاحت ہوئی۔ البتہ سوال میں درج حرج و مشقت کے پیش نظر احقر کا رجحان یہ ہے کہ ٹیکسی ڈرائیور، تجارتی سامان لے جانے والے ملازمین، تجارتی کمپنیوں کے ایجنٹوں اور ان لوگوں کے سلسلے میں جن کو بار بار حدود حرم میں آنا جانا پڑتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کے مسلک پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

۴،۳۔ مکہ مکرمہ میں مقیم شخص اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اشہر حج (حج کے مہینے) شروع ہونے کے بعد اس کے لئے عمرہ کرنا درست نہیں ہے۔ یعنی مکی کے لئے تمتع، یا قران کی گنجائش نہیں ہے۔

ہدایہ میں ہے:

(ولیس لأهل مكة تمتع ولا قران وإنما لهم الإفراد خاصة) خلافا للشافعي والحجة عليه قوله تعالى: "ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" ولأن شرعهما للترفة بإسقاط إحدى السفرتين وهذا في حق الآفاقي ومن كان داخل الميقات فهو بمنزلة المكي حتى لايكون له متعة ولا قران. (ہدایہ مع الفتح ۲/۲۲۹)۔

اہل مکہ کے لئے نہ تمتع ہے اور نہ قران، بلکہ ان کے لئے خاص طور سے افراد ہے، اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔ اور حجت ان کے خلاف باری تعالیٰ کا قول: " ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" ہے، اور اس لئے کہ ان دونوں کو شریعت نے دو سفروں میں سے ایک کو ساقط کر دینے کی سہولت کی بنا پر مشروع کیا ہے۔ اور یہ آفاقی کے حق میں ہے اور جو شخص میقات کے اندرون ہو وہ بھی مکی کے درجے میں ہے حتی کہ ان کے لئے نہ تو تمتع ہے اور نہ ہی قران۔

فتح القدیر میں ہے:

ترجمہ: اسی کے موافق وہ بات ہے جو غایۃ البیان کے اندر ہے، وہ یہ کہ اہل مکہ کے لئے نہ تو تمتع ہے اور نہ ہی قران، ان میں سے جو بھی تمتع کرے یا قران کرے اس کے اوپر دم ہے اور وہ دم جنایت ہے، اس کو نہیں استعمال کر سکتا، صحیح روایت ابن عمرؓ سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اہل مکہ کیلئے نہ تو تمتع ہے اور نہ قران، اور صاحب تحفہ نے عرض کیا کہ باوجود اس کے کہ اگر تمتع کر لیتا ہے تو درست ہے، البتہ گنہگار ہوگا اور اس کے ذمے دم جبر ہوگا، ہم انشاء اللہ حاکم کے کلام کو صریح طور سے ذکر کریں گے (فتح القدیر ۲/۲۲۸، اور تفصیل کے لئے دیکھئے: ہدایہ مع الفتح ۲/۲۲۸)۔

۵۔ احقر کے نزدیک سوال میں درج مکی کے ان اعذار اور تنگی و دشواریوں کے پیش نظر مکی کے لئے امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک پر عمل کی گنجائش ہے بدلیل دفع الحرج ورفع المضرۃ۔

تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے پہلے اگر مزید عمرے کرنا چاہے تو اس کی اجازت نہیں ہے، ورنہ اس کا تمتع باطل ہو جائے گا۔

درمختار میں ہے:

أفاد أنه يفعل مايفعله الحلال فيطوف بالبيت ما بدا له ويعتمر قبل الحج وصرح في اللباب بأنه لا يعتمر أي بناء على أنه صار في حكم المكي وأن المكي ممنوع من العمرة في أشهر الحج وإن لم يحج وهو الذي حط عليه كلام الفتح وخالفه في البحر وغيره بأنه ممنوع من العمرة إن حج من عامه (درمختار ۲/۲۱۴)۔

فائدہ دیتا ہے اس بات کا کہ وہ وہ افعال کرے جو حلال کرتا ہے، پس طواف بیت اللہ کرے جو کچھ اس کے لئے ظاہر ہو۔ اور عمرہ کرے حج سے پہلے اور لباب کے اندر تصریح ہے یہ کہ وہ عمرہ نہیں کرے گا، یعنی بناء کرتے ہوئے اس بات پر کہ وہ مکی کے حکم میں ہو گیا اور مکی اشہر حج میں ممنوع عن العمرہ ہے۔ اگرچہ وہ حج نہ کیا ہو اور وہ وہی ہے جو کلام شیخ سے ظاہر ہے اور اس کی مخالفت، بحر وغیرہ کے اندر اس طرح ہے کہ وہ ممنوع عن العمرہ ہے، اگر وہ اسی سال حج کیا ہو۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

فإذا كان يوم التروية (الثامن من ذي الحجة) أحرم بالحج من المسجد الحرام ندبا ويشترط أن يحرم من الحرم لأن التمتع في معنى المكي وميقات المكي في الحج: الحرم، كما تقدم في المواقيت، ثم يفعل ما يفعله الحاج المفرد (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۲۲۱)۔

پس جب ترویہ کا دن ہو جائے (آٹھویں ذی الحجہ) تو مسجد حرام سے ندبا حج کا احرام باندھے اور حرم سے احرام باندھنا شرط ہے۔ اسلئے کہ متمتع مکی کے معنی میں ہے، اور مکی کا میقات حج میں حرم ہے جیسا کہ مواقیت کی بحث میں بیان ہوا، پھر وہ افعال کرے جو حاجی منفرد کرتا ہے۔

مزید تائید کے لئے صاحب ''معلم الحجاج'' کی عبارت پیش کی جا رہی ہے جس کو انھوں نے شرائط تمتع کے تحت ذکر کیا ہے:

مکہ مکرمہ یا اس کے آس پاس کسی جگہ قیام کرتے ہوئے حلال ہونے کی حالت میں حج کے مہینے شروع نہ ہونا اسی طرح احرام باندھ کر عمرہ کا طواف حج کے مہینوں سے پہلے کرنے کے بعد بھی حج کے مہینے شروع نہ ہونا اگر مکہ مکرمہ میں حلال ہونے کی حالت میں حج کے مہینے شروع ہو گئے، یا احرام کے بعد عمرہ کا اکثر طواف کرنے کے بعد حج کے مہینے شروع ہو گئے اور پھر حج کیا۔ یا دوسرے عمرہ کا احرام باندھا اور اس کے بعد حج کیا تو تمتع نہ ہوگا۔ البتہ اگر وطن چلا گیا اور پھر لوٹ کر آیا اور عمرہ کا احرام باندھا اس کے بعد حج کیا تو تمتع ہو جائے گا۔ (معلم الحجاج/۲۱۸، شرائط تمتع)۔

۶۔ (الف) عمل رمی جمار میں نیابت درست ہے لیکن یہ نیابت صرف معذور یا مریض کے لئے ہے۔ عام حالات میں اس کی گنجائش نہیں، لہذا محض اژدحام یا کسل پسندی کی بناء پر نیابت درست نہ ہوگی۔

(ب) معذوری کی حد: آدمی اس حال میں ہے کہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا ہے۔ پیدل یا سوار ہو کر بھی جمرات تک نہیں پہونچ سکتا، یا پہونچ تو سکتا ہے لیکن سخت تکلیف کا'' پیش ہے۔

معلم الحجاج میں شرائط رمی کے تحت لکھا ہوا ہے:

(شرط ہے) خود رمی کرنا: کسی دوسرے سے باوجود قادر ہونے کے بلا عذر رمی کرانی جائز نہیں۔ البتہ اگر مریض کسی دوسرے کو حکم دے، یا کوئی مجنوں و بے ہوش ہو، یا بچہ ہو اور دوسرا شخص اس کی طرف سے رمی کرے تو جائز ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ کنکری اس شخص کے ہاتھ پر رکھ دی جائے اور اس کو وہ پھینک دے، یا اس کا ساتھی پھینک دے۔ مریض کی طرف سے رمی کے لئے اس کا حکم شرط ہے۔ اور بے ہوش وغیرہ کے لئے حکم شرط نہیں۔

رمی کے بارے میں وہ شخص مریض اور معذور سمجھا جائے گا جو کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات

تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف کا اندیشہ ہو۔ اگر سوار ہو کر جمرات تک آسکتا ہے اور مرض کی زیادتی اور تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے تو اس کو خود رمی کرنا ضروری ہے دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں۔ ہاں اگر سواری یا کوئی شخص اٹھانے والا نہ ہو تو معذور ہے دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے۔ (معلم الحجاج ر ۱۸۵)۔

۷۔ چونکہ حنفیہ کے نزدیک احصار کے اطلاق کے اندر عموم ہے اسلئے احقر کی ناقص رائے یہ ہے کہ جو غیر ملکی بلا اجازت حکومت حج کا احرام باندھ لیتے ہیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیئے جاتے ہیں محصر کے حکم میں ہیں۔

بحر الرائق میں ہے:

والأكثر على ان الإحصار هو المنع سواء كان من خوف أو مرض أو عجز أو عدو اختاره الكشاف۔

اکثر لوگوں کی رائے اس بات پر ہے کہ احصار روکنا ہے، خواہ کسی خوف یا مرض کی وجہ سے ہو یا عجز اور عدو کی وجہ سے ہو، اس کو صاحب کشاف نے اختیار کیا ہے (البحر الرائق ۳ر ۵۳)۔

منحۃ الخالق میں ہے:

ترجمہ: (قولہ ومن الاحصار) اشارہ ہے اس بات کی جانب کہ وہ داخل ہے مصنف کے کلام میں، کیونکہ اس کو مقدم کیا ہے اس بات سے کہ نہیں مراد ہے خاص عدو یا مرض، بلکہ مراد ہر روک دینے والی چیز ہے، پس ان دونوں کے علاوہ اس کے اندر داخل ہوگا، مساوات یا اولویت کے دلالت کے طریقے پر، جیسا کہ یہاں ہے، اس کی جانب قریب ہی اشارہ کیا جائے گا...... ممکن ہے اس کا داخل کرنا ان کے قول "بعدہ" کے تحت بایں طور کہ مراد ظاہر ہو، مگر ظاہر یہ ہے کہ ان کا کلام اس محصر کے سلسلے میں ہے جس کا تحلل ہدی پر موقوف ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔ (منحۃ الخالق ۳ر ۵۳، اور دیکھئے الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳ر ۲۸۶۳)۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

حلال ہونے کی صورتیں: جب یہ محصر کے حکم میں ہے تو اس کے حلال ہونے کی صورتیں وہی ہوں گی جو دیگر محصرین کی ہیں، وہ یہ کہ اگر مکان احصار سے بیت اللہ تک پہونچنا ممکن ہو تو عمل عمرہ یعنی طواف کے ذریعہ حلال ہوگا اور اگر یہ متعذر ہو تو بھر ذبح ہدی ہی حلال ہونے کے لئے کافی ہے، حلق اور قصر لازم نہیں۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

وأما ما تحلل به فإن أمكنه الوصول إلى البيت تحلل بعمل عمرة وإن تعذر عليه ذلك ذبح الهدى فليبعث عند الحنفية بالهدى أو بثمنه يشترى بها هديا فيذبح عنه وما لم يذبح لا يحل سواء عند الحنفية شرط عند الإحرام الإحلال بغير ذبح عند الإحصار أو لم يشترط. (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳ر ۲۸۹، ۲۹۱)۔

اور بہر حال وہ چیز جس کے ذریعہ حلال ہوا جاتا ہے، پس اگر اس کو بیت اللہ تک پہونچنا ممکن ہو تو عمل عمرہ

سے حلال ہو جائیگا۔ اور یہ اگر اس پر حصار رہو تو ہدی کو ذبح کرے گا۔ پس امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر ہدی کو بھیجے گا یا اس کی قیمت جس کے ذریعے ہدی کو خریدے گا اور اس کی جانب سے ذبح کیا جائے گا، جب تک ذبح نہیں کیا جائے گا حلال نہیں ہوگا، خواہ حنفیہ کے نزدیک احرام کے وقت احلال بغیر الذبح عند الاحصار کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔

البتہ ہدی کے ذبح کے لئے ضروری ہے کہ حرم میں ذبح کیا جائے۔ حدود حرم سے باہر ذبح کا اعتبار نہیں ہوگا۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

ترجمہ: بہر حال ہدی کے ذبح کرنے کی جگہ عند الحنفیہ حرم ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان کی وجہ سے "ولا تحلقوا رؤوسكم حتى يبلغ الهدى محله" اگر تمام جگہ اس کا محل ہوتا تو محل کا ذکر کرنا بے فائدہ تھا، اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ثم محلها إلى البيت العتيق" یعنی وہ جگہ جس میں بیت اللہ ہے، پس ان کے نزدیک دم احصار کا ذبح کرنا صرف حرم ہی میں درست ہوگا، پس بکری کو بھیجے گا جو حرم میں ذبح کی جائے گی، اور اس سے جو اس کو لے جائے گا متعین کرے گا کہ فلاں وقت میں اس کو ذبح کرے گا، اور پھر حلال ہو جائے گا ممنوعات احرام سے، اور جائز ہے محصر بالعمرہ کے لئے کہ بکری جہاں چاہے ذبح کرے، بہر حال صدقہ اور صوم تو وہ دونوں بھی جاری ہونگے جس جگہ میں چاہے گا (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲۸۹/۳)۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب احناف میں سے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے جبکہ صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد) اس ترتیب کے وجوب کا انکار کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ تبدیلی ترتیب کے باوجود دم کا قول نہیں کرتے۔

ہدایہ میں ہے:

فإن حلق القارن قبل أن يذبح فعليه دمان عند أبي حنيفة دم بالحلق في غير أوانه لأن أوانه بعد الذبح و دم بتأخير الذبح عن الحلق و عندهما يجب عليه دم واحد وهو الأول ولا يجب بسبب التأخير شيء على ما قلنا۔ (ہدایہ ۲۷۷/۱)۔

اگر قارن ذبح سے پہلے حلق کرلے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر دو دم واجب ہونگے ایک دم حلق کا اس کے علاوہ وقت میں، اسلئے کہ اس کا وقت ذبح کے بعد ہے، اور ایک دم حلق سے ذبح کو موخر کر دینے کی وجہ سے، اور صاحبینؒ کے نزدیک اس پر صرف ایک دم لازم ہے اور وہ اول ہے، اور تاخیر کے سبب سے کچھ بھی واجب نہیں ہوگا جیسا کہ ہم نے عرض کیا۔

البتہ احناف کا مفتی بہ قول امام اعظمؒ کا قول ہے، جبکہ صاحبین کا قول مرجوح ہے۔ لہذا قارن اور متمتع کے لئے ضروری ہے کہ پہلے جمرۃ العقبہ کی رمی کرے، پھر قربانی کرے، پھر سر منڈوائے۔

رد المحتار میں ہے:

(وقوله ولو حوجب الترتيب) اى الترتيب الثلاثة الرمى ثم الذبح ثم الحلق على ترتيب حروف

بیان ...... أما الطواف فلا یجب ترتیبه علی شئ منها وأما نحره فلازم علیه فیجب علیه بین الرمی والحلق کما قدمنا ذلك في واجبات الحج (رد المحتار ۲/۲۰۹)۔

(اور صاحب کتاب کا قول لا یجب الترتیب) ...... بہر حال طواف میں اس کی ترتیب ان میں کچھ بھی واجب نہیں ہے اور بہر حال نحر تو اس پر لازم ہے اس لئے اس پر رمی اور حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے، جیسا کہ ہم نے قبل ذکر کیا کہ یہ واجبات حج میں سے ہے۔

اگر متمتع اور قارن نے مذکورہ تینوں چیزوں کی رعایت نہ کی تو دم لازم ہوگا۔

فتح القدیر میں ہے:

ویجب الدم بعد الرمی قبل الحلق فإن حلق قبله لزمه دم عند أبي حنیفة (فتح القدیر ۲/۳۱۶)۔

اور واجب ہے دم رمی کے بعد حلق سے پہلے یعنی اگر اس سے قبل حلق کرلیا ہو تو اس پر دم امام ابو حنیفہ کے نزدیک لازم ہوگا۔

لیکن چونکہ آج کل ازدحام یا دیگر وہ اعذار جو سوال میں درج ہیں، کے پیش نظر ترتیب کو باقی رکھنا مشکل ہو تو اعذار کا امکان ہے کہ صاحبین کے قول پر عمل کی گنجائش ہے۔

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ قوی اعذار کی وجہ سے مسائل میں گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سوال میں مذکورہ اعذار کو قوی اعذار مانا جائے اور ان کی وجہ سے دم کے سقوط کا قول کرلیا جائے۔

شامی کے اندر ہے:

ولو ترك شیئاً من الواجبات بعذر لاشئ علیه ما کان في البدائع۔ (رد المحتار ۲/۲۱۰)۔

اگر واجبات میں سے کچھ بھی کسی عذر کی بنا پر ترک کر دیا تو اس پر کچھ بھی نہیں ہے جیسا کہ بدائع میں ہے۔

۱۔ تمام شقوں کی توضیحات حسب ذیل ہیں:

اصل حکم تو یہی ہے کہ حج بدل کرنے والا اگر تمتع کرنا چاہے تو آمر سے اس کی اجازت لے لے۔ بصورت اجازت تمام مصارف و اخراجات آمر کے ذمے ہوں گے، اور اگر آمر کی اجازت نہیں لیا اور تمتع کرلیا تو پھر تمام اخراجات اس کے ذمے لازم ہوں گے، اسی طرح اگر بااذن آمر تمتع کیا ہے تو دم تمتع بھی آمر کے ہی پر ہوگا اور بغیر اذن آمر کی صورت میں اس دم کا بوجھ خود حج بدل کرنے والے کو برداشت کرنا پڑے گا۔

در مختار میں ہے:

ودم القران والتمتع والجنایة علی الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فیصیر مخالفاً فیضمن (در مختار ۲/۲۶۷، ۲۶۸)۔

اور دم قران اور دم تمتع اور دم جنایت حاجی کے ذمے ہے، اگر آمر بالقران ہو یا آمر بالتمتع نے اجازت دی ہو، ورنہ تو وہ مخالف ہو جائے گا اور ضمان بھرے گا۔

ردالمحتار ی کے اندر ہے: (قوله وضمن النفقة الخ) أما الدم فهو على المأمور على كل حال بحر (ردالمحتار ۲/۱۶۸)۔

(صاحب درمختار کا قول وضمن النفقة) بہرحال دم تو وہ ہر حال میں مامور کے ذمہ ہوگا۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندوستان سے جو حجاج جاتے ہیں، اگر ایام حج سے پہلے پہونچ جاتے ہیں تو عام طور پر تمتع کرتے ہیں۔ اور یہ چیز ان کے عرف وعادت میں داخل ہو چکی ہے۔ ٹھیک اسی طرح آمر جب کسی کو حج بدل کے لئے بھیجتا ہے تو وہ بھی یہی تصور کرتا ہے کہ یا اگر پہلے پہونچ سکے گا تو پہلے عمرہ کریگا، پھر حج کرے گا، یا پھر پہلے حج کرکے بعد میں عمرہ کرے گا۔

"تو جہاں آمر کی جانب سے کوئی صراحت موجود نہ ہو تو وہاں اسی عام اجازت واختیار پر محمول کیا جائے گا" بدلیل العرف والعادۃ"۔ لہذا آمر کی جانب سے بغیر کسی صراحت کے بھی اگر حج بدل کرنے والا تمتع کر لیتا ہے، تو احقر کے نزدیک موجودہ صورتحال کے مطابق (جیسا کہ اوپر نقل میں گذرا) اس کی گنجائش ہے۔ البتہ جہاں آمر کی جانب سے صراحت موجود ہو تو پھر صراحت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس کی تائید "احسن الفتاوی" کے درج ذیل فتوے سے ہوری ہے:

سوال: حج بدل کرنے والا قران کرے یا تمتع یا افراد، بینوا توجروا۔

الجواب: اس کو افراد کرنا چاہئے۔ آمر کی اجازت سے تمتع وقران کرسکتا ہے، مگر دم شکر مامور پر ہوگا۔ اگر آمر خوشی دم شکر ادا کردے تو جائز ہے۔ اس زمانے میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع وقران ودم شکر کا اذن ثابت ہے، اس لئے صراحتاً اذن ضروری نہیں۔ مع ہذا صراحۃً اذن حاصل کرنا بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالی اعلم (احسن الفتاوی ۴/۵۲۳)۔

ان تفصیلات سے سوال کی چوتھی شق بھی واضح ہوگئی کہ دم تمتع بھی عرفاً اذن ثابت ہونے کی وجہ سے آمر ہی کے ذمہ آئے گا۔

حج عن المیت کے سلسلے میں بھی یہی حکم ہوگا۔ اگر میت نے حج کی وصیت کی تھی اور وہ ایسی جگہ کا رہنے والا تھا، جہاں کا عرف وتعامل اذن عمومی ہو تو عدم صراحت کی صورت میں اذن عمومی پر محمول کیا جائے گا۔ اور صراحت کی صورت میں صراحت کے مطابق عمل لازم ہوگا۔

اور اگر میت نے حج کی وصیت نہیں کی تھی اور وارث یا غیر وارث حج کر رہا ہے تو اس وارث یا غیر وارث کے یہاں کے عرف وتعامل کا اعتبار ہوگا۔

۱۰۔ (الف، ب) سوال میں ذکر کردہ اعذار کی بنا پر حائضہ اور نفساء اگر طواف زیارت اسی ناپاکی کی حالت میں کرلے اور دم دے دے تو شرعاً معتبر مانا جائے گا، البتہ اس کی وجہ سے طہارت کا وجوب ساقط نہ ہوگا، کیونکہ تلافی کی صورت بشکل دم بدنہ موجود ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ترجمہ: "اگر طواف زیارت محدث ہونے کی حالت میں کیا تو اس پر ایک بکری واجب ہے، اور اگر

جنبی ہونے کی حالت میں تو ایک بدنہ، اور ایسے ہی اگر اس کا اکثر حصہ جنبی، یا محدث ہونے کی حالت میں کیا تو افضل یہ ہے کہ طواف کو لوٹالے جب تک مکہ میں رہے اور اس پر ذبح واجب نہیں۔ اور اصح یہ ہے کہ حدث کی حالت میں ندباً لوٹائے گا، اور جنابت کی حالت میں وجوباً پھر اگر اس کا اعادہ کرے اور حدث کی حالت میں طواف کرلے تو اس پر دم نہیں، اور اگرچہ اس کا اعادہ ایام نحر کے بعد کرے۔ اور اگر اس کا اعادہ ایام نحر میں کرے تو اس پر کچھ واجب نہیں۔ اور اگر اس کا اعادہ ایام نحر کے بعد کرے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک دم واجب ہوگا، جیسا کہ "کافی" میں ہے اور اس سے بدنہ ساقط ہوجائے گا، جیسا کہ "سراج الوہاج" کے اندر ہے، اور اگر اپنے اہل میں لوٹ جائے اس حال میں کہ حالت جنابت میں طواف کیا تھا تو واجب ہے یہ کہ لوٹے اور لوٹے جدید احرام کے ساتھ، اور اگر نہ لوٹ سکے اور بدنہ بھیج دے تو کافی ہوگا مگر یہ کہ لوٹ کر آنا افضل ہے، اور اگر اپنے اہل میں لوٹ گیا اس حال میں کہ حدث کی حالت میں طواف کرلیا تھا تو اگر لوٹے اور طواف کرے تو درست ہے، اور اگر بکری بھیج دے تو یہ افضل ہے، جیسا کہ تبیین میں ہے۔ (فتاوی عالمگیری ۱/۲۴۶)۔

عالمگیری کی مذکورہ عبارت سے حائضہ اور نفساء کا حکم بالکل واضح ہے کیونکہ جنبی، حائضہ اور نفساء تینوں کے احکام یکساں ہیں۔

(ج) دم میں بکری کافی نہیں ہوگی بلکہ بدنہ دینا پڑیگا، جیسا کہ ماقبل کی تفصیلات سے واضح ہے، ویسے بحر الرائق کی عبارت بھی نقل کردی جاتی ہے۔

أی یجب بدنة لو طاف للرکن جنبا کذا روی عن ابن عباس و لأن الجنابة أغلظ فیجب جبر نقصانها فی البدنة إظهاراً للتفاوت بینهما و الحیض و النفاس کالجنابة (البحر الرائق ۳/۱۸)۔

یعنی واجب ہے بدنہ اگر رکن کا جنبی ہونے کی حالت میں طواف کرے، ایسے ہی ابن عباسؓ سے مروی ہے، اور اس لئے کہ جنابت اغلظ ہے، پس واجب ہے اس کے نقصان کا جبر بدنہ کے ذریعہ ان دونوں اور حیض و نفاس کے درمیان تفاوت کو ظاہر کرنے کے لئے جنابت کی طرح۔

(د) اس دم کی اور ہر قسم کے دم کی ادائیگی حدود حرم میں ہی کی جاسکتی ہے، حرم مکہ سے باہر نہیں۔ (معلم الحجاج/۲۶۳)۔

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا اگر انتقال ہوگیا تو اب وہ خاتون محصر کے حکم میں ہوگی۔ لہذا احکام احصار اس پر عائد ہوں گے۔ (البحر الرائق ۳/۵۳)۔

۱۲۔ حج کا سفر کرنے والا ایام حج یعنی ۷۔۸ ذی الحجہ سے اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہنچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ۱۵ ر یوم قیام سے پہلے ہی ایام حج شروع ہوجاتے ہیں اور وہ منی چلا جاتا ہے تو وہ مقیم نہیں ہوگا، بلکہ اس پر احکام سفر عائد ہوں گے (تفصیل کے لئے دیکھئے: منحة الخالق ۲/۱۳۲)۔

لیکن موجودہ صورت حال کے مطابق جبکہ منی اور مکہ کی آبادیاں آپس میں متصل ہوگئی ہیں، احقر کا رجحان یہ ہے کہ اس شخص کو مقیم مانا جائے۔ جیسا کہ "صاحب مراقی الفلاح" کی عبارت سے یہ بات مستنبط ہورہی ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے۔

(و) بشرط أن یکون قد (جاوز أیضا (ما اتصل به) أی بعمرانه (من فنائه) کما یشترط مجاوزته و بعمرانه وهو ما حول المدینة من بیوت و مساکن فإنه فی حکم المصر و کذا القری المتصلة بربض المصر ... لا مجاوزتها فی الصحیح. (مراقی الفلاح ۲۱۲)۔

اور شرط لگائی جاتی ہے یہ کہ وہ تجاوز کرے نیز اس چیز سے جو اس سے متصل ہے، یعنی اس کے مقام یعنی اس کے فناء سے جیسا کہ شرط لگائی جاتی ہے اس کے ربض سے تجاوز کرنے کی۔ اور وہ جو شہر کے ارد گرد میں ہو اور مساکن میں سے۔ اس لئے کہ وہ شہر کے حکم میں ہے۔ اسی طرح وہ بستی بھی جو شہر کے ربض سے متصل ہو شرط لگائی جاتی ہے اس کے تجاوزت کی بھی صحیح قول کے مطابق۔

۱۳۔ چونکہ احناف کا یہ اجمالی مسئلہ ہے کہ شوافع کی اقتدا اسی وقت تک جائز ہے جب تک کہ اس اقتداء سے علی حسب اعتقاد المقتدی فساد نماز لازم نہ آئے ورنہ اقتدا جائز نہیں۔

رد المحتار میں ہے:

وظاهر کلام النهر أیضا حیث قال إنما الاقتداء بالمخالف فی الفروع کالشافعی یجوز ما لم یعلم منه ما یفسد الصلوة علی اعتقاد المقتدی علیه الإجماع إنما اختلف فی الکراهة (رد المحتار ۱/۳۶۲)۔

کلام النہر کا ظاہر اس طرح ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ بہر حال فروع کے اندر مخالف مذہب کی اقتداء کرنا، جیسے کہ امام شافعی کے مذہب کی، تو جائز ہے اس وقت تک جب تک علم نہ ہو سکے اس چیز کا جو مقتدی کے اعتقاد کے مطابق مفسد صلوۃ ہے، اس پر اجماع ہے اور کراہت کے اندر اختلاف ہے۔

وتر کی نماز کو شوافع المسلک امام کی اقتداء میں ادا کرنا اسی قبیل سے ہے جس سے علی حسب اعتقاد المقتدی فساد لازم آتا ہے اس لئے وتر کی نماز شوافع المسلک امام کی اقتداء میں ادا کرنا درست نہیں ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: رد المحتار ۱/۳۴۴)۔

البتہ سوال میں ذکر کردہ اعذار کے پیش نظر احقر کا رجحان اس بات کی طرف ہے کہ امام رازی کے قول کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

بابت حج و عمرہ

فیصلے

بابت: حج و عمرہ کے مسائل

۱- حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے، جو عمر بھر میں ایک ہی دفعہ فرض ہے، عام طور پر حجاج کو اس کے لئے طویل سفر کی مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے اور کثیر اخراجات بھی برداشت کرنے ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا اجر وثواب بھی بے حد رکھا ہے اور آپ ﷺ نے اس عبادت کو ایک طرح کا جہاد قرار دیا ہے، پس حجاج کو چاہئے کہ وہ اس راہ کی مشقتوں کو ایک سعادت سمجھ کر برداشت کریں، افعالِ حج میں زیادہ سے زیادہ احتیاط کے پہلو کو ملحوظ رکھیں اور جن مسائل میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے اور ایک میں توسع اور دوسرے میں احتیاط کا پہلو ہے تو ایسی صورت حتی الوسع اختیار کرنے کی کوشش کریں کہ اس کا عمل دونوں ہی آراء کے مطابق درست قرار پائے اور اس عظیم عبادت کی انجام دہی میں تن آسانی اور سہل انگاری سے بچا جائے۔

۲- حدود میقات سے باہر رہنے والے ہوں یا مکہ اور حل میں رہنے والے، اگر حدود میقات کے باہر سے مکہ کی نیت کرکے میقات سے آگے بڑھیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں، خواہ وہ حج اور عمرہ کی نیت سے جائیں یا کسی اور مقصد سے۔

موجودہ حالات میں جبکہ تجار، دفاتر میں کام کرنے والے، ٹیکسی چلانے والے اور دیگر پیشہ وارانہ کام کرنے والے بھی ہر روز، بھی ہر دوسرے، تیسرے دن اور بعض لوگوں کو تو ایک دن میں ایک سے زیادہ دفعہ حرم میں داخل ہونا پڑتا ہے، ایسی حالت میں اس طرح کے لوگوں کو ہر بار احرام اور اداء عمرہ کی پابندی بے حد مشقت طلب اور دشوار ہے، اس لئے ان حضرات کے لئے بغیر احرام باندھے حدود حرم میں داخلہ کی گنجائش ہوگی۔

۳- جو لوگ مکہ کے اصلاً رہنے والے ہیں یا وہاں مقیم ہیں، اصلاً ان کے لئے تمتع نہیں ہے، اس لئے انہیں اشہر حج میں عمرہ نہیں کرنا ہے، وہ شخص جس پر اس سال حج فرض ہے اور وہ اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے اسے اشہر حج میں میقات کے باہر جانے سے پرہیز کرنا چاہئے اور اگر وہ تجارتی، دفتری اور اپنی پیشہ وارانہ مجبوریوں کے باعث باہر جانے پر مجبور ہے تو وہ تجویز (۲) پر عمل کرتے ہوئے میقات سے اندر داخل ہوتے ہوئے احرام نہ باندھے اور عمرہ نہیں کرے۔

مکہ میں مقیم سے مراد وہ لوگ ہیں جو اشہر حج کے شروع ہونے سے قبل صحیح طریقہ سے مکہ میں آکر مقیم ہوگئے یا کم از کم ایک سال سے وہاں اقامت پذیر ہوں۔

۴- تمتع کرنے والے آفاقی حجاج حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کر سکتے ہیں۔

۵- رمی جمرات کے سلسلہ میں عام طور پر آج کے زمانہ میں حجاج میں جو بات رواج پا رہی ہے کہ وہ معمولی اعذار بلکہ بغیر عذر بھی خود رمی کو نہیں جاتے اور دوسروں کو نائب بنا دیتے ہیں، جملہ علماء اس پر متفق ہیں کہ اس صورت میں حج کا ایک واجب ترک ہو جاتا ہے، یہ نیابت شرعاً معتبر نہیں ہے اور ایسا کرنے والے پر دم واجب ہے، ہاں وہ لوگ جو جمرات تک چل کر جانے کی طاقت نہیں رکھتے یا بہت مریض اور کمزور ہیں ایسے لوگوں کے لئے نائب بنانا جائز ہے۔

۶- محض ازدحام عذر نہیں ہے، اس کا بہتر حل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس ازدحام میں جا کر رمی کرنے کا متحمل نہیں تو وہ وقت مسنون کے بعد وقت جواز بلکہ زیادہ دشواری میں وقت کراہت میں بھی رمی کر سکتا ہے، اس کے لئے یہ مکروہ بھی نہیں ہوگا۔

۷- حنفیہ کے قول راجح کے مطابق ۱۰ ذی الحجہ کے مناسک میں رمی، ذبح اور حلق کو ترتیب کے ساتھ انجام دینا واجب ہے اور صاحبین اور اکثر فقہاء کے یہاں مسنون ہے، جس کی خلاف ورزی سے دم واجب نہیں، حجاج کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو ترتیب کی رعایت کو ملحوظ رکھیں تاہم ازدحام اور موسم کی شدت، اور مذبح کی دوری وغیرہ کی وجہ سے صاحبین اور دیگر ائمہ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، لہذا اگر یہ مناسک ترتیب کے خلاف ہوں تو بھی دم واجب نہیں ہوگا۔

۸- دنیا بھر سے لاکھوں حجاج موسم حج میں مکہ پہنچتے ہیں اور مناسک حج ادا کرتے ہیں۔

الف: حج کے جملہ انتظامات کی ذمہ داری حکومت سعودیہ پر ہے، حج ایک اجتماعی عبادت ہے، اس کو نظم وضبط کے ساتھ ادا کیا جانا ضروری ہے، لاکھوں انسانوں کے قیام وسفر ان کی صحت، جان ومال کا تحفظ بغیر نظم وضبط کے ممکن نہیں ہے، ایسے حالات میں حکومت سعودیہ بہت سی انتظامی پابندیاں عائد کرتی ہے جس سے حاجیوں کی تعداد اتنی رکھی جا سکے جس کا انتظام بہتر طور پر ہو سکے، حکومت سعودیہ کے انتظامی احکامات کی پابندی تمام ہی لوگوں پر ضروری ہے، یہ امر بالمعروف ہے جس کی اطاعت لازم ہے لہذا حکومت سعودیہ کے احکام وضوابط کے مطابق سعودیہ میں مقیم مسلمانوں کو اگر ہر سال حج کرنے سے منع کیا جائے تو اس کی پابندی شرعاً ضروری ہے۔

ب: اگر کوئی شخص ان پابندیوں کی مخالفت کرتے ہوئے بھی احرام حج باندھ کر میقات سے آگے بڑھ جائے اور پھر پکڑا جائے اور اسے انتظامیہ واپس کر دے تو اس کا حکم وہی ہوگا جو شرعاً محصر عن الحج کا ہے یعنی اسے حرم میں ایک دم دینا واجب ہوگا اور جس تاریخ اور جس وقت پر حرم میں اس کی طرف سے دم احصار ادا کیا جائیگا اس وقت وہ احرام کی پابندیوں سے باہر آ سکے گا۔

۹- اگر اصطلاح شرع کے مطابق واقعی حج بدل ہو تو اس صورت میں عام اصول کے مطابق حج افراد ادا کیا جانا

چاہئے لیکن حج بدل کرنے والے کو چاہئے کہ حج بدل کرانے والے کو مسئلہ سمجھا کر اس سے حج تمتع یا مطلق حج کی
اجازت حاصل کرلے۔ اگر کسی وجہ سے اس نے اس کے لئے اجازت نہیں لی تو چونکہ عام طور سے حج تمتع کیا جاتا
ہے خود حج کرانے والا اگر حج کرتا تو سہولت کی بنیاد پر حج تمتع کرتا لہذا عرف و عادت کے پیش نظر مامور کے
لئے حج تمتع کی اجازت ہوگی۔ اس صورت میں میقات سے عمرہ کا احرام بھی آمر کی طرف سے کرنا ہوگا اور اس
صورت میں دم شکر بھی آمر کے خرچ سے ادا کیا جائے گا۔

۱۰- اگر طواف زیارت سے قبل کسی عورت کو حیض یا نفاس آجائے اور اس کے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس کی
گنجائش نہ ہو کہ وہ حیض یا نفاس سے پاک ہو کر طواف زیارت کر سکے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر طرح اس
کی کوشش کرے کہ اس کے سفر کی تاریخ آگے بڑھ سکے تاکہ وہ پاک ہو کر طواف زیارت ادا کرنے کے بعد اپنے
گھر واپس جاسکے، لیکن اگر ایسی ساری ہی کوششیں ناکام ہو جائیں اور پاک ہونے سے پہلے اس کا سفر ناگزیر
ہو جائے تو ایسی حالت میں وہ طواف زیارت ادا کر سکتی ہے یہ طواف زیارت شرعاً معتبر ہوگا اور وہ پورے طور پر
حلال ہو جائیگی، لیکن اس پر ایک بدنہ (بڑے جانور) کی قربانی بطور دم جنایت حدود حرم میں لازم ہوگی۔

۱۱- سفر حج میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور اس نے ابھی احرام نہیں باندھا ہے اور اس کے لئے وطن واپسی
ممکن ہے تو وہ اپنے وطن واپس جا کر عدت گذارے اور اگر احرام باندھ چکی ہے یا واپسی کا سفر دشوار ہے تو وہ ایام
عدت میں حج و عمرہ ادا کرلے۔

۱۲- حج کا سفر کرنے والا ایام حج سے اتنا پہلے مکہ مکرمہ پہنچ رہا ہے کہ مکہ مکرمہ میں پندرہ یوم قیام سے پہلے ہی حج شروع
ہو جاتا ہے اور منیٰ چلا جاتا ہے تو وہ مسافر ہوگا۔ اسے چار رکعت والی نمازوں میں قصر کرنا ہوگا۔

۱۳- بلاد عرب میں عموماً وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے ادا کی جاتی ہیں۔ احناف کے لئے بھی ایسے امام کی اقتداء
میں نماز وتر ادا کرنے کی گنجائش ہے۔ اگر امام وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے ادا کرے تو حنفی مقتدی دو رکعت کے بعد
سلام نہ پھیرے اور امام کے ساتھ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔

☆☆☆☆☆